تاریخ کے مقدموں کے ساتھ والہانہ باتی کتاب

تاریخِ عالم کے اہم سنگِ میل

43ء سے سقوطِ بغداد 1258ء تک کے اہم سنگ میل

اخلاق احمد قادری

ادارہ City Book Point کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ ہمارے ادارے کے پیشِ نظر صرف تحقیقی کتب کی اشاعت ہے۔

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

بیاد	:	حسن دین
نام کتاب	:	تاریخ عالم کے اہم سنگ میل
مصنف	:	اخلاق احمد قادری
پروف	:	کاشف اخلاق
تعداد	:	500
ایڈیشن	:	2009ء
کمپوزنگ	:	عبداللہ کمپوزنگ سینٹر
قیمت	:	-/650روپے

''انتساب''

وہ کتاب خانہ میں کہتا ہے آ کے شور و رزم
خلوت موت سے نکل جلوت زندگی میں آ

قارئین تاریخ کے نام!

''جو تاریخ کے جھروکوں میں
انسان کے ماضی کو تلاش کرتے ہیں!''

فہرست

انتساب	3
عرض ناشر	12
ایک دو باتیں اخلاقاً	13
43ء۔ قیصر کلاڈیس اور اس کا عہد	15
51ء۔ بلاش اول تخت نشین ہوا	16
64ء.....اور روم جلتا رہا	18
79ء۔ اور پومپیائی پر آقیامت گزر گئی	22
65ء۔ سینیکا کو سزائے موت کا حکم	25
69ء۔ شہنشاہ ویسپاشین کا مالیاتی نظام	26
70ء۔ یروشلم کی تباہی	28
75ء۔ پلینی الاکبر کا انسائیکلوپیڈیا	30
80ء۔ روم میں کلوسیوم کی تعمیر	32
105ء۔ کاغذ ایجاد ہوا	34
105ء۔ اشک بیست و چہارم کی تخت نشینی	35
114-117ء۔ شہنشاہ ٹراجن کی فتوحات	36
120ء۔ کینشکا اور اس کا عہد	39
120ء۔ المجسطی اور بطلیموس	41
120ء۔ رومی مورخ ٹیسی ٹس	44
122ء۔ شہنشاہ ہیڈرین اور اس کی دیوار	46
127ء۔ پلوٹارک اور اس کی ''زندگانیاں''	48
135ء۔ یہودیوں کی عالمی جلاوطنی	50
138-180ء۔ عہد اینٹونائنز	52
164ء۔ جالینوس کی روم آمد	54
192ء۔ عظمت روما کا خاص دور	57
194ء۔ شہنشاہ سیپٹی میئس سیورس	61
212ء۔ شہنشاہ کیراکیلا کی عطائے شہریت	62
215ء۔ شہنشاہ کیراکلا کا دام فریب	64
220ء۔ چین میں ہن خاندان کا خاتمہ	65
226ء۔ ساسانی خاندان کی حکومت کا آغاز	67
242ء۔ ظہور مانی	70
260ء۔ شاپور اول اور قیصر ویلیرین	73
250ء۔ اصحاب کہف اور شہنشاہ دقیانوس	76
272ء۔ ملکہ زینوبیا کا عروج و زوال	80
276ء۔ روم و ایران کا تصادم	82
284ء۔ شہنشاہ ڈایوکلیشن کا نظام سلطنت	83
297ء۔ شاہ ایران اور توہین آمیز شرائط صلح	86
305ء۔ عیسائیت میں رہبانیت کا آغاز	87
309ء۔ شاپور اعظم اور اس کا عہد	89
320ء۔ چندر گپت اول اور گپت خاندان	91
330ء۔ قسطنطنیہ اور قسطنطین اعظم	94
325ء۔ مجلس نیقیہ کا انعقاد	97
333ء۔ سینٹ پطرس کے گرجا گھر کی تعمیر	98
361ء۔ شہنشاہ جولین کا ارتداد اور عہد مختصر	99
375ء۔ چندر گپت ثانی کی تخت نشینی	102
381ء۔ مسیحیت ایک سرکاری مذہب	103
390ء۔ فاہیان ہندوستان کے سفر پر	105
399ء۔ یزدگرد گنہگار کا قبول عیسائیت	109
410ء۔ سقوط روم	110

410ء۔کالی داس، ایک عظیم ادیب	113
415ء۔اشوگھوش اور سنسکرت ادب	114
413ء۔سینٹ آگسٹائن اور ''خدا کا شہر''	115
420ء۔بہرام گور کا تاج وتخت پر قبضہ	117
432ء۔سینٹ پیٹرک اور آئرلینڈ	119
451ء۔ایٹلا کی ترک تازیاں	121
459ء۔فیروز اول اور ایران میں خشک سالی	124
476ء۔آریہ بھٹ کی پیدائش	126
476ء۔مغربی سلطنت روم کا خاتمہ	127
487ء۔قباد شہریار اور مزدک کا ظہور	128
500ء۔فرینک بادشاہ کلووس کا قبول مسیحیت	130
500ء۔اینگلو سیکسن قبائل برطانیہ میں	133
500ء۔چیچن اٹزا کا عہد عروج	134
520ء۔عیسائیوں پر ذونواس کا حملہ	136
523ء۔آخری رومی فلسفی کی ''تشفی فلسفہ''	137
528ء۔مزدک کا قتل	139
529ء۔حیرہ کے عرب حاکم کا شام پر حملہ	141
532ء۔شہنشاہ جسٹینین اور آیا صوفیہ کی تعمیر	142
531-579ء۔عہد نوشیرواں عادل	145
543-70ء۔سد مآرب کی تباہی	148
570ء۔مکہ پر ابرہہ کا حملہ	150
571ء۔تاریخ عالم کا سب سے روشن دن	153
606ء۔قدیم ہندوستان کا آخری حکمران	155
610ء۔ہرقل، قیصر روم کی حیثیت میں	157
610-14ء۔ذوقار کی جنگ	158
602ء۔سینٹ آگسٹین اور کنٹربری	159
610ء۔بعثت نبوی (ﷺ) کا آغاز اور نزول قرآن	160
615ء۔ایرانیوں کا یروشلم پر قبضہ	162
613ء۔دورِ ابتلاء	163
615ء۔ہجرت حبشہ	165
615ء۔شعب ابی طالب میں	167
618ء۔تاءنگ سلطنت کا قیام	169
619ء۔سفر طائف	170
620ء۔واقعہ اسریٰ	172
622ء۔واقعہ ہجرت عظمیٰ	174
624ء۔معرکہ بدرالبدور	178
628ء۔فتح مبین	180
625ء۔جنگ اُحد	183
627ء۔خندق کی فیصلہ کن لڑائی	187
628ء۔سربراہان عالم کے نام خطوط	190
630ء۔فتح مکہ یا فتح انسانیت	191
631ء۔اہل نجران سے مباہلہ	193
632ء۔امن وسلامتی کا ابدی چارٹر	195
632ء۔وفات حسرت آیات	196
632ء۔حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر	199
633ء۔ہیون سانگ برصغیر پاک وہند میں	201
634ء۔جنگ اجنادین	204
634ء۔خلیفہ ثانی کی نامزدگی اور ان کا عہد	206
636ء۔یرموک کی فیصلہ کن جنگ	209
637ء۔فتح مدائن	212
637ء۔معرکہ قادسیہ	213

637ء۔ معرکہ جلولا	215
637ء۔ فتح دمشق	217
638ء۔ بیت المقدس کی حوالگی	218
638ء۔ طاعون عمواس	221
639ء۔ قحط عظیم یا عام الرمادۃ	223
639ء۔ فتح مصر	225
641ء۔ عرد سہ نیل	227
642ء۔ سکندریہ کے کتب خانہ کی آتشزدگی	229
641ء۔ جنگ بہاؤنہ	230
644ء۔ شہادت خلیفہ ثانی	231
645-46ء۔ فتح آرمینیا و آذربیجان	234
647ء۔ براعظم افریقہ میں مسلمانوں کے قدم	235
649ء۔ اسلام کی پہلی بحری جنگ	236
652-55ء۔ غزوۂ ذات الصواری	237
652ء۔ سامانی خاندان کا آخری تاجدار	238
656ء۔ شہادت حضرت عثمانؓ	240
656ء۔ خلیفہ چہارم کی مسند نشینی	243
656ء۔ جنگ جمل	246
657ء۔ جنگ صفین	249
657ء۔ واقعہ تحکیم	251
658ء۔ جنگ نہروان	254
658ء۔ واقعات مصر، بصرہ و حجاز	256
661ء۔ شہادت حضرت علیؓ بن ابی طالب	258
661ء۔ حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری اور صلح	260
661ء۔ خلافت بنو امیہ کا آغاز	263
664ء۔ برطانیہ میں عیسائیت کی تبلیغ	265
666-672ء۔ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا حملہ	266
670ء۔ بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے	269
680ء۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد	271
680-692ء۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	274
683ء۔ جنگ حرہ	276
684ء۔ محاصرہ مکہ اور ترمیم کعبہ	278
684ء۔ معرکہ مرج راہط	280
685ء۔ توابین کا خروج	281
685ء۔ خلافت عبدالملک بن مروان	282
686-87ء۔ مختار ثقفی کا خروج اور قتل	285
687ء۔ ترجمان قرآن کی وفات	287
691ء۔ قبۃ الصخرہ کی تعمیر	289
691ء۔ عبدالملک بمقابلہ مصعب بن زبیر	291
695ء۔ شہنشاہ قسطنطین روم کی معزولی	292
696ء۔ سونے کا سکہ	293
697ء۔ مسلمانوں کی فتح قرطاجنہ	294
698ء۔ حجاج بن یوسف کے لشکر میں توسیع	296
700ء۔ امام ابن شہاب زہری دمشق میں	298
701ء۔ شہر واسط کی تعمیر	299
705ء۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کی مسند نشینی	300
706ء۔ دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر	301
709ء۔ فتح بخارا	302
711ء۔ ہسپانیہ کی فتح	303
712ء۔ محمد بن قاسم کی فتح سندھ	305
712ء۔ فتح سمرقند	308

713ء۔ وفات حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ	309
715ء۔ سلیمان بن عبدالملک تخت خلافت پر	312
715ء۔ انگریزی زبان کی سب سے قدیم نظم	313
715ء۔ قتیبہ بن مسلم کا قتل	314
716ء۔ طبرستان اور جرجان کی تسخیر	316
717ء۔ مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر ایک اور حملہ	317
717ء۔ خلافت راشدہ کی بحالی	318
720ء۔ یزید ثانی کی خلافت	319
724ء۔ مسند خلافت پر ہشام بن عبدالملک	321
729ء۔ معتزلہ مدرسہ فکر کا آغاز	322
728ء۔ وفات خواجہ حسن بصری	324
730ء۔ شہنشاہ لیوسوم کی دین بدری	325
732ء۔ بلاط الشہداء جنگ پوائٹرز	326
735ء۔ حضرت امام باقرؒ کا حلقہ درس	327
740ء۔ شہادت حضرت زید بن علی	328
744ء۔ خلیفہ ولید ثانی کا قتل	330
745ء۔ آخری خلیفہ بنوامیہ کی مسند نشینی	332
745ء۔ ضحاک خارجی کا خروج	333
747ء۔ ابومسلم خراسانی کا اعلان بغاوت	334
749ء۔ دولت عباسیہ کا آغاز	336
750ء۔ جنگ زاب/ خلافت بنوامیہ کا خاتمہ	337
753ء۔ وفات رابعہ بصری	338
754ء۔ منصور عباسی مسند خلافت پر	340
754ء۔ عبدالرحمٰن الداخل اندلس میں	341
758ء۔ شہر بغداد کی تعمیر	344
762ء۔ محمد مہدی نفس ذکیہ کا قتل	345
765ء۔ وفات امام جعفر صادقؒ	347
767ء۔ وفات امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ)	349
767ء۔ حضرت سفیان ثوری کی کوفہ سے رخصتی	352
768ء۔ شارلیمان تخت نشین ہوا	354
775ء۔ موطاء امام مالکؒ کی تکمیل	355
775ء۔ خلیفہ مہدی کی خلافت	357
775ء۔ حکیم مقنع اور "ماہ نخشب"	358
777ء۔ شارلیمان کا مسلم سپین پر حملہ	360
778ء۔ فرانسیسی رزمیہ نظم "رولینڈ"	361
779ء۔ ابراہیم بن ادھم کی وفات	362
787ء۔ ملکہ آئرین اور بت پرستی کا احیاء	363
785-86ء۔ خلیفہ الہادی کا عہد خلافت	365
785ء۔ حجاز میں علویوں کی ایک اور بغاوت	367
786ء۔ ہارون الرشید تخت خلافت پر	368
788ء۔ ہشام اول امیر اندلس بنا	371
790ء۔ الفزاری کی "زیج علی سنین عرب"	372
788-90ء۔ آل ادریس کی حکومت	373
796ء۔ الحکم اول امارت قرطبہ پر	375
799ء۔ وفات حضرت موسیٰ کاظمؒ	376
800ء۔ دولت بنی اغلب کی تاسیس	377
800ء۔ جابر ابن حیان اور الکیمیا	379
800ء۔ شارلیمن اور مغربی سلطنت روما	380
803ء۔ برامکہ کی بربادی وزوال	381
808ء۔ مراکش کے شہر فاس کی بنیاد رکھی گئی	382
809ء۔ امین اور مامون میں خانہ جنگی	384
813ء۔ خلیفہ المامون نے مسند خلافت سنبھالی	385

815ء۔ابن طباطبا کا دعویٰ خلافت	386
817ء۔امام علی رضاؑ کی ولی عہدی	387
817ء۔صاحب ''الصحیح'' امام مسلم کی پیدائش	389
819ء۔دولت سامانیہ کا آغاز	390
820ء۔وفات امام شافعی	391
822ء۔امیر عبدالرحمٰن ثانی سریر آرائے اندلس	393
825ء۔سیرت ابن ہشام زمانہ تصنیف	394
المامون اور بیت الحکمت	394
826ء۔اقریطش کی فتح	395
828ء۔ایگبرٹ کی بالادستی	396
828ء۔ماہر لسانیات الاصمعی کی وفات	397
832ء۔سسلی مسلمانوں کے زیر اثر	398
833ء۔المعتصم باللہ کی تخت نشینی	400
833ء۔امام احمد بن حنبل (رحمتہ اللہ علیہ) اور مسئلہ خلق قرآن	401
833ء۔فلکیات دانیحیٰ ابن ابی منصور	403
836ء۔سامرا کی تعمیر	404
838ء۔فتنہ بابک خرمی	406
840ء۔زریاب اور علم موسیقی میں فوقیت	407
842ء واثق باللہ مسند خلاف پر	408
845ء ابن سعد اور ''طبقات ابن سعد''	409
845ء امام بخاریؒ اور ''الجامع صحیح''	411
847ء خلیفہ المتوکل مسند خلافت پر	413
847ء الخوارزمی کی وفات	414
850ء اسحٰق موصلی کی وفات	415
850ء عرب سائنسدانوں کی ایجاد	416
851ء ایک ناپاک عیسائی تحریک	417
852ء محمد اول تخت قرطبہ پر	418
861ء الفرغانی اور مقیاس نیل کی تعمیر	420
861-62ء منتصر باللہ اور مستعین باللہ	421
868ء الجاحظ کی وفات	422
866ء المستعین کی معزولی اور المعتز کی تخت نشینی	423
864ء دولت زیدیہ کا قیام	424
866ء وفات الکندی	425
868ء ''رتن سوترا کی'' طباعت	426
869ء فتنہ صاحب الزنج	428
869ء المہدی باللہ کی خلافت اور قتل	430
870ء المعتمد علی اللہ تخت خلافت پر	431
الفریڈ اعظم کی تخت نشینی اور مشکلات کا دور	433
874ء وفات امام حسن عسکری (رحمتہ اللہ علیہ)	434
874ء جبش الحاسب کی وفات	435
877ء احمد بن طولون، مصر کی خودمختاری	436
877ء حنین بن اسحاق کی زہر خورانی	438
886ء ابو معشر بلخی کا انتقال	439
887ء عباس ابن فرناس کی وفات	441
889ء ماہر لسانیات ابن قتیبہ کا انتقال	442
892ء خلیفہ المعتضد کی خلافت	443
891ء قرامطہ کا آغاز	444
895ء ابوحنیفہ الاینوری کی وفات	446
900ء اینکر واٹ مندر کی تعمیر	447
900ء الرازی کی چیچک اور خسرہ پر تحقیق	448
901ء وفات ثابت بن القرہ صابی	450

900ء اسماعیل بن احمد سامانی اور بخارا	451
902ء خلیفہ المکتفی باللہ کی تخت نشینی	452
905ء عمر بن حفصون کی کارگزاریاں	453
908ء المقتدر کی مسند آرائی	454
911ء افریقہ میں آخری اغلبی حکمران	456
913ء قرطبہ کے زریں عہد کا آغاز	457
916ء پہلے فاطمی خلیفہ کا دارالحکومت	458
922ء منصور ابن حلاج کی سزائے تکفیر	459
922ء تاریخ الرسل والملوک	460
922ء الفارابی شارح ارسطو	462
929ء امیر عبدالرحمٰن سوم کا اعلان خلافت	463
930ء اور قرامطی حجر اسود لے اڑے.....	464
932ء خلیفہ القاہر باللہ اور اس کا عہد خلافت	466
933ء سلاطین بویہ برسر اقتدار آئے	467
934ء خلیفہ راضی باللہ بیسواں عباسی خلیفہ	468
934ء مشہور مسلم جغرافیہ داں ابوزید البلخی	469
936ء ابوالقاسم الزہراوی کی پیدائش	470
939ء مدینۃ الزاہرہ کی تعمیر	471
939ء مصر میں دولت اخشدیہ کا آغاز	472
940ء خلیفہ متقی باللہ کا عہد	474
940ء امام آخر الزماںؑ کی غیبت کبریٰ	475
943ء ابن حوقل دنیائے اسلام کی سیاحت پر	477
945ء خلیفہ المستکفی باللہ	477
946-74ء خلیفہ المطیع اللہ اور اس کا عہد	479
947ء المسعودی کی "المروج الذہب"	480
950ء شطرنج کا پہلا تحریری سراغ	481
959ء چین میں جنرل کاؤ کانگ کی حکمت عملی	483
961ء خلیفہ الحکم ثانی کی خلافت	484
966ء المقدسی البشاری مکہ میں	486
966ء اوٹو اعظم کی مہمات	487
969ء قاہرہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا	489
974ء خلیفہ طائع للہ مسند خلاف پر	490
972ء جامعہ الازہر کا سنگ بنیاد	491
976ء دولت غزنویہ کا قیام	492
976ء ابن ابی عامر المنصور کا بطور احاجب تقرر	493
986ء سلطان سبکتگین کا ہندوستان پر حملہ	495
986ء اخوان الصفاء کا انسائیکلوپیڈیا	496
987ء فرانس میں ایک نیا حکمران خاندان	497
991ء خلیفہ القادر باللہ	499
995ء شام پر باسل دوم کا حملہ	500
998ء محمود غزنوی کی ترک تازیاں	501
1000ء لیف ایرکسن شمالی امریکا میں	505
1010ء شاہنامہ فردوسی کی تکمیل	506
1013ء خلیفہ ہشام کی گمشدگی	507
1016ء شاہ کینیوٹ کی تاجپوشی	508
1018ء ابن الہیثم کا نظریہ انعطاف نور	510
1021ء فاطمی خلیفہ کا غائب ہو جانا	511
1023ء ابن حزم وزیر منتخب ہوا	513
1025ء محمود غزنوی کا سومناتھ پر حملہ	515
1031ء خلیفہ القائم بامر اللہ کی مسند نشینی	516
1039ء سید علی ہجویری کی لاہور آمد	517
1040ء میکبتھ اور ڈنکن کا قتل	519
1040ء مسعود غزنوی کی شکست اور قتل	520

1045ء ابوریحان البیرونی کی کتاب ''الہند''	521
1037ء ابن سینا کی وفات	522
1050ء عمر خیام اور اس کی ''رباعیات''	524
1055ء طغرل بیگ اور ترک بغداد میں	525
1056ء نابینا شاعر ابوالعلاء ابوالمعری	526
1063ء وینس میں کینساء سینٹ مارک	527
1066ء جنگ ہیسٹنگو	529
1071ء جنگ ملازگرد	530
1071ء الخطیب البغدادی کی وفات	532
1072ء سلطان ملک شاہ سلجوقی کی تخت نشینی	533
1072ء صقلیہ پر نارمنوں کا قبضہ	534
1075 خلیفہ مقتدی بامر اللہ کی تخت نشینی	536
1070ء ونڈسر پیلس کی تعمیر	537
1076ء حسن بن صباح اور اس کی جنت	538
1078ء لندن ٹاور (حصار لندن) کی تعمیر	541
1077ء شہنشاہیت اور پاپائیت میں جھگڑا	542
1080ء دہلی میں قلعہ لال کوٹ کی تعمیر	544
1085ء طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ	545
1086ء جنگ زلاقہ	546
1090ء امام غزالی کی ''احیائے العلوم''	548
1094ء خلیفہ المستظہر باللہ تخت خلافت پر	549
1092ء نظام الملک طوسی کا قتل	550
1094ء ''ال سڈ'' کا ویلنسیہ پر قبضہ	552
1095ء پہلی صلیبی جنگ	553
1099ء القدس کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلنا	555
1100ء شاہ ولیم دوم کی وفات	556
1100ء جاپان میں سیمورائی بہادروں کا ظہور	557
1100ء انکا سلطنت کا آغاز	558
1130ء سسلی میں راجر دوم بادشاہ بنا	560
1132ء عبدالمومن کی بطور خلیفہ تقرری	561
1138ء انگلستان میں خانہ جنگی	563
1139ء ابن باجہ کی وفات	564
1144ء عمادالدین زنگی کا اوڈیسہ پر قبضہ	566
1145ء دوسری صلیبی جنگ	567
1164ء الادریسی کی وفات	568
1152ء علاؤالدین جہاں سوز اور غزنی	569
1152ء فریڈرک باربروسہ کی غرقابی	571
1155ء پیرس یونیورسٹی کا قیام	572
1163ء آکسفورڈ یونیورسٹی کا قیام	573
1166ء شیخ عبدالقادر جیلانی کی رحلت	574
1165ء ابن عربی کی پیدائش	576
1169ء انگلینڈ میں ہنری دوم کی حکومت	577
1170ء تھامس بیکٹ کا قتل	578
1174ء پیسا ٹاور کا معمار بھاگ گیا	580
1183ء صلاح الدین ایوبی کی فتح شام	581
1185ء ابن طفیل کی وفات	582
1187ء صلاح الدین ایوبی کی فتح	583
1192ء رچرڈ شیر دل کی گرفتاری	585
1192ء سلطان شہاب الدین غوری کی فتح	586
1193ء سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی کی ہندوستان آمد	588
1198ء ابن رشد کی وفات اور اس کا فلسفہ	591

1204ء چوتھی صلیبی جنگ	593
1204ء ابن میمون کا انتقال	594
1206ء چنگیز خان ماسکو کے دروازوں تک	595
1206ء قطب الدین ایبک نے خاندان غلاماں کی بنیاد رکھی	598
1210ء سلطان شمس الدین التمش تخت دہلی پر	599
1215 میگنا کارٹا وجود میں آیا	600
1219ء قطب مینار کی تعمیر	601
1226ء لوئی نہم کی تخت نشینی	602
1229ء یاقوت الحمودی الرومی کی "معجم البلدان"	603
1220 چنگیز خان کا سمرقند و بخارا پر قبضہ	605
1235 شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا کا ملتان میں درس	606
1235ء کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست	607
1236ء قرطبہ پر فرڈیننڈ کا قبضہ	609
1236ء پہلی مسلمان خاتون تخت دہلی پر	610
1237ء حضرت نظام الدین اولیا کی پیدائش	611
1238ء قصر الحمراء کی تعمیر	612
1248ء سقوط اشبلیہ	614
1249ء راجر بیکن کی سائنس کے لئے خدمات	615
1252ء مسیحی عدالت احتساب اور انسانیت سوز مظالم	616
1250ء ملکہ شجرۃ الدر کی 80 روزہ حکومت	618
1250ء مصر کے غلام بادشاہ..... مملوک	619
1245ء فریڈرک دوم اور پوپ گریگوری نہم کا مناقشہ	620

1256ء قلعہ الموت حسن بن صباح کی جنت	621
1258ء سقوط بغداد	623
قیصران روم آئینہ تقویم میں	625
بازنطینی شہنشاہ آئینہ تقویم میں	629
لاطینی شاہان کا زمانہ	631
خلفائے اسلام آئینہ تقویم میں	632
خلفائے بنو عباسیہ	633
فاطمی خلفائے مصر	635
شاہان فارس آئینہ تقویم میں	635
عہد ساسانیاں	636
مشہور سلاسل مسلم سلاطین	638
مسلم اسپین کے حکمران	640
مشہور سلاسل مسلم سلاطین	641
دولت زیدیہ (طبرستان)	641
دولت اغلبیہ (افریقہ/صقلیہ)	641
الادریسی (مراکش)	642
الاخشیدی (مصر و شام)	642
فاطمی سپہ سالار جوہر کی فتح (فاطمی خلفاء)	642
ایوبی سلاطین	643
خوارزم شاہان	643
غزنوی سلاطین	644
مقدس رومی سلطنت کے حکمران آئینہ تقدیم میں	646
مقدس رومی شہنشاہ	647
شاہان فرانس 987ء کے بعد	649
شاہان برطانیہ 1066ء سے اب تک	650

''عرض ناشر''

اخلاق احمد قادری وہ نام ہے جس سے لوگ محبت کرنے لگ گئے ہیں۔ تاریخ پڑھنے والوں کے لئے یہ نام معتبر ہو چکا ہے۔ اخلاق احمد قادری صاحب نے جب مجھ سے پہلی بار رابطہ کیا اور اپنی کتاب تاریخِ عالم میرے ادارے سے شائع ہونے کی خواہش ظاہر کی تو میں منع نہ کر سکا۔ لیکن پھر بھی دل میں خیال آیا کہ نہ جانے کتاب میں کچھ ہے بھی یا نہیں کیونکہ میں نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ جو بھی کتاب شائع ہو وہ مواد کے لحاظ سے جاندار ہو۔

جب تک کتاب کا مسودہ ہاتھ میں نہ آیا دھچکا لگا رہا۔ جیسے ہی مسودے کا مطالعہ کیا تو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کتاب کسی ایک شخص نے لکھی ہے وہ بھی ملتان جیسے شہر میں بیٹھ کر۔ میں ان کی محنت اور لگن جو کتاب میں واضح نظر آ رہی تھی دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ کیا آدمی ہے، تاریخِ قبل مسیح پر اتنی گہری نظر؟ اور یہ بات صرف میں ہی نہیں کہہ رہا جن لوگوں نے اخلاق صاحب کی کتاب پڑھی وہ تعریف کئے بنا نہ رہ سکا۔ کئی لوگوں نے تو مجھے یہ بھی کہا کہ آپ کے ادارے کی طرف سے تاریخ کے موضوع پر شائع ہونے والی یہ بیسٹ کتاب ہے۔ یہ اخلاق صاحب اور میرے ادارے کے لئے ایک اعزاز کی بات ہے۔ موجودہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے اس میں بھی آپ کو وہی محنت بلکہ اس سے بھی زیادہ نظر آئے گی۔ مسلمانوں میں تاریخ کا موضوع لکھنے والے اب ختم ہوتے جا رہے ہیں ایسے میں اخلاق صاحب کا تاریخ پر قلم اٹھانا بہت بڑی بات ہے۔ تاریخ نہایت مشکل موضوع ہے لیکن اخلاق صاحب جیسے لوگوں کے لئے نہیں جن کا اوڑھنا بچھونا ہی تاریخ ہو۔

ہمیں اخلاق احمد قادری جیسے لوگوں کی سخت ضرورت ہے تا کہ ہم بھی دنیا کو بتا سکیں کہ ہم میں آج بھی تاریخ کو قلم بند کرنے والے موجود ہیں۔ قادری صاحب کی اس سلسلے کی تمام کتابیں ہمارے ہی ادارے سے شائع ہوں گی۔ (انشاءاللہ)

میری کوشش ہوگی کہ جتنی محنت اور لگن سے یہ کتابیں لکھ رہے ہیں اتنی ہی محنت اور لگن سے کتاب شائع کی جائے۔ تاریخ ایک ایسا موضوع ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور اخلاق احمد قادری ایسے لکھاری ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اخلاق احمد قادری کو لمبی عمر عطا فرمائے تا کہ وہ اس موضوع پر کتابیں لکھتے رہیں۔

آصف حسن

تاریخ عالم کے اہم سنگ میل

ایک دو باتیں اخلاقاً

مغرب نے معلومات کا ذخیرہ دو یا تین صدیاں پہلے جمع کرنا شروع کیا تھا۔ اس ذخیرہ میں ایک طرف فطرت کی نوعیت اور خصوصیات (پودوں اور جانوروں کی اقسام، بیماریوں اور علاقوں کا ربط، موسم، جغرافیہ اور انسان کا تعلق وغیرہ) سے متعلق معلومات تھیں تو دوسری طرف ماضی کی اقوام کے حقائق اور واقعات تھے۔ ان معلومات کے شعور اور فہم کی بنیاد پر تعلیم دیتے ہوئے یورپ نے اپنے مستقبل کی روشنی کا تعین کیا مگر یہ تصور کرنا کہ اس میں تمام یورپ یا کوئی ایک یورپی قوم متفق تھی یا یکسوئی سے ایک ہی نصب العین کی پیروی کر رہی تھی ایک غلط فہمی ہوگی۔

تاہم ایک جیسے حقائق کے مجموعے کو دیکھتے ہوئے لازم تھا کہ چند معاملات کی بنیادی نہج متعین ہو جائے، ساتھ ہی یہ بھی یقینی امر تھا کہ حیرت انگیز واقعات اور فکر انگیز حقائق کے جان لینے سے کئی لوگ ان کے مختلف پہلوؤں کے مضمرات اور اثرات پر غور کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یوں یورپ کی سوچ کی ڈگمگاتی کشتی کو سہارا ملا۔

ہماری قوم کے دانشور کبھی خفت اور کبھی خفگی کے ساتھ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ہمارے ہاں سوچ کا عمل سست رو ہے اور ایک چھوٹی جماعت تک محدود ہے۔ اس جمود کو توڑنے کے لئے کی گئی کوششوں میں زیادہ کامیاب وہ کوششیں رہیں ہیں جنہوں نے آسان، سادہ، دلچسپ اور عام فہم معلومات سے آغاز کیا ہے۔ زیادہ دقیق معلومات کی طرف رغبت، فہم کی سہولت اور روانی سے پیدا ہوتی ہے۔ اخلاق صاحب کی موجودہ کوشش، اردو زبان کو تاریخی واقعات کا ایک دلچسپ ذخیرہ فراہم کرتی

ہے۔ اس سے تاریخی معلومات کی اردو میں فراہمی کو ایک خوبصورت اور سودمند جہت ملی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اخلاق صاحب نے انگریزی کی ان کتابوں میں موجودہ (جن سے انہوں نے بیشتر معلومات ترجمہ یا اخذ کی ہیں) تاریخ اسلام کے بارے میں بالخصوص اور پوری دنیائے مشرق کے بارے میں بالعموم ایک بڑی کمی کو بھی دور کیا ہے جو ہمارے معاشرے کی ایک اہم ضرورت بھی تھی اور مغربی تاریخ نگاری کی ایک بڑی کوتاہی کا ازالہ بھی۔

مغربی مورخ جب حقائق اور واقعات کا تاریخی تناظر میں ذکر کرتے ہیں تو وہ دورِ حاضر اور جدید یورپ کے واقعات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہ ایک لازمی امر ہے۔ نہ صرف یہ کہ جوں جوں انسان اپنے دور کے قریب آتا ہے اس کو واقعات کی اہمیت کا زیادہ احساس ہوتا ہے بلکہ اپنے دور کے نمایاں تمدن کی اہمیت اور اس کے کارناموں کی افادیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ قدیم ادوار اور قرون وسطیٰ میں بھی ان کی توجہ مسلم تمدن اور دنیائے مشرق سے فاصلے پر ہی رک جاتی ہے۔ اخلاق صاحب نے اس خامی کو رفع کرنے کی بھی ایک کوشش کی ہے۔ گو انہوں نے وہ تمام حقائق شامل نہیں کئے جو باقی دنیا سے متعلق ہیں اور ان حقائق کے برابر اہمیت رکھتے ہیں جن کو یورپ کے حوالے سے درج کیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس پہلو کی طرف توجہ کر کے انہوں نے آئندہ کوششوں کیلئے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ امید ہے کہ وہ اس کام کو وسیع تر پیمانے پر آگے بڑھائیں گے۔

ڈاکٹر خرم قادر
شعبہ تاریخ۔ بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان

43ء۔ قیصر کلاڈیس کا عہد اور اس کی برطانوی فتوحات

جس رات شہنشاہ کیلی گولا قتل ہوا اُسی رات روم کے شاہی محل میں پردوں کے پیچھے قیصر ٹائبیرس کا بھتیجا کلاڈیس چھپا ہوا پایا گیا۔ فوج نے اسے نکال کر شہنشاہ بنا دیا۔ اس شہنشاہ کا عہد مغربی سلطنت روم کی تاریخ میں استحکام اور تجدید کا دور تھا۔ 43ء میں قیصر کلاڈیس 4 لیجن فوج کے ساتھ جزائر برطانیہ میں وارد ہوا اور ان جزائر کو اس نے ایک رومی صوبہ بنا لیا۔ ان دنوں جزائر برطانیہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یہ سب ریاستیں شاہ سمبلین King Cymbline نامی ایک حکمران کو خراج ادا کرتی تھیں ان ریاستوں کا محافظ ہونے کی وجہ سے رومیوں اور شاہ سمبلین کی افواج میں سب سے پہلی جنگ لڑی گئی۔ جب کہ برطانیہ میں آخری جنگ ایک کیر کٹیکس Caractacus نامی ایک سردار نے رومی فاتحین کے خلاف لڑی لیکن پہلی مدافعانہ جنگ کی طرح یہ آخری مدافعت بھی ناکام رہی اور خود کیر کیکس بھی رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر بحیثیت ایک جنگی قیدی روم لایا گیا جہاں شہنشاہ کلاڈیس کے دربار میں اس نے ایک جرات مندانہ تقریر کی اور اہل روم کو جزائر برطانیہ میں آباد بہادر اقوام کے متعلق بتایا۔ اس کی اس بہادرانہ تقریر سے متاثر ہو کر شہنشاہ نے اسے معاف کر دیا اور برطانیہ میں جاگیر عطا کر دی۔

شہنشاہ کلاڈیس رومہ کے اس شاہی خاندان کا ایک تنہا زندہ بچنے والا شخص تھا جس سے خود اس کے پیشرو شہنشاہ کیلی گولا کا تعلق تھا۔ اس خاندان کے بیشتر افراد کو خود کیلی گولا نے اپنے جنون میں مبتلا ہونے کے دنوں میں تہہ تیغ کر ڈالا تھا۔ کیلی گولا کے قتل کے بعد جب فوج کا دستہ کلاڈیس کو بادشاہ بنانے کے لیے لے جا رہا تھا تو خود اسے اپنے بادشاہ بنا دیئے جانے کا یقین نہیں تھا لیکن چونکہ وہ شاہی خاندان کا آخری زندہ فرد تھا اسی وجہ سے اپنی ذاتی خامیوں کے باوجود تخت شاہی پر بٹھا دیا گیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ خود فوج کے مفادات کچھ ایسے تھے جن کے تحت اس کا بادشاہ بنا دیا جانا ہی بہتر تھا۔ ان دنوں روم کے شاہی محل سازشوں کی آماجگاہ تھے اور ان میں دن رات بادشاہوں اور ملکاؤں کے قتل کے منصوبے تیار کیے جاتے تھے۔ کلاڈیس نے اپنی ملکہ اور تیسری بیوی مسالینا کو قتل کروا کر اپنی سگی بھتیجی ایگریپینا سے شادی رچائی۔ اگرچہ یہ شادی روم میں رائج الوقت قوانین کے خلاف تھی مگر چونکہ بادشاہ کو ایک دیوتا کی حیثیت بھی حاصل تھی اس لیے وہ عام انسانوں کے بنائے گئے قوانین سے ماورا تھا۔ یہی اصول رومی شہنشاہوں کا آئین رہا۔

ایگری پینا روم میں تاریخ میں بے حد شہرت کی حامل ایک بدنام زمانہ عورت تھی۔ وہ اپنے بھائی

شہنشاہ کالی گولا سے لے کر اپنے بیٹے شہنشاہ نیرو تک کی داشتہ رہی۔ یہ اسی کی ترغیب تھی کہ شہنشاہ کلاڈیس نے اپنے سگے بیٹے کو اپنا ولی عہد نامزد کرنے کی بجائے اگری پینا کے بیٹے نیرو کو ولی عہد نامزد کیا لیکن یہ نامزدگی خود شہنشاہ کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئی۔

12 اکتوبر 53ء کی شام کو ملکہ اگری پینا نے شہنشاہ کلاڈیس کے لیے کھمبیوں کی ایک خاص ڈش تیار کروائی' یہ ڈش بادشاہ کو بہت مرغوب تھی' اس کی اِسی رغبت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اگری پینا نے چند کھمبیوں پر زہر چھڑک دیا۔ جب یہ خاص پلیٹ دسترخوان پر لائی گئی تو اگری پینا نے شہنشاہ کا شک دور کرنے کے لیے اس میں سے کچھ کھمبیاں جن پر زہر نہیں چھڑکا گیا تھا خود کھائیں اور بقایا پلیٹ شہنشاہ کے آگے کر دی۔ ایسی صورت میں بھلا شہنشاہ کو کیا شک ہو سکتا تھا' اس نے بلا تامل اپنی پسندیدہ ڈش کو تناول کیا اور پھر وہ اس کی آخری ڈش ثابت ہوئی کھمبیاں کھاتے ہی اس کی طبیعت خراب ہو گئی مگر زہر مکمل طور پر اثر انداز نہ ہوا اور بادشاہ صرف مدہوش ہو گیا۔ اگری پینا اس بات سے واقف تھی کہ اگر بادشاہ نہ مرا تو وہ خود قتل کروا دی جائے گی۔ اس نے بادشاہ کے طبیب سے مل کر بادشاہ کے حلق میں ایک زیر آلود پَر پھروا دیا جو دوسری صورت میں طبیب زہر خورانی کے بعد قے کے لیے مریض کے حلق میں پھرا کر زہریلا مواد نکال دیتے تھے مگر بدنصیب شہنشاہ کے لیے یہ طریقہ بھی فوراً موت کا سبب بن گیا۔ اُسی شام نیرو کی شہنشائیت کا اعلان کر دیا گیا اور وہ تخت شہنشاہی پر متمکن ہو گیا۔

نیرو سلطنت کا آگسٹس کے بعد چوتھا شہنشاہ تھا اور ان چاروں میں سے بدترین انسان بھی۔ شہنشاہ نیرو نے 54ء تا 68ء اپنی ماں ملکہ اگری پینا کو بھی اُسی کے طریقے پر موت کے گھاٹ اُتروا دیا۔

ماخذ: سات خبیث انسان از فیروز سنز لاہور۔ تاریخ جمہوریہ روما

51ء۔ بلاش اول تخت نشین ہوا

وونن دوم کی چند ماہ حکومت کے بعد اس کی وفات پر اس کا بیٹا بلاش اول 51ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ اشکانی خاندان کا بائیسواں تاجدار تھا اسے اشک بیست و دوم کہا جاتا ہے۔

بلاش اول شروع ہی سے یہ چاہتا تھا کہ آرمینیا کو اپنے تسلط میں لے اور وہاں کی حکومت اپنے بھائی تیرداد کو سونپے۔ اس نے آرمینیا پر فوج کشی کی' وہاں کا حکمران بھاگ گیا اور بلاش نے اپنے

بھائی میرداد کو آرمینیا کی حکومت سونپی اور خود واپس لوٹ آیا۔ جب روم میں نیرو تخت نشین ہوا تو اسے گوارا نہ ہوا کہ آرمینیا پر اشکانیوں کا تسلط ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک نامور جرنیل کاربولو کو آرمینیا کی مہم پر مامور کیا اور شام کے رومی حکمران کو مدد کرنے کا حکم دیا۔ مگر حاکم شام نے تجویز پیش کی کہ پہلے حکومت ایران سے سفارتی مذاکرات کرنا چاہئیں۔ حکومت روم نے اپنا سفیر ایران بھیجا اور مصالحت کی پیشکش کی لیکن سخت شرائط کی وجہ سے مصالحت نہ ہو سکی۔ انہیں دنوں بلاش اول کو اپنے بیٹے وردان کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے وہ روم سے مصالحت پر رضامند ہو گیا۔ تین سال اس کی اپنے بیٹے کے خلاف جنگ جاری رہی پھر باغی مارا گیا۔ بغاوت سے نمٹنے کے بعد بلاش اول ایک بار پھر آرمینیا کے مسئلے کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے روم کو آرمینیا کے پارتھ کی ریاست کے طور پر تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ حکومت روم یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھی لہٰذا ایک بار پھر دونوں حکومتوں میں جنگ ٹھن گئی۔ رومی جرنیل کاربولو آرمینیا پر حملہ آور ہوا۔ اُدھر سلطنت ایران کے حالات گرگان کے حکمران کی بغاوت کی وجہ سے ایک بار پھر نامساعد ہو گئے اور بلاش آرمینیا پر توجہ نہ دے سکا اور تیرداد تنہا مقدور بھر رومیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر 58 عیسوی میں آرمینیا اس کے ہاتھوں سے نکل گیا اور رومیوں نے وہاں اپنے ایک حلیف شہزادے کو حکمران بنا دیا۔

ادھر بلاش اول جب اندرونی مسائل سے قدرے مطمئن ہوا تو اس نے آرمینیا کا سوال پھر اٹھانا چاہا اور مذاکرات کے بعد یہ طے پایا کہ تیرداد خود روم جائے اور شہنشاہ روم نیرو کے ہاتھ سے تاج پہنے تو حکومت روم اس کی حکومت کو تسلیم کر لے گی۔ آخر تیرداد روم گیا اور بڑی شان و شوکت سے شہنشاہ روم کے ہاتھ سے تاج پہنا اور واپس آ کر آرمینیا پر حکومت کرنے لگا اور ایران اور روم میں خوشگوار تعلقات قائم ہو گئے جو تقریباً نصف صدی تک قائم رہے۔ قیصر نیرو کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں خصوصاً ویسپاشین اور ٹائٹس (طیطس) سے بلاش اول کے خوشگوار تعلقات قائم رہے اور اس نے طیطس کی فتح یروشلم کے موقع پر طیطس کے لیے تحفے میں ایک طلائی تاج بھیجا۔ بلاش اول آخری اشکانی حکمران تھا جو نسبتاً ایک طاقتور حکمران ثابت ہوا۔ اس کے بعد اشکانی سلطنت دن بدن روبہ زوال ہوتی گئی۔

ماخذ: تاریخ ایران جلد اول از مقبول بیگ بدخشانی

64ء.....اور روم جلتا رہا

آگ کے شعلے کسی خونخوار اژدہے کی مانند روم کے در و بام کو چاٹ رہے تھے۔ شہر کی ہر عمارت آگ کی زد میں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے شہنشاہ آگسٹس کا تعمیر کردہ سنگ مرمر کا روم آج جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ روم میں پھیلتی ہوئی اس خوفناک آتشزدگی کے دوران ایک شخص گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا شہر کے قریب پہنچ رہا تھا۔ یہ عجیب شخص تھا جو ان خوفناک شعلوں سے ہرگز خوفزدہ نہ تھا بلکہ اس خوفناک منظر کو دیکھ کر اور رومی شہریوں کی دلدوز چیخوں کو سن کر اس کی روح جھوم اٹھی تھی کیونکہ وہ اس منظر کا مدتوں سے منتظر تھا۔ آج اس کے اندر کا فنکار جاگ اٹھا اور وہ جھوم جھوم کر بانسری بجانے لگا تھا۔ یہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ شہنشاہ روم تھا۔

یہ روم کا چوتھا شہنشاہ نیرو تھا جو ان دنوں آرام اور استراحت کی غرض سے اینیٹم میں قیام پذیر تھا۔ وہیں اسے 19 جولائی 64ء کی صبح کو خبر ملی کہ روم کا شہر آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ وہ ایک اچھے شہنشاہ کی طرح اپنی تمام تر مصروفیات کو ختم کر کے روم کی طرف روانہ ہوا اور تین گھنٹے کی مسافت طے کر کے روم پہنچ گیا مگر بجائے شہر کو آگ سے بچانے کے احکامات صادر کرنے کے کہ وہ ایک بلند جگہ پر بیٹھ کر اپنی بانسری بجانے لگا۔ اس کی بانسری سے روم کی اس آتشزدگی کا کوئی نوحہ نہیں نکل رہا تھا بلکہ وہ اپنی شاعری میں سے ٹرائے کی فتح کا نغمہ گنگنا رہا تھا۔

کتنا سنگ دل تھا یہ حکمران جو اپنے عظیم الشان دارالحکومت کو شعلوں کی لپیٹ میں دیکھ کر بھی چین سے تھا۔ بات اگر صرف اس کی سنگ دلی کی ہوتی تو شاید اتنی قابل مذمت نہ ٹھہرتی اور شاید اس کے اس فعل کو دنیائے ادب کے دامن میں ایک ضرب المثل کی حیثیت بھی نہ حاصل ہوتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حقائق نے اس کے اس بھیانک جرم سے پردہ اٹھا کر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ اپنی سلطنت کے اس عظیم الشان دارالحکومت کو آگ خود شہنشاہ نیرو نے لگوائی تھی۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس شہر کی تنگ و تاریک گلیوں سے بیزار تھا اور اس شہر کو نئے نقشے پر تعمیر کرنا چاہتا تھا بلکہ اس لیے کہ اس کے اندر چھپا ہوا شیطان اس نادر روزگار شہر کو آگ کے شعلوں میں گھرا دیکھنا چاہتا تھا تا کہ اس کی فنکار روح کو ایک نادر روزگار نظارہ حاصل ہو جو شاید اس کی تشنگی کے احساس کو کم کر

دے۔ اسی نادر نظارے کو دیکھ کر اس کی روح وجد میں آ گئی اور اس کی انگلیاں اور لب بانسری سے نغمے بکھیرنے لگے مگر ہزاروں لوگوں کے زندہ جلنے کا اسے کوئی غم نہ ہوا۔ نہ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے۔

نیرو..... جس کا مکمل نام لوسٹیس ڈومی ٹیس ہینو ماربس تھا۔ اس شاہی خاندان کا آخری حکمران تھا جس کی بنیاد جولیس سیزر اور اس کے متبنی آگسٹس سیزر نے رکھی تھی۔ اوباشی، عیاشی، شقاوت، سنگدلی، قتل و غارت اور سفاکی و بے رحمی اس خاندان کا وطیرہ تھا۔ جس کی بنیاد بھی اسی خاندان کے بانی نے ہی رکھی تھی۔ یہ ظلم و استبداد بھی عہد بہ عہد ترقی کر کے نیرو کے عہد میں کچھ ایسے عروج پر پہنچا کہ انسانی تہذیب و تمدن کی پوری تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

تاج و تخت کے حصول کے تمام دیگر وارثان تخت کو ٹھکانے لگانے کا طریقہ بھی جولین کلاڈین خاندان میں شروع ہی سے مروج تھا اور تحفظ و بقا کی جنگ میں ماں بیٹے کو بیٹا باپ کو قتل کروانے سے نہیں چوکتا تھا۔ اس کی واضح مثال بھی ہمیں نیرو کے دور میں ملتی ہے کہ اس نے نہ صرف اپنی ماں کے ساتھ جنسی تعلقات تک قائم کئے اور پھر وقت آنے پر اسے قتل بھی کروا دیا۔

اہل روم کی توجہ اپنے ظلم و ستم سے ہٹانے کے لیے نیرو نے 64ء کے موسم گرما میں ایک عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا جو روم کے باہر ایک جھیل کے کنارے منایا گیا۔ عوام و خواص میں سے ہر شخص کو اس جشن خاص میں حصہ لینے کی دعوت عام تھی اور کھانا اور شراب حکومت کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔ فحاشی کا یہ عالم تھا کہ پورے روم کی اوباش عورتیں یا دوسرے لفظوں میں پورے روم کا حسن بھی یہاں کھنچ آیا تھا۔ پھر دوران جشن جو کچھ ہوا وہ ناقابل بیان ہے۔ بادشاہ اور ملکہ بھی بنفس نفیس اس جنسی بے راہ روی میں شریک تھے۔ اہل روم کو اس نے اس جشن کے ذریعے مطمئن اور خوش کر دیا تھا مگر موسم گرما کا یہ جشن آئندہ رونما ہونے والے سنسنی خیز واقعات کی تمہید تھا جو اہل روما کی قسمت میں لکھے جا چکے تھے۔

اس جشن کے بعد شہنشاہ آرام و استراحت کی غرض سے ایک قریبی شہر اینیٹم چلا گیا جہاں اسے 19 جولائی کی صبح روم میں اچانک لگنے والی آگ کی اطلاع ملی۔ اگرچہ وہ بڑی سرعت سے واپس دارالحکومت پہنچ گیا مگر اس نے عملی طور پر شہر کو اس خوفناک آتشزدگی سے بچانے کے لیے کوئی احکامات جاری نہیں کیے بلکہ ایک بلند اور محفوظ مقام پر بیٹھ کر شہریوں کی دلدوز چیخیں سن کر چین سے بانسری بجانے لگا۔

کم وبیش ایک ہفتے تک روم جلتا رہا اور جب آگ کے شعلے سرد پڑے تو شہر کا بڑا حصہ راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ یہ آگ کیسے لگی؟ اس کے بارے میں بعد کے مورخین نے بہت تحقیق و تفتیش کی ہے اور کئی ایک نے لکھا ہے کہ اس آگ کا ذمہ دار واقعی نیرو نہیں تھا لیکن نیرو کے عہد کے ایک نہیں بہت سے چشم دید گواہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ آگ نیرو کے ذاتی غلام شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں اپنی مشعلوں کے ساتھ آگ لگاتے پھر رہے تھے۔ نیرو نے یہ آگ کیوں لگوائی اس بارے میں بھی ہمیں بہت سی قیاس آرائیاں ملتی ہیں۔ مورخین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ نیرو اہل روم سے ان مظاہروں کا انتقام لینا چاہتا تھا جو انہوں نے مقتول ملکہ آکیٹویا کی حمایت میں کئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پرانے روم کی جگہ ایک نیا شہر اپنے نام پر اور اپنے ذوق تعمیر کے مطابق تعمیر کروانا چاہتا تھا۔ اغلب امکان یہ ہے کہ نشہ اقتدار اور عیاشی و بدمستی میں مدہوش نیرو نت نئے تماشوں سے اپنی روح کی تسکین کا سامان کرتا تھا اس لیے ایک نئے تماشے کے طور پر اس نے روم کو آگ لگوادی۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ جو شہنشاہ بھوکے درندوں سے نہتے انسانوں کو چیروا کر اپنی ذہنی تسکین کا سامان کرتے تھے ان کے لیے لاکھوں انسانوں کا زندہ جل جانا بھی ایک نئے تماشے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا؟ آگ کے بعد جب عوام کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ یہ آگ خود بخود نہیں لگی بلکہ لگائی گئی ہے تو نیرو نے عوام کی اس بدگمانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائیوں پر الزام عائد کر دیا کہ یہ آگ اس نوعقیدہ گروہ نے لگائی ہے۔ یہ نوعقیدہ لوگ بھی اس زمانے میں رومی سلطنت کے لیے دردسر بنے ہوئے تھے۔ خود اہل روم بھی اپنے پرانے مذہب کو بُرا کہنے والے اس گروہ کے خلاف تھے۔ اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نیرو نے آگ لگانے کا الزام عیسائیوں پر عائد کر دیا اور یوں ایک تیر سے دو شکار کر ڈالے۔ ایک طرف حکومت کے دردسر بنے ہوئے گروہ کو کچلنے کا راستہ نکل آیا' دوسری طرف اہل روم کو مطمئن کرنے کی راہ بھی مل گئی۔

اس طرح عیسائیوں کی پہلی تعزیب کا آغاز ہوا۔ اسی تعزیب میں جو شہنشاہ نیرو کے ہاتھوں ہوئی عام عقیدے کے مطابق حواری حضرت عیسیٰؑ جناب سینٹ پطرس نے بھی شہادت پائی۔ مشہور تاریخ دان ٹیسی ٹس کے مطابق حکومت کی نشاندہی کے بعد عیسائیوں کی ایک وسیع تعداد کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں جو جنگلی جانوروں کی کھال میں لپیٹ کر کتوں کے آگے ڈالا گیا۔ کچھ کو نہایت ذلیل کر کے صلیبوں سے باندھ دیا گیا۔ جب سورج غروب ہوتا تو صلیبوں کو آگ لگا دی جاتی تاکہ جلتے ہوئے یہ انسان چراغوں کی طرح رات کو منور کر سکیں۔ شہنشاہ نے اپنے ذاتی باغات

اس تعزیر کے لیے مختص کر دیے تھے۔ پھر بچے ہوئے ''مجرموں'' کی سرکس میں نمائش ہوئی۔ خود نیرو نے ایک جنگی رتھ بان کا لباس پہنا' اپنی گاڑی پر سوار ہوا اور عوام میں پھرتا رہا۔

عیسائیوں پر مشق ستم کے ساتھ ساتھ نیرو نے جلے ہوئے روم کو دوبارہ اپنے ذوق تعمیر کے مطابق تعمیر کروانے کا آغاز بھی کیا۔ عوام شاید اس کے اس فریب میں آ گئے مگر خود اس کے فوجی اور سول افسران اعلیٰ اس کی خون آشامی سے تنگ آ گئے۔ شہر میں آگ لگنے سے پہلے بھی نیرو کے خلاف کئی سازشیں ناکام ہو چکی تھیں۔ روم جلا تو سازشیوں کے حوصلے بڑھے۔ فوج خاص کے ایک گروہ نے شہنشاہ کو ٹھکانے لگانے کا ایک منصوبہ تیار کیا اور اس کے معتمد خاص فلسفی سینیکا کو تخت نشین کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اُدھر سینیٹ سے چند ارکان نے یہ سازش تیار کی کہ نیرو کی سینیٹ کے رکن کیلپورنیس پیرو کو بادشاہ بنایا جائے۔ 65ء کے آغاز میں یہ دونوں سازشیں باہم مربوط ہو گئیں۔

سازشیوں نے 19 اپریل کو سیریلس کے تہوار کے آخری دن نیرو پر قاتلانہ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ قتل کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہا جو جولیس سیزر کے قاتلوں نے کیا تھا مگر جس سازشی نے نیرو پر پہلا وار کرنا تھا اس کی مشتبہ حرکات سے سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا اور نیرو کو بروقت خبر ہو گئی۔ نیرو نے تمام سازشیوں کو گرفتار کر لیا اور ان میں سے سترہ افراد کو سزائے موت دی گئی' تین نے اپنی مرضی سے خودکشی کر لی جبکہ دو سازشی جنہوں نے سلطانی گواہ بن کر اپنے ساتھیوں کے نام بتائے تھے وہ معاف کر دیئے گئے۔ سینیکا اور اس کے خاندان کو بھی خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا گیا مگر اس کے ساتھ خصوصی امتیازی سلوک روا رکھا گیا۔

لیکن نیرو بھی زیادہ عرصہ اپنے ظلم و دہشت کو قائم نہ رکھ سکا۔ 73 سالہ گالبا جس نے شہنشاہ آگسٹس کا دور دیکھا تھا اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی بغاوت نے اتنا زور پکڑا کہ سینیٹ کو شہنشاہ نیرو کی موت کا فتویٰ صادر کرنا پڑا۔ نیرو جو ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بزدل بھی تھا روم میں جان بچانے کے لیے چھپتا پھرتا رہا اور پھر اُسے بھی خودکشی کرنا پڑی۔

79ء۔اور پومپیائی پر آقیامت گزر گئی۔۔۔۔۔۔

اور اچانک ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ یہ کوئی معمولی اندھیرا نہیں تھا جیسا کسی بغیر چاند کی رات کا یا پھر ایسی سیاہ رات کا جس میں آسمان بادلوں سے گھرا ہو بلکہ یہ ایسا غیر معمولی اندھیرا تھا جیسے کسی تاریک رات میں بند کمرے میں چراغ گل ہو جائے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ایسے میں ہر طرف سے نسوانی چیخ و پکار کی آوازیں، معصوم بچوں کے بلکنے کی آوازیں اور مردوں کے اپنے والدین اور بیوی بچوں کو پکارنے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں، لوگ اپنے عزیزوں کو تاریکی کی وجہ سے ان کی آوازوں سے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ لوگ اپنی قسمت کو کوس رہے تھے، کچھ موت کے خوف سے موت کو پکار رہے تھے، کئی اپنے دیوتاؤں کو مدد کے لیے پکار رہے تھے مگر ایسے قیامت کے لمحات میں دیوتا بیچارے خود اوندھے ہو چکے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے پوری کائنات ہمیشہ کے لیے ابدی تاریکی میں ڈوب چکی ہے۔

24 اگست 79ء کی خوشگوار صبح تھی خلیج نیپلز کے کنارے آباد شہر پومپیائی میں روزمرہ زندگی کی گہما گہمی کا آغاز ہو رہا تھا ہر شہری اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو رہا تھا کہ اچانک بڑے زور کی ایک گڑگڑاہٹ نے شہریوں کی توجہ صدیوں سے خوابیدہ آتش فشاں کوہ ویسویس کی جانب مبذول کرا دی۔ ابھی لوگ اس خوفناک گڑگڑاہٹ کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ ایک بڑے زوردار دھماکے سے کوہ ویسویس جس کے دامن میں یہ شہر آباد تھا اچانک پھٹ پڑا۔ آسمان سے پتھروں اور گرم راکھ کی بارش ہونے لگی، اب کسی بھی ذی روح کو کہیں امان نہیں مل رہی تھی۔ انسان اور جانور سب شہر میں ایسی جگہوں کی تلاش میں تھے جہاں جلتی ہوئی اس راکھ سے پناہ مل سکے۔ یہ آتش فشانی 48 گھنٹے تک جاری رہی اور جب آسمان سے گرم راکھ اور پتھروں کی یہ بارش ختم ہوئی تو تمام شہر 7 میٹر (تقریباً بیس فٹ) گہری راکھ کی تہہ، پتھروں اور گرم لاوے کے سیلاب میں غرق ہو چکا تھا۔

پومپیائی خلیج نیپلز کے کنارے اٹلی کا ایک قدیم قصبہ یا شہر تھا جہاں اکثر لوگ چھٹیاں گزارتے تھے۔ یہ نیپلز سے تقریباً 23 کلومیٹر کے فاصلے پر کوہ ویسویس M.Vesuvius کے دامن میں آباد تھا۔ دریائے سارنو R. Sarno جس مقام پر خلیج نیپلز میں گرتا ہے وہ بھی اس سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ 79ء میں یہ شہر اور اس کا ایک قریبی شہر ہرکولینیم Herculanium کوہ ایسویس کی آتش فشانی کے نتیجے میں لاوے اور راکھ میں دب گئے جس سے ان شہروں میں زندگی ناپید ہو

گئی مگر خود یہ شہر صدیوں تک اسی راکھ میں دبے رہنے سے زمانے کی دست برد سے محفوظ ہو گئے۔ جب سولہویں صدی عیسوی میں یہ دریافت ہوئے تو اتنے ثابت و سالم تھے کہ دنیا کے سامنے پہلی صدی عیسوی کی رومی طرز معاشرت کی مکمل تصویر بن کر سامنے آ گئے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق یہ دونوں شہر نوحجری Neolithis عہد سے تعلق رکھنے والی ایک اطالوی قوم آسکن Oscans نے آباد کئے تھے۔ رومی تاریخ میں پومپیائی کا ذکر ہمیں 310 ق م میں ملتا ہے جب دوسری جنگ سمنائٹ II Saminite War کے دوران ایک رومی بحری بیڑا دریائے سارنو کے دہانے پر واقع شہر اور بندرگاہ پومپیائی میں آ کر ٹھہرا اور اس نے وہاں سے نوشریا Nucria پر ایک ناکام حملہ کیا۔ اس جنگ کے اختتام پر پومپیائی رومی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ 89 ق م میں اس شہر نے رومی شہری بغاوت میں حصہ لیا۔ اس کے نتیجے میں یہاں رومن سپاہ کی ایک مستقل چھاؤنی قائم کر دی گئی۔ رومی جنرل اور ڈکٹیٹر سلا Sulla نے اسی بغاوت کے دوران اس شہر کا محاصرہ کیا تھا۔ بعد ازاں رومیوں یا لاطینیوں کا اثر بڑھ جانے کی وجہ سے یہاں کی زبان بھی آسکن سے لاطینی ہو گئی۔

ساتھ ہی ساتھ شہر کی تہذیب و ثقافت اور عمارات میں بھی رومی طرز جھلکنے لگا۔ اب شہر میں امن عامہ کی صورتحال بھی بہتر تھی کہ 63ء میں یہاں ایک بہت بڑا زلزلہ آیا' اس زلزلے کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور اس زلزلہ کے ہاتھوں ہونے والی تباہی سے شہر نہ نکل پایا تھا کہ اس بارونق شہر کو اس کی تاریخ کی آخری تباہی نے آ لیا۔

کوہ ویسویس نے پھٹ کر قیامت مچا دی۔ تاریخ میں ہمیں اس واقعہ کا آنکھوں دیکھا حال ہمیں پلینی دی ینگر Plini the Younger کے دو خطوط میں ملتا ہے جو اس نے رومی مورخ ٹیسی ٹس کو پلینی دی ایلڈر Plini the Eldor کی موت کے متعلق استفسار کرنے پر لکھے تھے۔ پلینی دی ایلڈر کی موت اس قدرتی آفت کے خلاف فوجی دستوں کے ساتھ لوگوں کو بچاتے ہوئے ہوئی تھی۔ اس حادثے کے دوسرے دن جو لوگ اس حادثہ سے جانبر ہو سکے تھے وہ یہ دونوں شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ ہرکولینیم 65 فٹ دبیز تہہ کے نیچے دب چکا تھا جبکہ پومپیائی 20 فٹ راکھ کی تہہ میں گم ہو چکا تھا۔ پھر یہ دونوں شہر صدیوں تک انسانی آنکھ سے اوجھل رہے۔ تقریباً 1500 سال بعد 1594ء میں ایک اطالوی ماہر تعمیرات ڈومینکو فونٹانا Domenico Fontana کو ایک نہر کی کھدائی کے دوران ان شہروں کا سراغ ملا۔ 1709ء میں سب سے پہلے ہرکولینیم کی اثریاتی

کھدائی کا کام شروع ہوا لیکن پومپیائی کی کھدائی 1748ء سے پہلے نہ ہو سکی۔ 1763ء میں یہاں ایک کتبہ ملا جس سے اس شہر کا نام پومپیائی دریافت ہوا۔ ان شہروں کی اثریاتی کھدائی وقفوں سے اس وقت سے تا حال جاری ہے۔ شروع شروع میں کھدائی کرنے والوں کا مقصد صرف قیمتی نوادرات کی تلاش تھا جس کی وجہ سے قیمتی آثار کو نقصان پہنچا۔ یہ سلسلہ 1860ء تک جاری رہا۔ 1860ء میں پہلی مرتبہ یہاں سائنٹفک بنیادوں پر کھدائی کا آغاز ہوا۔

پومپیائی بیضوی شکل میں تعمیر کیا گیا ایک شہر ہے جو تقریباً 3 کلومیٹر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے گرد اُس زمانے کے مطابق ایک فصیل بھی تھی جس کے 8 دروازے تھے۔ اس شہر کی سڑکیں آتش فشاں لاوے کے پتھروں سے تعمیر کی گئیں تھیں اور ایک دوسرے کو صحیح زاویوں پر کراس کرتی تھیں۔ ان سڑکوں پر آج بھی اس زمانے کی گاڑیوں کے آثار دیکھے جا سکتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں اس شہر کی شاہراہیں کتنی مصروف تھیں۔ اس زمانے میں اس شہر کی آبادی بیس ہزار تھی۔ مندروں اور سرکاری عمارات کے علاوہ عوامی حمام یا نہانے کے لیے بنائی گئی عمارات اس شہر میں خصوصی اہمیت رکھتی تھیں۔ خواتین و حضرات کے نہانے کے لیے الگ الگ حمام تھے جن میں ٹھنڈے اور گرم پانی کی سہولت میسر تھی۔ اس شہر کے نجی گھر بھی خاصے کی چیز تھے۔ انہیں دیکھ کر امریکہ کے ایک کروڑ پتی نے کیلی فورنیا میں اس شہر کے ایک ولا کی طرز پر اپنا محل بنوایا ہے۔

پلینی دی ینگر

پہلی صدی عیسوی

65ء۔ سینیکا کو سزائے موت کا حکم

مشہور لاطینی فلسفی سینیکا Seneca شہنشاہ نیرو کا اتالیق تھا' اس نے نیرو کے شیطانی رجحانات و میلانات پر قدغن لگانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ساتھ ساتھ مواقع سے فائدہ اٹھا کر کافی دولت بھی جمع کر لی۔ بادشاہ نیرو اپنی ماں کے قتل میں ملوث تھا' خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے شہنشاہ نیرو نے Sevali کو جو خطوط لکھے وہ سینیکا ہی کے ذہن کی پیداوار تھے۔ سینیکا یہ عمل اس کے معلم اخلاق ہونے کے دعویٰ پر ایک زبردست ضرب لگاتا ہے جبکہ اس کا شہنشاہ نیرو کے ہر جائز و حق ناحق معاملے کی حمایت کرنا اس کی ابن الوقتی اور مصلحت کوشی کا آئینہ دار ہے۔ ابن الوقتی کچھ مدت کے لیے تو نفع بخش ثابت ہوتی ہے مگر اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ یہی کچھ سینیکا کے ساتھ بھی ہوا۔ شہنشاہ کچھ عرصہ بعد اس سے بھی نالاں ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ سینیکا اس کے شیطانی رجحانات پر قدغن لگانے کی کوششیں کرتا تھا' دوسرے اس نے بے انتہا دولت بھی اکٹھی کر لی تھی جو شاید نیرو کی آنکھوں میں کھٹک گئی تھی۔ تیسرے یہ کہ خود شہنشاہ نیرو شاعری اور فنکاری میں ایک مقام پیدا کرنا چاہتا تھا مگر سینیکا اس کی لیاقت اور فنکاری میں کچھ خامیاں تلاش کر کے اس کی بے قدری کرتا تھا۔ نتیجتاً شہنشاہ اس سے بدظن ہو گیا۔ ذہین سینیکا نے آنے والے وقت کا اندازہ لگا لیا اور دربار شاہی سے مستعفی ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی دولت کو بھی خیر باد کہہ دیا مگر سینیکا نے اپنی درباری زندگی میں بہت سے لوگ دشمن بھی بنا لئے تھے۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے لہٰذا انھوں نے بادشاہ کے کان بھرے اور بالآخر ان کے ہاتھ ایک موقع آ گیا۔ جب سینیکا پسو Piso کی سازش میں بادشاہ کے خلاف شریک ہوا۔ سینیکا کی سازش میں شمولیت ثابت ہو جانے کے بعد نیرو نے اسے خودکشی کرنے کا حکم دیا۔ سینیکا کے پاس اب کوئی چارہ نہ تھا مجبوراً اس نے اپنے پاؤں کی فصد کھول کر اور گرم پانی میں ڈوب کر جان دے دی۔

کہتے ہیں جب اسے سزائے موت کا حکم ملا تو اس کے اہل و عیال اور حلقہ احباب اداس اور غمزدہ ہو گئے۔ ان کی غمزدگی اور اداسی دور کرنے کے لیے سینیکا انہیں فلسفے کا درس دیتا تھا۔

اطالوی فلسفی لوسیئس اینا کس سینیکا Lucius Annacus Seneca سپین میں قرطبہ کے مقام پر 3 ق م میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی تعلیم سپین ہی میں مکمل ہوئی۔ بعد ازاں وہ اپنے والد کے ساتھ روم آ گیا۔ جوانی میں اس نے مصر اور یونان کا سفر بھی کیا۔ سینیکا کی زندگی ان

معنوں میں بے حد المناک ہے کہ اس نے مختصر مدت میں عروج و زوال کی انتہا کو چھو لیا۔ اپنی عملی زندگی کا آغاز اس نے ایک وکیل کی حیثیت سے کیا پھر Questor Ship حاصل کی۔ اس کی سیاسی زندگی کا آغاز اس کی جلاوطنی سے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر ایک غلط الزام یہ عائد کر دیا گیا تھا کہ اس کے ناجائز تعلقات جولیا کے ساتھ تھے جو شہنشاہ کلاڈیس کی بھتیجی تھی۔ اس الزام کی پاداش میں اسے کارسیکا جلاوطن کر دیا گیا۔ جہاں اس نے آٹھ سال گزارے۔ اپنی جلاوطنی کے ایام میں اس نے اپنی ماں کو متعدد خطوط لکھے۔ یہ خطوط Treatise on Consolation کے نام سے مشہور ہیں۔ پھر جب کلاڈیس نے ایگری پینا سے شادی کی تو اس نے سینیکا کی سفارش کر کے اسے واپس بلا لیا اور اپنے بیٹے ڈومیٹس Domitius کا اتالیق مقرر کر دیا۔ یہ ڈومیٹس ہی تاریخ میں شہنشاہ نیرو کے نام سے مشہور ہے۔ جب اس کا یہ شاگرد بنا تو سینیکا کو پروکٹر Pocter بنا دیا گیا اور جلد ہی وہ عروج کی انتہا کو چھونے لگا مگر یہ عروج عارضی ثابت ہوا اور وہ شہنشاہ کے بدظن ہونے کے نتیجے میں جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

سینیکا اگرچہ معلم اخلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مگر مورخین کے مطابق اس کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ معلم اخلاق ہونے کا یہ دعویدار ایسے اعمال کا سزاوار ہے جنہیں دنیا کا کوئی شخص بھی علم اخلاق کی رو سے قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ جیسے پہلے ذکر آیا کہ وہ نیرو کے ہر عمل کو جائز ثابت کرنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا جو از خود غلط تھیں۔

سینیکا نے دس المیے قلمبند کیے۔ اس کے علاوہ اخلاقی فلسفے پر کئی مضامین بھی لکھے جو Treatise کے نام سے معروف ہیں۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بزیل مادہ ''سینیکا''۔ تاریخ ادبیات عالم جلد دوم

69ء۔ شہنشاہ ویسپاشین اور اس کا مالیاتی نظام

ٹائٹس فلیوئیس ویسپاشین Titus Flavius Vespasian نے 69ء سے 79ء تک دس سال تک حکومت کی۔ وہ تاریخ میں سلطنت روما کے مالیاتی انتظام کی وجہ سے مشہور ہے۔

اگرچہ شہنشاہ ویسپاشین کسی شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا مگر اس نے سلطنت روما میں ایک شاہی خاندان کی بنیاد رکھی جو اس کے نام پر فلیوئین حکمران خاندان Flavian Dynasty کہلایا۔ وہ خود اور اس کے دو بیٹے طیطس Titus (79ء..... 81ء) اور ڈومیشن (81ء..... 96ء) تقریباً 27 سال روم کے حکمران رہے۔

ویسپاشین تقریباً 17ء میں اطالیہ کے مقام ریٹ Reate پر پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک معمولی ٹیکس اکٹھا کرنے والا افسر تھا مگر اس کا ایک ماموں سینیٹر کے عہدے پر فائز رہا تھا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد ویسپاشین نے ابتداء میں تھریس یونان میں فوجی ٹرائیبون کی خدمات انجام دیں پھر جزیرہ کریٹ پر بھی متعین رہا۔ اس کی ترقی کا دور 43ء میں اس وقت شروع ہوا جب وہ جزائر برطانیہ میں ایک لیجن فوج کا سربراہ بنا دیا گیا۔ برطانیہ اور فرانس میں عسکری خدمات کی انجام دہی کے بعد وہ براعظم افریقہ میں بھی تعینات رہا۔ 66ء میں وہ شہنشاہ نیرو کے ساتھ یونان گیا جہاں شہنشاہ مذکور نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اسٹیج پر مظاہرہ کیا جس کے دوران غالباً ویسپاشین سویا رہا مگر اس کی قسمت جاگ اٹھی اور فروری 67ء میں شہنشاہ نیرو نے اسے یہودیوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے یروشلم بھیجا۔ ویسپاشین نے یہ مہم اس شاندار طور پر انجام دی کہ جولائی 69ء میں مصر اور فلسطین میں تعینات رومی لیجنوں نے اسے شہنشاہ تسلیم کر لیا۔ پھر 21 دسمبر 69ء کو سینیٹ نے ایک خصوصی بل The Lex De Imperia Vespasiani پاس کر کے اسے شاہی اختیارات تفویض کیے۔ رومی تاریخ میں کسی شہنشاہ کو شاہی اختیارات تفویض کیے جانے کی یہ پہلی تحریری دستاویز تھی۔ ویسپاشین یہودیوں کی بغاوت کے معاملے کو اپنے بڑے بیٹے طیطس کے سپرد کر کے خود روم واپس آ گیا جہاں شہنشاہ نیرو کی خودکشی (68ء) کے بعد سے مسلسل خانہ جنگیوں کی وجہ سے بدامنی کا دور دورہ تھا۔ شہنشاہ نیرو کے بعد جرنیل گیلبا Galba تخت نشین ہوا تھا اور صرف سات ماہ حکومت کر پایا۔ اسے اس کے نائب اوتھو Otho نے اس کے متبنیٰ کے ساتھ قتل کر کے اقتدار سنبھال لیا تھا مگر اوتھو کی حکومت بھی چھ ماہ بمشکل چلی۔ ایک اور جرنیل ویٹالیئس Vitellius نے اسے شمالی اطالیہ سے شکست سے دوچار کر کے اقتدار خود سنبھال لیا مگر اس کا عہد بھی ایک ناکام عہد ثابت ہوا اور سینیٹ نے اس کی بجائے ویسپاشین کو شہنشاہ نامزد کر دیا۔ ویسپاشین نے روم آ کر پہلا کام یہ کیا کہ روم کا کھویا ہوا امن بحال کر دیا۔

اقتدار سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے ویسپاشین نے مالیاتی اصلاحات پر توجہ دی کیونکہ شہنشاہ نیرو کے اسراف سے خزانہ خالی ہو چکا تھے۔ مالیاتی اصلاحات کے نفاذ سے صوبوں سے خراج کی وصولی بہتر ہوئی اور ٹیکسوں کا نیا نظام متعارف کرانے سے خالی خزانہ بھر گیا۔ مالیاتی طور پر مضبوط ہونے کے بعد ویسپاشین نے تعمیراتی کاموں پر بھی توجہ دی۔ کیپٹولین Captoline پہاڑی پر اس نے جو Jove دیوتا کا مندر دوبارہ تعمیر کروایا جو خانہ جنگی کے دوران

نذر آتش ہو گیا تھا۔ ویسپاشین کا سب سے بڑا تعمیراتی کارنامہ کلوسیم Closseum یا تماشا گاہ کی تعمیر ہے جو اس نے شہنشاہ نیرو کی ذاتی جھیل کی جگہ پر تعمیر کرائی تھی۔ یہ تماشا گاہ Flavian Amphitheatre بھی کہلاتی ہے۔ دیگر رفاہی کاموں کے ساتھ اس نے پلوں اور شاہراہوں کی تعمیر نو پر بھی توجہ دی۔ سرکاری خزانے سے ادائیگی پر اس نے فن مقرری کے پروفیسر کا عہدہ بھی تشکیل دیا جو عوام کو خطابت کے داؤ پیچ سکھاتا تھا۔ اس کا ایک کارنامہ سینیٹ کو مضبوط بنانا بھی ہے۔ اس نے سلطنت کے طول و عرض میں میونسپل نظام کو بھی بہتر بنایا۔ حکومت کے شعبوں سے آزاد کردہ غلاموں کو نکال کر اس نے عام شہریوں کو فائز کیا۔ اگرچہ شہنشاہ ادبی اور علمی کلاموں کی سرپرستی بھی کرتا تھا مگر اس نے بہت سے فلسفیوں Stoic And Cynic کو روم سے نکال دیا۔ یہ فلسفی حکومت کے خلاف ہونے والی سازشوں میں ملوث پائے گئے تھے۔

کامیاب خارجہ حکمت عملی کے تحت ویسپاشین نے اچھے جرنیلوں کے ذریعہ یہودیہ کی بغاوت کو کچل دیا۔ برطانیہ میں بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ آرمینیا کی باج گذار ریاست سے الحاق کر لیا اور جرمنی میں رومی سلطنت کی سرحدوں کو وسیع تر کر دیا۔ ان تمام کارناموں کے ساتھ ساتھ مورخین کے مطابق اس کے عہد میں خود اس کے خلاف سازشوں کا جال بھی بُنا جاتا رہا اور اسے کئی حملے بھی برداشت کرنے پڑے۔ اس کے خلاف ہونے والی ان سازشوں کا سرغنہ ہیلویڈیس Helvidius نامی ایک سینیٹر تھا جو ویسپاشین پر تنقید کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔

ماخذ: Anciant World By Richard Mansefield

70ء۔ یروشلم کی تباہی

اہل یہود نے ہمیشہ خود کو تمام اقوام عالم سے برتر اور دوسری اقوام اور مذاہب کے لوگوں کو گھٹیا تصور کیا ہے۔ ان کی مذہب کتاب ''تالمود'' میں ہے کہ خدا نے یہود کو فرشتوں سے بہتر قرار دیا ہے اور یہود اور غیر یہود میں وہی فرق ہے جو انسان اور درندے میں ہے۔ اہل یہود کے اس ذہنی فتور نے ہمیشہ بار بار بیت المقدس کو دوسری اقوام کے ہاتھوں تباہ کرایا۔ پہلی صدی عیسوی میں ان پر رومی حکمران تھے اور قیصر روم کا نمائندہ قیصریہ سے براہ راست ان پر حکومت کرتا تھا، مگر وہ رومیوں سے بے زار تھے اور ہمیشہ ان کے پنجہ استبداد سے آزاد ہونے کی سوچتے تھے۔

64 اور 66 عیسوی میں انہوں نے روما کے خلاف زبردست بغاوت کی لیکن ناکام رہے۔

اس وقت یروشلم کا حاکم ہیرودا اعظم کی اولاد سے تھا۔ 69ء میں یروشلم کے یہودیوں نے اپنے نسلی تفاخر کی بنیاد پر اپنے ایک رہنما الیعذر بن انانیاس کے کہنے پر قیصر روم کی بھیجی ہوئی نذریں ہیکل پر چڑھانے سے انکار کر دیا۔ یہ گویا روما کے خلاف ایک اور بغاوت کا آغاز تھا۔ ہیرودا اعظم کے پڑپوتے اگر پا نے تین ہزار سواروں کو بھیج کر اس سرکشی کو دبانا چاہا لیکن یہودیوں نے یہ تمام رومی فوجی ہلاک کر دیئے۔ جب یہ خبر قیصر روم کے نائب حاکم شام کیتوس کو پہنچی تو وہ یہ بغاوت کچلنے کے لیے یروشلم کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ شہر سے چھ میل دور تھا کہ یہودیوں نے اس کی فوج پر اچانک حملہ کر کے پانچ سو رومی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کیتوس اس پر مشتعل ہو گیا اور اس نے مضافات یروشلم کو آگ لگا دی اور خود ہیرودا اعظم کے محل کے سامنے خیمہ زن ہو گیا مگر یہودیوں نے اسے بالآخر پسپا ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اس پسپائی کی خبر جب قیصر روم کو پہنچی تو اس نے مشہور رومی جرنیل ویسپاشین اور اس کے بیٹے طیطس Titus کو یروشلم بھیجا۔ اسی دوران 70ء میں سینیٹ نے ویسپاشین کو قیصر بنا دیا اور اس کے بیٹے طیطس نے یروشلم کا محاصرہ کر دلیا۔ یہ محاصرہ فروری سے اپریل تک جاری رہا۔ مئی 70ء میں طیطس نے محاصرہ شکن آلات سے کام لے کر بیرونی فصیل منہدم کر دی۔ اس کے ایک ہفتہ بعد اندرونی فصیل بھی توڑ دی گئی۔ اب ہیکل سلیمانی کے گرد جنگ ہونے لگی۔ جولائی میں رومیوں نے انطونیہ پر قبضہ کر لیا اور ہیکل کے صحنوں میں پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ معبد سلیمانی میں آخری قربانی کی رسم 6 اگست 70ء کو ادا کی گئی۔ ابھی یہودیوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے تھے اور ان کا خیال تھا کہ چونکہ خدا خود اس شہر میں رہتا ہے اس لیے رومی کبھی اسے تسخیر نہ کر سکیں گے۔

پھر 28 اگست کو رومی شہر میں داخل ہو گئے اور یہودیوں کا تعاقب کرتے ہوئے ہیکل سلیمانی کے اندرونی صحن میں داخل ہوئے۔ یہاں تقریباً 6 ہزار یہودی رضا کار خون کا آخری قطرہ بہانے تک ہیکل کی حفاظت پر متعین تھے۔ ان یہودی رضا کاروں نے غیر معمولی جرات اور بہادری کے ساتھ رومیوں کے خلاف مزاحمت کی۔ ان میں سے ہر ایک ہیکل سلیمانی کے لیے مرنے کو سعادت سمجھ رہا تھا۔ اتفاق سے یہودی کیلنڈر میں آج وہی دن تھا جس روز چھ سو سال پہلے بنو کدنصر نے ہیکل سلیمانی کو تباہ کیا تھا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اس مرتبہ کی تباہی خود یہودیوں کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جنگ کے دوران کسی یہودی رضا کار نے جلتی ہوئی مشعل ہیکل کے اندر پھینک دی جس سے لمحوں میں ہیکل شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ رومی کشت و خون میں مشغول تھے قربان گاہ کے پاس

لاشوں کے انبار لگ گئے اور انسانی خون کا دریا بہہ نکلا۔ رومیوں نے جب ہیکل کو راکھ بنتے دیکھا تو باقی حصے کو انہوں نے خود آگ لگا دی۔ ہیکل میں اکٹھا ہونے والا خزانہ جو بے شمار سیم و زر پر مشتمل تھا جل کر خاک ہو گیا۔ اب صرف اور صرف ہیکل کے بیرونی حجرے باقی تھے جن میں چھ ہزار سے زائد عورتیں، بچے اور مرد جمع تھے۔ پیشتر اس کے طیطس ان کے بارے میں اپنے سپاہیوں کو کوئی حکم دیتا سپاہیوں نے از خود ان حجروں میں آگ لگا دی اور وہ سب جل کر خاک ہو گئے۔

یوں کوہ صیہون پر ہیکل سلیمانی ملبے کے ڈھیر میں بدل گیا۔ خانہ اقدس کی مغربی دیوار کے علاوہ صرف چبوترے کو سہارا دینے والی بڑی بڑی معاون دیواریں ہی رومی حملے میں بچ پائیں۔ معبد کو زمین بوس کرنے کے بعد طیطس نے بالائی شہر کی خوبصورت عمارتوں کا رُخ کیا..... لمحوں بعد ہیرود اعظم کا پرشکوہ محل بھی زمین بوس ہو گیا۔ رومنوں نے مسلسل ایسے اقدامات کیے کہ یہودی پھر کبھی بغاوت نہ کریں۔

ماخذ: یروشلم ایک شہر تین مذاہب، از کیرن آرم سٹرانگ، تاریخ بیت المقدس از لیاقت حماد

75ء۔ پلینی الاکبر اور دنیا کے اولین انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب

پلینی الاکبر Pliny The Elder کا مکمل نام گائیس پلینیئس سیکنڈس Gauis Plinius Secundus ہے۔ وہ 23ء میں اطالیہ کے قصبے کوموComo میں پیدا ہوا۔ اس نے قانون کی تعلیم پائی۔ مورخین اسے رومن قانون دان اور مورخ لکھتے ہیں۔ 79ء میں جب کوہ ویسوویس کی آتش فشانی شروع ہوئی تو فطرت کا دلدادہ پلینی اس کی آتش فشانی کا نظارہ کرنے کے لیے پہاڑ کے قریب تر علاقے سٹابائی پہنچا اور اسی قدرت آفت سے اس کی موت واقع ہوئی۔

پلینی کی مشہور تصنیف تاریخ فطرت Natural is Historia ہے جو دنیا کے اولین انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب میں پلینی نے رومی عہد تک ہونے والی تمام انسانی تاریخ کی پیشرفت کا احاطہ 37 جلدوں میں کیا تھا۔ اپنی اس عظیم تصنیف کو پلینی نے 77 عیسوی میں شہنشاہ ٹائٹس کی نذر کیا تھا۔

''تاریخ فطرت'' علم و حکمت کی ایک جامع مگر زیادہ تر غیر تنقیدی لیکن نہایت مضبوط اور بیش قیمت تصنیف ہے۔ مصنف نے ہر جلد کے آخر میں اپنی اسناد کی ایک فہرست بھی شامل کر دی ہے۔ 146 اسناد رومی ہیں جبکہ 327 یونانی۔ اس امر کی تشریح کہ تحت الارض کا آباد ہونا ممکن ہے۔ علی ہذا یہ کہ روشنی کی رفتار آواز سے تیز تر ہے۔ تاریخ مذکور سے نئی اور پرانی کئی قسم کی معلومات حاصل ہو

جاتی ہیں لیکن چونکہ ان کی تعداد بے حد زیادہ ہے لہٰذا ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ انسانی تاریخ میں قدیم فنون لطیفہ کا اولین ذکر بھی اسی انسائیکلوپیڈیا میں ملتا ہے۔ ازمنہ متوسطہ نے اس سے بہت گہرا اثر قبول کیا۔

پلینی نے اپنی جوانی کے دنوں میں پومپینس Pompinius کے ماتحت فوجی دستوں کی کمان جرمنی میں کی۔ بعدازاں وہ روم واپس آیا اور عدالت سے وابستہ ہوگیا۔ اسی دوران اس نے پومپینس کی سوانح عمری اور جرمنی میں ہونے والی جنگوں کی تاریخ مرتب کی۔ شہنشاہ نیرو کے عہد میں اُسے سپین میں محکمہ مالیات کا افسر مقرر کیا۔ اسی اثنا میں اس نے اپنے عہد کی تاریخ بھی مرتب کی اور اپنا انسائیکلوپیڈیا مکمل کیا۔ جب ٹائٹس روما کا شہنشاہ بنا تو اسے مغربی بحیرہ روم میں جنگی بحری بیڑے کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس نے اسی سبب اپنے قیام کے لیے رہائش گاہ نیپلز میں تعمیر کی۔ 79 عیسوی میں جب پومپیائی اور ہرکولینیم کی تباہی کا سانحہ پیش آیا اور ویسوویس کا جوالا مکھی آگ برسانے لگا تو پلینی اس وقت نیپلز میں مقیم تھا۔ فطرت سے اس کی غیر معمولی دلچسپی نے اسے خطروں سے کھیلنے پر مجبور کر دیا اور اس نے اس سانحہ کا بذات خود مشاہدہ کرنا چاہا اور انجام کار ہلاکت اس کے حصے میں آئی۔

پلینی الاکبر کی بے شمار تصانیف میں سے صرف ''تاریخ فطرت'' ہی محفوظ بچی ہے۔ اس تصانیف میں اس نے جیسا پہلے ذکر آیا بے شمار موضوعات کا احاطہ کیا ہے جس میں حقائق کے ساتھ ساتھ غیر اہم چیزوں کو بھی بلا امتیاز جمع کر دیا گیا ہے۔

بلاشبہ پلینی روم میں پہلی صدی عیسوی کے نصف دوم کا سب سے بڑا عالم تھا۔ مقدمہ تاریخ سائنس کے مصنف جارج سارٹن نے اس کے دور کو اس کے نام سے معنون کرتے ہوئے ''العصر پلینی'' کہا ہے۔ دیگر محققین جن میں ہاتھورن شامل ہے اس کا موازنہ یونان کے ہمہ پہلو مفکر ارسطو سے کرتے ہیں۔ ناقدین کے مطابق لیکن اس کے اندر ارسطو کے برخلاف تجزیاتی صلاحیت مفقود ہے۔ وہ اپنی اطلاعات کو ہضم نہیں کر پاتا اور نہ ہی اسے مرتب شکل میں پیش کرنے پر قادر ہے۔ اسی سبب سے محققین اس کے انسائیکلوپیڈیا کو گوناگوں اور بوقلموں چیزوں کے انبار سے تشبیہ دیتے ہیں جن میں اشیا کی اصل قدر و قیمت متعین نہیں کی گئی۔ ان خامیوں کے باوجود یہ کتاب ایک خاصے کی چیز ہے اور صدیوں تک اہل علم کے لیے معلومات کا خزانہ ثابت ہوئی ہے۔

ماخذ: مقدمہ سائنس جلد اول' ترجمہ سید نذر نیازی' تاریخ ادبیات عالم جلد دوم صفحہ 131' از پروفیسر وہاب اشرفی

80ء۔روم میں کلوسیوم کی تعمیر

روما کے کلوسیوم میں بڑا خوفناک منظر تھا انسان اور وحشی درندوں میں بقا کی جنگ جاری تھی اکثر ایسی جنگیں یا شکار اس وقت اختتام پذیر ہوتے تھے جب ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کر دیتا یا وحشی درندے اس کے ہاتھوں مارے جاتے یا پھر اسے چیر پھاڑ ڈالتے۔ یہ کلوسیوم Colosseum شہر روم میں مشہور زمانہ رومی فورم Roman Forum کے جنوب مشرق میں اسکولین Esquline اور کائی لین Caelian پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ عمارت قدیم زمانے میں ایمفی تھیٹر Amphi Theater بھی کہلاتی تھی اس اکھاڑے میں انسانوں کے انسانوں کے ساتھ یا وحشی درندوں کے ساتھ مقابلے منعقد کئے جاتے تھے جو ان کی موت تک جاری رہتے تھے۔ اسی وجہ سے کلوسیوم نہ صرف قدیم روما کے فن تعمیر کی ایک یادگار ہونے کے ساتھ ساتھ اس زمانے میں ہزاروں انسانوں اور جانداروں کے ساتھ ہونے والے ظلم کی علامت بھی ہے۔

64ء میں شہنشاہ نیرو کے عہد میں لگنے والی آگ سے پہلے بھی اسی مقام پر ایک اسٹیڈیم یا اکھاڑہ موجود تھا جہاں وحشیانہ مقابلے منعقد کرائے جاتے تھے۔ اس اسٹیڈیم کے نذر آتش ہو جانے کے بعد تقریباً 70 عیسوی میں اس وقت کے رومی شہنشاہ ویسپاسین Vespasian نے موجودہ عمارت کی تعمیر کے لیے خاص حکم جاری کیا۔ پھر دس سال کی مسلسل تعمیر کے بعد 80ء میں شہنشاہ ٹائٹس Titus نے اس عمارت میں پہلی مرتبہ سو روزہ مقابلوں کا افتتاح کیا جس میں ہزاروں انسان اور جانور اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس عمارت کی تزئین اور آرائش کا کام شہنشاہ ڈومیشن Domition کے عہد میں تقریباً 82 عیسوی میں مکمل ہوا۔

آج اس عظیم الشان رومی تاریخی عمارت کے گرد چکر لگائیں تو اس کی وسعت اور تعمیراتی حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ یہ عمارت بیضوی شکل کی ہے اور اس کی لمبائی 617 فٹ (188 میٹر) اور کشادگی 512 فٹ (156 میٹر) اور اس کا گھماؤ 1729 فٹ (527 میٹر) ہے۔ اس عمارت کی بیرونی دیوار جس کا صرف کچھ حصہ باقی بچہ ہے 187 فٹ بلند ہے اور اس کی تعمیر میں سفید پتھر استعمال کیا گیا ہے۔ بیرونی طرف اس دیوار کا ڈیزائن اسے چار منزلہ ظاہر کرتا ہے۔ اس کی نچلی تین منزلوں میں سے ہر ایک میں 80 محرابیں ہیں جنہیں یونانی طرز کے ستون

ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔

سب سے نچلی منزل میں ان محرابوں میں سے چار جو سمت میں ایک شاہی مدخلہ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ ان راستوں سے شہنشاہ یا اس کے قریبی ساتھی اسٹیڈیم میں آتے تھے جبکہ باقی 76 محرابیں عوام کے اسٹیڈیم میں داخلے اور باہر جانے کے لیے کھلی رہتی تھیں۔ باقی دوسری اور تیسری منزل کی محرابوں میں اس زمانے کے کسی دیوی یا دیوتا یا کسی اہم شخصیت کے مجسمے آویزاں تھے۔ چوتھی منزل کی بالائی دیوار میں کوئی محراب نہیں تھی بلکہ چھوٹے چھوٹے دریچے رکھے گئے ہیں اور بیرونی سطح پر زیبائشی پلستر کیا گیا ہے جس میں آرائشی خطوط اور ستونوں سے دیوار کو سجایا گیا ہے۔

اسٹیڈیم کا درمیانی اکھاڑہ بھی بیضوی ہے جس کی پیمائش 180X289 فٹ ہے۔ اس اسٹیڈیم میں تقریباً 50 ہزار تماشائیوں کی گنجائش تھی 45000 تماشائی بیٹھ کر کھیل دیکھتے تھے جبکہ 5 ہزار افراد کھڑے ہو کر کھیل دیکھ سکتے تھے۔

کلوسیئم میں منعقد ہونے والی یہ وحشیانہ کھیلیں عوام میں بہت مقبول تھیں مگر بہت سے مقتدر شہری ان کے خلاف بھی تھے جیسے مشہور رومی فلسفی سینکا جس نے ان کھیلوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ عیسائیت کے رومی سلطنت میں پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ یہ وحشیانہ کھیلیں معدوم ہوتی چلی گئیں اور آخر 404 عیسوی میں شہنشاہ ہونریس Honorius نے مغربی سلطنت میں انہیں ختم کر دیا۔

اس کے بعد کی صدیوں میں کلوسیوم ایک اسٹیڈیم اور تھیٹر کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ازمنہ وسطیٰ میں یہاں مذہبی ڈرامے اسٹیج کیے گئے۔ اس کے علاوہ غربا نے یہاں گھر بنا لئے۔ نشاط ثانیہ میں نئی عمارتوں کی تعمیر کے لیے یہاں سے پتھر بھی حاصل کیا جاتا رہا۔

ماخذ: Wonders of the World By: Lionel Grison

105ء۔کاغذ ایجاد ہوا

نباتی ریشے (عام طور پر لکڑی کے گودے سے) تیار کی گئی باریک چادر یا جھلی ''کاغذ'' کہلاتی ہے۔ ہن خاندان (چین) کی سرکاری دستاویزات میں دنیا کے ابتدائی کاغذ کی ایجاد کا جو احوال ملا ہے اس کے مطابق کاغذ چین میں 105ء میں ایجاد ہوا تھا۔ اس کے موجد کا نام تسائی لون تھا۔ تسائی لون نے 105ء میں ہن شہنشاہ ہوتی کے حکم پر دربار میں اپنے ایجاد کردہ کاغذ کے نمونے پیش کیے۔ تسائی لون کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتی۔ بعض مورخین کے مطابق وہ ایک خواجہ سرا..... تھا۔ شہنشاہ ہوتی نے کاغذ کی ایجاد سے خوش ہو کر تسائی لون کو امراء دربار میں شامل کر دیا اور اسے خلعت شاہی اور منصب اعلیٰ سے سرفراز کیا لیکن ایک خواجہ سرا ہونے کے ناطے تسائی لون محلاتی سازشوں میں ملوث ہو گیا جس کی پاداش میں اسے گرفتار کر لیا گیا اور سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ اس نے یہ سزائے موت بڑی اعلیٰ ظرفی سے برداشت کی۔ سزائے موت پانے سے پہلے کہتے ہیں اس نے غسل کیا اور عمدہ لباس زیب تن کر کے زہر خورانی سے خود ہلاک کیا۔ مگر اس کی ایجاد نے بالآخر دنیائے کتب میں انقلاب بپا کر دیا۔ ہڈیوں، چمڑے اور جھلیوں پر لکھی جانے والی انسانی تحریروں کو کتاب اور کاغذ کی شکل میں ایک باقاعدہ گھر میسر آ گیا۔ بعد ازاں چینیوں سے کاغذ سازی کا فن عربوں نے حاصل کیا اور سمرقند (751ء) سے وہ شمالی افریقہ کے راستے کاغذ سازی کو اندلس لے گئے (1150ء) اندلس ہی سے کاغذ سازی نے یورپ کے دیگر ممالک کی راہ پائی اور پھر یہ 1690ء میں یہ امریکی نوآبادیوں میں متعارف ہوا۔ 1790ء میں فرانس کے نکولاس رابرٹ نے کاغذ سازی کی ایک باقاعدہ مشین ایجاد کی۔ اس سے پہلے صدیوں تک کاغذ دستی سانچوں میں تیار کیا جاتا تھا۔

انگریزی زبان کا لفظ پیپر جو اردو زبان کے لفظ کاغذ کے مترادف ہے قدیم مصری سرکنڈوں سے لئے گئے Pappyrus سے مشتق ہے۔ پیپرس قدیم مصر میں کاغذ کی جگہ مستعمل تھا اور قدیم مصری اس پر آج کے کاغذ ہی کی طرح لکھتے تھے۔

ماخذ: اردو جامعہ انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز Encyclopedia Britannica Vol:9

105ء۔اشک بیست وچہارم المعروف خسرو کی تخت نشینی

خسرو Osroes' اشک بیست وچہارم نے 105ء میں ایک ایسے وقت سلطنت پارتھ کی ڈور باگ سنبھالی جو سلطنت پارتھ کا نازک ترین دور تھا۔ روما میں ٹراجن جیسا جاہ پسند بادشاہ حکمران تھا جو سکندر اعظم کی طرح مشرق میں کشور کشائی کرنا چاہتا تھا اس کے لیے صرف اتنا ہی بہت تھا کہ شاہ ایران نے آرمینیا کے حکمران تیرداد کی وفات کے بعد وہاں اپنا ایک بیٹا ایکسی ڈارس Exedares آرمینیا کے تخت پر قیصر کے منشا کے بغیر بٹھا دیا تھا۔ اسے ایران اور روما کے درمیان ہونے والے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی قرار دے کر ٹراجن نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ مشرقی ممالک کا رُخ کیا۔

ٹراجن جب ایتھنز پہنچا تو شاہ ایران خسرو نے ایک سفارت اس کے دربار میں بھیجی اور قیصر کو اطلاع دی کہ ایکسی ڈارس کو آرمینیا کی بادشاہی سے الگ کر لیا گیا ہے اور اگر اب قیصر روم منظور کرے تو اس کے بھائی کو آرمینیا کا حکمران بنا دیا جائے اور اس کی رسم تاجپوشی بھی قیصر روم کے ہاتھ سے ادا کرائی جائے۔ اگر قیصر کو صرف آرمینیا میں اپنی برتری قائم کرنا ہوتی تو وہ اس اقدام کو کافی مان کر لشکر کشی سے ہاتھ کھینچ لیتا مگر اس کا منصوبہ تو مشرقی ممالک کی تنظیم نو کرنے کا تھا اس لیے اس نے شاہ ایران کے تحائف واپس لوٹا دیئے۔

موسم خزاں کے آخر میں ٹراجن نے انطاکیہ پہنچ کر جنگی تیاریوں کا جائزہ لیا اور شاہ ایران کے بیٹے پارتھا مازی اس Partha Masiris کی مراسلت کا جواب یہ دیا کہ اگر وہ ٹراجن کی خدمت میں حاضر ہو جائے تو اسے آرمینیا کا تاج پہنا دیا جائے گا۔ ٹراجن نے جب دریائے فرات عبور کر کے آرمینیا کی سرحد میں قدم رکھا تو شہزادہ پارتھا مازی اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنا تاج اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ اسے یقین تھا قیصر اس کا تاج اس کے سر پر رکھ دے گا مگر ٹراجن نے ایسا نہ کیا اور جب یہ شہزادہ رومی کیمپ سے لوٹنے لگا تو ٹراجن نے اس کا تعاقب کرا کے اسے قتل کروا دیا۔ ٹراجن کا یہ فعل نہایت بے رحمانہ تھا اس لیے اہل روم نے بھی اسے سخت ناپسندیدگی سے دیکھا۔

پارتھا مازی اس کو راستے سے ہٹا کر ٹراجن نے آرمینیا کو ایک رومی صوبہ قرار دے دیا اور پھر بین النہرین کے تمام ملکوں کے فرمانرواؤں کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح یہ تمام ممالک بھی آرمینیا کی طرح رومی صوبہ بن گئے اور یہاں رومی سکے رائج ہو گئے۔ اسی زمانے میں

رومی سینیٹ نے اسے ''پارتی کوس'' یعنی فاتح پارت کا خطاب دیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا ٹراجن سکندر اعظم کے نقش قدم پر چل کر دنیائے مشرق میں ہندوستان تک فتح کرنا چاہتا تھا مگر اپنی تمنا پوری نہ کر سکا اور واپس لوٹ گیا۔

خسرو نے ٹراجن کی یلغاروں کا مقابلہ تو نہ کیا مگر ٹراجن کی واپسی کے بعد اس کے مفتوحہ علاقوں میں رومیوں کے تسلط کے خلاف تحریک چلائی جو کامیاب ہوئی اور ٹراجن کی فتوحات دیرپا ثابت نہ ہوئیں اور اس کے خلاف بغاوتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ٹراجن کے انتقال کے بعد قیصر روم ہیڈرین نے خسرو سے ملاقات بھی کی اور ٹراجن کی مہموں سے ہاتھ آیا ایرانی تخت زریں اور ایک ایرانی شہزادی بھی سلطنت ایران کو واپس لوٹا دی۔ شہنشاہ ہیڈرین کے صلح جویانہ اقدام سے ایران اور روم میں مستحکم دوستی کی بنیاد پڑی۔

ماخذ: قدیم ایران۔ تاریخ ایران جلد اول از مقبول بیگ بدخشانی

114-117ء۔ شہنشاہ ٹراجن کی فتوحات کا یادگاری ستون

آج کے روم میں قدیم مگر صحیح و سالم موجود 40 میٹر (125 فٹ) بلند ایک مرمریں ستون Trajan's Coloumn کہلاتا ہے۔ تقریباً انیس صد سال قدیم یہ ستون شہنشاہ روما ٹراجن کی سکندر اعظم کی طرح بہت ساری مشرقی فتوحات کی یادگار ہے۔ یہ ٹراجن فورم Trajan Forum کے کھنڈرات میں Doric-Roman طرز تعمیر کا شاہکار جس چبوترے پر تعمیر کیا گیا ہے اسی چبوترے کے ایک ایوان میں خود یہ شہنشاہ مدفون ہے۔ اس قدیم تعمیری شاہکار پر شہنشاہ ٹراجن کی مشرقی فتوحات کے مناظر کندہ کئے گئے ہیں۔ اس کی تعمیر کے وقت اس ستون کے اوپر کانسی کا ایک عقاب بٹھایا گیا تھا جو رومی سلطنت کا نشان تھا۔ بعد ازاں شہنشاہ کی وفات کے بعد اس ستون پر شہنشاہ کا مجسمہ آویزاں کر دیا جو تقریباً 1400 سال بعد 1588ء میں سینٹ پیٹر کے مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا۔

شہنشاہ ٹراجن بڑا جاہ پسند بادشاہ تھا جو داکیوں Dacin (اہل رومانیہ) کے خلاف مشرق میں 101ء سے 107ء تک برسرپیکار رہا پھر اس کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ وہ سکندر اعظم کی طرح پورے مشرق میں کشور کشائی کرے۔ چنانچہ اس نے آرمینیا میں عسکری کارروائی کا بہانہ لے کر ایک عظیم لشکر کے ساتھ مشرقی ممالک کا رخ کیا اور اپنے سکندر اعظم کی طرح عظیم مشرقی فاتح بننے کے خواب کو عملی جامہ پہنانے نکلا۔ جب وہ ایتھنز پہنچا تو شہنشاہ پارت (ایران کے

اشکانی حکمران) خسرو کے سفیر ٹراجن کے دربار میں حاضر ہوئے اور تحفے تحائف نذر کرنے کے بعد شہنشاہ کو خسرو کا پیغام دیا کہ شاہ پارت نے آرمینیا کے اپنے باجگذار بادشاہ کو جو قیصر روم کو ناپسند تھا اس کی حکومت سے الگ کر دیا ہے۔ اب اگر قیصر منظور کرے تو اس کے بھائی کو اس کی جگہ حکمران بنا دیا جائے اور تاجپوشی کی رسم خود قیصر روم کے ہاتھوں انجام پائے۔

ٹراجن جیسا کہ صرف آرمینیا میں برتری حاصل کرنے کے بہانہ سے نکلا تھا اور اسے صرف آرمینیا میں برتری قائم کرنے کا خیال ہوتا تو اس کے لیے خسرو نے جو اقدام کیا تھا وہ کافی تھا مگر وہ تو سکندر اعظم کی طرح ہندوستان تک کو فتح کرنا چاہتا تھا اور مملکت ایران (پارت) کو روما کا اطاعت گزار بنانے نکلا تھا۔ اس لیے اس نے خسرو کے سفیروں سے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ خسرو کے تحائف بھی واپس لوٹا دیئے اور کہا کہ ''جب میں سوریہ پہنچوں گا تو جیسا مناسب ہوگا ویسا کیا جائے گا'' اس جواب سے اس کے ارادے واضح تھے۔

موسم خزاں کے آخر میں ٹراجن نے انطاکیہ پہنچ کر اپنی عسکری تیاریوں کا جائزہ لیا۔ یہاں مختلف ممالک کے حکمرانوں نے اس کے دربار میں سفارتیں بھیجیں اور اپنی ارادت مندی ظاہر کی' خسرو کے بیٹے پارتھامانے مراسلہ بھیج کر ٹراجن سے گفت وشنید کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر اس مراسلہ میں اس نے خود کو ''بادشاہ آرمینیا'' لکھا تھا۔ اس مراسلہ کا ٹراجن نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوسرے مراسلہ میں اس نے اپنا نام بغیر کسی لقب کے لکھا تو ٹراجن نے اسے جواب عنایت کرتے ہوئے لکھا کہ اگر وہ خود ٹراجن کی خدمت میں حاضر ہو جائے تو اسے آرمینیا کا تاج پہنا دیا جائے گا۔

114ء میں ٹراجن اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر کے 115ء میں مشرقی ممالک کی مہم پر چلا اور فرات عبور کر کے آرمینیا پہنچ گیا۔ وہاں کا حکمران پارتھامازی اُس اس کے دربار میں حاضر ہوا اور اس نے اپنا تاج اتار کر قیصر کے قدموں میں رکھ دیا۔ اسے یقین تھا کہ ٹراجن اس کا تاج اسے پہنچا دے گا اور اس طرح یہ قضیہ ختم ہو جائے گا' مگر ایسا نہ ہوا اور آخر جب وہ ٹراجن کی قیام گاہ سے ناکام لوٹا تو ٹراجن نے اس کا پیچھا کر کے اسے زندہ وسلامت جانے نہ دیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس کا یہ فعل مورخین کی نظر میں انتہائی بے رحمانہ تھا جس پر خود اہل روم نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

پارتھامازی اُس کو قتل کر کے ٹراجن نے آرمینیا کو ایک رومی صوبہ بنا دیا اور آس پاس کے لوگوں پر روما کی قوت وشوکت کی دھاک بٹھا دی۔ آرمینیا سے نکل کر اس نے نصیبین کا رخ کیا اور بین

النہرین کو بھی رومی صوبہ بنالیا۔ اس کی اس کامیابی پر رومی سینیٹ نے اُسے ''پارتی کوس جینی فاتح پارت کے خطاب سے سرفراز کیا۔

سردیوں کا موسم بین النہرین میں گزار کر جب ٹراجن واپس شام کے شہر انطاکیہ آیا تو یہاں ایک نہایت تباہ کن زلزلہ آیا جس سے متعدد شہر آن کی آن میں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے اور لاکھوں انسان لقمہ اجل بن گئے۔ ٹراجن بھی اس حادثے سے بال بال بچا۔ اتفاق سے وہ انطاکیہ کے شاہی محل کی کھڑکی کھول کر باہر نکلا ہی تھا کہ محل اسی لمحے زمین بوس ہو گیا۔ 116ء میں ٹراجن نے بین النہرین کے بعد بابل کو فتح کیا۔ یہاں بھی کسی نے اس کی مدافعت نہ کی اور بلا مقابلہ وہ پورے علاقے کو اپنے تصرف میں لے آیا۔ اس کے بعد اس نے طیسفون Ctesephon اور سلوکیا کو فتح کر لیا۔ اب ٹراجن خود کو سکندر ثانی سمجھنے لگا اور مطمئن تھا کہ اب مملکت پارت جو روما کی روایتی حریف تھی اب اس کے قدموں میں ہے' اس کا عزم اب سلطنت روما کی سرحدی دریائے سندھ اور دریائے جیحوں تک پھیلانے کا ہو گیا۔ خلیج فارس کے کنارے پہنچ کر اسے اپنے بڑھاپے کا احساس ہوا اور وہ رو دیا اور اس نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ کاش وہ سکندر مقدونی کی طرح جواں سال ہوتا اور سرزمین ہندوستان تک اپنی مہمات جاری رکھ سکتا۔ اس وقت ٹراجن کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا کہ وقت کے دھارے کا رُخ بھی بدل سکتا ہے اور اس کی فتوحات کے نتائج نابود بھی ہو سکتے ہیں۔

شاہ فارس خسرو ٹراجن کی فاتحانہ یلغاروں کو خاموشی سے دیکھتا رہا اور اس نے مقابلے میں آنا پسند نہ کیا لیکن جوں ہی ٹراجن نے واپسی اختیار کی اس نے اُس کے مفتوح علاقوں میں رومی تسلط سے آزادی حاصل کرنے کی تحریک چلائی جو کامیاب ہوئی اور ٹراجن کے خلاف بغاوتوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ شہنشاہ واپسی کے سفر میں بیمار ہو گیا اور خود ان بغاوتوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا۔ اس نے اپنے سالاران بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے بھیجے جنہوں نے بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے سلوا کیا کو نذر آتش کیا' نصیبین کو برباد کیا' ردس (ادرنہ) کو جلایا' شورش پسندوں اور رومی افواج کا مقابلہ آخر پترا کے مقام پر ہوا جس میں رومیوں کو شکست ہوئی اور بہت سے رومی مارے گئے۔ اس طرح ٹراجن کی فتوحات دیرپا ثابت نہ ہوئیں۔

شہنشاہ ٹراجن 52ء تا 117ء اپنی ان فتوحات اور ان کے نتائج سے قطع نظر ایک انتہائی محنتی انسان تھا۔ وہ سپاہی کی حیثیت سے رومی فوج میں بھرتی ہوا اور انتہائی عروج پر پہنچا۔ وہ سپین کے

رومی صوبے بائٹکا Baetica میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ شہنشاہ ویسپاسین کی فوج میں ایک جرنیل تھا جسے اس نے شام کا گورنر بنا دیا تھا۔ ٹراجن نے اپنی جوانی کے دنوں میں جرمنی میں دریائے رائن کے کنارے فوجی خدمات انجام دی تھیں جن سے خوش ہو کر اس وقت کے رومی شہنشاہ ڈومیشن نے اسے رومی سلطنت کے سب سے اعلیٰ عہدے کونسل شپ Consulship پر فائز کیا۔ 18 ستمبر 96ء کو شہنشاہ ڈومیشن ایک محلاتی سازش کا شکار ہو گیا جس کے بعد نیروا Nerva شہنشاہ بنا۔ شہنشاہ نیروا ٹراجن پر بڑا مہربان تھا۔ اس نے اسے اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ 28 جنوری 98ء کو شہنشاہ نیروا نے پیرانہ سالی میں وفات پائی جس کے بعد ٹراجن کو شہنشاہ بنا دیا گیا۔

ٹراجن رومی سلطنت کا نظم و نسق سنبھالنے میں بہت اچھا منتظم ثابت ہوا اور اس سے رعایا اور فوج دونوں طبقے خوش رہے۔ اس نے جن قابل اشخاص کو رومی صوبوں کا گورنر مقرر کیا ان میں پلینی دی ینگر جیسے لوگ شامل تھے۔ پلینی کو ٹراجن نے ایشیائے کوچک کا صوبے دار بنایا تھا۔ پلینی نے شہنشاہ کی توجہ بڑھتی ہوئی عیسائیت کی طرف اپنے خطوط کے ذریعے مبذول کرائی تھی۔ شہنشاہ کے پیشرو اکثر عیسائیت پر مظالم روا رکھے ہوئے تھے' ٹراجن نے پلینی کو حکم دیا تھا کہ وہ عیسائیوں سے بے وجہ باز پرس نہ کرے نہ ہی انہیں بغیر کسی جرم کے پابجولاں کرے۔

120ء۔ کینشکا اور اس کا عہد

پہلی صدی عیسوی کے ہندوستان پر کشان بادشاہوں کی حکومت تھی۔ تمام کشان بادشاہوں میں کنشک یا کنشکا ایسا بادشاہ ہے جو اپنے پیچھے ایک ایسا نام چھوڑ گیا' جس کو ملکی روایات نے فراموش نہ ہونے دیا۔ اس عہد کا یہ پہلا حکمران ہے جو ہندوستان سے باہر بھی نامور اور مشہور ہوا۔ تبت، چین اور منگولیا کی روایات میں اس کا نام اب تک زندہ ہے اور وہ بدھ مذہب کے پیروکاروں کے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اشوک اعظم۔ مگر اس کی اس شہرت کے باوجود تاریخ میں اس کا ذکر کم ملتا ہے۔ چونکہ ہندوستان میں اس عہد میں کوئی تاریخ نہیں لکھی گئی اس لیے اس کا سنہ بھی ابھی تک محققین کے نزدیک مشکوک ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ کنشک 58ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کے سکوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سنہ عیسوی کے شروع ہونے کے بہت بعد ہوا ہے۔ اس کا زمانہ کڈ فائسس اول اور دوم کے بعد کا ہے۔

کنشک یوچی قبیلہ کے حصہ کشان سے تعلق رکھتا ہے۔ یوچی قبیلہ وہی ہے جس نے افغانستان

سے ایران کے اشکانی خاندان (Parthian) کی تین سو سالہ قدیم حکومت کو ختم کیا اور انہیں واپس ایران بھگا دیا، پھر یہ قبیلہ ایک طاقتور قوم بن کر اُبھرا اور اس نے کابل وقندھار پر قبضہ کر کے ایرانی و یونانی حکمرانوں کے اثرات کو کم کر دیا۔ مورخین کے اندازے کے مطابق کنشک تقریباً 78ء میں کڈ فائسس دوم کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد کی روایات، آثار اور کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی سلطنت تمام شمال مغربی ہندوستان اور جنوب میں کوہ بندھیاچل تک اور دوسری طرف دنیا کی چھت پامیر کی دور افتادہ سطح مرتفع تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہیون سانگ نے لکھا ہے کہ کنشک گندھر کے علاقے تک حکمران تھا۔ گندھر ہیون سانگ نے پامیر کو لکھا ہے۔ ہندوستان میں کنشک کے سکے کابل سے لے کر دریائے گنگا کے کنارے آباد غازی پور تک برابر پائے جاتے ہیں صوبہ سندھ کا بالائی حصہ بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔

وہ ہندی سفارت جس نے 99ء میں شہنشاہ روما ٹراجن کے دربار میں باریابی حاصل کی تھی۔ کنشک ہی نے ٹراجن کو اس کی فتوحات پر مبارکباد دینے کے لیے بھیجی تھی۔

116ء میں دریائے دجلہ وفرات کے درمیان کا علاقہ جو الجزیرہ کہلاتا ہے ٹراجن کے قبضہ میں تھا۔ یہاں سے کنشک کی سلطنت صرف 600 میل دور تھی جو دوسرے لفظوں میں ٹراجن کے عہد میں ہندوستان اور رومتہ الکبریٰ کی سرحدی بالکل نزدیک آ گئیں تھیں۔ اس سے یہ پتا بھی چلتا ہے کہ اس زمانے ہندوستانی حکمران رومتہ الکبریٰ اور اس کی عظمت سے اچھی طرح واقف تھے۔

کینشک ہی وہ پہلا حکمران تھا جس نے وادی کشمیر کو فتح کر کے سلطنت ہند میں شامل کیا۔ کنشک کا دارالحکومت پرش پور (یعنی موجودہ پشاور) تھا۔ اپنی زندگی کے آخری حصے میں کنشک جب بدھ مت کا پیروکار بن گیا تھا تو اس نے اس شہر میں بدھ تبرکات کے لیے ایک زبردست مینار مٹھ تیار کیا تھا جس کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ وہ دنیا کے عجائبات میں شمار کئے جانے کے لائق تھا۔ یہ اپنی بنیاد پر تیرہ منزلہ تھا جس کی بلندی لگ بھگ 400 فٹ تھی۔ اس کے اوپر لوہے کا کلس بھی تھا۔ مینار تین مرتبہ جل کر خاکستر ہو چکا تھا ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی پروہت یا بادشاہ اسے دوبارہ تعمیر کروا دیتا تھا۔ اس مینار کے قریب ایک بدھ خانقاہ بھی تھی جو نویں صدی عیسوی تک بدھ مت کی تعلیم کا مرکز بنی رہی۔

کنشک ایک اولوالعزم بادشاہ تھا جو ہندوستان کی سرحدوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے پارتھیوں کے ساتھ بھی ایک کامیاب جنگ لڑی تھی جس میں اس نے اس قوم کے بادشاہ پر حملہ کر دیا تھا۔ کنشک کی سب سے تعجب خیز اور حیرت انگیزی فوجی مہم کاشغر، یارقند اور ختن کی فتح تھی۔ یہ

علاقے چینی ترکستان میں واقع ہیں جو تبت کے شمال اور پامیر کے مشرق میں ہے۔ 90 عیسوی میں اس نے ان علاقوں پر جو انتہائی دشوار گزار اور پہاڑی ہیں پہلی مرتبہ حملہ کیا اس میں وہ ناکام رہا اور اسے چینی حکمران پن چو کو خراج ادا کرنا پڑا۔ تھوڑی مدت بعد جب پن چو کا انتقال ہو گیا تو کنشک ایک بار پھر ان علاقوں پر حملہ آور ہوا اس بار نہ صرف اس نے خراج سے گلوخلاصی کرالی بلکہ اس نے کچھ یرغمالی بھی حاصل کیے جن میں مورخین کے مطابق چین کے ہن خاندان کے شہنشاہ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ ان یرغمالیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا جو اُن کی شان اور مرتبے کے مطابق تھا۔ جس بدھ خانقاہ میں یہ لوگ رکھے گئے اس کا ذکر ہیون سانگ نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔

بدھ مذہب کے لیے کنشک کی خدمات اشوک کے بعد سب سے زیادہ ہیں۔ اس نے بدھ مت کی ایک مذہبی مجلس قائم کی تھی۔ اس کا نظام بالکل انہیں اسلوب پر قائم کیا جن پر اشوک کی مجلس قائم تھی۔ اگرچہ سری لنکا کی بدھ روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کے متعلق معلومات کا تعلق اور انحصار صرف چینی، تبتی اور منگولی روایات پر کیا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کنشک نے ایک بدھ راہب کے اصرار پر بدھ مت کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ جس سے مختلف فرقوں کا تضاد اُس پر ظاہر ہو گیا اور اُسے بے حد پریشانی ہوئی۔ اُس نے یہ تضاد دور کرنے کے لئے مذہبی علماء کی ایک مجلس بلائی جس میں تقریباً 500 ارکان نے شرکت کی اور اس کے اختتام پر جو مذہبی تفاسیر مرتب ہوئیں ان کو تانبے کی چادروں پر کندہ کرا کے ایک خاص ستوپ میں محفوظ کر دیا گیا۔ مجلس خاتمے پر بادشاہ نے کشمیر کی آمدنی کو اشوک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مذہب کے لیے مخصوص کر دیا۔ مورخ وی اے سمتھ لکھتے ہیں کہ یہ مجلس تقریباً 100 عیسوی میں منعقد ہوئی تھی۔ مورخین کے مطابق کنشک نے ایک اندازے کے مطابق 45 برس حکومت کی۔ اگرچہ یہ ایک طویل عرصہ ہے مگر اس کے عہد کے تمام سیاسی واقعات بالکل فراموش ہو گئے ہیں اور نہ بدھ مذہب کی روایات سے ان کا سراغ ملتا ہے۔ اسی طرح اس کے جانشین ہوشک کے عہد کے سکے کنشک کے سکوں سے بھی زیادہ تعداد میں ملے ہیں مگر اس کے عہد کے واقعات کا بھی سراغ نہیں ملتا۔

ماخذ: تاریخ ہند قدیم..... وی اے سمتھ - ہندوستانی تہذیب کی داستان..... ایل کے ہاشم

120ء۔ المجسطی اور بطلیموس آف سکندریہ

دوسری صدی عیسوی کے ذہین ترین اور چالاک و مستعد ایک شخص نے سکندریہ میں ایک مرتبہ پھر ارض المرکز کائنات کے نظریہ The Geo Centric Theory کو اپنی کتاب المجسطی

Almagesti میں پیش کیا۔ یہ کتاب بعد کے زمانوں میں فلکیات کا عظیم ترین رسالہ The Great Treatise of Astronomy کہلائی۔ قدماء سائنس جن میں پرگا کے اپولونیئس Apolonius of Perga نے 200 ق م میں اور ابرجنس Hipparchus نے 150 ق م میں زمین کے مرکز کائنات والے نظریہ کو تسلیم کیا تھا جبکہ اپرسٹارکس نے 230 ق م میں سورج کو کائنات مرکز قرار دے کر قدما کے اس نظریہ کو رد کر دیا تھا۔ اب اس کے اس نظریہ کو رد کر دیا گیا کیونکہ اس کے پاس ایسے آلات تو تھے نہیں جن کی مدد سے مشاہدہ افلاک کر کے وہ اپنے نظریہ کی سائنسی توضیع کر سکتا۔ دوسری طرف یہ نظریہ قدماء کے اس فلسفیانہ تصور سے بھی ٹکراتا تھا کہ انسانوں کی آماجگاہ دنیا ساکت تھی اور دیگر اجرام فلکی بلکہ خود آسمان بھی ایک لطیف گردش میں تھا۔ قدما نے زمین کو مرکز کائنات مانتے ہوئے یہ نظریہ بھی پیش کیا تھا کہ باقی اجرام فلکی زمین کے گرد تدویر یا چھوٹے دائروں میں اور خارج المرکز یا بے قاعدہ صورت میں گردش کرتے ہیں۔ المجسطی کے مصنف بطلیموس نے بھی اس نظریہ کو تسلیم کیا اور ریاضی کی بنیاد پر سیاراتی گردش کے عمل تدویر اور خارج المرکز دائروں کا ایک ایسا عملی نمونہ تیار کیا جس کی مدد سے سیارگان کی نقل وحرکت کا ایک ایسا عملی نمونہ تیار کیا جس کی مدد سے سیارگان کی نقل وحرکت کے بارے میں حیرت انگیز حد تک صحیح پیشن گوئی کی جا سکتی تھی۔ بطلیموس کا یہ ریاضیاتی کارنامہ اس لیے اور بھی حیرت انگیز تھا کہ بعد کے زمانوں میں ثابت ہو گیا کہ اس کی بنیاد غلط مفروضہ پر قائم تھی کہ اجرام فلکی مکمل دائروں کی شکل میں گردش کرتے ہیں جبکہ یہ بیضوی مدار میں گردش کرتے ہیں۔

المجسطی میں بطلیموس نے لکھا ہے کہ آسمان مدور ہے اور کرہ کی طرح گردش کرتا ہے جبکہ زمین ایک کرہ ہے اور کائنات کے مرکز میں واقع ہے اور بالکل غیر متحرک ہے۔ بطلیموس کے پیش کردہ یہ نظریہ 1400 سال تک بے چوں چراں تسلیم کیا جاتا رہا کہیں جا کر یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں غلط ثابت ہوا اور اس کی رد کی گئی۔

المجسطی بحر علوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں بطلیموس نے فلکیات پر دیگر اطلاقی علوم کے اثرات کو مرتب کیا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے علم مثلثات Trignometry فلکیات پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے۔ اس نے تصور میں دائرے کو تین سو ساٹھ 360 مساوی اجزا یا زاویوں میں تقسیم کیا اور پھر ان کو منٹوں اور سیکنڈوں میں تقسیم کر دیا۔ اسی طرح اس نے 1028 ستاروں کی فہرستیں مرتب کیں اور ان میں ایسے چار سو سے زائد ستاروں کا حال لکھا جنہیں بطلیموس کے عہد تک کسی نے دیکھا نہیں

تھا۔اس کے دیگر کارناموں میں بصریات پر ایک کتاب بھی ہے جس میں اس نے انعطاف نور کا نظریہ پیش کرنے کی پہلی کوشش کی تھی۔ علم موسیقی پر بھی بطلیموس کی ایک اہم تصنیف Harmonica ہے جس میں علم موسیقی پر بحث کی گئی ہے۔

بطلیموس ماہر فلکیات اور ریاضی دان کے علاوہ ایک جغرافیہ دان کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ اس کی علم جغرافیہ میں شہرت کا انحصار اس کی کتاب راہنمائے جغرافیہ Geographike Hyphegesis پر ہے۔ یہ کتاب آٹھ حصوں یا ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں نقشے بنانے اور یورپ، ایشیا اور افریقہ کے اہم مقامات کی جغرافیائی فہرستیں مرتب کرنے کے علاوہ طول البلد اور ارض البلد نکالنے کے طریقوں کے ساتھ ساتھ اس وقت کی معلوم دنیا کا نقشہ بھی دیا گیا۔ اگرچہ بطلیموس کی ''راہنمائے جغرافیہ'' میں کچھ غلطیاں بھی ہیں جیسے کہ خط استوا بہت شمال میں دکھایا گیا اور زمین کے محیط میں 30% کمی کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اس کتاب میں جو جدولیں اور نقشے دیئے گئے وہ اتنے کارآمد رہے ہیں کہ صدیوں تک ملاح اور تاجران کی مدد سے دنیا کا سفر کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کولمبس نے بھی اپنے اس نظریہ کی کہ مغرب کی سمت میں سفر کر کے بھی ایشیا پہنچا جا سکتا ہے بطلیموس کی کتاب سے ہی تائید و تصدیق کی تھی کیونکہ بطلیموس نے ''راہنمائے جغرافیہ'' میں ایشیا کو دنیا کے انتہائی مشرق میں کہ جہاں سے زمین گول ہونے کی وجہ سے مغرب شروع ہوتا ہے دکھایا تھا۔ کولمبس تو پھر نشاۃ ثانیہ کی ابتدائی صدیوں کا انسان تھا۔ 1775ء تک بعد کے زمانوں میں بھی بطلیموس کے اس جغرافیائی تصور کو صحیح سمجھا جاتا رہا کہ بحر ہند کے قریب کوئی جنوبی براعظم واقع ہے۔ پھر اسی سال جولائی میں کیپٹن تھامس کک کے جنوبی صف کرہ سے واپسی کے سفر نے اس کے متعلق سچائی کو ثابت کر دیا۔

لیکن صد افسوس کہ دنیائے سائنس کے اس قدیم اور تابندہ ستارے کی زندگی کے متعلق کوئی معلومات نہیں ملتی۔ اگرچہ اس کی تحریریں اور نظریات آج بھی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ اس حقیقت کو بھی مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ بطلیموس کا نام جو ایک عظیم مگر آخری قدیم یونانی ماہر فلکیات تھا آئندہ چودہ صدیوں تک سند رہا۔ کسی مورخ نے لکھا ہے کہ اگر بطلیموس کو جدید سائنسی آلات کی مدد حاصل ہوتی تو وہ شاید صدیوں پہلے ہمیں اُن حقائق سے آشنا کر دیتا جو نشاۃ ثانیہ کے سائنس دانوں نے دریافت کئے ہیں۔ اس کی زندگی کے متعلق مورخین بس اتنا لکھتے ہیں کہ اس کا نام کلاڈیس بطلیموس Ptolemy, Cladius Ptolehius تھا اور وہ مصر میں پیدا ہونے والا یونانی نژاد تھا۔ کائنات کے سربستہ رازوں کو جاننے کے لیے وہ سکندریہ آیا اور پھر یہیں کا ہو گیا۔

120ء۔رومی مورخ ٹیسی ٹس کارنیلئس کی ''تاریخ روم''

مشہور رومی مورخ اور ممتاز قانون دان اور مقرر ٹیسی ٹس کارنیلئس Tacitus Cornelius (55ء۔120ء) 55ء میں پیدا ہوا اور اس نے دس رومی شہنشاہوں شہنشاہ نیرو Nero (54-68ء)، شہنشاہ گیلبا Galba (68-69ء)، شہنشاہ اوتھو Otho (69ء)، شہنشاہ وٹیلئس Vitellius (69ء)، شہنشاہ ویسپاسین Vespasian (69-79ء)، شہنشاہ ٹائٹس Titus (79-81ء)، شہنشاہ ڈومیشیان Domitian (81-96ء)، شہنشاہ نیروا Nerva (96-98ء)، شہنشاہ ٹراجن (98-117ء) اور شہنشاہ ہیڈرین Hadrian (117-138ء) کا عہد دیکھا۔ وہ شہنشاہ ٹراجن کے عہد کے تین سال بعد تک زندہ رہا۔ اس نے جولیس ایگریکولا کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اس کی تصانیف میں جرمنیا Germinia، تواریخ The Historiae، وقائع The Annalas اور ایگری کولا کی سوانح عمری مشہور ہیں جرمنیا جرمانک لوگوں کے حالات پر مشتمل ہے، تواریخ میں رومی سلطنت کی 69ء سے 96ء تک کی تاریخ رقم کی گئی ہے جبکہ وقائع The Annalas میں 14ء سے 68ء تک کے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔

ٹیسی ٹس کے والدین کے متعلق تاریخ خاموش ہے وہ غالباً شمالی اطالیہ یا جنوبی فرانس میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے نام کے لاحقہ کارنیلئس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رومی اشرافیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بہرحال مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس کی پرورش اچھے انداز میں ہوئی اور اسے رومی سلطنت کے انصرام وانتظام سنبھالنے کی تربیت اور ادبی تعلیم دی گئی۔ 77ء میں ٹیسی ٹس نے ایگری کولا، گورنر برطانیہ کی بیٹی سے شادی کی۔ ایگری کولا کی سیاسی شہرت سے بھی اسے فائدہ پہنچا مگر وہ خود اپنی صلاحیتوں سے عدلیہ میں اچھے عہدوں پر فائز رہا۔ شہنشاہ نیروا (97ء) کے عہد میں وہ کونسل شپ کے عہدے تک پہنچا۔ 98ء میں ٹیسی ٹس نے اپنے سسر کی سوانح عمری مرتب کی۔

اس کی کتاب ''تواریخ'' جنوری 69ء کے واقعات سے شروع ہوتی ہے جب شہنشاہ گیلبا نے اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کیا تھا۔ یہ کتاب شہنشاہ ڈومیشیان کی وفات 96ء تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کا یہ کام 12 سے 14 جلدوں پر مبنی تھا۔ اس کتاب پر کام 109ء میں اختتام پر پہنچا تھا۔ اس کی دوسری کتاب ''وقائع'' The Annalas سال بہ سال کے واقعاتی ترتیب کے ساتھ ہے۔ اس کی ابتدا 14ء میں شہنشاہ آگسٹس کی وفات سے ہوتی ہے اس کے ساتھ شہنشاہ

ٹا بیریئس تخت نشین ہوا تھا۔ کتاب کا اختتام شہنشاہ نیرو کے عہد کے اختتام 68ء پر ہوتا ہے۔ یہ کتاب 18 یا 16 جلدوں پر مبنی تھی۔ ٹیسی ٹس نے اسے شہنشاہ ٹراجن کے عہد میں لکھنا شروع کیا تھا اور یہ شہنشاہ ہیڈرین کے ابتدائی سالوں میں 120ء تک مکمل ہوئی۔

ٹیسی ٹس نے درباری مورخین کا رویہ نہیں اپنایا بلکہ رومی شہنشاہوں اور نظام سلطنت پر کھلی تنقید کی ہے۔ مگر خود اس کے بارے میں پلینی دی ینگر کے خطوط سے معلومات ملتی ہے۔

ٹیسی ٹس کو سب سے اہم رومی مورخ تسلیم کیا گیا ہے اس کی تحریروں میں اخلاق اور حب وطن نمایاں ہیں۔ نقاد لکھتے ہیں کہ اس کی مشہور تصنیف ''جرمینیا'' ابتدائی جرمنوں کی اتنی سرگزشت نہیں پیش کرتی جتنے حملے مصنف اس میں معاصر روما پر کرتا ہے۔ وہ رومیوں کو جمہوریت کے محاسن اور سلطنت کے عیبوں کے متعلق مسلسل وعظ کرتا رہا۔ رومیوں کے تعلیمی تنزل کے بارے میں وہ لکھتا ہے۔ پرانے زمانے میں کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا تھا تو اس کی پرورش کسی ملازمہ یا انا کے ہاتھوں نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کی ماں اسے خود پالتی تھی۔ اس زمانے میں مائیں مذہبی تقدس اور انتہائی توجہ سے اپنے بچوں کی تربیت کا اہم کام انجام دیتی تھیں۔ اس طریق پر کارنیلیا نے اپنے بیٹوں گریکا کی پرورش کی تھی۔

مگر اس کے برعکس آج کل ہمارے بچوں کو پیدا ہوتے ہی یونانی خادماؤں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ایک غلام بھی اس خادمہ کے ساتھ مقرر ہوتا مگر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بچوں کی پرورش کرنے والے ان لوگوں کا کردار کیسا ہے؟ بہر حال ٹیسی ٹس کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے معاصر رومی معاشرے کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دینا چاہتا تھا۔

ماخذ: تاریخ تہذیب..... مولانا غلام رسول مہر۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، ترجمہ مولانا غلام رسول مہر

Encyclopedia Britannica 1000 Event

122ء۔ شہنشاہ ہیڈرین اور اس کی دیوار

قیصر روم، ہیڈرین Hadrian (117ء-138ء) کو سینٹ نے اگست 117ء میں شہنشاہ تسلیم کیا وہ پہلے قیصر ٹراجن کے زیر تولیت تھا۔ اس نے بطور کماندار اور منتظم حکومت کارہائے نمایاں انجام دیئے اور وارث تخت نامزد ہوا۔ پھر شہنشاہ ٹراجن کی موت کے بعد وہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور اس نے دستور کے مطابق کام کرنے کا حلف اٹھایا۔ وہ جتنی دیر بھی حکمران رہا مختلف صوبوں اور شہروں کا سفر کر کے حکومت کی بنیادوں کو مستحکم بناتا رہا اور سلطنت روما کے شہروں کو جدید فن عمارات سے خوبصورت بناتا رہا۔

ایشیا میں اس نے شہنشاہ ٹراجن کی جنگجویانہ حکمت عملی کو ترک کر دیا اور دریائے فرات کو سلطنت روما کی حد مقرر کر کے اس کے پرے سے رومی افواج کو واپس بلوالیا۔ مغربی صوبوں خاص کر جرمنی اور برطانیہ میں حفاظتی دیواریں تعمیر کیں۔ جزائر برطانیہ میں ٹائینی Tyne سے سول وے Solway تک پھیلی ہوئی ایک دیوار آج بھی اس کے نام سے منسوب ہے اور دیوار ہیڈرین کہلاتی ہے۔ رومیوں نے یہ حفاظتی دیوار اس دور دراز صوبے کی شمالی سرحدوں کو سکاٹ لینڈ کے وحشی قبائل کے حملوں اور غارت گری سے بچانے کے لیے تعمیر کی تھی۔ دیوار چین کے انداز میں تعمیر کردہ یہ دیوار اگرچہ دیوار چین کے مقابلے میں بہت چھوٹی ہے مگر اسے آج بھی شہنشاہ ہیڈرین کا ایک اہم تعمیری کارنامہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

43ء میں جولیس سیزر کے تقریباً سو سال بعد قیصر کلاڈیس نے جزائر برطانیہ پر یلغار کی تھی۔ تقریباً اس وقت شمالی سرحد پر رومیوں کو سکاٹ لینڈ کے وحشی قبائل کا سامنا تھا۔ ان وحشی قبائل نے قیصر ہیڈرین کی تخت نشینی کے سال یعنی 117ء میں بڑے پیمانے پر حملے شروع کر دیئے اور مقامی آبادی اور رومی سپاہ کو ان سے بچانا لازم ہو گیا۔ اپنی تخت نشینی کے پانچویں سال قیصر ہیڈرین جزائر برطانیہ کے دورے پر آیا اور اس نے شمالی سرحد پر ایک حفاظتی دیوار تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وحشی قبائل سے یہ علاقہ مستقل طور پر محفوظ ہو جائے۔ اس کے حکم پر یہ حفاظتی دیوار مشرق میں ٹائینی Tyne کے مقام سے لے کر مغرب میں سول وے فرتھ Solway Firth تک یہ دیوار 122ء سے 136ء تک تعمیر کی گئی اور اس کی تعمیر پر تقریباً 14 سال صرف ہوئے۔ شہنشاہ کے نام پر یہ دیوار، دیوار ہیڈرین کہلائی۔

یہ دیوار محض ایک دیوار ہی نہیں تھی بلکہ ایک پورا دفاعی نظام تھا جس میں ہر ایک رومی میل کے بعد حفاظتی قلعے بھی تعمیر کیے گئے تھے اور ان کے درمیان حفاظتی مینارے بھی۔ اس دیوار کے شمالی طرف ایک

خندق کھودی گئی تھی اور جنوبی سمت میں عسکری نقل وحمل کے لیے ایک سڑک بھی تعمیر کی گئی تھی۔

دیوار کے حفاظتی قلعے 3 سے 15 ایکڑ تک کشادہ تھے اور ان میں 500 سے ایک ہزار سپاہیوں کے قیام کی گنجائش تھی۔ ان قلعوں میں باقاعدہ ورکشاپ، بیرکیں اور فوجی ہیڈ کوارٹر تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ دیوار ساڑھے 73 میل لمبی (118 کلومیٹر) اور اس کی اونچائی 15 فٹ ہے جبکہ یہ اوسطاً 7 فٹ چوڑی ہے۔ اس دیوار پر تعمیر کیے گئے حفاظتی قلعوں اور حفاظتی میناروں کا فاصلہ تقریباً ایسا رکھا گیا تھا کہ یہ ایک دوسرے سے سپاہیوں کو نظر آ سکیں تاکہ پوری دیوار کی نگہبانی میں آسانی ہو۔ اگر اس دیوار کے کسی مقام پر دشمن حملہ آور ہوتا تو فوراً ہی اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کے فوجی خبردار ہو جاتے اور حملہ آور کو مار بھگاتے تھے۔ اس فہم میں نہ صرف یہ دیوار اپنے دفاعی مقاصد میں کامیاب رہی بلکہ جارحانہ مقاصد کے لیے بھی استعمال کی گئی کیونکہ رومی سپاہی دشمنوں کے حملہ کرنے کی انتظار نہیں کرتے تھے بلکہ یہ پتا چلنے پر کہ دشمن حملہ کرنے والا ہے خود حملے میں پہل کرتے تھے۔ دیوار کی شمالی جانب تقریباً 20 فٹ کے فاصلے پر ایک حفاظتی خندق کھودی گئی تھی جو انگریزی حرف V سے مشابہت رکھتی تھی۔ یہ خندق 27 فٹ چوڑی اور 9 فٹ گہری تھی اور اسے عبور کرنا آسان نہ تھا۔ خندق آج بھی ان مقامات پر دیکھی جا سکتی ہے جہاں جہاں سے دیوار کو نقصان پہنچا ہوا ہے۔ دیوار کی جنوبی سمت میں اس کے ساتھ ساتھ ایک سڑک تعمیر کی گئی تھی۔ اس کی تعمیر کا مقصد عسکری نقل وحرکت میں آسانی پیدا کرنا تھا۔ یہ تقریباً تیسری صدی عیسوی میں تعمیر کی گئی تھی۔

چوتھی صدی عیسوی تک یہ دیوار اپنی دفاعی اہمیت کھو بیٹھی کیونکہ اب برطانیہ کو سکاٹ لینڈ کے وحشی قبائل کی بجائے سمندر سے آنے والے سیکسن Saxons قبائل سے خطرہ تھا۔ یوں رومیوں نے خود ہی اس دیوار کو متروک قرار دے دیا تھا۔ باوجود اپنی دفاعی اہمیت کھو دینے کے یہ دیوار اپنی تعمیری اہمیت کبھی نہ کھو سکی اور آج بھی انسانی تاریخ میں محفوظ رہنے کے ساتھ ساتھ زمانہ کے دست سے بھی بچی ہوئی ہے اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم..... مولانا غلام رسول مہر
جامع اردو انسائیکلوپیڈیا..... شیخ غلام علی اینڈ سنز

Wonders of the World, Lional Grigson Encyclopedia Britannica

127ء۔ پلوٹارک اور اس کی ''زندگانیاں'' یا ''سوانح عمریاں''

''جب تک کتابوں کو دوام حاصل ہے پلوٹارک کو وقتاً فوقتاً از سرنو دریافت کیا جاتا رہے گا۔'' ایمرسن

پلوٹارک Plutarch (46ء-127ء) کو عربی اور اردو میں پلوتارخوس کہتے ہیں۔ وہ بیوتیا Beotia کے ایک معمولی قصبے خائرونیا Chaeronea میں پیدا ہوا جو خود کوئی امتیازی حیثیت کا قصبہ نہیں تھا لیکن اس کے نواح میں ڈیلفی کا ہاتف کدہ واقع تھا۔ پلوٹارک ایک امیر والدین کا بچہ تھا۔ اس لحاظ سے اس کی تعلیم امراء کے طرز پر ہوئی۔ اس نے ایتھنز جا کر خطابت، ریاضی اور فلسفے کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اسے یونان، مصر اور اطالیہ کی سیاحت کا موقع بھی ملا۔ اس کی زندگی کا کچھ عرصہ روما میں بھی بسر ہوا جہاں وہ ایک سفارتی مشن پر گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے روما میں فلسفے پر لیکچر بھی دیئے تھے۔ اس کے فلسفے پر لیکچر سننے کے لیے آنے والوں میں متعدد روما کی بڑی شخصیات بھی شامل تھیں۔ بعدازاں انہوں نے اس پر التفات کی بارش کی اور اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ انہیں رومی امراء کے توسط سے وہ شہنشاہ ہیڈرین کے دربار تک پہنچا۔ اگرچہ پلوٹارک کو اطالیہ کی سیاحت کا موقع ملا مگر وہ لاطینی زبان پر عبور حاصل نہ کر سکا نہ اس نے رومی ادب سے اپنی تحریروں میں کوئی حوالہ دیا۔ اگرچہ اُسے رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں جیسے ایتھنز، روم، ایفی سوس اور سمرنا جانے کا موقع ملا لیکن اس کا دل ان شہروں میں نہ لگ سکا اور فراغت پاتے ہی اس نے واپس اپنے قصبے خائرونیا کی راہ لی اور وہاں ایک اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ وہ مقامی مجسٹریٹ کے عہدے پر بھی فائز رہا اور اسے ڈیلفی کے ہاتف کدہ کا پروہت بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ ہیڈرین نے علم دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے صوبہ پیلاسی (یونان کا بیشتر حصہ) کا گورنر بنا دیا تھا اور عمر کے آخری حصے میں خصوصی امتیازات سے نوازا تھا۔

آج قدیم یونان، مصر اور روما کے بارے میں ہماری معلومات کا بڑا حصہ پلوٹارک کی تحریروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں کوئی دوسرا ماخذ پلوٹارک کی ہمہ گیری کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کلاسیکی مطالعات کو اہم گردانے والے طبقہ نے ہمیشہ پلوٹارک کی تصنیفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس کا مطالعہ وسیع تر ہے۔ تاریخ کے بارے میں اس کا تقابلی انداز، مذہب اور اخلاقیات سے متعلق پلوٹارک کے نظریات کو بڑا سراہا گیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ان نظریات میں اس کی ضعیف الاعتقادی بھی اس کی دلکشی کو کم نہ کر سکی۔ پلوٹارک نے جو کچھ لکھا وہ سب کا سب توہم

تک نہیں پہنچا مگر جو کچھ ہم تک پہنچا وہ بھی اچھا خاصا حجم رکھتا ہے۔ اس کا سب سے منفرد کارنامہ جس کی بدولت اسے لازوالیت اور ناموری حاصل ہوئی اس کی تالیف ''متوازی زندگانیاں'' The Parlal Lives ہے۔ متوازی سے یہاں مراد یہ ہے کہ اس نے ہر بار دو تاریخی شخصیات، ایک رومی اور ایک یونانی کو آمنے سامنے رکھ کر ان کے حالات زندگی بیان کئے ہیں اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا موازنہ پیش کیا ہے۔ پلوٹارک نے اپنی اس تالیف میں اس التزام کے ساتھ سوانح تحریر کئے تھے وہ سب تو آج موجود نہیں، صرف 23 جوڑے بچے ہیں۔ چار سوانح طاق ہیں اس طرح کل پچاس سوانح ہیں۔ پہلے تو وہ تاریخی شخصیات ہیں جن کے سوانح اس نے دوستوں کی فرمائش پر قلمبند کئے تھے۔ اس کے بعد ان عمائدین کی باری ہے جنہیں خود پلوٹارک نے اُن کے کسی نہ کسی وصف کی بنیاد پر منتخب کیا۔ تیسرے زمرے میں وہ شخصیات آتی ہیں جن کے حالات سے لوگوں کو عبرت دلانا مقصود تھا۔

موازنے کا طریق کار سرسری ہے اور تقابل کی کوئی نہ کوئی وجوہ اور جواز تلاش کیا گیا ہے۔ مثلاً تھیمس ٹوکلیز نامی یونانی سپہ سالار کو کاملوس نامی رومی آمر کے ساتھ متوازن کیا گیا ہے جہاں یونانی سپہ سالار نے ایرانی حملہ آوروں کو سرزمین یونان سے پسپا کیا تھا وہیں رومی آمر نے اپنے وطن کو وحشی گالوں کی یلغار سے بچایا تھا۔ ان دونوں شخصیات کے کارناموں کے موازنے میں کچھ نہ کچھ متوازن ضرور ہے مگر اگر شخصیات میں کچھ متوازی نہیں پھر بھی انہیں پلوٹارک نے متوازی قرار دے دیا ہے۔ مثلاً نیکیاس اور کراسوس کی شخصیات جن میں کوئی قدر مشترک اور متوازی نہیں مگر انہیں مال و دولت اور میدان جنگ میں شکست کی بنیاد پر متوازی قرار دیا گیا ہے۔

''متوازی زندگانیاں'' واقعات اور ماجرات سے بھرپور ہیں۔ پلوٹارک کی یہی جزئیات نگاری بہت سی بیش بہا تاریخی معلومات کو اکٹھا کر کے بہت اہم بنا دیتی ہے۔ رومیوں کے سوانح میں زیادہ تر زبانی روایات پر انحصار کیا گیا ہے جبکہ یونانیوں کے سوانح میں تحریری ماخذ کا سہارا لیا گیا ہے۔ البتہ دونوں اقوام کے ابتدائی صنادید حقائق کے سوانح محض اساطیر اور لوک کہانیوں کا پلندہ ہیں۔

ان سب حقائق سے صرف نظر پلوٹارک قدیم زمانے کا وہ مضمون نگار اور سوانح نگار تھا جس کی تحریروں نے اہل یورپ کی 16 ویں سے 19 ویں صدی تک کی تحریروں پر براہ راست اثر اندازی کی بلکہ اسی کی تحریروں سے یورپ میں سوانح نگاری اور مضمون نگاری کے میدان میں ارتقا کا عمل

جاری ہوا۔ یہاں تک کہ شیکسپیئر نے اپنے تاریخی ڈراموں کے لیے اکثر مواد پلوٹارک کی ''متوازی زندگانیوں'' ہی سے لیا اور اس کتاب پر مکمل طور پر اپنی تاریخی معلومات کے لیے انحصار کیا۔

ماخذ: مشاہیر ادب (یونانی) محمد سلیم الرحمن Encylclopedia Britannica

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا شیخ غلام علی

135ء۔ بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے،

یہودیوں کی عالمی جلاوطنی

70ء عیسوی کی تباہی کے بعد سے یروشلم کھنڈروں میں تبدیل ہو چکا تھا مگر ان کھنڈروں کی نسبت بھی اہل یہود نے یہواہ (خدا) سے قائم کر رکھی تھی۔ قیصر ہیڈرین نے اپنی سلطنت میں تعمیری اقدامات کیے تو نہ صرف اس نے برطانیہ میں دیوار ہیڈرین تعمیر کرائی بلکہ رومی سلطنت کے مشرقی شہروں ایتھنز، انطاکیہ، کورنتھ اور قیصریہ میں زیوس دیوتا کے معبد تعمیر کرائے۔ یہ ایک رومی شہنشاہ کی فیاضی اور عوام دوستی کی وجہ سے ہوا۔ ہیڈرین دراصل ایک ایسی رومی سلطنت تعمیر کرنا چاہتا تھا جس میں مختلف اقوام عالم سے تعلق رکھنے والے تمام رومی شہری بلاتفریق رنگ و نسل، مذہب اخوت کا مظاہرہ کریں۔ اس سلسلے میں اس نے اپنی سلطنت کے مختلف حصوں کے دورے کیے۔ 139ء میں ہیڈریان مشرقی حصوں کے دورے پر یروشلم آیا۔ اس نے جب اس قدیم شہر کو کھنڈروں میں تبدیل پایا تو فیصلہ کیا کہ یہودیہ کے عوام کو تحفہ میں ایک نیا شہر تعمیر کر کے دیا جائے۔ فیاض اور اولوالعزم رومی شہنشاہ نے یروشلم کے کھنڈرات پر ایک جدید عروس البلاد شہر کی تعمیر کے احکامات جاری کر دیئے۔ نئے شہر کا نام ''ایلیا کاپی ٹولینا'' تجویز کیا گیا۔ ''ایلیا'' ایک یہودی نام تھا اسی کے ساتھ ''کاپی ٹولینا'' سے مراد رومی دیوتا جوپیٹر کے مندر ''کاپی ٹول'' سے نسبت قائم کرنا چاہتا تھا۔ غالباً ہیڈرین اسے کاپی ٹول کے دیوتاؤں کی سرپرستی میں دینا چاہتا تھا۔

ہیڈرین کا یہ فیاضانہ منصوبہ تعمیر دیکھ کر یہودی لرز گئے۔ ہیڈرین کے منصوبہ تعمیر میں کوہ صہیون پر جوپیٹر دیوتا کے مندر کی تعمیر بھی شامل تھی۔ ظاہر ہے صدیوں سے یہ جگہ یہواہ کے معبد کے لیے مخصوص تھی۔ صہیون کے علاوہ بھی شہر میں کئی اور مقامات پر دیوتاؤں کے لیے مندر و معبد تعمیر کرنے

کا منصوبہ بھی تعمیری منصوبے میں شامل تھا جو دوسرے لفظوں میں یہودیت کے خلاف ایک سازش تھی۔ خدائے واحد کے اس شہر کو ایک کافر شہنشاہ اپنے دیوتاؤں سے نسبت دینا چاہتا تھا۔ دراصل مقدس شہر کے کھنڈرات کو بھی شہنشاہ صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا جس کا مطلب تھا کہ ہیکل سلیمانی اور مقدس شہر دوبارہ کبھی تعمیر نہیں ہو سکیں گے۔ وہ سب جو یہودیت کی پہچان تھا ختم ہونے جا رہا تھا۔ پرانے یروشلم کے خدوخال جو یہودیوں کے لیے روحانی تسکین کا باعث تھے اب ایک رومی شہر میں تحلیل ہونے والے تھے۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ ہیڈرین اگر اس روحانی لگاؤ سے واقف ہوتا تو وہ ان نوحہ کناں کھنڈرات کی جگہ پر کبھی شہر نو تعمیر کرنے کے احکامات جاری نہ کرتا۔ اس کے نزدیک شہر نو کی تعمیر کا مطلب ماضی کی تلخیوں کو بھلانا تھا اور ثقافتی طور پر ایک متحدہ رومن سلطنت کی تعمیر تھا۔ 131ء میں اس نے ایسے احکامات بھی جاری کر دیئے جن کی رُو سے یہودیوں کو اپنی مخصوص مذہبی رسوم ترک کر دینا تھیں۔ اس کے نزدیک ختنہ ایک وحشیانہ عمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے توریت کی تعلیمات اور یہودی اجتماعات کو بھی غیر قانونی قرار دے دیا۔ یہ سب یہودیوں کی بقاء پر ایک ضرب تھی۔ ان فرامین کے جاری ہونے کے بعد رومیوں سے جنگ ناگزیر تھی۔ اس مرتبہ یہودیوں نے بے خبری میں مارے جانے کی بجائے باقاعدہ طور پر ایک تحریک یا بغاوت کا منصوبہ تیار کیا۔ اس بغاوت کی قیادت ایک جنگجو "شمعون برکوسبا" کو سونپی گئی جس نے یہودیوں کو گوریلا جنگ کی تربیت دی۔ یہودیوں کی یہ بغاوت تین سال جاری رہی۔ آخر ہیڈرین نے اس بغاوت کی سرکوبی کے لیے اپنا ایک مستعد سالار "سیکٹس جولیئن" کو یہودیہ روانہ کیا۔ یہودی فوج کی تعداد محدود تھی اور وہ یروشلم کو جو شہر پناہ اور فصیلوں سے محروم تھا، زیادہ عرصہ دفاع مہیا نہیں کر سکتی تھی۔ رومیوں نے نہایت منظم انداز میں گلیلی اور دوسرے مراکز فتح کر لیے جن میں 55 قلعے اور 985 گاؤں شامل تھے۔ اس جنگ میں 5 لاکھ اسی ہزار یہودی مارے گئے۔ یوں پوری ریاست یہودیہ کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ انجام کار 135ء میں یہودی جنرل شمعون برکوسبا یروشلم سے نکلنے پر مجبور ہو گیا اور اپنے آخری قلعہ میں مارا گیا۔ لیکن یہودیوں نے بھی رومیوں کو اتنا جانی نقصان پہنچایا کہ قیصر ہیڈرین سینٹ میں نہ کہہ سکا کہ رومی فوج خیریت سے ہے۔ اپنی تباہی اور بربادی کے باوجود یہودیوں نے ایک سخت جان دشمن ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ جنگ کے بعد یروشلم بلکہ پوری ریاست یہودیہ میں یہودیوں کا داخلہ سرکاری طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ کوئی یہودی بھی ایک سال سے پہلے یروشلم میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی

وہاں قیام کر سکتا تھا۔ اس بربادی کے ساتھ ہی یہودیوں کی عالمی جلاوطنی کا آغاز ہوا۔ تقریباً 1800 سال تک یہودی سرزمین موعود کو نہ لوٹ سکے اور پوری دنیا میں سرگرداں رہے۔ آخر سلطنت برطانیہ نے انہیں مسلم فلسطین کے سینہ میں اسرائیل کا زخم لگا کر اپنے وطن لوٹنے میں کہیں 1948ء میں کامیاب ہو سکے۔

138-180ء۔ عہد اینٹونائنز

اپنی مشہور کتاب Decline And Fall Of The Roman Empire میں انگریز مورخ گبن لکھتا ہے کہ ''رومی تاریخ میں عہد اینٹونائنز Antonines Era ایک ایسا دور ہے جب دنیا کی تاریخ میں نوع انسانی سب سے زیادہ خوش اور خوشحال تھی''۔ مغربی سلطنت روما پانچ سو سال تک قائم رہی۔ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود یہ انسانوں کی بنائی ہوئی دنیائے قدیم کی سب سے کامیاب ترین سلطنت تھی۔ اس سلطنت میں رنگ و نسل کا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ یہی چیز اسے سلطنت برطانیہ سے ممتاز کرتی ہے رومی یونانیوں جیسے دانشور نہیں تھے مگر عملی لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ ایجاد تو نہیں کیا البتہ اقوام عالم سے بہت کچھ سیکھا۔ انہیں انصاف و قانون کی قدر معلوم تھی اور یہ بات ان میں صدیوں تک قائم رہی۔ اسی قدر میں عہد اینٹونائنز نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ شہنشاہ ہیڈرین 117ء۔138ء کے دو جانشینوں انتونینس پائیس Antoninus اور مارکس اورلیس انتونینس Marcus Aurelius Antoninus کا عہد حکومت تاریخ روما میں عہد اینٹونائنز کہلاتا ہے۔

اینٹونینس پائیس کا تعلق جنوبی گال (فرانس) کے شہر نائمز Nimes کے ایک مشہور خاندان سے تھا۔ اس کے آباء کونسل منتخب ہوتے چلے آئے تھے۔ 120ء میں خود اینٹونینس کونسل منتخب ہوا۔ اسے شہنشاہ ہیڈرین نے امور عدلیہ کا مہتمم بنا دیا۔ اس کے بعد وہ صوبہ ایشیا کا گورنر بھی رہا۔ پھر وہ شہنشاہ کا منظور نظر بن گیا اور اسے اپنا مشیر خاص مقرر کر لیا۔ 138ء میں شہنشاہ نے اسے اپنا متبنیٰ اور جانشین مقرر کیا اور اس کے ساتھ ہی دو اور اشخاص کو مارکس اورلیس اور لوسیس ویرس Lucius Verus کو اس کے بعد اس کے جانشین مقرر کر دیا۔ اس اعتبار سے لوسیس کا دور حکومت بھی عہد اینٹونائنز میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

اینٹونینس پائیس کا 23 سالہ عہد امن اور خوشحالی کا عہد تھا اس میں سوائے چند ایک فوجی پیش قدمیوں کے کوئی ایسا اہم واقعہ رونما نہیں ہوا۔ جزائر برطانیہ میں رومی حکومت کے خلاف بغاوت

ہوئی جو کچل دی گئی۔ 142ء میں سکاٹ لینڈ میں عسکری مقاصد کے لیے سرحدی پشتہ کے طور پر ایک دیوار تعمیر کی گئی جو فورتھ Forth کے مقام سے دریائے کلائیڈ Clyde تک چلی گئی تھی۔ آج بھی یہ دیوار شہنشاہ کے نام پر دیوار اینٹونائنز کے نام سے مشہور ہے۔ اس دیوار نے رومی سرحدوں کو دیوار ہیڈرین سے 100 میل آگے تک بڑھا دیا۔

مارکس آرئیلس 25 اپریل 121ء کو پیدا ہوا۔ اس وقت ہیڈرین کی حکومت تھی۔ اس کا باپ اینیئس ویرس Annius Verus روم کا پرفیکٹ (کسی شعبے کا صدر) تھا۔ وہ تین دفعہ کونسل (یعنی روما کے مرکزی سربراہوں میں سے ایک) منتخب ہوا۔ ان کا تعلق ایک ہسپانوی خاندان سے تھا جس نے ویسپاشین کے عہد حکومت میں اعلیٰ عہدے حاصل کیے تھے۔ شہنشاہ ہیڈرین آرئیلس سے محبت کرتا تھا اور اسے پیار سے ویری مس Verissimus کہہ کر پکارتا تھا۔ جب ہیڈرین نے فیصلہ کیا کہ اینٹونیئس پائس اس کا جانشین بنے گا تو وہ مارکس آرئیلس کا چچا تھا۔ اس لیے شہنشاہ نے ساتھ ہی یہ شرط بھی رکھی کہ وہ سترہ سالہ مارکس اورئیلس اور سات سالہ لوسیس ویرس کو اپنا جانشین مقرر کرے گا۔

اینٹونیس اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ایک ذہین انسان تھا۔ اس نے جب مارکس کو اپنا جانشین منتخب کیا تو اس کی پہلی منگنی بھی توڑ دی اور اسے اپنی بیٹی فواسٹینا Fuastina سے منسوب کر دیا۔

مارکس اورئیلس خود بھی ایک فلسفی تھا اور اپولونیئس آف چالسیڈون Apollonius of Chalcedon سے متاثر تھا۔ اس زمانے میں سٹائک ازم Stocism روم میں فلسفے کا سب سے اہم نظریہ تھا۔

161ء میں اینٹونیس پائس کے انتقال کے بعد مارکس اورئیلس کو لوسیئس ویرس کے ساتھ شریک حکمران بنا دیا گیا۔ نئی حکومت کے آغاز پر سلطنت روما ایک مشکل کا شکار ہو گئی۔ اشکانی بادشاہ (Parthia) نے آرمینیا پر حملہ کر دیا۔ اس ملک کی حفاظت رومی کیا کرتے تھے۔ اُدھر جرمنی کی سرحدوں پر یورپ میں بھی جنگ کا خطرہ منڈلانے لگا۔ ویرس زیادہ جوان تھا اس لیے اسے آرمینیا کے محاذ پر جنگ کے لیے بھیجا گیا۔ اس مہم کی کامیابی پر اسے ''آرمینیا کوس'' Armeniacus کا خطاب دیا گیا۔

شہنشاہ مارکس اورئیلس اپنی فلسفیانہ تحریروں کے لیے مشہور ہے۔ اس کی مشہور تصنیف The Meditations ہے جس میں اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات بیان کیے ہیں۔ مارکس اورئیلس

کے عہد میں بہت سی جنگیں بھی لڑی گئیں جن میں سے کچھ دریائے ڈینیوب کے کنارے کچھ جزائر برطانیہ اور جرمنی میں اور کچھ مشرق وسطیٰ میں ایران کی اشکانی حکومت کے خلاف۔ دریائے دجلہ کے کنارے اشکانیوں کے خلاف ایک جنگ جیتنے کے بعد اس کی افواج ایک قسم کے بخار میں مبتلا ہو گئیں۔

164ء۔ جالینوس کی روم آمد

کئی دنوں سے یونانی فلسفی یوڈیموس Eudemos علیل تھا۔ روم کے مختلف طبیبوں سے دوا لینے کے باوجود اس کے بخار کو افاقہ نہیں تھا۔ قریب تھا کہ یہ مشہور فلسفی دنیا سے چلا جائے کہ اس کے ایک عزیز نے اسے بتایا کہ شہر میں آج کل ایک ایسا طبیب آیا ہوا ہے جو دوا نہیں بلکہ شفا دیتا ہے۔ یوڈیموس نے اس نوجوان طبیب کو اپنے ہاں بلوا بھیجا۔ جب یہ نوجوان اس کے پاس پہنچا تو پہلے سے موجود رومی طبیبوں نے طنزاً اس سے معلوم کیا کہ وہ طبیبوں کے کس فرقے سے تعلق رکھتا ہے؟ جالینوس نے ماحول کی صورتحال کو سمجھتے ہوئے جواب دیا کہ وہ کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ بقراط کو حرف آخر سمجھنے والوں کو بھی غلام ذہنیت کے انسان سمجھتا ہے۔ پھر جالینوس (نوجوان کا نام) نے یوڈیموس کے لیے جو دوا تجویز کی اس سے وہ چند روز میں صحت یاب ہو گیا۔ اُدھر شہر کے رومی طبیب اس نوجوان طبیب کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس نوجوان طبیب کا نام جالینوس (Galen) تھا وہ 130ء میں ایشیائے کوچک کی یونانی نوآبادی کے شہر پرگامون Pergamon میں پیدا ہوا۔ یہ شہر فن مجسمہ سازی کی ایک درسگاہ کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہاں کی لائبریری بھی سکندریہ کی لائبریری کی طرح مشہور تھی اور مشہور ملکہ قلوپطرہ نے اس لائبریری سے کتابیں حاصل کیں تھیں۔ جالینوس بچپن میں اتنا شدید بیمار ہوا تھا کہ اس کے باپ نے اقلیپوس دیوتا (صحت کا یونانی دیوتا) کے مندر میں جا کر منت مانی کہ اس کے بیٹے کی جان بچ جائے۔ اسقلیپوس نے اس کے باپ کو بشارت دی کہ اگر وہ اپنے بیٹے کو طبیب بننے کی اجازت دے تو اس کی جان بچ سکتی ہے۔ جب وہ سترہ برس کا ہوا تو اس کے باپ نے اپنی منت پوری کرتے ہوئے اسے سیٹائرس Satyrus نامی ایک مشہور طبیب کا شاگرد بنا دیا۔

تین سال کی شاگردی کے بعد وہ ایک قابل طبیب بن چکا تھا ہاں اس کے باپ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنے بیٹے کو لوگوں کا علاج کرتے نہ دیکھ سکا۔ باپ کی موت کے صدمے کے زیر اثر جالینوس نے پرگامون کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور وہ سکندریہ آ گیا۔ سکندریہ اس زمانے میں دنیا کا

علمی دارالحکومت تھا۔ یہاں علم طب کے بڑے بڑے مراکز تھے اسکندریہ میں جالینوس نے علم کی مزید پیاس بجھائی اور اس شہر میں چار سال گزارے اور اس زمانے کا سب سے زیادہ عالم فاضل اور قابل طبیب بن گیا۔

سکندریہ سے جالینوس پرگامون واپس آ گیا۔ یہاں بڑے پجاری نے طب میں اس کی قابلیت دیکھتے ہوئے اسے اُن پیشہ ور تیغ زنوں اور جنگجوؤں کا طبیب مقرر کر دیا جو اکھاڑے میں مقابلے لڑتے تھے۔ ان میں اکثر جنگجو غلام اور جنگی قیدی ہوتے تھے۔ مقابلوں میں یہ لوگ بُری طرح زخمی ہو جاتے۔ جالینوس نے ان زخمیوں کا علاج کرنا قبول کر لیا۔ یہ مقابلے اتنے وحشیانہ ہوتے تھے کہ ان میں حصہ لینے والوں میں سے اکثر کے اعضا تک تلف ہو جاتے تھے۔ اس طرح جالینوس کو انسانی اعضا بلکہ پورے انسانی جسم کے مطالعہ کا ایک اچھا موقع فراہم ہو گیا۔ ان زخمیوں کا علاج بھی جالینوس نے اچھے طریق پر کیا جس سے ان لوگوں کے بڑے بڑے زخم بہت جلد مندمل ہو جاتے تھے۔

جالینوس اپنے شہر میں مطمئن نہیں تھا بلکہ وہ سلطنت روما کے دارالحکومت روم جا کر وہاں کچھ عرصے قیام کرنا چاہتا تھا۔ پھر ایک دن وہ روم پہنچ گیا۔ روم کے طبیبوں کو جب اس کی آزاد خیالی اور طریقہ علاج کے متعلق علم ہوا تو جیسا کہ پہلے ذکر آیا انہوں نے اسے اپنا اور اپنے طریقہ علاج کا دشمن جانا اور اس سے انتہائی سرد مہری سے پیش آئے۔ روم کے پیشہ ور طبیب اس سے اتنی رقابت رکھتے تھے کہ انہوں نے اسے اتنا بدنام کیا کہ کوئی مریض اس سے علاج کروانے تو کیا مشورہ کرنے بھی نہیں آتا تھا جالینوس روم کے شہریوں کے اس رویئے سے اتنا مایوس ہوا کہ اس نے یہ شہر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنے اس فیصلے پر عمل کرنے ہی والا تھا کہ ایک رومی قونصل فلیویس Flavius کی بیوی سخت بیمار پڑ گئی۔ اس رومی امیر نے شہر بھر کے طبیبوں سے اس کا علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہوا اور اسے جالینوس سے رجوع کرنا پڑا۔ جالینوس کے علاج سے وہ خاتون بہت جلد صحت یاب ہو گئی۔ فلیویس نے سینٹ کے اجلاس میں اس نئے طبیب اور اس کے طریقہ علاج کی اتنی تعریف کی کہ روم کے شہری اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فلیویس نے دوسرا کام یہ کیا کہ جالینوس کی فرمائش پر علم الاعضا Anatomy کی تحقیق کے لیے روم میں اس زمانے کے مطابق جانوروں پر تجربات کرنے کی ایک لیبارٹری قائم کر کے جالینوس کو اس کا سربراہ بنا دیا۔ اس لیبارٹری میں انان کے پالتو جانوروں کے علاوہ روم کے اکھاڑوں میں انسان اور درندوں کی جنگ میں حصہ لینے

والے درندوں پر بھی تحقیق کی جاتی اور انہیں چیر پھاڑ کر ان کے اعضا اور جسم کی ساخت پر جالینوس اپنے شاگردوں کو لیکچر دیتا تھا۔

انہیں دنوں روما کا شہنشاہ مارکس اوریلس Marcu Aurilius ایک عسکری مہم پر شمالی اطالیہ گیا۔ اس مہم میں اس کی افواج کے اعلیٰ ترین افسر اتنے شدید زخمی ہوئے کہ ان کی حالت تشویشناک ہوگئی اور شہنشاہ کے درباری طبیبوں نے ان کے علاج سے انکار کر دیا۔ ایسے میں جالینوس کی شہرت کام آئی اور اسے شہنشاہ نے طلب کر کے اپنی فوج کے افسروں کا علاج کرنے کا حکم دیا۔ جالینوس ان کے علاج میں اتنا کامیاب رہا کہ شہنشاہ کو اس کے طریقہ علاج کی تعریف کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ ''یہ واحد طبیب ہے جو احمقانہ روایات اور تنگ نظری کا شکار نہیں''۔

جب شہنشاہ کی افواج واپس دارالحکومت پہنچیں تو ان کے ساتھ ساتھ جالینوس کا استقبال بھی شاہانہ انداز میں ہوا۔ شہنشاہ نے اسے مستقل طور پر اپنا لشکری طبیب بنانا چاہا مگر جالینوس فوج میں رہ کر خوش نہ تھا اس لیے اس نے شہنشاہ سے معذرت اس عذر کے ساتھ کر لی کہ اس کے صحت کے دیوتا، اسقلیپوس نے خواب میں تنبیہہ کی ہے کہ اگر وہ فوج کے ساتھ کسی اور مہم پر گیا تو اس کو کسی المیہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس طرح اس نے مسلسل فوجی خدمات سے جان چھڑا لی اور روم میں مستقل قیام کر کے علم طب کی تحقیق و تصنیف کے لیے وقت بچا لیا۔

دوسری صدی میں علم طب پر اوہام پرستی اور تنگ نظری کی حکمرانی تھی۔ علم الاعضا کی تشریح کے لیے انسانی نعش کی چیر پھاڑ ایک ممنوعہ عمل تھی اور کسی طبیب کو بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنی تحقیق کے لیے انسانی جسم کی بے حرمتی کرے۔ جالینوس کو ایسے مواقع فراہم ہوئے کہ اس نے علم الاعضا کی مدد سے افعال الاعضا کے علم کی بنیاد رکھی اور دنیا کا پہلا رسالہ ''عضلات کی حرکت کے بارے'' On The Movement Of Muscels کے بارے میں تحریر کیا۔ شہنشاہ مارکس اوریلس پیٹ کے مرض میں مبتلا تھا اسے روم کے طبیبوں نے ناقابل علاج قرار دے رکھا تھا۔ جالینوس نے جوارش جالینوس اس کے لیے تجویز کی اس سے اس کو بہت جلد افاقہ ہوگیا۔ شہنشاہ اوریلس پہلے ہی اس کا معترف تھا اب اس نے جالینوس کو شاہی طبیب بنا دیا۔ اس زمانے تک طبیبوں کو علم نہیں تھا کہ افعال الاعضا کو انسانی جسم کا کون سا حصہ کنٹرول کرتا ہے۔ اس بارے میں اگرچہ بقراط کی رائے تھی کہ دماغ ہی ذہانت کا اصل ٹھکانہ ہے مگر ارسطو نے اس رائے کو مسترد کر کے دل کو انسانی ذہانت کا ٹھکانہ قرار دیا تھا اور دلیل پیش کی تھی کہ چونکہ آواز سینے سے آتی ہے اور

اس کا منبع بھی دل ہے۔ جالینوس نے قدماء کی رائے کو سامنے رکھتے ہوئے اعصاب کا دماغ تک کھوج لگایا اور انسانی ذہانت اور افعال الاعضا کی حرکات کو کنٹرول کرنے والا مقام انسانی دماغ کو قرار دیا۔ جالینوس کے یہ نظریات اتنے ٹھوس تھے کہ تقریباً 1200 سال تک یہ طب کے نصاب میں بغیر کسی تبدیلی کے پڑھائے جاتے رہے۔ (جالینوس نے 200ء میں وفات پائی)

ماخذ: دنیا کے عظیم سائنسدان.....اردو سائنس بورڈ

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا.....شیخ غلام علی اینڈ سنز

تاریخ اطباع.....مقتدرہ سائنس.....جارج سارٹن

192ء۔ عظمت روما کا خاص دور اور رومی تہذیب کا ارتقا

ہیڈرین کے بعد 138ء سے 161ء تک ٹائٹس اورلیئس اور 161ء سے 180ء تک مارکس اورئیلیس سلطنت روما پر حکمران رہے پھر اس کے بعد 192ء تک مارکس کے بیٹے نے بادشاہی کی۔ مورخین سلطنت روما کی تاریخ میں اس عہد کو جو ٹائٹس سے شروع ہو کر اورئیلیس کے بیٹے پر ختم ہوتا ہے عظمت روما کا خاص دور قرار دیتے ہیں۔

آگسٹس سے نیروا Nerva تک رومی سلطنت کا سفینہ نااہل بادشاہوں کے ایک سلسلہ طوفان سے گزرا مگر بدنظمی صرف حکومت کے بالائی طبقے تک محدود رہی۔ نیروا 96ء سے 98ء تک شہنشاہ رہا۔ اس نے ایک ایسا فارمولا مرتب کیا کہ جس کے مطابق اس کے بعد تخت سلطنت پر قابل شہنشاہوں کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ شہنشاہ نیروا نے اپنے قریبی عزیزوں یا اہل خانہ کو چھوڑ کر مسلمہ قابلیت و وفاداری کے ایک فرد کو متبنیٰ بنالیا۔ اس متبنیٰ نے بھی اپنی جانشینی کے وقت اسی فارمولے پر عمل کیا۔ گویا جانشینی کے مسئلے کو میراث پر چھوڑ دینے کی بجائے قابلیت وصلاحیت کو معیار بنالیا گیا اور شہنشاہ مارکس اورئیلیس تک اسی فارمولے کے تحت شہنشاہ بنے۔ ٹائبریئس سے اورئیلیس تک کسی شہنشاہ نے آگسٹس کے قائم کردہ نظام سلطنت وحکومت میں کوئی ترمیم نہیں کی بلکہ سب اُسی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مذہبی پیشوائی کے عہدے پر بھی فائز رہے اور انہوں نے فوج، مالیات اور دفتری حکومت پر بھی اپنا اقتدار رکھا۔

مارکس اوریلئس انٹونیئس Marcus Aurelius وہ پہلا رومی شہنشاہ تھا جو ایک فلسفی بھی تھا۔ وہ ایک رواقی تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ ''جسم روح کی تاریکی ہے اور یہ روح کو پابہ زنجیر رکھتا ہے۔ لہٰذا روح پر لازم ہے کہ وہ گوشت پوست کے خلاف تسلسل کے ساتھ اپنی جدوجہد آزادی

جاری رکھے''۔

مارکس اوریلیس کا زیادہ تر وقت جرمن قبائل کے خلاف جنگوں میں گزرا۔ اس کے باوجود اس نے ایک درجن کے قریب کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اس کا عہد سلطنت روما کا سنہری عہد کہلاتا ہے۔ اس کے عہد میں رومی تہذیب بھی اپنے عروج کو پہنچی۔ رومی تہذیب کا خاص وصف اس کی عملی حیثیت تھی جو خود رومیوں کی نمایاں ترین خصوصیت تھی۔ اگرچہ انہوں نے اپنے پیشرو یونانیوں کی طرح فنون لطیفہ، ڈرامہ اور فلسفہ کے دائروں میں کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا مگر انہوں نے فوجی تنظیم کے نظم ونسق، قانون اور انجینئرنگ میں قدیم زمانے کی تمام قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ان تمام شعبوں میں وہ منزلوں آگے تھے۔ موجودہ زمانے کی انسانی ترقی رومی مفکروں اور فنکاروں کی زیادہ ممنون نہیں لیکن عملی فنون میں آج کی دنیا رومی ماہرین کی ممنون ہے۔ رومی قانون کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں لچک تھی۔ لہٰذا اسے نئے حالات پر مسلسل رائج کیا جا سکتا تھا۔ پانچویں صدی میں رومی قانون کو بارہ لوحوں پر کندہ کیا گیا تھا لیکن یہ بارہ لوحوں والا رومی قانون کچھ زیادہ نہ چل سکا۔ جمہوریت کے آخری دور نیز عظمت روما کے اس خاص دور میں اگرچہ قانون کا کوئی مدون ضابطہ نہیں تھا مگر یہ عہد رومی امن کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس زمانے کے رومی قوانین میں سینٹ کے منظور کئے ہوئے قوانین، شہنشاؤں کے خاص فرامین، چیف ججوں کے فیصلے اور رواقی فلسفہ اور ماہر قانون دانوں کی رائے بنیادی اجزا تھے۔ بعد کے زمانے یعنی چھٹی صدی عیسوی میں مشرقی سلطنت روم کے ایک شہنشاہ جسٹینین نے رومی قوانین کی تدوین کر کے ایک ضابطہ قوانین اپنے نام سے ترتیب دیا تھا۔ آج کے یورپی ممالک میں جو ضابطے قوانین رائج ہیں ان کی اساس یہی رومی قوانین ہیں جو آج بھی کسی نہ کسی صورت میں انسانیت کا بھلا کر رہے ہیں اور انہوں نے یورپی تہذیب پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔

سائنس و انجینئری میں بھی اہل روما عملی رجحان پر کاربند رہے اگرچہ انہوں نے سائنسی انکشافات بہت کم کئے مگر حقیقی سائنٹفک نقطہ نگاہ سے انہیں گہری دلچسپی تھی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پلینی دی ایلڈر کی موت کا سبب یہی تحقیقی جذبہ بنا جب 79ء میں کوہ ویسویس کا دہانہ پھٹا تو پلینی اس کے اتنے نزدیک پہنچ گیا کہ زہریلی گیسوں کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

روما نے حفظان صحت اور جراحی کے شعبے میں بھی اتنی ترقی کی تھی کہ اس سائنسی ترقی کی ایک یادگار ''قیصری عمل جراحی'' یا آپریشن سیزرین ہے یعنی جو بچے طبعی طور پر ماں کے پیٹ سے پیدا

نہیں ہو سکتے آج بھی دنیا بھر میں اسی عمل سے بہ آسانی انہیں باہر لایا جاتا ہے۔ روما ہی میں دنیا کے پہلے شفاخانے زخمی رومی سپاہیوں کے لیے قائم کیے گئے تھے پھر سلطنت کے تمام شہروں میں اہل شہر کے لیے قائم کیے گئے۔ یہ دنیا کے سب سے پہلے سرکاری ہسپتال تھے۔ فن تعمیر اور فن مجسمہ سازی میں بھی رومی ترقی قابل قدر ہے۔ جہاں یونانیوں نے فن تعمیر میں ستونوں کو رواج دیا تھا وہیں رومیوں نے محراب کو اپنے فن تعمیر کی جان بنایا۔ اگر چہ رومی بھی ستونوں سے کام لیتے تھے مگر صرف آرائش کی خاطر۔ رومیوں کی عمارات کی جو باقیات آج کی دنیا میں موجود ہیں ان میں پل، حمام، آب رسانی کے وسائل، ایمفی تھیٹر، فاتح شہنشاؤں کے اعزاز میں تعمیر کی گئی عمارات شامل ہیں۔ اور ان سبھی میں محرابوں یا کمانوں کا ایک متصل سلسلہ موجود ہے۔

شہنشاہ ہیڈرین کا تعمیر کردہ پینتھیون بہت اچھی عمارت ہے۔ اسی طرح شہنشاہ کیرا کلا نے روما میں جو حمام تعمیر کرائے وہ دور حاضر میں نیویارک شہر کے پنسلوانیا سٹیشن کے نقشے کی بنیاد بن گئے یعنی رومی فن تعمیر نے بھی رومی قوانین کی طرح موجودہ دنیا پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

مجسمہ سازی میں بھی رومیوں نے حقیقت پسندی کی روایات قائم کیں تھیں۔ رومی شہنشاؤں کو اس فن کی اہمیت کا اتنا احساس تھا کہ وہ اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر مجسمے بنواتے تھے لیکن اس کے باوجود رومیوں کے کمالات مجسمہ سازی میں نہیں بلکہ رفاہ عامہ کے مہندسی و تعمیری کارناموں میں نمایاں ہوئے۔

ادبیات میں اگر چہ رومیوں کے ہاں یونانیوں جیسا تخلیقی جوش اور شان و شکوہ دکھائی نہیں دیتا مگر لاطینی ادب میں ارضی اوصاف زیادہ پائے جاتے ہیں۔ رومی مصنفین عوامی مضامین لے کر بہت سلیس اور موثر انداز میں لکھتے تھے۔

لاطینی ادب رومی جمہوریت کے آخری دور میں کمال فروغ کو پہنچا جب سسرو اور سیزر کی نثری تصانیف اور لوکریشیس کی نظمیں بروئے کار آئیں۔ اس کے بعد سنہری دور کا آغاز ہوا یعنی ورجل، ہوریس اور اوڈ کا دور جو رومی تاریخ میں عہد آگسٹس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس عہد کی اور ممتاز شخصیتوں میں سینیکا، ٹیسی ٹس، پلینی دی ایلڈر اور پلینی دی ینگر شامل ہیں۔

غلاموں سے رومیوں کا برتاؤ فیاضانہ تھا اور دیگر قدیم اقوام عالم کے مقابلے میں انہیں یہاں زیادہ مراعات حاصل تھیں یہاں تک کہ اکثر کو آزادی حاصل کرنے کا اختیار تک حاصل تھا یعنی اگر کوئی غلام اتالیق بن جائے یا کوئی اور معزز منصب حاصل کر لے تو اسے آزادی حاصل ہو جاتی

تھی۔ خواتین کو البتہ سیاسی حقوق حاصل نہ تھے اگر چہ چند اقتصادی حقوق دے دیئے گئے تھے۔ دوسرے اعتبارات سے انہیں کامل مساوات میسر تھی۔ یہاں تک کہ خواتین کے معاملے میں جتنی آزادیاں خواتین کو رومی معاشرے میں حاصل ہوئیں اتنی بیسویں صدی سے پیشتر تاریخ کے کسی دور میں نظر نہیں آتیں۔ اکثر خاندان اچھی ازدواجی زندگی بسر کرتے تھے اور رومی مصنف شوہر بیوی یا والدہ اور بچوں کی باہمی محبت کو سراہتے نظر آتے ہیں۔

ان تمام تر ترقیوں کے باوجود رومی بہ حیثیت عمومی زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ مشہور مورخ ٹیسی ٹس نے رومی نظام تعلیم پر سخت تنقید کی ہے۔ جمہوریت اور سلطنت دونوں زمانوں میں حکومت نے درسگاہوں کو کبھی امداد نہ دی۔ روما کی درسگاہوں میں فکر و نظر کے وہ اوصاف شاذ ہی دکھائی دیتے ہیں جن کی بنا پر ان کے پیشرو اہل یونان کی درسگاہیں ممتاز تھیں۔

کسانوں کے لیے رومی معاشرے میں آرام کے بہت کم مواقع تھے۔ شہر میں عام لوگ لکڑی کی بھدی جھونپڑیوں میں رہتے تھے جو چھ چھ منزلہ ہوتی تھیں۔

History of the World-World Civilization, Thier History and thier Culture

تاریخ تہذیب از مولانا غلام رسول مہر

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، غلام رسول مہر..... تاریخ جمہوریہ روما، نفیس اکیڈمی

194ء۔ شہنشاہ سپٹی میئس سیورس کی مہمات

قیصر روم پرٹینکس Pertinax کے قتل کے بعد روم میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ بیک وقت تین اشخاص نے قیصر روم ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ان تینوں کے نام یہ تھے (1) کلاڈیس البینس Claudius Albinus، (2) سپٹی میئس سیوریس Septemus Severus اور (3) پیس سینئس نیگر Pescenius Niger۔ یہ تیسرا دعویدار حاکم شام تھا۔ شام کی افواج نے نیگر کو قیصر تسلیم کر لیا اور بعض ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں نے بھی مبارکباد کے پیغام بھیجے۔ ایران کے اس وقت کے بادشاہ بلاش چہارم نے بھی اپنے سفیر کو بھیج کر مبارکباد دی اور ساتھ ہی اس کی مدد کے لیے فوج بھیجنے کی پیشکش کی۔ اس کی یہ پیشکش نیگر نے شکریہ کے ساتھ روک دی، کیونکہ اسے یقین تھا کہ رومی سینٹ اسے قیصر تسلیم کر لے گی مگر رومی سینٹ نے سپٹی میئس کو قیصر روم نامزد کر دیا۔ اس پر نیگر نے بلاش کو کمک بھیجنے کا کہا لیکن اب اُسے تامل تھا۔

194ء میں سلطنت روم میں خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ سیوریس نے اپنے حریف نیگر کو شکست دی اور مشرق میں دریائے فرات کو عبور کر کے مغربی بین النہرین کا دارالحکومت نصیبین فتح کر لیا۔ یہاں پہلے ایک بغاوت کے دوران ایک پوری رومی فوج تہہ تیغ کر دی گئی تھی پھر رومی تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے اس نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے آدیابن کو بھی مسخر کر لیا۔ آدیابن پر ایک اشکانی حکمران کی حکومت تھی مگر اشکانیوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی لیکن جوں ہی قیصر سیورس وہاں سے واپس ہوا بلاش چہارم نے فوج کشی کر کے رومیوں کو وہاں سے بھگا دیا۔

اسی دوران سیورس نے اپنے دوسرے حریف البی نیئس کو بھی شکست دے دی۔ اب وہ شام واپس آ گیا اور اس نے اشکانیوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کر کے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ تیاریاں مکمل ہوئیں تو اس نے آرمینیا پر چڑھائی کر دی مگر شاہ آرمینیا نے سر اطاعت خم کر دیا اور سیورس کی شرائط قبول کر لیں۔

اس کے بعد سیورس نے ایک بار پھر دجلہ کو عبور کیا اور سلوکیا کو فتح کر کے یہاں سے اشکانی تسلط ختم کر دیا۔ طیسیفون کی مدافعت کے لیے بلاش چہارم نے قیصر سے جنگ تو کی مگر شکست کھائی اور اشکانیوں کے اس دارالسلطنت پر بھی رومی قبضہ ہو گیا۔ آدیابن بھی دوبارہ فتح کر کے مستقل طور پر رومی سلطنت کا حصہ بنا لیا گیا۔ پھر کبھی ایرانیوں نے اسے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔

212ء۔ شہنشاہ کیراکیلا کی عطائے شہریت

سلطنت روم کے تمام شہروں میں منادی کی جارہی تھی کہ شہنشاہ کیراکیلا اپنی سلطنت کے تمام آزاد باشندوں کو رومی شہریت عطا کرے گا۔ شہنشاہ روم قیصر کیراکیلا Caracalla (211ء-217ء) کا یہ اعلان یا شاہی فرمان رومی تاریخ میں Constitutio Antoniniana Civitat کہلاتا ہے۔ اس فرمان کے ذریعے تاریخ میں پہلی بار ایشیا سے اندلس تک سلطنت روم کا ہر آزاد انسان اب فخریہ طور پر کہہ سکتا تھا کہ میں روم کا شہری ہوں۔

211ء میں جب یہ شہنشاہ تخت نشین ہوا تو عظیم سلطنت روم کا شاہی خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ ایک بڑا بوجھ جو شاہی خزانے پر پڑا تھا وہ یہ تھا کہ مختلف وحشی قبائل کو جو بار بار روم پر لوٹ کھسوٹ کے ساتھ حملہ آور ہوتے تھے، پرامن رکھنے کے لیے انہیں بڑی بڑی رقموں سے نوازا جاتا تھا تاکہ وہ شہر پر حملے نہ کریں اور رعایا آزادی سے جی سکے۔ اس سرکار فرض کی ادائیگی سے شاہی خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ شاہی خزانے کو دوبارہ پُر کرنے کے لیے شہنشاہ نے اپنی رعایا کے ہر آزاد فرد کو شہریت عطا کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ٹیکسوں کا اجراء اور نفاذ وسیع تر کیا جا سکے اور ہر شہری ٹیکس ادا کر کے سلطنت کے ہاتھ مضبوط کرے۔

شہنشاہ مارکس اوریلیس سیورس Marcus Aurelius Severus کا عرفی نام کیراکیلا تھا، یہ نام اس کے سلوائے ہوئے ایک چغے (لباس) کی وجہ سے پڑا تھا۔ کیراکیلا 198ء سے 211ء تک اپنے والد شہنشاہ سپٹی مس سیویرس Septimus Severus (211ء) کے ساتھ شریک شہنشاہ رہا تھا۔ 211ء میں اپنے بھائی Geta کی شراکت میں تخت پر بیٹھا اور 217ء میں اپنے قتل تک روم کا بلاشرکت غیرے حکمران رہا۔ اس نے اپنے بھائی گیٹا کو دیرینہ رقابت کی بنیاد پر 212ء میں بربریت اور سفاکی کی نئی مثال قائم کرتے ہوئے اس کی ماں کی آغوش میں قتل کروا دیا اور ساتھ ہی اس کے 20 ہزار ساتھی بھی بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس شہنشاہ کے عہد میں مندرجہ بالا واقعہ پیش آیا جس پر تمام آزاد انسانوں کو رومی شہریت عطا کر دی گئی۔ شہنشاہ کیراکیلا اپنے عہد میں روم میں تعمیر کروائے گئے عظیم الشان حماموں کی وجہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے جن کے کھنڈرات روم میں آج بھی موجود ہیں۔

شہنشاہ آگسٹس کے بعد سے سب سے نمایاں آئینی معاملے کا تعلق رومی سلطنت کے نظم و نسق

سے تھا کیونکہ سلطنت مشرق و مغرب میں بہت پھیل چکی تھی۔ مورخین نے سلطنت کی وسعت کو دوسری صدی عیسوی میں اٹلی سے باہر کے صوبوں کی فہرست مرتب کر کے جانچا ہے۔ انہیں تمام صوبوں میں رہنے والے آزاد انسانوں کو شہنشاہ کیراکیلا نے شہریت عطا کی تھی۔ ان کی ترتیب کچھ یوں دی گئی ہے۔ مغربی یورپ کے جن علاقوں میں کیلٹ Celt قوم آباد تھی انہیں تیرہ صوبوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دو صوبے جزائر برطانیہ پر مشتمل تھے۔ اصل رومی اقتدار انگلینڈ پر تھا۔ اس کی سرحدیں ہیڈرین کی دیوار کے پار سکاٹ لینڈ تک قائم تھیں۔ گال (فرانس) چھ صوبوں میں بانٹا گیا تھا۔ شمالی و مشرقی جانب اس کی حد دریائے رہائن پر قائم تھی۔ گویا ان صوبوں میں آج کے فرانس، بلجیم اور لکسمبرگ کے علاوہ جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے علاقے بھی شامل تھے۔

سپین تین صوبوں میں منقسم تھا۔ رائٹیا Raetia، نوریکم Noricum ان صوبوں میں بھی موجودہ سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کے کچھ حصے شامل تھے۔ پورا جنوبی اور مشرق یورپ دریائے ڈینوب کے جنوب تک سلطنت روما کے زیر نگیں تھا۔ یہ آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا جو پینونیا Pannonia (ہنگری) سے مقدونیہ، تھریس اور یونان تک پھیلے ہوئے تھے۔ بحیرہ روم کا پورا مشرقی ساحل سلطنت روما میں تھا۔ یہاں موریطانیہ (مراکش) اور سابقہ قرطاجنہ اور طرابلس تک کا افریقی علاقہ شامل تھا۔ ان کے بعد افریقہ میں مشرقی لیبیا اور مصر تک سلطنت میں شامل تھے۔ مشرق وسطی میں بھی روما نے عارضی اور مستقل صوبے منظم کئے ہوئے تھے۔ عارضی صوبوں میں آرمینیا اور دوآبہ دجلہ و فرات، دوسرے صوبوں میں دور حاضر کا ترکی، شام اور لبنان تک کا علاقہ شامل تھا۔ رومیوں کا قبضہ صحرائے عرب کے مغربی گوشے تک پہنچتا تھا۔ اسے ایک درجن صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

اس طرح اس وسیع سلطنت میں انسانوں اور انسانی ثقافتوں کے ویسے ہی وسیع نمونے موجود تھے۔ ان میں اعلیٰ درجہ کی مہذب اقوام عالم بھی شامل تھیں جیسے یونانی، مصری، سرحدوں پر بربری اقوام بھی موجود تھیں جیسے شمالی برطانیہ کے کیلٹ جو اپنے جسموں پر نیلا رنگ پھیر لیتے تھے۔ ان گوناگوں اقوام عالم کو رومی شہریت سے اب تک سرفراز نہیں کیا گیا تھا اور یہ صرف مفتوح اقوام سمجھی جاتی تھیں۔ شہنشاہ کیراکیلا نے خزانے کو پُر کرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام اقوام عالم کو رومی شہریت عطا کر کے مساوات قائم کر دی۔

ماخذ: تاریخ تہذیب، مولانا غلام رسول مہر۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم

Encyclopedia Americana- Encyclopedia Britanica- 1000 Events

215ء۔شہنشاہ کیراکلا کا ایرانیوں کو دام فریب

شہنشاہ سپٹی میئس سیویرس کی وفات پر 211ء میں اس کا بیٹا کیراکیلا تخت نشین بادشاہت ہوا۔انہیں دنوں سلطنت پارت میں بلاش چہارم کی وفات کے بعد اس کے دو بیٹے بلاش پنجم اور اردوان تخت پارت کے لیے باہم برسر پیکار تھے۔ان کے اختلاف کو کیراکیلا نے اہل روم کے لیے نیک فال سمجھا بلکہ اس صورت حال کے پیش نظر اس نے رومی سینٹ کو مبارکباد بھی دی۔مورخین کے مطابق کیراکیلا نے پہلے بلاش پنجم کو پارت کا بادشاہ تسلیم کیا مگر بعد ازاں 215ء میں اس نے اردوان سے گفت وشنید شروع کر دی اور اس کے پاس اپنے سفیر بھیج کر تحفے تحائف بھجوائے اور اردوان کی شہزادی کے رشتے کا طلب گار ہوا اور یہ ظاہر کیا کہ یہ اس رشتہ سے ایرانی اور رومی سلطنت میں روابط استوار ہوں گے۔اردوان کو معلوم تھا کہ قیصر کیراکیلا نے پہلے عدیسہ کے حکمران کو دھوکہ سے گرفتار کیا تھا اور آرمینیا کا بادشاہ بھی اس کے فریب کا شکار ہوا تھا اس لیے وہ ڈرتا تھا کہ کہیں قیصر اس کے لیے دام فریب بچھا رہا ہے۔اس نے اسے ٹالنا چاہا مگر کیراکیلا نے دوبارہ سفارت بھیج کر اپنے خلوص کا اظہار کیا جس پر اردوان کو اس کا یقین آ گیا۔اس نے قیصر کو کہلا بھیجا کہ وہ پارت آئے اور شہزادی کو بیاہ لے جائے اس کے ساتھ ہی اہل پارت اپنے شاہی مہمان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

پھر شہنشاہ کیراکیلا سلطنت پارت میں داخل ہوا اور اس طرح پھر بڑھتا چلا آیا جیسے یہاں اس کی اپنی حکومت ہو۔اہل پارت نے ہر ہر قدم پر اس کے استقبال میں آنکھیں بچھائیں اور دل فرش راہ کئے جگہ جگہ قربانیاں دی گئیں۔ہواؤں کو معطر بنانے کے لیے ہزاروں قسم کے عطر آگ میں ڈالے گئے۔کیراکیلا پورے تزک واحتشام سے پارت کے دربار میں وارد ہوا۔اردوان آگے بڑھا تاکہ ایک وسیع ایوان میں اپنے ہونے والے داماد کا استقبال کرے۔اس وقت امرائے پارت زربفت کی پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے تھے اور ان کے سروں پر پھولوں کے تاج تھے اور وہ شراب کے نشے میں مخمور گا بجا رہے تھے۔عوام بھی کثیر تعداد میں رومی شہنشاہ کو دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ایسے میں اچانک رومی شہنشاہ نے ہتھیار بند رومیوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے اچانک نہتے ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔رومی شہنشاہ کے استقبال کو آنے والے ایرانی انگشت بدنداں رہ گئے۔آخر جب رومیوں کے تلواروں کے وار بڑھنے لگے تو سب حواس باختہ ہو کر ادھر اُدھر بھاگے۔اس

افراتفری میں اردوان کے محافظ دستے اسے گھوڑے پر سوار کر کے میدان فریب سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس قدر ایرانی رومیوں کے ہاتھ لگے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے کیوں کہ ان کے پاس اپنا دفاع کرنے کے لیے کوئی اسلحہ نہ تھا۔ اس کے بعد کیراکیلا نے اپنے لشکر کو اجازت عام دے دی کہ وہ ایرانی شہروں کو لوٹ لیں اور آگ لگا دیں۔

کیراکیلا کے اس نفرت انگیز فعل سے اس کے وحشیانہ جذبے کی تو تسکین ہو گئی مگر وہ اس خون آشام واقعے کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا اور 217ء میں کارہ کے نزدیک قتل کر دیا گیا۔ اسی واقعہ کے نتیجے میں ایران اور روم کے مابین آخری جنگ لڑی گئی۔

اردوان پنجم نے کیراکیلا کی بربریت کا انتقام لینے کے لیے لشکر فراہم کیا اور وہ سرحد روم پر پہنچ گیا مگر وہاں اُسے معلوم ہوا کہ شہنشاہ کیراکیلا کو ایک ایسے شخص نے قتل کر دیا جو اس کے فریب کو رومیوں کے دامن پر نفرت انگیز دھبہ سمجھتا تھا۔ یہیں نئے قیصر میکرینس Macrinus کے سفیر اس سے ملے اور انہوں نے نئے قیصر کی طرف سے صلح کی پیش کش کی جس کے جواب میں اردوان نے قیدی ایرانیوں کی رہائی، جن شہروں کو کیراکیلا نے برباد کیا تھا ان کی دوبارہ تعمیر اور اشکانی قبروں کی بے حرمتی کرنے والے رومی سرداروں کو سزا دینے اور بین النہرین سے رومیوں کی بے تعلقی کا مطالبہ کیا۔

شاہ ایران کی شرائط اہل روما کے نزدیک قابل قبول نہ تھیں اس لیے بالآخر معاملہ جنگ تک پہنچا۔ تین ہزار سالہ رقابت میں یہ پارتیوں اور رومیوں میں آخری جنگ تھی جس میں رومیوں کو شکست ہوئی۔ آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ رومی شہنشاہ پارت کو 1750000 پونڈ تاوان ادا کریں۔ اور ایرانی علاقے واپس کر دیں۔ رومنوں نے تاوان کے نام سے سبکی محسوس کرتے ہوئے نذرانے کے نام سے یہ رقم ادا کی۔ اس صلح سے ایران کی عظمت سربلند اور رومی عظمت سرنگوں ہو گئی۔

ماخذ: تاریخ ایران جلد اول از مقبول بیگ بدخشانی

220ء۔ چین میں مشرقی ہن خاندان کا خاتمہ

پہلی صدی قبل مسیح میں چین کی پہلی عام تاریخ مرتب ہوئی۔ یہی تاریخ آئندہ کے لیے دوسری تاریخی کتابوں کا ماخذ قرار پائی۔ یونان اور روما کے بعد چین دنیا کا پہلا ملک تھا جہاں تاریخ لکھی

گئی۔ سوماچیان Ssuma Chian نامی ایک شخص اس کتاب کی ترتیب کا ذمہ دار تھا۔ اس طرح چین میں آئندہ کے لیے تاریخ لکھنے کا رواج ہوا۔ تقریباً 206 ق م سے چین میں ہن خاندان کی حکومت چلی آ رہی تھی جو پہلے مغربی ہن کہلاتے تھے۔ 25ء میں اسی خاندان کی دوسری شاخ مشرقی ہن خاندان برسراقتدار آئی یہ 220ء تک قائم رہی۔ اسی زمانے میں بدھ مت ہندوستان سے وسطی ایشیاء کے راستے چین پہنچا۔ 43ء میں جاوا، سماٹرا، ہند چینی، انام اور ملایا وغیرہ چین کے زیر اثر آ چکے تھے اور چینی سلطنت وسیع ہوگئی تھی۔ پن چاؤ Pan Chao اس خاندان کا ایک دور اندیش بادشاہ ہوگزرا ہے۔ یہ 74ء سے 94ء تک حکمران رہا۔ اس نے اپنی بہادری اور دور اندیشی سے ترکستان کی تمام چھوٹی ریاستیں فتح کر لیں۔ تجارت کو فروغ دینے کے لیے مشرقی رومی سلطنت کے ساتھ ریشم و ریشمی پارچہ جات کی تجارت کا راستہ کھول دیا۔ اس بادشاہ کا ایک کارکن خلیج فارس تک جا پہنچا تھا۔ کچھ مدت برسراقتدار رہنے کے بعد مشرقی ہن خاندان میں عورتوں کی حکومت کا دور شروع ہوا۔ چین میں عورتوں کی حکومت کی وجہ سے خواجہ سراؤں کا بھی رواج نما۔ یہ لوگ بڑے طاقتور ہو گئے تھے۔ لوگوں کو بڑی بے باکی سے لوٹتے اور عالموں کو قتل کرتے تھے۔ 189ء میں ان لوگوں کو دبایا گیا اور تمام تر خواجہ سرا قتل کر دیئے گئے۔

سین مشرقی ہن خاندان کا آخری حکمران تھا جو 190ء سے 220ء تک حکمران رہا۔ اس کے عہد میں مرکزی اختیارات بڑے بڑے فوجی افسروں نے سنبھال لیے اور مرکزی سلطنت کی بجائے تین نئی سلطنتیں ظہور میں آئیں جو 220ء سے 264ء تک قائم رہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جتنی ایجادات ہن خاندان کے عہد میں ہوئیں وہ کسی خاندان کے عہد میں نہ ہوئیں۔ اس خاندان کے عہد میں ہونے والی ایجادات میں ایک بڑی ایجاد قطب نما کی تھی جو چینیوں کے علم میں یہ حقیقت کہ مقناطیسی پٹی ہمیشہ شمال کی طرف ہوتی ہے، آنے کے بعد ہوئی۔ اسی طرح چینیوں نے اس قدیم زمانے میں بارود ایجاد کیا تھا جو پوٹاشیم نائٹریٹ اور گندھک کا آمیزہ تھا۔ چینی اس آمیزہ سے صرف آتش بازی بناتے تھے۔ اسے انہوں نے کبھی میدان جنگ میں بنی نوع انسان کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال نہیں کیا تھا۔ اسی عہد میں چین میں کاغذ ایجاد ہوا چینی اسے ریشم کے کپڑے کے نعم البدل کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ کاغذ کے علاوہ سیاہی بھی اسی عہد کے چین میں ایجاد ہوئی۔

فلکیاتی سائنس میں استعمال ہونے والے سائنسی آلات جو پہلے سے اس شعبے میں مستعمل تھے

ان کی اصلاح اور دوبارہ بنانے کا کام بھی اسی عہد میں ہوا۔

آج کے دور کی ایک اہم ایجاد گھڑی ہے جس کے بغیر انسان کو علم نہیں ہو سکتا کہ دن اور رات میں کتنے بجے کا عمل ہے۔ اس اہم ترین ایجاد کی جد اعلیٰ پانی کی گھڑی بھی اسی عہد کے چینیوں سے منسوب ہے۔ اسی عہد کے چین میں زمین کو قومیایا گیا اور بڑی بڑی جاگیروں میں منقسم کر دیا گیا۔ اسی عہد میں چین میں ساہوکاری اور مہاجنی لوگوں کے لیے خاصی پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔ سود خوری نے ملک کی اقتصادی حالت کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ بادشاہ نے سود کی روک تھام کے سلسلے میں اعلان کیا کہ جو لوگ اپنے مُردوں کی تجہیز و تکفین کے لیے قرضہ لیں ان سے تین ماہ تک سود نہ لیا جائے اگر کوئی نفع بخش کاروبار کے لیے قرض کا خواہاں ہے تو مہینے بھر کے لیے تین فیصد اور سال بھر کے لیے دس فیصد سود مقرر کیا گیا۔ اسی خاندان کے ایک حکمران نے تاجروں اور سرمایہ داروں کو بھی حکومت کے نظم و نسق میں شریک کر لیا۔ اس پر بغاوتیں ہوئیں اور ایک بغاوت میں وہ حکمران خود بھی مارا گیا۔

400 سال تک اقتدار میں رہنے کے بعد ہن خاندان کمزور پڑتا چلا گیا اور آخر 220ء میں اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم.....ولیم ایل لینگر۔ 1000 Great Events

226ء۔ ایران میں ساسانی خاندان کی حکومت کا آغاز

ایرانی تاریخ کا ایک عہد روشن اور باعظمت باب ساسانی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کا موسس اعلیٰ اردشیر ا ہے۔ جس کا شمار ایران کے چند عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ ایرانی روایات کے مطابق سکندر اعظم کی فتح ایران کے بعد سے مملکت ایران دو سو چالیس مختلف قبائلی حکمرانوں میں بٹی ہوئی تھی اور طائف الملوکی کا عالم تھا۔ اصفہان، فارس اور نواحی علاقوں کا اشکانی بادشاہ اردوان تھا۔ دوسرے علاقوں کے بادشاہ اس کے ماتحت تھے۔ اردوان کا سپہ سالار پاپک نامی ایک شخص تھا جسے اردوان نے فارس حکومت سونپی ہوئی تھی۔ استخر اس کا صدر مقام تھا۔ اس پاپک کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی جو اس کے تاج و تخت کی وارث بن سکے۔ اس کے ہاں ایک ساسان نامی ایک چرواہا ملازم تھا جو خود کو ہخامنشی بادشاہ داریوش اعظم کی نسل سے بتاتا تھا۔ سکندر

اعظم کی فتح ایران کے وقت اس کے خاندان کا جد اعلیٰ اپنی جان بچانے کے لیے چرواہوں میں شامل ہو کر محلوں سے نکل گیا تھا۔

پاپک کے علم میں نہیں تھا کہ اس کا چرواہا ''ساسان'' ہخامنشی بادشاہوں کی نسل سے ہے۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ ساسان کے سر سے آفتاب طلوع ہو رہا ہے جس کی تابانیوں سے سارا عالم روشنی پا رہا ہے۔ دوسری رات پاپک کو ایک اور خواب نظر آیا جس میں ساسان ایک آراستہ سفید ہاتھی پر سوار ہے اور اس کے گرد لوگ سر اطاعت سے خم کیے ہوئے تھے۔ تیسری رات پھر پاپک کو ایک اور خواب نظر آیا جس میں ساسان کے گھر سے مقدس آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جن سے کائنات جگمگا رہی تھی۔ پاپک کے دربار کے دانشوروں نے اس کے ان خوابوں کی تعبیر کرتے ہوئے بتایا کہ جو شخص اس کے خواب میں نظر آیا ہے وہ خود یا اس کا کوئی بیٹا روئے زمین کا بادشاہ بنے گا۔ اپنے خوابوں کی یہ تعبیر پانے کے بعد پاپک نے ساسان سے پوچھا کہ اس کا حسب ونسب کیا ہے؟ ساسان نے اس کو اپنا حسب ونسب بتایا تو پاپک نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی اور اسے اعلیٰ عہدے پر فائز کیا۔ اسی جوڑے کے ہاں اردشیر اول پیدا ہوا۔ پاپک نے اسے اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ اردشیر نے جب ہوش سنبھالا تو اس کی دانش مندی اور شجاعت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور اسے آخری اشکانی بادشاہ اردوان پنجم نے اپنے دربار میں بلا لیا۔ کچھ دن بادشاہ اس سے خوش رہا اور پھر ایک دن اپنے بیٹے کی ہمسری پر اس سے ناراض ہو گیا جس پر اردشیر نے وہاں سے فرار ہو کر خود طاقت اکٹھی کر کے اشکانی حکومت کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ یوں اردوان پنجم نے اردشیر سے جنگ کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ 224ء میں لڑی گئی جس میں اردوان کو شکست ہوئی اور اردشیر نے شہنشاہ کا لقب اختیار کر کے اپنے مورث اعلیٰ ساسان کے نام پر ساسانی عہد کی بنیاد رکھی اور ایک مرتبہ پھر فارس کی عظمت کو بحال کر دیا۔

اس فیصلہ کن فتح کے بعد اردشیر نے ہمدان، نہاوند اور دیگر علاقوں کے ساتھ اس نے مدائن (طیسیفون) کو فتح کر لیا اور اس قدیمی شہر کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اس فتح کی خوشی میں اردشیر نے اپنے بیٹے شاہ پور کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ ان فتوحات کے ساتھ ساتھ اردشیر نے ایران کی داخلی حکومت کو مستحکم کر لیا۔

اگلے مرحلے پر اردشیر نے رومیوں کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کیا۔ رومی اشکانی عہد میں بار بار ایران پر حملہ آور ہوتے رہے تھے اور اہل ایران کے لیے پریشانی کا باعث بنے تھے۔ 228ء

میں اردشیر نے دریائے فرات کو عبور کیا اور رومی سلطنت پر حملہ آور ہوا۔ اس زمانے میں سکندر سیورس Alexander Severus قیصر روم تھا۔ اس نے اردشیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی مملکت پر قناعت کرے ورنہ رومتہ الکبریٰ سے لڑنا وحشی قبائل سے لڑنے سے مختلف ہوگا۔ ساتھ ہی اس نے اردشیر کو آگسٹس، ٹراجن اور سپٹمس کی فتوحات یاد دلائیں۔ اردشیر قیصر روم کے اس پیغام سے سخت برہم ہوا اور قیصر روم کو اس کے پیغام کا جواب بھیجا کہ اہل روم کو بھی اپنی سلطنت پر قناعت کرنا چاہیے اور مناسب یہی ہے کہ ایران کے مفتوحہ علاقے اسے واپس کر دیئے جائیں۔ قیصر روم نے سفارتی آداب کو غصے میں بالائے طاق رکھتے ہوئے اردشیر کے سفیروں کو قید کر دیا۔ 231ء میں سکندر سیویرس نے ایران پر حملہ کیا مگر ناکام رہا کیونکہ روما کے داخلی حالات مخدوش تھے اور وہ خود زوال کا شکار ہو چکا تھا، دوسری طرف قیصر دقیانوس Decius خود گوتھوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہو چکا تھا اس لیے شاہ ایران نے رومیوں کو شکست دے کر آرمینیا اور دیگر علاقوں پر ایران کی حکومت بحال کر دی۔

اردشیر ایک اچھا حکمران تھا اس نے فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی امور پر بھی توجہ دی اور حکومت کی بنیادیں مضبوط کر دیں۔ اس نے اپنی سلطنت میں جو سیاسی اور مذہبی نظام رائج کیا وہ اتنا پائیدار تھا کہ اس کے بعد چار سو سال تک برقرار رہا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اردشیر کو تعمیرات کا بھی بہت شوق تھا۔ اس نے اپنے عہد میں آٹھ شہر آباد کیے اور ان کے نام اپنی نسبت سے رکھے۔ ان میں دیہہ اردشیر (سلوکیا) اردشیر خورہ (فیروز آباد) اور بصرہ قدیم بھی شامل ہیں جو اس زمانے میں بہشت (وہشت) کہلاتا تھا بعد میں یہ اسلامی عہد میں بصرے کے نام سے دوبارہ آباد ہوا۔ اردشیر کے عہد کی یادگاریں نقش رستم اور نقش رحب پر ابھرواں تصویروں کی شکل میں نظر آتی ہیں۔

نقش رحب میں ہخامنشی بادشاہوں کے مقبروں کے قریب ایک عمودی چٹان پر اردشیر کی ابھرواں تصویر ہے جو اب بہت شکستہ حالت میں ہے۔ اس تصویر میں آہورا مزدا اسے عصائے شاہی اور حلقہ سلیمانی عطا کر رہا ہے۔ کچھ لوگ از راہ عقیدت اردشیر کے گرد سر جھکا کر کھڑے ہیں۔

نقش رستم میں اردشیر کی تصویر کی حالت کچھ بہتر ہے۔ اس تصویر میں بھی آہورا مزدا اسے عصائے شاہی اور حلقہ سلیمانی مرمت کر رہا ہے۔ اس تصویر میں آہورا مزدا اور اردشیر دونوں گھوڑوں پر سوار ہیں۔ دونوں گھوڑے ساز و سامان سے مزین ہیں اور دونوں کے مقام و مرتبہ کے

مطابق ہیں۔ بادشاہ کے پیچھے ایک خواجہ سرا چوری لیے کھڑا ہے۔ ایک مسلح شخص بادشاہ کے گھوڑے کے پاؤں میں گرا التجا کر رہا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ اردوان پنجم ہے جسے شکست دے کر اردشیر نے عہد ساسانی کی تاسیس کی تھی۔

اردشیر اپنی رعایا پر اتنا مہربان تھا کہ ایک مرتبہ جب کچھ لوگ استخر سے اس کے دربار میں اہل استخر کی خشک سالی کے ہاتھوں تباہی کا حال بیان کرنے کے لئے آئے تو اس نے ان کا حال سن کر کہا کہ ''اگر بارش آسمان سے نہیں برسی تو ہماری سخاوت کی بارش ہوگی''۔ اس کے ساتھ ہی اس نے شاہی خزانے سے رعایا کے خشک سالی سے ہوئے نقصانات کی تلافی کا حکم دیا۔

ساسانی ایران پر اردشیر کی فتح اولین کے بعد تقریباً 426 سال تک حکمران رہے۔ جس عظمت وجلال سے ان ساسانی بادشاہوں نے حکومت کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے مل سکے گی۔ ساسانی عہد کے بادشاہ مطلق العنان ہونے کے باوجود آئین زرتشتی کی پیروی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ زرتشتی مذہب کے سب سے بڑے پیشوا یعنی موبد موبدان کو اگرچہ بادشاہ خود مقرر کرتا تھا لیکن اس کے بعد تمام موبدان کا تقرر وہ خود کرتا تھا۔ اس لیے بادشاہ کے بعد موبد موبدان کا دربار میں بڑا اثر ورسوخ ہوتا تھا۔

ساسانی اپنے آپ کو شہنشاہ کے لقب سے موسوم کراتے تھے۔ ایرانی شہنشائیت میں تین طرح کے حکمران تھے۔ ایک وہ جو حکومت کی سرحدوں پر حکومت کرتے تھے۔ یہ حکمران داخلی طور پر خودمختار اور خارجی معاملات میں شہنشاہ کے حکم کے تابع تھے۔ دوسرے حکمران وہ تھے جو شہنشاہ کی پناہ میں ہوتے تھے یعنی اگر دوسرے کسی ملک کا بادشاہ ان کے ملک پر حملہ کرتا تو اس حملہ کا جواب شہنشاہ دیتا۔ اسی طرح ان حکمرانوں کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ بھی وقت پر شہنشاہ کی مدد کریں۔ تیسری قسم کے حکمران وہ تھے جنہیں شہنشاہ خود اپنے ملک کے صوبوں کی حکومت سونپتا تھا۔

ماخذ: ایران بعہد ساسانیاں..... کرسٹین سین۔ A Literary History Of Persia.

تاریخ ایران

242ء۔ ظہور مانی

اردشیر اول کے بعد اس کا بیٹا شاپور اول تخت نشین ہوا۔ اس کا عہد ایران کی تاریخ میں امن کا عہد کہلاتا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے معاصر رومی بادشاہوں سے جنگیں بھی لڑیں مگر اس کی زندگی کا

بیشتر حصہ امن پسندانہ سرگرمیوں میں گزرا۔ شاپور کے عہد کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ بابل کے ایک شخص نے جس کا نام ''مانی'' تھا ایک نیا مذہب پیش کیا جو اس کی نسبت سے ''مانویت'' کہلاتا ہے۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ مانی اشکانی Parthian عہد کے آخر میں پیدا ہوا۔ اردشیر اول کے عہد میں اس نے ہندوستان کا سفر کیا تا کہ وہاں کے لوگوں کو بھی اپنے مذہب کی دعوت دے۔ اردشیر کی وفات اور شاپور کی تخت نشینی کی خبر سن کر وہ ایران واپس آیا اور شاپور کی تخت نشینی کی خبر سن کر وہ ایران واپس آیا اور اس نے شاپور کی تاج پوشی کے دن اپنے عقائد پیش کئے۔ وہ شاپور کے بھائی فیروز کی وساطت سے جو مانی کا مذہب اختیار کر چکا تھا جشن تاج پوشی میں شریک ہوا اور اس نے اس دن اپنا سب سے بڑا واعظ کیا۔

ابن ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں مانی کے باپ کا نام فوتق دیا ہے۔ فوتق ہمدان کا رہنے والا تھا لیکن ہمدان سے ہجرت کر کے بابل میں جا بسا تھا۔ مانی کی والدہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اشکانی خاندان کی ایک شہزادی تھی۔

ابوریحان البیرونی مانی کی تصنیف ''شاپورقان'' کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ وہ 215ء یا 216ء میں بابل میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا اس کی پیدائش سے پہلے اس کی والدہ کو خواب میں ایک فرشتہ نظر آیا تھا جس نے اس کے بیٹے کے بلند منصب کی بشارت دی تھی۔ مشہور مورخ گبن لکھتا ہے کہ مانی نے حضرت عیسیٰؑ اور زرتشت کی تعلیمات کو ملا کر ایک نئے دین کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ ایسی کوشش تھی جس سے مانی نے ایک طرف عیسائیوں کو اور دوسری طرف آتش پرستوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔

البیرونی مانی کی کتاب ہی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ جب مانی کی عمر 24 کی ہوئی تو اس کی ماں کے خواب میں آنے والے فرشتہ ''توم'' نے اسے نئے مذہب سے روشناس کرایا جس پر اس نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ میں ''فارقلیط'' ہوں جس کے آنے کی حضرت عیسیٰؑ نے گواہی دی تھی۔ بدھ اہل ہند کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ زرتشت اہل ایران کی ہدایت کے لیے آیا۔ اہل مغرب کو حضرت عیسیٰؑ نے راہ حق دکھائی۔ اب خدا نے مجھے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میں اہل بابل کی ہدایت کے لیے آیا ہوں۔ توریت کے متعلق اس نے خیال ظاہر کیا کہ اس کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔ عیسائیوں کے ساتھ اس نے اپنا تعلق برقرار رکھا کیونکہ اس کا باپ عیسائیوں کے فرقہ ''مغتسلہ'' سے تعلق رکھتا تھا اور عرفان کے عقیدے پر ایمان رکھتا تھا۔ اس نے

مانی کو بھی انہیں عقائد کی تعلیم دی تھی۔

مانویت کے اعلان سے شاپور شروع شروع میں مانی کے عقائد سے متاثر ہوا تھا مگر دس سال کے بعد وہ اپنے قدیمی مذہب فرداپرستی کی طرف لوٹ گیا۔ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاپور اس نئے مذہب سے اتنا برہم ہوا کہ مانی کو ایران چھوڑنا پڑا۔ ایران سے نکل کر وہ ایک بار پھر ہندوستان گیا پھر تبت، چین اور ترکستان کا رُخ کیا۔ ان علاقوں میں وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا رہا۔

ترکستان میں آج کل بھی اس کے مذہب کے پیروکار موجود ہیں۔ شاپور کی وفات کے بعد مانی اپنے پیروکاروں کی دعوت پر ایک بار پھر ایران واپس آ گیا۔ جب بہرام تخت نشین ہوا تو مانی نے اس خیال سے کہ یہ نوعمر بادشاہ ہے اسے اپنے مذہب کا قائل کرنا آسان ہوگا، اس نے بہرام کے سامنے اپنے عقائد پیش کئے۔ بہرام نے اپنے موبدوں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ مناظرہ کیا جائے۔ مناظرہ شروع ہوا تو موبد موبداں نے اس سے سوال کیا ''مخلوق خدا کے متعلق تمہارا نظریہ کیا ہے؟'' مانی نے جواب دیا ''مخلوق بدی کا نتیجہ ہے، مخلوق کی پیدائش کے سبب پاک روحوں نے نجس جسم اختیار کر لیے ہیں، خدا جسم اور روح کے اختلاط سے ناخوش ہے، جب یہ دونوں الگ الگ ہو جائیں گے تو آہورامزدا کی خوشی کا باعث ہوگا۔ آخری سوال کے جواب میں مانی نے کہا کہ تخریب بدن کو روح کی تعمیر سمجھتا ہوں۔ اس پر موبد نے کہا کہ اگر تمہارے نزدیک تخریب بدن بہتر ہے تو کیوں نہ تمہیں ہلاک کر دیا جائے تاکہ اس طرح تخریب بدن سے تمہاری روح کی تعمیر ہو سکے۔

یہ سن کر مانی خاموش ہو گیا۔ بہرام جو ابھی نوعمر تھا مانی کے نظریہ تخریب بدن سن کر برافروختہ ہوا اور اس نے کہا کہ یہ شخص مخلوق کو ہلاک کر کے دنیا میں تباہی کو باعث خیر و برکت سمجھتا ہے اس لیے بہتر ہوگا کہ تخریب کا یہ عمل خود اس کی زندگی پر کیا جائے۔ چنانچہ بہرام نے حکم دیا کہ مانی کو ہلاک کر کے اس کی کھال کھینچ لی جائے۔ اس حکم پر فوراً عمل ہوا اور مانی کی کھال میں بھس بھر کر جندی ساپور کے دروازے پر لٹکا دی گئی جس کی نسبت سے یہ دروازہ اب تک ''دروازہ مانی'' کے نام سے مشہور ہے۔ بہران کے حکم پر مانی کے بارہ ہزار پیروؤں کو بھی تہہ تیغ کر دیا گیا۔

مانی دراصل مثنویت کا شکار تھا۔ اس کے نزدیک نیکی اور بدی کے دو الگ خدا تھے۔ تخلیق کائنات کے متعلق بھی اس کے نظریات یہی تھے کہ کائنات کے دو خالق ہیں، ایک نیکی کا اور دوسرا بدی کا۔ روشنی اور تاریکی دو جادوانی اصول ہیں۔ جو چیز اچھی ہے اور سفید ہے وہ روشنی سے منسوب ہے اور جو بُری اور ضرر رساں ہے وہ تاریکی سے منسوب ہے۔ پہلے یہ روشنی اور تاریکی الگ الگ

تھیں لیکن جب ان کا باہمی اختلاط ہوا تو اس کے نتیجے میں یہ کائنات وجود میں آئی۔ جب یہ روشنی اور تاریکی پھر الگ ہوں گی اس دن یہ کائنات ختم ہو جائے گی۔

اگرچہ ثانویت کا عقیدہ زرتشت نے بھی پیش کیا تھا مگر وہ اپنے پیروؤں کو تلقین کرتا تھا کہ دنیادار بنو اور دنیا میں رہ کر دنیا کو آباد کرو مگر مانی نے اس کے برعکس یہ تلقین کی کہ بدیوں سے بچنے کے لیے دنیا سے کنارا کرو یعنی اس کے نزدیک تخریب بدن ہی وہ راستہ تھا جس سے روح کو اطمینان اور سکون حاصل ہو سکتا۔ اسی وجہ سے بہرام اول نے مانی کے ان عقائد کو نوع انسانی کے لیے مہلک سمجھا اس نے مانی اور مانی کے پیروکاروں کو موت کی سزا دی۔

مانی نے سات کتابیں بھی تصنیف کیں تھیں جن میں سے چھ شامی زبان میں ہیں اور ایک پہلوی میں ہے جس کا نام ''شاہ برقان'' ہے۔ یہ کتاب اس نے شاپور (241ء۔271ء) کے لیے لکھی تھی۔ دوسری کتابوں میں مانی نے جو رسم الخط اختیار کیا وہ مانی کی اپنی ایجاد تھا۔ مانی ایک اچھا مصور بھی تھا۔ اس نے ایک مرقع تیار کیا جو ''ارژنگ مانی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی پیغمبری کے دعویٰ کے ثبوت میں یہی مرقع بطور معجزہ پیش کیا تھا۔ مانی کے نزدیک برگزیدہ لوگ وہ ہیں جو نشہ آور اشیا کا استعمال نہ کریں، گوشت نہ کھائیں، شادی نہ کریں، دنیا سے الگ تھلگ رہیں اور بدی سے اجتناب کریں۔

ماخذ: اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول: براؤن۔ ادب ناصر ایران۔ مقبول احمد بدخشانی
تاریخ ادبیات ایران۔ ہسٹری آف پرشیا۔ سر پرسی سائیکس
تاریخ مذاہب، رشید احمد۔ تاریخ ایران، مقبول احمد بیگ بدخشانی

260ء۔ شاپور اول اور قیصر ویلیرین

رومی بڑی جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ قریب تھا کہ وہ ایرانی لشکر کا گھیرا توڑنے میں کامیاب ہو جاتے اور اپنے شہنشاہ کو میدان جنگ سے بحفاظت نکال لیتے مگر ایک رومی سپہ سالار میکر بانس جو بڑا جاہ پسند اور قیصر روم کی بجائے خود تخت شاہی پر بیٹھنا چاہتا تھا، نے سازش کر کے رومیوں کو شکست دلوائی۔ رومی لشکر کو بہت سخت جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ قیصر ویلیرین Caesar Velirien کو ایرانیوں نے اسیر کر لیا۔ رومتہ الکبریٰ کی تاریخ میں اس سے بڑی بے بسی کیا ہوگی

کہ قیصر روم ایرانی بادشاہ شاپور اول کی قید میں تھا اور معمری کے باوجود اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی رہتی تھی، لیکن رومتہ الکبریٰ کی حکومت اسے رہائی دلانے سے قاصر تھی۔ رومی مورخ لیکٹونس Lactunius لکھتا ہے کہ شاپور اول (240-270ء) جب گھوڑے پر سوار ہوتا تو اپنے قیدی (قیصر ویلیر ین) کی پشت پر پاؤں رکھ کر گھوڑے کی پشت پر بیٹھتا۔

اردشیر کی وفات پر اس کا بیٹا شاپور اول تخت نشین ہوا۔ شاپور کی پیدائش کے متعلق ایرانی مورخین لکھتے ہیں کہ اردوان پنجم اشکانی کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ اس اشکانی شہزادی سے اردشیر نے اس کے باپ کی شکست اور قتل کے بعد شادی کی تھی۔ شہزادی کو اپنے باپ کے قتل اور اشکانی حکومت کے ختم ہونے کا سخت قلق تھا۔ اس انتقام کے طور پر اس نے اپنے خاوند کو زہر دینے کی کوشش کی مگر اس کی یہ سازش پکڑی گئی۔ بادشاہ نے ملکہ کے قتل کا حکم دیا ملکہ چونکہ اس وقت حاملہ تھی اس لیے اردشیر کے وزیر ابرسام نے اسے اپنے ہاں پناہ دی اور بادشاہ کو اس کے قتل کر دیئے جانے کی اطلاع دے دی۔ وزیر کا خیال تھا کہ کہیں ملکہ کے پیٹ میں ولی عہد سلطنت نہ ہو۔ اس کا یہ خیال سچ نکلا اور ملکہ کے پاس ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام وزیر باتدبیر نے شاپور رکھا یعنی بادشاہ کا بیٹا اور اس کی پیدائش کو خود بادشاہ سے مخفی رکھا۔ اس لڑکے کی تربیت بھی وزیر نے شہزادوں کی طرح کی۔ شاپور نے ہوش سنبھالا تو اس کی ہوش مندی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور اس کی بہادری کے قصے اردشیر تک پہنچے۔

اُدھر جیسے جیسے اردشیر کی وفات کے دن قریب آئے بادشاہ اس غم میں گھل گیا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا اور اتنی بڑی سلطنت کا وارث کون ہے؟ آخر ابرسام نے اسے یہ خوشخبری سنائی کہ اس کی اشکانی ملکہ سے اس کا ایک بیٹا ہے۔ یہ سن کر اردشیر کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا مگر احتیاط کے طور پر اس نے شاپور کا امتحان لیا کہ وہ شہزادہ ہے کہ نہیں؟ شاپور اس امتحان میں کامیاب رہا اور آخر اپنے باپ کی وفات پر تخت شاہی پر بیٹھا۔

اس کے تخت پر بیٹھتے ہی سلطنت کے بیشتر صوبوں نے بغاوت کر دی۔ شاپور نے پہلے آرمینیا میں بغاوت فرو کی پھر الحضر Petra کا رُخ کیا جو دجلہ اور فرات کے مابین شام کی سرحد پر واقع تھا۔ الحضر کا قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ ٹراجن جیسا رومی فاتح اسے فتح نہ کر سکا تھا اور ناکام واپس لوٹ گیا تھا۔

اب شاپور کی قسمت نے ساتھ دیا اور الحضر کے حکمران کی بیٹی نظیرہ نے اس کی مردانہ وجاہت سے متاثر ہو کر اس پر سازش کے ذریعے قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ فتح کے بعد جب نظیرہ نے

شاپور کو اس کا وعدہ پورا کرنے یعنی اس سے شادی کرنے کا کہا تو شاپور نے اسے اپنے باپ کے ساتھ غداری کرنے کی وجہ سے قبول نہ کیا بلکہ اس کو موت کی سزا دی اور ایک غدار کے طور پر اسے گھوڑوں کی دُم سے بندھوا کر اس کے بدن کا جوڑ جوڑ الگ کروا دیا۔

الحضر کی فتح کے بعد شاپور نے ایشیائے کوچک کی طرف پیش قدمی کی، اسے یہ گوارا نہ تھا کہ سلطنت ایران کے کچھ علاقے رومیوں کے تسلط میں رہیں۔ اُدھر اسے یہ اطلاعات ملیں کہ روم اس وقت داخلی طور پر بدامنی کا شکار ہے تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور نصیبین Nisibis، الروحلہ Edessa اور انطاکیہ کی طرف بڑھا۔

اُدھر رومتہ الکبریٰ میں سکندر سیورس جس نے اردشیر سے شکست کھائی تھی فوت ہو چکا تھا۔ اس کے بعد میکسی مین Maximin نے روما کا تخت و تاج سنبھالا۔ وہ ایک ظالم حکمران ثابت ہوا اور اس نے صرف تین سال نہایت سختی سے حکومت کی۔ رعایا اس سے نفرت کرتی تھی، آخر کسی نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ روم طوائف الملوکی کا شکار رہا پھر گورڈین سوم Gordian نے تخت شاہی سنبھالا۔ اسی رومی شہنشاہ کے عہد میں شاپور نے روما کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کیا۔

شاپور نے سب سے پہلے نصیبین کا رخ کیا جو روما کی سرحد پر واقع تھا۔ اس شہر کا جغرافیائی محل وقوع ایسا تھا کہ جب کبھی بھی روم اور ایران میں جنگ ہوئی اس شہر کو اس جنگ کا بالضرور ہدف بننا پڑا۔ اس شہر کو فتح کر کے شاپور انطاکیہ کی طرف بڑھا۔ اتنے میں قیصر روم گورڈین سوم بھی حملہ آور ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا اور اس نے شاپور کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔ یہاں تک کہ شاپور کو پسپا ہو کر دریائے فرات عبور کرنا پڑا اور نصیبین ایک مرتبہ پھر رومیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ایرانی لشکر کو ایک اور شکست ری سنیا Resania کے مقام پر ہوئی اور ایرانی پیچھے ہٹتے ہوئے اور اپنے دارالحکومت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اُدھر رومی ایرانیوں کے تعاقب میں بڑھتے چلے آئے اور مدائن Tessiphone پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے لیکن ایسے میں کسی سازشی نے قیصر روم کو ذاتی مخاصمت کی بنیاد پر قتل کر دیا۔ گورڈین سوم کی اس بے وقت موت پر رومیوں کی ایرانی دارالحکومت کی طرف پیش قدمی رُک گئی۔

گورڈین کے بعد فلپ قیصر روم بنا۔ اس نے اپنے قدم مضبوط کرنے کے لیے شاپور سے مصالحت کر لی اور آرمینیا اور بین النہرین کے علاقے ایرانیوں کو دے دیئے۔

ایران اور روم کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس پر چودہ سال تک عملدرآمد رہا اور امن و امان کی

فضا قائم رہی۔ 258ء میں پھر جنگ چھڑ گئی۔ شاپور نے ایک بار پھر مملکت روم پر چڑھائی کی اور انطاکیہ کو فتح کر لیا۔ اس زمانے میں ویلرین Velirien قیصر روم تھا جو 60 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اور بہت ضعیف تھا۔ انطاکیہ کے ایرانی تسلط میں چلے جانے کا اسے سخت دھچکا پہنچا۔ چنانچہ کبرسنی کے باوجود وہ رومی لشکر لے کر خود شاپور کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا اور اس نے ایرانی افواج کو انطاکیہ سے نکال باہر کیا۔ اس نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ شاپور کا تعاقب کرتے ہوئے شام تک پہنچا۔ لیکن یہاں وہ اپنے ہی سپہ سالار کی سازش کا شکار ہو کر ایک ایسے مقام پر خیمہ زن ہوا کہ اسے چاروں طرف سے ایرانی فوجوں نے گھیر لیا۔ ویلرین نے بہادری سے لڑتے ہوئے یہ گھیرا توڑ کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر ایرانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔

قیصر روم نے ضعیفی میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ انتہائی رنج والم میں زندگی کے دن پورے کیے اور قید ہی میں وفات پائی۔ اس کی موت کے بعد اس کی کھال کو کندہ کرا کے محفوظ رکھی گئی تا کہ فتح کی یادگار رہے۔ اگر چہ رومی تاریخ دانوں نے محض ایران دشمنی کی خاطر شاپور کے قیصر کے ساتھ سلوک کو غیر انسانی قرار دیا ہے مگر یہ حقیقت بھی ہے کہ شاپور نے رومی جنگی قیدیوں سے شوستر کا ڈیم تعمیر کروایا تھا جو پندرہ سو قدم طویل تھا۔ شاپور نے قیصر ویلرین پر فتح حاصل کرنے کی یاد میں متعدد مقامات پر ابھرواں تصویریں بنائیں جس میں ویلرین کو گھٹنے ٹیک کر رحم کی التجا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ نقش رستم میں یہ تصاویر آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

ماخذ: تاریخ ایران از مقبول بیگ بدخشانی۔ A History Of Ancient Persia

250ء۔ اصحاب کہف اور شہنشاہ دقیانوس

رومی شہنشاہ ڈیسیس یا دقیانوس Decius (249ء-251ء) مورخین کے مطابق پہلے ایک رومی سینیٹر تھا جسے شہنشاہ فلپ دی عربین Philip The Arabian نے دریائے ڈینوب کے کنارے ایک بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا مگر یہ خود اس بغاوت کا سرغنہ بن بیٹھا اور اس نے شہنشاہ فلپ کو شکست دے کر تاج و تخت سنبھال لیا۔

اس کے عہد میں مسیحیوں کی شدید تعذیب کی گئی۔ اب تک جتنے بھی رومی شہنشاہوں نے مسیحیوں پر ستم رانی کی تھی وہ کسی ایک شہر میں یا مقامی طور پر کی گئی تھی مگر دقیانوس نے جنوری 250ء

میں ایک حکم جاری کیا جس کے تحت پوری سلطنت روما میں سرکاری مامور ارکان کے سامنے رومی دیوتاؤں کے لیے قربانی کا مذہبی فریضہ سرانجام دینا لازم قرار دے دیا۔ اس حکم کے خلاف مسیحیوں نے بغاوت کر دی جس کے نتیجے میں پوری سلطنت میں مسیحیوں کے خلاف سرکاری طور پر کارروائی کی گئی۔ یروشلم، روم اور انطاکیہ کے بشپ اس حکم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنی جان گنوا بیٹھے اور بے شمار مسیحیوں کو گرفتار کر لیا گیا، لیکن شدید مظالم کی یہ لہر حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروؤں کو دبا نہ سکی بلکہ اس تحریک سے مسیحیوں کے ایمان کو تقویت پہنچی۔

اسی زمانے میں جب مسیحیوں پر رومی شہنشاہ کے حکم پر سخت ظلم وستم ہو رہے تھے ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جسے تقریباً چار سو سال بعد قرآن حکیم نے بیان کر کے اس کی سچائی کی توثیق کر دی۔ ازمنہ وسطیٰ میں یہ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں میں یکساں مقبول رہا ہے۔ اسے قرآن حکیم نے اصحب کہف کا قصہ کہا ہے۔ اس قصے کی قدیم ترین شہادت ایک عیسائی پادری جیمس سروجی کے مواعظ میں ملتی ہے جو 474ء کے لگ بھگ کے زمانے میں سریانی زبان میں لکھے گئے تھے۔ مشہور مورخ گبن Gibban نے اسے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''تاریخ زوال وسقوط روم'' کے باب 33 میں اسی ماخذ کے حوالے سے Of Ephesus, Seven Sleeper (افی سوس کے سات سونے والوں) کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ ابن جریر طبری اور دوسرے مفسرین کی روایات سے ملتا جلتا ہے۔

افی سوس (آج کے ترکی) ایشیائے کوچک کی ایک بندرگاہ اور رومی سلطنت کے صوبہ آسیہ کا دارالحکومت تھا۔ اسی شہر میں پولوس رسول تقریباً دو سال بشارت دیتا رہا تھا۔ اسی شہر کے معززین میں سات نوجوان میکسملین Maximilian، یملیخا Jamblichus، مرطونس Martin، بینونس John، سارینونس Pionysius، ذونوانس Antionius اور کشفیط Constantine (کے علاوہ آٹھواں نام طنونس بھی) نامی رہتے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ فوج سے تعلق رکھتے مگر دقیانوس کے جبر وظلم سے اپنا ایمان بچانے کے لیے بھاگے اور شہر کے قریب واقع ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔ ان کے ساتھ ان کا کتا قطمیر بھی تھا۔ اس غار میں انہیں نیند آ گئی اور وہ سو گئے۔ تین سو برس تک اسی حال میں رہے اور شہنشاہ دقیانوس کے عہد کی صدیاں گزر گئیں۔ اُدھر دقیانوس کو جب معلوم ہوا تھا کہ وہ غار کے اندر ہیں تو اس نے غار کو ایک سنگین دیوار کھنچوا کر بند کروا دیا تا کہ وہ بھوکے پیاسے اس غار میں بند ہو کر مر جائیں مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جس

شخص کو اس نے غار کو بند کرنے کا حکم دیا تھا وہ ایک خدا ترس اور نیک آدمی تھا اس نے ان اصحاب کے نام ان کی تعداد اور یہ پورا واقعہ ایک لوح پر کندہ کرا کے تانبے کے ایک صندوق میں دیوار کی بنیاد میں رکھوا دیا اور ساتھ ہی ایک اور لوح پر ہی تمام باتیں لکھوا کر شاہی خزانے میں محفوظ کرا دیں۔ اس واقعہ کے اگلے ہی سال 251ء میں شہنشاہ دقیانوس دریائے ڈینیوب کے کنارے وحشی گاتھوں کے ہاتھوں اپنے بیٹے سمیت ہلاک ہو گیا جس سے عیسائیوں پر ظلم وستم کے دروازے بند ہو گئے۔

زمانہ گزرتا گیا اور مغرب میں سلطنت روم زوال پذیر ہو گئی اور اب رومی شہنشائیت روم کی بجائے قسطنطنیہ میں باقی رہ گئی اور مشرقی سلطنت روم کہلانے لگی۔ اسی مشرقی رومی سلطنت کے ایک شہنشاہ بیدروس Theodosius کا زمانہ آ گیا (408ء-450ء) اب عیسائیت ایک حکومتی مذہب کی شکل اختیار کر چکی تھی اور شہنشاہ خود بھی ایک مسیح تھا۔ اس کے عہد میں ملک میں عیسائیت کے کئی نئے فرقے وجود میں آئے۔ ان فرقوں میں سے بعض آخرت میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور قیامت کے آنے کے منکر تھے۔ یہ شہنشاہ ایک نیک آدمی تھا۔ ایک دن اس نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ یارب کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما کہ جس سے عوام پر مُردوں کے دوبارہ جی اٹھنے اور قیامت کے وجود کا یقین آشکارا ہو جائے۔ اسی زمانہ میں ایک چرواہے نے اپنی بکریوں کے آرام کے لیے اصحاب کہف کے غار کو آرام گاہ کے طور پر منتخب کیا اور شہنشاہ دقیانوس کی تعمیر کردہ دیوار گرا دی۔ اس دیوار کے گرنے پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ گرانے والے بھاگ گئے۔ اُدھر اصحاب کہف بحکم الٰہی شاداں وفرحاں اپنی نیند سے بیدار ہو گئے۔ ان کے چہرے ان کے سونے والے دن کی طرح آج بھی تروتازہ تھے اور طبیعت خوشگوار۔ سب نے ایک دوسرے کو سلام کیا پھر یملیخا کو کہا کہ وہ بازار سے کچھ کھانے کے لیے لے آئے اور ساتھ یہ خبر بھی لائے کہ دقیانوس کا ہم لوگوں کی نسبت کیا ارادہ ہے؟ یملیخا بازار گیا تو اس نے شہر کے دروازے پر عیسائیت کی علامت آویزاں پائی اور بازار میں لوگوں کو حضرت عیسیٰؑ کی قسمیں اٹھاتے پایا۔ یہ سب اس کے لیے بالکل عجیب تھا کیونکہ دقیانوس کے زمانے میں تو کوئی اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتا تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کا نام لینے پر قتل کر دیا جاتا تھا آج لوگ بے خوف وخطر ان کے نام کی قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ پھر وہ ایک نانبائی کی دکان پر کھانے کی اشیا خریدنے کے لیے گیا۔ جب اس نے یہ اشیا خرید کر اپنی جیب سے دقیانوس کے زمانے کے سکے اس نانبائی کو دیئے تو وہ بہت حیران ہوا اور اس نے سمجھا شاید اس شخص کے ہاتھ کوئی پرانا شاہی خزانہ لگ گیا جہاں سے اس کے

پاس یہ سکے آئے ہیں جو صدیوں پہلے متروک ہو گئے تھے۔ وہ نانبائی یملیخا کو پکڑ کر حاکم شہر کے پاس لے گیا جو ایک نیک شخص تھا۔ حاکم کے سوالوں کے جواب میں یملیخا نے کہا کہ یہ سکے اس کے اپنے ہیں اور انہیں کوئی گم شدہ خزانہ نہیں ملا۔ حاکم نے کہا یہ بات کیسے قابل یقین ہو سکتی ہے؟ کیونکہ ان سکوں پر تین صد برس پہلے کا سنہ کندہ ہے جو تم خود پڑھ سکتے ہو۔ تم ایک نوجوان ہو جب کہ ہم تم سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں ہم نے تو کبھی ایسے سکے دیکھے تک نہیں۔ یملیخا نے صورتحال سمجھتے ہوئے کہا کہ جو کچھ میں دریافت کروں اگر تم لوگ اس کا صحیح جواب فراہم کرو تو یہ عقدہ حل ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ حاکم وقت یعنی شہنشاہ دقیانوس کس حال میں ہے؟ حاکم شہر نے کہا کہ آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے۔ سینکڑوں برس ہو گئے جب اس نام کا کوئی بادشاہ ہو گزرا تھا۔ یملیخا نے کہا کہ کل ہی تو ہم اس بادشاہ کے خوف سے شہر سے بھاگے تھے، میں اور میرے بقایا ساتھی قریب ہی کے ایک پہاڑی غار میں پناہ گزین ہیں، آپ میرے ساتھ آئیں تو میں آپ کو اپنے ساتھیوں سے ملواؤں۔ حاکم شہر اور عمائدین شہر کی بڑی تعداد عوام کے ساتھ غار پہنچے، وہاں دیگر اصحاب کہف یملیخا کے انتظار میں تھے۔ جب لوگوں کے انبوہ کثیر کو انہوں نے اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ سمجھے کہ شاید یملیخا گرفتار ہو گیا اور دقیانوس فوج ہماری تلاش میں آ رہی ہے۔ وہ اپنا آخری وقت سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے لگے۔ پھر جب یملیخا عوام کے ساتھ آیا اور اس نے تمام قصہ اپنے ساتھیوں کو سنایا تو انہیں اپنے معجزانہ طور پر تین سو سال تک سونے کا احساس ہوا۔ انہیں دیکھ کر شاہ بیدروس کے زمانے کے لوگوں کو اس معجزہ کے واقعہ سے رب کائنات کے مُردوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کے راز کا پتہ چلا۔ پھر انہیں دقیانوس کے زمانے کا صندوق مل جانے سے اصحاف کہف کی مزید توثیق ہو گئی۔ سب لوگوں نے شاہ بیدروس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ بادشاہ بذات خود ان لوگوں سے ملا اور پھر خدا تعالیٰ نے اصحاب کہف کو موت کے ذائقہ سے آشنا کیا۔ بیدروس نے ان کے اجساد اور صندوق کو محفوظ کئے جانے کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ آج بھی وہ اپنے غار میں آرام کر رہے ہیں۔

ماخذ: قرآن حکیم۔ ترجمہ کنزالایمان، حضرت فاضل بریلوی

اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی۔ تفہیم قرآن، مولانا مودودی

Enclopedia Britannica اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، شیخ غلام علی

272ء۔ ملکہ زینوبیا کا عروج وزوال

شاپور کے قیصر ویلیرین کو اسیر کرنے کے بعد اسے ایک عرب سردار اذنیہ O'denathus نے جو ایک صحرائی پالمیرا (آج کا شام) کا نیم خودمختار حکمران تھا شکست دی۔ پالمیرا اس زمانے میں ایک بڑا تجارتی مرکز تھا کیونکہ وہ روم سے فارس جانے والے تجارتی راستہ پر واقع تھا۔ شاپور نے جب انطاکیہ پر قبضہ کیا تو اُذنیہ نے اس سے اپنی عقیدت کے اظہار کے طور کچھ تحائف اسے بھجوائے مگر شاپور اپنی فتح کے نشہ میں اتنا مست تھا کہ اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا یہ اُذنیہ کون ہے؟ اور کس ملک کا رہنے والا ہے جو آداب شہنشاہی سے واقف نہیں۔ پھر غصے میں اذنیہ کے تحائف دریائے فرات میں پھینکوا دیئے۔ اُذنیہ کو پیغام بھیجا کہ تم دربار شہنشاہی میں گستاخی کے مرتکب ہوئے لہٰذا اگر تعذیر سے بچنا چاہتے ہو تو حاضر دربار ہو کر جبیں سائی کرو۔

اُذنیہ کی سلطنت اگرچہ شاپور کی سلطنت سے بہت چھوٹی تھی مگر اس کے مقابلہ میں دفاعی طور پر بڑی مستحکم تھی۔ اپنے تحائف کا حشر اور شاپور کا مغرورانہ رویہ دیکھتے ہوئے اذنیہ نے اس سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ شاپور ایشیائے کوچک سے واپس ایران لوٹ رہا تھا اور اس کے پاس بے شمار مال غنیمت بھی تھا۔ اذنیہ نے صحرائی دستوں کو اپنے لشکر میں شامل کر کے شاپور کی فوج پر دھاوا بول دیا۔ ایرانی لشکر اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہ تھا لہٰذا اسے اذیت آمیز شکست ہوئی۔ اُذنیہ نے اپنی اس فتح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حران اور نصیبین پر قبضہ کر لیا وہ اب برائے نام روم کے ماتحت تھا کیونکہ ویلیرین کے بعد سے روم کی حکومت میں استحکام نہیں رہا تھا۔ اب اس نے روم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور جلد ہی اس نے پالمیرا کو روم اور ایران کے درمیان ایک آزاد ریاست کی حیثیت دے دی۔ انہی دنوں اچانک اذنیہ نے وفات پائی۔ اس کی ملکہ کا نام مغربی مورخین نے زینوبیا اور عرب مورخین نے زینب بادسبانی لکھا ہے۔ اس کے خاوند کی وفات کے بعد اس نے اپنے بیٹے وہب اللات Vabaluathus کے ساتھ مل کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ملکہ زینوبیا ایک دولت مند عرب تاجر کی بیٹی تھی اس کی عسکری سوجھ بوجھ نے پالمیرا کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ اس نے نہ صرف اندرونی طور پر حکومت بڑے تدبر سے چلائی بلکہ روما اور ایران کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مملکت کو وسیع کرنے کے لیے مصر فتح کر لیا۔ (269ء) یہ کامیابی زینوبیا کی ذاتی فراست کا نتیجہ تھی۔ اس کے بعد اس نے بقایا شام کو اپنی

سلطنت میں شامل کر کے 270ء میں ایشیائے کوچک میں آبنائے باسفورس تک پر قبضہ کر لیا۔ 270ء میں روم کے تخت پر ایک دور اندیش شخص تخت نشین ہوا۔ اس کا نام اورلیلین Aurelinan تھا۔ اس کی دور اندیش نظروں نے زینوبیا کی شکل میں ایک بڑا خطرہ عین سلطنت روم کی ناک کے نیچے پایا۔ وہ جانتا تھا اگر زینوبیا کے بڑھتے ہوئے خطرے کو دور نہ کیا گیا تو رومی سلطنت کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

شہنشاہ اورلیلین نے زینوبیا کو زیر کرنے کے لیے مشرق کا رخ کیا اور سب سے پہلے انطاکیہ واپس لیا پھر حمص (شام) کے مقام پر ملکہ زینوبیا کی افواج کو ایک بڑی شکست سے دوچار کیا۔ اورلیلین کا اگلا قدم پالمیرا تھا۔ اس نے اس صحرائی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ زینوبیا اپنے بیٹے کے ساتھ پالمیرا سے فرار ہو گئی وہ چاہتی تھی کہ روم کے خلاف ایران سے مدد حاصل کر کے اپنا آبائی شہر دوبارہ حاصل کرے مگر بدقسمتی سے دریائے فرات کو عبور کرنے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوتے ہوئے اسے رومیوں نے گرفتار کر لیا (272ء)۔ پھر چشم فلک نے دیکھا کہ قیصر نے اسے اپنی فتح مشرق کا نشان بنا کر روم کی سڑکوں پر پھرایا اور پھر آزاد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ملکہ اس بے عزتی کے بعد اپنے ملک واپس نہ آ سکی اور وہیں روم میں ٹائبر کے کنارے ایک رومی سینیٹر سے شادی کر کے رہ گئی۔ مشہور انگریز مورخ گبن نے لکھا ہے کہ زینوبیا ایک حوصلہ مند جنگجو عورت تھی۔ وہ ایک ماہر تیر انداز اور شمشیر زن تھی۔ گھوڑے کی سواری میں مردوں سے زیادہ ماہر تھی۔ شکار اس کا مشغلہ تھا وہ اپنے خاوند کے ساتھ اکثر شیر کا شکار کھیلتی تھی۔ اس کا نشانہ اتنا پکا تھا کہ اس کا تیر کبھی خطا نہ جاتا تھا۔ زرہ بکتر سے اکثر آراستہ رہتی۔ میدان جنگ میں پیدل اور سوار فوج کی کمان خود کرتی تھی۔ اتنی بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک حسین و جمیل عورت بھی تھی اور لاطینی، یونانی اور عربی زبانیں بے تکلف بولتی تھی۔

ماخذ: تاریخ ایران، مقبول بیگ بدخشانی۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، غلام رسول مہر

Gail Meyer,100 Women Who Shape World History

Encyclopedia Britannica

276ء۔روم وایران کا ایک اور تصادم اور آسمانی بجلی

ہرمز اول اور بہرام اول کے چند سالوں کے لیے ایران کے تخت پر بیٹھے، اس کے بعد 275ء میں بہرام ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ حکمران ان کی نسبت ظالم تھا۔ اس نے ظلم وستم کی روش کے ساتھ اپنی حکومت کو مستحکم بنانا چاہا مگر رعایا اس کے خلاف ہوگئی۔ امراء نے اسے تخت سے اتارنا چاہا مگر ایران کا مذہبی رہنما جو موبد موبدان کہلاتا تھا بیچ میں آ گیا اور بادشاہ کو اس نے بحال رکھا۔ اُدھر بادشاہ کو بھی نصیحت کی کہ وہ رعایا کی تالیف قلوب کرے۔ چنانچہ بادشاہ کے طریقہ کار میں خوشگوار تبدیلی آ گئی۔

بہرام دوم نے اپنی سلطنت کے استحکام کے بعد ایشیائے کوچک کے رومی علاقوں کو مسخر کرنا چاہا مگر اس وقت کا قیصر روم کاروس Carus اس سے زیادہ ہوشیار اور دلیر تھا۔ اس نے اپنے پیشرو قیصر اوریلین کے منصوبے کی تکمیل میں ایران پر حملہ کر دیا۔ جب اس کے دربار میں ایرانی سفیر آئے تو اس نے انہیں کہا کہ اگر شاہ ایران نے سر اطاعت خم نہ کیا تو ہم سرزمین ایران کو سبزے سے محروم اور بے آب وگیاہ بنا دیں گے۔ اس دھمکی کے ساتھ ہی اس نے بین النہرین کا سارا علاقہ فتح کر کے طیسفون (مدائن) کا محاصرہ کر لیا اور پھر ایران کا یہ دارالحکومت بھی فتح کر لیا۔ وہ اپنی فاتحانہ یلغار کو اپنے منصوبے کے مطابق جاری رکھنا چاہتا تھا کہ ایک روز اس کے خیمے پر آسمانی بجلی زور سے کڑک کر گری اور کاروس مردہ پایا گیا۔ مورخین یہ نہیں بتا سکے کہ قیصر کی موت آسمانی بجلی گرنے سے ہوئی یا کسی شخص نے اسے خاموشی سے قتل کر دیا۔ بہرحال رومی لشکر نے اس کی ہلاکت کو قہر خداوندی سمجھا اور وہاں سے پسپا ہونے میں خیریت سمجھی۔ 283ء میں ایران اور روم کے مابین ایک معاہدہ صلح طے پایا جس کی رو سے آرمینیا اور بین النہرین روم کے قبضے میں چلے گئے۔ ایسے وقت میں جب خود سلطنت روما میں کمزوری کے آثار پیدا ہو رہے تھے ایران کا دو صوبوں سے ان کے حق میں دستبردار ہو جانا بلاوجہ نہیں تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سلطنت ایران کے مشرق میں ایک خطرناک بغاوت ہوگئی تھی جس کی وجہ سے بہرام دوم نے سلطنت روما سے مزید الجھنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ اپنی عسکری قوت اس بغاوت کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا جو خود اس کے ایک بھائی نے کی تھی۔

اس صلح نامہ کی تکمیل کے دس سال بعد جب تخت ایران پر نرسی بیٹھا تو ایران اور روم میں ایک بار پھر جنگ ہوگئی۔

284ء۔ شہنشاہ ڈایوکلیشن اور اس کا نظام سلطنت

زوال روم کے آثار مارکس آریلیوس Marcus Aurelius (121ء-180ء) کے عہد سے نظر آنے شروع ہو گئے تھے جب روم پر بیرونی جانب سے پہلا خطرناک حملہ ہوا اور جنگ اور مہلک وبائیں رومی دنیا کے مرکز تک جا پہنچیں تھیں، یا کچھ مورخین کے خیال میں جن میں مشہور مورخ گبن سب سے آگے ہے رومی سلطنت کے زوال اور انحطاط کے آثار ٹراجن اینٹونائنز Antonines سے سطان محمد فاتح کے قسطنطنیہ فتح کرنے تک پھیلے ہوے ہیں۔ ٹراجن کے عہد سے وہ زوال کے آثار اس لیے دیکھتا ہے چونکہ زوال ہمیشہ عروج کے بعد آتا ہے اور ٹراجن کے عہد میں رومی سلطنت کی سرحدیں اتنی پھیل گئی تھیں کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی یہ سرحدیں آہستہ آہستہ سمٹنے لگیں اور زوال کا عمل شروع ہو گیا۔

بہر حال تیسری صدی کے آخر تک رومی سلطنت کے اندر صورت حال نازک ہو چکی تھی۔ جمہوریہ کی تمام خصوصیات جو دور امارت میں محفوظ کر دی گئیں تھں اب ترک ہو چکی تھیں۔ مجلس اکابر اب روم کی شہری کونسل سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ درباری آداب و رسوم میں مشرقی شہنشائیت کے انداز و اطوار آ گئے تھے جس سے پورا نظام سلطنت پراگندہ ہو چکا تھا۔ قریب تھا کہ رومی نظام حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو جائے کہ سلطنت کو ایک مصلح میسر آ گیا جس نے سلطنت کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دے کر ڈوبنے سے بچا لیا، یہ تھا شہنشاہ ڈیوکلیشن Dioclétion جس نے اپنی ذاتی فراست استعمال کر کے سلطنت کو ایک نیا نظام حکومت دیا جس نے آگسٹس کے نظام حکومت کی بنیادیں ایک بار پھر مستحکم کر دیں۔

ڈایوکلیشن (245ء-313ء) غریب والدین کے ہاں سیلونا Salona (ڈالمیشیا) میں پیدا ہوا۔ آغاز میں وہ ایک فوجی سالار تھا۔ اس کی ابتدائی سوانح عمری افسانوں کی دھند میں لپٹی ہوئی ہے۔ شہنشاہ نومیرین Numerian کے قتل کے بعد اس کا جانشین مقرر ہوا۔ پہلا کام اس نے یہ کیا کہ شہنشاہ کے مشتبہ قاتل اریس ایپر Arrias Aper کو جو شہنشاہ کا سوتیلا باپ بھی تھا قتل کر دیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ایپر خود اقتدار میں آنا چاہتا تھا۔ 17 نومبر 284ء کو ڈایوکلیشن کیرینس Carinus کی شراکت میں تخت پر بیٹھا۔ کیرینس شہنشاہ نومیرین کا بھائی اور شریک شہنشاہ تھا۔ اب پوری سلطنت اس کے ہاتھ میں تھی۔ ڈایوکلیشن کو صرف اُن صوبوں پر اقتدار

حاصل ہو سکا جہاں اس کی اپنی فوج متعین تھی مگر جلد ہی 285ء میں کیرینس کے قتل کے بعد وہ خود پوری سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ 286ء میں اس نے سرحدوں پر متعین افسروں کی ایک بغاوت کو فرو کیا اور پھر سلطنت کے انتظامی امور پر توجہ دی۔ اس سلسلے میں اس نے فوج کو جو سلطنت کے سیاسی امور میں ملوث چلی آئی تھی سیاسیات سے الگ کر دیا۔

سلطنت کی سرحدیں چونکہ خلیج فارس سے جزائر برطانیہ تک پھیلی ہوئیں تھیں اور تقریباً ہر نفتے کوئی نہ کوئی بغاوت رونما ہوتی رہتی تھی اس لیے کسی ایک شخص کے لیے تنہا سلطنت کے امور کو سنبھالنا مخدوش تھا۔ اس لیے ڈایوکلیشن نے محض انتظامی امور کو سنبھالنے کے لیے 3 افراد کو شریک شہنشاہ بنایا۔ میکس مین 286ء کانسٹیلس اور گیلریس Galerius, Maximan & Constantius اس کے شریک کار ٹھہرے۔ یہ حکمت عملی بڑی کامیاب رہی اور اس کے نتیجے میں روز بروز کی بغاوتوں اور بدامنی سے نجات مل گئی۔ سلطنت کو اس طرح چار انتظامی حصوں میں منقسم کرنے کے بعد اس نے پوری سلطنت کو 101 صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ کئی صوبوں کو ملا کر زیادہ بڑی انتظامی اکائیاں بنائی گئیں جو ڈایوسیس کہلائیں یہ تعداد میں بارہ تھیں۔

ان انتظامی اصلاحات کے علاوہ ڈایوکلیشن نے محصولی اصلاح کر کے یکساں فی کس زمینی محصول مقرر کیا اور مالی اصلاح کی جس کا مقصد گردش زر کے حلقے میں ضروری توازن بحال کرنا تھا۔ پھر قیمتیں مقرر کرنے کے لیے اس نے اپنا مشہور فرمان جاری کیا جس میں اولین ضرورت کی اشیا کی قیمتوں اور محنت کے معاوضے اور ریاست میں نظم و ضبط قائم کرنے کے اصول متعین کیے گئے۔ اس کا یہ فرمان رومی سلطنت کی تاریخ میں اولین کوشش کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر ڈایوکلیشن نے دارالحکومت روما سے میلان Milan میں منتقل کر دیا جو شمالی اٹلی میں تھا۔ روما سیاسی گروہوں کی سازباز کا گڑھ بنا ہوا تھا جس سے میلان کی فضا پاک تھی۔ نیز یہ مقام ان سرحدوں کے قریب تھا جہاں سے ڈایوکلیشن بربریوں کے حملے روکنے کے لیے کوشاں تھا۔ اس وجہ سے روما کی اہمیت گھٹ گئی جس سے اس کی آبادی میں کمی آ گئی۔ اس کی خوبصورت و عالیشان عمارتیں ترمیم و نگرانی سے محروم ہو گئیں۔ ڈایوکلیشن کے سلطنت کی تقسیم کے واقعہ کو خاصی اہمیت حاصل ہے سیاسی تقسیم کو لسانی تقسیم سے گہری مطابقت تھی جس نے بحیرہ روم کی دنیا کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ ایک حصے میں یونانی اور دوسرے حصے میں لاطینی بولی جاتی تھی۔ ڈایوکلیشن کے اس عمل نے دو ثقافتوں کا فرق نمایاں کر دیا۔ یہی تقسیم آگے چل کر سلطنت کو مغربی اور مشرقی حصوں میں بانٹ گئی۔

روم کے عسکری نظام میں ڈایوکلیشن نے یہ اصلاح کی کہ اس نے باقاعدہ لیجنوں کے کاہل اور سفاک سپاہیوں کو پس پشت ڈال کر جرمن اور دوسرے تنخواہ دار سپاہیوں پر بھروسہ کیا۔ چنانچہ اس نے رومی شہری سپاہیوں کو ساتھ لے کر لڑنے کی قدیم رسم بالکل ختم کر دی۔

شہنشاہی کا وقار بحال کرنے کی غرض سے اس نے ایرانی دربار سے شان وشوکت مستعار لی جہاں بادشاہ کو دیوتا کی حیثیت حاصل تھی۔ اگرچہ وہ خود سادگی پسند تھا مگر اس نے سادگی چھوڑ دی اور لباس وشعار میں چکا چوند پیدا کر لی تاکہ رعایا کی آنکھوں میں منفرد اور نمایاں ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے اس نے سنہری اور نیلے رنگ کا درباری لباس اختیار کیا اور بالوں میں سونے کا برادہ چھڑکنے لگا۔ اس سے مراد سورج اور آسمان کے تطابق کا مظاہرہ تھا۔

ڈایوکلیشن نے دیوالیہ حکومت کے مالیات کو سدھارنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر اس کے باوجود رومی روپے کی قیمت بتدریج گرتی گئی۔ چونکہ اس سے پہلے کے شہنشاہ رومی سکوں میں قیمتی دھاتیں کم کرتے رہے تھے۔ ڈایوکلیشن نے پہلے کرنسی کی معدنی حیثیت بحال کرنے کی کوشش کی بعدازاں وہ بھی قیمتی دھات کی مقدار گھٹانے لگا جس کے نتیجہ میں روپے کی قیمت میں کمی اور اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ شہنشاہ نے قیمتوں پر کنٹرول کے ذریعے اس افراط زر پر قابو پانا چاہا مگر ناکام رہا اور چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی شروع ہو گئی۔ ڈایوکلیشن نے حکومت کے لیے روپیہ اور سپاہی فراہم کرنے کے لیے غیر معمولی وسائل سے کام لیا تاکہ حکومت کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور کاروبار حکومت میں کوئی خلل نہ آنے پائے۔ ہر شہری ریاست کو حکم دیا گیا کہ شہنشاہ کے لیے ایک خاص رقم محاصل کی صورت میں ضرور ادا کی جائے۔ اگر کوئی ریاست یہ مقررہ رقم ادا نہ کر سکتی تو اس کی کونسل کے ارکان کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا وہ اس رقم کو اپنی جیب سے پورا کرنے کے ذمہ دار ہوتے۔ اس لیے کونسل کے ارکان مستعفی ہونے لگے کہ کہیں ان کا ذاتی سرمایہ سرکاری رقوم کی ادائیگی میں صرف نہ ہو جائے۔ اس مسئلے سے بچنے کے لیے شہنشاہ نے کونسلوں کی رکنیت کو موروثی بنا دیا اور اراکین کو مجبور کیا وہ رکنیت سے مستعفی نہ ہوں۔ اس طرح رکنیت جو پہلے اعزازی سمجھی جاتی تھی اب ایک بوجھ بن گئی۔ یوں ڈایوکلیشن کی اس پالیسی نے سلطنت کا اہم عمرانی گروہ تباہ کر دیا۔ تاہم اس کی یہ اصلاحات بعدازاں مشرقی سلطنت روم کو قائم کرنے میں بنیادی اجزا ثابت ہوئیں اور خود مغربی سلطنت روم کی طبعی عمر میں اضافہ کا باعث بنیں۔

ماخذ: تاریخ تہذیب، مولانا غلام رسول مہر۔ تاریخ تہذیب عالم، اے مانفرید

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی۔ Encylopedia Britannica

297ء۔شاہ ایران نرسی اور توہین آمیز شرائط صلح

293ء میں بہرام ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بہرام سوم تخت نشین ہوا مگر وہ صرف چند ماہ حکومت کر پایا۔ شاپور اول کے ایک بیٹے نرسی Narses نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اس سے سلطنت چھین لی۔ نرسی تخت نشین ہوتے ہی آرمینیا کی طرف متوجہ ہوا۔ آرمینیا ساسانی خاندان کے اقتدار میں آنے کے بعد سے ایران کا ماتحت تھا مگر بہرام دوم کے عہد میں ایک شخص تیرداد نے حکومت روم کی مدد سے وہاں کی حکومت سنبھال لی تھی۔ اب آرمینیا براہ راست روم کے تسلط میں آ گیا تھا۔ نرسی کو آرمینیا پر رومی تسلط منظور نہیں تھا۔ اس نے 296ء میں آرمینیا پر حملہ کیا جس کی تاب نہ لا کر تیرداد قیصر روم ڈایوکلیشن سے مدد کا خواہاں ہوا۔ ڈایوکلیشن نے اپنے ایک سپہ سالار گیلیئر یس کو ایران پر چڑھائی کا حکم دیا۔ شاہ ایران بھی غافل نہیں تھا۔ اسے دھیان تھا کہ رومیوں سے جنگ لڑنا پڑے گی۔ حران کے مقام پر رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوئی جو دو دن جاری رہی۔ انسانی خون کی ندیاں بہہ جانے کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا آخری تیسرے دن رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور رومیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

اہل روم آرمینیا کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تھے اس لیے شہنشاہ ڈایوکلیشن نے 297ء میں ایک بار پھر گیلیئر یس کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ ایران پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا اور تاکید کہ وہ اپنی شکست کے دھبے کو دور کرے۔ گیلیئر یس کو تجربہ ہو چکا تھا کہ کھلے میدان میں ایرانیوں کو شکست دینا آسان بات نہیں، اس نے دریائے فرات کو عبور کر کے ایرانی میدانوں میں آنے کے بجائے آرمینیا کے پہاڑی راستوں سے ایران پر حملہ کیا۔ شب خون مارنے کی جنگی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے وہ غافل ایرانیوں پر ٹوٹ پڑا۔ آدھی سے زیادہ ایرانی سپاہ میدان میں کام آئی، خود نرسی لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا تھا بمشکل میدان جنگ سے بھاگ کر اپنی جان بچائی مگر اس افراتفری کے عالم میں ایرانی شاہی خاندان کے بہت سے افراد رومیوں نے گرفتار کر لیے، ان میں بہت سے ایرانی امراء اور نرسی کے افراد خانہ بھی تھے۔

نرسی نے اپنا سفیر روم کے جرنیل گیلیئر یس کے پاس بھیجا اور مصالحت کی کوشش کی مگر گیلیئر س کو قیصر ویلیر ین کا ذلت آمیز انجام نہیں بھولا تھا۔ اس نے ایرانی سفیر کو یہ کہہ کر واپس لوٹا دیا کہ شرائط صلح شاہ ایران کے پاس بھجوا دی جائیں گی۔ آخر صلح کے لیے گیلیئر یس نے جو شرائط شاہ

ایران کو بھجوائیں وہ مندرجہ ذیل تھیں۔

(1) ایرانی حکومت دریائے دجلہ کے دائیں ساحل پر واقع پانچ صوبوں سے سلطنت روم کے حق میں دستبردار ہو جائے۔

(2) روم وایران میں دریائے فرات کی بجائے دریائے دجلہ مشترکہ حد تسلیم کی جائے۔

(3) گرجستان پر روم کی سیادت تسلیم کی جائے۔

(4) آرمینیا سے لے کر آذربائیجان کے قلعہ زینتا تک کا علاقہ رومی تسلط میں ہوگا۔

(5) آئندہ نصیبین ہی ایسا مقام ہوگا جہاں روم اور ایران کے تجارتی مال کا تبادلہ ہو سکے گا۔

شاہ ایران نے صرف پانچویں شرط میں تبدیلی کر کے یہ ذلت آمیز شرائط قبول کر لیں۔

شاہ ایران نرسی نے خود ہی جنگ کا آغاز کیا تھا لیکن اس کا انجام جس صورت میں ہوا وہ ایران کے لیے رسوا کن اور مہلک تھا۔ ایسا ذلت آمیز معاہدہ جس سے آذربائیجان اور طیسیفون کے لیے خطرہ بھی پیدا ہو جائے نہ اشکانی عہد میں ہوا تھا نہ خود ساسانی عہد میں اس سے پہلے اس کی کوئی مثال ملتی تھی۔

اس ذلت آمیز معاہدے کے بعد نرسی نے اپنے آپ کو حکومت ایران کے قابل نہ سمجھا اور اپنے بیٹے ہرمز کو جانشین نامزد کر کے تاج وتخت سے دستبردار ہو گیا۔

نقش رستم کی چٹان پر ایک ابھرواں تصویر نرسی کی یادگار ہے۔ اس میں بادشاہ حلقہ سلطنت دیوی اناہتا کے ہاتھ سے لے رہا ہے۔

ماخذ: تاریخ ایران جلد اول از مقبول بیگ بدخشانی۔

305ء۔ عیسائیت میں رہبانیت کا آغاز

''اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دے ''متی'' اپنے واسطے مسیح کا حکم سمجھ کر اپنا سب مال اسباب تج دے''۔

انجیل مقدس کی مندرجہ بالا آیت کے مطابق عیسائیت میں ترک دنیا اور رہبانیت کا آغاز چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا میں ہوا جب مصر کے ایک پادری ''مقدس انتونی'' نے مصر کے ایک بیابان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور دنیا ترک کر دی۔ جب بعض دیگر افراد نے اس کی تقلید میں گوشہ

نشینی اختیار کی تو 305ء میں اس نے اُن کے لیے رہبانیت کے اصول مرتب کیے۔ اگرچہ اب یہ سب انہیں قوانین کے ماتحت تھے مگر ایک دوسرے سے الگ الگ خلوت میں رہتے تھے۔ اس طرح مقدس انتونی عیسائیت میں گوشہ نشینی کا بانی قرار پایا اور اس کی تعلیمات رہبانیت کے بنیادی اصول قرار پائیں۔

پادری سینٹ انتھونی مصر میں 250ء میں پیدا ہوا۔ اس نے مصر میں فیوم کے مقام پر خانقاہ قائم کی۔ اس کے بعد اس نے بحیرہ احمر کے مصری ساحل پر ایک اور خانقاہ قائم کی اور پھر عیسائیت میں رہبانیت اختیار کرنے کے طریقہ کو رواج دیا۔ اس طرح رہبانیت کی ابتدا مشرق میں ہوئی پھر رہبانیت اختیار کرنے والوں میں ایک طرح کا مقابلہ شروع ہو گیا یہ لوگ کم سے کم غذا کھاتے۔ حرکت اور جنبش کئے بغیر ایک ہی جگہ پر طویل عرصہ گزارتے اور اپنے جسموں کو خوفناک ابتلاؤں میں ڈالتے تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ تقدس حاصل ہو سکے۔

سینٹ انتونی کے بعد ایک اور مسیحی پادری ''مقدس پخومیس Pachomius (290ء-346ء) نے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ تقریباً 320ء میں اس نے جنوبی مصر کے شہر طبینسی Tabanissi میں ایک راہب خانہ بنا دیا اور راہبوں کے لیے قوانین مرتب کئے کہ وہ نہ صرف دعا کریں اور دنیا سے علیحدہ رہیں، بلکہ ساتھ ہی وہ ایک جماعت میں ایک سردار راہب کے حکم کے ماتحت بھی رہیں اور محنت اور مشقت کر کے مثلاً کپڑا بن کر یا موچی یا درزی یا دھوبی کا کام کر کے یا ٹوکریاں بنا کر اپنی روزی کمائیں۔ اس طرح رہبانیت پھیل گئی اور راہب اکیلے گوشہ نشینوں سے تعداد میں بہت زیادہ ہو گئے۔ شروع شروع میں وہ بھی عام مسیحی تھے اور خادمان دین نہیں تھے اور اکثر کلیسا کے خادمان دین نے اور خاص کر مسیحی رہنماؤں نے انہیں شک کی نگاہ سے دیکھا، لیکن چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں مزید تین خاص رہنماؤں نے کلیساؤں میں رہبانیت قائم کر دی ان کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

(1) یونانی کلیسا میں باسل اعظم (329ء تا 379ء)

(2) لاطینی کلیسا میں بینڈکٹ Benedict (قریباً 480ء تا 544ء)

(3) ایرانی کلیسا میں ابرہام از کشکر (502ء تا 594ء)

عام طور پر عیسائی راہبوں نے جو اصول اختیار کئے وہ یہ تھے:

(1) کہ وہ کسی چیز کو اپنا مال نہیں سمجھیں گے، بلکہ راہب خانہ میں غربت سے زندگی بسر کریں گے۔

(2) کہ وہ زندگی بھر بیاہ شادی اور جنسی تعلقات سے پرہیز کریں گے۔
(3) کہ وہ اپنے سردار راہب کے حکم کے ماتحت رہیں گے۔

رہبانیت کے ان اصولوں کے ساتھ ساتھ کلیسا میں یہ تعلیم بھی پھیلی کہ کامل مسیحی وہی ہے جو شادی اور خاندانی زندگی سے پرہیز کرے اور دنیا کو ترک کرے اور یہ کہ شادی شدہ مسیحی صرف دوسرے درجہ کا ہوسکتا ہے۔ اگرچہ رہبانیت کے نتائج عیسائیت کی تاریخ میں اچھے نکلے مگر اس کے یہ اصول انسانیت کے سلسلہ جنبانی کے خلاف ہیں اور انسانوں میں افزائش نسل کے قانونی اور فطری طریقہ کے خلاف بھی ہیں۔ ان اصولوں کے مقابلے میں اسلام اور بانی اسلامؐ نے ترک دنیا یا رہبانیت اختیار نہ کرنے کا حکم دیا جو فطری اور انسانی قدروں کے عین مطابق ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسانوں کے لیے جائز اور مباح طریقے سے دنیا کی نعمتوں کو ترک نہ کر دینے کا حکم ہے۔

ماخذ: رسولوں کے نقش قدم پر از ولیم جی ینگ۔ طلوع مسیحیت از ایف ایف بروس۔
تواریخ مسیحی کلیسا از ڈبلیو پی ہیرس

309ء۔ شاپور اعظم اور اس کا عہد

تاریخ ایران میں شاپور دوم، شاپور اعظم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ ایران کا پہلا اور آخری بادشاہ تھا جس کو شکم مادر ہی میں بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کا باپ ہرمز دوم بحرین میں عرب قوم کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا آذرنرسی تخت نشین ہوا مگر چونکہ بہت زیادہ بے رحم اور سفاک تھا اس لیے امراء نے اسے قتل کروا دیا۔ اس کا دوسرا بھائی چونکہ رومیوں کے زیر اثر تھا اس لیے اسے ایرانی امراء تاج و تخت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ جانشینی کے اس بحران کا یہ حل تلاش کیا گیا کہ ہرمز دوم کی ملکہ کے بطن میں جو بچہ تھا اسے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس لیے شاپور دوم بطن مادر ہی سے بادشاہ پیدا ہوا۔ (309ء)۔

شاپور اعظم کے عہد کے پہلے 26 سال کے حالات مورخین نے بہت کم لکھے ہیں۔ اگرچہ بادشاہ بچپن ہی سے ہونہار تھا مگر چونکہ امراء کو اس کے کمزور ہونے کی وجہ سے من مانی کرنے کی کھلی چھٹی تھی اس لیے اس کے ابتدائی عہد کے حالات بہت کم ضابطہ تحریر میں لائے گئے سولہ سال کی عمر میں پہنچتے ہی

شاپور اعظم نے نہ صرف امراء کے اقتدار کو محدود کر دیا بلکہ ان کے دلوں میں بھی اپنی جگہ بنالی۔

سلطنت کے اندرونی استحکام کے بعد شاپور نے پہلی توجہ اس بیرونی مسئلہ کی طرف کی جس سے نبرد آزما ہو کر اس کا باپ مارا گیا تھا۔ یعنی بحرین کے عربوں کے ایرانی علاقوں پر حملے۔ بحرین کے ان عربوں سے نمٹنے کے لیے بحری فوج تیار کی گئی ان کی عبرتناک طریقے سے سرکوبی کی گئی جو عرب گرفتار کیے گئے ان کو آئندہ حملوں سے باز رکھنے کے لیے ان کے دونوں شانے کٹوا دیئے گئے۔ شاپور نے تقریباً پچاس ہزار عربوں کے شانے کٹوائے جس کی وجہ سے وہ ''ذوالاکتاف'' کہلایا۔

بحرین کے معاملے سے فارغ ہو کر اس نے روم کے ساتھ ایرانی معاملات پر توجہ دی۔ اس سے پیشتر نرسی (294ء-301ء) شاہ ایران نے پانچ ایرانی صوبوں سے دست برداری کی ذلت آمیز شرائط پر رومیوں سے صلح کی تھی۔ یہ بات شاپور کو بھلا کیسے گوارا تھی مگر اس کے عہد میں روم پر ایک نامور شخص قسطنطین اعظم Constantine The Great حکمران تھا جس نے قسطنطنیہ شہر آباد کیا تھا اور جس نے سلطنت روم ہمہ گیر یک جہتی پیدا کرنے کے لیے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ ایسے طاقتور شخص سے ٹکر لینا آسان تھا۔ مگر اہل ایران اس دن کے انتظار میں تھے جب شاپور نرسی کی ذلت آمیز شکست کا رومیوں سے بدلہ چکائے۔ اس لیے شاپور دوگونہ مشکلات کا شکار تھا۔ بہرحال 337ء میں جب اچانک قسطنطین اعظم کی وفات کی خبر ایران پہنچی تو شاپور کے لیے رومی سلطنت پر حملہ کرنا آسان ہو گیا اور شاپور اعظم نے اپنی روم کے خلاف مہموں کا آغاز کر دیا۔ روم میں قسطنطین اعظم کا جانشین ایک بیس سالہ نوجوان کانسٹینٹیس Constantius تھا جو شاپور کا ہم پلہ نہیں تھا۔ شاپور نے رومی شہر نصیبین پر حملہ کیا اگرچہ ایرانی کھلے میدان میں رومیوں کو ٹھہرنے نہیں دیتے تھے مگر اس کے باوجود رومیوں کے قلعہ بند شہر فتح کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے شاپور نصیبین کو فتح کرنے میں ناکام رہا اور اسے محاصرہ اٹھانا پڑا۔ نصیبین وہ رومی شہر تھا جس کا شاپور نے متعدد بار محاصرہ کیا۔ بہرحال شاپور نے آرمینیا رومیوں سے چھین لیا مگر یہ پھر رومیوں نے فتح کر لیا۔

شاپور نے 360ء میں ایک مرتبہ پھر مملکت روم پر چڑھائی کی مگر اس سے پہلے اس کے اور قیصر روم کانسٹینٹس کے درمیان سفارتی خط و کتابت بھی ہوئی جس کا نتیجہ منفی نکلا۔ اس مرتبہ شاپور نے نصیبین کا رخ نہ کیا بلکہ شام پر حملہ آور ہوا اور آمد Amidao (دیاربکر) کا قلعہ فتح کر لیا۔ قیصر روم کانسٹینٹس نے 361ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا جولین Julian تخت نشین ہوا۔ اس نے سلطنت روم کے اندرونی خلفشار پر قابو پا کر ٹراجن کی طرح سلطنت روم کے اندرونی

خلفشار پر قابو پا کر نراجن کی طرح سلطنت ایران پر حملے کا منصوبہ تیار کیا اور 363ء میں ایران پر حملہ کر دیا۔ وہ بڑھتے ہوئے مدائن دطیسیفون تک جا پہنچا مگر فتح اس کے مقدر میں نہ تھی۔ اسے سمرہ کے مقام پر شکست ہوئی اور وہ خود بھی میدان جنگ میں جان کی بازی ہار بیٹھا۔ قیصر جولین کے بعد اس کے جانشین قیصر جوئین Jovien نے ایران کے خلاف مہم وہیں سے شروع کی جہاں قیصر جولین نے چھوڑی تھی۔ وہ تازہ دم لشکر لے کر سمرہ پہنچا مگر شاہ پور نے اب کی بار بھی رومیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ پھر شاپور نے خود ہی جوڈیئن سے صلح کی بات چیت چونکہ شاپور اب فتح مند تھا اور جوڈیئن شکست خوردہ اس لیے اسے ذلت آمیز شرائط پر صلح کرنا پڑی۔ ایرانیوں نے اپنے وہ پانچ صوبے جو شہنشاہ ڈایوکلیشن نے نرسی سے لیے تھے واپس لے لیے اور آرمینیا اور نصیبین پر بھی ایرانی تسلط قائم ہو گیا۔

یہ معاہدہ کرنے کے بعد قیصر جوڈیئن زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا اور اس کی جگہ قیصر والنٹینین Volentinian تخت نشین ہوا۔ یہ معاہدہ اسے سخت ناگوار تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح اسے توڑنا چاہتا تھا۔ اس نے آرمینیا کے اشک حکمران کے بیٹے کو فوجی امداد فراہم کی مگر اسے شکست ہوئی اور جب تک شاپور کی حکومت رہی رومیوں کی دال نہ گلی۔ بہر حال شاپور دوم کا عہد ایران کے ساسانی حکمرانوں کی تاریخ کا سنہرا عہد کہلاتا ہے۔ شہنشاہ نے اپنی ذاتی دلیری اور شجاعت کے بل بوتے پر نہ صرف روما بلکہ ہندوسندھ تک سے خراج وصول کیا۔

ماخذ: تاریخ ایران، مقبول بیگ بدخشانی۔ ایران بعہد ساسانیاں، کرسٹن سین

A History Of Persia

320ء۔ چندر گپت اول اور گپت خاندان

کشان سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان میں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی چوتھی صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں ایک بار روشنی کی کرن دکھائی دی اور تاریکی کے پس منظر سے اجالا اُبھرتا دکھائی دیا۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ایک بار پھر اتحاد و یگانگت کی فضا قائم ہو گئی۔

پاٹلی پتر کے راجہ چندر گپت اول نے لکھوی قبیلے (308ء) کی ایک شہزادی سے شادی کی جس سے اسے ''راجہ مہاراجاں'' کا لقب اختیار کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ اس نے اپنے سکے بھی اپنی

بیوی اور لکھوی قبیلے کے مشترک ناموں سے مضروب کرائے۔ یہی چندر گپت خاندان کا بانی ہے اسے اس کے ہم نام پوتے سے متمیز کرنے کے لیے چندر گپت اول لکھا جاتا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کو دریائے گنگا کے میدانوں میں گنگا اور جمنا کے مقام اتصال تک وسعت دی۔ اسی جگہ آج کل الہ آباد آباد ہے۔ چندر گپت اول نے اپنے مختصر سے زمانہ حکومت میں ترہٹ، جنوبی بہار اور دیگر گردونواح کے سرسبز اور معمور علاقوں پر حکمرانی کی۔

لکھوی قبیلے سے اتحاد کے بعد اسے اتنی سیاسی اہمیت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ دوسرے ایشیائی بادشاہوں کی طرح اپنی تخت نشینی تاج پوشی سے ایک باقاعدہ سال جلوس یا سنہ کا آغاز کرے۔ اس کے عہد کا پہلا سال مورخین نے 26 فروری 320ء سے لے کر 13 مارچ 321ء تک تسلیم کیا ہے۔

اپنی موت سے پہلے جو تقریباً 330ء یا 335ء میں واقع ہوئی چندر گپت اول نے اپنے بیٹے سمدر گپت کو جو لکھوی شہزادی کے بطن سے تھا اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ باپ نے اپنے اس بیٹے کو جن وجوہات کی بناء پر دوسرے بیٹوں پر ترجیح دی تھی ان کا حق سمدر گپت نے بدرجہ اتم پورا کیا اور سلطنت کی بنیادیں مستحکم کردیں۔ جنگ اور امن دونوں زمانوں میں اس نے اس قدر ہنرمندی اور لیاقت کا مظاہرہ کیا کہ مورخین اسے ہندی بادشاہوں کی صف اول میں جگہ دیتے ہیں۔

بعض مورخین نے سمدر گپت کی فتوحات کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ہندوستان کا نپولین قرار دیا ہے۔ مشہور زمانہ انگریز مورخ وی اے سمتھ لکھتے ہیں کہ اس نے سب سے پہلے شمالی ہند کی ریاستوں کی تسخیر کی پھر مشرقی ساحل سے ہوتا ہوا جنوب کی طرف بڑھا اور دکن کے مغربی حصوں تک میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑتا ہوا وطن عزیز واپس آ گیا راستے میں اس نے موجودہ مہاراشٹر اور ایرندپھل یعنی خاندیش کو بھی فتح کیا۔ اس حیرت انگیز عسکری مہم میں اس نے ہزاروں میل سفر کیا اور اس میں کم از کم دو برس صرف ہوئے۔

جنوب کی اسی فوجی مہم سے واپسی پر اپنی حکومت کی عظمت اور برتری کا اعلان کرنے کے لیے اس نے اشومیدھ کی قدیم رسم کو زندہ کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا چندر گپت دوم تخت نشین (375ء) ہوا جو باپ اور دادا دونوں سے بازی لے گیا اور اس نے انتہائی جنوب تک کی کوئی ریاست ایسی نہ چھوڑی جسے اپنی سلطنت میں شامل نہ کیا ہو۔ اس کا سب سے بڑا فوجی کارنامہ مالوا اور گجرات کے صوبوں سے گزر کر بحیرہ عرب تک پہنچنا تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ اس نے سراشتریا کاڑھیاواڑ کو بھی فتح کرلیا۔ یہ عسکری مہمات سر کرنے کے بعد اس کی سلطنت میں نیپال

سے پنجاب تک کا علاقہ مکمل طور پر شامل ہو گیا اور اس کی سلطنت قدیم ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت بن گئی۔ چندر گپت دوم ایک جری سپاہی ثابت ہوا اور اس نے سلطنت کو وسیع کر دیا۔ بانی خاندان کے سوا اس خاندان کے تمام گپت راجاؤں کا زمانہ حکومت بہت طویل تھا۔ گپت عہد ہندوستان کی تاریخ وتہذیب کا کلاسیکل عہد کہلاتا ہے۔ یہ زمانہ اپنی انتہائے وسعت میں 650ء-300ء تک اور خاص کر چوتھی اور پانچویں صدی کا زمانہ ہے جو بہت سے علوم وفنون کے صیغوں میں خاص ہیجان اور علمی تلاطم کا زمانہ تھا۔ اس عہد کا مقابلہ انگلستان میں ملکہ ایلز بتھ اول کے عہد سے کیا جا سکتا ہے جس طرح ایلز بتھ کے عہد کے شیکسپیئر کے سامنے سب لکھنے والے ہیچ نظر آتے ہیں اس طرح ہندوستان میں کالی داس کی شہرت کے سامنے تمام ہندی مصنفین کی شہرت ماند پڑی نظر آتی ہے۔ وہ ہندی کا ڈراما نگار تھا گپت عہد ہی میں ریاضی اور علم ہیئت کے فنون میں ہمیں ''آریہ بھٹ'' (پیدائش 476ء) کا نام نظر آتا ہے اور ورا ہمیر (وفات 587ء) جیسے مشاہیر ملتے ہیں۔ اس عہد میں منو نے دھرم شاستر تیار کیا جو بعد میں ہندوؤں کے تمام قوانین وضوابط کا مرکز بنا رہا۔ اسی شاستر سے ہمیں اس عہد کی رسوم اور جرم وسزا کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ گپت خاندان ہی کے عہد میں برہمن مت کو از سر نو فروغ حاصل ہوا اور یہی اصل ہندو دھرم کی تاریخ کا سنہرا عہد مانا جاتا ہے۔

گپت عہد میں فن تعمیر نے بھی بہت نمایاں ترقی کی۔ اسی عہد میں لکڑی کی عمارتوں کی نقل کرنا چھوڑ دیا گیا اور مسالے کے تناسب سے نئی قدریں پیدا کرنے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ اس کے علاوہ اسی عہد میں اینٹ کی عمارتوں کو بھی حسن آفرینی کا ذریعہ بنایا گیا۔ عمارتوں کی خصوصیات پر نظر ڈالیں تو ہمیں اس عہد کی تعمیرات میں نئی وضع کے ستون ملتے ہیں جن کو نئے طریقے پر ترتیب دیا جاتا تھا۔ ایک ایسا ہی ستون ہمیں دہلی میں قطب کی مسجد کے صحن میں لگا ملتا ہے اسے کمار گپت نے بنوایا تھا۔ یہ پہلے متھرا میں لگا ہوا تھا۔

ماخذ: قدیم تاریخ ہند، وی اے سمتھ۔ ہندوستانی تہذیب کی داستان، اے ایل باشم
انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، تاریخ تمدن ہند، محمد مجیب

330ء۔ قسطنطنیہ اور قسطنطین اعظم

11 مئی 330ء کو طلوع آفتاب کے بعد جب آفتاب برج قوس میں آیا تو دنیا کے ایک اہم ترین شہر قسطنطنیہ کی رسم افتتاح ادا کی گئی۔ اس کا محل وقوع آبنائے باسفورس کے کنارے روم کی طرح سات پہاڑیوں پر تھا۔ اسے سلطنت روما کے مشرقی صدر مقام کی حیثیت دی گئی۔ یہ قدیم یونانی نوآبادی Byzantium بازنطیم (657 ق م) کی جگہ پر تعمیر کیا گیا۔ اسے پہلے عیسائی رومی شہنشاہ قسطنطین اعظم کے حکم پر تعمیر کیا گیا چونکہ روما پچھلے کئی عشروں سے یورپ کی وحشی اقوام کے حملوں کی زد میں اور سیاسی طور پر گہنا گیا تھا اس لیے شہنشاہ قسطنطین اعظم نے بازنطیم کی دفاعی پوزیشن دیکھتے ہوئے دارالحکوم روم سے یہاں منتقل کرنے کا اہم ترین فیصلہ کیا۔ دفاعی طور پر قسطنطنیہ کا محل وقوع اتنا مستحکم تھا کہ اس پر صرف مغرب کی طرف سے حملہ ہو سکتا تھا۔ اس شہر کی باقی تین اطراف قدرتی طور پر سمندر سے گھرے ہونے کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ اگلے ایک ہزار سال تک اس شہر کو مشرقی رومی سلطنت کے دارالحکومت کی حیثیت سے دنیا کا اولین شہر ہونے کا فخر حاصل رہا اور اسے سلطان محمد فاتح ثانی کے علاوہ دنیا کا کوئی اور فاتح فتح نہ کر سکا۔ قدرتی طور پر تین اطراف سے حملوں سے محفوظ و مامون ہونے کے باوجود اس شہر کے گرد تین فصیلیں تعمیر کی گئیں اور اس طرح اس کی شکل ایک محصور قلعہ کی ہو گئی جس کے دامن میں بے شمار شاندار محل، جامع کئے ہوئے گنبد اور مینار تھے۔ انتہائی عروج کے زمانے (10 ویں صدی) میں اس شہر کی آبادی دس لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔

قسطنطین اعظم (311ء-337ء) روم کا پہلا شہنشاہ تھا جس کے عیسائیت کو بطور سرکاری مذہب اپنانے اور اس کے فروغ کے لیے حکمت عملیاں ترتیب دینے سے عیسائیت کو ایک معتوب مسلک کی بجائے دنیائے مغرب کے ایک غالب مذہب کی صورت حاصل ہوئی۔

قسطنطین کی پیدائش تقریباً 280ء میں نائسیس Naissus نامی قصبے (آج کے یوگوسلاویہ) میں ہوئی۔ اس کا باپ شہنشاہ ڈائیوکلیشن کا دست راست اور نائب السلطنت شہنشاہ کانسٹینٹس اول Constantius I تھا۔ قسطنطین کا بچپن نکومیڈیا NIcomedia میں بسر ہوا جہاں شہنشاہ ڈائیوکلیشن کا دربار تھا۔ شہنشاہ ڈائیوکلیشن جب 305ء میں تخت سے دستبردار ہوا قسطنطین کا باپ سلطنت روما کے مغربی حصے کا خودمختار حکمران بن گیا لیکن اسے زندگی نے مہلت

نہ دی اور اگلے ہی برس وہ چل بسا۔ اس کی وفات پر قسطنطین نے اپنے فوجی دستوں کی مدد سے شہنشائیت کا دعویٰ کیا اور پھر مسلسل 6 سال تک دیگر مدعین شہنشائیت سے جنگیں لڑتا رہا۔ جنگوں کا یہ سلسلہ 311ء میں ختم ہوا اور قسطنطین کو مطلق العنانیت حاصل ہوگئی۔ قسطنطین نے اپنے آخری حریف میکسنٹیس Maxantius کو میلوین برج Milivian Bridge کی جنگ میں شکست دی اور اب مغرب میں اس کا کوئی مدمقابل نہیں رہا۔ اس جنگ کے بعد اگرچہ قسطنطین مغربی نصف رومی سلطنت کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا مگر ابھی مشرقی نصف پر ایک اور شخص لیسی نیئس Lacinius حکمران تھا۔ اس کانٹے کو بھی راہ سے نکالنا ضروری تھا اس لیے قسطنطین نے اس پر حملہ کر کے اسے بھی شکست دی اور پھر اپنی موت 337ء تک وہ سلطنت روما کا واحد شہنشاہ رہا۔

قسطنطین کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب عیسائیت کے دائرے میں آیا؟ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میلوین برج کی جنگ سے کچھ پہلے قسطنطین نے آسمان پر ایک آتشیں صلیب دیکھی جس پر لکھا تھا کہ اس نشان کے صدقے تمہیں فتح نصیب ہوگی۔ اس سوال سے قطع نظر کہ وہ کب عیسائی بنا یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیشہ عیسائیت کے فروغ کے لیے کوشاں رہا۔ اس کا میلان سے جاری ہونے والا فرمان عیسائیت کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرمان میلان ہی کے تحت عیسائیت ایک قانونی اور قابل قبول مذہب بنا تھا۔ اسی فرمان کے ذریعے وہ تمام املاک کلیسا کو واپس لوٹا دی گئیں جو قسطنطین کے پیشرو شہنشاہوں نے مسیحیت کے دور ایذا رسانی کے دوران چھینی تھیں۔ اسی فرمان کے تحت اتوار مسیحیت کی عبادت کا روز قرار دیا گیا۔

اپنے عہد کے آخری سالوں میں قسطنطین اعظم نے نئے دارالحکومت کے لیے مناسب مقام کا انتخاب کیا۔ اگرچہ بلقان اور ڈیلمیشیا کے علاوہ افی سوس نے سکندریہ اور انطاکیہ کی پُر رونق بندرگاہیں بھی دارالحکومت کے لیے موزوں تھیں مگر دور اندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ دارالحکومت اس مقام پر بنایا جائے جہاں سے مشرق کے ساتھ تجارت میں آسانی ہو اور جو بیرونی حملوں کے خطرے سے بھی محفوظ ہو۔ ان مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اگرچہ قسطنطین نے کچھ عرصہ ٹرائے کو بھی زیر غور رکھا مگر انطاکیہ اور دیگر اہم مقامات کی طرح ٹرائے کو بھی نظر انداز کر دیا گیا اور اس بات کی کوئی توضیح پیش نہیں کی گئی کیونکہ شہنشاہ اپنی مطلق العنانیت کی وجہ سے اپنے کسی عمل کی توضیح پیش کرنے کا عادی نہیں تھا۔ 326ء میں اس نے اپنی بیوی اور اپنے بڑے بیٹے کو قتل کروا دیا تھا مگر اس خوفناک عمل کی بھی کوئی توضیح پیش نہیں کی تھی۔

بہر حال بازنطیم کو شہنشاہ نے دارالحکومت بنانے کے لیے منتخب کیا۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ کے متعلق اسے خواب میں اشارہ بھی ملا تھا۔ نئے شہر کی تعمیر کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے اس نے مصر سے عہد فراعنہ کا بنا ہوا سنگ ساق کا ایک ستون منگوایا اور اسے اُس جگہ نصب کرایا جہاں وہ اپنے نام کا چوک بنوا رہا تھا۔ یہ چوک ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ اس نے روم سے خفیہ خفیہ مقدس پیلیڈیم Pelidium کا بت کا بت منگوایا اور اسے مصری ستون کے نیچے دفن کروا دیا۔ اگر یہ درست نہ بھی ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے اپنے اس شہر نو میں قسمت کی رومی دیوی کا مندر ضرور تعمیر کروایا تھا۔ گر بعد ازاں دیوی کی پیشانی پر صلیب آویزاں کر دی گئی تھی۔ شہر کے ایک چوک میں نصب کرنے کے لیے اس نے اپنا مجسمہ بھی بنوایا، وہ اس طرح کہ اپولو دیوتا کے ایک بڑے بت کا سر کاٹ کر اس کی جگہ اپنا سر لگوا دیا اور اس کے ساتھ سورج کی کرنوں کا اضافہ کر دیا۔ نئے شہر کی تعمیر کو جلد مکمل کر لینے کی اتنی جلدی تھی کہ جہاں سے جو چیز ملی منگوالی گئی۔ یہاں تک کہ ڈیلفی کے مندر سے سانپوں کے سر والا ستون بھی اٹھا کر نئے شہر کے لیے منگوالیا گیا۔

قسطنطین نے اپنے س نو تعمیر شہر کا نام ''اینتھوسہ'' رکھا جو روما ہی کا ایک نام تھا لیکن وہ اسے عام طور پر ''نیا روما'' کہنے لگا۔ مگر لوگ اس کے نام کی نسبت سے اس کے شہر کو ''کاسٹی ٹینوپل'' یعنی شہر قسطنطین کہنے لگے۔

قسطنطین مرکز حکومت کو نئے شہر میں منتقل کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے بازنطیم کی عبادت گاہ بالائے حصار کی جگہ ایوان عمائدین (سینٹ) تعمیر کرایا جس کے آس پاس مجسموں کا ایک جنگل آراستہ کیا گیا۔ ہپوڈرم کے دوسری طرف رومی شرفا اور امرا کے لیے محل تعمیر کرائے گئے جن کے ساتھ رومی طرز کے خانہ باغ بھی تھے مگر بہت کم رومی عمائدین یہاں منتقل ہوئے۔ البتہ روما سے عوام کی بڑی تعداد نئے شہر پہنچ گئی کیونکہ شہنشاہ نے روٹی، روغن زیتون، لحم خنزیر اور لحم بقر کی عوام میں مفت تقسیم کا اچھا انتظام کر دیا تھا۔

337ء قسطنطین کی وفات کا سال ہے اس سال قسطنطین اعظم نے اچانک یہ اعلان کر دیا کہ میری وفات پر مسیحی رسوم ادا کی جائیں، پھر بستر مرگ پر شہنشاہ نے اپنا بپتسمہ بھی کروایا اگر چہ وہ اس واقعہ سے بہت پہلے عیسائی ہو چکا تھا۔ اس سے بھی حیران کن چیز یہ تھی کہ اس نے دنیا کے پہلے مسیحی شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ تاریخ میں قسطنطین اعظم کے یہ دونوں کارنامے امر ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ ایک سفاک اور بے رحم انسان تھا کہ جس نے اپنی ملکہ اور اپنے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتارنے

سے گریز نہ کیا تھا لیکن آج وہ ایک ہیرو کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس کے کارناموں میں ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ الگ الگ عقائد رکھنے والے تمام مسیحیوں کو ایک مسلک پر اکٹھا کرنے کے لیے 325ء میں اس نے نیقیا Nicaea کے مقام پر ایک کونسل بلائی جس میں تعین کیا گیا کہ خدا اور مسیح کوئی الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی ہستی کے دو وجود ہیں اس طرح اس عقیدے کو دین کے مرکزی عقیدے کی حیثیت دی اور اس کے لیے ایک راہب ایریس Arius کو ایذا رسانی سے مروا دیا کیونکہ وہ اس عقیدے سے اختلاف رکھتا تھا۔

ماخذ: قسطنطیہ، ہیرلڈ لیم۔ سو عظیم آدمی، مائیکل بارٹ
100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا، جان کیننگ۔ 1000 عظیم واقعات

325ء۔ مجلس نیقیہ کا انعقاد

ابتدائی مسیحی کلیسا کو جن بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے معروف آریوسی الحاد Arianism کا تھا جس میں بحث کا نازک ترین نکتہ تثلیث تھی۔ یعنی تین میں ایک خدا کا تصور..... خدا باپ کی حیثیت میں، خدا بیٹے کی حیثیت میں اور خدا روح القدس کی حیثیت میں۔ اس عقیدے کا بانی آریوس Arian سکندریہ کا ایک فاضل مذہبی پیشوا تھا جس نے 336ء میں وفات پائی۔ اسے تثلیث کے باہمی عقائد کا تعلق پریشان کرتا رہا۔ آریوس کے عقائد کے خلاف مسئلہ تثلیث کا حل جسے آرتھوڈکس عقیدے کے لوگ تسلیم کرتے ہیں اس شخص کے نام سے وابستہ ہے جو آریوس کا معاصر اور حریف تھا۔ اس نے بھی سکندریہ ہی میں فروغ پایا۔ یعنی اتھاناشیوس Athanasius۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ تثلیث کے تین رکن ہیں، ساتھ ہی ایک ہیں مگر کیتھولک کلیسا نے ان عقائد کو باطل اور ان کے ماننے والوں کو ملحد قرار دیا۔ اس طرح اس الحاد نے ایک بحران کی شکل اختیار کر لی جس کے حل کے لیے شہنشاہ قسطنطین اعظم نے ایشیائے کوچک میں نیقیہ Nicaea کے مقام پر کلیساؤں کی مجلس منعقد کرائی تاکہ آریوس اور اتھاناشیوس کے جھگڑوں اور تنازع کا فیصلہ کیا جائے۔ شہنشاہ قسطنطین کے زیر سرپرستی تقریباً تین سو بشپ اس مجلس میں شریک ہوئے۔ یہ پہلی مسیحی مجلس تھی جس نے بھاری اکثریت س آریوسے کے خلاف فیصلہ صادر کیا مگر اس سے آریوسیت ختم نہ ہو سکی۔ 325ء سے 383ء تک تیرہ کلیسائی مجلسوں نے آریوسی عقیدے کو

مسترد کیا مگر الفلاس نام کے ایک راہب نے بربری گاتھوں میں آریوسی عقائد کی تبلیغ جاری رکھی جو رومی سلطنت کے بیرونی حصوں میں رہتے تھے اور مجلس نیقیہ کی رسمی مذمت کے باوجود یہ عقیدہ گاتھوں اور دوسرے جرمن قبائل میں پھیلتا رہا۔ ایک صدی بعد جب ان قبائل نے مغربی یورپ پر یورش کی تو یہ اپنے ساتھ جو مسیحیت لائے وہ کیتھولک نہیں بلکہ آریوسی مسیحیت تھی۔

غرض کلیسا نے آریوسی تنازع کے تصفیے کا جو طریقہ اختیار کیا اس سے واضح ہو سکتا ہے کہ مسیحیت نے توازن قائم رکھنے کی کوشش کی اور مجلس نیقیہ نے حواری مسیح پولوس کی تعلیمات کو اصل مسیحیت قرار دیا۔

مجلس نیقیہ نے مشہور مسیحی تہوار ایسٹر Easter کے لیے ایک متفقہ تاریخ مقرر کرنے کی کوشش بھی کی مگر اس میں وہ ناکام رہی۔ اس کے علاوہ اس مجلس میں بشپوں کے تقرر کے طریقہ کار کا بھی تعین کیا گیا۔ اس کے علاوہ بشپ، ڈیکن اور پریسٹس Priests اور دیگر کلیسائی عہدہ داروں کا ایک کلیسا سے دوسرے کلیسا میں چلے جانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ پانچویں صدی کے ایک بازنطینی مورخ Socrates Scholasticus نے لکھا ہے کہ اسی مجلس میں ایک قانون کے ذریعے کلیسائی عہدہ داروں پر مجرد زندگی Celibacy مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر وہ لوگوں کے اعتراض اٹھانے پر ناکام رہی۔ یروشلم اور سکندریہ کو دیگر مسیحی مراکز پر اولیت دی گئی۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل مادہ Council Of Nicaea

تاریخ تہذیب جلد اول از مولانا غلام رسول مہر

333ء۔ سینٹ پطرس کے گرجا گھر کی تعمیر

• کہتے ہیں جس شب یہودا نے حضرت مسیحؑ سے غداری کی اور انہیں پکڑوانے آیا تو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ایک بہادر نے مدافعت کے لیے تلوار نکال لی۔ یہ عظیم ہستی کوئی اور نہیں جناب پطرس رسول کی تھی مگر گرفتاری کی رات ہی مصلحت کی بنا پر سینٹ پطرس نے جو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کا سردار یا سالار بھی کہلاتا تھا، مسیحؑ کا ساتھی ہونے سے انکار کر دیا۔

سینٹ پطرس S.T.Peter (671ء) انجیلوں میں سرفہرست ہے اور حواریوں کا بادشاہ کہلاتا ہے۔ اس کا ابتدائی نام شمعون تھا وہ بیت صیدا کا رہنے والا تھا اس کے بھائی کا نام اندریاس

تھا یہ دونوں ماہی گیری کرتے تھے کہ حضرت مسیحؑ کے پیچھے چلنے کے لئے بلائے گئے۔ مسیحیوں کے مطابق دوبارہ جی اٹھنے کے بعد جب حضرت مسیحؑ دوبارہ ظاہر ہوئے تو انہوں نے پطرس سے کہا ''تو میری بھیڑوں کی گلہ بانی کر''۔ انجیل میں ''رسولوں کے اعمال'' کا پہلا حصہ سینٹ پطرس کے سربراہ بن کر کام کرنے کا حال بتاتا ہے۔ دوسری صدی مسیح کے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انطاکیہ سے روما چلا گیا اور وہاں مقامی کلیسا کی سربراہی کرتا ہوا شہنشاہ نیرو کے عہد میں شہید کیا گیا۔ روایت ہے کہ سینٹ پطرس اُسی دن شہید ہوا تھا جس دن سینٹ پال۔ یہ بھی رویات موجود ہے کہ جب اسے مصلوب کیا گیا تو اس کا سر نیچے کی طرف تھا۔ روم میں جبل وٹیکن کو ابتدائی ایام سے اس کی شہادت گاہ سمجھا جاتا ہے۔

سینٹ پطرس کی قبر اس گرجا گھر میں واقع ہے جو رومن کیتھولک جماعت کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ آثار قدیمہ کی حالیہ تحقیق سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ عہد عیسوی کے ابتدائی ایام سے عیسائی اسے پطرس کا مقبرہ مانتے رہے ہیں اور اسی پر 333ء میں جب رومی شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کر لی، سینٹ پطرس کا گرجا تعمیر کرایا۔ سینٹ پطرس کے نام پر روم میں مورخین کے مطابق پانچ گرجا گھر تعمیر کئے گئے جن میں سب سے مشہور دارالحکومت میں بنایا جانے والا تھا۔ یہ بڑا کشادہ اور بڑا گرجا گھر ہے۔ اس میں ایک لائبریری، ایک خوبصورت پائیں باغ جسے مسیح جنت سے تعبیر کرتے ہیں اور ایک بڑا احاطہ شامل تھا۔ اس احاطے میں بہت سے فوارے لگائے گئے تھے۔ اس عظیم الشان گرجا گھر میں داخل ہونے کے پانچ دروازے تھے۔ اس کی ہر دیوار پر گیارہ کھڑکیاں نصب کی گئیں تھیں جن میں نبیوں اور ولیوں کی تصاویر تھیں اور ساتھ ہی عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کے اقتباسات آویزاں کئے گئے تھے۔ سینٹ پیٹر کا گرجا آج کل ریاست ویٹی کن Vatican میں واقع ہے جو ایک آزاد پاپائی ریاست ہے۔

361ء۔ شہنشاہ جولین کا ارتداد اور عہد مختصر

تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے اوائل میں مسیحیت کی آخری بڑی تعذیب شہنشاہ ڈائیوکلیشن کے ہاتھوں ہوئی اس کے بعد 311ء میں رواداری کا سرکاری فرمان جاری ہوا جس پر شہنشاہ گیلریئس نے دستخط کیے تھے جب وہ بستر مرگ پر تھا۔ شہنشاہ قسطنطین نے مسیحیت کے لیے

اس رواداری کی پالیسی کی تصدیق اپنے مشہور فرمان میلان کے ذریعے کی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ 325ء میں کلیساؤں کی ایک مجلس بمقام نیقیہ Nicaea خود قسطنطین کے زیر سرپرستی منعقد ہوئی۔ قسطنطین کے عہد سے عیسائیت جو اب تک شہنشاہان روما کا ایک معتوب مذہب چلا آ رہا تھا اس درجہ کو پہنچا کہ رومی سلطنت کا سرکاری مذہب بننے والا تھا مگر ابھی اس کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ آنے والی تھی۔ یہ تھا شہنشاہ جولین (361ء-363ء) کا ارتداد۔

قسطنطین اعظم کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کمزور ثابت ہوئے اور ان کے عہد میں افراتفری پھیلی رہی۔ باہر سے بربریوں نے ہجوم کیا۔ ایسے میں ایک بہادر شخص تخت پر بیٹھا جو بڑا فاضل تھا۔ اس نے سلطنت کے بکھرتے ہوئے نظام کو سہارا دیا۔ یہ تھا شہنشاہ جولین، اس نے فرینکوں پر بھی فتح حاصل کی لیکن چونکہ یہ مسیحیت کا منحرف تھا اس لیے مسیحی اسے جولین مرتد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شہنشاہ جولین کے عہد میں سلطنت روما کی پرانی بت پرستانہ حیثیت کو بحال کرنے کے لیے ایک آخری بڑی سرکاری کوشش عمل میں آئی لیکن مسیحیت کو جلد ہی عروج آنے والا تھا اس لیے یہ بہادر شہنشاہ صرف دو سال حکومت کر سکا اور جلد ہی اس نے میدان جنگ میں وفات پائی۔

شہنشاہ جولین رومیوں کے حکمران طبقے کی روایات پسندی سے گہری وابستگی رکھتا تھا۔ اسے اس کے حواریوں نے واقعی یہ یقین بھی دلایا تھا کہ مسیحی لوگ یونانی اور رومی ثقافت کی شائستگیوں کے خلاف مشرق کی ایک گھٹیا اوہام پرستی مسلط کر دینے کی فکر میں ہیں۔ یہ تہذیبی شائستگیاں صدیوں کی محنت و مشقت سے حاصل کی گئیں لہٰذا شہنشاہ نے ان کو بحال رکھنے کے لیے مسیحیت کی جگہ جو چیز جاری کرنا چاہی وہ یونان، مصر اور ایران کے مذہبی عقائد و اعمال کا ایک یاس انگیز ملغوبہ تھا اور اکبر اعظم کے ایجاد کردہ دین الٰہی کی طرح کی چیز تھا۔

شہنشاہ کانسٹینٹس دوم کی وفات پر جولین قیصر روم بنا وہ ایک جنگجو حکمران تھا اس نے گال قبائل کی سرکوبی کی تھی جو حکومت روما کے لیے دردسر بنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے روم کا داخلی خلفشار بھی دور کر کے کافی ناموری حاصل کی۔ عنان حکومت سنبھالتے ہی اس نے داخلی مسائل کے ساتھ سلطنت روما کی خارجہ پالیسی پر بھی توجہ دی۔ اس نے شہنشاہ ٹراجن کے نقش قدم پر چل کر مملکت ایران پر حملہ کرنے کا منصوبہ اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

جب شاہ ایران شاپور دوم کو جولین کی جنگی تیاریوں کی خبر پہنچی تو اس نے مصالحت کی کوشش کی

اور اپنا سفیر دربار روم میں بھیجا لیکن جولیئن نے سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایرانی سفیر سے بڑی نخوت اور خشونت سے پیش آیا جس کی وجہ سے ایرانی سفارت ناکام ہوگئی اور دونوں سلطنوں کے مابین جنگ ناگزیر ٹھہری۔ جولیئن ایک لاکھ کا لشکر تیار کر کے اور سرحدی عرب قبائل کو ساتھ ملا کر ایران پر 363ء میں حملہ آور ہوا۔ جولیئن کا ایک بڑا حلیف آرمینیا کا اشک بادشاہ تھا جو عیسائی ہو چکا تھا۔ چونکہ جولیئن مسیحیت ترک کر چکا تھا اس لیے آرمینیا نے اب روما کا ساتھ دینے میں ہچکچاہٹ سے کام لیا۔ اُدھر جولیئن نے مملکت ایران پر حملہ کرنے کے لیے اپنے تمام ملکی وسائل وقف کر دیئے اور انطاکیہ سے کوچ کر کے دریائے فرات کے کنارے پہنچا، یہاں سے کوچ کر کے وہ بابل آیا، ہاں سے اس نے آگے بڑھ کر قلعہ فیروز شاپور فتح کیا پھر دریائے فرات کے کنارے کنارے شاہی نہر تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ نہر فرات کو دجلہ سے ملاتی تھی اور یہاں سے طیسیفون (مدائن) کچھ دور نہ تھا۔

شاپور دوم نے دشمن کو دریائے فرات کے اس پار روکنے کی کوشش کی اور ہاتھیوں سے بھی کام لیا مگر ہزیمت اٹھائی اور ایرانی لشکر پسپا ہو کر طیسیفون کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوگیا۔ رومیوں کے حوصلے بڑھ گئے اب موقع تھا کہ جولیئن طیسیفون کا محاصرہ کر لیتا مگر اس نے ایسا نہ کیا اور دیگر ایرانی قلعے فتح کرنے میں لگا رہا یہاں تک کہ اس کے لشکر کو خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔

ایسی حالت میں شاپور دوم نے اچانک دھاوا بول دیا۔ میدان کارزار گرم تھا ایرانیوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ایسے میں ایک ایرانی نوجوان آگے بڑھا اور شہنشاہ جولیئن کو پہچانتے ہوئے اس نے اس کے دائیں پہلو میں اپنا نیزہ پیوست کر دیا۔ جولیئن اس بھاری زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور جان کی بازی ہار گیا۔ یوں تاج شہنشاہی پہننے کے صرف دو سال بعد اس نے وفات پائی اور مسیحیت کے راستے کی رکاوٹ خود بخود دور ہوگئی اور مسیحیت نے بہت جلد سابقہ حیثیت حاصل کر لی۔ بلکہ وہ ایسے درجہ پر جا پہنچی کہ اسے اب کسی شہنشاہ سے پھر کبھی کوئی خطرہ لاحق نہ رہا۔

ماخذ: تاریخ ایران مقبول احمد بیگ بدخشانی۔ تاریخ تہذیب، مولانا غلام رسول مہر

ایران بعہد ساسانیاں از کرسٹین سین۔

375ء۔ چندر گپت ثانی کی تخت نشینی

سمدر گپت کی وفات کے بارے میں مورخین یقینی معلومات فراہم نہیں کرتے کہ وہ بڑھاپے تک زندہ رہا اور کم و بیش نصف صدی تک نہایت کامرانی سے حکومت کرتا رہا۔ اس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے جانشین کا فیصلہ کر چکا تھا چنانچہ اس نے اپنی اولاد میں سے ملکہ دت دیوی کے بیٹے کو ولی عہد منتخب کیا۔ اس نے تخت نشینی (375ء) کے بعد اپنے دادا چندر گپت کا نام اختیار کیا اور چندر گپت دوم کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے علاوہ اس نے بکرماجیت (شمس الملک) کا لقب اختیار کیا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جو تاریخ ہندوستان میں اس نام کے تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ چندر گپت بکرماجیت کا سب سے اہم عسکری کارنامہ مالوا اور گجرات صوبوں سے گزرتے ہوئے بحیرہ عرب تک پہنچنا اور مہاراشٹر یا کاٹھیاواڑ کے جزیرے کی تسخیر ہے جس پر صدیوں سے بیرونی قوم سک کی حکمرانی تھی۔ یہ عسکری مہم 388ء سے 401ء کے درمیان پیش آئی۔ مہاراشٹر اور مالوا کی فتح سے نہ صرف زیادہ مستحکم اور زرخیز علاقے چندر گپت کے ہاتھ آئے، بلکہ مغربی ہندوستان کے دروازے گپت سلطنت پر کھل گئے۔ مغربی بندرگاہوں تک رسائی حاصل ہونے سے مصر کے راستے مغربی یورپ تک تجارت ہونے لگی۔

بعد کے زمانے میں خاندان مغلیہ کی طرح سوائے بانی خاندان کے مختصر عہد کے تمام گپت راجاؤں کا زمانہ حکومت خاصہ طویل رہا۔ چندر گپت دوم نے کم و بیش چالیس سال حکومت کی اور 403ء تک زندہ رہا۔ اس کے ذاتی اوصاف سے اگرچہ ہم بے خبر ہیں مگر اس کی زندگی کے حالات وواقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک زبردست اور قوی بادشاہ تھا۔ ہر پہلو سے ایک وسیع سلطنت پر حکومت کرنے اور اس کو مزید وسعت بخشنے کا اہل تھا۔

اگرچہ اس کے عہد میں سرکاری طور پر پاٹلی پتر اب بھی دارالحکومت سمجھا جاتا تھا لیکن سمدر گپت کی وسیع فتوحات کے بعد شہنشاہ گپت نے وہاں سے سکونت ترک کر دی تھی۔ اجودھیا کو حکومت کا صدر مقام بنا دیا گیا تھا۔ غالباً چندر گپت دوم نے یہاں تانبے کے سکوں کی ٹکسال بھی قائم کر دی تھی۔ اس عہد کی تاریخی معلومات مشہور چینی سیاح فاہیان کے سفرنامے سے ملی ہیں۔ وہ 407ء تا 411ء ہندوستان کی سیاحت کر رہا تھا۔ بکرماجیت کے بعد اس کا بیٹا کمار گپت 413ء میں تخت نشین ہوا اور اس نے بھی تقریباً 40 سال حکومت کی۔

خاندان گپت کا زمانہ 300ء سے 650ء تک اور خاص کر چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں بہت سے علوم وفنون میں علمی تلاطم بپا ہوا۔ اس عہد کا مقابلہ تاریخ انگلستان میں ملکہ ایلزبتھ اول کے عہد سے کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں کالی داس کی شہرت کے سامنے دیگر مصنفین کی شہرت ماند پڑ گئی جس طرح عہد ایلزبتھ میں شیکسپیئر کی شہرت کے مقابلے میں دیگر لکھنے والوں کی شہرت ماند پڑ گئی تھی۔

ریاضی اور علم ہیئت کے فنون میں اس عہد کی مشہور شخصیت آریہ بھٹ ہے اسی عہد میں ورہا میہر (م 587ء) جیسے مشاہیر پیدا ہوئے۔ اسی عہد میں ہندوستان میں فن سنگتراشی اور فن تعمیر میں بھی خصوصی ترقی ہوئی اور مصوری کو بھی جلا ملی۔ مصوری کے جو نمونے اجنتا اور سری لنکا کے مقام سیگریا (979ء-497ء) میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن بھی اسی قدر یا اس سے بھی زیادہ کامیابی سے جاری تھا۔ شاہان گپت کے بعض سونے کے سکے ہی تمام ہندی سکوں میں اس قابل ہیں کہ انہیں فنون لطیفہ کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

ماخذ: قدیم تاریخ ہند از وی اے سمتھ۔ ترجمہ پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن جامعہ عثمانیہ

381ء۔ مسیحیت سلطنت روما کا سرکاری مذہب قرار پائی

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے۔ پہلی صدی عیسوی میں مسیحیت دنیا کا سب سے زیادہ زیر عتاب وتعذیب اور مظلوم ترین مذہب تھا اور مختلف رومی بت پرست شہنشاہ اسے خود مسیحیوں کے خون سے غسل دے رہے تھے۔ یہ تعذیب وعتاب کا عمل چوتھی صدی کے اوائل تک جاری رہا۔ 311ء میں پہلی مرتبہ سلطنت روما کی طرف سے رواداری کا سرکاری فرمان جاری ہوا جس پر اس وقت کے شہنشاہ گیلیریئس نے بستر مرگ پر لیٹے لیٹے دستخط کئے۔ اس کے بعد شہنشاہ قسطنطین کے مسیحیت قبول کرنے کے بعد سے مسیحیت کے دن پھر گئے۔ اگرچہ وہ سلطنت کے سرکاری مذہب کا درجہ حاصل نہ کر سکی مگر اس کا دور ابتلا ختم ہو گیا۔ قسطنطین اعظم کے پچاس برس بعد شہنشاہ تھیو ڈوسئس اول نے مسیحیت کو سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا اور اب وہ ایسے درجہ پر جا پہنچی کہ پھر کبھی اسے کوئی بڑا خطرہ لاحق نہ ہوا۔ عمل معکوس کے طور پر اب ماضی کے ظالموں یعنی بت پرستوں پر تشدد شروع ہو گیا اور بت پرستی کے شک میں اس وقت کی دنیا کے بہت سے علمی مراکز اور

خوبصورت عمارات تک کو ختم کر دیا گیا۔ مسیحیت کا محسن تھیوڈوسیئس بت پرستی کا بہت بڑا دشمن ثابت ہوا۔

یہ محسن مسیحیت تھیوڈوسیئس Theo Dosius (379ء-395ء) سپین کے صوبہ گیلیشیاء میں (347ء) پیدا ہوا۔ اس کا باپ تھیوڈوسیئس ایلڈر رومی افواج میں جرنیل کے عہدے پر فائز تھا۔ جب 374ء میں وہ محلاتی سازشوں کا شکار ہوا اور اسے شہنشاہ وقت نے اس کے دشمنوں کے کہنے پر سزائے موت دی تو ابھی تھیوڈوسیئس کمسن تھا۔ وہ اس حادثہ سے بددل ہو کر سپین واپس چلا گیا۔ جہاں اس نے 376ء میں ایک ہسپانوی خاتون سے شادی کی۔ اسی خاتون کے بطن سے مستقبل کا بازنطینی شہنشاہ آرکیڈیئس Arcadius پیدا ہوا۔

اگست 378ء میں مشرقی سلطنت کا شریک شہنشاہ ویلنز Valens مغربی گاتھوں کے ہاتھوں ایک جنگ میں مارا گیا جس کی وجہ سے شہنشاہ گریشن Garation کو ایک ہمدرد کی ضرورت پیش آئی اور اس نے اچانک غیر متوقع طور پر تھیوڈوسیئس کو دربار میں طلب کر کے اس کے باپ کے فوجی عہدے پر بحال کر دیا۔ اس عہدے پر فائز ہو کر جلد ہی اس نے اپنی خاندانی عسکری قابلیت و لیاقت کا ثبوت دیا جس کے نتیجے میں 19 جنوری 379ء کو شہنشاہ گریشن نے اسے اپنا شریک کار بنانے کا اعلان کیا۔ اس طرح سلطنت کے مشرقی حصے کے اختیارات اس کے حصے میں آ گئے خصوصاً رومانیہ اور مقدونیہ کے صوبے اس کے زیر نگین آ گئے۔ 379ء سے 380ء تک تھیوڈوسیئس نے تھیسلونیکا Thessalonica میں قیام پذیر رہا اور اس نے اپنی افواج کو ترتیب نو دی۔

شہنشاہ تھیوڈوسیئس کا رجحان مسیحیت کی طرف بہت زیادہ تھا اس لیے اس نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی پہلی نیقیہ کونسل کی طرز پر مسیحیوں کا دوسرا بڑا مذہبی اجتماع 381ء کے موسم بہار میں قسطنطنیہ میں بلایا۔ اس اجلاس میں مورخین کے مطابق ایک سو پچاس پادری اور تین بڑے مذہبی پیشوا اکٹھے ہوئے مگر روم کا بشپ شریک نہ ہوا۔ اس کونسل کا بنیادی مقصد پہلی نیقیہ کونسل کی کارروائیوں کی تصدیق کرنا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کونسل نے آخری مکمل نیقیائی عقیدے کی تشکیل کی اور عقیدہ تثلیث کو مسیحیت کی بنیاد قرار دیا۔ اسی کونسل میں قسطنطنیہ کے آرتھوڈوکس چرچ کا بشپ سینٹ گریگوری نازی این زین کو بنایا گیا۔ قسطنطنیہ کے بشپ کا عہدہ پاپائے روم کے بعد کلیسائی نظام کا سب سے بڑا عہدہ قرار پایا۔ اس کونسل کے انعقاد کے بعد شہنشاہ نے مسیحیت کو

سلطنت روم کا سرکاری مذہبی قرار دیا۔ تھیوڈوسیئس کی اس احیا مذہب تحریک نے جہاں مسیحیت میں حیات نو کی روح پھونک دی وہیں یہ مذہبی جنونیت اس وقت کی دنیا کے علمی مراکز اور علمی اداروں کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوئی۔ اسی تحریک کے دوران سکندریہ کی دوسری بڑی لائبریری جو ملکہ قلوپطرہ نے پرگام کے کتب خانے سے کتابیں حاصل کر کے قائم کی تھی مسیحیوں نے نذر آتش کر دی۔ اس کے ساتھ ہی لائبریری سے ملحقہ مندر جو اسی ملکہ نے تعمیر کروایا تھا تباہ کر دیا گیا۔ اسی طرح ایتھنز میں افلاطون کی قائم کردہ اکیڈیمی جو 387ء ق م سے علوم کا مرکز چلی آ رہی تھی، اس پر اسی تحریک کے زیر اثر قدغن لگا دی گئی۔ اولمپک کھیل جو تقریباً 776 ق م میں شروع ہوئے تھے بت پرستوں کے کھیل قرار دے کر شہنشاہ کے حکم پر موقوف کر دیئے گئے۔

383ء میں شہنشاہ گریشن کی وفات کے بعد تھیوڈوسیئس سلطنت روما کے دونوں متحد حصوں کا آخری تنہا حکمران بن گیا۔ اس کے بعد کوئی دوسرا رومی شہنشاہ مشرقی اور مغربی حصوں کو متحد نہ رکھ سکا۔ ان دونوں حصوں کو متحد رکھنے کے لیے شہنشاہ کو جو عسکری کارروائیاں کرنا پڑیں ان کی وجہ سے شہنشاہ کی صحت پر بڑا برا اثر پڑا اور 395ء میں میلان (اٹلی) میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 11 صفحہ 689۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا مقالہ ''قسطنطنیہ کونسل''

390ء۔ فاہیان ہندوستان کے سفر پر

فاہیان پانچویں صدی کے آغاز میں ہندوستان آنے والے ایک چینی سیاح کا مذہبی نام ہے۔ یہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ چین کے صوبے شانسی میں پیدا ہوا، اس کا اصلی نام ''سی ہی'' تھا۔ مگر اپنے مذہب سے لگاؤ کی وجہ سے چین میں ''فاہیانگ'' اور برصغیر پاک و ہند میں ''فاہیان'' کے نام سے مشہور ہے۔

فاہیان کے زمانے تک بدھ مت کو چین میں شاہی سرپرستی حاصل تھی اور اسے سرزمین چین پر پہنچے تین سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بدھ مت کی بہت سی باتوں کا چین میں علم نہیں تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بدھ مت کے متعلق اکثر کتب کی زبان سنسکرت تھی اور یہ کتابیں بھی صرف ہندوستان سے مل سکتی تھیں۔ یوں بدھ مت کا کتابی علم نہ ہونے کی وجہ سے سنی سنائی باتوں کو شامل مذہب کر لیا گیا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی عالم

ہندوستان جائے اور وہاں سے بدھ مت کی مذہبی کتب چین لائے تاکہ بدھ مت سے سنی سنائی باتوں کو خارج کیا جاسکے اور خالص تر مذہبی اصول حاصل کئے جاسکیں۔ انہیں حالات نے فاہیان کو ہندوستان کے سفر پر آمادہ کیا۔ اس زمانے چین سے ہندوستان آنا اتنا آسان نہیں تھا۔ چین اور ہندوستان اگرچہ ہمسایہ ممالک ہیں مگر ان کے درمیان فاصلہ بہت طویل اور کٹھن ہے۔ فاہیان کے زمانے میں دونوں ملکوں کے درمیان سفری وسائل موجود نہ تھے، نہ سڑکیں تھیں نہ سفر کی کوئی اور سہولت۔ راستہ پُر خطر اور مشکلات سے بھرا ہوا تھا اس لیے اس راستے پر نکلنے والے مسافروں کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ واپس اپنے گھر لوٹ سکیں گے یا نہیں؟

فاہیان کے سفر میں بھی یہ سب رکاوٹیں حائل تھیں۔ سب سے بڑی مشکل صحرائے گوبی کو عبور کرنا تھا جہاں سے کوئی قسمت والا ہی زندہ وسلامت لوٹتا تھا۔ اس صحرا کو عبور کئے بغیر چین سے ہندوستان پہنچنا ناممکن تھا۔ یہ صحرا جنوبی مانچوریا سے سنکیانگ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً چار لاکھ اسی ہزار مربع کلومیٹر ہے جو تقریباً پاکستان کے رقبے کے برابر ہے۔ اُس زمانے میں ان علاقوں کی آبادی بھی بہت کم تھی۔ صحرا تو صحرا عام طور پر سینکڑوں میل کے بعد ہی کوئی انسانی آبادی نظر آتی تھی۔ یا تو ہر طرف ریت ہی ریت نظر آتی یا پھر سنگلاخ چٹانیں جہاں قطب شمالی کی منجمد کر دینے والی ہوا چلتی تھی۔

فاہیان نے اپنے سفر ہندوستان کو ایک کتابی شکل دی تھی جو اب تک موجود ہے اور اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے جہاں سے یہ اب اردو میں بھی منتقل ہو چکا ہے۔ اپنے سفرنامے میں فاہیان صحرائے گوبی کے متعلق لکھتا ہے کہ اس صحرا میں ہر قسم کی بری روحیں پائی جاتی ہیں۔ تیز ہوائیں چلتی ہیں، ان ہواؤں کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اکثر مسافر اثنا راہ میں مر جاتے ہیں۔ فضا میں کوئی پرندہ بھی دکھائی نہیں دیتا، نہ ہی زمین پر کوئی چرند ہی دکھائی پڑتا ہے۔ ریت کے تودوں کی یکسانیت کی وجہ سے راستہ تلاش کرنا ناممکن ہے۔ ہاں ریت میں دبی ہوئی انسانی ہڈیاں ضرور ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان پہلے بھی یہاں سے گزرے تھے کہ جن کی یہ بقایا جات ہیں۔ جو یہاں سے آگے کبھی نہ جاسکے۔

فاہیان 399ء میں سفر ہندوستان پر نکلا۔ اس وقت چین پر شہنشاہ یوہسنگ کی حکومت تھی۔ فاہیان چین کے مختلف شہروں سے گزرتا ہوا صحرائے گوبی میں داخل ہوا اور راستے کی کٹھنائیاں برداشت کرتا ہوا کئی ماہ کی مسافت کے بعد ختن پہنچا۔

طویل صحرا عبور کرنے کے بعد فاہیان کے لیے ختن ایک نخلستان سے کم نہیں تھا۔ یہ شہر دریائے ختن کے کنارے آباد تھا۔ جو قریب ہی کے ایک پہاڑ سے بہہ کر ختن کو سیراب کرنے کے بعد کچھ آگے صحرا کی پہنائیوں میں کھو جاتا ہے۔ یہ شہر اس زمانے میں بھی شاہراہ ریشم پر ایک مشہور شہر تھا۔ چین سے مغرب کی طرف جانے والے تجارتی قافلے یہاں رکتے اور تازہ دم ہو کر اپنی منزلوں کو روانہ ہو جاتے تھے۔

فاہیان نے بھی کچھ روز یہاں قیام کیا اور سفری ضرورتوں کا سامان اکٹھا کر کے آگے بڑھا۔ ختن کے بعد وہ دو اور مشہور شہروں یارقند اور کاشغر میں ٹھہرا۔ یہاں تک صحرا کا علاقہ پھیلا ہوا تھا۔ اس سے آگے صحرا ختم ہو گیا اور پہاڑی سلسلے شروع ہو گئے۔ پہاڑوں کا سفر بھی صحرا کے سفر سے کم خطرناک نہ تھا۔ یہ مشہور زمانہ ''دنیا کی چھت'' پامیر کا پہاڑی سلسلہ تھا جہاں ہر قدم پر نئی مشکل اس کا استقبال کر رہی تھی۔

پامیر کے سلسلے سے گزر کر فاہیان کوہ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے میں داخل ہوا۔ ان مشکل راستوں سے گزرتے ہوئے اسے ہندوستان کے شمال مغربی (موجودہ پاکستان) علاقے میں داخل ہونے تک تین سال لگے۔ ہمارا آج کل کا صوبہ سرحد اور سوات اشوک اعظم کے زمانے سے بدھ مت کے بڑے مرکز چلے آ رہے تھے۔ سوات کو اس زمانے میں رودیانہ کہتے تھے۔ یہاں بدھ مت کے مندروں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ علاقہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کی نسبت بدھ مت کے لیے زیادہ زرخیز ثابت ہوا تھا۔ یہاں ان دنوں ایسی روایات اور کہانیاں موجود تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ مہاتما بدھ اس علاقے میں ضرور آئے تھے۔ یہ کہانیاں فاہیان نے اپنے سفرنامے میں تحریر کیں ہیں۔

یہاں سے فاہیان پرش پور (پشاور) اور پشکل وتی (چارسدہ) ہوتا ہوا ٹیکسلا پہنچا۔ یہ علاقہ ان دنوں گندھارا کہلاتا تھا۔ ٹیکسلا تکشلا کہلاتا تھا اور یہاں قدیم زمانے سے ایک یونیورسٹی بھی موجود تھی۔ فاہیان نے یہاں اگلے دو سال تک قیام کیا۔

گندھارا میں دو سال قیام کے بعد فاہیان موجودہ پنجاب سے ہوتا ہوا وسطی ہندوستان پہنچا لیکن یہاں بدھ مت کے پیروکاروں کی حالت اتنی اچھی نہ تھی جتنی گندھارا اور سوات میں تھی۔

ہندوستان پر ان دنوں گپتا خاندان کی حکومت تھی اور ہندو مت عروج پر تھی اور یہ مہدا اس کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ ہندو برہمن بدھ مت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ فاہیان وسطی ہند سے شمال پلی پتا

میں بھی دو سال ٹھہرا۔ اس نے یہاں سنسکرت کی کئی کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ کیا پھر وہ بنگال گیا۔ اس علاقے میں بدھ مت مہاتما کی زندگی ہی میں پہنچ گیا تھا یہاں وہ ملاناپور ٹھہرا اور اس نے سنسکرت کی کئی اور کتابوں کے چینی ترجمے مکمل کئے۔

فاہیان نے اپنے سفر نامے میں گپتا عہد کے ہندوستان کی جو تصویر پیش کی ہے اس سے اس عہد کی تاریخ مرتب کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ ہندوستان کے بعد فاہیان سری لنکا پہنچا یہاں بھی اس نے دو سال قیام کیا اور بدھ مت کی بہت سی اہم کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ لنکا سے واپسی پر وہ چین واپس آ رہا تھا کہ اس کے جہاز کو ایک بڑے سمندری طوفان نے آ لیا۔ مسافر اپنا زائد سامان سمندر میں پھینکنے لگے۔ کتابوں کو بچانے کے لیے فاہیان نے اپنا دیگر سامان سمندر کی نظر کر دیا۔ تیرہ دن بعد جب یہ طوفان تھما تو وہ ایک جزیرے پر لنگر انداز ہوئے جو آج کا سماٹرا (انڈونیشیا) ہے۔ یہاں سے فاہیان جاوا آیا جہاں اس نے پانچ ماہ قیام کیا۔ جاوا سے ایک تجارتی بحری جہاز کے ذریعے وہ پھر چین روانہ ہوا لیکن راستے میں اس کا یہ بحری جہاز بھی طوفان میں گھر گیا۔ طوفان میں گھرنے کے بعد جہاز پر سوار برہمنوں نے جہاز کے کپتان کو کہا کہ ہم سب اس شخص کو جہاز سے اُتار دیں تو ہم اس مصیبت سے بچ سکتے ہیں۔ لیکن فاہیان کے ایک ہمدرد نے برہمنوں کے اس فیصلے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایک انسانی جان کو کھلے سمندر کی نذر ہونے سے بچا لیا۔ لگاتار 82 دن کے بحری سفر کے بعد یہ جہاز چین کے جنوبی ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔

یوں فاہیان نے چینیوں کو بدھ مت کی کتب فراہم کرنے کے لیے صحراؤں، سنگلاخ چٹانوں، برفیلے پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں اور سمندروں میں سفر کیا اور جن علاقوں سے گزرا وہاں کا حال اپنے سفر نامے میں لکھتا گیا۔ اس کا یہ سفر نامہ چوتھی اور پانچویں صدی کے ہندوستان کی تاریخی، جغرافیائی بلکہ سماجی تصویر ہے اور اس زمانے کے ہندوستانی معاشرے کے متعلق قیمتی معلومات فراہم کرتا ہے۔

ماخذ: دو چینی سیاح، تابش صدیقی۔ فاہیان کا سفر نامہ ہند، یاسر جواد
Encylopedia Britannica۔ ''دنیا کے مشہور اکتشافی سفر''

399ء۔ یزدگرد گنہگار کا قبول عیسائیت

یزدگرد کو جو 399ء میں تخت ایران پر بیٹھا اس کے ہم وطنوں نے ''گنہگار'' کا لقب دیا۔ یہ لقب تاریخ ایران میں اس کے نام کا حصہ بن گیا۔ مورخین نے اس لقب کی متعدد وجوہات دیں ہیں جن میں سے پہلی یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنا قدیمی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی جس کی وجہ سے وہ ایرانیوں کی نظر میں اثیم یا گنہگار ٹھہرا۔ دوسری یہ کہ اس نے اپنے عہد میں عیسائیوں کو اتنی کھلی چھٹی دی کہ انہوں نے اپنے گرجوں کے آس پاس کے آتش کدے تباہ کر دیئے۔ تیسری وجہ اس کا غرور اور نخوت تھی جو اسے سخت گیری پر مائل کرتی تھی جس کی وجہ سے اس کی رعایا اسے یزدگرد گنہگار کے نام سے یاد کرتی تھی۔

مشرقی روم کی سلطنت سے یزدگرد کے زمانے میں خصوصی تعلقات قائم کئے گئے اس کی بڑی وجہ بادشاہ کی امن پسندی تھی۔ اگرچہ اس کے عہد میں روم زوال پذیر تھا 410ء میں الاری قبائل کے ہاتھوں سقوط روم کا سانحہ پیش آیا۔ ان حالات سے اگر یزدگرد فائدہ اٹھانا چاہتا تو کشور کشائی کر سکتا تھا مگر اس نے روم کی بدامنی سے فائدہ نہ اٹھایا۔ قسطنطیہ سے اس کے مراسم اتنے گہرے ہو گئے تھے کہ جب قیصر آرکیڈیئس Arcadius قریب المرگ ہوا تو اس وقت اس کا ولی عہد سلطنت تھیوڈوسیئس Theo Dusius ابھی گہوارے میں تھا۔ اسے فکر ہوئی کہ اس کے بعد کم سنی میں اسے ایرانی حملوں سے کیسے بچایا جائے۔ اس نے وصیت کی کہ شہزادے کو تربیت کی خاطر شہنشاہ ایران کے سپرد کر دیا جائے۔ اس طرح چور کو کوتوال بنانے سے اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ اُدھر شہنشاہ ایران یزدگرد نے بڑی خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور اس نے ایک تجربہ کار ایرانی اتالیق رومی شہزادے کی تربیت کے لیے قسطنطنیہ بھجوا دیا اور ساتھ ہی رومی سینٹ کو اپنے نمائندے کے ذریعے آگاہ کر دیا کہ جو شخص بھی رومی شہزادے کی بدخواہی کرے گا ایران کا دشمن سمجھا جائے گا۔ یوں جب تک یزدگرد زندہ رہا وہ رومی سلطنت اور رومی شہزادے کی خیر خواہی کرتا رہا۔

یزدگرد نے اپنی عیسائی رعایا کی بڑی دلداری کی یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ قدیمی آتش پرست سلطنت کا یہ شہنشاہ خود بھی مسیحی بن گیا اور اس نے عیسائیوں کی استدعا پر وہ گرجے بھی دوبارہ تعمیر کروا دیئے جو شاپور اعظم نے اپنے عہد میں مسمار کروائے تھے۔ عیسائی رعایا ہی کے اصرار پر 410ء میں شہنشاہ نے عیسائی امور کی ایک کانفرنس سلوکیہ میں منعقد کروائی جس کا افتتاح شہنشاہ ایران کے لیے سلامتی کی دعا سے ہوا۔ اسی طرح یزدگرد یہودیوں سے بھی رواداری سے پیش آیا۔ خود اس کی

ملکہ ایک یہودی عورت تھی۔ لیکن آخر میں اس نے عیسائیوں کے متعلق اپنے نظریات بدل لیے اور عیسائیت کو ترک کر کے وہ اپنے آبائی دین پر لوٹ گیا۔ شاید اس کی وجہ عیسائیوں کی وہ دیدہ دلیری تھی کہ وہ آتش پرستوں اور ان کے معبدوں کو نقصان پہنچانے تک پر اُتر آئے تھے۔ عیسائیوں کی ایسی چیرہ دستیوں سے یزدگرد کے دل میں عیسائیت سے نفرت بیٹھ گئی اور اس کا شفیق ہاتھ آلہ ستم بن گیا۔

یزدگرد 420ء میں فوت ہوا۔ ایرانی مورخین نے ایک عجیب واقعہ اس کی وفات کے لیے بیان کیا ہے۔ ایک دن یزدگرد جرجان میں اپنا دربار منعقد کیے ہوئے تھا کہ ایک غلام حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ محل کے دروازے پر ایک ایسا خوبصورت گھوڑا کھڑا ہے کہ جس کے نہ لگام ہے اور نہ زین وہ کسی شہ زور سے شہ زور انسان کے قابو میں نہیں آ رہا۔ یزدگرد اس کی یہ باتیں سن کر خود وہ گھوڑا دیکھنے کے لیے نکلا اور گھوڑے کی خوبصورتی سے مسحور ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ خود اس نے بھی گھوڑے پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اسی کوشش میں جب وہ گھوڑے کے پیچھے سے اس پر سوار ہونے لگا تو گھوڑے نے ایسی دولتی ماری کہ بادشاہ وہیں گر گیا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں بھی رقم کیا ہے۔ یزدگرد کے متعلق یورپی مورخین کی رائے بہت اچھی ہے اور وہ اسے جواں مرد نیکوکار اور بامروت بادشاہ لکھتے ہیں جبکہ ایرانی اسے ''گنہگار'' کا لقب دیتے ہیں اور اسے ایک سخت گیر بادشاہ تصور کرتے ہیں۔ یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ رومی شہزادے کی تربیت کرنے والا یہ بادشاہ خود اپنے ولی عہد بہرام گوا کی تربیت صحرائے عرب میں کرواتا ہے۔ بہرام نے ریاست حیرہ کے عرب حکمران کے ہاں جو ایران کا باجگزار تھا پرورش پائی۔

حیرہ کوفے کے قریب ایک قدیم عرب شہر تھا۔ شاپور اعظم نے اپنے عہد میں اس عرب ریاست کو عمرو بن امرء القیس کے حوالے کیا تھا۔ اب یزدگرد نے نعمان بن امرء القیس کو جو اس کے عہد میں حیرہ کا حکمران تھا بلا کر نہایت عزت و تکریم کے ساتھ اپنے بیٹے کی تربیت کا کہا۔ نعمان بہرام کو اپنے ساتھ لے گیا اور اس نے صحرا عرب میں ایک بلند و بالا محل اس ایرانی شہزادے کی تربیت کے لیے تعمیر کروایا۔ یہ محل ''خورنق'' کے نام سے مشہور ہوا۔ نعمان نے بہرام کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی بلکہ اسے علم سکھانے کے لیے عرب و ایران کے بڑے جید علما کو حیرہ بلایا اور علوم کے ساتھ ساتھ اسے شہ سواری اور علوم حرب کی تربیت خود دی۔

ماخذ: صفحہ نمبر 408 تاریخ ایران مقبول بیگ بدخشانی

Decline and Fall(439)A HIstory Of Ancient Percia

ایران بہ عہد ساسانیاں، کرسٹن سین

410ء۔ سقوط روم

رومانیہ کے بربر قبائل میں وزگاتھ بڑے زور آور تھے اسی قبیلے کے ایک سردار ایلارک Alaric (370ء-410ء) نے اگست 410ء رومیوں کے دارالسلطنت روما کو تاراج کیا جس سے مغربی سلطنت روم کا سقوط ہو گیا اور صرف مشرقی سلطنت روم، قسطنطنیہ میں تقریباً اگلے ایک ہزار سال تک قائم رہی۔ اس طرح یہ واقعہ سلطنت روما کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایلارک پہلے رومی افواج کے گوتھ دستوں کے کمانڈر کے طور پر رومی افواج میں خدمات انجام دیتا تھا اور اسے گھر کے بھیدی کی حیثیت حاصل تھی۔ انہیں دنوں وزگاتھوں کو مشرقی سلطنت کے (397ء) شہنشاہ آرکیڈیئس Arcadius نے وہ مراعات نہ دیں جن کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا تو ایلارک نے جو اب رومی افواج کی خدمات چھوڑ چکا تھا، قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا مگر رومی افواج نے اس کا حملہ ناکام بنا کر اسے جنوب کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا، وہ یونان کی طرف نکل گیا اور اس نے کورنتھ، میگارا، آرگوس اور سپارٹا کو تاراج کیا، اگرچہ رومی افواج نے اسے شکست دی تھی مگر پھر بھی شہنشاہ آرکیڈیئس نے اسے راضی کرنے کے لیے وزگاتھوں کو ان کی مطلوبہ مراعات دینے کا اعلان کر دیا اور ایلارک کو بھی ایک فوجی عہدہ پیش کیا جس سے وہ مشرقی سلطنت کے خلاف نہ رہا۔

401ء میں ایلارک نے مغربی سلطنت پر حملہ کر دیا مگر اسے ایک رومی جرنیل فلیویئس سٹلکو Flavius Stilicho نے پولی نیزا Pollenza کے مقام پر 6 اپریل 402ء کو شکست دی اور وہ جزیرہ نما اٹلی چھوڑنے پر مجبور ہو گیا لیکن جلد ہی اس نے دوبارہ حملہ کیا مگر اسے اس بار بھی شکست ہوئی۔ دوسری مرتبہ شکست کھانے کے بعد اس نے رومی سینٹ کے ارکان سے مطالبہ کیا کہ اس کے قبیلے کو وہ مراعات دی جائیں جو انہیں مشرقی سلطنت روم میں حاصل ہیں۔ 408ء میں جرنیل سٹلکو کو قتل کر دیا گیا۔ ساتھ ہی روم میں ایک ایسا گروہ برسر اقتدار آ گیا جو وزگاتھوں کے خلاف تھا۔ انہوں نے رومی افواج کو وزگاتھوں کے بیوی بچے قتل کرنے پر اکسایا جس سے وزگاتھ ان کے خلاف ہو گئے۔ ایلارک نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی عسکری طاقت کو بڑھایا اس کے باوجود وہ پُرامن رہنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے مطالبات مغربی سلطنت کے شہنشاہ فلیویئس ہونوریئس Flavius Honorius کو پیش کیے مگر شہنشاہ نے اس کے مطالبات کو ٹھکرا دیا۔ ایلارک نے جوابی کارروائی کے طور پر روم کا محاصرہ کر لیا (408ء)

چونکہ اب جنرل سٹلکو جیسا کوئی بہادر رومی جنرل اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے موجود نہیں تھا اس لیے رومی سینٹ نے اس کے مطالبات منظور کرنے کا اعلان کیا اور شہنشاہ کے ساتھ اس کے مذاکرات کرانے کا انتظام بھی کیا مگر شہنشاہ اپنی ضد پر اڑا رہا اور اس کے مطالبات پر التفات کی نظر نہیں ڈالی۔ 409ء میں ایلارک نے ایک بار پھر روم کا محاصرہ کر لیا۔ ایلارک نے اپنی پسند پر مغربی سلطنت کا نیا شہنشاہ اٹلس نامی شخص کو بنانے کا اعلان کیا جس نے خود ایلارک کو شہری اور دفاعی امور کا سربراہ مقرر کیا مگر اسے افریقہ پر فوج کشی کی اجازت نہ دی۔ اس دوران شہنشاہ ہونوریس سے مذاکرات کا ایک اور دور ناکام ہو گیا اور 410ء کے موسم گرما میں ایلارک نے تیسری بار روم کا محاصرہ کر لیا۔ اس بار چونکہ شہر میں اس کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہو چکی تھی اس لیے 24 اگست 410ء کو انہوں نے شہر کے دروازے ایلارک پر کھول دیئے اور ایلارک اور اس کی فوج شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ روم کی تاریخ میں 800 سال بعد کسی غیر ملکی نے روم کو فتح کرنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ وزگاتھوں نے دل کھول کر شہر کو لوٹا اور تاراج کیا لیکن انہوں نے روم کے شہریوں کو کوئی جانی نقصان نہیں پہنچایا۔ 3 دن کے اندر ایلارک اور اس کی افواج نے روم چھوڑ کر شمال کا رخ کیا اور سسلی کی جانب بڑھے۔ اثنا راہ میں ایلارک نے وفات پائی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس کا قصد افریقہ فتح کرنا تھا جہاں سے اٹلی کے لیے غلہ آتا تھا لیکن اس کا بحری بیڑا تباہ ہو گیا۔ اس وجہ سے اسے واپس لوٹنا پڑا تھا، اسی دوران اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کے ایک نسبتی بھائی نے وزگاتھوں کی سرداری قبول کی۔ اس نے اپنی فوجیں لے کر پھر شمالی سمت کا رُخ کیا۔ وہ ایلپس کو عبور کر کے وہ گال (فرانس) پہنچا، وہاں سے ہسپانیہ کی طرف ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ 405ء میں وہ بھی مارا گیا مگر ہسپانیہ میں وزگاتھوں نے کئی بادشاہیاں قائم کر لیں، ان بادشاہیوں میں سب سے زیادہ اہم وہ بادشاہی تھی جو اندلس میں مسلمانوں کے حملے (711ء) تک قائم رہی اور مسلمانوں کے ہاتھوں اختتام کو پہنچی۔ رومنوں نے شہنشاہ جسٹینین کے عہد میں ہسپانیہ پر حملہ کیا تھا لیکن وہ صرف جنوبی اور مشرقی ہسپانیہ کو فتح کر سکا تھا جسے وزگاتھوں نے بعد ازاں ان سے واپس لے لیا تھا۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول عنوان ''ایلارک''

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد دوم از ولیم لینگر، ترجمہ مولانا غلام رسول مہر

410ء۔کالی داس، سنسکرت ادب کی عظیم ترین شخصیت

کالی داس کا نام دنیائے ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ ادبیات عالم کے چند منتخب ادیبوں میں شمار کیا جاتا ہے وہ سنسکرت زبان کا نمائندہ شاعر اور ڈراما نویس ہے۔ اس کے حالات زندگی، یہاں تک کہ زمانہ کا تعین بھی صحیح طور پر نہیں کیا جا سکتا بجز اس کے کہ وہ چندر گپت بکرماجیت کے دربار سے وابستہ اور اس کا مقرب تھا۔ مورخین نے 410ء کو اس کا سن پیدائش بتایا ہے وہ اجین کے قریب پیدا ہوا، اجین اس زمانے میں علم و ادب اور طب و ویدک کا مرکز تھا۔ بعض مورخین نے اسے پہلی صدی عیسوی کا باسی اور وکرمادتیہ راجہ کے دربار سے منسوب بتایا ہے۔ بہر حال خود ہندو قوم کی طرح اس کے اس شاعر کی تاریخ بھی افسانوی دھندلکوں میں چھپی ہوئی ہے۔ عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ کالی داس برہمن تھا اور عقیدے کے اعتبار سے وہ شیو کا پجاری تھا لیکن وسیع المشرب ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کے دوسرے دیوتاؤں کو بھی مانتا تھا۔

کالی داس کے تین ڈرامے دستیاب ہیں۔ ''شکنتلا'' ان میں سب سے زیادہ مشہور ہے، یہ کئی بار دنیائے مغرب میں بھی اسٹیج پر پیش کیا گیا ہے، یہ ایک دوشیزہ بنام شکنتلا کی داستان ہے جس سے بادشاہ دشینت شادی کرتا ہے بادشاہ پر جادو کیا جاتا ہے اور وہ اپنی دلہن کو بھول جاتا ہے تا آنکہ ایک انگوٹھی جو اس نے اُسے دی تھی ایک مچھلی کے جسم میں پائی جاتی ہے۔ کالی داس کے دو اور ڈرامے ''وکرم اردوسی'' اور ''میگھ دوت'' ہیں۔ ان ڈراموں کے علاوہ اس کی دو رزمیہ نظمیں ''کمار سمبھو'' اور ''رگھو ونش'' ہیں ان رزمیوں میں اس نے مناظر قدرت اور واقعات جنگ کے بیان کا خوشگوار امتزاج پیش کیا ہے کالی داس کی دوسری نظمیں زیادہ مختصر اور قریب قریب غنائیہ ہیں۔ ''میگھ دوت'' میں اس نے ہندوستان کے ان مقامات کا ذکر کیا ہے جن کے اوپر سے ایک بادل گزرتا ہے جو ایک خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان بمنزلہ پیغام بر سفر کرتا ہے۔ اہل ہندوستان سال کو چھ موسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ کالی داس نے اپنی نظم ''رتو سمبرا'' میں ان موسموں کے دوران میں چوپانی محبت کا بیان کیا ہے۔

کالی داس کی شاعری کی شرح مشہور شارح ملی ناتھ نے کی ہے۔ یہ شرح کالی داس کی شاعرانہ خصوصیات کو واضح کرتی ہے۔

ماخذ: تاریخ ادبیات عالم جلد دوم، اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد دوم

415ء۔اشوگھوش اور سنسکرت ادب

اشوگھوش کو مورخین نے کالی داس کا ہم عصر تسلیم کیا ہے۔اس کا وطن ساکیت تھا اور اس کی والدہ کا نام ''سورناکشی'' تھا۔ وہ ایک پیدائشی برہمن تھا مگر بعد ازاں ایک بودھ سنیاسی بن گیا تھا۔ اشوگھوش سنسکرت زبان کا عالم بے بدل اور ایک ذی علم شخص تھا۔ مذہب سے گہری وابستگی رکھتا تھا اور فلسفہ سے بھی اسے گہرا شغف تھا۔ ویدوں، براہمنوں، رامائن اور دیگر مذہبی کتب پر اسے عبور حاصل تھا۔ بودھ دھرم کے فرقہ ہین یان سے تعلق رکھتا تھا۔ بعض مورخین کے مطابق وہ راجہ کنشک مہاراج کے دربار سے وابستہ تھا اور اس کا زمانہ 98 عیسوی یا پہلی پہلی صدی ہے۔ سنسکرت زبان کے ناقدوں نے اس کے اسلوب اور زبان پر کالی داس کے اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ کالی داس کا ہم عصر تھا۔ یعنی ''سوندریہ آنند'' اور ''بودھ چرتر'' کے علاوہ ''وجرسوچی، گنڈی سوترا، سوترالنکار، مہایان، ادھو پتادشاستر، ساری پتر یر کرن وغیرہ اس کی تصنیفات کا نام لیا جاتا ہے جن پر کالی داس کے اثرات ہیں۔

''سونوریہ آنند'' مہاتما بدھ کے بھائی نند کے تارک الدنیا ہو جانے کا قصہ ہے۔ پہلے وہ ایک دنیادار شخص تھا مہاتما بدھ اسے اپنے ایک شاگرد کے ذریعے راہ راست پر لانا چاہتا تھا، اتنی سی بات کو اشوگھوش نے افسانہ بنا کر 18 ابواب میں پیش کیا ہے۔

اشوگھوش کا دوسرا رزمیہ ''بودھ چرتر'' بھی انہیں صفات کا حامل ہے اور اس کا مرکزی موضوع بھی بدھ کی سیرت نگاری ہے۔ مہاتما بدھ اپنا شاہی محل چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو رہے ہیں اور ان کے گرد اس وقت کئی نازنینیں اکٹھی ہو جاتیں ہیں۔

شاعری دل کے اوپر چوٹ کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ انسانی قلب کو مشتعل کرتی ہے۔ اسی لیے عوام کے دلوں تک فلسفہ اور دھرم کے خشک حقائق کو پہنچانے کے لیے مذہبی مبلغ بہت قدیم زمانے سے شاعری کا سہارا لیتے آئے ہیں اور آج بھی لیتے ہیں۔ بودھ فلسفی اشوگھوش کا فن شاعری سے شغف کا راز بھی یہی ہے۔

ماخذ: تاریخ ادبیات عالم جلد دوم

413ء۔ سینٹ آگسٹائن اور ''خدا کا شہر''

سلطنت روم کے زوال کے زمانے میں افریقہ کے ایک ساحلی قصبے ہپو Hippo سے قریباً پینتالیس میل کی دوری پر واقع قصبے تگاسٹا (الجیریا) میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جو اس زمانے کے جنگ وجدال سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ وہ اپنے زمانے کا عظیم ترین ماہر الٰہیات تھا۔ یہ انسان تھا سینٹ آگسٹائن S.T. Augustin (430ء-354ء)۔ اس کی تحریروں نے ازمنہ وسطیٰ کے مسیحی عقائد اور مسلک پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہاں تک کہ اکیسویں صدی میں بھی ان اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ سینٹ آگسٹائن ایک کٹر عیسائی خاتون اور ایک بت پرست مرد کی واحد اولاد تھا۔ اسی وجہ سے بچپن میں اسے باپ کی خواہش پر بپتسمہ نہیں دلوایا گیا۔ بلوغت کی عمر میں پہنچنے پر اس کی بے پناہ ذہانت کا مختلف طریقوں سے اظہار ہونے لگا۔ سولہ برس کی عمر میں اس کے والدین نے اسے تعلیم حاصل کرنے کے لیے قرطاجنہ بھیجا۔ اس شہر میں اس کی جوانی رنگ لائی اور ایک داشتہ سے تعلقات کی وجہ سے اس کا ایک بچہ پیدا ہوا۔ تیس برس کی عمر میں اس نے فلسفہ کے مطالعہ کا فیصلہ کیا۔ جلد ہی اس نے ایران کے ''مانی'' کی تعلیمات ک قبول کرتے ہوئے اس کے مذہب کو اختیار کر لیا۔ آگسٹائن نے عیسائیت کا بھی مطالعہ کیا مگر اس کے جوان خیالات نے اس مذہب میں بڑی قباحتیں محسوس کیں جبکہ فلسفہ مانی اس کے عقلی معیار پر پورا اترا۔ تاہم اگلے نو سالوں میں وہ فلسفہ مانی سے بھی بدظن ہو گیا، اسی دوران وہ افریقہ سے اطالیہ آ گیا اور میلان میں علم خطابت کا استاد بن گیا۔ وہیں اس کی آشنائی فلسفہ نیوفلاطونیت Neoplatonism سے ہوئی جو مشہور یونانی فلسفی افلاطون کے رفقاء کی ایک ترمیم شدہ شکل تھی جسے تیسری صدی عیسوی میں فروغ حاصل ہوا تھا۔ میلان میں قیام کے دوران ہی آگسٹائن نے اس زمانے کے اسقف میلان سینٹ ایمبر وس کے چند خطبات بھی سنے۔ ان خطبات نے اس پر مسیحیت کے کئی نئے اور اہم پہلو واکیے۔ آخر بتیس سال کی عمر میں عیسائیت سے متاثر ہو کر اس نے عیسائیت کو اختیار کیا۔ اس طرح اس جیسا نکتہ دان عیسائیت کو میسر آ گیا۔

387ء میں سینٹ ایمبر وس نے آگسٹائن کو بپتسمہ دیا۔ اس کے فوراً بعد وہ اپنے آبائی قصبہ تگاسٹا واپس آ گیا۔ 391ء میں وہ قصبہ ہپو کے اسقف کا معاون بن گیا۔ پانچ سال بعد اس کی وفات کے بعد آگسٹائن بیالیس برس کی عمر میں ہپو کا اسقف مقرر ہوا۔ باقی زندگی وہ اسی کلیسائی

عہدے پر معمور رہا۔ اگرچہ اس زمانے میں ہپو کو کوئی خاص شہرت حاصل نہیں تھی مگر آگسٹائن اپنی خداداد ذہانت کی بنیاد پر جلد ہی اہم ترین کلیسائی قائدین میں شمار کیا جانے لگا۔ اگرچہ اس کے پاس لکھنے لکھانے کی کچھ زیادہ سہولتیں میسر نہ تھیں مگر پھر بھی اس نے ایک کاتب کی مدد سے بڑی تعداد میں اپنی مذہبی تحریروں کو صفحہ قرطاس پر منتقل کروایا۔ آج اس کے پانچ سو سے زائد خطبات اور دو سو خطوط باقی ہیں۔

اس کی تصنیفات میں سب سے زیادہ شہرت ''خدا کے شہر'' City Of God نے حاصل کی ہے۔ دوسری اہم تصانیف میں ''اعترافات'' Confession ہے جو اس کی خودنوشت سوانح حیات ہے۔

410ء میں روم جیسے اہم شہر کو ایلارک کی قیادت میں مغربی گاتھوں نے تہہ و بالا کر دیا تھا جو اس وقت ایک بت پرست اور وحشی قوم تھے۔ اسی وجہ سے روم کے بقیہ بت پرستوں نے دعویٰ کیا کہ رومیوں کو یہ سزا اپنے قدیم دیوتاؤں کے مذہب سے انحراف کرنے کی وجہ سے ملی ہے۔ یہ عیسائیت کے دامن پر ایک بڑا بدنما داغ تھا جسے دھونے کے لیے سینٹ آگسٹائن نے ''خدا کا شہر'' تصنیف کی جو اسی الزام کے خلاف عیسائیت کے دفاع میں ایک مدلل کتاب ہے۔ تاہم اس کتاب میں سینٹ آگسٹائن نے فلسفہ تاریخ کو بھی جگہ دی ہے جس نے یورپ میں بعد میں ہونے والی ترقی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس فلسفہ کی روشنی میں سینٹ آگسٹائن نے اس نقطہ نظر کو پیش کیا تھا کہ سلطنت روما کسی بنیادی مذہبی اہمیت کی حامل نہیں تھی اور نہ ہی شہر روم یا کوئی دوسرا زمینی شہر اس اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے۔

آگے چل کر سینٹ آگسٹائن نے ثابت کیا انسانیت کی اصل ترقی کا پہیہ کلیسا ہے (کیونکہ اس کے نزدیک کلیسا سے باہر نجات ممکن نہیں) اس لیے شہنشاہ اور بادشاہ چاہے عیسائی ہوں یا غیر عیسائی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اصل اہمیت کلیسا کے سربراہ پوپ (پاپائے روم) کو حاصل ہے جو لافانی ہے۔

سینٹ آگسٹائن نے 76 سال کی عمر میں ہپو ہی میں 430ء میں وفات پائی اس کی وفات کے چند روز بعد ایک اور وحشی قوم ینڈال نے کہ جس نے پہلے روما کو بھی تہس نہس کر دیا تھا اب ہپو کا محاصرہ کر رکھا تھا، شہر کو فتح کر کے جلا کر راکھ بنا ڈالا مگر سینٹ آگسٹائن کا کیسا اور تصانیف اس آفت سے محفوظ رہیں اور یورپ تک پہنچیں۔

ماخذ: سو عظیم آدمی، مائیکل ہارٹ۔ 1000 عظیم واقعات

420ء۔ بہرام گور کا ساسانی تاج وتخت پر قبضہ

یزدگرد گنہگار، شاہ ایران چاہتا تھا کہ اپنے ایک بیٹے بہرام کو سرزمین عرب میں بھیج دے تاکہ اس کی پرورش صحرا کی کھلی فضاؤں میں ہو۔ اس نے ایران کی حلیف عرب ریاست حیرہ کے حکمران نعمان بن امرالقیس کو اپنے ہاں بلایا اور اس کا پرتپاک خیر مقدم کر کے خواہش ظاہر کی کہ وہ بہرام کو اپنی ریاست میں لے جائے اور اس کی پرورش عرب رواج کے مطابق صحرا میں کرے۔ نعمان نے اس خدمت کو اپنے لیے فخر سمجھا اور شاہی تزک واحتشام کے ساتھ شہزادے بہرام کو اپنے ساتھ لے گیا۔

حیرہ کوفے سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع تھی۔ نعمان نے بہرام کی پرورش کے لیے صحرا میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا جس میں ایک گنبد نما قلعہ تھا جس کے اردگرد بلند دیواریں تھیں۔ یہ محل تاریخ میں خورنق کے نام سے مشہور ہوا۔ بہرحال نعمان نے بہرام کی تعلیم وتربیت میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی اور اسے علم سکھانے کے لیے عرب وایران کے علماء بلائے گئے۔ مختلف علوم میں دسترس حاصل کر کے بہرام نے شہ سواری اور شکار کا فن سیکھا۔ اس کے شکار کے قصے تذکروں میں ملتے ہیں، خود اس کا نام بہرام گور، گورخر کے شکار کی وجہ سے پڑا تھا۔

یزدگرد کی وفات پر اس کے امراء نے اس کے بیٹوں کو نظر انداز کرتے ہوئے شاہی خاندان کے ایک اور فرد خسرو کو تخت نشین کر دیا۔ بہرام عرب کی فضاؤں میں پرورش پانے کے بعد ایک بہادر اور نڈر شخص بن چکا تھا اور ساتھ ہی اسے عربوں کی حمایت حاصل تھی۔ وہ بن لڑے اپنے حق وراثت سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا اس نے عرب حکمران منذر سے مل کر ایک لشکر ترتیب دیا اور منذر کے ہمراہ مدائن کی طرف بڑھا۔ عرب وعجم کی فوجوں کا مقابلہ ہوا جس میں بہرام نے فتح پائی، وہ بزور شمشیر اپنا حق وراثت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ خسرو نے ایرانی تاج دو شیروں کے درمیان رکھ دیا تھا اور بہرام سے کہا تھا کہ ہم میں سے جو تاج کو شیروں کے پاس سے اٹھا کر لے جائے حکومت اس کا حق ہے۔ بہرام نے خسرو کو پہل کرنے کی دعوت دی مگر خسرو نے کہا کہ تاج وہ اٹھائے جو تاج پر حق جتانے آیا ہے پھر میں بوڑھا ہوں اور تم جوان، جوان کو چاہیے کہ پیش دستی کرے، بہرام یہ سن کر بلا تامل شیروں کے کٹہرے میں داخل ہوا اور اس نے اپنے گرز سے ایک شیر کو ڈھیر کر دیا، دوسرا شیر لپکا تو اس کی شمشیر سے خبر لی پھر داد وتحسین کے نعروں میں تاج

شاہی اس کے سر پر رکھ دیا گیا۔ مورخین کے مطابق یہ قصہ شاید عربوں کی بہادری چھپانے کے لیے گھڑا گیا تھا جنہوں نے صرف چند ہزار کی فوج کے ساتھ امرائے ایران کے فیصلے کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

بہرام کے باپ شاہ یزدگرد نے عیسائیت کو قبول کر کے ترک کر دیا تھا جس کی وجہ سے عیسائی بادشاہ کی حمایت سے محروم ہو گئے تھے اور آتش پرستوں کو عیسائیوں پر ظلم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ان دنوں روم پر تھیوڈوسیئس اول کی حکومت تھی۔ عیسائی رعایا کثیر تعداد میں ہجرت کر کے روم چلی گئی۔ بہرام جب تخت نشین ہوا تو ہجرت کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ اس نے شاہ روم سے مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن قیصر روم نے ان کی واپسی سے انکار کر دیا۔ اس پر بہرام نے روما کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اسی اثنا میں رومی لشکر دریائے دجلہ کو عبور کر کے ارزاینن پہنچ گیا جو ان پانچ صوبوں میں سے ایک تھا جو ڈایوکلیشن نے نرسی کے ہاتھ سے چھینے تھے۔ پھر شاپور نے انہیں واپس لے لیا تھا۔ رومیوں نے بین النہرین کا رخ کیا اور نصیبین کا محاصرہ کر لیا۔ بہرام نے ایرانی لشکر کی کمان اپنے ایک جرنیل مہر نرسی کے سپرد کر دی جو اپنے آپ کو داریوش اعظم کی اولاد سے بتاتا تھا۔ رومی نصیبین کا قلعہ فتح نہ کر سکے اتنے میں بہرام خود لشکر لیے موقع پر پہنچ گیا جس سے رومی پسپا ہو گئے۔

رومیوں کی پسپائی کے بعد بہرام نے رومی آرمینیا کے شہر ارزروم کا محاصرہ کیا مگر شہر فتح نہ ہو سکا اور رومیوں سے صلح ہو گئی۔ صلح نامے میں یہ طے پایا کہ دونوں مملکتوں میں عیسائیوں اور زرتشت کے پیروکاروں کو مذہبی آزادی حاصل ہو گئی۔

بہرام گور کا ایک اور اہم واقعہ آرمینیا کی ایرانی حکومت میں شمولیت اور ایران کے شمالی حصوں پر سفید ہنوں کا حملہ تھا جنہیں بہرام نے اچانک شب خون مار کر پسپا کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بہرام نے ہندوستان پر بھی فوج کشی کی تھی لیکن بعض مورخین اسے تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ بہرام کے عہد میں ایران اور ہندوستان میں روابط موجود تھے۔

ماخذ: تاریخ ایران از پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، ایران بعہد ساسانیاں

432ء۔ سینٹ پیٹرک اور آئرلینڈ

آئرلینڈ زمرد کا جزیرہ کہلاتا ہے۔ مورخین کے مطابق آئرلینڈ کے قدیم باشندے یورپ کے مرکزی حصے سے تقریباً 6000 ق م میں یہاں آ کر آباد ہوئے۔ تقریباً 400 ق م میں یہاں کیلٹی Celtic قبائل نے حملہ کیا اور اس جزیرے میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں اور جزیرے پر کیلٹی تہذیب و ثقافت کو پھیلنے کا موقع ملا۔ لیکن یہاں کے قدیم باشندے اور کیلٹی لوگ سبھی بت پرست تھے اور اوہام پرستی کے اندھیرے میں تھے۔ جس شخص نے یہاں عیسائیت کی شمع روشن کی اور جزیرے سے بت پرستی کے اندھیرے کو دور کیا وہ سینٹ پیٹرک ST. Patric نامی ایک راہب تھا جو 432ء میں یہاں پہنچا۔

سینٹ پیٹرک (389ء-461ء) جو آئرلینڈ کا سرپرست سینٹ کہلاتا ہے جزائر برطانیہ میں دریائے سیورن R. Severn کے کنارے ایک قصبے میں پیدا ہوا تھا اس کا باپ ایک امیر عیسائی تھا اس لیے اس کی تعلیم و تربیت عیسائیت کی آغوش میں ہوئی۔ جب وہ سولہ سال کا ہوا تو آئرلینڈ کے بحری قزاقوں نے اسے اغوا کر کے آئرلینڈ میں غلام بنا کر بیچ دیا۔ غلامی کے دنوں میں اسے ایک گڈریا بننا پڑا لیکن آخر وہ اس غلامی سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ غلامی کے دنوں ہی میں اسے آئرلینڈ کے عوام کی مذہبی حالت سدھارنے کا خیال آیا تھا۔ اس لیے اس نے فرانس کا سفر کیا اور پیرس کے قریب ایک فرانسیسی راہب جرمانوس Germanus سے اکتساب علم کیا اور مذہبی تعلیم حاصل کی۔ انہیں دنوں آئرلینڈ کے بشپ پیلاڈیوس Peladuc کا انتقال ہو گیا اور سینٹ کی درخواست پر پاپائے روم نے اسے آئرلینڈ کا نیا بشپ مقرر کر دیا۔

سینٹ پیٹرک نے ایک بار پھر آئرلینڈ پہنچ کر جزیرہ کے شمال مغربی حصوں میں تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ ان حصوں میں کوئی مبلغ نہ پہنچا تھا۔ سینٹ پیٹرک نے اپنی تبلیغ سے لوگوں کے دل جیت لیے۔ بہت سے آئرش سرداروں نے نہ صرف عیسائیت قبول کی بلکہ وہ پیٹرک کے ذاتی دوست بھی بن گئے۔ کہتے ہیں کہ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد لوگوں کو بپتسمہ دیا اور 300 سے زائد کلیسا قائم کیے۔

پیٹرک نے ان کلیساؤں کو منظم طور پر چلانے کے لیے انگلستان اور فرانس سے کلیسائی عہدے داروں کو آئرلینڈ بلایا اگرچہ وہ خود اس کی مخالفت سے باز نہ آئے مگر سینٹ پیٹرک اپنی ذاتی

مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آئرلینڈ میں اپنے تبلیغی مشن کو آگے بڑھاتا رہا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔

سینٹ پیٹرک کی زندگی اور کارناموں کے متعلق زیادہ تر معلومات اس کی اپنی تحریروں سے ملی ہے۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اس نے اپنی خودنوشت ''اعترافات'' Confession مرتب کی جس میں اس نے آئرلینڈ میں اپنے تبلیغی مشن کو دلائل سے صحیح قرار دیا۔ یہ کتاب ہمیں اس کی روحانی کامیابیوں کے متعلق بھی بتاتی ہے۔ سینٹ کی دوسری اہم کتاب ''کروکٹکس کے نام ایک خط'' A Letter To Corocticus ہے جس میں اس نے ایک برطانوی سردار کروکٹکس Corocticus کے آئرلینڈ پر حملہ کرنے پر تنقید کی ہے۔ اس حملے کے نتیجے میں پیٹرک کے عیسائی بنائے ہوئے کئی آئرش لوگ مارے گئے تھے۔

دیگر مشاہیر عالم کی طرح سینٹ پیٹرک کی ذات کے گرد بھی افسانوی داستانوں کا ایک ہالہ بنا ہوا ہے۔ اس کے کارناموں اور خوارق عادات کے متعلق کئی داستانیں مشہور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے آئرلینڈ کے سانپوں کو لبھا کر سمندر میں ڈال دیا تھا تاکہ جزیرہ سانپوں کے وجود سے پاک ہوجائے۔ ایک اور داستان میں سینٹ کے ہاتھوں ایک تین پتے والا پودا پیدا ہوتا ہے۔ اس پودے کے یہ تین پتے عیسائیت کے نظریہ تثلیث کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ یہ پودا آج بھی آئرلینڈ کا قومی پودا تسلیم کیا جاتا ہے۔ یا یہ کہ اسے خواب میں بشارت ملی تھی کہ آئرلینڈ میں عیسائیت پھیلائے۔ آئرلینڈ کے رومن کیتھولک 17 مارچ کو سینٹ پیٹرک کا دن مناتے ہیں۔ سینٹ پیٹرک کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ پانچویں صدی کے نصف اول میں پورا آئرلینڈ پُرامن طریق پر حلقہ بگوش مسیحیت ہوگیا۔

ماخذ: 1۔ جلد 15 صفحہ 174 ''انٹری سینٹ پیٹرک'' دی بک آف دی ورلڈ انسائیکلوپیڈیا
2۔ تاریخ تہذیب جلد اول صفحہ نمبر 224، مترجم مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی لاہور
3۔ 1000 اہم واقعات، ایڈیٹر، لین سیبل اور فلپ سیٹل Hamlyn کمپنی صفحہ نمبر 56

451ء۔ایٹلا کی ترک تازیاں

وسطی ایشیا کے قبیلے سی ینگ نو کے کچھ لوگ دریائے ہوانگ ہو (چین) کے شمال مغربی علاقوں میں آباد تھے۔ یہ لوگ بھیڑ بکریاں چرا کر گزر اوقات کرتے تھے اور بڑے پرامن تھے۔ ایک دن ایک چراگاہ میں ان کے کسی بچھڑے کو کسی زہریلی مکھی نے کاٹا، وہ تکلیف سے شدت سے بدکا اور مغرب کی سمت میں بھاگ نکلا۔ وہ آبنائے کرچ Strait Of Kerch کے دلدلی پانیوں میں گھس گیا۔ گلہ بان اس کا پیچھا کرتا ہوا آبنائے پار کر کے ایک دلدلی علاقوں سے گزر کر ایک سرسبز اور شاداب سرزمین میں داخل ہو گیا اور اپنے بھاگے ہوئے بچھڑے کو واپس لے گیا۔ واپس آ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو اس جنت نما خطہ کے بارے میں بتایا۔ اس کے قبیلے نے جلد ہی ان دلدلی علاقوں کو پار کیا اور اس زرخیز زمین تک پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر اس جنت ارضی پر قبضہ کرنے کے لیے انہوں نے وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا اور ان زمینوں اور املاک پر قابض ہو گئے۔ یہ تھے ہن Huns جو چوتھی صدی عیسوی میں سرسبز علاقوں کی تلاش میں یورپ میں داخل ہو کر ہنگری میں آباد ہو گئے۔ ہن وہ لوگ تھے جن کے قتل و غارت کی کہانیوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

372ء میں یہ لوگ یورپ میں داخل ہوئے اور 395ء میں انہوں نے رومی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ مغرب میں دریائے ڈینیوب تک اور مشرق میں قسطنطنیہ تک کے علاقے ان حملوں کی لپیٹ میں آ گئے۔ انہیں لوگوں کا ایک سردار اٹیلا Attila تھا جس کا نام سن کر پانچویں صدی کی مہذب دنیا کانپ اٹھی تھی لوگوں نے اس کے قہر اور ظلم کی مناسبت سے اس کا نام ''خدا کا تازیانہ'' رکھ چھوڑا تھا۔ وہ 406ء میں پیدا ہوا اور اپنے چچا رورکی وفات پر 433ء میں اپنے قبیلہ کا سردار بنا۔

432ء میں ایٹلا کے چچا نے بھی مشرقی سلطنت روم سے خراج کا مطالبہ کیا تھا اور جب رومیوں نے مہلت مانگی تو اس نے حملہ کر دیا۔ رومی سلطنت کو اس کے اس حملے سے تو بچا لیا گیا مگر جلد ہی ہنوں کا یہ سردار مر گیا اور اس کی جگہ ایٹلا اور اس کا بھائی بلیڈا شراکت میں سردار بنے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ رومیوں سے پہلے خراج کا مطالبہ کر کے پھر جنگ کے ذریعے مزید مال و دولت لیا جائے۔ انہوں نے سلطنت روم کے نمائندوں کو اپنے شہر بلا بھیجا تا کہ اس سلسلے میں بات کی جائے۔ اس بات چیت کے دوران ہن اپنے گھوڑوں کی پشت پر بیٹھے رہے اور ان کے چہروں سے تمکنت جھلکتی رہی جبکہ رومی جو کل خود فاتح عالم تھے آج ان کے سامنے زمین پر پاپیادہ کھڑے

تھے اور اپنی بے عزتی محسوس کر رہے تھے لیکن امن برقرار رکھنے کے لیے انہیں اس کے علاوہ بھی کئی اور سنگین شرائط برداشت کرنا پڑیں۔

یہ امن صرف چھ سال قائم رہا۔ چھٹے سال رومیوں کو خراج ادا کرنے میں تاخیر ہوگئی اور ایٹلا اور اس کے بھائی نے تاخیر ادائیگی خراج کو بہانہ بناتے ہوئے حملہ کر دیا۔ انہوں نے مشرقی سلطنت روم کے کئی شہروں کو ملیامیٹ کر دیا۔ ان میں آج کا بلغراد بھی شامل تھا جو ان دنوں سنگیڈنم کہلاتا تھا۔ 442ء میں ایک بار پھر مختصر عرصے کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا لیکن 443ء میں ہنوں نے ایک بار پھر حملہ کر دیا اور وہ قسطنطنیہ کی دیواروں تک آ پہنچے۔ رومیوں کو اپنا شہر بچانے کے لیے اب تاوان جنگ بھی ادا کرنا پڑا۔ چھ ہزار سونے کے پاؤنڈ کا مطالبہ کیا گیا اور 2100 پاؤنڈ سالانہ خراج کی ادائیگی طے پائی۔ اگرچہ یہ دونوں رقمیں بہت بڑی تھیں مگر ایٹلا کے حکم سے سرتابی ممکن نہیں تھی۔

445ء میں ایٹلا نے اپنے بھائی اور شریک سردار بلیڈا کو قتل کر دیا اور خود بلاشرکت غیرے ہن قبائل کا مطلق العنان حکمران بن گیا۔ وہ اپنے معاملات میں اب کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا، اگر کسی معاملہ میں کسی سے مشاورت بھی کرتا تو فیصلہ اپنی مرضی سے کرتا تھا۔ 447ء میں اس نے مشرقی سلطنت پر ایک اور حملہ کیا جو 441ء کے حملے سے کہیں شدید تھا۔ اس نے جزیرہ نما بلقان اور یونان کو تاراج کیا پھر آئندہ تین سال تک قسطنطنیہ کی حکومت سے مذاکرات کرتا رہا۔ آخر شہنشاہ تھیوڈوسیئس II کے ساتھ معاہدہ طے پا گیا جو پہلے سے زیادہ خراج اور دریائے ڈینیوب کے کنارے کے ساتھ ایک وسیع علاقے کی ہنوں کی حوالگی پر مبنی تھا۔

انہیں دنوں ایٹلا نے مغرب کی رومی سلطنت کے شہنشاہ سے گال (فرانس) میں ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کرنے کا مطالبہ کیا جو شہنشاہ نے بخوشی مان لیا۔ اس سلطنت کے مطالبے کے پس منظر میں مورخین نے ایک کہانی بیان کی ہے کہ شہنشاہ ویلنٹین Velentine کی ایک بہن ہونوریا Honoria نامی تھی جس کی شادی شہنشاہ نے ایک بڑی عمر کے رومی سینیٹر کے ساتھ طے کر دی مگر شہزادی ایک شاہی نگران سے محبت کرتی تھی اس نگران کو شہنشاہ نے قتل کروا دیا۔ اپنے محبوب کی موت کا انتقام لینے کے لیے شہزادی ہونوریا نے ایٹلا کو مدد کے لیے پکارا اور ایک خط میں اسے پیغام بھجوایا کہ وہ خود آ کر اس سے شادی کرے۔

درحقیقت شہزادی اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی۔ ایٹلا سے شادی کر کے وہ تخت پر قابض

ہو جاتی تھی کیونکہ اسے ملکہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی۔ اس نے قاصد کے ہاتھ اپنی ایک انگوٹھی بھی بطور نشانی اٹیلا کو بھجوائی مگر شومئی قسمت سے اس کا یہ خط پکڑا گیا اور شہنشاہ ویلنٹین کو اس سازش کا پتہ چل گیا۔

شہنشاہ نے قاصد کو قتل کر دیا اور ہونوریا کو کسی ایسے مقام پر بھجوا دیا جہاں سے اس کے بارے میں مزید کوئی خبر نہ آئی۔ ادھر اٹیلا کو جب اس قصے کا پتہ چلا اس نے شہنشاہ سے مطالبہ کیا کہ اس کی دلہن اس کے حوالے کی جائے اور ساتھ جہیز کے طور پر مغربی سلطنت بھی دی جائے، اس کے اس مطالبے پر ایک بار پھر جنگ چھڑ گئی، قریباً ہن فتح پانے والے تھے کہ پانسا پلٹ گیا اور رومی پہلی بار جنگ جیت گئے۔

اگلے سال اٹیلا نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اٹلی پر یلغار کی اور کئی شہروں کو فتح کر لیا جن میں میلان اور ویرونا Verona بھی شامل تھے۔ اسی دوران اٹلی میں وباء پھوٹ پڑی جس کی وجہ سے اٹیلا نے مزید پیش قدمی روک دی۔

اگست 450ء میں مشرقی روم کے شہنشاہ نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ فریقین میں مذاکرات ہوئے مگر ناکام رہے۔ اٹیلا نے مشرقی سلطنت پر ایک بڑے حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ ایک ایسا تباہ کن حملہ جو رومیوں کو ایسا سبق سکھا دے کہ وہ آئندہ اس کے کسی حکم سے سرتابی نہ کر سکیں۔

451ء میں وہ جرمنی سے گزرتا ہوا گال پر حملہ آور ہوا۔ وہاں ایٹیئس Aetius نامی ایک رومی سردار نے وینڈلوں سے مل کر اسے آگے بڑھنے سے روکنا چاہا Chalons-Surmarne کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں ہنوں کو شکست ہوئی اور انہیں پسپا ہونا پڑا۔ پسپا ہوتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر اٹلی پر حملہ کر دیا اور بُری طرح نقصان پہنچایا۔

453ء میں اٹیلا قسطنطنیہ پر ایک بڑے حملے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اس نے ایک جرمن عورت سے شادی کرنا چاہی۔ اپنی عادت کے مطابق شادی کی رات اس نے بہت شراب نوشی کی جب وہ بستر پر پہنچا تو بے ہوش ہو گیا۔ اس شراب نوشی سے اس کی نکسیر پھوٹ پڑتی تھی اُس رات بھی اسے نکسیر پھوٹی ایسی کہ اگلے دن وہ بستر سے نہ اٹھ سکا اور موت کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا۔

اس کے سرداروں نے دنیا کے سب سے بڑے جنگجو کی موت پر خود کو تلواروں سے زخمی کر لیا

تا کہ اس کا سوگ آنسوؤں کی بجائے خون بہا کر منایا جائے۔ ہن قوم کے اس عظیم سردار کی موت کے بعد انہیں کوئی اور ایسا عظیم الشان قائد میسر نہ آ سکا اور یہ قوم کمزور پڑتی چلی گئی۔ اگلے سو سال کے اندر اندر اس قوم کا نام ونشان مٹ گیا اور یہ مکافات عمل کا شکار ہو گئی۔

ماخذ: 100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا، جان کیننگ، مترجم نوشین فریحہ، تخلیقات لاہور

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد اول، انٹری Attila

انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، ولیم ایل لینگر مترجم مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی لاہور

جامع اردو انسائیکلو پیڈیا، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

459ء۔ فیروز اول اور ایران میں خشک سالی کا زمانہ

دنیا کی تاریخ میں خشک سالی اور قحطوں کا ذکر عموماً ملتا ہے جیسے عہد فراعنہ کے مصر کو حضرت یوسفؑ اپنی تدبیر سے اور فرعون مصر کے خواب کی تعبیر سے خشک سالی کے اثرات سے بچایا تھا۔ ایسا ہی ایک اہم واقعہ ہمیں ساسانی بادشاہ فیروز اول کے عہد میں ملتا ہے۔ فیروز اول انتہا درجے کا مدبر بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں خشک سالی کا آغاز ہوا اور دریائے جیحوں سے دریائے دجلہ تک کا تمام علاقہ اس بلائے ناگہانی کا شکار ہوا۔ یہ قحط تین سال تک جاری رہا لیکن فیروز نے رعایا کو اپنے تدبر سے قحط سے بچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ فیروز نے قحط سے متاثر ہو کر شہر میں ایلچی بھیج کر اعلان کیا کہ امراء اپنے غلے کے ذخیروں سے اناج قحط زدگان کو دیں اور غلہ بہم پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ ساتھ ہی بادشاہ نے یہ تنبیہ بھی بھجوائی کہ جن علاقوں میں قحط سے کوئی شخص بھوکا مرا تو اس کے بدلے اس علاقے کے امیر کی جان لی جائے گی۔ فیروز نے صرف ایسے احکامات پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ باقاعدہ طور پر ہمسایہ ممالک سے اپنی رعایا کے لیے غلہ درآمد کیا اور اسے متاثرہ افراد میں مفت تقسیم کرانے کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ خیرات کے لیے شاہی خزانے کا منہ کھول دیا گیا۔ شاہنامہ میں فردوسی نے اس واقعہ کا حوالہ دیا ہے۔ قحط کے بعد ملک کی تعمیر و بحالی کی کوششیں کی گئیں اور کئی سال تک کے لئے مالیہ معاف کر دیا گیا۔ مفت بیج تقسیم کیا گیا۔ اسی نسبت سے یوم ''عید آبریزگان'' منایا گیا جو پھر ہر سال منایا جاتا رہا۔

فیروز کے عہد کے ایران میں یہودیوں پر بہت سختی روا رکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملک میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے دوزرتشتی موبدوں کو زندہ کھال کھینچوا کر مروا ڈالا تھا۔ اس کا خمیازہ پوری یہودی رعایا کو بھگتنا پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ سختی اصفہان کے یہودیوں پر ہوئی جہاں یہودی اکثریت میں آباد تھے۔

اس زمانہ میں عیسائی دنیا بھی انتشار کا شکار تھی۔ عیسائیوں کے دو فرقے انتہا پسند ہو گئے تھے۔ ''نسطوری'' اور ''یک فطری''۔ نسطوری اس بات کے قائل تھے کہ مسیح کی دو جداگانہ فطرتیں ہیں ایک بشری اور ایک ربانی جبکہ یک فطری یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ دونوں فطرتیں مسیح کی شخصیت میں جمع ہو گئی ہیں۔ اسی اختلاف پر دونوں فرقے متصادم تھے۔

فیروز اول یزدگرد دوم کا بڑا بیٹا تھا جسے اس نے سیستان کا حکمران مقرر کیا تھا مگر فیروز کے چھوٹے بھائی ہرمزسوم نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے باپ کی وفات پر تخت نشین ہو گیا۔ اُدھر فیروز بھی تاج و تخت پر دعویٰ کر دیا تھا مگر اس کے پاس وسائل نہ تھے کہ دارالحکومت پر حملہ کر کے اپنا حق چھین سکے۔ اتفاق سے خاندان مہران کا ایک سردار رہام فیروز کا حامی تھا، اس نے لشکر فراہم کیا اور ہرمز نے شکست کھائی اور فیروز اول 459ء میں تخت نشین ہوا۔ طبری اور فردوسی نے لکھا ہے کہ فیروز اول نے سفید ہنوں کے سردار خوش نواز سے امداد حاصل کر کے اپنا حق اپنے چھوٹے بھائی سے واپس لیا تھا۔

مگر فیروز اول نے بار بار سفید ہنوں سے جنگ کی۔ 483ء میں وہ سفید ہنوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کی موت اس طرح واقع ہوئی تھی کہ سفید ہنوں کے سردار خوس نواز نے گزرگاہ پر ایک گہرا گڑھا کھدوا کر اسے درختوں کے پتوں اور ٹہنیوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ فیروز بے خیالی میں اُدھر سے گزرتا ہوا اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ اس گڑھے میں جا گرا اور موت کا شکار ہو گیا۔ خوش نواز کو اس کی موت کے بعد کثیر تعداد میں مال غنیمت کے علاوہ فیروز کی ایک بیٹی بھی ہاتھ لگی جسے اس نے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد سفید ہنوں نے سلطنت ایران کی حدود میں داخل ہو کر کئی شہروں پر قبضہ کر لیا اور ایرانیوں پر سالانہ خراج بھی عائد کر دیا۔

ماخذ: تاریخ ایران جلد اول از مقبول بیگ بدخشانی

476ء۔ آریہ بھٹ کی پیدائش

ہندوستان قدیم میں علم نجوم، علم ریاضی اور علم فلکیات پر بڑی توجہ دی گئی۔ 476 عیسوی
پاٹلی پترا میں کسم پورہ میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جو آج کے ہندوستان کے لیے سرمایہ افتخار
ہے۔ یہ شخصیت تھی مشہور ہندو ماہر فلکیات و نجوم اور پانچویں صدی عیسوی کے مشہور فلسفی اور ریاضی
داں آریہ بھٹ کی۔ اس کی تصانیف میں ''آریہ بھٹیا'' اور ''آریہ ستیہ'' مشہور ہیں۔
''آریہ بھٹیا'' کو ''دس گیتک'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب اس دور کی ہندی ریاضی پر منظوم
صورت میں لکھی گئی ہے۔ آریہ بھٹ کا زیادہ تر تعلق فلکیات اور جیومیٹری سے تھا۔ اس کے 33
اصول ریاضی، الجبرا اور جیومیٹری سے تعلق رکھتے ہیں۔ سنسکرت زبان میں آریہ بھٹ کی کتاب
لیڈن (ہالینڈ) میں 1874ء میں شائع کی گئی تھی۔ 1879ء میں اس کا فرانسیسی ترجمہ ہوا۔ آریہ بھٹ
نے علم ریاضی کی مدد سے پائی کی بالکل صحیح قیمت متعین کی تھی جو 3/177/125 (3.1416) تھی۔
آریہ بھٹ کے متعلق ہمیں زیادہ تر معلومات البیرونی سے حاصل ہوئی ہیں۔ وہ آریہ بھٹ کی
کتاب ''آریہ ستیہ'' کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ علوم ہیئت و نجوم سے تعلق رکھتی تھی۔ البیرونی نے لکھا
ہے کہ آریہ بھٹ نے اپنی اس تصنیف میں زمین کے گول ہونے کے متعلق جو دلائل پیش کیے وہ
کچھ یوں تھے۔ ''یہ بات کہیں زیادہ صحیح ہے کہ زمین کی سطح گول اور اس کا قطر مستقیم ہے۔ دلیل یہ
ہے کہ اگر وہ گول نہ ہوتی تو مقامات کے عرض بلد، منطقہ کی شکل میں نہ ہوتے اور نہ ستارے اور نہ
گرمی اور جاڑے میں دن رات مختلف ہوتے نہ ستارے اور ان کے مدارات کے وہ احوال ہوتے
جو اس وقت ہیں۔'' زمین کے گول ہونے کے ثبوت میں وہ مزید دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے کہ
''زمین قطبین سے بندھی ہوئی ہے اور اس کا محور اسے تھامے ہوئے ہے۔ جب آفتاب اس خط پر
طلوع ہوتا ہے جو لنکا پر سے گزرتا ہے تو اس وقت رکوت میں نصف النہار، روم میں آدھی رات اور
شاپور میں شام کا وقت ہوتا ہے۔'' آریہ بھٹ زمین کی محوری گردش کا قائل تھا۔ وہ اس بارے میں
کہتا ہے کہ گویا ہمیں زمین ساکت اور سورج مغرب کی سمت میں چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت
میں زمین گردش کرتی ہوئی مغرب کی سمت میں بڑھتی ہے۔ آفتاب اور دیگر نجوم ساکت ہیں صرف
زمین ہی بار بار اپنی دھری پر گھومتی ہے جس سے ہمیں سورج نکلتا اور غروب ہوتا دکھائی دیتا ہے۔''
کائنات کے وجود پر بحث کرتے ہوئے آریہ بھٹ اسے قدیم یونانی فلسفیوں کی طرح عناصر

اربعہ یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی کا مجموعہ قرار دیتا ہے۔ چاند گرہن کے بارے میں اس کے نظریات یہ ہیں کہ اس کی وجہ راس نہیں بلکہ یہ سورج اور زمین کے سائے سے پیدا ہوتے ہیں۔ آریہ بھٹ نے 540 عیسوی کے قریب وفات پائی۔

ماخذ: کتاب الہند از البیرونی۔ شاہکار انسائیکلوپیڈیا معلومات صفحہ 276

476ء۔ مغربی سلطنت روم کا خاتمہ

454ء میں شہنشاہ ویلنٹین سوم نے اپنے سپہ سالار ایٹیئس Aetius کو خود اس کی خدمات کا صلہ اس کی تلوار سے دیا لیکن شہنشاہ خود بھی مارچ 455ء میں اس کے باڈی گارڈ کے ہاتھوں مارا گیا۔ مغربی سلطنت کے ان دو سرکردہ افراد کے قتل کے بعد حکومت جرمن سرداروں کے ہاتھوں میں آ گئی۔ وہ تخت پر برائے نام اور کٹھ پتلی شہنشاہ بٹھانے لگے۔ ان جرمن سرداروں میں اوریسٹیز Orestes بھی شامل تھا جس نے مغربی شہنشاہ جولیئس نیپو Juliusnepo کو تخت سے ہٹا کر 31 اکتوبر 475ء کو اپنے کم سن بیٹے کو رومولس آگسٹس Romulus Augustus کے نام سے تخت نشین کیا لیکن اندرونی طور پر اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

رومولس آگسٹس کے نام میں اگرچہ روم کے بانی اور سلطنت روم کے بانی دونوں کے نام شامل تھے مگر یہ بھی اتفاق ہے کہ یہ مغربی شہنشائیت کا آخری شہنشاہ ثابت ہوا۔ اس کے تخت نشین ہونے کے صرف ایک سال بعد 4 ستمبر 476ء کو ایک دوسرے جرمن سردار اوڈیکر Odovacer نے اس کے باپ اور سپہ سالار شاہی افواج اوریسٹیز کو شکست دے کر ہلاک کر دیا اور خود حکومت سنبھال لی۔ رومولس آگسٹس کو اس کی کم سنی کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا بلکہ ایک معقول مشاہرے پر نیپلز بھیج دیا گیا جہاں اس نے اپنی بقایا زندگی گزاری لیکن اس کے بعد کے اس کے حالات زندگی پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

اوڈیکر نے مغربی شہنشائیت کو ختم کر کے بربری بادشاہت قائم کی جسے مشرقی شہنشاہ روم زینو Zeno نے تسلیم کر لیا۔ اُدھر معزول شہنشاہ جولیس نیپو بھی 480ء میں اپنی وفات تک تخت شاہی کا دعویدار رہا اور شہنشاہ کہلاتا رہا۔

سلطنت روما کے تعلق میں ایک لحاظ سے اہم ترین شے یہ نہیں کہ اس پر زوال و انحطاط طاری

ہوا۔ اہم شے یہ ہے وہ اس زوال اور انحطاط کے باوجود اتنی لمبی مدت تک قائم رہی۔ رومی سلطنت ایک سیاسی ادارے کے طور پر مغرب میں 1500 سال پیشتر ختم ہو چکی تھی لیکن وہ مشرق میں قرون وسطیٰ کی بازنطینی سلطنت کے طور پر مزید ایک ہزار سال تک زندہ رہی۔ اگرچہ یہ ایک نیا سیاسی ادارہ تھا مگر اس پر رومی مبادی کے نشان برابر قائم رہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مغرب میں رومی تہذیب بھی ختم نہ ہو سکی بلکہ مختلف شکلوں میں زندہ رہی۔ اسی طرح رومی زبان جو لاطینی کہلاتی ہے رومی قوانین کی طرح مغربی ملکوں کے علاوہ لاطینی انگریزی جرمن اور اینگلو میکسین زبانوں کے ماخذ کے طور پر قائم رہی۔

ماخذ: تاریخ تہذیب، غلام رسول مہر، غلام علی اینڈ سنز
انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم

487ء۔ قباد شہریار اور مزدک کا ظہور

قباد شہریار (487ء-531ء) شہنشاہ ایران فیروز اول کا بیٹا تھا اور نوشیرواں عادل کا باپ۔ شاہ فیروز کی وفات کے بعد اس کا بھائی بلاش تخت نشین ہوا تھا اس کے عہد میں قباد نے تخت و تاج حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا تھا اس ناکامی کے بعد اسے ایران چھوڑ کر سفید ہنوں کے خاقان خوش نواز خان کے ہاں پناہ لینی پڑی تھی۔

جب وہ ایران چھوڑ کر ترکستان جا رہا تھا تو اثنائے راہ میں نیشاپور کے ایک دہقان کے ہاں اس نے قیام کیا۔ اس دہقان کی بیٹی پر اس کا دل آ گیا اور اس نے اس دہقان زادی سے شادی کر لی مگر حالات اتنے نامساعد تھے کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جا سکا۔ یہی دہقان زادی نوشیرواں عادل کی ماں بنی۔ کہتے ہیں قباد نے اسے چھوڑ کر جاتے ہوئے نشانی کے طور پر ایک انگشتری دی تھی جس میں رات کے وقت چمکنے والا ایک یاقوت جڑا ہوا تھا۔

بہر حال سفید ہنوں کی مدد سے اس نے 487ء میں اپنی موروثی سلطنت حاصل کر لی۔ آغاز سلطنت میں قباد شہریار کو جہاں اندرونی سلطنت سے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہیں خزر قبائل جو بحر خزر کے ساحلوں سے شمالی قفقاز تک پھیلے ہوئے تھے، کی یلغاروں کو روکنا پڑا۔

قباد کے عہد میں ایران کی ایک شخصیت رونما ہوئی جو دنیا میں مزدک کے نام سے جانی جاتی

ہے۔ مزدک نے آتش پرستی سے الگ ایک نیا مذہب پیش کیا جو آج کی ''اشتراکیت'' کی ابتدائی صورت تھی۔ اس زمانے میں قباد اپنے امراء سے الجھا ہوا تھا اس لیے مزدک نے کمال ہوشیاری سے اسے اپنا گرویدہ بنالیا جس سے مزدکی مذہب کو بادشاہ کی حمایت حاصل ہوگئی اور کچھ عرصے کے لیے اسے فروغ حاصل ہوا۔ کہتے ہیں مزدک کے ظہور کے زمانے میں قحط پھیلا ہوا تھا۔ مزدک نے دربار شاہی میں حاضر ہوکر ایران کے معاشرتی نظام پر روشنی ڈالی جس میں اس نے شہنشاہ کو ثابت کر دکھایا کہ مملکت کی دولت کی تقسیم غیر مساوی اور امراء کے ہاں دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں جبکہ غریب عوام قحط اور فاقوں کا شکار ہیں، چونکہ بادشاہ بھی امراء کے اقتدار سے خائف تھا اس لیے اس کا ہمنوا بن گیا۔

بادشاہ نے مزدکی تعلیمات سے متاثر ہوکر اپنے ایک بہت مقتدر امیر سوفرا کو مروا دیا لیکن اس کے قتل کے بعد ملکی حالات ایک بار پھر قباد کے خلاف ہوگئے اور امراء نے اسے تخت سے اتار کر اس کے بھائی جاماسب کو تخت پر بٹھا دیا۔ قباد کے مزدکی مذہب کی حمایت کرنے پر لوگوں کو اتنا غصہ تھا کہ وہ اس کے تخت سے اتارے جانے کے بعد اس کے قتل کا مطالبہ کرنے لگے۔ بہر حال 498ء میں شاہ قباد ایران کے ایک مشہور قلعہ ''فراموشی'' میں قید کر دیا گیا، یہ خوزستان میں واقع تھا۔

تین سال اس قلعے میں قید رہنے کے بعد قباد وہاں سے نکلنے میں کسی طرح کامیاب ہوگیا اور ایک بار پھر سفید ہنوں کے خاقان خوش نواز خان کی مدد سے 502ء میں ایران کا تاج وتخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اب چونکہ اس پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ ایران کے لوگ اس کے مزدکی مذہب کر لینے پر ناراض ہیں تو اس نے مزدکی مذہب کی مزید حمایت سے ہاتھ اٹھالیا۔

دوبارہ برسر اقتدار آنے کے بعد اس نے رومیوں کے خلاف کچھ مہمات بھی لڑیں۔ ان کی اصل وجہ یہ تھی کہ رومیوں نے کسی زمانے میں ایران کو سفید ہنوں کی یلغار سے روکنے کے لیے گراں قدر رقم دینے کا وعدہ کیا تھا جسے رومی پورا نہ کر سکے تھے۔ اب قباد کو بھی خوش نواز خان کی مدد کرنے کا قرض روپیہ کی صورت میں ادا کرنا تھا اس لیے اسے رومیوں کے خلاف جنگ لڑنا پڑی۔ دوسری طرف سفید ہنوں کے بعض قبائل نے بھی ایران پر حملہ کر دیا اس لیے بادشاہ کو ان کی سرکوبی بھی کرنا پڑی بلکہ اسے صوبہ قفقاز میں ایک مضبوط سرحدی قلعہ بھی ان وحشی قبائل کے حملوں سے بچنے کے لیے تعمیر کرنا پڑا۔

اُدھر مزدک کے اشتراکی عقائد بھی بڑی سرعت سے اب جڑ پکڑ رہے تھے اور مزدکی اپنے

فرقے کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر بہت دلیر ہو گئے اور دست درازیاں کرنے لگے۔ قباد اب مزدکی مذہب سے بیزار ہو چکا تھا۔ اُدھر مزدک نے قباد کے بیٹے کاؤس کو تخت نشین کرانا چاہا جبکہ قباد نوشیرواں کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا مگر چونکہ مزدک سے اس کے تعلقات ابھی بظاہر خراب نہیں تھے اس لیے بادشاہ نے اس کی تجویز پر اپنی حکومت سے فرضی دست برداری کی ایک تقریب منعقد کی جس میں شرکت کے لیے آنے والے سرکردہ مزدکیوں کو ہلاک کروادیا۔

مزدک کا مذہب ارکان ثلاثہ آگ، پانی اور خاک کو بنیادی عناصر قرار دیتا تھا۔ اس مذہب کے عقائد میں اشتراکیت نمایاں تھی یعنی سب انسان پیدائشی طور پر مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ مزدک کی تعلیمات میں گوشت خوری ممنوع تھی۔ عورت کو وہ ذاتی ملکیت سمجھنے کے خلاف تھا اور عورت کو غلام دیکھنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ مذہب میں ماں، بہن اور بیٹی سے شادی جائز تھی کیونکہ اس کے نزدیک عورت مرد کی کمزوری ہے۔ اگرچہ قباد بھی ان نظریات کے خلاف ہو گیا تھا مگر اس کے بیٹے نوشیرواں نے مزدکی تحریک کو سختی سے دبایا اور مزدک اور اس کے مقلدین کو بڑی بے دردی سے ان کے نظریات کی بناء پر قتل کر دیا۔

ماخذ: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا صفحہ نمبر 1544 جلد دوم
تاریخ ایران، مقبول بیگ بدخشانی، ایان بعہد ساسانیاں

500ء۔ فرینک بادشاہ کلووس کا قبول مسیحیت

مغربی یورپ میں رومی سلطنت کے سقوط کے بعد 1000ء تک جو دور جاری رہا وہ ایک پوری تہذیب کی شکست و ریخت کا نمایاں مرقع پیش کرتا ہے۔ مورخین 500ء سے 1000ء تک قرون وسطیٰ کے ابتدائی دور کو عہد تاریک Dark Ages قرار دیتے ہیں۔ اس اصطلاح کے معنی ان کے نزدیک یہ واضح کرتے ہیں اس عہد سے پیشتر ایک کلاسیکی تہذیب عہد فروغ میں تھی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بحالی اور احیاء کا انتظام ہوا۔ اگرچہ جدید تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رومی سلطنت کے انحطاط کے بعد بربری بادشاہیوں کے قیام کے زمانے میں بہت سے اہم ادارے اور فنون وعلوم باقی رہے۔

مغربی رومی سلطنت کے اختتام کے بعد جن جرمن قبیلوں نے مختلف سلطنتیں قائم کیں ان میں

سب سے آخر میں آنے والا قبیلہ فرینکوں کا تھا۔ اگر گزشتہ پندرہ صدیوں کے حالات پر نظر رکھی جائے تو یہ قبیلہ سب سے بڑھ کر اہم ہے، اور اس نے تاریخ پر اپنا اثر چھوڑنے میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔

فرینک ابتدا میں دریائے رہائن کے زیریں حصوں میں آباد ہوئے۔ اس وقت یہ دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ وہ جو سمندر کے نزدیک آباد تھا دوسرا دریا کے کنارے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اپنے وطن کی سرحدوں میں اتنی توسیع کرتے چلے گئے کہ ایک قومی مملکت ظہور میں آ گئی۔ یہاں تک کہ شارلیمن کے عہد میں انہوں نے پورے یورپ پر فوقیت حاصل کر لی مگر اپنے وطن (فرانس کا شہر ایکس لاشیپل) کو ترک نہیں کیا۔ پانچویں صدی کے نصف آخر میں سمندر کے قریب رہنے والے فرینکوں نے میروئجین Merovinian خاندان کی زیر سرکردگی گال اور ممالک زیریں میں اپنی حیثیت مستحکم کر لی۔ یہی علاقے اس سیاسی وحدت کی بنیاد بنے جسے آج کل ہم فرانس کہتے ہیں۔ یہی خاندان فرانس کا حکمران خاندان میروئجی کہلایا۔ انہیں فرینکوں نے اپنی سلطنت کو مغربی رومی سلطنت کا صحیح وارث بنایا۔ فرینکوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے معماروں میں پہلی بڑی شخصیت میروئجی بادشاہ کلووس Clovis (461ء-512ء)۔ اس کی کامیابی جزواً اس کی فاتحانہ جنگی کارروائیوں کا نتیجہ تھی۔ 486ء میں اس نے رومی جرنیل سیاگریوس Syagrius کو شکست دی۔ سیاگریوس نے اپنے آپ کو ایک خود ساختہ رومی بادشاہ بنایا ہوا تھا اور خود کو آخری رومی حکمران کہتا تھا۔ پھر کلووس نے فرینکوں کے ساتھ آگے بڑھ کر ایک اور بڑے جرمن قبیلے المانی Almanic کو کچلا۔ اس قبیلے پر فتح پورے جرمنی کو فتح کرنے کے مترادف تھی۔ اس کے بعد کلووس نے برگنڈی Burgundi کو باآسانی فتح کر لیا۔ 507ء میں اس کی مغربی گاتھوں سے سخت جنگ ہوئی جس میں گاتھوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ کے بعد کوہ پائرینیز کے علاقے اس کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ غالباً کلووس کی ان کامیابیوں کی وجہ مورخین یہ لکھی ہے کہ اس نے کفر اور بت پرستی ترک کر کے مسیحیت قبول کی تھی۔ ایک فرانسیسی مورخ گریگوری نے جو تورز کا بشپ تھا کلووس کے بارے میں لکھا ہے کہ قبول مسیحیت سے پہلے وہ حد درجہ تک اخلاقیات کا احترام تک نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنے حریف سجبرٹ Sigebert کے بیٹے کو اس کے باپ کو قتل کرنے کی ترغیب دی اور پھر اپنے آدمیوں سے بیٹے کو بھی قتل کروا دیا تھا۔ گریگوری لکھتا ہے کہ اس کے بعد کلووس نے بڑی ہی معصومیت سے خدا ترسی کا انداز اختیار کرتے

ہوئے بھرٹ کے لواحقین کو یقین دلایا کہ میرا دامن باپ اور بیٹے کے قتل سے بالکل پاک ہے، میں بھلا اپنے رشتہ داروں کو خون بہانے پر کیوں آمادہ کروں گا؟

493ء میں اس نے ایک برگنڈین شہزادی کلوٹلڈ Clotilda سے شادی کی تھی۔ کلووس کی یہ ملکہ پہلے ہی رومن کیتھولک مذہب اختیار کر چکی تھی اسی بیوی نے اسے مسیحیت کی طرف مائل کیا۔ ایک جنگ میں جب اس کی شکست یقینی تھی تو اس نے یہ منت مانی کہ اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہو گیا تو مسیحیت قبول کر لے گا۔ اس جنگ میں کامیابی کے بعد اس نے مسیحیت قبول کر لی۔ یہیں سے تاج فرانس اور رومی پاپائیت کے درمیان گہرے روابط کا آغاز ہوا جو آگے چل کر مغربی یورپ کی تاریخ میں اہم ترین ثابت ہوا۔

فرینکوں کی یہ سلطنت جدید سلطنتوں کی طرح کی نہیں تھی۔ میرونجی خاندان میں جانشینی کے قوانین قدیم قبائلی تھے۔ چنانچہ کلووس کی وفات پر اس کی سلطنت اس کے بڑے بیٹے کو نہ ملی بلکہ چاروں بیٹوں میں بانٹ دی گئی۔ یہ قوانین جانشینی نا صرف میرونجی خاندان میں باعث خانہ جنگی بنے بلکہ ان کے بعد کارولنجی خاندان کے بادشاہوں میں بھی سرچشمہ حوادث بنی رہی۔

کلووس کے دیگر اہم کارناموں میں ایک بڑا تعمیری کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پیرس میں مقدس رسولوں کا گرجا تعمیر کرایا اور پیرس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اس کا نظام حکومت بھی رومیوں جیسا تھا۔ اس نے فوجی افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر رکھی تھیں۔ تنخواہوں کے بدلے میں تمام سرکاری ملازموں کو زمینیں دے دی جاتی تھیں تاکہ کاشتکاری کو بھی فائدہ پہنچے اور سرکاری ملازم بھی خوش رہے لیکن اسی نظام جاگیرداری کی وجہ سے بادشاہ کا اقتدار گھٹ گیا اور امراء اور جاگیرداروں کا اقتدار بڑھ گیا پھر بھی میرونجی خاندان کی حکومت کسی نہ کسی طرح 639ء تک قائم رہی اور اس کے بعد کارلنجی خاندان Carolingian کی حکومت قائم ہوئی۔

ماخذ: صفحہ نمبر 160 انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، غلام رسول مہر

صفحہ نمبر 230 تاریخ تہذیب، مولانا غلام رسول مہر

500ء۔ اینگلو سیکسن قبائل برطانیہ میں

اینگلو سیکسن ایک اور بربر جرمن قبیلہ تھا۔ اس مجموعہ میں اینگلو سیکسن اور جوٹ Jute شامل تھے۔ یہ لوگ بحیرہ شمالی کے مشرقی ساحل سے اٹھے اور جہازوں میں سوار ہو کر جہاز رانی اور بحری قزاقی میں خوب مہارت حاصل کر لی۔ پھر یہ جزائر برطانیہ پہنچے۔ ان جزائر سے پانچویں صدی میں رومیوں نے اپنی فوجوں کا انخلاء کر لیا تھا اور اس رومی صوبے کی بیرونی چوکیاں چھوڑ دیں جس کی وجہ سے اینگلو سیکسن لوگوں نے ادھر کا رُخ کیا۔ جب یہ لوگ ان جزائر پر پہنچے تو یہاں افراتفری کا عالم تھا۔ قبائلی باہم جدال وقتال میں مصروف تھے۔ شمالی جانب سے بت پرست پکٹوں Picts اور سکاٹوں Scots کے حملے کا خطرہ موجود تھا۔ اس موقع پر اینگلو سیکسن لوگوں کے بعض جنگی گروہوں کو غالباً قیام توازن کے لیے اسی طرح دعوت دے کر یہاں بلایا گیا جس طرح وندالوں کو شمالی افریقہ میں پہنچنے کی دعوت دی گئی تھی۔

اینگلو سیکسن حملہ آوروں نے تقریباً 500ء کے لگ بھگ تمام جزائر برطانیہ فتح کر لیے، صرف سکاٹ لینڈ، ویلز اور مغربی کارنیوال کے علاقے رہ گئے لیکن اس فتح کے باوجود انہیں مقامی لوگوں سے بے انتہا مخالفت کا سامنا تھا۔ رومی افواج یہاں سے واپس جا چکی تھیں مگر پھر بھی بہت سے سبکدوش رومی فوجی یہاں مستقل قیام کے لیے رُک گئے تھے۔ ان کے علاوہ وہ مقامی لوگ بھی جو رومی طریقہ جنگ سے واقف تھے، مسلسل مزاحمت کر رہے تھے۔ برطانوی تاریخ کے اس مشکل دور کو گلیڈ Gilads نامی مصنف اپنی کتاب ''برطانیہ کی فتح اور تباہی'' On The Destrustion And Conquest میں بیان کیا ہے۔ اس دور کا ہیرو ایک برطانوی جنرل آرتھر تھا جس نے اپنے گرد جنگجو لوگوں کا ایک گروہ اکٹھا کر لیا تھا۔ اس نے حملہ آور اینگلو سیکسنوں سے کم از کم بارہ جنگیں لڑیں۔ ان جنگوں میں سب سے بڑی جنگ 500ء میں کوہ بیڈن M.Badon کے قریب لڑی گئی اور برطانوی تاریخ میں جنگ کوہ بیڈن کہلاتی ہے۔ آرتھر نے جلد ہی ایک افسانوی ہیرو کی حیثیت حاصل کر لی اور ازمنہ وسطیٰ کے لوک گیتوں کا مرکزی کردار بن گیا۔ ان گیتوں میں اسے ایک بہادر بادشاہ کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔

اینگلو سیکسنوں نے جزائر برطانیہ میں ہمیشہ کے لیے اپنی چھاپ لگا دی۔ انہوں نے اگرچہ اصل برطانوی باشندوں سے جنگیں لڑیں مگر ان کی مکمل بیخ کنی نہ کی اور ان میں سے بعض رعایا کی

حیثیت سے باقی رہے اور آہستہ آہستہ فاتحین میں جذب ہو گئے۔ اس لحاظ سے اینگلو سیکسنوں نے ان جزائر سے رومیوں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ اٹھایا۔

ماخذ: صفحہ نمبر 228 ء تاریخ تہذیب ترجمہ مولانا غلام رسول مہر، 1967ء شیخ غلام اینڈ سنز لاہور

500ء۔ چیچن اٹزا کا عہد عروج

چیچن اٹزا کے مقام پر میکسیکو کے قریب جنوبی امریکا کے ''مایا'' لوگوں کی سب سے پرانی رصدگاہ موجود ہے۔ یہ قدیم عمارت دیکھنے میں رصدگاہ ہی معلوم پڑتی ہے۔ اس شاندار قدیم عمارت کی گولائی اور بلندی جنگل سے تین چبوتروں کی شکل میں اوپر کی طرف نکلتی ہوئی نظر آتی ہے جس کے اندر جدید طرز سے ملتی جلتی اندر کی طرف مخروطی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جو چکر کھاتی ہوئی سب سے اوپر والی منزل کو چھوتی ہیں جہاں پر رسدگاہ کا گنبد ہے۔ اس گنبد سے باہر پہنچ کر آسمان صاف اور شفاف رات کو تمام ستاروں کا منظر پیش کرتا ہے۔ اس رسدگاہ کی باہر کی دیواروں پر بارش کے دیوتا کی پروں کے ساتھ تصویر کشی کی ہوئی ہے۔

رصدگاہ ہی کی طرح چیچن اٹزا کے کنویں کی کیفیت بھی پراسرار ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کنویں میں قحط کے دنوں میں مایا لوگوں کے روحانی پیشوا لوگوں کو انسانی قربانی کے لیے کہا کرتے تھے۔ اسی لیے اس کنویں کی مٹی بھی بودار ہے۔ اس کنویں سے عورتوں اور بچوں کی ہڈیاں اور ڈھانچے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ یہ کنواں چیچن اٹزا کی رصدگاہ سے 67 گز کے فاصلے پر ہے۔ (ذہانت سے دانائی کا سفر صفحہ نمبر 165، جاوید طوسی، فیروز سنز لاہور)

دنیا کی جس ایک عظیم تہذیب نے جنوبی امریکا میں جنم لیا وہ مایا تہذیب کہلاتی ہے۔ اس کا زمانہ عروج 200 عیسوی سے 800 عیسوی تک کا مانا جاتا ہے۔ اس تہذیب کے اثری ثبوت جنوبی میکسیکو، گواٹے مالا اور برطانوی ہنڈوراس تک میں ملتے ہیں۔ اگرچہ اس تہذیب کا آغاز 500 ق م میں ہوا تھا مگر اس زمانے کے آثار تو اب تقریباً ناپید ہیں البتہ 325ء سے 925ء کے درمیانی دور کے آثار پتھر کی عمارتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ مایا لوگ علامتی تحریروں سے کام لیتے تھے جو ان عمارتوں پر کئی جگہ درج ملی ہیں۔ یہ لوگ زراعت حساب اور علم نجوم میں بے مثال مہارت رکھتے تھے۔ ان کے مذہب میں انسانی قربانی کا رواج تھا لیکن چھوٹے پیمانے پر۔

تقریباً 300ء میں مایا لوگوں نے شمال کی طرف ہجرت کا آغاز کیا وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں فصلیں بہتر ہو سکیں۔ ازمنہ قدیم میں ایسی بے شمار انسانی ہجرتیں ملتی ہیں جن کی بنیادی وجہ مٹی کو زرخیز بنانے کے علم کی کمی تھی۔ جب کبھی بھی کسی مقام پر فصلیں بہتر نہ ہوتیں تو انسانوں کو مجبوراً وہاں سے ہجرت کرنا پڑتی تھی، یوں خانہ بدوشی قدیم انسان کا مقدر تھی۔

ہجرت کرنے والے مایا لوگوں کے اٹھارہ قبیلوں میں سے ایک نے شمال پہنچ کر میکسیکو کے قریب ایک جگہ کا انتخاب کیا جو چیچن اٹزا Chichen Itza کہلاتی ہے۔ یہاں آباد ہونے والے شہر کو بھی یہی نام دیا گیا۔ دنیا کے بے شمار شہروں کی طرح ہر کسی دریا کے کنارے آباد نہیں تھا۔ اس لیے یہاں لوگوں کو بڑے بڑے پانی کے تالاب بنانے پڑے تاکہ سارا سال پانی کی فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے کیونکہ سال کے بیشتر حصے میں یہ زمین بنجر اور خشک رہتی تھی۔ چیچن اٹزا ایک بہت بڑا شہر تھا۔ اس میں ریت کے پتھر Sand Stone سے تعمیر کی گئی عمارات کی بہتات تھی۔ سب سے بڑھ کر شہر کے وسطی حصے میں 26 میٹر (78 فٹ) بلند ایک اہرام تھا جس کی چوٹی پر ایک مندر تعمیر کیا گیا تھا۔ ان تمام عمارتوں پر خوبصورت نقاشی کی گئی تھی جس میں ''پروں والے سانپ دیوتا'' کی تصاویر کو خاص مقام حاصل تھا۔ اس دیوتا کا نام ''کوکلکن دیوتا'' تھا۔ اکثر مایا عمارتوں پر اس دیوتا کی تصاویر کندہ تھیں۔ بہر حال سانپ دیوتا کی یہ تصاویر اس بات کی آئینہ دار تھیں کہ علم نجوم اور دیگر علوم پر دسترس رکھنے والے یہ لوگ جانداروں کی پرستش کرتے تھے۔

جنوبی امریکا کے یہ سرخ ہندی علم تقویم میں بھی بڑے ترقی یافتہ تھے ان کا سال 18 مہینے کا تھا جبکہ مہینے کے بیس دن تھے۔ اسی طرح ہر مہینے اور ہر دن کا نیا نام اور اپنی علامت مقرر تھیں۔ سال کی ابتداء ہر علاقے اور ہر قبیلے میں مختلف ہوتی تھی جس کی بنیاد موسمی، مذہبی اور حادثاتی ہوتی۔ سال کی ابتداء کی وجہ جو بھی ہوتی مایا قبائل نئی آگ جلا کر خوشیاں مناتے تھے۔ چند ایک قبائل یہ تہوار نومبر کے آغاز میں مناتے جو موسم خزاں کا وقت ہے۔ مایا قبائل کا دن شمار کرنے کا بھی اپنا انداز تھا۔ وہ کنکریوں یا لکڑیوں کی ایک مخصوص تعداد کو ایک دن گزارنے کے ساتھ ساتھ ایک ایک کر کے الگ رکھتے اور یوں مخصوص تعداد کے پورا ہونے کے بعد ایک بار پھر گنتی شروع کر دی جاتی۔

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر 1400، شیخ غلام علی اینڈ سنز 1988ء

ذہانت سے دانائی کا سفر، جاوید طوسی، فیروز سنز لاہور صفحہ نمبر 165

انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم صفحہ نمبر 242، مترجم مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی لاہور

520ء۔ نجران کے عیسائیوں پر ذونواس کا حملہ

یوسف اشعر ذونواس زمانہ قبل از اسلام میں تبع خاندان کا یمن کا بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں ذونواس اس کا نام اس لیے پڑا تھا کہ اس کے ماتھے پر بالوں کی ایک لٹ لہراتی رہتی تھی ذونواس ایک آتش پرست تھا اس کی ماں ایک یہودی عورت تھی اس کی کوششوں سے اس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی ماں نے اسے یہودیت کی تعلیم دی تھی۔

یہودی مذہب اختیار کرنے کے بعد ذونواس نے اپنا نام یوسف رکھا اور اہل یمن کو یہودیت کی دعوت دی۔ عامتہ الناس میں سے جس نے یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اس کا سر اُڑا دیا گیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس نے ظفار پر حملہ کیا اور دغا بازی اور چالاکی سے شہر میں گھس کر وہاں کے مسیحی گرجا گھر کو آگ لگا دی اور تین سو حبشیوں اور دو سو مقامی مسیحیوں کو قتل کر دیا۔ پھر یوسف نے نجران کے مسیحیوں کو بلایا کہ وہ جنگ میں اس کی مدد کریں لیکن جب انہوں نے سنا کہ اس نے گرجا گھر کو جلایا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر یوسف نجران پر حملہ آور ہوا، جب وہ شہر فتح نہ کر سکا تو اس نے شہر کے لوگوں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ پھاٹک کھول دیں تو ان سب کی جان بخشی کر دی جائے گی۔ انہوں نے اس کی یہ شرط قبول کر کے شہر کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے۔ انہیں مغلوب کرنے کے بعد ذونواس نے انہیں حکم دیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں اور اپنا سونا ہاتھوں میں لیتے آئیں۔ مزید یہ حکم دیا کہ وہ صلیب پر تھوکیں، جب انہوں نے انکار کیا تو ان کا قتل عام کیا۔ کہا جاتا ہے اس کے ایک غلام نے عیسائیت قبول کر لی تھی اس نے اُسے بلا کر تائید کی کہ نئے مذہب کو ترک کر دے لیکن جب طرح طرح کی ایذا رسانی کے بعد بھی وہ باز نہ آیا تو اسے سمندر میں ڈبونے کا حکم دیا مگر وہ خدا کے فضل و کرم سے اس سے بھی بچ نکلا تو بادشاہ نے اپنے اس غلام کو حضرت عیسیٰ کی مانند کوڑھی اور اندھے اشخاص کو ٹھیک کر دینے کا حکم دیا۔ جب اس غلام نے دعا کی اور وہ اندھا اور کوڑھی حکم خداوندی سے ٹھیک ہو گئے اور اس کے معتقد ہو گئے بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرایا اور اس نے اس غلام کو ایک ستون سے بندھوا کر تیروں کی بوچھاڑ کرا دی جس سے اس کا جسم چھلنی ہو گیا اور وہ غلام بقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔

اس غلام کی موت کے بعد اس کے ہم عقیدہ اہل نجران نے بادشاہ کے ظلم و ستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ جس پر بادشاہ نے بڑی طویل خندقیں کھدوا دیں اور انہیں لکڑیوں سے

بھروا کر دہکایا جب انگارے دہکنے لگے تو بادشاہ نے تقریباً بیس ہزار عیسائیوں کو ان خندقوں میں ڈلوا کر نذر آتش کر دیا۔

اس المناک واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں سورہ بروج میں کیا گیا ہے اور خندقوں میں زندہ جلا دیئے گئے لوگوں کو ''اصحاب الاخدود'' کہا گیا ہے۔

''رسولوں کے نقش قدم پر'' ان عیسائی شہداء کے ناموں میں سے 181 افراد کے ناموں کی فہرست کا ذکر کیا گیا جو سب کے سب عرب تھے اور ان کے نام حارث، عمر، جبر، تعلبہ، غنم، عبداللہ، معاویہ، سعد اور سلیم وغیرہ تھے۔

سوموار کے دن غالباً 30 نومبر 520ء کو ان عیسائی شہداء کی خواتین کو بھی شہید کیا گیا۔ اہل حمیر کی کتاب میں ان کی شہادت کا ایک دل خراش بیان موجود ہے۔ بادشاہ یوسف نے اپنے جرنیل ذویزن کو حکم دیا کہ وہ مسیحی خواتین کو اکٹھا کر کے انہیں یہودیت اختیار کرنے کی تلقین کرے اور ان سے وعدہ کرے کہ اگر وہ یہودیت اختیار کر لیں گی تو ہم ان کی شادیوں کا اچھا انتظام کر دیں گے لیکن اگر وہ رضامند نہ ہوں تو انہیں ان کے شوہروں کی طرح عذاب سے مارا جائے۔

ذویزن نے ایک سو ستر خواتین کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا کہ وہ صلیب پر تھوک کر یہودی بن جائیں مگر خواتین نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یوسف نے انہیں دردناک طریقے سے ہلاک کر دینے کا حکم دے دیا جس پر یہودی تیر اندازوں نے چاروں طرف کھڑے ہو کر ان خواتین پر تیروں کی بارش کر دی۔ جن خواتین کے پاس چھوٹے بچے تھے انہوں نے اپنے بچے زمین پر بٹھا کر ڈھانپ دیئے مگر ظالموں نے خواتین کو قتل کرنے کے بعد چھوٹے بچوں کو بھی تہہ تیغ کر ڈالا۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 10۔ ماخذ: رسولوں کے نقش قدم پر، تاریخ ابن کثیر جلد اول

523ء۔ آخری رومی فلسفی کی ''تصوفی فلسفہ''

قدیم یونانی و رومی فلسفہ کا آخری نمائندہ شریف الطبع اینی سیئس بوتھیوس Anicius Boethius کو مانا جاتا ہے۔ اس کا سن پیدائش 480ء کے قریب ہے وہ اطالیہ کے آسٹروگاتھ بادشاہ تھیوڈورک اعظم Theodoric The Great کے حکم پر 524 میں قتل کر دیا گیا۔ اگرچہ وہ عیسائی تھا اور اس کا خاندان سو سال سے مسیحیت قبول کر چکا تھا اور وہ خود بھی کلیسا کا عہدہ

دار تھا لیکن اس کا اصلی مذہب فلسفہ تھا۔ اس میں وہ افلاطون اور ارسطو کا پیروکار تھا جن کی تعلیمات اس کے نزدیک باہم بالکل موافق ہیں۔ اس کی فلاطونیت میں جدید افلاطونی رنگ پایا جاتا ہے لیکن اس کی ''فلسفیانہ تشفی'' On Cosolation Of Philosophi میں رواقیت کے اثرات بالکل عیاں ہیں۔

بوتھیوس روم میں پیدا ہوا اور اس کا تعلق رومی اشرافیہ کے مشہور خاندان اینیسائی Anicii سے تھا۔ شہنشاہ اولیبریس Olybrius بھی اسی خاندان کا ایک فرد تھا۔ بوتھیئس کا باپ 480ء میں قونصل کے عہدے پر فائز ہوا مگر اس نے اس عہدے پر فائز ہو کر زیادہ عرصہ نہ گزارا اور وفات پائی۔ باپ کی وفات کے بعد بوتھیوس کی پرورش اس کے سسر قنطس اوریلئس Quintus Orelius نے کی۔ بوتھیوس کی تعلیم کے متعلق یہ ہے کہ اس نے لاطینی کے ساتھ ساتھ یونانی پر بھی عبور حاصل کیا۔ اس کی ابتدائی تصانیف حساب میں بھی تھیں علم کلام کا وہ پہلا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے۔

اطالیہ کے آسٹروگاتھ بادشاہ تھیوڈورک اعظم سے اس کے دوستانہ مراسم تھے اور اسی کے عہد میں وہ 510ء میں قونصل کے عہدے پر فائز ہوا لیکن تھیوڈورک اعظم اپنی آخری عمر میں اس کے خلاف ہو گیا۔ بوتھیوس کی اپنی تحریر کے مطابق اس کے دشمنوں نے بادشاہ کے کان بھرے تھے اور وہ خود بھی اطالیہ میں آسٹروگاتھ حکومت کی سختیوں کے خلاف تھا۔ اسی کے نتیجے میں تھیوڈورک نے اسے تسینم Ticinum میں بغاوت کے جرم میں قید کر دیا، بالآخر بغیر کسی تحقیق و تفتیش اور مقدمہ چلائے بغیر اسے قسطنطنیہ کی رومی سلطنت سے ساز باز کر کے تھیوڈرک کا تختہ الٹنے کی کوششیں کرنے، رومی عہد کی آزادی بحال کرنے اور رومی سینٹ کے ادارے کا سابقہ وقار بحال کرنے کی کوششیں کرنے کے الزام میں سزائے موت دی گئی۔ اگرچہ بوتھیوس نے الزامات کی تردید کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ان الزامات سے مبرا ہے اور وہ خطوط جو قسطنطنیہ جاتے ہوئے پکڑے گئے ہیں جعلی ہیں مگر اس کی آواز روم کے شاہی محلات میں صدا بصحرا ثابت ہوئی اور قتل کر دیا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے زوال میں ایک اور رومی سینیٹر کا ہاتھ جو خود بھی بوتھیوس کے ساتھ ہی قتل کر دیا گیا۔

بوتھیوس کی مشہور تصنیف ''تشفی فلسفہ پر'' On Consolation Of Philosophi کو عالمی ادب کے نقادوں نے رومی ادب کی آخری اہم تصنیف قرار دیا ہے۔ یہ کتاب ازمنہ وسطیٰ کے یورپ میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی رہی ہے۔ اس کے بے شمار تراجم بھی ہوئے۔

انگریزی زبان میں اس کے اولین تراجم چاسر Chaucer اور الفریڈ اعظم نے کیے۔ انیسویں صدی تک اس کتاب کے انگریزی ترجموں کا سلسلہ جاری رہا۔

بوتھیوس نے یہ کتاب سینیم میں قید کے دوران لکھی تھی اور نثری مکالمات کی شکل میں ہے۔ یہ مکالمات خود بوتھیوس اور ایک باوقار خاتون کے درمیان ہیں۔ یہ باوقار خاتون ان مکالمات میں فلسفہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس خاتون کے سامنے بوتھیوس اپنے زوال اور صعوبتوں کا رونا روتا ہے جس کی تشفی و تسکین وہ خاتون اسے تقدیر کی وفائی اور زمینی عظمت کی بے ثباتی بتا کر کرتی ہے۔ انہیں مکالمات میں بوتھیوس نے نیکی کی عظمت اور سچائی کو خود خدا بتا کر سراہا ہے۔ تمام تسکین فلسفہ عقلی دلائل اور رواقی فلسفہ کے رنگ میں رنگی نظر آتی ہے۔

بوتھیوس نے ارسطو کی کئی تصانیف کو تشریح کے ساتھ ترجمہ کیا۔ سرو کی تصنیف Topica کی بھی شرح وبسط کی، افلاطون کے کام کا کچھ حصہ اس نے لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اس کے انہیں تراجم کی وجہ سے بارہویں صدی تک وہ یورپ میں ارسطو اور دیگر قدیم فلسفیوں کا بڑا شارح تسلیم کیا جاتا رہا۔ ازمنہ وسطیٰ میں منطق پر لکھنے والوں میں آج اس کا نام سب سے بلند رہا۔ نکومیکس Nicomachus کی ریاضی کی کتاب Introdustio Arithmetica کو بوتھیوس نے ٹیکسٹ بک کے طور پر پڑھایا اور علم موسیقی پر بھی اس نے لکھا تھا۔ بہر حال یہ آخری رومی فلسفی ایک ماہر العلوم کی حیثیت سے بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

ماخذ: صفحہ 151، جلد نمبر 4 انسائیکلو پیڈیا امریکانا۔ انٹری Boethius
صفحہ نمبر 294، مختصر تاریخ فلسفہ یونان، ڈاکٹر ولیلم نیسل، نفیس اکیڈمی کراچی

528ء۔ مزدک کا قتل

مزدک کی شخصیت کے متعلق تاریخ سے زیادہ افسانے مشہور ہیں مگر اس بات پر سب مورخین متفق ہیں کہ وہ بامداد کا بیٹا تھا، لیکن وہ کہاں کا رہنے والا تھا اس بارے میں مورخین اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض اسے خراسان کے شہر نسا کا باشندہ بتاتے اور کئی اسے استخر کا باشندہ لکھتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ تبریز کا رہنے والا تھا، بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ایرانی الاصل تھا۔ مزدک نے جو نیا مذہب پیش کیا اس کے بیشتر عقائد مانی سے ملتے جلتے تھے بلکہ بعض مورخین

نے لکھا ہے کہ مزدک کے عقائد، مانوی عقائد کی اصلاح شدہ صورت تھے۔ مزدک بھی زرتشت اور مانی کی طرح نور اور ظلمت دو قدیم جوہروں کا قائل تھا لیکن اس نے تخلیق کے متعلق جو نظریہ پیش کیا وہ مانی کے برعکس تھا۔

مزدکیوں کا اہم ترین عقیدہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے روئے زمین پر زندگی کے وسائل پیدا کیے تاکہ سب یکساں طور پر ان سے فائدہ اٹھائیں لیکن طاقتوروں نے کمزوروں پر غلبہ پالیا اور زر و مال اپنے لیے مخصوص کر لیے۔ مزدک کی تحریک ابتدا میں مکمل طور پر مذہبی تھی مگر بعد میں اس نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ مزدک نے قباد سے ملاقات کی اور اسے اپنی موثر گفتگو سے گرویدہ بنالیا۔ چنانچہ اس نے مزدک کے عقائد اختیار کر لیے جس سے اس کی تحریک کو تقویت حاصل ہوگئی اور کھلے عام اشتراکیت کا پرچار ہونے لگا اور ان نظریات سے لوگ اتنے دلیر ہوئے کہ امراء کے محلوں میں گھس کر لوٹ مار کرنے اور جاگیروں پر قبضہ کرنے لگے اور خواتین کو اٹھانے لگے جس سے ملک میں ابتری پھیل گئی۔

شروع میں قباد نے مزدکیوں کی حمایت اس لیے کی تھی کہ وہ اپنے امراء کا زور توڑنا چاہتا تھا لیکن اب صورتحال بے قابو ہوتے دیکھی تو وہ مزدکیوں سے بے زار ہوگیا۔ آخر جب مزدکیوں نے اس کے بیٹے نوشیرواں کی بجائے اس کے بڑے بھائی کاوس کو شاہ قباد کا جانشین مقرر کرنے کی کوشش کی جو ان کا بڑا پرجوش حامی تھا تو قباد کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ بادشاہ نے مزدکیوں کو نیچا دکھانے کے لیے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی جس میں مزدکیوں کے سرکردہ رہنماؤں کو مناظرے کی دعوت دی گئی۔ قباد نے خود بھی اس میں ذاتی دلچسپی لی۔ نوشیرواں جو ولی عہد مقرر ہو چکا تھا اس کے لیے مزدکیوں کا گروہ بہت بڑے خطرے کا باعث تھا۔ اس لیے اس نے بھی کانفرنس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مزدکی مناظرے میں شکست کھائیں۔ مزدکی پیشواؤں نے زرتشتی علما سے مذاکرہ کیا جس میں مزدکیوں کو شکست ہوئی۔ شکست کا اعلان سرکاری طور پر کیا جانا تھا مگر اس سرکاری اعلان سے پہلے ہی ان کی شکست کی خبر عام ہوگئی اور سپاہی مزدکیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا قتل عام شروع ہوگیا۔ شاید بادشاہ نے پہلے سے اس کا حکم دیا تھا کہ جیسے ہی انہیں نظریاتی طور پر شکست ہو انہیں قتل کر دیا جائے۔ چونکہ اس مناظرے کا اہتمام سرکاری طور پر کیا گیا تھا اس لیے مزدکی علما نے بڑی تعداد میں اس میں شرکت کی تھی۔ خود مزدک بھی اس کانفرنس میں اپنے مذہب کی سچائی پیش کرنے کے لیے شریک تھا۔ وہ بھی دیگر مزدکی رہنماؤں کے ساتھ مارا گیا

ان سب کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور یوں ایک ہی دن میں مزدکی خطرے کا خاتمہ ہو گیا مزدکیت اگر باقی بھی رہی تو اب اس کی حیثیت ایک خفیہ مذہب سے زیادہ نہیں تھی۔ مزدکی مذہب کے عقائد میں اہم ترین عقائد اشتراکیت کے حامل تھے۔ مزدک نے انسانی مساوات پر بہت زور دیا ہے اس کی زد میں معاشی نظام بھی آ گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر چیز مباح ہے اور مال و اسباب اور عورتیں کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں جس کا جی چاہے بے تامل اختیار کرے کیونکہ یہ تمام چیزیں اللہ کی ہیں اور سب ایک ہی ماں باپ سے ہیں اس کے یہی نظریات فساد کا باعث بنے تھے۔

ماخذ: تاریخ مذاہب از رشید احمد۔ تاریخ ایران جلد اول از مقبول بیگ بدخشانی
تاریخ ابن خلدون، قبل از اسلام، جلد اول دوم

529ء۔ حیرہ کے عرب حاکم کا شام پر حملہ

کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر جنوب مشرق کی جانب صحرا کے نزدیک ریاست حیرہ واقع تھی جس کے بادشاہ عموماً ایرانی سیادت میں تھے۔ ایک عرب روایت کے مطابق حیرہ کی بنیاد بخت نصر کے عہد میں پڑی تھی۔ حیرہ کا ذکر اسقفوں کی ان کلیسائی مجالس کے ذکر میں آیا جو پانچویں صدی عیسوی میں منعقد ہوئی تھیں۔

529ء میں حیرہ کے حکمران منذر نے حملہ کر کے شام سے انطاکیہ تک کا رومی علاقہ پامال کر دیا اور چار سو عیسائیوں کو گرفتار کر کے عرب دیوی العزیٰ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔ جس سے سلطنت روم کے طول و عرض میں غیض و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ 531ء میں ایرانیوں نے منذر کے ساتھ مل کر ایک بار پھر شام پر حملہ کیا۔ رومی سپہ سالار بلی سارے موقع پر آ پہنچا اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس نے عربوں اور ایرانیوں کے متحدہ لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اسی دوران ایرانی بادشاہ قباد وفات پا گیا جس کی وجہ سے ایرانی لشکر کو دارالحکومت واپس بلا لیا گیا۔

532ء۔ شہنشاہ جسٹینین اور آیا صوفیہ کی تعمیر

جنوری 532ء کی ایک سرد رات کو جب قسطنطنیہ کی گلیوں میں شہنشاہ جسٹینین Justinian (493ء-564ء) کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ آت میدان Hippo Drome میں متخاصم گروہوں میں شدید جنگ کی وجہ سے آیا صوفیہ Hayia Sophia جو قسطنطنیہ کا کلیسہ عظمیٰ تھا، شعلوں کی لپیٹ میں آ کر تباہ ہو گیا۔

مشرقی دنیائے نصرانیت کا یہ سب سے ممتاز صدر کلیسا ایک روایت کے مطابق خود قسطنطین اعظم نے تعمیر کروایا تھا لیکن تازہ ترین تحقیق سے پتا چلا ہے کہ اسے قسطنطین اعظم نے نہیں بلکہ اس کی وصیت کے مطابق اس کے بیٹے قسطنطیوس Constatius نے اپنے برادر نسبتی لائی سینیس پر فتح پانے کے بعد تعمیر کرایا تھا۔ اس وقت اسے باسلیکی Basilica کی شکل میں مستطیل بنایا گیا۔ اس کی پہلی رسم تقدیس 15 فروری 360ء میں ادا کی گئی تھی آیا صوفیہ 360ء سے 415ء تک کئی بار آگ اور زلزلوں کی نذر ہوا۔ 8 اکتوبر 415ء کو اس کا دوبارہ افتتاح ہوا۔ اس کے تقریباً ایک سو سال تک یہ بالکل محفوظ رہا لیکن شہنشاہ جسٹینین کے عہد میں اسے ایک بار پھر حادثہ پیش آ گیا۔

اس حادثہ کے فوراً بعد شہنشاہ جسٹینین نے قسطنطنیہ کی تعمیر نو کا اعلان کیا اور ساتھ ہی آیا صوفیہ کو اس شاندار انداز میں دوبارہ تعمیر کرانے کا عزم کیا کہ جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ بادشاہ نے اپنی وسیع سلطنت کی بت پرستانہ قدیم یادگار عمارتوں سے قیمتی تعمیراتی سامان قسطنطنیہ منگوا لیا۔ یہ قیمتی تعمیراتی سامان بعد ازاں آیا صوفیہ کی تعمیر نو میں صرف ہوا۔ تعمیر کا یہ کام ٹرالہ کے آتھیمیوس Anthemius Of Tralles اور ایزیدور آف میلت Isidor Of Miletus کی سرکردگی میں ہوا۔ ان اشخاص کا شمار چھٹی صدی عیسوی کے عظیم ترین معماروں میں ہوتا ہے۔ چونکہ شہنشاہ کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ اب یہ عمارت آگ اور زلزلے سے متاثر نہ ہو، اس لیے معماروں نے اس کا نقشہ گنبد اور قبہ کی شکل کا رکھا۔ اس عظیم الشان عمارت کا افتتاح اس کے سنگ بنیاد رکھے جانے کے ٹھیک پانچ سال دس ماہ بعد 27 دسمبر 537ء کو شہنشاہ جسٹینین نے بڑی شان و شوکت سے کیا۔ اس موقع پر اس پرشکوہ عمارت کے تعمیراتی حسن سے متاثر ہو کر شہنشاہ نے فخریہ طور پر کہا کہ "اے سلیمان (بانی ہیکل یروشلم) میں آپ سے بازی لے گیا" تاہم چشم فلک کو اس سے یہ فخریہ الفاظ پسند نہ آئے اور اسی کے عہد میں 7 مئی 558ء کو صرف اکیس سال بعد ایک

شدید زلزلے کے باعث اس کلیسا کے گنبد کا مشرقی حصہ گر گیا جس نے گرجے کے منبر، ذبح گاہ اور قربان گاہ کو پاش پاش کر دیا چونکہ پہلے یہ گنبد بہت چپٹا بنایا گیا تھا بعد کی تعمیر میں اسے بیس فٹ مزید اونچا کر دیا گیا اور اس کے ستونوں کے پایوں کو مزید مضبوط بنا دیا گیا 24 دسمبر 562ء کو یہ ایک بار پھر افتتاح کے لیے تیار تھا۔

لیکن شہنشاہ جسٹینین کی وجہ شہرت آیا صوفیہ کی تعمیر سے کہیں زیادہ رومی قوانین کے ضابطہ کی تکمیل سے ہے۔ جسٹینین کے حکم سے ترتیب دیئے گئے اس ضابطہ قوانین نے قانون کے میدان میں ہمیشہ کے لیے رومی تخلیقی جوہر کا نقش محفوظ کر دیا۔ آج تقریباً 1500 سال سے زائد گزرنے کے باوجود یورپی ممالک کے قوانین میں اس ضابطہ کا عکس نظر آتا ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی شق کسی نہ کسی شکل موجود نظر آتی ہے۔ غالباً کسی بھی دوسرے ضابطہ قوانین نے دنیا پر اتنے انمٹ نقوش ثبت نہیں کیے۔

شہنشاہ جسٹینین آج کے یوگوسلاویہ میں ٹائی دیسیم نامی قصبہ میں 483ء میں پیدا ہوا۔ وہ ایک ناخواندہ تھریسی کسان ''جسٹن اول'' کا بھتیجا تھا جس نے رومی افواج میں خدمات انجام دیں اور پھر شہنشاہ کے انتقال پر شہنشاہ منتخب ہو گیا۔ جسٹینین نے اپنے چچا کی معاونت سے تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کیں۔ 527ء میں لاولد جسٹن نے اسے اپنا متبنیٰ اور معاون شہنشاہ بنا لیا اسی برس وہ اچانک چل بسا اور اس کے بعد جسٹینین 38 برس تک کے لیے خود مختار اور مطلق العنان حکمران رہا اور اس نے 565ء میں وفات پائی۔

شہنشاہ جسٹینین کی پیدائش سے ذرا پہلے وحشی جرمن قبائل کے حملوں کے نتیجے میں مغربی سلطنت روم کا سقوط ہو چکا تھا۔ اب صرف مشرقی سلطنت روم ہی موجود تھی جس کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھا۔ جسٹینین کو برسر اقتدار آنے کے بعد سب سے بڑی خواہش یہ رہی کہ وہ کسی طرح مغربی رومی سلطنت کی گنوائی ہوئی عظمت کو بحال کر دے۔ اس نے اپنی سلطنت کی تمام تر توانائیاں اس مقصد کے لیے مخصوص کر دیں۔ اپنے اس مقصد میں بھی وہ کسی حد تک کامیاب رہا اور اس نے اٹلی، سپین اور شمالی افریقہ کا کچھ حصہ بزور شمشیر ان وحشیوں سے آزاد کرا لیا۔

تاہم تاریخ کے اوراق میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ رومی قوانین کے ضابطہ کی ترتیب و تدوین ہی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ 528ء میں اس نے اس ضابطہ کو ترتیب دینے کے لیے ایک کمیشن تشکیل دیا۔ اس کمیشن نے دو سال کی محنت کے بعد 529ء کے آخر میں اس ضابطہ کا مسودہ شائع

کیا۔ پھر اس میں ترامیم کی گئیں اور 534ء میں اسے سلطنت کے آئین کی شکل دے دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی جو قوانین اس ضابطہ میں شامل نہیں تھے بیک قلم منسوخ کر دیئے گئے۔ یہ ضابطہ Corpus Juris Civilis کا پہلا حصہ قرار پایا۔ دوسرے حصہ کو Digest کہتے ہیں۔ یہ اس وقت کے ممتاز رومی مقننوں کے نقطہ نظر کا نچوڑ ہے۔

تیسرا حصہ Institutes کہلاتا ہے یہ بنیادی طور پر قانون کے طالب علموں کے لیے ایک نصاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آخری حصے میں وہ تمام قوانین Novellae کے عنوان کے تحت جمع کر دیئے گئے جو جسٹینین نے Codex کی منظوری کے بعد وضع کیے تھے۔ یہ حصہ شہنشاہ کی وفات کے بعد شائع ہوا۔

اتنا بڑا قانونی کام اکیلا شہنشاہ کہاں تحریر کر سکتا تھا اور پھر اس کے پاس جنگوں اور دیگر انتظامی امور میں الجھے رہنے کے علاوہ وقت کب تھا۔ اس لیے اس کے حکم پر جو قانونی مجلس تشکیل دی گئی تھی اس کا سربراہ عظیم رومی مدبر اور قانون دان سڑبونین تھا۔

شہنشاہ کے تعمیراتی منصوبے اور جنگوں پر خرچ کثیر عوام پر محصولات کی زیادتی پر منتج ہوا۔ جس سے خاصی بے اطمینانی پھیلی جس نے بالآخر 532ء میں بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ یہ بغاوت اس زور کی تھی کہ ایک دفعہ تو شہنشاہ جسٹینین نے قسطنطنیہ سے براہ سمندر فرار ہونے کا منصوبہ بنا لیا مگر ایسے میں اس کی ملکہ تھیوڈورا نے اسے مایوسی کے اندھیرے سے نکالا اور بغاوت فرو کرنے کی ترغیب دی۔ تھیوڈورا کے ذکر کیے بغیر جسٹینین کا تذکرہ مکمل نہیں ہوتا۔ جوانی میں وہ ایک بدچلن عورت تھی، جب جسٹینین کی زندگی میں آئی تو اس کی بیوی اور مشیر خاص بن گئی۔ اسی کے مشورے پر 532ء میں ہونے والی بغاوت کو سختی سے کچل دیا گیا۔ جسٹینین کلیسا پر شاہی اقتدار اعلیٰ کی فوقیت کا حامی تھا۔ 553ء میں اس نے قسطنطنیہ میں دوسری مسیحی مجلس اس غرض سے منعقد کی کہ قائلین ''وحدت فطرت'' کے ساتھ سمجھوتہ ہو جائے۔

جسٹینین کا ایرانی ہمعصر بادشاہ نوشیرواں عادل تھا جو خود بھی ایک نامور حکمران ہے۔ 549ء میں نوشیرواں اور جسٹینین کے درمیان جنگ چھڑی تھی جو آٹھ سال جاری رہی۔ ایرانی افواج کو ایک محاذ پر رومیوں کی جنگی چال کی وجہ سے شکست ہوئی جس سے نوشیرواں نے جسٹینین اول کے ساتھ معاہدہ صلح کرنا پڑا۔ 557ء میں ایران، روم کے درمیان پھر گفت و شنید ہوئی جس نے 562ء میں ایک معاہدہ صلح کی شکل اختیار کر لی اس معاہدے کے مندرجات سے پتہ چلتا ہے کہ

دونوں فریقین اب جنگ سے تنگ آ گئے تھے۔

ماخذ: صفحہ نمبر 497 سو عظیم آدمی مترجم عاصم بٹ 2001 تخلیقات لاہور
تاریخ ایران صفحہ 458 مقبول بیگ بدخشانی لاہور
صفحہ نمبر 466 اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول 1988، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
صفحہ نمبر 314 اسلامی انسائیکلو پیڈیا پنجاب یونیورسٹی انٹری ''آیا صوفیہ'' جلد اول

531-579ء۔ عہد نوشیرواں عادل

شاہ قباد نے اپنے آخری دنوں میں اپنے تیسرے بیٹے نوشیرواں کے حق میں وصیت لکھوائی کہ اس کے بعد اس کا جانشین نوشیرواں ہوگا۔ اس کا بھائی کاؤس اور دوسرا بھائی جام حق جانشینی سے خارج کر دیئے گئے۔ کچھ لوگوں نے کوشش کی جام کے بیٹے قباد کو تخت نشین کرا دیا جائے۔ اس سازش کا نوشیرواں نے تخت نشین ہونے پر سخت نوٹس لیا اور باوجود یہ کہ اسے تاریخ عالم میں عادل کا خطاب حاصل ہے اس شہنشاہ نے بھی اپنے بھائی اور بھتیجوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور صرف قباد جو کم سن تھا اس کے ہاتھوں سے بچ سکا۔

نوشیرواں نے حکومت سنبھالتے ہی داخلی امور پر توجہ دی اور مزدکی فتنہ کو دبانے کے لیے مزدکیوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ چونکہ مزدک اور اس کے عقائد نوع انسانی کے لیے مہلک تھے اس لیے ملک سے یہ بدامنی دور کرنے کے لیے اس نے انتہائی سخت ترین قدم اٹھانے سے گریز نہ کیا۔ اردشیر بابکاں کے فرامین اور وصیتوں کو امراء اور عوام میں روشناس کرایا تا کہ ملک کا مستقبل روشن ہو سکے۔ اپنے عہد کے آغاز میں ملکی معاملات پر بھرپور توجہ دینے کے لیے 533ء میں نوشیرواں نے ایران کے روایتی حریف روم سے صلح کر لی مگر یہ صلح کچھ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی اور رومیوں کی اٹلی اور مشرقی افریقہ میں مسلسل فتوحات سے خائف ہو کر نوشیرواں نے اپنی دھاک بندھوانے کی خاطر انطاکیہ پر حملہ کر دیا۔ ادھر چونکہ رومی دوسرے محاذوں پر مصروف تھے اس لیے مشرقی سرحدوں پر حملہ روکنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا لہٰذا نوشیرواں کو یہ شہر فتح کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس شہر کے فن تعمیر کی خوبصورتی سے نوشیرواں اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے بین النہرین کے ایرانی صوبے میں ایک اور انطاکیہ تعمیر کروایا اس شہر کا نام ''رومیا'' رکھا گیا۔

551ء میں ایران اور روم کے مابین لازیکا کے معاملہ پر ایک خونریز جنگ لڑی گئی جس میں ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا اور رومیوں کو نہ صرف میدان سے بھاگنا پڑا بلکہ لازیکا کے علاقے بھی خالی کرنا پڑے۔ اس جنگ کے بعد ایک بار پھر ایران و روم میں ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن جیسے ہی رومیوں نے لازیکا میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا ایرانی ان سے دو دو ہاتھ کرنے ایک بار پھر میدان جنگ میں کود پڑے۔ رومی لشکر تعداد میں بہت کم تھا قریب یہ تھا کہ ایرانی فتح مند ہوں رومی جرنیل نے ایک جنگی چال چلی اور مشہور کر دیا کہ ایک بڑا رومی لشکر آ پہنچا ہے اس چال سے ایرانی بوکھلا گئے اور انہیں شکست ہوئی اور روم سے ایک دوسرے صلح نامہ طے پایا۔ یہ معاہدہ دونوں ملکوں میں 562ء میں طے پایا۔

روم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے نوشیرواں نے دیگر خارجی امور پر توجہ دی۔ سفید ہن (ہپتالی) مدتوں سے مملکت ایران کے لیے دردسر بنے ہوئے تھے نوشیرواں نے ترکوں کی مدد سے ان پر فتح پائی۔ ہنوں کی سرکوبی کے بعد 576ء میں نوشیرواں نے قبائل خزر کو عبرت ناک شکست دی اور ان کی ایرانی سرحدوں پر لوٹ مار بند کر دی۔

نوشیرواں ہی کے عہد میں ابرہہ (حبشہ کا حکمران) نے یمن پر حملہ کیا۔ یمن کا حکمران سیف بن یزن مقابلے کی تاب نہ لا کر نوشیرواں کے دربار میں پناہ گزیں ہوا۔ اُدھر ابرہہ نے یمن پر اپنی حکومت قائم کر لی اور صنعا اور دیگر یمنی شہروں میں عیسائیت کے فروغ کے لیے کلیسا تعمیر کرائے۔ ابرہہ چونکہ عیسائی تھا اس لیے قیصر روم اس کے ان اقدام سے خوش ہوا اور نوشیرواں برافروختہ۔ نوشیرواں نے سیف بن یزن کی مدد کے لیے لشکر فراہم کیا جو 576ء میں ایک مشہور ایرانی سالار برز کی سرکردگی میں یمن پر حملہ آور ہوا اور اس نے سیف بن یزن کی حکومت بحال کر دی۔

ایران اور روم میں پچاس سالہ معاہدہ صلح ہوا تھا مگر ترکوں کے معاملہ پر دونوں مملکتوں میں ایک بار پھر کشیدگی ہو گئی اور صرف نو سال کے بعد شہنشاہ جسٹن نے معاہدہ کو توڑ دیا۔ وہ ترکوں کی پشت پناہی کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ ایران کے دردسر بنے رہیں۔ قیصر روم کو ایک خیال یہ بھی تھا کہ نوشیرواں اب بوڑھا ہو چکا ہے مگر نوشیرواں خود لشکر لے کر میدان میں آ گیا اور رومیوں کو مار بھگایا۔ اس بار رومیوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں پے در پے ذلت اٹھانا پڑی جس کے صدمہ سے قیصر روم جسٹن کو اتنا شدید پہنچا کہ وہ تاج و تخت سے دستبردار ہو گیا۔ اس کے جانشین ٹائی بیریس نے 45 ہزار پاؤنڈ بطور تاوان ادا کر کے ایران سے صلح کی۔

570-571ء کا سال نوشیرواں کے عہد سلطنت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سال نوشیرواں نے یمن کی قدیم سلطنت کو فتح کیا۔ اُدھر مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی جن کی تعلیمات مملکت ایران کا مقدر بن چکی تھیں۔ حضورؐ کی ولادت کی رات زلزلہ سے نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ زرتشت کے مقدس آتش کدہ کی آگ بجھ گئی۔ سادہ ندی کا پانی خشک ہوگیا۔ آتش پرستوں کے موبدان موبد کو خواب میں عربوں کے اونٹ اور گھوڑے دریائے دجلہ کو عبور کر کے مغربی ایران کا علاقہ روندتے نظر آئے، اگلی صبح اس نے یہ خواب نوشیرواں کو سنایا، نوشیرواں نے اپنے دربار کے ایک غسانی عرب امیر کے چچا سطیح کو بلا کر اس خواب کی تعبیر کرائی۔ عرب کاہن سطیح نے نوشیرواں کو بتایا کہ اس کے محل کے چودہ کنگرے گرنے کی علامت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد چودہ ساسانی تاجدار ایران پر حکومت کریں گے ان کے بعد بالآخر عرب ایران کو فتح کر لیں گے اور مقدس آتش کدہ کی آگ بجھ جائے گی۔

عین وقت عروج نوشیرواں نے کاہن کی یہ پیشن گوئی سنی تو اسے سخت قلق ہوا تاہم وہ اس بات پر خوش تھا کہ اس کے بعد ساسانی خاندان کے چودہ تاجدار اور ہونگے مگر اسے یہ خبر نہ تھی کہ ان کا عہد سلطنت نہایت مختصر ہوگا۔

نوشیرواں کے عہد آخر میں اس کے بیٹے انوشنگ زاد نے اس کے خلاف بغاوت کردی جو فوراً ہی فرو کردی گئی اور باغی شہزادے کی آنکھوں میں سزا کے طور پر گرم سلائی پھروا کر اسے اندھا کر دیا گیا۔ یہ نوشیرواں کی مذہبی آزادی کا نتیجہ تھا۔ عیسائی پہلی بار سرزمین ایران میں تبلیغ عیسائیت کے لیے اتنے آزاد تھے کہ انہوں نے شہزادے انوشنگ زاد کو عیسائی بنا کر خود بادشاہ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ نوشیرواں نے مذاہب عالم میں سے صرف مزدکیت کی بیخ کنی کی کیونکہ وہ اس کے نزدیک نوع انسانی کے لیے ضرر رساں تھا۔

نوشیرواں کے عدل وانصاف کی داستانیں آج بھی زبان زد عام ہیں۔ اگرچہ رومی مورخین نے اسے ایک ظالم، سفاک اور عیار بادشاہ لکھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے نوشیرواں کو دشمنی کی عینک سے دیکھا اور انصاف کا دامن چھوڑ دیا اور جانبداری کو اپنا لیا۔ علمائے مشرق نے نوشیرواں کے عدل وانصاف کے متعدد واقعات اپنی کتابوں میں رقم کیے ہیں۔ نظام الملک اپنی کتاب سیاست نامہ میں لکھتے ہیں کہ نوشیرواں نے اپنے محل میں ایک گھنٹی لٹکا رکھی تھی کہ مظلوم کی

دادرسی کی جائے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ نوشیرواں کے محل خاص کا صحن کجی اور خامی کا شکار تھا۔ ایک موقع پر روم کے سفیر کے استفسار پر اسے بتایا گیا کہ یہاں ایک بڑھیا کا مکان تھا جو محل کی تعمیر کے وقت کسی قیمت پر اپنا مکان بادشاہ کو دینے پر تیار نہ ہوئی جس کی وجہ سے صحن میں یہ کمی رہ گئی۔ بادشاہ نے اس بوڑھی عورت کا مکان طاقت کے زور پر حاصل نہ کیا اور حکم دیا کہ یہ مکان چھوڑ دیا جائے۔ ان واقعات اور حکایت کے علاوہ نوشیرواں نے اپنے ہمعصر رومی شہنشاہ جسٹینین کی طرح بہت سے ملکی قوانین بھی وضع کیے اور پہلے سے موجود قوانین میں ترامیم کیں۔

نوشیرواں کو مطالعے کا بہت شوق تھا اس کے دربار میں ایک سریانی طبیب یورنیوس اسے فلسفہ پڑھاتا تھا ایک اور عیسائی پالوس پرسا نامی نے اس کے لیے ارسطو کے منطق کا سریانی سے پہلوی میں ترجمہ کیا تھا۔ نوشیرواں علوم کی ترویج واشاعت کے لیے ایران کے شہر جندی شاپور میں ایک یونیورسٹی بھی قائم کی تھی۔ اس میں ادب وفلسفہ وسائنس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ نوشیرواں نے بانی ساسانی خاندان اردشیر اول کے خطبات کو ترجمہ کروا کر قانون کا درجہ دیا۔ مشہور قدیم فارسی کتاب ''خدائی نامک'' اسی عہد میں لکھی گئی۔ مشہور کتاب ''کلیلہ ودمنہ'' بھی نوشیرواں کے عہد ہی میں ہندوستان سے لاکر فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ نوشیرواں کا وزیر بزرجمہر بھی دانائی کے لیے مشہور تھا۔

بہرحال ساسانی عہد میں نوشیرواں کو سب سے اہم حکمران تسلیم کیا جاتا ہے۔

ماخذ: تاریخ ایران مقبول بیگ بدخشانی صفحہ نمبر 452-472 ''ایران بعہد ساسانیاں''

از کرسٹین سین

70-543ء۔ سدمآرب کی تباہی

سدمآرب تمام قدیم دنیا میں آبپاشی کے لیے بند یقیناً یمن کی سب سے قدیم عمارت تھی جو 800 ق م میں تعمیر کی گئی اور آج تک محفوظ ہے۔ یہ بذات خود فن معماری کا نہایت اعلیٰ نمونہ اور کارنامہ ہے جو قدیم زمانہ میں جنوبی عرب کے لوگوں کی اجتماعی قابلیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی تصانیف میں اس کی بڑی شہرت ہے اور یہ عرب مورخین کا بہت دل پسند موضوع تھا۔ اس کی کچھ وجہ تو جنوبی عرب (یمن) میں اس کی اہمیت ہے لیکن اس سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ ''سباء کے لیے ان کی بستی میں ایک نشانی تھی، دائیں اور بائیں دو باغ، خدا کے

رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکریہ ادا کرو، جو اچھا اور مغفرت والا پروردگار، لیکن وہ روگرداں ہو گئے تو ہم نے ان دونوں باغوں کو بدل کر ایسا باغ بنا دیا جس میں کسیلا پھل، جھاڑ اور کچھ بیر کے درخت اُگنے لگے۔ یہ ہم نے ان کو ان کے کفر کا بدلہ دیا اور ہم اس طرح کی جزا صرف کافروں کو دیتے ہیں'' 34 سبا آیت 15-19

سد مآرب کی جس شکستگی کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور جو مآرب کے زرخیز گردونواح کی تباہی کا باعث بنی 543ء اور 570ء کے درمیان کے زمانے میں واقع ہوئی۔ اگرچہ اس واقعہ کی یاد عربوں کے ذہنوں میں مقابلتاً تازہ تھی مگر پھر بھی ہم مفسرین کے بیانات میں جہاں وہ سد مآرب کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے بنانے والوں کا نام جہاں وہ سد مآرب کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے بنانے والوں کا نام بتاتے اور اس کی شکستگی کے اسباب بیان کرتے ہیں، دور از کار افسانے پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اس طرح سزا دی کہ ایک گھونس نے اس سد کی پتھروں کی دیواروں کو کتر ڈالا یہاں تک کہ یہ سوراخ ہو جانے کی وجہ سے پانی کا زور پڑ جانے سے ٹوٹ گئی اور پانی تمام سد پر چھا گیا اور رکشت زاروں کو تباہ کر دیا۔ اس کی ایک مثال الامیری کی کتاب ''حیات الحیوان'' میں ملتی ہے۔ ''خلد'' کے لفظ کے تحت وہ ایک قسم کے چوہے کا ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ اندھا ہوتا ہے اور ہمیشہ اپنے بل میں رہتا ہے اور شاذ و نادر ہی باہر آتا ہے۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہی ''خلد'' تھا جس نے سد مآرب کو تباہ کیا تھا۔

قوم سباء کے دو باغ تھے، یعنی ایک آنے والے کے دائیں ہاتھ پر اور دوسرا بائیں ہاتھ پر۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ خدا کے عطا کردہ رزق کو کھاؤ اور شکریہ ادا کرو۔ ان کا شہر بہت اچھی جگہ تھا جہاں نہ مچھر تھے نہ پسو، نہ سانپ اور نہ مکھیاں، اور جب بھی کسی کارواں کے ساتھ ایسے لوگ آتے جن کے کپڑوں میں جوئیں یا کوئی اور کیڑا ہوتا تو یہاں کی آب و ہوا میں پہنچتے ہی یہ کیڑے مر جاتے۔ باغوں میں ہر شخص ٹوکری لے کر جاتا اور جب باہر آتا تو وہ ٹوکری ہر قسم کے پھلوں سے بھری ہوتی۔ خدا نے اس قوم کی طرف اپنے تیرہ پیغمبر بھیجے جنہوں نے ان لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی نصیحت کی لیکن ان لوگوں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور یہ کہا کہ ''ہم نہیں جانتے کہ اللہ نے ہم پر کوئی عنایت کی ہے۔'' ان کا ایک سد (عرم یا بند) تھا جسے بلقیس نے جب وہ ملکہ تھی بنویا تھا۔ یہ بند تقریباً 150 فٹ لمبی اور 50 فٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم اس کی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ ملکہ بلقیس کے زمانے میں یہ لوگ نیکوکار تھے لیکن اس کے

بعد وہ ظلم وحرص پر اُتر آئے اور اللہ کا انکار کر بیٹھے۔ اس پر خدا نے ان پر اندھا چوہا خلد کی نوع کا بھیجا جس نے سد کی دیواروں میں سوراخ کر دیئے۔ اس طرح بند کے ٹوٹنے سے ان کے درخت تباہ ہو گئے اور ان کی زمین ویران ہو گئی۔ الامیری لکھتا ہے کہ سبائیوں کو اپنی کتابوں میں درج پیشگوئیوں سے اس بات کا علم تھا کہ ایک نہ ایک دن ان کے سد عرم کو ایک چوہا تباہ کر دے گا لہٰذا انہوں نے ہر دو پتھروں کے درمیان شگاف پر ایک بلی مقرر کر رکھی تھی۔ جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آیا تو ایک سرخ رنگ کا چوہا ان میں سے ایک بلی کے پاس آیا اور اس پر حملہ آور ہوا جیسے ہی بلی پیچھے ہٹی چوہا شگاف میں گھس گیا اور اس نے کھودنا شروع کر دیا۔ جب سد میں پانی کا ریلا آیا تو سد میں داخلہ کے مقام پر سد گر کر تباہ ہو گئی اور تمام علاقہ میں طغیانی آ گئی اور ان کے گھر بار اور باغ ریت سے بھر گئے۔

ابن عباس اور دوسرے مفسرین کا بیان ہے کہ اس سد مآرب کو ملکہ بلقیس نے بنوایا تھا کہ اس کے زمانے میں قوم سباء کے لوگ اپنی وادیوں میں آنے والے سیلابی پانی کی تقسیم پر جھگڑتے تھے۔ ملکہ کے حکم پر ساری وادی کو ایک عرم سے جو کہ سد کے لیے ایک حمیری لفظ ہے، بند کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیانی راستے کو بڑے بڑے پتھروں اور کول تار کے ساتھ بند کر دیا اور اس پتھریلی دیوار میں اوپر تلے تین دروازے رکھے اور اس بند کے نیچے کی طرف پانی کا تالاب بنا دیا جس میں ان کے دریاؤں کے مطابق بارہ راستے رکھے گئے۔ بعض مورخین کے نزدیک اس بند کو ملکہ بلقیس کے علاوہ دوسرے عرب سرداروں نے بنوایا تھا۔ سد مآرب کی بقایا بچ رہنے والی دیواروں پر خوش قسمتی سے کچھ کتبات درج رہ گئے ہیں ان میں اس بند کے بانیوں کے نام بھی ہیں جن میں پہلا بانی یشع امر تھا جو مورخین کے نزدیک آٹھویں صدی قبل از مسیح میں زندہ تھا۔

ماخذ: تاریخ ارض القران، سلمان ندوی صفحہ 202۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ جلد 18

570ء۔ مکہ پر ابرہہ کا حملہ

تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ (القرآن) ابرہہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں جنوبی عرب (یمن) کا ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ اسلامی ادب میں اس کی

وجہ شہرت قرآن پاک کی سورۃ الفیل میں بیان کی گئی اس روایت پر ہے کہ اس نے ایک یمنی لشکر لے کر مکہ پر نبی کریمؐ کے سال پیدائش یعنی تقریباً 570ء میں چڑھائی کی تھی۔

حمیری کتبوں سے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق ثبوت ملے ہیں کہ شاہ حبشہ ہیلس تھی اوس Helles Theaios نامی نے 525ء کے قریب یمن پر چڑھائی کی اور وہاں کے بادشاہ کو مار ڈالا۔ اس کی جگہ ایک کٹھ پتلی حکمران مقرر کیا اور خود واپس حبشہ چلا گیا۔ اس کے بعد حبشہ کے باغیوں نے جو یمن میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اس کٹھ پتلی حکمران کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی جگہ ابرہہ کو جو یمن کے بازنطینی تاجر کا غلام تھا، تخت پر بٹھا دیا۔ شاہ حبشہ ہیلس تھی اوس نے اس باغی گروہ کے خلاف دو مہمیں یمن بھیجیں جو ناکام رہیں اور ابرہہ یمن کا حکمران رہا۔

قسطنطنیہ پر اُن دنوں قیصر جسٹینین کی حکومت تھی جو ایران کی روایتی حریف تھی۔ جسٹینین نے عیسائی ہونے کے ناطہ ابرہہ کو ایران پر حملہ کے لیے ابھارا مگر بے سود رہا اور ابرہہ یمن سے ایران پر حملہ کے لیے نکل کر راستہ سے واپس ہو گیا۔ اُدھر جب تک ہیلس تھی اوس حبشہ پر حکمران رہا ابرہہ نے حبشہ کو خراج نہیں دیا۔ اس کے جانشین کو وہ خراج ادا کرنے پر رضامند ہو گیا۔ ان واقعات کی تصدیق ہمیں خود ابرہہ کے ایک کتبہ سے ہوتی ہے جو سدمآرب Marib کی بقیہ دیوار پر ملا ہے۔ اس کتبہ میں ابرہہ کے خلاف ایک بغاوت کا بھی ذکر ملتا ہے جسے معزول شاہ یمن سمفیع کی تائید حاصل تھی۔ ابرہہ کا یہ کتبہ اور اس کے دیگر کتبات صرف 550ء تک کے زمانے پر روشنی ڈالتے ہیں مگر اس کے بعد کے واقعات پر خاموش ہیں۔ بعد کے واقعات صرف عرب مورخین کے ہاں ملتے ہیں۔

ابرہہ کو جب زمانہ امن میسر آیا تو اس نے صنعا میں ایک کینسہ تعمیر کرایا۔ اس معبد کو مکہ میں واقع کعبہ کا ہم پلہ قرار دینے کے لیے اس نے قبائل عرب کو اس کا حج کرنے کی دعوت دی۔ ان کے انکار پر اس نے غضبناک ہو کر حبشہ سے ہاتھی منگوائے اور 570ء میں مکہ پر چڑھائی کر دی۔ عرب قبائل جو راہ میں مزاحم ہوئے ان کو پچھاڑا اور حرم کے قریب المغمس کے مقام پر جا اُترا۔ اس مقام سے ہاتھیوں کو کعبہ کی طرف دھکیلا گیا مگر انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ یہی واقعہ قرآن کریم کی سورۃ الفیل میں بیان کیا گیا ہے۔ جب قریش مکہ کو اطلاع ہوئی تو مدافعت کی تیاریاں کرنے لگے لیکن جب ابرہہ کے لشکر کی تعداد معلوم ہوئی تو یہ جان کر کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے تن باتقدیر خاموش بیٹھ گئے۔ اُدھر ابرہہ نے اپنا ایک دستہ مکہ بھیجا کہ کچھ اونٹ باربرداری کے لیے اور

چند آدمی پکڑ لائے۔ ان اونٹوں میں نبی کریمؐ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ شامل تھے۔ اس کے بعد ابرہہ نے سردار مکہ کو پیغام بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو منہدم کرنے آئے ہیں اگر تم مزاحم ہو گے تو پھر جنگ ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب ارسال فرمایا کہ تم میرے اونٹ لوٹا دو کہ میری ملکیت ہیں، کعبہ جس کی ملک ہے وہ تمہیں تمہارے عزائم سے روکے تو اس کا یہ گھر ہے اور اگر وہ تعرض نہ کرے تو ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔ ابرہہ حیران ہوا کہ کعبہ جو اتنا متبرک ہے اس کے لیے تو یہ کوئی درخواست نہیں کر رہے البتہ اونٹوں کی واپسی کی استدعا ہے۔ اس نے اونٹ واپس کر دیئے اور اپنے عزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آگے بڑھا۔

ابرہہ کے لشکر نے دوسرا پڑاؤ عرفات اور منیٰ میں مقام مخیمر میں کیا۔ جب یہاں سے بھی وہ کوچ کر کے آگے بڑھے تو قرآن کریم کے مطابق خدا تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے پرندوں کے جھنڈ بھیج دیئے جنہوں نے بمبار طیاروں کی طرح آتے ہی لشکر ابرہہ پر کنکریوں کی بارش کر دی۔ جس انسان کو پرندوں کی پھینکی کنکری لگتی اس کے جسم پر چیچک کے دانے نکل آتے۔ اس طرح ابرہہ کا لشکر چیچک کی وبا کا شکار ہو کر مفلوج ہو گیا۔ پسماندہ فوجوں نے جب اپنے ہاتھیوں کو آگے بڑھانا چاہا تو ان کے ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اگر ان کا منہ جانب کعبہ سے موڑا جاتا تو وہ بھاگ اٹھتے، یہاں تک کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابرہہ کا پورا لشکر تباہ ہو گیا، پھر ایک سمندری سیلاب ان کی لاشوں کو بہا کر لے گیا۔

قرآن کریم اس واقعہ کے پینتالیس برس بعد نازل ہوا تھا۔ اس میں اس واقعہ کا اجمالی تذکرہ موجود ہے۔ یہاں یہ بات خاص ہے کہ اہل عرب آغاز میں وحی الٰہی کی تکذیب میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے مگر سورۃ الفیل میں بیان کئے گئے اس واقعہ کو انہوں نے کبھی بھی نہیں جھٹلایا بلکہ شعراء عرب نے اس واقعہ کا اپنے کلام میں ذکر کیا ہے۔ یمن میں آج ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود صنعا سے مکہ جانے والے راستے پر ''درب الفیل'' اور ''بئیر الفیل'' کے مقامات موجود ہیں جو اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اس راہ سے اصحاب الفیل گزرے تھے۔ قیس بن الخطیم اور ابو قیس بن الاسلت نے اپنی شاعری میں واقعہ الفیل کی تفصیلات بھی فراہم کیں ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موجودہ زمانہ میں جیسا کہ پہلے ذکر آیا ابرہہ کے خطبات اثریاتی طور پر دریافت ہو چکے ہیں جو اس بات کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ ابرہہ نام کا کوئی حکمران یمن ہو گزرا ہے۔

ماخذ: اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، مادہ ابرہہ جلد اول
سیرت ابن ہشام جلد اول، سیرت الکبریٰ جلد اول کتب خانہ مجیدیہ ملتان

571ء۔ تاریخ عالم کا سب سے روشن دن

حضرت مسیحؑ کے بعد چھ صدیوں سے انسانیت کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی پیغمبر مبعوث نہیں فرمایا تھا اور نوع انسانی باوجود سیاسی اور سائنسی ترقی کے گمراہی کے اندھیرے میں بھٹک رہی تھی 22 اپریل 571ء کی رات مکہ کے اُفق پر دنیا کا آخری اَبر رحمت نمودار ہوا جس نے پورے عالم انسانیت کی آبیاری کر دی اور خاص کر عرب کی بنجر اور ریتلی زمین کو خلد بریں بنا دیا۔ اس رات آسمان پر وہ سرخ ستارہ بھی طلوع ہوا جو انبیاء کرامؑ کی شب ہائے ولادت کو آسمان پر طلوع ہوا کرتا تھا۔ تاریخ عالم بڑے لوگوں، خاص کر انبیاء علیہ السلام کی ولادت کے وقت عام طور پر عجیب وغریب واقعات کے پیش آنے کا ذکر کرتی ہے۔ پیغمبر اسلام (ﷺ) کی ولادت کے مبارک موقع پر بھی ایسے ہی کئی ایک واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ آپ (ﷺ) کی والدہ ماجدہ نے کئی عجیب وغریب خواب دیکھے جن میں آپ (ﷺ) کی عظمت وجلالت پر روشنی پڑتی ہے۔ ابھی آپ شکم مادر میں تھے کہ آپ (ﷺ) کی والدہ کو ایک ایسا نور نظر آیا جو شام کے محلات تک کو روشن کر رہا تھا۔ آپ (ﷺ) کی پیدائش کی رات کسریٰ کو ایک ہولناک خواب نظر آیا جس میں اُس کی سلطنت کی بربادی اور اسلامی فتح کی پیشن گوئی تھی۔ اُسی زمانے میں ایران میں ایک زلزلہ آیا جس سے قصر نوشیرواں کے چودہ کنگرے گر گئے اور صدیوں سے روشن آتش کدے بجھ گئے، بحر طبریہ خشک ہو گیا۔

پیغمبر اسلام (ﷺ) مکہ کے سردار عبدالمطلب کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کے ہاں ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ آپ (ﷺ) کا شجرہ نسب کچھ یوں ہے ابوالقاسم، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ.....

آپ (ﷺ) کی ولادت کی اطلاع سب سے پہلے آپ کے معمر دادا جناب عبدالمطلب کو دی گئی تو وہ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ (ﷺ) ان کے مرحوم صاحبزادے کی اکلوتی یادگار تھے۔ حضرت عبداللہ کی بے وقت موت سے حضرت عبدالمطلب کو جو شدید صدمہ ہوا تھا اس خوشخبری نے اس کا ازالہ کر دیا۔

دنیا کی دیگر عظیم شخصیات یہاں تک پیغمبران بنی اسرائیل کی بھی یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ وہ سب دنیا کے عظیم تہذیبی مراکز میں پیدا ہوئے اور ترقی یافتہ اور سیاسی طور پر مرکزی حیثیت کی اقوام عالم میں پلے بڑھے۔ آپ (ﷺ) دنیا کے جس گوشہ میں پیدا ہوئے وہ اس زمانہ کا سب سے پسماندہ گوشہ تھا۔ مگر

آپ (ﷺ) کا فیضان اور معجزہ تھا کہ دنیا کی یہ سب سے پس ماندہ قوم امام اقوام عالم بن گئی۔

عرب دستور کے مطابق آپ (ﷺ) کی پرورش صحرائے عرب کی کھلی فضا میں ہوئی۔ صحرائے عرب میں آٹھ سال تک آپؐ کی رضاعت کا فریضہ حلیمہ سعدیہ نے بطریق احسن انجام دیا۔ رضاعت کا یہ رواج آج کے سعودی عرب میں بھی باقی ہے کہ نوزائیدہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے کسی بدوی خاتون کے سپرد کر دیا جاتا ہے تاکہ بچہ صحرا کی کھلی فضا میں پرورش پائے اور اس کی زبان فصیح اور جسم توانا اور مضبوط ہو اور وہ صحرا کی زندگی کے بعد مصائب و آلام کا نہایت صبر و تحمل سے مقابلہ کر سکے۔

مسٹر ٹامس کارلائل اپنی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں لکھتے ہیں کہ ''ذرا عالم عرب کا تصور کرو (وہ صحراؤں میں گھری ہوئی سرزمین) پھر ایک یتیم بچے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خیال کرو پھر ایک صدی کے زمانہ پر نظر ڈالو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک چنگاری تھی جو پہلے غیر معلوم سا ذرہ تھا دنیا پر پڑی اور ساری دنیا کو منور کر گئی، اس کے شعلے اس قدر بلند ہوئے کہ کہاں وہ لق و دق صحرا اور کہاں مشرق و مغرب میں واقع دہلی اور غرناطہ، وہ شعلے ان دونوں تہذیبی مراکز تک کو روشن کر گئے۔ میرے خیال میں یہ عظیم المرتبت انسان (انسانی) بجلی کا کوندا تھا جو لپکا اور ساری دنیا کو روشن کر گیا۔

پھر صحرا سے دائی حلیمہ آپ (ﷺ) کو مکہ واپس لے آئیں اور مادر مہربان کے حوالہ کر دیا۔ لیکن 6 سال کی عمر میں آپؐ کے سر سے والدہ کا سایہ بھی اٹھ گیا اور آپؐ یتیم و بے کس رہ گئے۔ آپؐ کے یتیم و بے کس رہ جانے میں بھی حکمتیں مضمر تھیں۔ آپ (ﷺ) کا ظاہری تعلیم و تربیت سے محروم رہ جانا اس بات کی دلیل تھا کہ آگے چل کر جو علوم و معارف آپ (ﷺ) سے ظاہر ہوئے وہ کسی ظاہری تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہ تھے بلکہ ان کے سرچشمہ وحی الٰہی تھی۔ مادر مہربان کے بعد آپ (ﷺ) کو شفیق دادا نے اپنی آغوش میں لے لیا مگر یہ سہارا بھی عارضی ثابت ہوا اور ایک دن آپ (ﷺ) اپنے دادا کے جنازے کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے جا رہے تھے۔ ایسے میں ایک مہربان چچا ابو طالب نے آپ (ﷺ) کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ یہ حصار نبوت آپ کی حفاظت اس زمانے تک کرتا رہا جب آپ (ﷺ) نے اعلان نبوت فرمایا اور اہل مکہ آپؐ کے دشمن بن گئے مگر سردار قریش ابو طالب کی موجودگی میں آپ (ﷺ) کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

جب آپ (ﷺ) نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو قوم نے آپ (ﷺ) کو ''امین''

صادق" کے القاب سے نوازا۔ آپ (ﷺ) اپنی قوم میں سب سے افضل اور اخلاق میں سب سے اعلیٰ و احسن تھے۔ سب پر فائق، نہایت بردبار، وعدہ کے پابند اور انتہا درجہ کے امانت دار تھے۔ انہیں اوصاف حمیدہ کی بنا پر قریش مکہ آپ (ﷺ) کو صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے۔ جوانی کے واقعات میں حرب نجار میں آپ (ﷺ) کی غیر ارادی شرکت اور حلف الفضول میں شرکت اہم ہے۔ یہ حلف مظلوموں کی دادرسی کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ آپ (ﷺ) نے اسی زمانے میں تجارت کا معزز پیشہ اپنایا جو سیدہ خدیجہؓ سے قربت کا باعث بنا جو آپ (ﷺ) کی پہلی ازواج محترم ہیں۔ چالیس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لوگوں میں آپ (ﷺ) کے ایک غیر معمولی انسان ہونے کا تاثر قائم ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے کعبہ کی تعمیر نو میں آپ (ﷺ) کو حجر اسود نصب کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اسی زمانے سے آپ (ﷺ) نے مکہ کی چہل پہل سے ذرا دور غار حرا میں معتکف ہونے کا سلسلہ شروع کیا جو بالآخر آپ (ﷺ) اعلان نبوت تک پہنچا۔

ماخذ: اردو اسلامی انسائیکلوپیڈیا پنجاب یونیورسٹی، مقالہ "محمد"
سو عظیم آدمی، مائیکل ہارٹ، "سیرت کبریٰ" رفیق دلاوری

606ء۔ قدیم ہندوستان کا آخری حکمران..... راجہ ہرش

605ء میں تھانیسر کے بادشاہ پربھاکر وردھن کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دو بیٹے تھے ایک کا نام راجیہ تھا اور دوسرے کا ہرش۔ وردھن کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد راجیہ کو مالوہ کے راجہ نے قتل کر دیا۔ اس وقت ہرش کی عمر صرف سولہ برس تھی اور وہ ایک بدھ خانقاہ میں زیر تعلیم تھا۔ بھائی کی موت کی خبر سنتے ہی وہ تھانیسر (کروک شیتر) پہنچ گیا۔ وزیر اعظم اور دیگر مشیروں نے اسے سلطنت کا تاج و تخت سنبھالنے کی درخواست کی، ہرش بدھ مت کا پیروکار تھا۔ اس نے مہاتما بدھ سے روحانی طور پر تخت سنبھالنے کی اجازت طلب کی جو اسے مل گئی۔ اس نے تھانیسر کا تاج و تخت سنبھال لیا مگر ساتھ ہی راجدھانی قنوج منتقل کر دی۔ اپنی حکومت کے ابتدائی چھ سال اس نے مشرق و مغرب پر یلغار میں صرف کیے اور وہ ایک اچھے بادشاہ کے ساتھ ساتھ ایک بہادر سپاہی بھی ثابت ہوا۔ ان فوجی مہمات کے نتائج بعد ازاں پُرامن حکومت کے طور پر سامنے آئے۔ اس کی سلطنت دریائے گنگا سے دریائے ستلج کے کناروں تک وسیع تھی جس میں وسطی ہند اور گجرات اور کاٹھیاواڑ

کے علاقے شامل تھے۔ اس کے عہد میں ہندوستان بھر میں اس کا صرف ایک حریف تھا جو بہادری میں اس کا ہم پلہ تھا وہ تھا پلاکسی دوم۔ اس کا تعلق چالوکیہ خاندان سے تھا۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ 630ء میں ہندوستان وارد ہوا تھا۔ اسے چین سے گندھارا پہنچنے میں پورا ایک سال لگا تھا۔ اس نے راجہ ہرش کے عہد کا اجین دیکھا اور یہاں پندرہ سال گزارے۔ اس کے آٹھ سال راجہ ہرش کی سلطنت میں بسر ہوئے۔ اس کی تحریروں سے ہمیں اس عہد کے ہندوستان کے بارے میں بڑی مفید معلومات ملتی ہے۔ ہیون سانگ کے نزدیک راجہ ہرش کا عہد خوشحالی سے بھرپور تھا۔ لوگ اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ سونے چاندی کے سکوں کا رواج تھا۔ زمینیں زرخیز تھیں اور بہت زیادہ زرعی پیداوار ہوتی تھی۔ ہیون سانگ نے پانچ سال بہار کی نالندہ یونیورسٹی میں گزارے۔ یہاں طالب علم تیس سال کی عمر تک زیر تعلیم رہ سکتا تھا۔

راجہ ہرش نے ہیون سانگ کو اپنے دربار میں مدعو کیا، وہ اس کے بدھ عقائد اور تعلیمات سے بہت متاثر ہوا۔ ہرش نے ہیون سانگ کو اپنے دربار میں ایک خاص مقام دیا اور اسے انعام واکرام سے نواز کر چین بھیجا۔ ہرش کے ہیون سانگ سے اچھے برتاؤ کی وجہ سے حاسدین نے جن میں برہمن پیش پیش تھے راجہ ہرش پر قاتلانہ حملہ بھی کیا مگر راجہ ہرش نے ذاتی طور پر اس حملہ کو ناکام بنا دیا اور حملہ آور کو گرفتار کرلیا۔ حملہ آور نے اپنا جرم قبول کیا اور سازش کا بھانڈا بھی پھوڑا کہ برہمن نہ صرف ہیون سانگ سے اچھے سلوک کی وجہ سے ہرش کو قتل کرنا چاہتے تھے بلکہ اس کے شاہی محل کو بھی نذرِ آتش کرنے کا منصوبہ تھا۔

راجہ ہرش کا عہد حکومت بلاشبہ ایک ولولہ انگیز اور دلچسپ دور تھا مورخین اس کے عہد کو چندر گپت موریہ، اشوک اور گپتا کے سنہری دوروں کے سلسلے کی آخری کڑی قرار دیتے ہیں۔

راجہ ہرش کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کے تاج وتخت کا کوئی وارث نہ تھا۔ اس لیے اس کے بعد ہندوستان اگلے دو سو سال تک اندھیرے میں ڈوب گیا اور جب یہ اندھیرا چھٹا تو ہندوستان بالکل بدل چکا تھا۔ بدھ مت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو چکا تھا اور ہندو مت ہر طرف پھیل گئی تھی۔ ہندوستان اب کسی مرکزی حکومت کے تحت نہ رہا تھا بلکہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو چکا تھا جن پر مختلف قسم کے تندخو قبائل کی حکومت تھی جو کسی بھی طرح راجہ ہرش سے مماثلت نہیں رکھتے تھے۔

ماخذ: تاریخ ہند قدیم از..... برصغیر کے عظیم لوگ از ایل ایف ابشروک ولیم

610ء۔ ہرقل، قیصر روم کی حیثیت میں

مشرقی سلطنت روم پر قیصر جسٹینین کے بعد چالیس پینتالیس سال کے عرصہ میں چار بادشاہ بدلے۔ ان چاروں کے عہد میں سلطنت ایران کے ساتھ لڑائیاں ہوتی رہیں۔ 575ء میں نوشیرواں کی افواج کیپاڈوشیا تک بڑھ آئیں۔ نوشیرواں کے بعد خسرو پرویز کا دور شروع ہوا۔ یہ عہد ساسانی کی عظمت کا آخری دور ہے۔ خسرو پرویز نے اپنے عہد کے شروع میں باغیوں سے شکست کھائی اور بھاگ کر قیصر مارس کے دربار میں پناہ لی۔ قیصر نے اس معزز مہمان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اسے باغیوں کے مقابلے میں ہر ممکن مدد فراہم کی، اسے یہاں تک سرفراز کیا کہ اپنی بیٹی مریم اس کے عقد میں دیدی۔ اس کا تاج وتخت اسے واپس دلایا۔ خسرو، قیصر مارس کا احسان مند رہا مگر جب بعض سیاسی طالع آزماؤں نے اسے قتل کر دیا تو خسرو نے نئے قیصر فوکاس کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور 602ء میں رومی علاقے میں پیش قدمی کی اور کئی قلعے فتح کر لیے۔ ادھر قیصر مارس کے قتل کے بعد سے روم میں خانہ جنگی کا دور دورہ تھا۔ قیصر فوکاس ایک کمزور شخص تھا اور سلطنت کے نازک حالات پر قابو پانے کا اہل نہ تھا۔ اس نے ایرانیوں کی پیش قدمی پر توجہ نہ دی۔ آٹھ سال تک بحران کی کیفیت طاری رہی۔ یہاں کہ 610ء میں افریقہ کے بازنطینی گورنر کے بیٹے ہیریکلیئس Heraclius کو جسے عرب مورخ ہرقل لکھتے ہیں، رومی سینٹ نے قسطنطنیہ طلب کیا تاکہ فوکاس کے خلاف کارروائی کر کے ملک میں امان کی فضا قائم کرے۔ ہرقل افریقہ سے بحری بیڑا لے کر روم آ پہنچا۔ ہرقل کا ارادہ فوکاس سے جنگ کر کے روم کو نجات دلانے کا تھا مگر فوکاس نے جنگ کی بجائے تخت سے دستبردار ہونے کو ترجیح دی، آخر ہرقل کو روم کا قیصر بنا دیا گیا۔ تخت نشین ہوتے ہی ہرقل نے سلطنت کا اندرونی فشار ختم کر کے امن و امان قائم کیا اور نظم ونسق بہتر بنایا۔ ہرقل کا تعلق ایک یونانی خاندان سے تھا۔ ہرقل اگرچہ خارجہ حالات پر بھی کڑی نظر رکھے ہوئے تھا مگر ایرانیوں کے خسرو پرویز کی سرکردگی میں شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک کے مختلف حصوں کو پامال کرنے کے علاوہ مصر پر بھی قبضہ کر لیا اور یروشلم پر قبضہ کرنے کے بعد مقدس صلیب تک اٹھا کر لے گئے۔ اس صلیب کے متعلق مشہور تھا کہ اسی پر حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ ہرقل نے بڑے استقلال سے ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ 10 سال تک مغلوب رہنے کے بعد کہیں 622ء میں اس کی فتوحات کا دور آیا۔ پھر دسمبر

627ء میں رومی اس کی سرکردگی میں مدائن کے دروازوں تک پہنچ گئے اور انہوں نے مقدس صلیب بھی واپس لے لی۔ ہرقل نے 610ء سے 641ء تک روم پر حکومت کی اور اسی کے عہد میں عربوں سے بھی لڑائیاں پیش آئیں۔

610-14ء۔ذوقار کی جنگ

عرب ریاست حیرہ جو دریائے فرات کو بیت المقدس سے جدا کرنے والے ریگستان کے دائیں کنارے واقع تھی ایرانی حکمرانوں کی باجگذار ریاست تھی جبکہ غسانی عرب قبائل جو بائیں طرف صحرائے شام میں رہتے تھے رومیوں کے باجگذار تھے۔610ء سے 614ء کے مابین حیرہ کی عرب ریاست کا حکمران نعمان خسرو پرویز شاہ ایران کی کینہ پروری کا شکار ہو گیا۔طبری نے اس وقعہ کی تفصیل یوں دی ہے کہ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے دربار میں حیرہ کا رہنے والا عرب شاعر عربی فارسی زبانوں کا مترجم تھا۔حیرہ کے عرب حکمران نعمان نے اس عدی نامی مترجم کو ذاتی رنجش کے الزام میں قتل کروا دیا۔عدی کے بعد اس کا بیٹا زید کسریٰ کے دربار میں اپنے باپ کی جگہ مترجم مقرر ہوا، اس نے اپنے باپ کا انتقام لینا چاہا۔اس خیال سے کہ عرب رئیس کسی غیر عرب سے اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کرتے زید نے خسرو کے سامنے سردار نعمان کی بیٹی حذیفہ کے حسن و جمال کی غائبانہ تعریف کی جس سے کسریٰ اس پر فریفتہ ہو گیا اور اس نے اُسے اپنے حرم میں لانے کے لیے ایلچی کو نعمان کے پاس بھیج کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔عرب حمیت کو بھلا کب گوارا تھا کہ عربوں کی بیٹیوں سے ایرانی شادی کریں۔عرب رئیس نے رشتہ سے انکار کر دیا۔عرب رئیس کی اس جسارت پر خسرو سخت نالاں ہوا اور اس نے بنو طے کے رئیس اباس کو نعمان کے خلاف لشکر کشی پر مقرر کیا۔نعمان کو لشکر کشی کا علم ہوا تو اس نے بھاگ کر شیبانی قبائل کے امیر ہانی کے ہاں پناہ لی اور اپنا خزانہ اس کی امانت میں دیا۔نعمان کو اندازہ تھا کہ خسرو کی اس کے خلاف لشکر کشی عدی کے بیٹے زید کی سازش کا نتیجہ ہے اس لیے صورت حال کو واضح کرنے کے لیے وہ خود شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض حال کی مگر خسرو کا غصہ کم نہ ہوا اور اس نے نعمان کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے روند کر قتل کروا ڈالا۔پھر شیبانی رئیس کو پیغام بھیجا کہ نعمان کا خزانہ واپس کرے مگر اس نے انکار کر دیا جس پر ایرانی افواج جو عرب سپاہیوں پر مشتمل تھیں شیبانی قبائل کے خلاف صف آراء ہو گئیں مگر

عین وقت جنگ ایرانی عرب سپاہی یہ کہہ کر کہ عربوں کی تلواروں سے عربوں کے گلے نہ کٹیں ایرانی لشکر کو چھوڑ گئے۔ اُدھر اس جنگ میں جو تاریخ میں ذوقار کے نام سے مشہور ہے شیبانیوں نے ایرانی فوج کا ایک ایک سپاہی تہ تیغ کر ڈالا۔ بقول طبری یہ پہلا موقع تھا جب عربوں نے ایرانیوں سے انتقام لیا اور فتح پائی۔

ماخذ: تاریخ طبری جلد اول۔ تاریخ ایران جلد اول مقبول بیگ بدخشانی

602ء۔ سینٹ آگسٹین اور کنٹربری کی مسیحی خانقاہ

چھٹی صدی عیسوی تک مشرق و مغرب میں کلیسائی نظام کے خطوط وسیع ہو چکے تھے۔ اس تنظیم کے مختلف درجے تھے۔ یعنی عام پادری سے پوپ تک روابط کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم تھا اور اس کی حیثیت بالکل وہی تھی جو افواج میں عام سپاہی سے سالار تک کے روابط کی ہوتی ہے لیکن اس نظام میں باہم مشورے پر یقین رکھا جاتا تھا۔ بشپوں کا معاملہ ہو یا آرچ بشپوں کا بحیثیت مجموعی کلیسا کا تقریباً ہر سطح کے لیے عہدیداروں کی مجلسیں بنی ہوئی تھیں جن کے اجلاس وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے جن میں ہر سطح کے اہم فیصلے کئے جاتے۔ ایسا ہی ایک فیصلہ پوپ گریگوری اعظم نے 597ء میں کیا جب اس نے سینٹ آگسٹین اور اس کے 40 راہبوں کو انگلستان میں کینٹ Kent بھیجا۔ راہبوں کی اس جماعت کا مشن مسیحیت کی تبلیغ تھا۔ کینٹ کے بادشاہ ایتھلبرٹ Aethelbert نے ان مبلغان مسیحیت کو کنٹربری میں رہنے کی اجازت دی۔ بعدازاں بادشاہ نے خود بھی سینٹ آگسٹین کے ہاتھ پر مسیحیت کو قبول کیا۔

602ء میں سینٹ آگسٹین نے کنٹربری کی عظیم مسیحی خانقاہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

610ء۔ بعثت نبوی (ﷺ) کا آغاز اور نزول قرآن

جب آنحضرت (ﷺ) کی عمر مبارکہ قمری اعتبار سے چالیس سال کی ہوئی تو 12 فروری 610ء بمطابق 17 رمضان المبارک بعثت نبوی کو جبرائیل علیہ السلام آپ (ﷺ) کی خدمت میں غارِ حرا میں آئے ان کے ہاتھ میں دیبا کے جزدان میں لپٹی ہوئی ایک کتاب تھی۔ انہوں نے آپ (ﷺ) سے کہا ''پڑھیئے'' آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ آپ (ﷺ) کے انکار پر حضرت جبرائیلؑ نے تین بار آپ (ﷺ) کو سینے سے لگا کر بھینچا اور پھر پڑھنے کا کہا۔ اب آپ (ﷺ) نے فرمایا ''کیا پڑھوں'' اس پر جبرائیلؑ نے سورہ العلق کی پہلی آیات آپ (ﷺ) کو پڑھ کر سنائیں اور آپ (ﷺ) نے بھی پڑھیں۔

البلاذری نے لکھا ہے کہ وضو اور نماز کی ادائیگی کا طریقہ بھی اسی روز حضرت جبرائیلؑ نے آپ (ﷺ) کو سکھایا۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) سخت گھبراہٹ کے عالم میں گھر تشریف لے آئے اور سیدہ خدیجہؓ کو فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، جب آپ (ﷺ) کی طبیعت ذرا سنبھلی تو سارا ماجرا سیدہ خدیجہؓ کو کہہ سنایا، حضرت خدیجہؓ نے آپ (ﷺ) کو تسلی دی۔ یہ تسلی اب سیرت کی کتابوں میں کچھ یوں درج ہے۔ ''بخدا! اللہ آپ (ﷺ) کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ (ﷺ) صلہ رحمی کرنے والے، صداقت شعار، راست باز، مہمان نواز، دوسروں کا بار اٹھانے والے اور محتاجوں کی مدد کرنے والے ہیں۔'' آپ (ﷺ) کی رفیقہ حیات کی تسلی کے یہ الفاظ دراصل آپ کے کردار کی عظمت کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ان سے زیادہ بھلا آپ (ﷺ) کو کون جانتا تھا۔ اس کے بعد سیدہؓ آپ (ﷺ) کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ انھوں نے آپ (ﷺ) کی زبان سے جبرائیل علیہ السلام کی آمد کا قصہ سنا تو تصدیق فرمائی کہ یہ ناموس اعظم وہ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ﷺ) وہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو ستائے گی اور آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔

اس پہلی وحی کے نزول کے بعد تین سال تک وحی کی آمد کا سلسلہ منقطع رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کے بعد اسلام کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ آغاز میں آپ (ﷺ) نے اُن لوگوں کو دعوت دی جن کے ساتھ آپ کے ذاتی روابط تھے۔ ان خواتین و حضرات میں سیدہ خدیجہؓ، حضرت زید، حضرت ابوبکر صدیق اور بچوں میں سیدنا علی شامل ہیں۔ یہ تبلیغ سینہ بہ سینہ چلتی رہی۔ پھر آپ (ﷺ) کو قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کرنے کا حکم ''الشعرا کی

آیت نمبر 26 کے ذریعہ ملا تو آپ (ﷺ) نے اپنے اقرباء کو کھانے کی دعوت پر مدعو کیا اور سب لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ابولہب چونکہ در پردہ آپ سے کدورت رکھتا تھا اس لیے اس نے بدزبانی کر کے آپ کی محفل کو درہم برہم کر دیا۔ صرف حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) نے اس محفل میں کھڑے ہو کر اعلانیہ طور پر اسلام قبول کیا اور اپنی جانثاری کا اعلان کیا۔

جب خفیہ تبلیغ سے کسی قدر اسلام پھیل گیا تو آپ (ﷺ) کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ملا۔ اس موقع پر آپ (ﷺ) نے اہل مکہ کو کوہ صفا کے نیچے جمع کر کے اپنی صداقت کی تصدیق کراتے ہوئے لوگوں سے فرمایا کہ مجھے اللہ نے تمہاری طرف عذاب شدید سے ڈرسنانے کے لیے مامور کیا ہے لہٰذا اگر تم دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہو تو پڑھو لا الہ الا اللہ۔ اس موقع پر بھی ابولہب نے بدزبانی کی جس کا جواب قرآن کریم میں سورہ ابی لہب کی شکل میں دیا گیا۔ مگر یہ مساعت بے ثمر نہ رہی اور مکہ مکرمہ میں اشاعت اسلام کا آغاز ہو گیا اور لوگ مسلمان ہونے لگے جن میں بالخصوص نوجوانان مکہ پیش پیش تھے۔ ان کے بڑوں کو اس بات سے دُکھ پہنچا کہ ان کے بچے ان کی اجازت کے بغیر پرانے دین سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔ یہی بات اسلام کے خلاف ایذا رسانی کی بنیاد بنی۔

بعثت نبوی (ﷺ) کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن کریم کو بذریعہ وحی آنحضرت (ﷺ) پر نازل فرمایا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جو پہلی وحی لے کر غارِ حرا میں تشریف لائے وہ قرآن شریف کی سورہ علق پر مشتمل تھی۔ قرآن کریم یوں بذریعہ وحی 22 سال 5 ماہ 14 دن کی مدت میں نازل ہوا۔ یہ وہ عرصہ ہے جس میں آنحضرت (ﷺ) نے اسلام کو پورے عالم عرب میں پھیلا دیا۔

قرآن کریم کے 30 سپارے اور 114 سورتیں ہیں جبکہ قرآن کریم کے کل کلمات کی تعداد 86430 بنتی ہے۔ قرآن مجید میں رکوعات کی تعداد 540 ہے جبکہ آیات سجدہ 14 ہیں۔ سب سے بڑی سورۃ سورہ بقرہ ہے جس کے رکوع 40 ہیں۔ سب سے چھوٹی سورۃ سورہ الکوثر ہے جس کی آیات صرف تین ہیں۔ یہ آنحضرت (ﷺ) کے صاحبزادے کی وفات پر آپ کو تشفی دینے کے لیے نازل ہوئی تھی۔

آنحضرت (ﷺ) کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں تدوین قرآن کا کام شروع ہوا اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں مکمل ہوا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو "جامع قرآن" کہا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی نے مسلمانوں کو قرآن مجید کی ایک سی تلاوت پر جمع کیا تھا۔

ماخذ: اردو معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی صفحہ نمبر 28 جلد نمبر 19۔ سیرت کبریٰ، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری

615ء۔ایرانیوں کا یروشلم پر قبضہ

ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز قیصر روم ماریس کا احساس مند تھا کہ اس نے بہرام کے تخت پر قبضہ کرنے کے دنوں میں خسرو کی مدد کی تھی۔ 602ء میں بعض سیاسی طالع آزماؤں نے قیصر ماریس کو قتل کر دیا جس سے خسرو کو بھی صدمہ پہنچا۔ 605ء میں خسرو نے رومی علاقے میں پیش قدمی کی اور جہاں جہاں اس کے قدم پڑے اسے فتح حاصل ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں رومی سلطنت خانہ جنگی کا شکار تھی۔ قیصر فوکاس ایک کمزور حکمران تھا اس نے ایرانی پیش قدمی کا نوٹس نہ لیا۔ ادھر سلطنت روم بھی آٹھ سال تک بحرانوں کا شکار رہی۔ 610ء میں افریقہ کے رومی گورنر کے بیٹے ہیرکلیئس Heraclius نے جسے عرب مورخین ہرقل لکھتے ہیں فوکاس پر فتح پا کر تخت پر قبضہ کر لیا اور روم کے نازک حالات پر توجہ نہ دی۔ ہرقل کی اگرچہ خارجہ معاملات پر بھی کڑی نظر تھی لیکن ایرانی سپہ سالاروں نے پھر بھی رومی علاقوں پر فتوحات حاصل کیں۔ یہی دن تھے جب رسول کریمؐ نے سورہ الروم کے نزول پر روم کی فتح کی پیشین گوئی فرمائی لیکن ابھی ایرانیوں کا ستارہ قسمت چمک رہا تھا اس لیے انہوں نے پہلے الرہا، انطاکیہ اور (613ء) دمشق کو فتح کیا۔ پھر 614ء میں ایرانی لشکر بیت القدس کی طرف بڑھا اور 615ء میں انہوں نے محاصرہ کر لیا۔ یروشلم کا اسقف اعظم زکریا ہتھیار ڈالنے پر تیار تھا لیکن نوجوان عیسائیوں کے ایک گروہ نے اسے اس ذلت سے بچا لیا۔ محاصرہ تین ہفتے تک جاری رہا۔ اس دوران ایرانیوں نے یروشلم کی بیرون شہر تمام خانقاہیں اور گرجے منہدم کر دیئے۔ مئی 615ء کے آخر میں یروشلم سرنگوں ہو گیا۔ فاتحین نے انسانی قدروں کو پامال کرتے ہوئے وحشیانہ طور پر اہالیان شہر کا قتل عام کیا۔ چشم دید واقعات لکھتے ہوئے راہب انطیوکس سٹریطوکس نے لکھا ہے کہ ایرانی سپاہی وحشیوں کی طرح غراتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے، انہوں نے بلا امتیاز بوڑھے بچے اور خواتین جو بھی ان کے سامنے آیا قتل کر دیا۔ ایک اندازے کے مطابق 66555 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ شہر کو بدترین غارت گری کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کے تمام گرجا، خانقاہیں اور مشہد نذر آتش کر دیئے گئے۔ اسقف اعظم زکریا اور شہر کی دیگر اہم شخصیات جو قتل ہونے سے بچ رہیں جلاوطن کر دی گئیں۔

ایرانیوں کی فتح بیت المقدس عیسائی دنیا کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا کیونکہ ایرانیوں نے وہاں سے حضرت مسیحؑ کی حقیقی صلیب اٹھا کر اپنے شہر مدائن پہنچا دی۔ اس موقع پر خسرو پرویز نے ہرقل،

قیصر روم کو مراسلہ بھیجا جو غرور و نخوت کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ ''دیوتاؤں کے دیوتا اور کرہ ارض کے بادشاہ خسرو کی طرف سے اس کے بے حیا اور پاجی غلام ہرقل کی طرف، تم کہتے ہو تمہارا یقین خدا پر ہے تو پھر تمہارے خدا نے بیت المقدس کو میرے ہاتھ سے کیوں نہ بچایا..... تم حضرت مسیحؑ سے بے فائدہ امیدیں لگا کر اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا نہ رکھو۔ جو خود یہودیوں کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا اور صلیب پر لٹکا کر اس کے جسم میں کیل ٹھونک ٹھونک کر مارا گیا وہ تمہیں کیا بچا سکے گا.....''

خسرو نے رومی فلسطین اور دیگر علاقوں کی فتح پر بس نہ کیا بلکہ ہخامنشیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ایک سپہ سالار کو اس نے مصر کی فتح کے لیے بھیجا۔ اس سپہ سالار نے شام اور مصر کے درمیانی صحرا کو عبور کر کے وادی نیل کا مشہور شہر سکندریہ تک فتح کر لیا۔ نو صدیوں بعد ایرانی ایک بار پھر مصر فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ساسانی حکومت کی حدود ہخامنشی سلطنت کی حدود تک جا پہنچی۔ اس کامیاب مہم سے یقیناً ایرانی حکومت کے جاہ و جلال میں اضافہ ہوا اور خسرو کی حکومت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

ماخذ: تاریخ ایران صفحہ نمبر 498، مقبول احمد بیگ بدخشانی۔ صفحہ نمبر 341۔ یروشلم ایک شہر تین مذہب، کیرن آرمسٹرانگ، تخلیقات لاہور

613ء۔ دورِ ابتلاء

شہر مکہ کے ایک چوک میں ایک شخص کی دونوں ٹانگیں دو مختلف سمت میں کھڑے اونٹوں سے باندھ دی گئی تھیں۔ پھر اُن اونٹوں کو اہل قریش مخالف سمتوں میں ہانکتے ہیں۔ وہ شخص جسے مخالف سمتوں میں کھینچا جا رہا تھا انتہائی صبر سے کام لے رہا تھا لیکن گوشت پوست کا انسان ہونے کے ناطے آخر اس کی چیخیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ قریش جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غریب اور بے نوا معتقدین کی ایذا دہی پر کمر بستہ ہیں اس شخص کی اذیت سے محظوظ ہونے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ محمد (ﷺ) کے خدا پر ایمان رکھنا چھوڑ دے تو اُسے آزاد کیا جا سکتا ہے مگر اس بات پر وہ شخص راضی نہیں ہوتا اور اذیت پر اذیت سہے جاتا ہے۔ یہ پروانہ رسالت (ﷺ) حضرت یاسر ہیں جن کے ذہن و دماغ سے اتنی اذیتوں کے بعد بھی پیغام رسالت مآب (ﷺ) کو نکالا یا بھلایا

نہیں جا سکا تھا۔ اسی طرح پہلی شہید خاتون حضرت سمیہ کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کی جاتی اور پھر اس کے پرخچے اڑا دیئے گئے مگر یہ شہید وفا ان تمام ظلموں کو انتہائی صبر سے برداشت کرتی ہوئی اس فانی دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں مگر دین اسلام پر۔ بلال حبشی پر بھی اس کا آقا محض اسلام لانے کی پاداش میں سخت زیادتیاں کرتا ہے اور اسے چلچلاتی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ایک بڑا وزنی پتھر ان کی ٹانگوں پر رکھ دیتا ہے۔ اسی طرح جب سے آنحضرت (ﷺ) نے تحریک اسلام کو اعلانیہ چلانے کا عزم کیا تھا اور کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اہل مکہ کو دعوت اسلام دی تھی اسی روز سے اہل قریش آپ (ﷺ) کے اور آپ (ﷺ) کے ساتھیوں (معتقدین) کو ایذائیں پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔ مختلف الزامات لگائے جاتے ہیں، بدنامیوں سے نوازا جاتا ہے اور انہیں عبادتوں کے دوران تنگ کیا جاتا ہے۔ ان سب حرکتوں میں نفس ناطقہ عبدالعزیٰ ہے۔

آنحضرت (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور آپ (ﷺ) کا مشن اس کے حکم کو اس کے بندوں تک پہنچانا تھا لہٰذا آپ (ﷺ) نے دعوت اسلام کا آغاز بھی بیت اللہ سے کیا تھا۔ حرم کعبہ اگرچہ خدا کا گھر تھا، مگر وہ بت خانہ بنا ہوا تھا۔ اس بت خانے کے متولی قریش مکہ تھے جو اپنے آپ کو آل اللہ کہتے تھے۔ ان کی معاشی خوشحالی، سیاسی قوت اور عزت و شرف کا دارومدار سب بیت اللہ اور اس کے بتوں کا مرہون تھا۔ اگر دعوت اسلام کے نتیجے میں بیت اللہ بتوں سے خالی ہو جاتا تو بتوں کے یہ پجاری ہر نعمت سے محروم ہو جاتے۔ یہی فکر ان کے اس رویہ کی بنیاد تھی جو وہ بانی اسلام اور اُن کے معتقدین کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھے۔ ایک روز جب تن تنہا حرم کعبہ میں آپ (ﷺ) نے بت پرستی اور شرک کو دور کرنے کے لیے لا الہ الا اللہ کا نعرہ بلند کیا تو کعبے کے مجاوروں اور بتوں کے پجاریوں میں تہلکہ مچ گیا۔ یہ نعرہ ان کے دلوں پر بجلی بن کر گرا۔ ہر طرف ایک غلغلہ بلند ہوا اور وہ زخم خوردہ سانپوں کی طرح آپ (ﷺ) پر ٹوٹ پڑے۔

اس غلغلے کی خبر جب تحریک اسلام کے شہید اول حضرت حارث بن ابی ہالہؓ کو ملی تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ (ﷺ) کو ان موذیوں سے بچانے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ غصے میں بپھرے ہوئے پجاریوں کی تلواروں کا ہدف بن گئے اور ان کے خون پاک سے حرم پاک کی زمین رنگین ہو گئی۔ ان کا خون جو بارش کے پہلے قطرے کی طرح حرم کعبہ کے صحن میں گرا شہید اول کو زندہ و جاوید اور تحریک اسلام کو ہمیشہ کے لیے رنگین کر گیا۔ مہر و وفا کو ہمیشہ امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے کیونکہ جور و جفا ہی سے وہ معتبر بنتی ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی مسلمان ہو کر وادی عشق میں قدم

رکھتا ہے پُر خار راہوں سے برہنہ پا گزرنا پڑتا تھا لیکن شمع رسالت (ﷺ) کے یہ پروانے اور اہل مہر و وفا اکثر غلام و بے کس تھے۔ ان پر قریش بڑی بے دردی سے تشدد کرتے تھے تاکہ وہ ان کے جور و جفا کو برداشت نہ کرتے ہوئے مرتد ہو جائیں مگر اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا کہ جسے قریش کے یہ فرعون اپنے مظالم کی ترشی سے اتار سکتے۔ اُدھر اہل جفا کا ظلم بڑھتا گیا اور ادھر اہل وفا کا عزم راسخ ہوتا گیا۔ مسلمانوں نے اس دور ابتلاء میں پس جانا اور جان سے جانا قبول کیا مگر راہِ مہر و وفا کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور ہر امتحان میں پورے اترے۔

ان اہل وفا کی قربانیوں اور اہل جفا کے مظالم کی خونچکاں داستانوں سے تاریخ اسلام کے اوراق مزین ہیں اور ان لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہیں جو عداوت و جہالت کی میل آنکھوں میں لیے یہ کہتے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ انہیں اہل وفا کے خون سے اسلام کی آبیاری ہوئی اور ایک عالمگیر جمالیاتی دینی انقلاب کے لیے راہ ہموار بھی۔ انقلاب کی راہیں پُر خار ہوتی ہیں، جن میں برہنہ پا و آبلہ پا گزرنا انقلابی مجاہدوں کا مقدر ہوتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے یہ اولین مجاہد اس تجربے سے نہایت کامیابی سے گزرے۔

615ء۔ ہجرت حبشہ

دور ابتلاء سے گزرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احساس ہوا کہ اہل مکہ کے مظالم اتنے بڑھ گئے ہیں کہ آپ (ﷺ) سے عقیدت رکھنے والے اہل ایمان مسلسل آلام و مصائب کا شکار ہیں۔ موقع کی نزاکت ہمت و جرات کی متلاشی تھی۔ چنانچہ آپ (ﷺ) نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ اپنی جان کی حفاظت کے لیے مکہ چھوڑنا چاہتے ہیں انہیں اس امر کی اجازت دی جاتی ہے۔ پھر آپ (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور فرداً فرداً مشورہ دیا کہ وہ ساحل عرب سے پرے افریقہ کے ملک حبشہ کو ہجرت کر جائیں جہاں کا فرمانروا ایک عادل اور باضمیر شخص ہے اور وہ سرزمین صدق ہے۔ تحریک اسلام میں حصہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی پُر اسرار تھی انہوں نے بڑی رازداری سے ہجرت کی تیاری کی اور شعیبہ (موجودہ جدہ) پہنچ کر دو تجارتی جہازوں کے ذریعے حبشہ روانہ ہو گئے۔ قریش کو اپنے مقہوروں کے چلے جانے کی خبر ہوئی تو وہ تعاقب میں نکلے مگر ان کے بندرگاہ پہنچنے تک جہاز کھلے سمندر میں جا چکے تھے۔

مہاجرین حبشہ کی پہلی جماعت گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھی جن میں دختر رسول اللہ حضرت رقیہؓ اور آپ (ﷺ) کے داماد حضرت عثمان غنیؓ شامل تھے۔ دیگر خواتین و حضرات میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی، حضرت ابوسبرہ بن ابی اہمؓ، حضرت ابو حاطب بن عمروؓ، حضرت سہیل بن بیضاؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور تین خواتین شامل تھیں۔

قریش کی سیاسی بصیرت نے جو مسلمانوں کو خطرناک قسم کے انقلابی سمجھتے تھے اور ان کی انقلابی سرگرمیوں سے خائف تھے اور چاہتے تھے کہ یہ تحریک مکہ ہی دب جائے، یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر ان انقلابیوں کو کوئی سرزمین امن میسر آ گئی تو اسلام کی وسعت پذیری کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اہل قریش ابھی انتقامی کارروائیوں کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ مسلمانوں کی ایک اور جماعت جو 83 مردوں اور 18 عورتوں پر مشتمل تھی، قریش کی نظروں سے بچ کر عازم حبشہ ہو گئی۔ اس جماعت میں پیغمبر اعظم و آخر کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار بھی شامل تھے۔

دوسری جماعت کے کامیابی سے حبشہ پہنچنے کے بعد قریش کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانے کے لیے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ اور عمر بن العاص کی سرکردگی میں بیش بہا تحائف کے ساتھ قریش کی سفارت حبشہ پہنچی۔ قریش کے اس وفد نے پہلے اہل دربار اور پھر ان کی وساطت سے نجاشی شاہ حبشہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں نے ایک ایسا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور ان کے آبائی دین (بت پرستی) کے خلاف ہے چونکہ ان کے یہ ہم قوم جنہوں نے آپ کے ہاں پناہ لی ہے مرتد ہیں اس لیے انہیں ان کے حوالے کیا جائے، تاکہ وہ انہیں اسیر بنا کر واپس مکہ لے جائیں۔

نجاشی ایک صاحب دل و عدل پسند عیسائی حکمران تھا۔ اس نے قریش کے الزامات کا جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور انہیں اپنے موقف کو پیش کرنے کا موقع فراہم کیا۔

مسلمانوں کی نمائندگی حضرت جعفر بن ابوطالبؓ نے کی۔ آپ نے فرمایا: ''اے بادشاہ ہماری قوم کی یہ حالت تھی کہ ہم سب جاہل تھے، بتوں کی پرستش کرتے، مردار کھاتے، بُرے کام کرتے، رشتے ناتے توڑ دیتے، پڑوسیوں سے بُرا سلوک کرتے اور طاقتور کمزور کا حق کھا

جاتے..... اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک شخص کو ہماری جانب مبعوث کیا جس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی، اس نے ہمیں جو تعلیمات دیں اُن میں سچ بولنے کی تلقین، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اختیار کرنے، ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ساتھ ہی حرام کاری، یتیموں کا مال کھانے، عورتوں پر تہمت لگانے اور خدا کا شریک ٹھہرانے کی ممانعت کی گئی تھی۔'' پھر نجاشی کی فرمائش پر حضرت جعفر طیارؓ نے سورہ مریم کی چند آیات تلاوت کیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔ اس نے کہا بیشک یہی چیز ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے ہیں۔ وفد قریش نے نجاشی کو مسلمانوں سے بدظن کرنے کے لیے کہا کہ اے بادشاہ مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ معلوم کریں لیکن بادشاہ نے خود اس عقیدے کی توثیق کی اور مسلمانوں کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کرتے ہوئے ان کے تحائف بھی لوٹا دیئے۔

615ء۔ شعب ابی طالب میں

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے قریش مکہ پہلے ہی نالاں تھے کہ مسلمانوں کو اُن کے ظلم و جور سے بچانے کے لیے ہجرت حبشہ کی اجازت مل گئی۔ ہجرت کے اس عمل سے مسلمان قریش مکہ کے پنجروں سے پرندوں کی طرح اُڑ گئے۔ اس پر قریش بڑے تلملائے اور سٹپٹائے اور اپنی چیرہ دستیوں میں وہ مزید آگے نکلے لیکن وہ نہ تو انقلاب پسند مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر سکے اور نہ تحریک اسلام کو ہی دبا سکے۔ تحریک جب تک متحرک رہتی ہے یعنی جمود و تعطل کا شکار نہیں ہوتی وہ زندہ و توانا رہتی اور آگے بڑھتی رہتی ہے چاہے اس کی رفتار کتنی ہی سست کیوں نہ ہو۔ تحریک اسلام کے روح رواں چونکہ آنحضرتؐ تھے اس لیے قریش نے آپ (ﷺ) کی آواز کو دبانے اور خاندان بنی ہاشم کی حمایت و اعانت سے محروم کرنے کے لیے ایک سفاکانہ چال چلی، اس چال کا مقصد آپ (ﷺ) اور آپ (ﷺ) کے خانوادے بنو ہاشم کو شہر بدر اور محصور کر کے ان کا معاشرتی مقاطعہ کرنا تھا۔ چنانچہ ایک مقاطعہ کی رو سے جسے منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبے کے دروازے پر لٹکایا تھا بنی ہاشم کو شعب ابی طالب کی گھاٹی میں محصور کر دیا گیا۔ اس معاہدے میں بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب، عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب نے شرکت کی اور وہ مکہ

میں رہا۔ اس معاہدے کی بڑی بڑی شقیں یہ تھیں۔

1۔ اگر بنو ہاشم حضرت محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں تو اُن کا مکمل معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے۔

2۔ اُن کے ساتھ تمام رشتے ناطے اور شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر دیے جائیں۔

3۔ اُن سے خرید و فروخت اور لین دین ہرگز نہ کیا جائے۔

4۔ انہیں کھانے پینے کی چیزیں مہیا نہ ہونے دی جائیں۔

5۔ اُن سے نہ تو میل جول اور نہ روابط و ضوابط ہی رکھے جائیں۔

6۔ انہیں گلی بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے۔

داعی انقلاب حضرت محمد (ﷺ) کے ساتھ آپ کا خانوادہ بھی بجز ابولہب کے ایک کٹھن صبر آزما بلکہ شکیب ربا آزمائش زندگی میں مبتلا ہو گیا۔ تحریک اسلام کے لیے یہ ایک انتہائی نازک وقت تھا۔ بنو ہاشم شہر چھوڑنے اور پہاڑ کی ایک گھاٹی میں جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں، سکونت پذیر ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اگرچہ ابھی تک انہوں نے اسلام قبول بھی نہیں کیا تھا لیکن وہ اس اعتبار سے تحریک اسلام میں شریک تھے کہ وہ آپ (ﷺ) کے معاونین و مددگار ضرور تھے۔ بنی ہاشم نے محض بانی اسلام (ﷺ) کی خاطر تین برس تک جن کا ایک ایک دن قیامت کا دن تھا، اس شہر بدری، محصوری اور معاشرتی بائیکاٹ کے صدمات اٹھائے اور مصائب جھیلے، لیکن ان کے پائے ثبات اور عزم راسخ میں کسی لمحے بھی لغزش نہ آئی۔

وہ شہر جس میں بنو ہاشم کے بزرگوں کی عظمت کے جھنڈے گڑے تھے جس کے معاملات میں ان کی آواز وزن رکھتی تھی آج بیگانہ تھا اور اب اس میں قدم رکھنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ وہ لوگ جن کے وہ سردار تھے، اور جو ان کی مشاورت کے متمنی رہتے تھے اور جن کے لیے ان کی دوستی سرمایہ افتخار تھی، آج ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ بنو ہاشم کا جرم یہ تھا کہ وہ محسن انسانیت (ﷺ) کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں اُن پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ ان تین سالوں میں انہیں بھوکا بھی رہنا پڑا اور درختوں کے پتے اور چھال بھی کھانا پڑی۔ اُن کے بچوں کو بھوک سے بلبلاتا دیکھ کر اُن کے دشمن ان کی حالت زار پر ترس کھانے کی بجائے قہقہے لگاتے اور آوازے کستے تھے۔ انہوں نے تین برس تک یہ سب کچھ انتہائی صبر سے برداشت کیا مگر رحمت عالم (ﷺ) کا دامن نہ چھوڑا اور نہ ہی داعی اسلام (ﷺ) کو دشمن کے حوالے کرنے کی شرط کو

ہاتا۔ تین سال گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بائیکاٹ کے خاتمے کا ایک سبب پیدا کیا اور مکہ کے کچھ نیک دل لوگوں ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی امیہ اور حضرت خدیجہ کے رشتہ داروں نے ایک مخفی جلسے میں اس مقاطعہ کی منسوخی کا طریقہ کار مرتب کیا۔ اگلی صبح زہیر نے اعلان کیا کہ ''جب تک اس خلاف انسانیت مقاطعہ کو ختم نہ کیا جائے گا میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔'' ابوجہل نے ان کی مخالفت کی مگر باقی چار لوگوں نے بھی اس مقاطعے کی منسوخی کا اعلان کر کے بنی ہاشم کو اس شہر بدری اور محصوری سے نجات دلائی۔ کہتے ہیں کہ اس مقاطع کی دستاویز کو بھی دیمک چاٹ گئی۔

618ء۔ تاءنگ سلطنت کا قیام

چین میں 220 عیسوی میں ہین شاہی Han Dynasty کے اختتام کے بعد سے کوئی مضبوط مرکزی حکومت قائم نہ ہو سکی تھی اور ملک مسلسل شمالی خانہ بدوشوں کے حملوں کا شکار رہا جس سے چار سو سال اور خانہ جنگی اور بدامنی کے گزرے۔ 618ء میں تنگ شاہی (خاندان) کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ خاندان 907ء تک برسر اقتدار رہا۔ اس کے عہد میں چین میں خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ یہ اگلے تین سو سال چین کی تاریخ کا سنہرا عہد کہلاتے ہیں۔

تنگ شہنشاہ نے ملک کے داخلی امور سلطنت چلانے کے لیے ایک بڑی کونسل بنا دی جس میں مختلف انتظامی شعبوں کے نمائندے اور بڑے بڑے امراء شریک تھے۔ پوری سلطنت کو پہلے دس انتظامی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا پھر انتظامی سہولتوں کے پیش نظر اس کے پندرہ حصے کر دیئے گئے۔ سول سروس کے عہدوں کے لیے باقاعدہ تعلیم دی جاتی اور اس کے لیے تعلیمی ادارے کھولے گئے۔ ملک کے ہر حصے سے ان اداروں میں تعلیم کے لیے منتخب طلبا کی ایک خاص تعداد بھیجی جاتی تھی۔

تنگ خاندان کے عظیم حکمرانوں میں جو نام سب سے زیادہ مشہور ہے وہ شہنشاہ لی کنگ چی Li Lung Chi کا ہے جو ایک اچھا حکمران تھا۔ چینی زبان میں اس کے نام کا مطلب ''آسمانوں کا بیٹا'' بنتا ہے۔ اس نے اپنے عہد میں علوم و فنون کی بہت سرپرستی کی اور انہیں درجہ عروج پر پہنچا دیا۔ سائنس اور آرٹ کی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں چین میں دنیا کا پہلا لوہے کا پل تعمیر کیا گیا۔ اسی خاندان کے عہد آخر میں 868ء میں بدھوں نے چین میں

چھپانے کے لیے لکڑی کے سانچے تیار کیے اور دنیا کی پہلی کتاب چھاپی۔ دنیا میں یہ کاغذ پر چھپائی کا پہلا نمونہ تھا۔

تنگ خاندان کے عہد میں اویغور ترکوں نے مشرقی ترکوں کو شکست دے کر ترکستان میں اپنی سلطنت قائم کر لی اور وہ تبت تک کے علاقوں پر حکمران ہو گئے۔ چین کے تنگ بادشاہ نے ایک چینی شہزادی کی شادی اویغور حکمران سے کر دی تا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستی قائم ہو جائے لیکن اس کے باوجود 762ء میں اویغور حکمران نے چین کے مشرقی دارالحکومت پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے 747ء میں ایک چینی فوج نے پامیر اور ہندوکش پیش قدمی کی مگر عرب مسلمانوں سے شکست کھائی۔

ماخذ: صفحہ 233 انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
1000 اہم واقعات، لین اینڈ سیل۔

619ء۔ سفر طائف

پیغمبر اعظم و آخر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے مشہور شہر طائف کے ایک چوراہے میں اپنے ہمسفر زید کے ساتھ کھڑے ہیں لوگوں کا ایک جم غفیر آپ (ﷺ) کے گرد کھڑا ہے آپ (ﷺ) اُن کو دعوت اسلام دے رہے ہیں۔ اس کے جواب میں وہ آپ (ﷺ) کو کہتے ہیں کہ ''اگر خدا کا یہی منشا ہوتا کہ ہم اپنا مذہب تبدیل کر لیں تو یہ کام تمہاری مدد کے بغیر بھی ہو سکتا تھا''۔ اسی مجمع میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں آپ (ﷺ) کے دلائل کا ابطال نہیں کرتا۔ اگر آپ (ﷺ) واقعی پیغمبر ہیں تو آپ (ﷺ) اتنی عظیم شخصیت ہوئے کہ مجھ جیسے فانی انسان کو آپ (ﷺ) سے بحث کرنے کی ہمت نہیں کرنی چاہیے، لیکن اگر آپ (ﷺ) (نعوذ باللہ) کوئی نوسر باز ہیں تو آپ (ﷺ) کی باتوں کا جواب دینا فضول ہے۔

پیغمبر اعظم (ﷺ) خاموشی کے ساتھ مجمع سے نکل آتے ہیں لیکن طائف کے یہ متوالے صرف اتنے مکالمہ اور تمسخر سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ آپ (ﷺ) کے پیچھے تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے چل پڑتے ہیں۔ ان میں سے بعض خبیث با آواز بلند پکارتے ہیں ''یہاں سے نکل جاؤ، بھاگ جاؤ'' اس کے ساتھ ہی یہ جم غفیر آپ (ﷺ) پر کنکریوں اور پتھروں کی بارش

کرنے لگتا ہے جس سے آپ (ﷺ) زخمی ہو جاتے ہیں اور آپ (ﷺ) کا خون بہنے لگتا ہے۔ آپ (ﷺ) معصوم ہیں آپ (ﷺ) نے اس مجمع میں سے کسی شخص کو ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جس سے اس کی دل آزاری یا اس کے جذبات مجروح ہوئے ہوں مگر ان کا یہ ناروا سلوک ایک ظلم عظیم سے کم نہیں، وہ اپنے اس مہمان عزیز کو زخمی کر رہے ہیں جو شاید دنیا کے کسی اور شہر میں قیام فرما ہوتا تو لوگ آپ (ﷺ) کے قدم چوم لیتے۔

بالآخر آپ (ﷺ) اپنے ساتھی زید کے ساتھ ایک باغ میں پناہ لیتے ہیں۔ زید آپ (ﷺ) کے چہرے سے خون پونچھتا ہے اور زخموں پر پٹیاں باندھتا ہے۔ آپ (ﷺ) اس کے ساتھ واپسی کی تیاری کر رہے ہیں کہ ایک عداس نامی مسیحی غلام انگوروں کا ایک خوشہ لے کر آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ آپ (ﷺ) دریافت فرماتے ہیں کہ یہ ہدیہ کس نے بھیجا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ ''عتبہ بن ربیعہ'' نے وہی اس باغ کا مالک ہے اور اسے آپ (ﷺ) پر اور آپ (ﷺ) کی حالت پر بہت ترس آیا ہے۔

آپ (ﷺ) شیوہ پیغمبری اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''میری طرف سے اس کا شکریہ ادا کرنا'' اور یہ کہہ کر آپ (ﷺ) ہاتھ بڑھاتے ہیں اور بسم اللہ پڑھ کر چند دانے انگور منہ میں رکھ لیتے ہیں۔

عداس مسیحی یہ سب دیکھ کر پوچھتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے انگور کھانے سے پہلے بسم اللہ کیوں پڑھی؟ آپ (ﷺ) اسے تعلیم دیتے ہیں کہ بسم اللہ کے معنی ہیں اللہ کے نام سے شروع ہے، پھر آپ (ﷺ) اسے اسلام کے چند موٹے موٹے اصول بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ کھانے یا کسی کام کے کرنے سے قبل خدا کا نام ضرور لے، کیونکہ تمام نعمتیں اُسی کی عطا کردہ ہیں۔

عداس جو ایک مسیحی ہے حیرت سے کہتا ہے ''تب تو آپ کا مذہب ہمارے دین سے بہت ملتا جلتا ہے مگر ان دونوں میں فرق کیا ہے؟''۔ اس فرق کو قرآن مجید میں بہت واضح کر کے بتایا گیا ہے ''کہو اللہ ایک ہے، وہ صمد یعنی بے نیاز ہے..... نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔'' عداس کا دل اس آیت سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ وہ فوراً اسلام قبول کر لیتا ہے۔ وہ طائف کا پہلا شخص ہے جو پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ) پر ایمان لے آتا ہے۔

پھر آنحضرت (ﷺ) وہاں سے واپسی مکہ روانہ ہو جاتے ہیں اور خدا سے لو لگا کر فرماتے ہیں

''یا اللہ اس تذلیل سے میری بے چارگی مجھ پر عیاں ہوگئی ہے۔ میری سعی کے ناکارہ ہونے کا تجھے اندازہ ہے۔ تو ہی تمام کمزوروں کا ملجا و ماویٰ ہے۔ میری یہی دعا ہے کہ تیرا عذاب اس شہر یا اس کے کسی باسی پر نازل نہ ہو۔''

مکہ میں حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد جب ابولہب خانوادہ بنی ہاشم کا رئیس بنا تو اس نے آپ (ﷺ) کو کنبہ بدر کر دیا۔ اس طرح آپ (ﷺ) اپنے ہی خاندان کی حمایت سے محروم ہو گئے۔ ایک چچا ابو طالب تھا جو آپ کے دشمنوں کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہا۔ ایک یہ ابولہب کہ اس نے آپ (ﷺ) کو اپنے ہی کنبہ کی حمایت سے محروم کر دیا۔ کنبے کی حمایت سے محروم کرنا کسی شخص کو عرب کے معاشرے میں انسانی حقوق سے محروم کرنے کے مترادف تھا۔ اب کوئی شخص بھی بلا قصاص آپ (ﷺ) کو کوئی نقصان پہنچا سکتا یا حتیٰ کہ قتل بھی کر سکتا تھا۔ کوئی قانون یا دستور اس سے باز پرس نہیں کر سکتا تھا۔ اپنوں کی حمایت سے محروم ہونے کے بعد آپ (ﷺ) نے مکہ سے دور طائف میں اپنی تحریک انقلاب کا مستقر قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور آپ (ﷺ) 27 شوال 3 قبل ہجری فروری، مارچ 619ء کو سفر طائف پر روانہ ہوئے جہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ مندرجہ بالا سلوک کیا۔

620ء۔ واقعہ اسریٰ

8 مارچ 620ء کی شب تاریخ عالم میں ایک ایسا اہم واقعہ پیش آیا جو آج بھی انسان کو متحیر کئے ہوئے ہے۔ بقول قرآن مجید ''منزہ اور پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے، لے گئی تاکہ اسے اپنی آیات یا نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سمیع و بصیر ہے۔'' یہ واقعہ اسریٰ یا معراج (ﷺ) ہے۔

اُس رات آپ (ﷺ) کوہ صفا اور مروہ کی درمیانی وادی میں آرام فرما تھے یکا یک جبریل امین آسمان سے آ کر آپ (ﷺ) کو بیدار کرتے ہیں۔ ان کے ہمراہ ایک سیاہی مائل سفید راہوار (براق) ہے جس پر وہ آپ (ﷺ) کو سوار کرتے ہیں۔ اس گھوڑے نما مخلوق میں جس کا نام براق ہے وہ تمام صفات خداوند کریم نے رکھ دی ہیں جو شاید آج کے ترقی یافتہ خلائی جہازوں اور راکٹوں میں بھی انسان پیدا نہیں کر سکا۔ وہ نہ صرف اُڑن کھٹولوں اور ہوائی جہازوں کی طرح

فضائے بسیط میں پرواز کر سکتا تھا بلکہ آسمانی رتھوں یا خلائی شٹلوں کی طرح خلا میں پرواز کا ملکہ بھی رکھتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پلک جھپکتے میں شاید روشنی کی رفتار سے بھی تیزی سے یروشلم کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں آپ (ﷺ) کو بڑی تکریم کے ساتھ مسجد اقصیٰ لے جایا جاتا ہے وہاں حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سمیت تمام پیغمبران خدا آپ (ﷺ) کے منتظر ہیں۔ آپ (ﷺ) نے ان کی جماعت کی امامت فرمائی، اس کے بعد آپ (ﷺ) پھر سوار ہوئے اور ایک بار پھر براق فضا میں بلند ہوا۔ اس مرتبہ آپ کی منزل آسمان ہے۔ براق کرہ زمین کی فضاؤں سے نکلتا ہوا خلاؤں میں پرواز کرتا ہوا منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ پہلے آسمان پر جبریل امین دستک دے کر آسمان والوں کو پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ) کے آسمان پر مہمان ہونے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کا فقید المثال خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس آسمان پر جس انسان سے آپ (ﷺ) کی ملاقات ہوتی ہے وہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت آدمؑ فرماتے ہیں کہ "مرحبا یا محمد (ﷺ) آپ نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے اس سے تمام آسمانی مخلوق بہت خوش ہے۔ آپ (ﷺ) میری اولاد میں افضل ترین مقام پر فائز اور پیغمبروں میں اشرف الدنیا ہیں۔ اسی طرح آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے آپ (ﷺ) مختلف انبیائے سلف، حضرت موسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت مسیحؑ اور دیگر انبیائے کرام سے داد و تحسین وصول کرتے ہوئے ایک بڑی عالیشان مسجد تک پہنچ جاتے ہیں جو سرخ مونگے سے تعمیر ہوئی ہے اور جہاں ستر ہزار فرشتے تسبیح میں مصروف ہیں۔ یہاں سے بڑھ کر آپ (ﷺ) نور کے ایک بے پایاں سمندر کو عبور کرتے ہیں اور بالآخر خدائے قدوس کے سامنے بالمشافہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کے اور ذات باری تعالیٰ کے درمیان جو فاصلہ باقی رہ جاتا ہے وہ صرف دو کمانوں کا فاصلہ ہے۔ اس وقت آپ (ﷺ) کی قلب کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے شق ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) دن میں پچاس نمازیں ادا کیا کریں اور بنی نوع انسان کو بھی یہی حکم دیں۔ آپ (ﷺ) یہ حکم خداوندی لے کر واپس آ رہے ہیں کہ ایک بار پھر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہو جاتی ہے وہ آپ (ﷺ) کو مشورہ دیتے ہیں کہ نمازوں کی یہ تعداد بہت زیادہ ہے انسان اتنی عبادت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ حضور (ﷺ) واپس جاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو عرض کرتے ہیں، نمازوں کی کچھ تعداد کم کر دی جاتی ہے مگر حضرت موسیٰؑ ہنوز آپ (ﷺ) کو لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ بالآخر نمازوں کی تعداد پانچ رہ گئی جو انسان کے لیے فرض عین ہیں۔

اگلی صبح جب آنحضرت (ﷺ) کفار مکہ اور مسلمانوں کو یہ محیر العقول واقعہ سناتے ہیں تو یہ واقعہ انسان کی عقل سے معجزات کی طرح بالاتر ہے اس لیے مابہ النزاع بن جاتا ہے۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ آج بھی بازی لے جاتے ہیں اور پورے یقین و وثوق کے ساتھ بلا تامل تصدیق فرما دیتے ہیں کیونکہ یہ صدق صرف آپ (ﷺ) کا ہی خاصہ ہے۔ آج دربار نبوی (ﷺ) سے آپؓ کو ہمیشہ کے لیے صدیق کا لقب عطا ہوتا ہے۔ اس لقب کے ساتھ آپؓ ہمیشہ کے لئے سرفراز بلکہ زندہ و جاوید ہو جاتے ہیں۔

واقعہ اسریٰ یا معراج تاریخ عالم میں بے نظیر اہمیت کا حامل ہے۔ آپ (ﷺ) کی ذات کے سوا کسی اور انسان کو جسمانی طور پر یہ عروج کبھی نصیب نہیں ہو سکا۔ اس واقعہ کے اثرات انسان کے علم و ادب پر دیر تک مرتب ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ عالم اسلام میں ابن عربی اور دیگر کئی شخصیات اس واقعہ سے متاثر ہو کر ''فتوحات مکیہ'' جیسی کتب تصنیف کرتی ہیں۔ یورپی شعراء میں دانتے Dante جو اطالیہ کے دور احیاء العلوم کی اولین شخصیتوں میں شامل ہے اپنی کتاب طربیہ آسمانی Devine Comedi میں معراج کے اس عظیم واقعہ کا چربہ پیش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ماخذ: پیغمبر صحرا از کے ایل گابا۔ پیغمبر اعظم و آخر از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

622ء۔ واقعہ ہجرت عظمیٰ

اسلام میں ہجرت ایک مخصوص اصطلاح ہے اس سے مراد صرف ترک وطن ہی نہیں بلکہ یہ تاریخ دعوت اسلام کا وہ انقلابی موڑ ہے کہ جب مسلمانوں کے لیے اسلام کے ضابطہ حیات پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہو گیا تو انہوں نے دار الکفر سے دار السلام کی طرف نقل مکانی کی اور اسی وقت سے اسلام نے عالم انسانیت کے لیے ایک بے مثل منشور کی حیثیت اختیار کر لی۔ اسی موڑ سے گزر کر اسلام کی معنوی اور صوری فتوحات کا وہ عظیم دور شروع ہوا جو اب تک تاریخ عالم کا حیرت انگیز معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔

عہد بعثت نبوی (ﷺ) کی ابتدا میں مسلمانوں کو انفرادی ہجرت کا حکم ملا لیکن مکہ کے حالات مخدوش سے مخدوش تر ہوتے چلے گئے اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو

اجتماعی ہجرت کی اجازت ملی۔

آپ (ﷺ) کو متعدد خوابوں اور بشارتوں کی وجہ سے یقین تھا کہ آپ (ﷺ) کی جائے ہجرت کھجوروں والی سرزمین مدینہ ہے۔ بیعت عقبہ ثالثہ (13 نبوی) کے موقع پر یثرب کے مسلمانوں سے آپ (ﷺ) نے دوسری باتوں کے علاوہ اس بات کی بھی بیعت لی تھی کہ وہ آپ (ﷺ) کی اپنے اہل وعیال کی طرح حفاظت وصیانت کریں گے۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ نے یثرب والوں کو بتایا تھا کہ آپ (ﷺ) اپنے قبیلے میں بھی محفوظ ومامون ہیں اور یہ کہ تم خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر آپ (ﷺ) کو مدعو کرو جس پر اہل یثرب نے ہر ممکن جانثاری کا یقین دلایا۔ اسی بیعت کے بعد اذن الٰہی کے مطابق اس کی مسلمانوں کو آنحضرت (ﷺ) نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس امید پر روک لیا کہ ہجرت میں آپ (ﷺ) کی مصاحبت کریں گے۔ ان کے علاوہ مکہ میں حضرت علیؓ اور چند کمزور اور ضعیف مسلمان رہ گئے۔ قریش مکہ تو ایک عرصہ سے ایسے موقع کی تلاش میں تھے کہ آنحضرت (ﷺ) اپنے مددگاروں کے بغیر ہوں۔ سو انہوں نے دارالندوۃ میں ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا جس میں مکہ کے ہر خاندان سے ایک ذی اثر شخص شریک ہوا۔ اس اجلاس میں ہادی اعظم (ﷺ) کے قتل کا ناپاک منصوبہ تیار کیا گیا اور طے پایا کہ اس کارروائی میں ہر قبیلے کا ایک نمائندہ شرکت کرے گا تاکہ بنو ہاشم اور مسلمانوں کے لیے پورے مکہ سے انتقام لینا ناممکن ہو جائے اور انہیں دیت لینے پر آمادہ کیا جا سکے۔ اس خون آشام منصوبے کا ذکر قرآن مجید 8 الانفال: 30، میں کیا گیا ہے۔ آپ (ﷺ) کو اس سازشی منصوبے سے آگاہ کرنے والی آپ (ﷺ) کی پھوپھی رقیقہ بنت صفی بن ہاشم تھیں۔ یہ اطلاع ملنے پر آپ (ﷺ) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور سفر ہجرت کی مناسب تفصیلات طے فرمائیں۔ حضرت ابوبکر نے پہلے ہی سے اس متوقع سفر کے لیے دو اونٹنیاں نعیم بن قشیر سے خرید کر رکھی تھیں ان میں سے ایک اونٹنی آپ (ﷺ) کی خدمت میں پیش کی۔ آپ (ﷺ) نے اسے قیمتاً خرید لیا۔ اس اونٹنی کا نام ''القصوا'' تھا یہ سفر ہجرت کے علاوہ بھی کئی تاریخی سفروں میں آپ (ﷺ) کی سواری میں رہی۔ اگرچہ اس وقت آپ (ﷺ) کے لیے جان بچانے کا مسئلہ درپیش تھا مگر امین مکہ نے اہل مکہ کی امانتوں کو سامنے رکھا جن میں آپ (ﷺ) کے جانی دشمنوں تک کے نقد وزیورات بھی شامل تھے، آپ (ﷺ) نے ان امانتوں کو واپس کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو مکہ رُکنے کا حکم دیا۔

ہجرت کی رات حضرت علیؓ نے آپ (ﷺ) کے اسی بستر پر گزاری جس کے اردگرد کفار مکہ کی خون آشام تلواریں چمک رہی تھیں۔ پھر اسی رات دارلندوہ کی قرارداد کے مطابق 12 افراد نے ابوجہل کی سرکردگی میں آپ (ﷺ) کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ اندر حضور (ﷺ) کے سبز حضری بستر پر حضرت علیؓ لیٹے ہوئے تھے، دشمنوں کے اندر جھانکنے پر انہیں گمان ہوتا تھا کہ جیسے خود آنحضرت (ﷺ) اپنے بستر پر استراحت فرما ہیں۔

جب رات گہری ہوگئی تو آنحضرت (ﷺ) اپنے رفیق سفر کے ساتھ دشمنوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے مدینہ روانہ ہوگئے اور دشمن آپ (ﷺ) کی روانگی سے بے خبر رہے۔ آپ (ﷺ) نے مکہ کی دائیں جانب ایک میل کی دوری پر واقع غارِ ثور میں قیام کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی چادر پھاڑ کر غار کی صفائی کی اور اس کے ٹکڑوں سے غار کے سوراخوں کو بند کیا۔ آپ (ﷺ) حضرت ابوبکرؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔

جب صبح کے آثار نمودار ہوئے تو قریش مکہ یکبارگی حجلہ نبوی (ﷺ) میں داخل ہوئے وہاں بستر نبوی (ﷺ) پر حضرت علیؓ کو محو خواب پا کر سخت مضطرب ہوئے اور حضرت علیؓ سے سختی سے پوچھ گچھ کی مگر آپؓ نے اس بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اگلے دن حضرت علیؓ نے امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر دیں۔ اس میں تین دن لگے، اس کے بعد آپؓ بھی مدینہ روانہ ہوگئے۔ مشرکین اس غیر متوقع صورتحال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کو تلاش کرنے کے لیے پیشہ ور کھوجیوں کی خدمات حاصل کرلیں۔ یہ کھوجی آپ (ﷺ) کا سراغ لگاتے ہوئے غارِ ثور کے دہانے تک جا پہنچے، قریب تھا کہ قدموں کے نشان انہیں غار کے اندر بھی نظر آجاتے، انہیں اتنا قریب پا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ گھبرائے مگر آنحضرت (ﷺ) نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''لاتحزن، ان اللہ معنا'' دشمنوں کے اس طرح سر پر پہنچنے کے اس واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ توبہ میں کیا ہے۔

چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ آنحضرت (ﷺ) نے سفر ہجرت کی پہلے سے باقاعدہ طور پر منصوبہ بندی کی ہوئی تھی اس لیے یہاں قیام کے دوران حضرت اسما بنت ابوبکر صبح و شام آپ دونوں کو کھانا پہنچاتی رہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادہ عبداللہ رات آپ (ﷺ) کے ساتھ غار میں بسر کرتے اور شہر کی تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کرتے رہے۔ پھر 4 ربیع الاول 1ھ 622ء کو بروز پیر آپ (ﷺ) عبداللہ بن اریقط نامی ایک مکی گائیڈ کی رہنمائی میں مدینہ روانہ

ہوئے۔ معروف راستہ کو چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کیا گیا جو ساحل سمندر کے پاس سے گزرتا تھا۔ اسی اثنا میں قریش مکہ نے آپ (ﷺ) کی تلاش میں ناکام ہو کر آپ (ﷺ) کو گرفتار کرنے والے کو سو اونٹ دینے کا اعلان کیا۔ اسی بناء پر سفر ہجرت انتہائی سرعت سے جاری رہا۔ تعاقب کرنے والوں میں سراقہ بن مالک بن جشم نے آپ لوگوں کو آ لیا۔ آنحضرت (ﷺ) نے دعا فرمائی ''اے اللہ تو اسے کافی ہو جا'' فوراً اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے کئی مرتبہ اس نے بڑھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا پھر اس نے آپ (ﷺ) سے امان طلب کی اور وعدہ کیا کہ وہ واپس جا کر تعاقب میں آنے والوں کو لوٹا دے گا۔ آپ (ﷺ) نے اسے امان دی اور بشارت بھی دی کہ اسے کسریٰ کے کنگن نصیب ہونگے۔ اثناء راہ میں آپ (ﷺ) کا گزر ایک بڑھیا کی جھونپڑی سے ہوا جس نے اپنی بکری ذبح کر کے آپ (ﷺ) کی ضیافت کی۔ انصار مدینہ کو آپ (ﷺ) کے مکہ سے روانہ ہونے کی خبر ملی تو وہ پہروں قبا کے مقام پر آپ (ﷺ) کا انتظار کرنے لگے۔ پھر آپ (ﷺ) جمہور کے نزدیک 12 ربیع الاول، دوشنبہ 31 مئی 622ء کو قبا تشریف لائے۔ بعض مورخین اس تاریخ سے اختلاف کرتے ہیں۔ جمعہ کے روز آپ (ﷺ) قبا سے مدینہ روانہ ہوئے۔ آپ (ﷺ) اپنی اونٹنی قصوا پر سوار تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے پیچھے پیچھے اور آس پاس قبیلہ بنو نجار کے مسلح نوجوان آپ (ﷺ) کے ساتھ چل رہے تھے۔ محلہ بنو سالم پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو چلا تھا۔ آپ (ﷺ) نے مدینہ شریف میں پہلی نماز جمعہ محلہ بنو سالم میں ادا فرمائی۔ یہ اسلام کی پہلی نماز جمعہ تھی۔

مدینہ کے مختلف قبائل کی خواہش تھی کہ آپ (ﷺ) ان کے ہاں مہمان ہوں اور انہیں آپ (ﷺ) کا شرف میزبانی حاصل ہو جائے مگر آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میری اونٹنی مامور ہے کہ جہاں یہ ٹھہرے گی وہیں قیام ہوگا۔ پھر اونٹنی وہاں رُکی جہاں آج مسجد نبوی (ﷺ) واقع ہے۔ قریب ہی حضرت ابوایوب انصاری کا گھر تھا جنہیں آپ (ﷺ) کا شرف میزبانی حاصل ہوا۔ ان کے ہاں تقریباً سات مہینے قیام رہا۔

مدینہ میں قیام کے دوران آپ (ﷺ) نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے انصار کے ساتھ ان کی مواخات قائم فرمائی اور یہودیوں سے میثاق مدینہ نامی معاہدہ طے فرمایا۔

ہجرت کے اس عظیم واقعہ سے تاریخ اسلام میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جو ہر لحاظ سے فتح و کامرانی کا دور ہے اور اسی سے اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی لیے عہد

فاروقی میں حضرت علیؓ کے مشورے سے اسی واقعہ کو اسلامی تقویم کا نقطہ آغاز قرار دیا گیا۔ متفقہ طور پر یکم محرم الحرام 1ھ 16 جولائی 622 کو ہجری سنہ کا پہلا دن تسلیم کیا گیا۔

ماخذ: انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، پنجاب یونیورسٹی جلد 23 صفحہ 114

سیرت کبریٰ، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری، رحمتہ اللعالمین، منصور پوری، سیرت سرور عالم، مولانا ابوالعلیٰ مودودی، طبقات ابن سعد۔

624ء۔ معرکہ بدرالبدور

مکے میں بعثت نبوی (ﷺ) اور تبلیغ اسلام پر قریش کی روز افزوں ناراضگی، آنحضرت (ﷺ) کے قتل کی تیاریاں، جن کی وجہ سے آپ (ﷺ) ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ مہاجر مسلمانوں کی جائیداد کی ضبطی اور حبشہ کے حکمران اور مدینہ کے بااثر لوگوں کو ان مہاجرین کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا اور دوسری طرف مدینہ کے مکہ کی اہم تجارتی شاہراہ پر ہونے کی وجہ سے قریش پر معاشی دباؤ بڑھنا جس کی وجہ مسلمانوں کا اپنے علاقوں سے قریش کے تجارتی قافلوں کو روک دینا جنگ بدر کی موجبات ہو سکتے تھے۔

آنحضرت (ﷺ) قریش کے ناپاک عزائم سے واقف تھے اس لیے مدینہ پر کسی اچانک حملہ سے بچاؤ کے لیے ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے صحابہ کرام کو مختلف ٹولیوں کی شکل میں بھیجتے رہتے تھے۔ اسی دیکھ بھال کے سلسلے میں عمرو بن الحضرمی کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اس سے اہل مکہ بڑے مشتعل ہوئے بقول علامہ ابن خلدون یہ واقعہ جنگ بدر کی تمہید تھا۔

سنہ 2ھ کے ماہ شعبان میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے مال و دولت میں لدا پھدا واپس آ رہا تھا۔ کسی طرح یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ مسلمان شام سے آنے والے قریشی قافلے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی افواہ کے زیر اثر سردار قافلہ ابوسفیان نے شام ہی سے مکہ کو قاصد دوڑا دیا۔ انہیں واقعات کی بناء پر قریش مکہ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھنے لگے۔

نبی پاک (ﷺ) کو جب اس پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ (ﷺ) نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے صورتحال سے آگاہ کیا اور اُن سے مشورہ کرنے کے بعد آپ (ﷺ) 8 رمضان المبارک

۲ھ کو تین سے کچھ زائد جانثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور منزل بہ منزل 17 رمضان کو بدر کے مقام کے قریب جا پہنچے۔

دوسری طرف یہ صورت پیش آئی کہ شام سے آنے والا قریشی قافلہ صحیح وسلامت مکہ پہنچ گیا۔ اس وجہ سے کئی قریشی سرداروں نے کہا کہ اب اہل مدینہ سے لڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہی مگر ابوجہل نے جو آنحضرت (ﷺ) سے دشمنی اور بغض رکھنے میں سب سے آگے تھا اصرار کیا کہ اب لڑنا ضروری ہے۔ قریش کو آمادہ جنگ دیکھ کر مسلمانوں کے لیے بھی اپنا دفاع کرنا لازم ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی دانشمندی سے بدر میں ڈیرے ڈال دیے۔ پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا۔ دشمن سے تعداد میں کمی اور قلت اسلحہ کے باوجود آپ (ﷺ) نے اپنے بہادر ساتھیوں میں اعتماد و یقین فتح پیدا کر دیا۔ پھر جنگ سے ایک دن قبل میدان جنگ میں گھوم پھر کر صفیں درست کیں اور نشان دہی فرمائی کہ کون کون دشمن کہاں کہاں قتل ہو کر گرے گا۔ جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ کفار میں سے پہلے عامر الحضرمی (عمرو الحضرمی کا بھائی) آگے بڑھا اور اس نے عربوں کی جنگی روایات کے مطابق دعوت مبارزت دی جس کے بعد کچھ دیر تک اکیلے اکیلے آدمی کے درمیان جنگ آزمائی ہوتی رہی اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ دوران جنگ جب عتبہ اور ابوجہل مارے گئے تو قریش کے پاؤں اُکھڑ گئے اور مسلمانوں کو قلت تعداد اور قلت ساز و سامان کے باوجود فتح نصیب ہوئی۔ یہ وہ فتح تھی جو بظاہر بدر کے مقام پر حاصل ہوئی مگر مسلمانوں کی تمام آئندہ فتحوں کا پیش خیمہ تھی۔ یہ فتح تائید ایزدی کے علاوہ آنحضرت (ﷺ) کی جنگی حکمت عملی کی بھی مرہون تھی۔ آپ (ﷺ) نے جب صف بندی کی تھی تو سورج کو پس پشت رکھا تھا اور ہدایت کی تھی کہ کوئی بلا اجازت حملے کے لیے آگے نہ بڑھے، نہ ہی کوئی دشمن دور ہو تو تیر چلائے بلکہ اگر وہ زد میں آئیں تو تیر چلائے جائیں تاکہ تیر ضائع نہ ہوں۔ حضور (ﷺ) نے حسن عمل کی انتہا کر دی کہ فرمایا کہ اگر کسی کو قتل بھی کرو تو اچھے طور پر قتل کرو خوامخواہ کی ایذا رسانی سے اجتناب کا حکم فرمایا۔ عورتوں، بچوں، زخمیوں اور بوڑھوں پر ہتھیار اٹھانے کی ممانعت فرما دی۔ آپ (ﷺ) کی ہدایت پر مسلمانوں نے امتیاز کے لیے اونی کلغیاں استعمال کیں اور مزید اطمینان کے لیے ہر انفرادی مقابلے میں اپنا نعرہ مقرر کیا۔ میدان جنگ میں آپ (ﷺ) ایک ٹیلے پر چڑھ کر ایک سائبان میں سے معرکے کی نگرانی کرتے رہے۔ شروع میں عربوں کی جنگی حکمت عملی کے مطابق انفرادی مقابلے ہوئے جن میں مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔ پھر دونوں جماعتوں کے درمیان

جنگ عام لڑی گئی جس میں جلد ہی دشمن بھاگ کھڑا ہوا، اس جنگ میں اہل مکہ کے 70 آدمی مارے گئے جبکہ مسلمانوں کے بارہ افراد نے جام شہادت نوش کیا۔ جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ اس وقت کی دنیا کا عمدہ ترین سلوک کیا گیا۔ صرف دو قیدیوں کو سزائے موت دی گئی کہ وہ ظالم مکہ میں مسلمانوں کی ایذا رسانی میں پیش پیش تھے۔ باقی قیدیوں کے لیے ایک مجلس شوریٰ کے ذریعے فدیہ مقرر کیا گیا اور رہائی کا فیصلہ کیا گیا۔ تعلیم اور پڑھائی کو یہ عزت دی گئی کہ پڑھے لکھے قیدیوں کو صرف دس آدمیوں کو پڑھانے سکھانے پر بغیر فدیہ رہا کر دیا گیا۔ اس جنگ کا ذکر قرآن مجید میں بالصراحت آیا ہے (دیکھیے سورۃ الانفعال)

یہ جنگ نا صرف فن حرب کی انسانی تاریخ کا ایک لاثانی کارنامہ ہے بلکہ تاریخ عالم میں اسے ایک عہد آفریں واقعہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی جنگ کے موقع پر آنحضرت (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اے خدائے واحد! اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر روئے زمین پر (کبھی) تیری عبادت نہ ہوگی۔ خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر"۔

تاریخ اسلام میں جنگ بدر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس دن کو قرآن کریم میں فیصلے کا دن کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس دن اسلام اور کفر زور آزمائی کے لیے پہلی مرتبہ میدان میں اُترے اور حق و باطل، نیکی و بدی، راستی و گمراہی اور سچ و جھوٹ کے درمیان قطعی فیصلہ ہوگیا۔

بدر کے مقام پر حق کی فتح و کامرانی کا پھریرا پہلی مرتبہ کھلا اور پھر ساری مظلوم دنیا میں بلند ہوتا چلا گیا۔

628ء۔ فتح مبین

آنحضرت (ﷺ) کو مکہ چھوڑے ہوئے چھ برس گزر چکے تھے۔ اہل قریش سے بدر، اُحد اور خندق کے معرکے پیش آ چکے۔ ایسے میں حضور (ﷺ) کو حرم کعبہ کی یاد اور دیدار کا شوق اپنی انتہا کو پہنچا۔ اسی زمانہ میں یہ آیت نازل ہوتی ہے "تم بلاشبہ مسجد حرام میں بے خوف و خطر داخل ہو گے۔ اللہ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں۔ پھر اس نے تم کو ایک اور بڑی فتح دے دی" (القرآن)

اس وحی کے نزول کے بعد ذوالقعدہ 6ھ کے اوائل میں آنحضرت (ﷺ) پندرہ سو

مسلمانوں کے ساتھ مکہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ایک سال قبل خندق کی لڑائی میں تین ہزار مسلمان تھے۔ اب احتیاطاً نصف قابل جنگ افراد کو مدینہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ آنحضرت (ﷺ) اور مسلمانوں نے عمرے کا احترام باندھا ہوا تھا، قربانی کے جانور ہمراہ تھے، مصالحانہ نیت ہونے کی وجہ سے ہتھیار ساتھ نہ لیے گئے البتہ کچھ دور چلنے کے بعد حضرت عمرؓ کے مشورے پر احتیاطاً مدینہ سے ہتھیاروں کا سرکاری مخزن منگوالیا گیا مگر اسے بند ہی رکھا گیا۔

جب مسلمانوں کا یہ قافلہ مکہ سے صرف دس میل کے فاصلے پر مقام حدیبیہ پر پہنچا تو قریش نے راستہ روک دیا اور دونوں فریقوں کے درمیان گفت وشنید شروع ہوگئی۔ آنحضرت (ﷺ) نے سفیر مکہ بنوثقیف کے سردار عروہ کو سمجھایا کہ ہم صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں مگر وہ کہتا ہے کہ کل قبائل نے قسم کھائی ہے کہ مسلمانوں کو بلا جنگ وجدل شہر امین میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

اس پر آنحضرت (ﷺ) حضرت عثمان کو اپنا سفیر اور معاہدہ صلح کا مختارِ کل بنا کر مکہ بھیجتے ہیں مگر انہیں نظر بند کر دیا جاتا ہے اور ان کی شہادت کی افواہ پھیلتی ہے۔ آنحضرت (ﷺ) مسلمانوں سے ان کا قصاص لینے کے لیے بیت شجرہ لیتے ہیں کہ ''ضروری پڑی تو قریش سے جنگ میں خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے۔''

مسلمانوں کے اس عزم سے قریش گھبرائے اور متوقع جنگ کو ٹالنے کے لیے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا اور تھوڑی سی ردوقدح کے بعد صلح نامہ طے پا گیا اور بیشتر قریشی مطالبے منظور کر لیے گئے جو یہ تھے۔

(1) مسلمان اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ سے واپس جائیں گے اور آئندہ سال واپس آ کر عمرہ کریں گے۔

(2) کوئی مکی بھاگ کر آنحضرت (ﷺ) کے پاس آ جائے تو اس کے سرپرستوں کے حوالہ کیا جائے گا جبکہ اگر کوئی مسلمان مکہ میں پناہ گزیں ہو تو اس کی تحویل عمل میں نہ آئے گی۔

(3) دس سال تک باہم صلح رہے گی اور حلیفوں کی جنگوں میں بھی فریقین ناطرفدار رہیں گے۔ دونوں فریقوں کو عمرہ، حج اور تجارت کے لیے ایک دوسرے کے علاقے میں آنے اور گزرنے کی اجازت ہوگی۔

(4) ان مفادات میں فریقین کے علاوہ وابستہ قبائل کو بھی برابر کا شریک سمجھا جائے۔ ان بنیادی شرائط کے علاوہ جب مسلمانوں نے یہ بھی منظور کر لیا کہ معاہدہ کا متن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی

بجائے زمانہ جاہلیت کے عنوان بسمک اللھم سے شروع ہوگا اور محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے تو گویا فتح قریش کی ہوئی اور مسلمان دب گئے۔

حضرت عمر جیسے پرجوش مسلمان اس معاہدے سے پریشان ہو گئے تھے لیکن مسلمانوں میں آنحضرت (ﷺ) کی زیر سرکردگی ایسا نظم وضبط تھا کہ جب آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ میں ان شرائط کو پسند کرتا ہوں تو پھر خاموشی اور اطاعت شعاری کے سوا کسی کو چوں و چراں کی مجال نہ تھی۔

حدیبیہ کی اس عارضی صلح کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ''فتح مبین'' اور ''نصر عزیز'' کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ''بسمک اللھم'' میں اللہ کا کوئی شریک نہیں لہٰذا اس سے شرک کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ محمد بن عبداللہ لکھنے سے صورت حال بدل نہیں سکتی تھی اور ''من استطاع الیہ سبیلا'' لکھنے کے باعث وہ مسلمانوں پر واجب بھی نہیں رہا تھا۔ تحویل ملزمین میں مدینے سے بھاگنے والا منافق اور مرتد ہی ہوسکتا تھا اور وہ خس کم جہاں پاک کے مصداق تھا۔ نومسلموں کا مکے اور اس کے اطراف میں روز افزوں ہوتے جانا خود اہل مکہ ہی کے لیے خطرے کا باعث اور کسی اسلامی اقدام کے وقت مسلمان لشکر کے لیے قیمتی امداد ثابت ہوسکتا تھا۔ قریش کو خیبر کے اتحاد سے الگ کرنا سیاست نبوی (ﷺ) کا مقصد تھا جس کے باعث آپ (ﷺ) کے ہاتھ کھل گئے اور دونوں دشمنوں کے اتحاد سے جو خطرات ہوسکتے تھے ان سے نجات حاصل ہوئی، اور تین ہی سال میں پُرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو دس گنا کر کے آپ (ﷺ) نے پورے عالم عرب کو اپنا مطیع بنالیا اور عالم عرب سے رومی اور ایرانی عالمی اثرات کو بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم عرب حکومت کی بنیاد ڈالی جو آپ (ﷺ) کے بعد صرف پندرہ برس میں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں میں پھیل گئی۔ پھر یہ صلح ''فتح مبین'' ہی کہلانے کی مستحق ثابت ہوئی۔ معاہدے کی نقلیں تیار ہوئیں۔ فریقین میں ان کا تبادلہ عمل میں آیا۔ قریشی وفد کو اسلامی کیمپ میں اس وقت تک روک رکھا گیا جب تک حضرت عثمانؓ صحیح وسالم واپس نہ آ گئے۔

اگلے برس مسلمان جب قضائے عمرہ کے لیے آئے تو اہل مکہ شہر خالی کر کے پہاڑوں میں چلے گئے۔ آنحضرت (ﷺ) اگر چاہتے تو مکہ پر قبضہ کر سکتے تھے مگر معلم اخلاق (ﷺ) کی سیاست بھی مطلب پرستی اور بے اصولی سے بالاتر تھی۔ آپ معاہدہ کی ہر شق پر عملدرآمد کرتے رہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حدیبیہ میں دو عورتوں نے اسلامی پڑاؤ میں پناہ لی۔ آنحضرت (ﷺ)

نے فرمایا کہ معاہدہ میں تحویل کی شق صرف مردوں سے متعلق ہے خواتین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قریش نے آپ کی یہ تعبیر منظور کر لی۔ اسی دوران دو نومسلم نوجوان البتہ بھاگ کر آئے تو آنحضرت (ﷺ) نے انہیں واپس کر دیا۔ یہ دونوں نیز دیگر مقامی نومسلم جلد ہی ذوالمرۃ (بدر) کے دشوار گزار مقام پر جمع ہو کر قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے خطرہ بن گئے۔ اس پر خود قریش کو یہ یک طرفہ تحویل ملزمین کی شرط منسوخ کرانا پڑی اور ان نومسلموں کو مدینہ منتقل کرنا پڑا۔

تحویل ملزمان کی یہ شرط قریش نے اپنا بڑا پن ظاہر کرنے کے لیے منظور کرائی تھی جس سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ اس کے برعکس آنحضرت (ﷺ) چاہتے تھے کہ اہل مکہ یہود خیبر کے ساتھ مسلمانوں کے معاملے میں غیر جانبدار رہیں قریش مکہ نے دوسرے قبائل کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائیوں میں غیر جانبدار رہنا منظور کر کے آنحضرت (ﷺ) کی خواہش کے مطابق اس کا موقع فراہم کیا کہ آپ (ﷺ) یہود خیبر کی قوت کو توڑ دیں۔ اس طرح وہ یہود سے تعلقات نہ رکھ کر ایک عظیم الشان غلطی کے مرتکب ہوئے اور اس قوی حلیف کی مدد سے محروم رہ گئے اور آئندہ مسلمانوں کے واحد ہدف بنے۔

قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر دینا صلح حدیبیہ کی سب سے بڑی سفارتی کامیابی تھی۔ اسی کامیابی کی وجہ سے بھی یہ صلح ''فتح مبین'' قرار پاتی ہے۔ حدیبیہ سے واپس مدینہ آنے پر صرف دو ہفتے بعد خیبر کی طرف کوچ کیا گیا اور ایسی حکمت اختیار کی گئی کہ خیبر والوں کی مدد کو کوئی نہ آیا۔ یہاں تک کہ ان کے حلیف غطفان قبائل بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہے اور مسلمانوں نے آسانی سے اس خطرے کا ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا۔

625ء۔ جنگ اُحد

معرکہ بدر میں ہزیمت اٹھانے کے بعد سے کفار مکہ کے گھروں میں کہرام مچا ہوا تھا کیونکہ بڑے بڑے سردار مکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ ان سرداروں کے پسماندگان کے دلوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چنانچہ پورے ایک سال تک تیاریوں کے بعد اہل مکہ تین ہزار کا لشکر جرار لے کر اپنے عزیزوں کے خون کا بدلہ لینے کے لیے نکلے۔ اس مرتبہ ان کے ساتھ خواتین بھی تھیں تا کہ مرد اگر میدان جنگ میں کمزور پڑتے دکھائی دیں

تو انہیں غیرت دلا سکیں۔ کچھ شاعر بھی ساتھ تھے تا کہ بدر میں مرنے والوں کے مرثیہ سنا کر ان کے جوش کو بھڑکائیں۔ یہ لشکر پورے طمطراق کے ساتھ مکہ سے چل کر مدینہ کے قریب واقع اُحد نامی پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔

14 شوال 3ھ کو بعد نماز جمعہ آنحضرت (ﷺ) ایک ہزار مجاہدین کو لے کر مدافعت کے لیے مدینہ سے نکلے۔ تھوڑی دور ساتھ جانے کے بعد منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بہانہ بنا کر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا۔ اب صرف سات سو جانثار رسول اکرم (ﷺ) کے ساتھ رہ گئے۔

مدینہ سے باہر آ کر جب آنحضرت (ﷺ) نے لشکر اسلام کا معائنہ کیا تو اس میں کچھ نوعمر بچے بھی شامل پائے۔ آپ (ﷺ) نے اُن کو ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور انہیں سمجھا کر واپس بھیجنا چاہا مگر بچوں کا شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی طرح واپس جانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ رافع بن خدیج کو جب آپ (ﷺ) نے واپس جانے کا کہا تو وہ پنجوں کے بل تن کر کھڑا ہو گیا تا کہ بڑی عمر کا معلوم ہو۔ ساتھ اس نے بارگاہ رسالت (ﷺ) میں عرض کی ''یا رسول اللہ (ﷺ) میں تو بڑا اچھا تیر انداز ہوں'' آنحضرت (ﷺ) نے رافع کو شرکت کی اجازت دیدی۔

سمرہ بن جندب بھی رافع کے ہم عمر تھے لیکن وہ لڑائی میں شریک ہونے سے روک دیئے گئے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ رافع کو اجازت مل گئی ہے تو وہ بھاگ کر حضور (ﷺ) کی خدمت میں آئے اور عرض کیا ''یا رسول (ﷺ) جب آپ (ﷺ) نے رافع کو اجازت دیدی ہے تو مجھے بھی دیجیے کہ میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہوں۔'' آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا ''اچھا تو پھر کشتی لڑو'' اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا اب آنحضرت (ﷺ) نے سمرہ کو بھی اجازت دے دی۔

میدان جنگ میں پہنچ کر آنحضرت (ﷺ) نے احد پہاڑ کو پشت پر رکھ کر فوج کی صف بندی فرمائی چونکہ پہاڑ کے پیچھے ایک درہ سے دشمن کے حملہ کا خوف تھا اس لیے عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں 50 تیر اندازوں کی ایک جماعت کو درہ کی حفاظت پر مامور فرمایا اور انہیں ہدایت کر دی کہ خواہ فتح ہو یا شکست، تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔

اس کے بعد دونوں فوجیں آگے بڑھیں اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ کفار مکہ اگرچہ مسلمانوں سے تعداد میں کئی گنا تھے مگر مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور وہ اپنا ساز و سامان میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔ مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے

میں مشغول ہو گئے، جب درہ پر متعین تیر اندازوں کی جماعت نے دیکھا کہ کفار کے میدان چھوڑنے کے بعد مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں تو وہ درہ کو چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف جانے لگے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں منع کیا اور رسول اللہ (ﷺ) کی ہدایت یاد دلائی مگر انہوں نے کہا کہ آنحضرت (ﷺ) کا یہ حکم تو صرف لڑائی کے وقت کے لیے تھا اب جبکہ لڑائی ختم ہو چکی ہے تو ہم یہاں کھڑے رہ کر کیا کریں گے۔ ساتھیوں کے مال غنیمت کے لیے اپنے فرائض چھوڑنے کے باوجود عبداللہ بن جبیرؓ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور چند ساتھیوں کے ساتھ وہیں کھڑے رہے۔ جوانان قریش میں سے خالد بن ولید بھی ایک دستہ کے سردار تھے اور فن حرب سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے جب درہ کے راستہ کو مسلمانوں سے خالی دیکھا تو اپنے بھاگتے ہوئے ساتھیوں کو جمع کر کے مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ درہ کے محافظ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر سب شہید ہو گئے۔ مسلمان اس اچانک حملے سے اتنے بوکھلائے کہ خود آپس میں تلواریں چل نکلیں۔ اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ آنحضرت (ﷺ) شہید ہو گئے۔ اس خبر سے مسلمانوں کے رہتے سہتے حواس بھی جاتے رہے اور لشکر اسلام میں ابتری پھیل گئی۔

مسلمان منتشر ہو گئے اور آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ جانثاروں کی ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی۔ کافر یہ موقع پا کر آپ (ﷺ) کی طرف بڑھے اور انہوں نے پے در پے حملے شروع کر دیئے مگر آپ (ﷺ) کے جانثاروں نے آپ (ﷺ) کے گرد حلقہ بنا لیا اور شمع رسالت (ﷺ) پر نثار ہونے لگے۔ حضرت ابو دجانہؓ آپ (ﷺ) پر ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے کہ کفار کا کوئی تیر آپ (ﷺ) تک نہ پہنچے۔ حضرت زیادہ بن حارث لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے اور آنحضرت (ﷺ) کی گود میں جان دیدی۔ ایک کافر نے ایک گڑھا ڈھانپ دیا تھا آپ (ﷺ) کا پاؤں اس گڑھے میں پڑا اور آپ (ﷺ) گڑھے میں گر پڑے جب آپ (ﷺ) کو گڑھے سے نکالا گیا تو تو ایک کافر نے طاق کر آپ (ﷺ) کو پتھر مارا جس سے آپ (ﷺ) کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ ایک دوسرے کافر نے آپ (ﷺ) پر تلوار کے کئی وار کیے جس سے حضور (ﷺ) کی خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں پیوست گئے۔

جب آپ (ﷺ) کے جانثاروں نے آپ (ﷺ) کو خون سے شرابور دیکھا تو عرض کی ''یا رسول اللہ (ﷺ)! اب کس بات کی دیر، آپ کافروں کے لیے بددعا کیجیے'' مگر

حضور (ﷺ) نے جواب دیا کہ میں مخلوق سے خدا کی رحمت دور کرنے کے لیے نہیں بلکہ سرتاپا رحمت بن کر آیا۔ پھر آپ (ﷺ) نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا کر کہ یہ مجھے نہیں پہچانتے۔ اسی حالت میں کعب بن مالکؓ کی نگاہ آپ (ﷺ) پر پڑی تو انہوں نے چیخ کر اعلان کیا کہ مسلمانو مژدہ ہو کہ رسول اللہ (ﷺ) بفضل تعالیٰ زندہ ہیں۔

یہ خبر سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور ان کے حواس ٹھیک ہوئے پھر ہر طرف سے مسلمان آنحضرت (ﷺ) کی جانب دوڑ پڑے۔ رسول اللہ (ﷺ) کچھ صحابہ کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ سب مسلمانوں کو خبر ہو جائے کہ آنحضرت (ﷺ) زندہ وسلامت ہیں۔ آنحضرت (ﷺ) کو پہاڑ پر چڑھتا دیکھ کر دشمن بھی پہاڑ پر چڑھنے لگا مگر حضرت عمرؓ نے بہادری سے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایسے میں کافروں میں سے ایک شخص ابی بن خلف چیخ کر کہنے لگا کہ میں آج محمد (ﷺ) کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آنحضرت (ﷺ) نے صحابہ سے کہا کہ اسے آگے آنے دو۔ جب وہ آپ (ﷺ) کے پاس آیا تو آپ (ﷺ) نے اپنے دست مبارک سے اسے نیزا مارا جس سے اسے کاری زخم آیا اور وہ مکہ جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔ یہ پہلا بدبخت شخص تھا جو آنحضرت (ﷺ) کے ہاتھ سے مارا گیا ورنہ آنحضرت (ﷺ) کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے مارنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اس جنگ میں مسلمانوں کو کھلی فتح حاصل ہوئی مگر چند آدمیوں کی غفلت سے یہ فتح شکست میں تبدیل ہوتے ہوتے بچی۔ اس لڑائی میں 33 کافر مارے گئے اور 70 مسلمان شہید ہوئے۔ شہداء اُحد میں آنحضرت (ﷺ) کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی درہ والوں کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ مدینہ واپسی پر آنحضرت (ﷺ) کو اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن مدینہ کا دوبارہ رخ نہ کرے۔ آپ (ﷺ) نے فوراً ایک سپاہی کو دشمن کی ٹوہ لگانے کے لیے بھیجا اس نے آ کر خبر دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر گھوڑوں کو کوتل بنا رہے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے دشمن کا تعاقب کیا اور اسے اس مذموم ارادے سے باز رکھا۔

ماخذ: تاریخ ملت ادارہ اسلامیات۔ تاریخ ابن کثیر نفیس اکیڈیمی
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد۔ تاریخ ابن خلدون نفیس اکیڈیمی، تاریخ طبری

627ء۔ خندق کی فیصلہ کن لڑائی

5ھ کا محاصرہ مدینہ جس میں مدافعت کے لیے مسلمانوں نے خندق کھودی تھی، نیز قریش، یہود خیبر اور بہت سے گروہ اس میں جتھا بندی کر کے آئے تھے، اس لیے ان کے قرآنی نام ''احزاب'' سے بھی یہ معرکہ منسوب ہے۔ 3ھ میں جنگ احد کے بعد قریش یہ دعویٰ کر گئے تھے کہ شوال 4ھ میں پھر لڑنے کے لیے آئیں گے مگر نہیں آئے اور یہ سال امن سے گزر گیا لیکن اسی اثنا میں بنوالنضیر مدینہ سے نکالے گئے تو وہ خیبر میں جا بسے اور قریش کو مدینہ پر پھر سے حملہ کرنے کے لیے اُکسایا اور اپنی طرف سے ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا۔ یہود خیبر نے قبیلہ بنوغطفان کو سال بھر کی کھجوریں دے کر اس پر آمادہ کیا کہ قریش کے محاصرہ مدینہ کے وقت وہ بھی اسلام کے خلاف جنگ میں شریک ہونگے۔ منصوبہ یہ تھا کہ آنحضرت (ﷺ) دومتہ الجندل روانہ ہوں تو غطفان اور قریش مل کر مدینہ کو لوٹ لیں اور پھر آنحضرت (ﷺ) کو اپنے مرکز سے دور راہ میں گھیر لیں۔

آنحضرت (ﷺ) واقعی جب 5ھ میں دومتہ الجندل روانہ ہوئے مگر خلاف معمول آدھے راستے ہی سے مدینہ لوٹ آئے۔ دومہ کے راستے سے مدینہ واپس آتے ہی آنحضرت (ﷺ) نے چند انصار و مہاجرین کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے مضافات کا چکر لگایا اور خندق کھودنے اور پڑاؤ ڈالنے کی جگہ متعین کی۔ المسعودی نے لکھا ہے کہ عہد نبوی (ﷺ) میں مدینہ کی ایک سمت کھلی تھی باقی تین اطراف میں مکان اور نخلستان تھے جن میں سے دشمن نہیں گزر سکتا تھا۔ اُدھر تنگ راستوں میں چھوٹی سی جمعیت بھی دشمن کی بھاری تعداد کو تیر اندازی سے روک سکتی تھی۔

عام روایت ہے کہ خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا۔ معرکہ خندق کے دوران میں ابوسفیان نے مکرر آنحضرت (ﷺ) سے جو خط و کتابت کی اس میں طعنہ دیا کہ میدان میں آنے کی بجائے چھپ کر بیٹھ گئے اور ساتھ ہی حیرت ظاہر کی کہ یہ خندقیں کھودنے کا داؤ آپ کو کس نے سکھایا؟ آنحضرت (ﷺ) نے جواب میں فرمایا کہ ''خدا نے مجھے اس کا الہام کیا۔''

رمضان میں مہم دومہ سے واپسی پر آنحضرت (ﷺ) کو مشکل سے چند ہفتے ملے اور خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ دشمن احزاب آ پہنچے۔ آنحضرت (ﷺ) نے حسب معمول عورتوں اور بچوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا، پھر پوری جمعیت جبل سلع کے دامن میں خیمہ زن ہو کر شہر کی مدافعت کرنے لگی۔ دشمن کی جنوبی ٹولیاں بیئر رومہ کے شمال مغرب میں واقعی العقیق میں مقیم ہوئیں۔ شمال سے آنے والی ٹولیاں جبل احد تک پھیل گئیں۔ یہود خیبر بن قریظہ کے یہودیوں کو جواب

تک مدینہ میں مقیم تھے اندرون شہر سے وار کرنے پر اکساتے رہے اور قریش کی ہر ممکن مدد کرتے رہے۔ ابن سعد کی روایات کے مطابق دیار بنی حارثہ کے قلعہ سے جبل ذباب تک کے علاقے کی حفاظت مہاجرین کے سپرد کی گئی اور جبل بنی عبید سے مذاد اور مسجد فتح تک کا حصہ انصار کے حصے میں آیا۔

خندق کی کھدائی میں آنحضرت (ﷺ) نے بنفس نفیس شرکت فرمائی تھی اور صحابہ کو شوق بھی دلاتے رہے تھے۔ جب محاصرے کے زمانے میں پہرہ دینے کے لیے نوبتیں مقرر کی گئیں تو پہرہ داروں کے علاوہ باقی لوگ فارغ رہتے تھے۔ خندق کا پہرہ دینے والی جماعتوں کے ساتھ تیس مسلمان سوار بھی تھے۔ ایک مرتبہ رات کو دو گشتی جماعتوں میں لڑائی ہوگئی پھر جب عادتی شعار پکارا گیا تو تلواریں رُکیں مگر اس وقت تک کئی مقتول وزخمی ہو چکے تھے۔

جب محاصرہ کرنے سے کچھ نہ ہو سکا تو یہود خیبر نے مدینہ کے بنو قریظہ کو ننگ و ناموس کا واسطہ دے کر غداری پر آمادہ کر لیا اور وہ حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ اُن کے بدلے ہوئے آثار دیکھ کر قرآنی الفاظ میں مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے۔ خندق کے اس پار بارہ ہزار کا لشکر اور اب ان کی طرف سے ڈیڑھ ہزار سے زاید بنو قریظہ کے قابل جنگ لوگ اسلام کے پورے دفاعی نظام کو خطرے میں ڈال رہے تھے۔ فوری تدبیر کے طور پر آنحضرت (ﷺ) نے کئی کئی سو مجاہدین کی دو جماعتیں بنو قریظہ کی بستی کے دونوں جانب متعین کیں جو وقفے وقفے سے پوری رات نعرہ تکبیر بلند کرتی رہتیں۔ آخر ان مخدوش حالات میں آنحضرت (ﷺ) نے دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کا اہتمام کیا۔ ایک نومسلم کہ جس کے اسلام لانے کی خبر ابھی پھیلی نہ تھی کے ذریعے پہلے بنو قریظہ کو سمجھایا کہ کسی قسم کا جنگی اقدام کرنے سے پہلے قریش سے یرغمال حاصل کر لو کہ وہ جنگ ادھوری چھوڑ کر پہلے کی طرح نہ چلے جائیں ورنہ تم تنہا محمد (ﷺ) کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ پھر قریش کے پڑاؤ میں یہ افواہ پھیلائی کہ بنو قریظہ نے محمد (ﷺ) سے ساز باز کر لی ہے اور دوستی کا یقین دلانے کے لیے وعدہ کیا ہے کہ قریش کے چند سرداروں کو پکڑ کر آنحضرت (ﷺ) کے سپرد کریں گے۔ پھر یہی خبر لشکر اسلام میں پھیلائی تا کہ یہاں سے جاسوس یہ خبر قریش تک پہنچائیں تو ان کی غلط فہمیاں پختہ ہو جائیں، اس طرح بنو قریظہ اور قریش ایک دوسرے کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے لگے اور ان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے امکانات ختم ہو گئے۔

محاصرہ کے طول کھینچنے سے دشمن کا سامان رسد ختم ہونے لگا اور اللہ تعالیٰ نے قریش اور غطفان پر سخت آندھی بھیجی جس سے ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ موسم سرد تر ہوتا چلا گیا۔ شدید

طوفانی ہوائیں چلنے لگیں، قریش اور اس کے اتحادی قبائل محاصرہ اٹھا کر واپس چلے گئے اور مطلع صاف ہو گیا۔ اس طرح یہود خیبر کی مسلمانوں کے خلاف سازش ناکام ہو گئی۔ دوسرے ہی دن بنو قریظہ کو اپنی غداری کا خمیازہ بھگتنے کا دن آ گیا۔ جنگ خندق میں کل چھ مسلمان شہید ہوئے جبکہ آٹھ دشمن مارے گئے۔ آنحضرت (ﷺ) کا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہوا کہ دشمن کا مد ختم ہو کر جزر شروع ہو گیا۔

اس جنگ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انصار مدینہ کے عزم و استقلال، جرات و ہمت اور غیرت و حمیت کا پتہ چلتا ہے۔ جب آنحضرت (ﷺ) نے دیکھا کہ تمام عالم عرب مسلمانوں پر چڑھ آئے ہیں تو آپ (ﷺ) نے چاہا کہ حکمت عملی سے کام لے کر دشمنوں کا اتحاد توڑ دیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر آپ (ﷺ) نے بنو غطفان کے دو سرداروں سے نامہ و پیغام شروع کیا اور ان سے اس شرط پر صلح کرنا چاہی کہ مدینہ کی کھجوروں کا ایک تہائی حصہ سالانہ انہیں دیا جائے۔ ان سے گفتگو ہو رہی تھی کہ آپ (ﷺ) نے انصار کے دو سرداروں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے مشورہ کیا، انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ (ﷺ)! اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو سر تسلیم خم ہے اگر یہ آپ کی پسند ہے تو بھی ہمیں آپ کی خاطر قبول ہے۔ لیکن آپ (ﷺ) اگر یہ بات ہمارے فائدے کے لیے کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہم اپنی عرضداشت پیش کریں گے۔'' آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ یہ بات میں آپ لوگوں کے فائدے کے لیے کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تمام عرب متحد ہو کر تم پر چڑھ آئے ہیں۔ اس پر حضرت سعید نے عرض کی۔ ''یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کی ذات گرامی نے ہمیں عزت و توقیر بخشی ہے، جب ہم بت پرست تھے تو یہ لوگ ہم سے بھی نہیں لے سکتے تھے کیا اس حالت میں ہم انہیں اپنا مال دیں۔ خدا کی قسم ان کے لیے یہ ہمارے پاس سوائے تلواروں کے اور کچھ نہیں۔'' آنحضرت (ﷺ) نے سرداران انصار سے اس بات پر اتفاق کیا اور دشمنوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی طرف سے ایک خاتون زبیدہ نامی نے بھی شرکت کی۔ ان کے پاس دوائیں تھیں جن سے وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں تھیں اور فلورنس نائٹنگل سے 1200 برس پہلے نرس کے فرائض انجام دیتیں رہیں۔ جبکہ آج اہل یورپ فلورنس کے کارنامے گنواتے نہیں تھکتے۔

ماخذ: اسلامی انسائیکلو پیڈیا پنجاب یونیورسٹی مقالہ خندق جلد 9

تاریخ ملت، ادارہ اسلامیات لاہور۔ بدر سے پانی پت تک، کرنل مختار گیلانی۔ تاریخ ابن کثیر نفیس اکیڈمی کراچی

628ء۔ سربراہان عالم کے نام خطوط

صلح حدیبیہ کے بعد قریباً قریباً جزیرہ نما عرب کا بیشتر حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اب آنحضرت (ﷺ) نے بین الاقوامی امور کی طرف توجہ فرمائی اور اُن سربراہان عالم، سلاطین، والیان ریاست اور امراء کو دعوت اسلام دینے کا فیصلہ کیا جو سرزمین حجاز سے متصلہ علاقوں پر حکومت کرتے تھے۔ اُن میں سے کچھ تو خود مختار تھے اور کچھ سلطنت روما اور شاہان ایران کے باجگذار۔ ان ممالک میں شاہی نظام کی گرفت عوام پر اتنی شدید تھی کہ عوام کی آزادی اُن کے فرمانروا کی نظر التفات کا دوسرا نام تھا۔ ان فرمانرواؤں نے اسقفوں اور مذہبی پیشواؤں کے تعاون سے انسانی اقدار کو اپنے پاؤں کے تلے روندا ہوا تھا اور ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ عوام کی تقدیر بنا ہوا تھا۔

ایسے میں جب اسلام نے سرخ و سفید اور کالے اور گورے میں امتیاز کو ختم کرنے کا مژدہ سنایا تو انسانی عظمت اجاگر ہوئی جس کا پیغام ان سربراہان عالم کو دینا ضروری تھا۔

ان سربراہان کو مکتوبات لکھتے وقت آنحضرت (ﷺ) نے ایسے بین الاقوامی آداب کو ملحوظ رکھا جن کو جدید سفارتی آداب میں شامل کیا گیا ہے۔ جو سفیر جس علاقے میں بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان پر عبور رکھتا تھا۔ عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج سب سے پہلے آنحضرت (ﷺ) ہی سے شروع ہوا۔ ان سفارتی خطوط میں آپ (ﷺ) نے خصوصی طور پر ''اسلم تسلم'' کے الفاظ لکھوائے جن کے ایک معنی یہ تھے کہ ''اسلام لاؤ تو سلامتی پاؤ گے'' دوسرے معنی یہ تھے کہ ''اطاعت اختیار کرو گے تو سلامتی پاؤ گے'' سے کام لیتے ہوئے ان حکمرانوں کو ڈپلومیسی سے یہ پیغام دیا تھا کہ اگر مانو گے تو خیر ہے نہ مانو گے تو پھر خیر نہیں۔

اسلام کی دعوت کے یہ نامے لے کر سفراء بعض مورخین کے نزدیک یکم محرم الحرام 7ھ بمطابق 628ء 11 مئی کو بروز بدھ روانہ ہوئے جبکہ بعض مورخین کے نزدیک سفراء کی روانگی مختلف اوقات میں عمل میں آئی۔

آپ (ﷺ) نے ان دعوت ناموں میں مختلف اقوام عالم کے سربراہوں کو ''عظیم الروم، عظیم فارس اور عظیم القبط'' کہہ کے مخاطب کیا تھا تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو، آپ کے ان خطوط میں سے چند خطوط آج بھی دنیا میں محفوظ ہیں۔ آپ نے (ﷺ) نے شاہ مصر مقوقس کو جو خط بھیجا تھا وہ آج بھی مصر کے ایک کتب خانے میں بالکل اصلی حالت میں محفوظ ہے۔ اسی طرح قیصر روم کے

نام آپ (ﷺ) کا نامہ مبارک استنبول کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ آپ (ﷺ) کا ایک خط شہنشاہ ہیل سلاسی حبشہ کے پاس بھی محفوظ تھا۔ ہرقل قیصر روم کے نام آپ کے خط کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے بادشاہ روم کی طرف ہے۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی اطاعت کرے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی دعوت میں بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کرو گے تو بچ جاؤ گے اور تمہیں دُہرا ثواب ہوگا۔ اگر منہ پھیرو گے تو تمام رعایا کا گناہ تم پر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات مان لو جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے ...

مختلف سربراہان اقوام عالم پر آپ (ﷺ) کے ان دعوت ناموں کا مختلف اثر ہوا۔ کئی گستاخوں نے آپ (ﷺ) کے خطوط کی عزت افزائی نہ کی اور کئی نے آپ (ﷺ) کے نامہ مبارک کی بڑی توقیر کی۔ آپ (ﷺ) کے مخاطب سربراہان عالم میں سب سے زیادہ گستاخی خسرو پرویز، کسریٰ ایران نے کی جس نے نامہ مبارک چاک کر ڈالا۔ جب آپ (ﷺ) کے سفیر نے واپس آ کر یہ واقعہ آپ (ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا "اے اللہ اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے۔ اس بدبخت کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا اور اس کا ملک بہت جلد مسلمانوں کے قدموں میں آ گیا۔

630ء۔ فتح مکہ یا فتح انسانیت

صلح حدیبیہ کے وقت بنوخزاعہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے حلیف ہونے کی حیثیت سے اس دس سالہ معاہدہ میں شامل ہیں جو حدیبیہ کے مقام پر طے پایا ہے جبکہ بنوبکر نے قریش کے حلیف ہونے کا اعلان کیا تھا۔

بنوبکر اور بنوخزاعہ دو متحارب گروہ تھے جن میں عرصہ دراز سے چپقلش چلی آ رہی تھی۔ بنوبکر نے ماضی میں بنوخزاعہ کے ہاتھوں زِک اٹھائی تھی لہٰذا وہ موقع کی تلاش میں تھے۔ صلح کے تقریباً دو سال بعد شعبان 8 ھ میں بنوبکر نے بنوخزاعہ پر شب خون مارا۔ اس حملے میں قریش نے نہ صرف ہتھیاروں سے بلکہ فوجی اور عملی مدد بہم پہنچائی (کئی قریشی نوجوان جن میں عکرمہ بن ابوجہل شامل تھا) بنوبکر کے اس جرم میں شریک تھے۔ بلکہ اگر یہ بھی کہا جائے تو غلط نہیں کہ یہ حملہ قریش کے ایماء

پر ہی کیا گیا تھا جو پہلے مسلمانوں کے حلیفوں سے نپٹ کر پھر مسلمانوں کے خلاف راست اقدام کرنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے عین حرم کعبہ میں بھی بنوخزاعہ کے لوگوں کا بے دریغ قتل عام کیا گیا۔ یہ قریش اور اس کے حلیفوں کی طرف سے معاہدہ حدیبیہ کی واضح خلاف ورزی تھی۔ بنوخزاعہ نے مدینہ پہنچ کر دربار رسالت (ﷺ) میں بنوبکر اور قریش کی اس کارروائی کی شکایت پیش کی۔ آنحضرت (ﷺ) چونکہ قریش کے ساتھ کیا گیا معاہدہ توڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ (ﷺ) نے قریش مکہ کو تین شرائط پیش کیں۔ (1) بنوخزاعہ کا جو مالی نقصان ہوا تھا اس کی تلافی کی جائے۔ (2) یا پھر بنوبکر کی حمایت واعانت سے ہاتھ کھینچ لیا جائے۔ (3) یا قریش یہ اعلان کرے کہ صلح حدیبیہ ختم ہوگئی۔ قریش نے یہ تیسری شرط منظور کر لی مگر جلد ہی ان کو ندامت ہوئی۔ ابوسفیان کو مدینہ منورہ روانہ کیا گیا کہ معاہدہ کی تجدید کی جائے۔ حضور اقدس (ﷺ) نے ابوسفیان کی کسی بات کا جواب نہ دے کر اس پر واضح کر دیا کہ تجدید معاہدہ کے لیے گفت وشنید نہیں ہوسکتی۔

10 رمضان المبارک 8ھ بمطابق یکم جنوری 630ء کو سرور دو عالم (ﷺ) دس ہزار مجاہدوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ ان دس ہزار مجاہدین میں مسلمانوں کے اتحادی قبائل مثلاً بنوسلیم اور بنومزینہ کے دو ہزار کا لشکر بھی شامل تھا۔ حضرت زبیرؓ کی قیادت میں Advance Gaurd کا دستہ تھا۔ مدینہ سے روانگی کے ساتویں دن مرالظہران کے مقام پر پڑاؤ کیا گیا یہ مقام مکہ سے صرف ایک دن کے فاصلے پر تھا۔ اسی مقام پر آپ (ﷺ) نے رات کے وقت تمام لشکر کو الاؤ روشن کرنے کا حکم دیا۔ آپ (ﷺ) اہل مکہ کو اپنے لشکر کی نمود سے مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اہل مکہ نے پورے علاقے میں جب آگ روشن دیکھی تو وہ گھبرا گئے۔ تحقیق احوال کے لیے، ابوسفیان، بدیل بن ورقہ اور حکیم بن حزام کو بھیجا گیا۔ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو پناہ دی جس سے اس کی جاں بخشی ہوگئی۔ اگلی صبح حضور (ﷺ) نے اس کو شرف باریابی بخشا اور فرمایا کہ جا کر اعلان کر دو جو اپنے مکان کے دروازے بند رکھے یا حرم کعبہ میں پناہ لے گا یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا اسے ہماری طرف سے امان ہے۔

پھر اسلامی لشکر چار بریگیڈوں میں منقسم ہو کر مختلف سمتوں سے مکہ مکرمہ پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھا مگر حضور (ﷺ) کا سخت تاکیدی حکم تھا کہ جب تک مزاحمت کا سامنا نہ ہو تلواریں نیاموں میں رہیں۔ حضرت زبیرؓ اپنی بریگیڈ کے ساتھ شمال سے، حضرت خالدؓ جنوب سے، قیس بن

سعد انصاری مغرب سے اور حضرت ابو عبیدہؓ مہاجرین کے ساتھ مشرق کی سمت سے داخل شہر ہوئے۔ صرف جنوب میں حضرت خالدؓ کے دستوں کو معمولی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت خالدؓ نے بہت جلد اس پر قابو پالیا۔ آنحضرت (ﷺ) نے جب مکہ کے بالائی مقام سے تلواروں کی چمک دیکھی تو فرمایا کہ کیا میں نے حکم نہ دیا تھا کہ لڑائی نہ کی جائے؟ مگر جب صورت حال بیان کی گئی تو آپ (ﷺ) نے فرمایا ''مشیت الٰہی میں یقیناً بہتری ہے۔''

اہل مکہ صحن کعبہ میں جمع ہو گئے اور انہوں نے پشیمانی سے سر جھکا لیے۔ حضور (ﷺ) نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے آخر میں سوالیہ جملوں میں پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیسے سلوک کی توقع ہے؟ اجتماع نے جواب دیا کہ ہمیں ایک کریم بھائی کے کریم فرزند سے اچھے سلوک کی توقع ہے۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا ''آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

آنحضرت (ﷺ) کے اس فراخدلانہ اعلان کی صدا کی گونج کے جواب میں مکہ کے در و دیوار ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صداؤں سے گونج اٹھے۔ آج اہل مکہ اپنے پیغمبر (ﷺ) کو اپنی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا یقین دلانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

یہ 20 رمضان المبارک 8ھ بمطابق 10 جنوری 630ء کا دن تھا۔ فاتح فوج کے مفتوح شہر میں داخل ہونے کی ایسی شریفانہ مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی نہ کوئی لوٹ کھسوٹ نہ ہی قتل عام، آپ (ﷺ) نے فیاضی کے اس سلوک سے ایک نئی مثال قائم کر دی جسے آپ (ﷺ) کے بعد بھی کوئی فاتح نہیں چھو سکا۔

631ء۔ اہل نجران سے مباہلہ

مدینہ طیبہ کی فضاؤں نے سال 9ھ میں ایک دن عجب منظر دیکھا۔ حضرت محمد (ﷺ) نے اس دن صبح صبح حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک سرخ کمبل اور چار لکڑیاں دے کر اس میدان میں کہ جہاں وفد اہل نجران سے مباہلہ ہونا تھا ایک چھوٹا سا سائبان کھڑا کرنے کا حکم دیا۔ پھر خود نبی محتشم (ﷺ) اس شان سے کاشانہ نبوی (ﷺ) سے برآمد ہوئے کہ حضرت امام حسینؓ کو گود میں لیا ہوا تھا اور حضرت امام حسنؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور جناب سیدۃ النساءؓ کو اپنے پیچھے لیا اور جناب حضرت علی مرتضیٰؓ کو اُن کے پیچھے، پھر دعا فرمائی کہ خداوندا! ہر نبی کے اہل بیت ہوتے ہیں یہ میرے اہل بیت ہیں، ان کو ہر برائی سے دور اور پاک اور پاکیزہ رکھ۔ الغرض جب اس شان سے

آپ (ﷺ) میدان میں پہنچے تو عیسائیوں کا سردار عاقب آپ (ﷺ) اور آپ کے اہل بیت کی طرف دیکھ کر کہنے لگا ''قسم ہے حضرت مسیحؑ کے رب کی، میں نے ایسے نورانی چہرے کبھی نہیں دیکھے، یہ نورانی چہرے اگر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں گے تو پہاڑ بھی اپنی جگہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائے گا۔'' خیریت اسی میں ہے کہ مباہلے سے ہاتھ اٹھاؤ بصورت دیگر قیامت تک نسل نصاریٰ سے ایک شخص بھی نہ بچے گا۔ آخر وفد نجران کے لوگوں نے اپنے سردار یا لاٹ پادری کی یہ بات مانتے ہوئے جزیہ دینا قبول کیا۔

اسی واقعہ کو مشہور مورخ یعقوبی نے کچھ یوں لکھا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت کو ہمراہ لائے اسی وقت اہل نجران کا سردار عاقب وابو حارثہ بھی اپنے دو بچوں کو زیور جواہرات میں ملبوس کر کے میدان میں لائے۔ آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ اہل بیت کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان میں سے ایک آپ (ﷺ) کے ابن عم اور دو فرزند آپ کے نواسے اور سیدہؑ آپ (ﷺ) کی صاحبزادی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حریفوں کے سامنے آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھے اس کے بعد رکوع فرمایا۔ یہ منظر دیکھ کر ابو حارثہ گھبرایا اور پکار اٹھا۔ ''خدا کی قسم یہ تو اُسی طرح بیٹھتے ہیں جس طرح مباہلے کے لیے انبیاء کرام بیٹھا کرتے ہیں۔'' دشمن مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور نہ ہی بددعا کے لیے اس کے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں اٹھ سکے، پھر صلح کی بات چیت شروع ہوگئی اور 24 ذوالحجہ 9ھ کو رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت علیؑ سے ایک امان نامہ لکھوا کر نصرانیوں کو بھیج دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ کی طرف سے اہل نجران اور اس کے اطراف والوں کے نام کیونکہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں پر اور ان کے اموال پر حق حکومت حاصل ہے۔ تمام املاک ان لوگوں کو دے دیں البتہ دو ہزار ''اواقی حلے'' انہیں پہنچانا ہونگے۔ ہر حلے کے ساتھ ایک ایک اوقیہ چاندی، ایک ہزار حلے صفر میں اور ایک ہزار رجب میں اور بیس دن میرے قاصدوں کی مہمانداری کرنا ہوگی۔ ایک ماہ سے زیادہ قاصد روکے نہیں جائیں گے۔ یمن میں اگر دشمنوں سے کوئی جنگ ہوگی تو اہل نجران تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ مسلمانوں کو عاریتاً دیں گے اگر گھوڑے یا سامان گم ہوگا تو اسے پورا کرنے کی ذمہ داری ہماری ہوگی البتہ جو شخص سود خوری کرے گا اس سے ہماری ذمہ داری ختم ہوگی کسی جرم میں دوسرا ماخوذ نہ ہوگا'' الیعقوبی

آنحضرت (ﷺ) نے جب 9ھ میں مختلف قبائل کو دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے تو نجران کی اہمیت کے پیش نظر اس کے لاٹ پادری کو بھی خط ارسال کیا گیا جس میں آپ (ﷺ) نے تین باتوں کی دعوت دی (1) اسلام قبول کرلو (2) جزیہ دینا قبول کریا (3) لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ دعوت نامہ جب نجران کے اسقف اعظم کو پہنچا تو وہ اسے پڑھ کر لرز گیا، اس نے باہم مشورہ کیا "نجران کے مسیحی کعبہ" کے ناموس کو بچانے کے لیے ایک وفد مدینہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ پھر ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد ترتیب دیا جس میں خود لاٹ پادری اور نجران کی حکومت کے بااختیار نمائندے شامل تھے۔ اس وفد کے تین سربراہ تھے۔ مدینہ پہنچنے پر اس وفد کو مسجد نبوی (ﷺ) کے صحن میں ٹھہرایا گیا۔ جب مسیحیوں کی نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے مسجد نبوی (ﷺ) ہی میں اپنی نماز پڑھنا چاہی۔ صحابہ کرام نے انہیں منع کر دیا مگر رسول اللہ (ﷺ) نے انہیں اس امر کی اجازت دی۔ اگلے دن وہ لباس فاخرہ پہن کر آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر آپ (ﷺ) نے ان کے لباس فاخرہ کی وجہ سے ان سے بات چیت نہ کی۔ پھر جب وہ راہبانہ لباس پہن کر حاضر ہوئے تو ان سے بات چیت کی گئی۔ یہیں سورۃ آل عمران کی 80 آیات نازل ہوئیں جن میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان متنازعہ امور کا جائزہ لیا گیا تھا۔ جب نجران کے وفد کو ان آیات کی حقانیت تسلیم کرنے میں تامل ہوا تو آیات مباہلہ نازل ہوئیں اور آنحضرت (ﷺ) نے انہیں دعوت مباہلہ دی اور پھر بڑی شان سے اہل نجران سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلے مگر آپ (ﷺ) کے سامنے دشمن نہ ٹھہر سکا۔

632ء۔ دنیا کے لیے امن وسلامتی کا ابدی چارٹر

ہجرت کے دسویں سال نبی اکرم (ﷺ) نے ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کے ساتھ فریضہ حج ادا فرمایا یہ آنحضرت (ﷺ) کا ہجرت کے بعد پہلا اور آخری حج تھا۔ اس موقع پر آپ (ﷺ) نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ پورے بنی نوع انسان کے لیے ابد تک چراغ ہدایت اور امن وسلامتی کے ابدی چارٹر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ (ﷺ) نے جبل الرحمت پر چڑھ کر حمد وصلوۃ کے بعد فرمایا:

لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو ممکن ہے اس سال کے بعد میں تم سے اس مقام پر نہ مل سکوں۔

اے لوگو! حقیقت میں تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لیے تمہارے رب سے ملنے تک (ہمیشہ کے لیے) محترم ہیں۔ اتنے ہی محترم جتنا کہ آج کا دن اور یہ مہینہ اور یہ مقام ہے۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا لوگو! تمہارا خدا ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے جان لو کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر یا کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

بے شک تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا اور میں نے اس کا پیغام تم تک پہنچا دیا۔ اس لیے جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے امانت والے کو واپس کرے، نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔ آپ (ﷺ) نے اس موقع پر سود کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ میں سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کا سود جو زمانہ جاہلیت سے لوگوں پر تھا معاف کرتا ہوں۔ اسی طرح آپ (ﷺ) نے زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے۔

اس طرح جب انسانیت کو خدا واحد کا پیغام پہنچایا جا چکا تو آپ (ﷺ) نے لوگوں سے تصدیقاً پوچھا ''کیا میں نے خدائی پیغام پہنچا دیا؟'' لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ ہاں، بے شک۔ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ آپ (ﷺ) نے کلام کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا۔ تو پھر حاضر شخص (یہ باتیں) غیر حاضر تک پہنچا دے۔

پھر کچھ ارشادات اسلامی تعذیرات کے بارے میں فرمائے۔ الطبرانی کی روایت کے مطابق یہ جملہ بھی فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لیے اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے انتظامی افسروں کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔

یہ خطبہ بلاغت نبوی (ﷺ) کے اعلیٰ نمونہ کے حامل ہونے کے علاوہ اسلامی قانون اور اسلامی اخلاق کا بھی جامع ہے۔

632ء۔ وفات حسرت آیات

کل نفس ذائقۃ الموت، جو بھی اس دنیا میں پیدا ہوا اسے مرنا ضرور ہے۔ سفر حج سے واپسی پر دو مہینے گزرے تھے کہ 18 یا 19 صفر 11ھ کو ایک روز آدھی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم یکا یک بستر سے اٹھے اور ایک خادم، ابو رافع کو ساتھ لے کر جنت البقیع کے قبرستان تشریف لے گئے اور اپنے رفقاء کے لیے دیر تک دعا و استغفار کرتے رہے۔ پھر خادم سے کہا "مجھے خدا نے آ جانے یا تا قیامت رہنے کا اختیار دیا تو میں نے اس کے ہاں جانے کو ترجیح دی ہے"۔ واپس لوٹے تو سر میں شدید درد تھا۔ یہی آپ کے مرض الوفات کی ابتدا ثابت ہوئی۔ آپ (ﷺ) کی طبیعت مضمحل ہوتی چلی گئی اور ضعف روز بروز بڑھتا گیا۔ مگر اس کے باوجود آپ (ﷺ) نے ازواج مطہرات کے ہاں باری کے مطابق جانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر جب ضعف سے چلنا پھرنا مشکل ہوا تو آپ (ﷺ) نے ازواج مطہرات سے فرمایا ہر رات ایک بیوی کے ہاں جانے سے بہتر ہے ایک ہی جگہ تیمارداری ہو تو اچھا ہے۔ سب نے قبول فرمایا۔ آپ (ﷺ) نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں قیام پسند فرمایا۔ حضرت عائشہؓ کے حجرے کا دروازہ مسجد کی صف اول سے عین بالمقابل کھلتا تھا۔ اس حالت میں بھی جب تک طاقت رہی نمازوں کی بدستور امامت فرماتے رہے۔ آخری نماز جو آپ (ﷺ) نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ جماعت کراتے ہوئے سر میں شدید درد ہونے کی وجہ سے آپ (ﷺ) نے سر مبارک پر رومال باندھا ہوا تھا۔ وفات سے غالباً پانچ دن پہلے جمعرات کے روز آپ (ﷺ) نے غسل کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ آپ (ﷺ) کو ایک ٹب میں بٹھا کر سات چھاگلوں سے غسل کرایا گیا۔ اس سے کچھ افاقہ ہوا تو سر پر پٹی باندھے ظہر کے وقت مسجد میں تشریف لائے۔ بعد از نماز منبر پر تشریف رکھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ آپ کی حیات مبارکہ کا آخری خطبہ تھا۔ اس میں آپ (ﷺ) نے سب سے پہلے غزوہ احد کے شہیدوں کو یاد کر کے دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا میں رہے یا اس کے پاس آ جائے تو اس بندے نے خدا کے پاس جانے کو ترجیح دی۔ صحابہ کرام اس اشارہ کو نہ سمجھ سکے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھ گئے اور بے اختیار رو پڑے۔ آنحضرت (ﷺ) نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا میں ابوبکرؓ کی رفاقت اور فیاضی کا ممنون ہوں ان سے بہتر مجھے رفیق نہیں ملا۔ پھر فرمایا کہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیے جائیں سوائے حضرت ابوبکرؓ کے دروازے کے تاکہ انہیں نماز پڑھانے کے لیے آنے جانے میں آسانی ہو۔

نیز فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں نے انبیاء کرام اور علماء کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، تم ہرگز قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں سختی سے منع کرتا ہوں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ لاعلمی میں مجھ پر کسی کے کوئی واجب الادا حقوق نہ رہ جائیں۔ پیغمبر اعظم و آخر پر بھلا کسے اپنے حقوق کی ادائیگی کا دعویٰ ہو سکتا تھا۔ انصار کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دینے کے بعد آپ (ﷺ) نے تاکید فرمائی کہ بازنطینی

حکومت کے خلاف تیار شدہ لشکر حضرت اسامہؓ کی کمان میں ضرور روانہ کیا جائے۔

اس خطاب کے بعد جب مکان میں آئے تو اس قدر تھک گئے کہ بے ہوش ہو گئے اور آپ (ﷺ) کے دندان مبارک بھنچ گئے۔ اس پر آپ (ﷺ) کی تمام ازواج مطہرات اور بعض دیگر مسلم خواتین آپ (ﷺ) کے حجرے میں جمع ہو گئیں۔ ہوش میں لانے کے لیے دانتوں کی درزوں سے دوا ڈالی گئی منہ کھولنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ یہ علاج کامیاب تو رہا لیکن آنحضرت (ﷺ) کو پسند نہ آیا۔ آپ (ﷺ) نے محبت آمیز ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ سب حاضرین کے منہ میں وہی دوا ڈالی جائے سوائے چچا عباسؓ کے۔

اُسی رات عشاء کی نماز کے وقت آپ (ﷺ) نے تین مرتبہ غسل فرما کر نماز کے لیے اٹھنا چاہا مگر ہر بار آپ (ﷺ) پر غشی طاری ہو گئی۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ ابوبکرؓ بڑے نرم دل ہیں وہ آپ (ﷺ) کی جگہ کھڑے نہ ہو سکیں گے۔ آپ (ﷺ) نے دوبارہ حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کا حکم صادر فرمایا۔ انہیں ایام میں ایک دن جب حضرت ابوبکر فجر کی نماز کی امامت کر رہے تھے تو آپ (ﷺ) نے ایک رکعت حضرت ابوبکر کی امامت میں ادا فرمائی۔ ایک موقع پر حضرت ابوبکرؓ آپ (ﷺ) کو مسجد میں تشریف لاتا دیکھ کر مصلیٰ سے ہٹنے لگے مگر آپ (ﷺ) نے اشارے سے فرمایا کہ امامت جاری رکھو مگر وہ محراب سے ذرا پیچھے ہٹ گئے تو آنحضرت (ﷺ) نے بیٹھے بیٹھے امامت فرمائی۔ پیر کی صبح کو آپ (ﷺ) نے فجر کے وقت حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہے تھے آپ (ﷺ) نے خوشنودی سے تبسم فرمایا۔ لوگ آپ (ﷺ) کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ آپ (ﷺ) نے اشارہ فرمایا کہ نماز مکمل کر لو۔ اس وقت تک حضرت ابوبکر صدیقؓ سترہ نمازوں کی امامت کرا چکے تھے۔

پیر کا دن آپ (ﷺ) کی حیات مبارکہ کا آخری دن تھا۔ آپ (ﷺ) نے سفر آخرت اختیار کرنے سے پہلے مسواک کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھوں سے آپ (ﷺ) کو مسواک کرائی جس سے آپ (ﷺ) کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔ پھر آپ (ﷺ) نے حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھے ہوئے تین مرتبہ الرفیق الاعلیٰ کے الفاظ کہے اور آپ (ﷺ) کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اللھم صلی علیٰ محمد.....

جمہور کے نزدیک آنحضرت (ﷺ) نے ہجرت کے دس سال پورے ہونے پر رحلت فرمائی۔ یہ پیر 12 ربیع الاول 11ھ کا دن تھا۔

632ء۔ حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات مسلمانوں کے لیے ایک قیامت صغریٰ سے کم نہ تھی۔ آپ (ﷺ) کی وفات کا یقین بڑے بڑے صحابہ کرام کو نہیں آتا تھا۔ حضرت عمرؓ جیسے بہادر انسان حواس باختہ ہو گئے اور مسجد نبوی (ﷺ) میں قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات نہیں پائی۔ آپ (ﷺ) عنقریب انھیں گے اور منافقین کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں گے۔ وفات نبوی (ﷺ) کے وقت حضرت ابوبکرؓ موجود نہ تھے بلکہ صبح کی نماز کی امامت کرا کے چند گھنٹوں کے لیے اپنے گھر تشریف لے گئے تھے۔ جیسے ہی قبا میں یہ خبر پہنچی آپ فوراً مسجد نبوی (ﷺ) میں تشریف لے آئے۔ اس موقع پر آپ نے جس استقلال کا مظاہرہ کیا وہ صرف آپ کا ہی خاصہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر مختصر سا خطبہ دیا جس میں واضح کر دیا کہ آنحضور (ﷺ) ایک انسان تھے اور وفات پا گئے اور اللہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہیں اُن سے پہلے بہت سے رسول ہو گزرے ہیں تو اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے؟'' اس تقریر کے بعد سب لوگوں کو آنحضرت (ﷺ) کی وفات کا یقین ہو گیا۔ ابھی حضرت ابوبکر صدیق مسجد نبوی (ﷺ) ہی میں تھے کہ خلافت کا مسئلہ پر انصار کے ایک بڑے اجتماع کی خبر آئی۔ آنحضرت (ﷺ) کے انتقال کے بعد سے صحابہ کرامؓ میں جانشینی کا سوال پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس مسئلہ پر تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ حضرات انصار نے چونکہ محسن انسانیت (ﷺ) کو اپنے شہر اور دلوں میں جگہ دی تھی اس لیے وہ بھی دعویدار خلافت تھے۔ عربوں کی قدیم روایت پسندی کی وجہ سے اہل بیت نبوی (ﷺ) چاہتے تھے آنحضرت (ﷺ) کے اقربا میں سے کوئی آپ (ﷺ) کا خلیفہ منتخب ہو۔ تیسرا گروہ مہاجرین کا تھا جن کے سرکردہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ تھے، وہ چاہتے تھے کہ انہیں کی قیادت میسر آ جائے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کے مشورے سے سقیفہ بنو ساعدہ پہنچے اور انصار کے اجلاس میں واضح کیا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے کہ نسب اور مسکن کے لحاظ سے وہ تمام عرب سے افضل ہیں۔ پس ہم امیر اور تم وزیر۔ تم حضرت عمرؓ یا حضرت ابوعبیدہؓ میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو مگر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑا اور کہا بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کہ آپ

ہمارے سردار اور آنحضرت (ﷺ) کو ہم سے زیادہ محبوب تھے۔ اس کے بعد سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت "فلتہ" یعنی ناگہانی بیعت تھی جو 12 ربیع الاول 11ھ کو ہوئی جبکہ بیعت عامہ دوسرے دن یعنی 13 ربیع الاول سہ شنبہ کے دن برسر منبر ہوئی۔ تدفین نبوی (ﷺ) سے پہلے بیعت مورخین کے نزدیک اس وجہ سے لی گئی کہ تینوں گروہوں میں اختلاف کا اندیشہ تھا جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر سکتا تھا۔

اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شہر میں تین دن تک منادی کرائی کہ لوگوں پر اُن کی بیعت لازم نہیں اور وہ خلافت کے لیے کسی اور موزوں شخص کو منتخب کر سکتے ہیں۔ محدثین اور مورخین نے لکھا ہے کہ ایک سے زیادہ لوگوں سے آنحضرت (ﷺ) نے اپنی حیات مبارکہ میں کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر مجھ سے ملاقات نہ ہو تو حضرت ابوبکرؓ کے ہاں جانا وہ میرے وعدے کا ایفا کریں گے جو حضرت ابوبکر کی خلافت کی ایک دلیل ہے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی رسول اللہ (ﷺ) میں امامت کرانے سے ہم لوگ خلافت صدیقی کا استشہاد کیا کرتے تھے۔ وہ یوں کہ جس ہستی کو رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی مذہبی اور دینی مسند پر اپنی زندگی میں کھڑا کر دیا تھا تو سیاسی منصب تو اس کے تابع تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں سب سے پہلے سریہ اسامہ بن زیدؓ کا معاملہ پیش آیا۔ یاد رہے کہ 8 ربیع الاول 11ھ بروز جمعرات آنحضرت (ﷺ) نے اپنے دست مبارک سے جھنڈا تیار کر کے حضرت اسامہؓ کو دیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو اس لشکر کے ساتھ بھیجا تھا۔ جب لوگوں نے حضرت اسامہؓ کی امار ۔ پر اعتراض کیا تو 10 ربیع الاول کو آنحضرت (ﷺ) نے ان کی نسبت خطبہ ارشاد فرمایا۔ 12 ربیع الاول کو آپ (ﷺ) نے وفات پائی جس کی وجہ سے یہ مہم رُک گئی۔ جب حضرت ابوبکر کے سامنے پیش ہوئی تو اس وقت جھوٹے مدعیان نبوت کے دعوؤں اور فتنہ ارتداد کے پیش نظر رکھتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ فی الحال اس مہم کو ملتوی کر دیا جائے مگر مستقل مزاج خلیفہ اول نے برہم ہو کر فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر مدینہ آدمیوں سے اس طرح خالی ہو جائے کہ درندے میری ٹانگ کھینچ لیں تب بھی میں اس مہم کی روانگی معطل نہیں ہونے دوں گا کہ اس کے بھیجے کا فیصلہ خود رسول اللہ (ﷺ) نے کیا تھا۔ پھر اس مہم کو روانہ کرنے خود خلیفہ اول مقام جرف تشریف لے گئے اور حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو میری مدد کے لیے عمرؓ کو یہیں چھوڑ دیا جائے۔ حضرت اسامہؓ نے اجازت دی۔

ابتدائے عہد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مدعیان نبوت اور فتنہ ارتداد کو دبانے کے لیے گیارہ اشخاص کا انتخاب کیا۔ یہ اصحاب اللواء تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے طلیحہ اور مالک بن نویرہ کے خلاف مہم سر کی۔ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل نے مسلیمہ کذاب کا فیصلہ کیا۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ اسود عنسی کے مقابلے کو گئے پھر قیس بن مکشوح کے مقابلے میں ابناء کو مدد دی اس کے بعد کندہ کی سرکوبی کی۔ حضرت خالد بن سعید سرحد شام کی طرف گئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے قضاعتہ ودیعہ اور حارث کی خبر لی۔ حذیفہ بن محصن اہل عمان اور ان کے رئیس کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔ غرض یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان اصحاب کی مدد سے جلد ہی فتنہ ارتداد اور جھوٹے مدعیان نبوت پر قابو پالیا اور جب اندرونی بغاوتوں سے فرصت ملی تو بیرونی دشمنوں کے خلاف بھی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔

633ء۔ ہیون سانگ برصغیر پاک و ہند میں

ہیون سانگ ایک مشہور چینی سیاح کا نام ہے۔ وہ ساتویں صدی عیسوی میں برصغیر کی سیر کو آیا تھا۔ واپسی پر اس نے اپنا ایک سفر نامہ لکھا جو اس زمانے کے پاک و ہند کے بارے میں ایک نہایت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔

ہیون سانگ چین میں یوآن چانگ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ 604ء میں چین کے صوبہ ہونان میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان ایک علمی خاندان کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ اس کی تعلیم کی طرف پوری توجہ دی گئی۔ جب وہ جوان ہوا تو اس نے کنفیوشس کے مذہب کو قبول کر لیا مگر چند ہی سال بعد اپنے ایک بھائی کے زیر اثر اس نے بدھ مت قبول کی اور اسی مذہب کی تعلیمات کے حصول کے لیے اس نے پہلے پہل چین کے کئی شہروں کا سفر کیا۔

ہیون سانگ کی جوانی کے زمانے میں چین کی بادشاہت میں ایک انقلابی تبدیلی رونما ہوئی۔ پرانے حکمران خاندان کی جگہ ایک نیا خاندان برسر اقتدار آیا جس کے اقتدار میں آتے ہی ملک میں بدامنی پھیل گئی جس کی وجہ سے ہیون سانگ اور اس کے بھائیوں کو اپنے آبائی شہر سے نقل مکانی کر کے ایک اور شہر ''شوچی یان'' میں بود و باش اختیار کرنا پڑی۔ اسی شہر میں اسے بدھ مت کے متعلق کتابیں پڑھنے کا موقع ملا اور بدھ مت کے بارے میں مزید مطالعے کے شوق نے اسے

برصغیر کی سیاحت پر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

بدھ مت ہندوستان کی سرزمین پر رونما ہوا تھا۔ اس کے بانی گوتم بدھ (مہاتما بدھ) قدیم ہندوستان کی ایک ریاست کپل وستو کے راجہ کے بیٹے تھے۔ ان کا یہ مذہب ہندوستان ہی سے پھیل کر چین جیسے ہمسایہ ممالک میں پہنچا تھا۔ ہیون سانگ جس عہد میں پیدا ہوا اس وقت بدھ مت کو چین پہنچے پانچ سو برس سے زاید گزر چکے تھے مگر ابھی تک چین میں اس مذہب کے بارے میں بہت کم کتب دستیاب تھیں۔ اگرچہ چوتھی صدی میں ایک اور چینی سیاح فابیان برصغیر سے بدھ مت کے بارے میں بہت سی کتب اپنے ساتھ لے گیا مگر ابھی تک بھی چین میں بدھ مت کے بارے میں علم صرف سنی سنائی باتوں تک محدود تھا۔ ہیون سانگ نے مذہب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اس کے بارے میں دستیاب کتب کا مطالعہ شروع کیا مگر اسے تشنہ کامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے مطالعے کو مزید وسیع کرنے کے لیے اس نے برصغیر پاک و ہند کا سفر کرنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ اس مذہب پر لکھی جانے والی سنسکرت زبان کی کتابوں کا ترجمہ کر کے چین لا سکے۔

اس زمانے میں چین سے برصغیر تک کا سفر کرنا انتہائی خطرناک تھا اور ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ ہیون سانگ کو سفر کی مشکلات کا علم تھا مگر وہ ان مشکلات سے گھبرایا نہیں بلکہ ایک دن چین کے شہر لان چاد سے اپنے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔

اس نے اپنے سفر کا آغاز دیوار چین کے مغربی کونے سے کیا۔ اس سفر میں اُس کا ساتھی صرف اس کا گھوڑا تھا مگر بدھ مت سے اس کی محبت اور لگن تازیانے کے طور پر اس کے ساتھ تھی۔ اس کے علاوہ وہ اپنی آنکھوں کی چمک، گفتگو کی مٹھاس اور دل نشین انداز بیاں اور دلکش شخصیت کو ساتھ لیے ہوئے تھا۔

لان چاد سے روانہ ہو کر وہ قدیم تجارتی شاہراہ، شاہراہ ریشم پر چلتا ہوا نان شان کے پہاڑوں کو کاٹتا ہوا صحرائے گوبی کے جنوبی گوشے سے گزر کر ختن، یارقند اور کاشغر سے ہوتا ہوا دنیا کی چھت پامیر اور پھر وہاں سے کوہ ہندوکش کے پہاڑوں سے گزرتا ہوا برصغیر میں داخل ہوا۔

فابیان اور ہیون سانگ کے درمیانی زمانے میں صحرائے گوبی کے سفر میں کچھ تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں۔ یہ نہیں کہ صحرا گلزار میں تبدیل ہو گیا ہو یا خشک آب و ہوا میں کوئی تبدیلی رونما ہو گئی ہو بلکہ صرف یہ تبدیلی ہوئی تھی کہ چین کے شہنشاہوں نے صحرائے گوبی میں جہاں جہاں نخلستان تھے وہاں حفاظتی برج تعمیر کروا دیے تھے جہاں سے غیر ملکیوں کے چین میں داخل ہونے پر کڑی نظر

رکھی جاتی، ساتھ ساتھ یہ برج صحرا کے مسافروں کی رہنمائی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

ہیون سانگ کو اپنے اس کٹھن سفر میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُن کا ذکر اس کے ایک شاگرد ''ہوئی لی'' نے اس کی سوانح عمری میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے اس کے استاد کو صحرائے گوبی کے سفر میں گھوڑوں کی لید اور انسانی ہڈیوں سے راستے کا پتہ چلتا تھا۔ انہیں دو نشانیوں کے سہارے اس نے اس عظیم صحرا کو پار کیا۔ صحرا سے گزرتے ہوئے اسے سرابوں کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر آخر جب اسے صحرا میں اگلا برج نظر آتا تو اسے اس بات کا ثبوت مل جاتا کہ یہاں نخلستان اور پانی کا چشمہ موجود ہے۔ ایک ایسے ہی چشمے پر جب ہیون سانگ پانی لینے کے لیے جھکا تو اک تیر سنسناتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا۔ اس نے چلا کر برج والوں کو کہا کہ ''اسے تیر کا نشانہ مت بناؤ، میں ایک بھکشو ہوں'' برج والوں نے اسے برج کے اندر بلایا تو وہ اس سے یعنی یوآن چانگ سے مل کر بے حد خوش ہوئے۔

صحرا میں سفر کرتے ہوئے ایک مرتبہ اس کی مشک نیچے گر گئی جس سے سارا پانی ریت میں جذب ہو گیا جس نخلستان سے وہ پانی بھر کر چلا تھا وہ بھی اب دور تھا اور آگے بھی دور دور تک پانی کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ ایسے میں پیاس کی شدت سے مغلوب ہو کر وہ واپس مڑنے کو تھا کہ اسے اپنے آپ سے کیا ہوا عہد یاد آ گیا کہ کسی بھی حالت میں ہندوستان پہنچے بغیر واپسی کا سفر نہ کروں گا اور واپس لوٹنے کی بجائے جان دے دوں گا۔ وہ سچائی کی تلاش میں نکلا تھا اور مہاتما بدھ کی روحانی طاقت پر یقین رکھتا تھا۔ ایسی مشکل میں اُس نے مہاتما سے مدد کی درخواست کی..... ابھی وہ انہیں خیالوں میں گم تھا کہ اچانک اسے ریگستان کی جھلسی ہوئی ہواؤں کی بجائے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے آ گھیرا۔ اس کی آنکھوں میں پیاس اور صحرا کی گرمی سے اندھیرا چھا چکا تھا۔ اچانک ہوا کی خنکی سے اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ ایک نخلستان تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ آخر صحرا سے گزر کر وہ شہر ''آئی کو'' تک پہنچ گیا یہاں سے آگے پامیر کے پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ اب اسے ہزاروں فٹ اونچے برف پوش پہاڑوں سے گزرنا تھا جو کوئی آسان کام نہیں تھا۔ نیچے ہزاروں فٹ گہری کھائیاں تھیں مگر ہیون سانگ نے ان سب حالات کا مقابلہ بہادری سے کیا اور وہ کابل سے ہوتا ہوا 633ء میں پشاور پہنچا جو اُن دنوں پرش پور کہلاتا تھا۔ پشاور میں اس وقت بدھ مت کی ایک ہزار خانقاہیں موجود تھیں۔

پشاور سے اگلی منزل ٹیکسلا تھی۔ یہ شہر صدیوں سے علم کا مرکز رہنے کے بعد ہیون سانگ کے

زمانے میں ویران ہو چکا تھا۔ ہیون سانگ نے لکھا ہے کہ وہ ٹیکسلا کی اجڑی ہوئی برباد گلیوں سے گزرا۔ ہیون سانگ ٹیکسلا کے آس پاس خصوصاً ہزارہ کے مناظر فطرت کی خوبصورتی سے بے حد متاثر ہوا۔ صوبہ سرحد کے بعد پنجاب کے وسطی علاقے اور ملتان سے گزر کر وہ دوآبہ گنگا جمنا پہنچا۔ اس وقت ہندوستان پر ''راجہ ہرش وردھن'' کی حکومت تھی۔ وہ بدھ مت کا پیرو تھا اور ہندوؤں کی طرح تنگ نظر نہ تھا۔ یہ راجہ ہیون سانگ سے بڑی فراخدلی سے پیش آیا۔ وسطی ہندوستان میں سفر کرتے ہوئے یہ چینی سیاح ''نالندہ'' یونیورسٹی میں بھی ٹھہرا اور اس نے جنوبی ہند بنگال اور آسام کی سیر بھی کی۔ جن دنوں وہ بنگال پہنچا راجہ ہرش وردھن بھی بنگال آیا ہوا تھا وہ ہیون سانگ سے مل کر بے حد خوش ہوا۔ اس نے یہاں بدھ بھکشوؤں کا ایک بڑا جلسہ منعقد کرایا جس کی صدارت کے فرائض ہیون سانگ نے انجام دیئے۔ ہرش وردھن ہیون سانگ کو بنگال سے پریاگ (الہ آباد) لے گیا یہاں راجہ نے کوشش کی کہ ہیون سانگ مستقل طور پر ہندوستان میں رہائش اختیار کرلے مگر اس نے معذرت کردی۔ یہاں سے وہ واپسی کے سفر میں پہلے سری لنکا پہنچا۔ اس سفر میں اسے بحری قزاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بحری قزاق اسے کالی دیوی کی بھینٹ چڑھانا چاہتے تھے کہ انہیں ایک سمندری طوفان نے آگھیرا جس سے اس کی جان بچ گئی۔ سری لنکا میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد وہ واپس پاکستان کے علاقے میں آیا۔ دریائے سندھ ایک کشتی میں عبور کرتے ہوئے اسے ایک حادثہ پیش آیا جس سے اس کی جمع شدہ کتابوں کا بڑا حصہ تلف ہوگیا مگر پھر بھی بہت سی کتابیں اور دوسری یادگاریں لے کر وہ بالآخر چین واپس پہنچ گیا۔

634ء۔ جنگ اجنادین

جولائی، اگست 634ء میں مسلمان عرب حملہ آوروں اور فلسطین کے بازنطینی مدافعین کے درمیان اجنادین کے مقام پر ایک جنگ لڑی گئی۔ اگرچہ ادبی مآخذوں کی رو سے اس جگہ کا محل وقوع رملہ اور بیت جبرین کے درمیان تھا لیکن جغرافیہ نویسوں نے ایسی کسی جگہ کا نام نہیں دیا۔

قیصر روم ہرقل Heraclius کا بھائی تھیوڈورس Theo Dorus بازنطینی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ عرب افواج تین الگ دستوں پر مبنی تھیں جو دستے فلسطین اور ماورائے اردن میں جنگی کارروائیوں میں مصروف تھے یہ تینوں دستے عارضی طور پر حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں جمع

ہو گئے تھے جو اس لڑائی سے تین ماہ قبل وادی فرات سے ملک شام آ گئے تھے۔ غالباً دونوں فریقین کی فوج دس ہزار سے کم تھی۔ مگر بعض مورخین نے مسلمانوں کی تعداد چھیالیس ہزار اور رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تک لکھی ہے۔

حضرت خالد کے زیر کمان فوج میں ایک ہزار مہاجرین انصار ایسے تھے جنہیں آنحضرت (ﷺ) کی صحبت بابرکت نصیب ہوئی تھی۔ ان میں ایک سو صحابی ایسے تھے جو معرکہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ہرقل کے بھائی کے زیر کمان لشکر میں بھی بڑے نامی گرامی ماہرین حرب شامل تھے۔ ایک مہینہ پیشتر سے عیسائیوں کے بڑے بڑے مذہبی رہنما لوگوں کو لڑائی کی ترغیب دے رہے تھے۔ قلب لشکر میں پاپائے اعظم اطلسی غلاف میں لپٹی ہوئی انجیل ہاتھ میں لے کر صلیب کے نشان کے نیچے کھڑا لشکر کو آمادہ جنگ کر رہا تھا۔

خالد بن ولید نے جب میدان جنگ کا یہ رنگ دیکھا تو پہلے اپنے لشکر کو منظم کیا اور ہر سردار کو موقع محل کے مطابق کھڑا کر کے لشکر کے قاریوں کو سورہ انفال پڑھنے کا حکم دیا اور خود قلب میں کھڑے ہو کر مہاجرین وانصار کو الگ کیا اور انکے ساتھ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگے کہ "اے پروردگار عالم! یہ تیرے وہ خاص بندے ہیں جنھوں نے تیرے رسول (ﷺ) کا ساتھ دیا اور ان کے مددگار اور معاون رہے، تیری رضا کے لیے انھوں نے اپنے گھر بار اور عیال واطفال کو چھوڑا ہے۔ تو ہماری عزت چاہے نہ رکھ مگر اپنے سچے رسول (ﷺ) کی حرمت قائم رکھ اور اپنے دین کی مدد کر۔ اے بے کسوں کے چارہ ساز تو ان کے ذریعے سے ہماری مدد کر اور کفار کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہونے سے بچا لے۔" اس پرسوز دعا کے بعد حضرت خالدؓ نے اپنے لشکریوں کو ایک پرجوش خطبہ دیا جس کو سن کر شمع حریت کے پروانے جانیں نذر کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ سب نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے تلواریں میان سے کھینچ لیں۔ حضرت خالدؓ نے عکرمہ بن ابی جہل اور قستاع بن عمرو کو آگے بڑھ کر لڑائی شروع کر دینے کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر کو پیش قدمی کرتے ہوئے دیکھ کر رومیوں نے تیروں کی بارش کر دی لیکن جب وہ اپنی تیر اندازی سے اسلامی لشکر کی پیش قدمی نہ روک سکے تو خود بھی تلواریں اور نیزے سنبھال کر جھپٹ پڑے، جنگ زوروں پر تھی ہر فریق دوسرے کو میدان جنگ سے ہٹا دینے کے درپے تھا کہ اسی اثنا میں مدینہ سے ایک خصوصی قاصد محمیہؓ بن زینم آئے اور حضرت خالد کو ایک طرف بلا کر چپکے سے حضرت ابوبکرؓ کے انتقال اور حضرت عمرؓ کی نامزدگی کی خبر دی۔ حضرت خالد نے مصلحتاً اس خبر کی تشہیر کو روک لیا اور جنگ جس

طرح شروع ہوئی تھی اسی طرح جاری رکھی۔
جنگ کے دوران ایک رومی جرجہ نامی نے حضرت خالد سے مبارزت طلب کی اسلامی لشکر سے حضرت خالد خود مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ پہلے پہل فریقین نے ایک دوسرے کو امن دے کر باہم گفتگو کی جس کے نتیجے میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پہلے حملہ میں رومیوں نے مسلمانوں کو مورچہ سے ہٹا دیا ایسے میں حضرت عکرمہ بن ابوجہل اور ان کے چچا نے اپنے ساتھیوں سے بیعت لی کہ یا تو مر کر میدان جنگ سے ہٹیں گے یا پھر فتح مند ہو کر۔ ان کے ساتھ اس عزم پر چار سو زائد مجاہدین نے بیعت کی اور یہ سب رومیوں کے لشکر میں گھس گئے۔
جنگ سارا دن جاری رہی کہیں شام کو جا کر رومیوں میں ضعف کے آثار پیدا ہونے لگے اور ان کے سواروں کا بڑا حصہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ حضرت عکرمہ شدید زخمی حالت میں میدان جنگ سے لائے گئے۔ حضرت خالد نے ان کا سر اپنے زانوؤں پر رکھا ہی تھا کہ انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے بیٹے نے بھی شہادت پائی اور ساتھ ہزاروں مسلمانوں نے بھی شہادت پائی مگر رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ عین میدان جنگ میں مدینہ سے جو قاصد دربار خلافت سے پیغام لایا تھا اس میں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت خالد بن ولید کی معزولی کے احکامات بھی شامل تھے۔ ان کی بجائے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو امیر لشکر بنا دیا گیا تھا۔ مصلحتاً اختتام جنگ تک یہ خبر بھی پوشیدہ رکھی گئی۔ بعد ازاں حضرت خالد نے اپنی معزولی قبول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو امیر لشکر بنا دیا۔

ماخذ: تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ 269۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا جلد اول مقالہ "اجنادین"

634ء۔ خلیفہ ثانی کی نامزدگی اور ان کا عہد

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے 22 جمادی الثانی 13ھ بمطابق 23 اگست 634ء کو وفات پائی۔ اپنی نامزدگی کے آخری ایام میں انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر اپنا وصیت نامہ لکھوا دیا تھا جس میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین اور خلیفہ ثانی نامزد کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد جب ان کا وصیت نامہ کھولا گیا تو عامتہ المسلمین کو حضرت عمرؓ کی نامزدگی کی خبر ہوئی۔ ایسے میں حضرت عمرؓ نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تم سے آزمایا جا رہا ہے اور تمہیں مجھ سے، میں اپنے دونوں

پیشروؤں کے بعد تم میں خلیفہ بنایا گیا ہوں، جو چیز تمہارے سامنے ہوگی اسے ہم شخصی طور پر انجام دیں گے اور جو چیز غائب ہوگی اس کے لیے قوی اور امین لوگوں کو مامور کریں گے۔

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے دستوری نہج میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس وقت تک مسلمانوں میں اندرونی خلفشار (فتنہ ارتداد) ختم ہو چکا تھا۔ اب مسلمان دونوں عظیم ہمسایہ طاقتوں یعنی بازنطینی سلطنت اور ایرانی شہنشائیت سے برسرپیکار تھے۔ ابتدائی فتوحات سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دونوں محاذوں پر اپنے سپہ سالار بدلے لیکن جنگ جاری رکھنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ پھر جلد ہی اقوام عالم نے دیکھا کہ اسلامی سلطنت کی سرحدیں عراق، ایران، ترکستان، افغانستان، ہندوستان تک اور دوسری طرف شام، لیبیا، آرمینیا، مصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گئیں۔

حضرت عمرؓ بذات خود جنگ کو طول دینا نہیں چاہتے تھے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شہنشاہ ایران یزدگرد جنگ ترک کرنے کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کر کے مشکلیں پیدا کر رہا ہے تو آپ نے امن کے استحکام کے لیے آئندہ دفاعی نوعیت کے علاقے فتح کرنے کا حکم دیا۔ جنگ سے ان کی نفرت ان کے اس حکم سے بھی پتہ چلتی ہے کہ جب مسلمان دریائے جیحوں کو عبور کر کے ماوراء النہر کے علاقے میں داخل ہونے لگے تو آپ نے حکماً انہیں اس علاقے میں داخل ہونے سے روک دیا۔ آپ مفتوحہ علاقوں کا اچھا استحکام و انتظام چاہتے تھے اور آپ کا مطلوب کشور کشائی نہیں تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے دریائے جیحوں کو ایک اچھی قدرتی سرحد قرار دیا۔

خلافت فاروقیؓ کے آغاز ہی میں ایک دن عامل بحرین، حضرت ابو ہریرہؓ سرکار مال مدینہ منورہ لائے تو بتایا کہ پانچ لاکھ درہم ہیں، حضرت عمرؓ کو یقین نہ آیا۔ آپ کے کئی بار کے سوالات کے جواب میں حضرت ابو ہریرہؓ نے گن کر بتایا کہ سو ہزار، سو ہزار پانچ مرتبہ ہیں تو آپ اتنے متاثر ہوئے کہ لوگوں سے کہا کہ اتنا مال آیا ہے کہ گننے کی بجائے نول کر تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن آپ کے عہد کے آغاز کے دو ایک سال بعد ہی صرف صوبہ سواد عراق سے بارہ کروڑ درہم اور مصر سے پانچ کروڑ دینار یعنی پچاس کروڑ درہم سالانہ آمدنی ہونے لگی۔

دولت کی اس ریل پیل کے زمانے میں اگر حضرت عمرؓ کی جگہ کوئی اور دنیادار حکمران ہوتا تو نئے نئے دولت مند عرب اصول و اخلاق سے عاری ہو جاتے اور دین و دنیا کھو بیٹھتے۔ مگر حضرت عمرؓ نہ اپنی ذات پر اسراف کرتے تھے اور نہ سرکاری مال کا ایک دھیلا بھی ناجائز ضائع ہونے دیتے تھے۔

عاملوں (گورنروں) پر انتہائی شدید نگرانی رکھتے۔ تقرر کے وقت ان کی دولت کی مقدار معلوم کرتے پھر وقتاً فوقتاً جانچ پڑتال کراتے رہتے اور اگر مشتبہ نظر آتی تو نہ صرف معزول کرتے بلکہ نصف جائیداد ضبط کر لیتے۔ طبیعت میں سختی کے باوجود آپ کا برتاؤ غیر مسلموں تک سے عدل و احسان کا تھا۔ ان کے زمانے میں ایک نسطوری عیسائی کا خط محفوظ ہے جس نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا کہ "یہ عرب جن کو اللہ نے آج کل حکومت دی ہے، ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے جنگ نہیں کرتے بلکہ وہ ہمارے ایمان کی حفاظت کرتے ہیں (اور ہمیں دوسرے فرقوں کی ایذا رسانی سے بچاتے ہیں)، ہمارے گرجاؤں اور راہب خانوں کو عطیات بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح جب ایک دن ایک یہودی کو حضرت عمرؓ نے مدینے میں بھیک مانگتے دیکھا تو مسکین اہل کتاب کے طور پر اس کا روزینہ حکومت کی طرف سے مقرر کر دیا۔ شام میں مسلمانوں نے ایک یہودی کی زمین جبراً حاصل کر کے وہاں مسجد بنا دی تھی۔ آپ نے وہ مسجد ڈھا کر زمین اس کے اصل مالک کو واپس کرائی۔

جہاں عہد فاروقی میں مسلمانوں نے بہت سے شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں تبدیلیاں کیں اور کئی انصرامی و انتظامی امور پر توجہ دی وہیں ہجری تقویم بھی حضرت عمرؓ ہی نے 16ھ میں رائج کی۔ مشہور مستشرق کائتانی کو حیرت ہے کہ عیسوی تقویم تو حضرت عیسیٰؑ کے سات آٹھ سو سال بعد کے زمانے میں شارلیمان کے عہد میں رائج ہوئی مگر آنحضرت (ﷺ) کی وفات کے بعد صرف پانچ سال ہی میں یہ کام کر لیا گیا۔ اس کارنامے کا سہرا حضرت عمرؓ ہی کو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ مدینہ منورہ کے بازاروں اور گلیوں میں وقتاً فوقتاً دورہ کرتے اور رات کو بھی گشت لگاتے تھے تاکہ انصاف و قانون کے تقاضے پورے کیے جا سکیں، اس سلسلہ میں ہمیں کئی واقعات ملتے ہیں جب حضرت عمرؓ نے گشت لگا کر حق داروں کی مدد کی اور مجرموں کو سزا دی۔

رعایا پروری کے لیے جہاں انہوں نے کاروانی راستوں پر جگہ جگہ سرکاری اسٹور کھلوائے تاکہ مسافروں کو بروقت امداد کی جائے وہیں آپ جانوروں پر رحم کھانے کو بھی نہیں بھولے اور آپ نے فرمایا ان کے منہ پر نا مارو نہ ان پر زیادہ بوجھ لادو۔ بہر حال عہد فاروقی زمانہ اسلام کا سنہری عہد تھا۔

636ء۔ یرموک کی فیصلہ کن جنگ

جنگ یرموک ایک فیصلہ کن جنگ تھی جو اس عہد کی بہترین مسلح شاہی افواج اور نیم مسلح مجاہدین اسلام کے درمیان وادی یرموک میں لڑی گئی۔ یہ جنگ 20 اگست 636ء بمطابق 12 رجب 15ھ کو پیش آئی۔ جس میں تقریباً نصف لاکھ سپاہ پر مشتمل بازنطینی لشکر کو قلیل التعداد عربوں نے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں شکست فاش دی۔

بعض اوقات مورخین نے اس جنگ کو معرکہ اجفادین کے ساتھ ملا دیا ہے شاید اس لیے کہ اس لڑائی کا میدان جنگ بھی یرموک سے زیادہ دوری پر نہیں تھا۔ مشہور مستشرق کائتانی نے اس الجھن کی توجیہہ پیش کی ہے۔

بازنطینی اور اسلامی فوج کی تعداد کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر سب اس بات پر متفق ہیں کہ اسلامی فوج کی تعداد بازنطینیوں سے کہیں کم تھی۔ بعض مورخین نے بازنطینیوں کے لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ بتائی ہے جس میں ایک لاکھ پیادہ تیس ہزار گھڑ سوار اور بیس ہزار ماہر تیر انداز تھے۔ تیس ہزار رومی سپاہیوں نے خود کو زنجیر سے جکڑ کر لڑائی کے میدان میں جانے اور واپس نہ آنے کی قسم کھائی تھی اس کے علاوہ کئی ہزار غسانی عربوں کی ایک فوج شاہ غسان کی سرکردگی میں رومی فوج کے ساتھ تھی۔

اسلامی فوج کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اس میں پندرہ ہزار شتر سوار بیس ہزار گھڑ سوار اور پانچ ہزار تیر انداز تھے۔ اسلامی مجاہدین میں ایک سو بزرگ ایسے تھے جنہوں نے آنحضرت (ﷺ) کی سرکردگی میں معرکہ بدر میں شرکت کی تھی۔

جون 636ء میں بازنطینی افواج اپنے شمالی مستقر سے آگے بڑھیں تو مسلمانوں کے جاسوسی نظام نے ان کی نقل و حرکت، تعداد اور منصوبے کے بارے میں ہر قسم کی اطلاعات فراہم کرنا شروع کر دیں۔ حضرت خالد بن ولید نے اس بازنطینی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے وادی یرموک کا میدان جنگ جنگی نقطہ نظر سے انتخاب کیا۔ ان کے نزدیک یہاں رومی فوج تدبیراتی جنگی چالیں عمل میں نہیں لا سکتی تھی اور نہ ہی اجتماعی یلغار کر سکتی تھی۔ دوسری طرف دریائے یرموک رومیوں کے عقب میں ایک بڑی قدرتی رکاوٹ بن کر ان کی عسکری کارروائی کو محدود کر دے گا۔ اپنے اس دفاعی منصوبے کے تحت مسلمانوں نے فتح کیا ہوا یہ علاقہ خالی کر دیا اور یہاں کے مقامی باشندوں

سے وصول کیا ہوا جزیہ واپس کر دیا۔ پسپائی کے دوران مسلمانوں نے نہ تو فصلیں تباہ کیں اور نہ ہی کسی کی املاک کو نقصان پہنچایا۔ مقامی باشندے مسلمانوں کے حسن سلوک سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ ظالم بازنطینی افواج کے ظلم وستم سے نالاں ہو کر مسلمانوں کی فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔

اسلامی فوج نے اپنے چار بڑے حصوں کو نو میں منقسم کر لیا۔ ہر حصے پر ایک نامور سالار مقرر کیا۔ تیر انداز اونچی جگہوں پر فوج کے دائیں بائیں مقرر کیے۔ چونکہ اسلامی لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت کم تھی اس لیے دشمن کو ناگہانیت سے خوفزدہ کرنے کے لیے پانچ ہزار سواروں کا ایک دستہ دس حصوں میں تقسیم کر کے فوج کے عقب میں دورات کی تاریکی میں بھیج دیا گیا۔ ان کی ڈیوٹی تھی کہ عین لڑائی کے دوران مقررہ جگہوں سے گرد اڑاتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہوں تاکہ دشمن کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی ہے۔ حضرت خالد کی یہ جنگی چال بڑی کامیاب رہی۔

جب جنگ شروع ہوئی تو رومی فوج کو یلغار کا حکم ملا مگر میدان جنگ کی تنگی نے انہیں جلد ہی احساس دلایا کہ وہ کسی بھی سمت سے اسلامی فوج پر بھاری تعداد میں یلغار نہیں کر سکتے کیونکہ یہ علاقہ ساری رومی فوج کی نقل وحرکت کے لیے ناکافی تھا۔ یہی حضرت خالد کا اس میدان جنگ کے انتخاب سے منشا تھا۔

پہلے پہل رومی سپہ سالار نے جبلہ بن ایہم کو ساٹھ ہزار غسانی عربوں کے ساتھ یلغار کے لیے بھیجا مگر ان کے مقابلے میں مورخین کے مطابق حضرت خالد نے صرف ساٹھ نامور بہادروں کو بھیجا تاکہ انفرادی مقابلہ ہو سکے جس سے دشمن کے حوصلے پست (ان کے چیدہ چیدہ سالاروں کے اس مقابلے میں مارے جانے سے) ہو جائیں۔ جب جبلہ بن ایہم نے یہ مٹھی بھر مسلمان مقابلے میں دیکھے تو انہیں گھیرے میں لے لیا مگر یہ بہادر اتنی بے جگری سے لڑے کہ جو ان کے سامنے آتا مارا جاتا۔ دشمن کے سینکڑوں افراد تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ شام کے وقت دشمن پسپا ہو گیا مگر پانچ مسلمان مجاہدین کہ جن کے ہتھیار لڑتے ہوئے ٹوٹ گئے تھے گرفتار کر کے لے جانے اور دس مجاہدین کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

رومی فوج کا سپہ سالار ماہان مسلمانوں کی بہادری سے بہت مرعوب ہوا۔ اس نے چالاکی سے ملاقات کے بہانے اسلامی سالار خالد بن ولید کو گرفتار کرنا چاہا۔ ماہان کی دعوت پر حضرت خالد اپنے لڑاکا دستے کے ساتھ اس کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت خالد کو اس نے کرسی پر بیٹھنے

کی دعوت دی مگر حضرت خالد فرش پر بیٹھ گئے۔ ماہان نے حضرت عیسیٰ کی شان میں تعریفی کلمات کہے۔ حضرت خالد نے اسے اسلام کی دعوت دی یا پھر جنگ کے لیے تیار رہنے کے لیے کہا جس پر برہم ہو کر ماہان 5 مسلمان جنگی قیدیوں کو حضرت خالد کے سامنے قتل کر دینے کا حکم دیا، جواب میں اسلامی سپہ سالار نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی اور خیمہ میں موجود اسلامی مجاہدوں نے ماہان کے ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر حضرت خالد نے کڑک کر ماہان کو 5 مسلمان مجاہدین کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ ماہان نے خوفزدہ ہو کر مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حضرت خالد اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحیح سلامت جب اسلامی لشکر پہنچے تو مسلمانوں کا ولولہ بڑھ گیا اور رومیوں کی یہ چال بھی ناکام ہوئی۔

طرفین میں جنگ شروع ہو جانے کے بعد پانچ روز تک زبردست لڑائی ہوتی رہی۔ رومیوں کو بھاری جانی نقصان پہنچا مگر پھر بھی کئی بار رومی اسلامی فوج کے دستوں کو دھکیل کر دور تک لے گئے البتہ بروقت امداد اور فوری جوابی کارروائی سے ہر بار رومیوں کا دباؤ کم کر کے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ چوتھے روز کی لڑائی میں رومیوں کی زبردست تیر اندازی سے کئی مجاہدین کی بینائی جاتی رہی۔ اسی روز کی لڑائی میں حضرت خالد کا وہ عمامہ جو ٹوپی نما تھا کہیں گر گیا۔ حضرت خالد نے اس ٹوپی میں حجۃ الوداع کے موقع پر منڈوائے ہوئے آنحضرت (ﷺ) کے بال مبارک بطور تبرک سلوائے ہوئے تھے۔ حضرت خالد کے قول کے مطابق یہی بال ان کی دشمنوں پر برتری کی وجہ تھے اور انہیں خود آنحضرت (ﷺ) نے بشارت دی تھی کہ جب تک یہ بال تمہارے ساتھ رہیں گے تم کامیاب ہو گئے۔ بڑی تلاش کے بعد حضرت خالد کا عمامہ مل گیا اور پھر آنحضرت (ﷺ) کی بشارت بھی ہمیشہ کی طرح جلد ہی سچی ثابت ہوئی۔ مورخین نے حضرت عکرمہ کی جانبازی کا واقعہ اس جنگ کے واقعات میں بھی شامل کیا ہے جبکہ ہم اسے جنگ اجنادین کے ضمن میں لکھ آئے ہیں۔

جنگ کے دوران رومی سپہ سالار جرجرا اپنے تیس ہزار زنجیر میں بندھے رومی جانبازوں کو لے کر آگے بڑھا اور اس نے انفرادی مقابلے کی دعوت بھی دی۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت ابوعبیدہ نکلے اور جلد ہی اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُدھر زنجیر میں بندھے رومیوں نے اسلامی دستوں کو دھکیلتے ہوئے عورتوں کے خیموں تک پہنچا دیا۔ مسلمان عورتوں نے خیموں کی چوبوں سے دفاع کیا۔ اس روز حضرت خالد بن ولید اس زور سے لڑے کہ ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ گئیں۔ جرجرا کی

موت کی خبر نے ماہان کو مایوس کر دیا وہ میدان جنگ سے بھاگنا چاہتا تھا مگر ہرقل کا خوف اسے ایسا کرنے سے منع کرتا تھا۔ رومی لشکر کی بددلی کے باوجود اس نے اسلامی سپہ سالار کو انفرادی مقابلے کی دعوت دی مگر مالک اشتر نے جواب میں کہا کہ میں تمہیں حضرت خالد سے لڑنے کا موقع نہیں دوں گا اور آگے بڑھ کر اسے زخمی کر دیا جس سے وہ خوفزدہ ہو گیا۔ لڑائی اس درجہ کی تھی کہ اس مسلمان مجاہد حباش کا لڑتے لڑتے پاؤں دشمن کی تلوار سے کٹ کر کہیں گر گیا مگر وہ بہادری سے لڑتے رہے۔ جب لڑائی سے فارغ ہوئے تو اپنا پاؤں ڈھونڈنے لگے کہ پاؤں کدھر چلا گیا۔

بالآخر مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی اور ستر ہزار رومی مارے گئے اس جنگ میں کامیابی سے مسلمانوں پر شام کے بڑے بڑے شہروں کے دروازے کھل گئے۔

ماخذ: بدر سے پانی پت تک، مختار احمد گیلانی۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد 23، تاریخ ملت

637ء۔ فتح مدائن

مدائن یا طیسیفون Ctesiphon ساسانی بادشاہوں کا سرمائی دارالحکومت تھا۔ اس کے بالمقابل دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر بہرہ شیر یا وہ اردشیر Weh-Ardeshir نامی ایک اور ایرانی شہر واقع تھا۔ 637ء میں جب قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ کے نتیجے میں عرب مسلمان دریائے دجلہ کے مغرب میں واقع حصہ عراق کے مالک و مختار بن گئے تو خلیفہ ثانی نے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ وہ ایرانیوں کے پایہ تخت پر چڑھائی کریں۔ حضرت سعد نے پہلے مدائن کے سامنے واقع بہرہ شیر کا محاصرہ کیا جو دو ماہ تک جاری رہا۔ آخر کار جب ایرانیوں کا سامان رسد ختم ہو گیا تو وہ راتوں رات چپکے سے دریائے عبور کر کے بھاگ نکلے۔ عربوں نے جب یہ شہر فتح کیا تو اسے بالکل خالی پایا۔ چند روز حملہ آور اسی شہر میں ٹھہرے۔ جاتے ہوئے ایرانی دریائے دجلہ کے تمام پل مسمار کر گئے تھے اور کشتیاں اپنے ساتھ لے گئے تھے لہٰذا مسلمانوں نے دریا کو عین موسم بہار کی طغیانی کے وقت گھوڑوں کی پشت پر عبور کیا۔ تاریخ اسلام میں یہ عبور دریا ایک اہم واقعہ ہے اور معجزہ نما کہلاتا ہے۔ ایرانیوں کو وہم و گمان تک نہ تھا کہ عرب طغیانی کی پرواہ کئے بغیر دریا کو بغیر کشتیوں کے عبور کریں گے۔ اس پر ایرانی شہنشاہ حلوان کی طرف بھاگ گیا اور ایرانی لشکر جسر کی طرف۔ پایہ تخت کے مشہور زمانہ محل قصر ابیض میں صرف چند دستے سپاہ تعینات تھی۔ مارچ

637ء کے آخر میں حضرت سعد اجڑے ہوئے بازاروں کے اس شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ عربوں کے سرعت سے دریا عبور کرنے کی وجہ سے ایرانی بے شمار خزانے مدائن میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ سب فاتحین کے ہاتھ آئے۔ مورخین نے مدائن سے ملنے والی اشیا کی تفصیلات بڑی تفصیل سے دی ہیں۔ بہر حال طیسیفون سے ملنے والے کل مال کی قیمت کا اندازہ نوے کروڑ درہم تھا۔

ساسانی پایہ تخت پر قبضہ جو ایشیائے قریب کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اسلام کی شان و شوکت کا اہم ترین واقعہ ہے اور یہ وہ عہد تھا جو اسلامی مہمات و فتوحات کا عظیم ترین عہد کہلاتا ہے۔ اس قدیم شہر میں حضرت سعد نے جو جامع مسجد تعمیر کروائی وہ عراق کی پہلی اسلامی عبادت گاہ تھی۔ مدائن کو عربوں نے صرف صوبائی شہر کی حیثیت دی اور بعد کے زمانے میں بغداد کی تعمیر سے یہ گہناتا ہوا کھنڈروں میں تبدیل ہو گیا۔ آج بغداد کے شمال مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر اس قدیم شہر کے کھنڈرات واقع ہیں جن میں طاق کسریٰ اہم ہے۔

637ء۔ معرکہ قادسیہ

معرکہ قادسیہ جس نے عربوں کو دریائے دجلہ کے مغرب میں سارے عراق کا مالک بنا دیا، اسلامی فتوحات کے عظیم الشان دور کا ایک نہایت شاندار واقعہ ہے۔ اسی فتح نے مشرق قریب میں اسلامی اقتدار کی بنیاد رکھ دی۔ اسے اس کی اہمیت کی وجہ سے لازوال شہرت ملی، یہاں تک کہ بعد کی عرب شاعری میں بھی اکثر اس کا ذکر آیا ہے۔

جنگ کی تاریخ کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک یہ 14ھ 635ء میں لڑی گئی، بعض کے نزدیک 16ھ 637ء میں رونما ہوئی تھی، البتہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ جنگ موسم بہار میں ہوئی تھی اور بصرہ شہر کی بنیاد اس کے بعد رکھی گئی۔

ساسانی ایران اور عرب مسلمانوں میں یہ فیصلہ کن جنگ کوفہ کے دس میل مغرب میں قادسیہ کے مقام پر لڑی گئی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سلطنت ایران کے کئی حصوں کی فتح سے ایرانی بڑے غضب میں تھے۔ ان کے سپہ سالار رستم نے امرائے سلطنت کے مشورے سے ایک عظیم لشکر تیار کیا۔ اُدھر جب ایرانیوں کی اس جنگی تیاری کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو فاروق اعظم نے حسن بن مثنیٰ کو حکم دیا کہ وہ ایک لشکر عراق اور مدینہ منورہ کے درمیان آباد قبائل سے تیار کریں۔ پھر اپنے تمام

گورنروں (اعمال) کو دعوت جہاد عام کرنے کا پیغام خصوصی بھجوایا جس کے نتیجے میں اسلامی سلطنت کے گوشے گوشے سے مجاہدین مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ نے اس لشکر کی کمان خود سنبھالی اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائمقام بنا کر فوج کو لے کر چلے۔ پہلا پڑاؤ چشمہ مزار کے مقام پر کیا۔ یہاں حضرت عثمانؓ نے جو آپ کے دست راست تھے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کا خود میدان جنگ میں بنفس نفیس تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ کے مزید مشورہ طلب کرنے پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مشورہ دیا کہ اگر کسی دوسرے عرب سردار کو شکست ہو جائے تو امیر المومنین اس کا مداوا کر سکتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ خود امیر المومنین کو میدان کارزار میں شکست ہو جائے یا کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اس کا تدارک کرنا مشکل ہو جائے گا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے مزید مشورہ کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو مدینہ سے بلوایا۔ حضرت علیؓ نے بھی امیر المومنین کو خود بنفس نفیس میدان جنگ میں نہ جانے کا مشورہ دیا۔ اس مشاورت کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لشکر کا امیر مقرر کیا۔ مسلمانوں کے اس لشکر میں ستر اصحاب بدر اور تین سو ایسے صحابہ کرامؓ شامل تھے جنہوں نے بیعت رضوان میں آنحضرت (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

ساسانی لشکر مورخین کے نزدیک ڈیڑھ لاکھ سپاہ پر مشتمل تھا اور انتہائی جدید سامان حرب سے لیس تھا۔ ساسانیوں کے لشکر میں بہت سے ہاتھی بھی شامل تھے جن سے عربوں کے گھوڑے بدکتے تھے۔ عربوں نے ہاتھیوں کے جواب میں اپنے اونٹوں پر سیاہ جھولیں ڈال کر انہیں ہاتھیوں کی طرح ہیبت ناک بنا لیا تا کہ گھوڑے بدکنا چھوڑ دیں۔

جنگ کے آغاز میں ایرانیوں کی طرف سے مشہور پہلوان شہزادہ ہرمز میدان میں آیا اور مبارزت طلب کی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت غالب بن عبداللہ اسدی اس کے مقابلے کو نکلے اور جاتے ہی اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ایرانیوں کے دو اور بہادر نکلے اور اپنے مسلم حریفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ غازیان اسلام نے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہاتھیوں پر حملہ کر دیا اور ان کی سونڈیں کاٹ کر انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمان تیر اندازوں نے ایسے تیر برسائے کہ ایرانی جواب نہ دے سکے۔ لڑائی شام تک اسی انداز میں جاری رہی۔ بالآخر رات نے اپنے سیاہ دامن میں دن کی روشنی کو چھپا لیا، فریقین نے تلواریں نیام میں کر لیں اور اپنی اپنی لشکر گاہ کو لوٹ گئے۔

دوسرے دن لڑائی چھڑنے سے پہلے قعقاع بن عمرو دمشق سے حضرت عمرؓ کے حکم پر قادسیہ پہنچے۔ آج سب سے پہلے قعقاع میدان میں نکلے، گھمسان کا رن پڑا۔ طرفین کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ قعقاع بن عمرو نے ایک جنگی چال یہ چلی کہ اونٹوں پر جھولیں ڈال کر انہیں ایرانیوں کے گھڑوں کے قریب لے آئے جس پر ان کے گھوڑے بدکنے لگے۔ اونٹوں پر بیٹھے تیر اندازوں نے ایرانی ہاتھیوں کو نشانہ بنایا۔ یہ جنگ متواتر تین دن لڑی گئی، تیسرے دن لڑائی رات کو بھی جاری رہی۔ نصف شب گزرنے کے بعد قعقاع بن عمرو کے حکم پر مجاہدین نے ایرانی سپاہ سالار رستم کو گھیر لیا۔ وہ اپنے زریں تخت سے اتر کر لڑنے لگا۔ جب زخموں سے چور ہوا تو جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت بلال بن علقمہ نے تعاقب کیا اور نہر میں چھلانگ لگاتے ہوئے اس کو واصل جہنم کیا۔ رستم کے قتل ہوتے ہی ایرانی لشکر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا اور انہوں نے شکست کھائی۔

اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی مارے گئے اور چھ ہزار مسلمان مجاہدین شہید ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے فتح کی خوشخبری حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھجوائی۔ اُدھر حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے جنگ قادسیہ شروع ہوئی تھی صبح ہوتے ہی مدینہ سے باہر نکل جاتے تھے اور دوپہر ڈھلنے تک میدان جنگ سے آنے والے قاصد کا انتظار کرتے تھے۔ معمول کے مطابق آپ ایک دن مدینہ منورہ سے باہر انتظار کر رہے تھے کہ ایک شتر سوار نظر آیا۔ آپ دوڑ کر اس کے قریب گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ سوار نے بتایا کہ حضرت سعدؓ نے اسے فتح کی خوشخبری دے کر بھیجا ہے لیکن اس نے امیر المومنین کو پہچانا نہیں، جب حضرت عمرؓ اس کی رکاب پکڑے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کو امیر المومنین کہہ کر پکارا تو وہ لرز اٹھا مگر حضرت عمرؓ نے اسے کچھ نہ کہا۔

637ء۔ معرکہ جلولا

آج کل جلولا عراق کا ایک شہر ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں شاہراہ خراسان پر واقع ایک اہم مقام تھا۔ مدائن سے بھاگ کر ایرانی افواج یہیں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ اسی مقام سے راستے آذربائیجان، باب اور فارس کے صوبوں کی طرف نکلتے تھے۔ ایرانی سرداروں نے یہاں اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ شاید اس مقام کے بعد ہم کہیں اکٹھے نہ ہو سکیں لہٰذا بہتر ہے کہ اسی مقام پر آخری

مرتبہ مسلمانوں کا متحد ہو کر مقابلہ کریں۔ چنانچہ جلولا میں ایرانی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ شاہ ایران یزدگرد مدائن سے بھاگنے کے بعد سے حلوان میں مقیم تھا۔ اس نے وہاں سے امدادی فوج بھیجی۔ مہران رازی نامی ایک ایرانی ان افواج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ اس نے شہر کے چاروں طرف دفاعی خندقیں کھدوائیں اور ان کے آگے کانٹوں کی باڑھ لگادی تاکہ مسلمان آسانی سے یہ خندقیں عبور نہ کرسکیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی ہدایات پر خود مدائن میں رہ کر ہاشم بن عتبہ کو اس ایرانی لشکر کے مقابلے کے لیے بھیجا انہوں نے جلولا کا محاصرہ کرلیا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً خندق کو عبور کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے اور پھر واپس خندق کے پیچھے پناہ لیتے تھے۔ یہ صورت حال کئی ماہ جاری رہی۔ آخر اس صورت حال کا خاتمہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے ایک زبردست حملہ کیا اور خندق عبور کر کے ایرانی لشکر میں جا گھسے۔ ایسی ہولناک جنگ ہوئی کہ قادسیہ کی جنگ کی شب لیلۃ الہریر کی یاد تازہ ہوگئی۔ ایرانی بھی بڑی بے جگری سے لڑے مگر آخر کار ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلے۔ ہاشم بن عتبہ نے بھاگنے والوں کا تعاقب کرنے کا حکم دیا جس پر ایرانیوں کا خالقین کے مقام تک پیچھا کیا گیا اور ہزاروں ایرانیوں کو بھاگتے ہوئے تہہ تیغ کردیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس جنگ میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے۔ مسلمانوں کو تین کروڑ درہم سے زیادہ مالیت کا مال غنیمت بھی حاصل ہوا۔

شکست کی خبر سن کر شاہ ایران حلوان چھوڑ کر رے چلا گیا اور قعقاع بن عمرو نے آگے بڑھ کر حلوان پر قبضہ کرلیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے کاتب زیاد کو فتح کی خوشخبری کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ جلولا کا آنکھوں دیکھا حال حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا اور ساتھ ہی آئندہ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے کا مجاہدین کا عزم بھی حضرت عمر کو بتایا۔

حضرت عمر فتح کی خوشخبری اور ایلچی کی فصاحت سے مسرور ہوئے۔

637ء۔ فتح دمشق

محرم 14ھ میں اسلامی لشکر مرج صفر کی مہم سے فراغت پا کر دمشق کی طرف بڑھا اور اثناء راہ میں کئی گرجاؤں پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا جب اہل دمشق کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ملی انہوں نے شہر پناہ کے دروازوں کو بند کر لیا۔ حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابوعبیدہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر دمشق کے دروازوں کے آگے اترا۔ مشرقی باب کی طرح خالد بن ولید نے باب توما کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص نے باب مرادلیس کی طرف سے حضرت شرجیل بن حسنہ اور باب الجابیہ کی طرف سے حضرت ابوعبیدہ نے محاصرہ کر لیا۔ یزید بن ابوسفیان باب صغیر سے باب کیسان تک گھیرے ہوئے تھے۔ جس کلیسا میں حضرت خالد بن ولید اترے وہ حضرت خالد کے نام سے موسوم ہوا۔ شہر کے اس حصے میں جو بشپ (اسقف) اس گرجا کا حاکم تھا اس نے ایک روز شہر پناہ کی فصیل پر چڑھ کر حضرت خالد کو بلایا اور تھوڑی گفتگو کے بعد کہنے لگا کہ اگر تم مجھ سے مصالحت کر لو اور ایک معاہدہ امن لکھ دو کہ ہمارے گرجا اور جان و مال محفوظ رہے گا تو میں یہ شہر تمہارے حوالہ کر دوں گا اور ایسی تدبیر بتاؤں گا جس سے تم با آسانی فتح حاصل کر لو گے۔ حضرت خالد نے قلم دوات منگوایا اور مندرجہ ذیل معاہدہ لکھ کر دے دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ حقوق ہیں جو خالد بن ولید نے بوقت فتح، اہل دمشق کو عطا کیے ہیں۔ اہل دمشق کے مال اور جان محفوظ رہیں گے۔ ان کے کلیسا اور ان کا شہر پناہ امان میں رہیں گے۔ ان کے مکانات نہ تو مسمار کیے جائیں گے اور نہ ان میں اسلامی لشکر کا کوئی فرد سکونت اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (ﷺ) اس معاہدہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ کے جانشین اور کل مسلمان اہل دمشق سے حسن سلوک سے پیش آئیں گے، بشرطیکہ وہ جزیہ ادا کریں۔

خالد بن ولید

بشپ یہ تحریری معاہدہ لکھوا کر اپنے کلیسا میں چلا گیا اور حضرت خالد اپنے لشکر میں چلے آئے۔ ایک روز رات کو بشپ کا فرستادہ حضرت خالد کے پاس پیغام لے کر آیا کہ آج اہل دمشق عید منا رہے ہیں۔ آج رات سب کے سب شراب نوشی سے مدہوش ہوں گے۔ نیز مشرقی دروازہ سنگ باری سے کمزور پڑ گیا ہے میں سیڑھیاں فراہم کر دیتا ہوں تم مسلمانوں کو لے کر فصیل پر چڑھ آؤ اور

قبضہ کرلو۔ تھوڑی دیر بعد اہل کلیسا میں سے کسی نے دو سیڑھیاں فصیل کے ساتھ لگا کر کھڑی کر دیں۔ حضرت خالد مع چند ساتھیوں کے شہر پناہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور طلوع آفتاب کے قریب انہوں نے لڑتے ہوئے شہر کا دروازہ کھول دیا۔

دوسری طرف حضرت ابوعبیدہؓ باب الجابیہ سے جنگ لڑتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ چند مسلمان اس طرف سے بھی کمندیں لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور انہوں نے شہر کا یہ دروازہ بھی کھول دیا۔ بازنطینی لشکر لڑائی سے جی چرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ باب الجابیہ سے حضرت ابوعبیدہ اور مشرقی باب کی طرف سے حضرت خالد شہر میں داخل ہو گئے۔ دونوں کی مقام مقلاط میں ملاقات ہوگئی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جس وقت دمشق کے بشپ کو یقین ہو گیا کہ حضرت ابوعبیدہ دمشق پر بزور شمشیر قبضہ کرلیں گے اس وقت اس نے حضرت خالد سے معاہدہ صلح کر کے ان کے لیے مشرقی دروازہ کھول دیا تھا اور خود معاہدہ ہاتھ میں لے کر باہر نکل آیا۔ اس پر لشکر اسلام کے بعض سرداروں نے کہا کہ خالد امیر لشکر نہیں ہے اس لیے ان کا کیا ہوا معاہدہ امن قبول نہیں اور ہم اس کے پابند نہیں ہونگے لیکن امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ نے جواب دیا کہ ''ہر مسلمان اس کا مجاز ہے کہ وہ معاہدہ صلح طے کرے اس حیثیت میں حضرت خالد بدرجہ اولیٰ اس کے مجاز ہیں کہ وہ پورے شہر کو امان دیں'' لہٰذا میں اس معاہدہ کو قانون اسلام کی رُو سے جائز تسلیم کرتا ہوں۔

638ء۔ بیت المقدس کی حوالگی

فلسطین کے دوسرے کئی شہر فتح کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص بیت المقدس (ایلیاء) کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو گئے۔ محاصرے نے طول کھینچا اور تقریباً چار ماہ کے بعد عیسائیوں کی ہمت جواب دے گئی تو انہوں نے مصالحت کی گفتگو کا اغاز کیا۔ شرائط صلح میں ایک خصوصی شرط یہ رکھی کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ خود آ کر شہر کو امان دیں اور معاہدہ صلح لکھیں۔ مسلمانوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے جلد تشریف لائیے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس خط کو پڑھ کر معززین صحابہ کو مشورہ کی غرض سے جمع کیا۔ حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ عیسائی ہمت ہار چکے ہیں آپ اُن کی درخواست منظور نہ کیجیے گا تو ان کو اور بھی ذلت ہوگی اور وہ بلا شرط ہتھیار ڈال دیں گے۔ حضرت علیؓ

نے اس رائے سے اختلاف کیا اور مشورہ دیا کہ آپ تشریف لے جائیں تو اسلام کے وقار میں اضافہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ کے مشورے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ سے عازم بیت المقدس ہوئے۔

حضرت عمرؓ کا یہ سفر معمولی سفر نہ تھا بلکہ اس سے دشمنان اسلام کے ذہن اور قلوب پر اسلامی ہیبت وجلال کا بٹھانا مقصود تھا۔ لیکن روانہ ہوئے تو اس شان سے کہ نہ ہمراہ نوبت ونقارہ تھا نہ ہی خدم وحشم نہ لاؤ لشکر نہ ڈیرہ یہاں تک کہ خلیفہ ثانی ایک خیمہ تک نہ ساتھ لے کر چلے، سواری کے لیے صرف گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار ہم رکاب تھے۔ پھر بھی اتنا جلال تھا کہ جہاں یہ خبر پہنچتی تھی کہ عمر فاروق بنفس نفیس مدینہ سے بیت المقدس تشریف لے جارہے ہیں تو وہ زمین کانپ اٹھتی تھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے ہمراہ مہاجرین وانصار میں سے بھی کوئی ساتھ نہ تھا، آپ تھے اور آپ کا ایک غلام سواری کے لیے بھی گھوڑا نہیں تھا بلکہ اونٹ تھا، زادراہ کے طور پر کچھ ستو آپ کے پاس تھے اور سامان میں لکڑی کا ایک پیالہ تھا۔

کوچ وقیام کرتے ہوئے جب بیت المقدس پہنچے تو امیران لشکر اسلام حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور بعدازاں سواروں کا رسالہ لیے ہوئے حضرت خالد بن ولید آپ کے استقبال کے لیے آئے۔ یہ سب دیبا وحریر کی قبائیں زیب تن کئے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کا یہ پرتکلف لباس دیکھ کر برہم ہوگئے اور گھوڑے سے کود کر سنگریزے اٹھا کر ان کو مارے اور طیش میں کہا کہ تم لوگوں کو کیا ہوگیا کہ تم لوگ میرے استقبال کے لیے اس زیب وزینت سے آئے ہو۔ صرف دو ہی برس میں تم نے اپنا شعار ترک کردیا اور عجمیوں کی عادت اختیار کرلی۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ ان قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں جن کی سہولت کے لیے ہم نے یہ لباس پہنا ہے یعنی ہم نے فن سپاہ گری ترک نہیں کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ''پھر کوئی مضائقہ نہیں''۔

آپ مقام جابیہ میں ٹھہرے تو اراکین بیت المقدس آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ مگر بشپ ارطبون مصر کی طرف بھاگ گیا۔ مشہور مورخ طبری نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح اسی مقام پر تحریر کیا گیا جبکہ بلاذری کا بیان ہے کہ صلح نامہ بیت المقدس میں تحریر کیا گیا، بہرکیف جو معاہدہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں تحریر کیا گیا وہ کچھ یوں تھا۔

معاہدہ

یہ وہ رعایتیں ہیں جو اللہ کے بندہ امیر المومنین عمرؓ نے ایلیاہ کے شہریوں کو دیں۔ ان کی جان و مال، گرجے، صلیب، بیمار و تندرست اور ان کے کل مذہب والوں کو امان دی جاتی ہے۔ کسی کو ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور نہ ہی وہ گرائے جائیں گے، نہ ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے موقوفات میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کی بابت ان پر کچھ جبر نہ کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو کوئی ضرر پہنچایا جائے گا لیکن ایلیاہ میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے اور اہل ایلیاہ پر یہ فرض ہے کہ اور شہر والوں کی طرح جزیہ ادا کریں۔ یونانیوں اور مفسدوں کو نکال دیں۔ پس یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امان ہوگا جب تک وہ محفوظ مقام پر نہ پہنچ جائے، جو شخص ان میں سے ایلیاہ میں رہنا چاہے اس کے جان و مال بھی محفوظ رہیں گے لیکن اس کو بھی جزیہ دینا پڑے گا۔ اہل ایلیاہ میں سے جو شخص ان کے ساتھ جانا چاہے تو اس کے جان و مال کو بھی امان ہے۔ جو کچھ اس عہد نامے میں تحریر ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور اللہ کا رسول (ﷺ) اور ان جانشینوں کا ذمہ ہے۔

اس دقیقہ پر حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابوسفیان نے بطور گواہان دستخط کیے۔ حضرت عمرؓ کی سواری میں جو گھوڑا تھا اس کے سم گھس گئے تھے۔ مسلمانوں نے آپ کو ایک عربی النسل گھوڑا اور نہایت عمدہ لباس پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس لباس کو دیکھ کر فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے جو عزت ہم کو دی وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے بس وہی کافی ہے اس کو واپس لے جاؤ مجھ کو یہ لباس پہننے کی حاجت نہیں، باقی رہا گھوڑا تو اس پر جب آپ سوار ہوئے تو وہ شوخی کرنے لگا، آپ نے گھوڑے کے منہ پر طمانچہ مار کر فرمایا ''کم بخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟'' یہ کہہ کر آپ اُتر پڑے اور پا پیادہ بیت المقدس کی گلیوں سے گزر کر سب سے پہلے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے اور محراب داؤد کے پاس پہنچ کر مسجد داؤد کی آیت تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجے میں آئے اور اس کا معائنہ کیا۔ آپ نے مقام صخرا کو صاف کرا کے مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

ماخذ: تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ نمبر 340، تاریخ ملت

638ء۔طاعون عمواس

زمانہ قدیم سے طاعون کی وباء انسانوں کے لیے ہمیشہ خطرناک وخوفناک رہی ہے اور آبادیوں کی آبادیاں اس سے تلف ہوتی رہی ہیں۔تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں طاعون کی وباء فلسطین کے ایک مقام عمواس پر پھیلنے سے پچیس ہزار سے زائد مجاہدین موت کا شکار ہو گئے جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت معاذ بن جبل اور یزید بن ابی سفیان جیسے بڑے سالار لشکر بھی شامل تھے۔

عمواس کے مقام سے اس وباء نے بڑھ کر پورے ملک شام، عراق اور مصر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ خود تدبیر وانتظام کے لیے شام کی طرف روانہ ہوئے۔جب آپ مقام سرغ پر پہنچے تو امراء لشکر استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔امراء نے وباء کی شدت کی خبر دی، اور عرض کیا کہ امیر المومنین آپ کا اس علاقہ میں تشریف لے جانا مناسب نہیں۔آپ نے مہاجرین انصار صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ان کی رائے مختلف تھی۔اس پر حضرت عمرؓ نے واپسی کی رائے کو ترجیح دی۔مگر حضرت ابوعبیدہ بن جراح مسئلہ تقدیر میں بڑے سخت نظریات کے قائل تھے۔انہوں نے فرمایا کہ ''اے عمر! کیا تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''ہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف ہی بھاگتا ہوں'' پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہ سے تنہائی میں اس مسئلہ پر بحث کی دوسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی آ گئے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے سنا ہے کہ:

''جب تم کسی شہر میں اس وباء کے پھیلنے کا سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی شہر میں ہو اور وہاں یہ وباء پھیل پڑے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو۔'' حضرت عمرؓ نے اس حدیث مبارکہ کو سن کر اپنی رائے کی صحت پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہیں سے واپس مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ پہنچ کر جب حضرت عمرؓ کو اس وباء کی مزید ہلاکت آفرینی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ مجھے تم سے ایک ذاتی کام ہے فوراً کچھ دن کے لیے مدینہ چلے آؤ۔ حضرت ابوعبیدہ اپنے نظریہ پر قائم تھے۔انہوں نے جواب دیا کہ میں دوسرے مسلمانوں کو ہلاکت میں پڑا چھوڑ کر تنہا مدینہ نہیں آ سکتا۔امیر المومنین کو مجھ سے جو ذاتی کام ہے وہ مجھے معلوم ہے۔ آپ اس شخص کی زندگی چاہتے ہیں جو زندہ رہنے والا نہیں۔مجھے آپ تعمیل حکم سے معاف کر دیں تو

زیادہ بہتر ہے۔ پھر چند ہی دن بعد حضرت ابوعبیدہ وباء کی لپیٹ میں آ گئے۔ جب بیماری نے شدت اختیار کی تو آپ نے مسلمانوں کو اعمال حسنہ کی وصیت فرمائی اور حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا پھر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

حضرت معاذ کے امیر لشکر بننے کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وباء ان بلاؤں میں سے ایک ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں تھیں لہٰذا یہاں سے بھاگ چلنا چاہیے۔ حضرت معاذ نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ یہ وباء بلا نہیں ہے بلکہ رحمت خداوندی ہے اس سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خطبہ دینے کے بعد جب اپنے خیمے میں واپس پہنچے تو اپنے بیٹے کو وبا کا شکار پایا۔ فرمایا ''اے بیٹا حق خدا ہی کی طرف سے ہے تو کسی شبہ میں نہیں پڑنا۔'' بیٹے نے نہایت استقلال اور پامردی سے جواب دیا ''انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں پائیں گے۔'' تھوڑی ہی دیر بعد آپ کے بیٹے نے وبا سے انتقال کیا پھر خود دوسرے امیر لشکر اسلام اس کے شکار ہو گئے اور چند ہی دن بعد بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ جان جہاں آفرین کے سپرد کر دی۔

حضرت معاذ نے اپنے بعد حضرت عمرو بن العاص کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمرو اُن سے مختلف نظریات کے مالک تھے وہ فوج کو لے کر پہاڑوں پر چلے گئے اور اسے جابجا منتشر کر دیا جس سے وبا کا زور ٹوٹ گیا اور اس سے نجات حاصل ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کی اس تدبیر کو پسند کیا کہ اس سے ہزاروں مجاہدوں کی جان بچ گئی۔ طاعون کی اس وبا سے خصوصاً ملک شام میں اسلامی عسکری طاقت کو بے حد نقصان پہنچا۔ رومی مسلمانوں پر پڑنے والی اس مصیبت سے فائدہ اٹھا کر دوبارہ مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کر سکتے تھے مگر یہاں کی رعایا کے دل فاتحین نے اپنے حسن انتظام اور رواداری سے فتح کر لیے تھے اس لیے یہ خطرہ پیش نہ آیا۔

جب وبا کا زور ٹوٹ گیا تو ملک شام کے انصرامی انتظامات کو درست کرنے کے لیے اور وبا کا شکار ہو کر مرنے والے لوگوں کا سامان ان کے ورثاء میں تقسیم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ملک شام کا دورہ کیا۔ اس دوران حضرت علیؓ مدینے میں آپ کے قائمقام رہے۔

آپ نے شام کے گورنر حضرت یزید بن ابی سفیان کے وباء کا شکار ہو جانے کے بعد ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق میں عامل مقرر کیا۔ اسی دوران قیام دمشق میں حضرت عمرؓ سے درخواست کی گئی کہ حضرت بلال حبشی مقیم دمشق ہے جو موذن مسجد نبوی (ﷺ)

سے اذان دلوائی جائے۔ حضرت عمرؓ کی فرمائش پر موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دی تو سب کو رسول کریم (ﷺ) کا زمانہ یاد آ گیا اور آنکھوں سے آپ (ﷺ) کی یاد میں اشک رواں ہو گئے۔ صحابہ کرام اس موقع پر اس قدر روئے کہ سب کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ یہ حضرت عمرؓ کا آخری سفر شام تھا۔

ماخذ: تاریخ ابن خلدون جلد 1 صفحہ 360 تاریخ طبری۔ تاریخ ملت جلد اول صفحہ 276

639ء۔ قحط عظیم یا عام الرمادۃ

مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ طاعون عمواس پھیلنے کے اگلے سال یا اسی سال حجاز میں خشک سالی یا قحط عظیم پڑا جسے مورخین نے ''عام الرمادۃ'' لکھا ہے۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں 18ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ قحط سالی سے لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ عام الرمادۃ کا نام اسے اس لیے دیا گیا ہے کہ زمین بارش کی قلت کی وجہ سے سیاہ پڑ گئی تھی اور اس کا رنگ راکھ کی مانند ہو گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسے عام الرمادۃ اس لیے بھی کہا گیا کہ ہوائیں مٹی کو راکھ کی مانند اڑاتی تھیں (رمادۃ عربی میں راکھ کو کہتے ہیں) حجاز کے دور دراز علاقوں میں یہ قحط سالی پھیلنے کے بعد قبائل نے مدینہ کا رخ کیا اور امیر المومنین سے پناہ طلب کی۔ اس موقع پر قحط زدگان کی امداد کا انتظام حضرت نے نہایت عمدہ طریق پر کیا اور خوراک کے سرکاری ذخائر کے منہ ان مصیبت زدگان پر کھول دیئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ عام الرمادۃ کے سال ایک شب حضرت عمرؓ نے گشت کرتے ہوئے کسی شخص کو ہنستے نہ پایا اور نہ ہی اس رات اپنے گھروں میں عام دستور کے مطابق لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ کو بتایا گیا کہ امیر المومنین ان لوگوں نے جب سوال کیا تو وہ پورا نہ کیا گیا اس پر انہوں نے سوال کرنا چھوڑ دیا اور اس غم اور تنگی میں وہ نہ باتیں کرتے ہیں اور نہ ہنستے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ کو قحط کی شدت سے آگاہی ہوئی تو آپ نے بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی مدد کیجیے اور خوراک کا سامان بھجوائیے۔ اسی طرح آپ نے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص کو لکھا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی امت کی مدد کیجیے۔ امیر شام نے آپ کی اپیل پر چار سو اونٹ کھانے پینے کے

سامان کے مدینہ بھجوائے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے جو اس وقت مصر میں
کر چکے تھے اتنا بڑا امدادی قافلہ بھجوایا کہ جس کا ایک سرا مصر میں تھا اور دوسرا سرا جدہ پہنچ چکا تھا۔
اس بحران کے دوران حضرت عمرؓ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک یہ قحط دور نہ ہوگا وہ گھی اور شہد
استعمال نہیں کریں گے (یہ آپ کے دسترخوان کی بہترین اور پسندیدہ غذائیں تھیں) آپ ان
دنوں روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ استعمال کرتے تھے۔ اس کے استعمال سے آپ کے معدے
میں تکلیف ہوگئی۔ ایک دن آپ کے ایک غلام نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر بازار سے کچھ گھی اور
شہد آپ کے لیے بطور خاص اپنے ذاتی خرچ سے خریدا اور آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ امیر
المومنین اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیجیے اور انہیں استعمال کر لیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا
ہے؟ جب تک میں خود تکلیف نہ اٹھاؤں تو دوسروں کی تکالیف کا احساس مجھے کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر
آپ نے وہ گھی اور شہد صدقہ کر دینے کا حکم دے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پے در پے بحرانوں نے
حضرت عمرؓ کی انتظامی قابلیت کے جوہر نمایاں کر دیئے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف
آپ ایک عظیم الشان فاتح تھے بلکہ بہترین مدبر و منتظم بھی تھے۔

قحط کے دنوں میں مدینہ کے ایک شخص سے اس کے اہل نے کہا وہ ان کے لیے بکری ذبح
کرے۔ ان کے اصرار پر جب اس نے بکری ذبح کی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی ہڈیاں سرخ ہوگئی
ہیں۔ اس نے آنحضرت (ﷺ) کا نام لے کر صدا دی یا محمد!

اسی رات اسے خواب میں زیارت رسول اللہ (ﷺ) ہوئی آپ (ﷺ) اسے کہہ رہے تھے
"زندگی سے شاد کام ہو اور حضرت عمر کے پاس جا کر انہیں میرا اسلام کہو نیز انھیں کہنا، میں نے
آپ کو عہد پورا کرنے والا اور عہد کا سختی سے پابند پایا ہے۔ اے عمر عقل مندی سے کام لیجیے"۔ وہ
شخص دربار خلافت میں حاضر ہوا اور حضرت عمرؓ کے غلام سے کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے ایلچی کے لیے دربار خلافت میں حاضری کی اجازت طلب کیجیے۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص
کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اس شخص نے رسول اللہ (ﷺ) کا پیغام آپ کی خدمت میں پہنچا دیا۔
حضرت عمرؓ بہت گھبرائے۔ پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو کہا کہ میں تم سے خدا کے نام پر اپیل
کرتا ہوں، جس خدا نے آپ لوگوں کی اپنے دین (اسلام) کی طرف رہنمائی کی۔ پس تم نے اگر
مجھ سے کوئی ناپسندیدہ امر دیکھا تو بتاؤ۔ پھر آپ نے اس شخص کی بات بیان کی اور رسول
اللہ (ﷺ) کا پیغام سنایا۔ جو لوگ آپ کی یہ اپیل سن رہے تھے وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئے۔ مگر

آپ خود نہ سمجھ سکے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ کہ آپ نے خشک سالی کے ان دنوں میں شاید نماز استسقاء کی ادائیگی میں دیر کر دی ہے۔ آپ فوراً ہمارے ساتھ نماز استسقاء کی ادائیگی کے لیے نکلیے۔ آپ نے مدینہ میں نماز استسقاء کے لیے اعلان عام کر دیا۔ پھر آپ لوگوں کے ساتھ نماز استسقاء کی ادائیگی کے لیے مدینہ سے نکلے۔ آپ کے ساتھ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی پاپیادہ نکلے۔ اس موقع پر آپ نے مختصر سا خطبہ دیا اور نماز پڑھی پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور دعا کی "اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اے اللہ تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور ہم سے راضی ہو جا۔ ہماری قوت و طاقت بھی ہم سے عاجز آ گئی ہے اور ہمارے نفس بھی ہم سے عاجز آ گئے ہیں۔ تیرے سوا کوئی طاقت نہیں اے اللہ! تو ہمیں سیراب کر دے۔ پھر آپ واپس مدینہ آ گئے۔ ابن کثیر لکھتا ہے کہ واپسی پر ابھی آپ کے ساتھی گھروں تک نہیں پہنچ پائے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔

ماخذ: تاریخ ابن کثیر نفیس اکیڈمی جلد 7 صفحہ 191

تاریخ ملت جلد اول صفحہ 279 ادارہ اسلامیات

639ء۔ فتح مصر

تحفہ نیل، مصر ساتویں صدی عیسوی میں بازنطینی سلطنت کا ایک مقبوضہ علاقہ تھا سیزر جولیس کے زمانے سے اس زرخیز علاقے سے غلہ حاصل کیا جاتا تھا۔ یہ تجارت، صنعت و حرفت اور علوم و فنون کا بھی بہت بڑا مرکز تھا۔ حضرت عمرو بن العاص زمانہ جاہلیت میں مصر کی سیر کر چکے تھے یہاں کی سرسبزی اور شادابی کے منظر ان کی آنکھوں میں پھرا کرتے تھے۔ سیاسی طور پر مصری عوام بازنطینی حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تنگ تھے یہاں تک کہ اہل مصر کو مذہبی آزادی تک حاصل نہیں تھی۔ شام و فلسطین میں شکست کھانے کے بعد وہاں سے فرار ہونے والی بازنطینی فوج کا بڑا حصہ رومی سپہ سالار تھیوڈور کی زیر قیادت مصر پہنچ گیا تھا۔ اُدھر ہرقل دوم نے قسطنطنیہ کے بشپ اعظم کے مشورے سے مصر میں اپنی پسند کی عیسائیت اور عقیدہ زبردستی رائج کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور مصر کا رومی گورنر بھی سائرس نامی ایک بشپ تھا۔ عرب تاریخ دان اسے مقوقس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سائرس نے زبردستی مصریوں کو اپنے عقیدے کی طرف مائل کرنا شروع کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں مقامی قبطی چرچ کے کئی پادری بھاگ گئے اور کچھ کو مخالفت کی بنیاد پر قتل کروا دیا گیا تھا۔

عسکری لحاظ سے مصر میں موجود رومی افواج فلسطین کی سلامتی کے لیے خطرہ تھیں۔ جنوری 639ء میں مصری بازنطینی افواج کے ایک دستہ نے سکندریہ سے بحری جہازوں میں بیٹھ کر شمالی فلسطین کے ساحل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر مسلمانوں نے جوابی کارروائی کر کے انہیں بھگا دیا تھا۔ مصر کی جانب سے خشکی کے کئی راستے بھی عربوں کے علاقوں تک آتے تھے، خطرہ تھا کہ بازنطینی افواج مصر کو مستقر بنا کر ان راستوں سے جوابی جارحانہ کارروائی نہ کریں کیونکہ بازنطینی حکمران مصر کو مسلمانوں کی گرفت سے دور رکھنا چاہتے تھے۔

فتح مصر بھی مسلمانوں کا ایک حیرت انگیز عسکری کارنامہ ہے۔ جب حضرت عمرؓ طاعون عمواس کے بعد شام تشریف لے گئے تو حضرت عمرو بن العاص نے مصر میں موجود بازنطینی افواج کی جانب سے یلغار کے خطرے سے آگاہ کر کے مشورہ دیا کہ اس اندیشے کو جارحانہ یلغار سے ہی روکا جا سکتا ہے۔ اس طرح رومیوں کو مصر میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے اور مزید کمک اکٹھا کرنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ پھر اپنی مصر سے واقفیت کو سامنے رکھ کر انہوں نے مصر پر حملہ کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں اجازت دی مگر حکم امتناعی کا حق اپنے پاس رکھا۔ جب حضرت عمرو بن العاص اپنے تین یا چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ مصر کی سرحد پر پہنچے تو انہیں حضرت عمرؓ کا حکم امتناعی کا خط ملا۔ حضرت عمرو بن العاص کی چھٹی حس نے انہیں خبردار کیا کہ اس خط میں واپسی کا حکم ہے۔ انہوں نے خط کو مصر کی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے نہیں کھولا۔ جب وہ مصر کی سرحد میں کافی اندر تک پہنچ گئے تو خلیفہ ثانی کا خط کھولا گیا۔ اس میں تحریر تھا ''اگر میرا خط تمہیں مصر کی سرحد میں داخل ہونے سے پیشتر ملے تو پیش قدمی موقوف کر کے واپس آ جاؤ۔ اگر مصر میں داخل ہو چکے ہو تو اللہ کا نام لے کر پیش قدمی جاری رکھو، میں تمہیں مزید کمک بھیجوں گا۔'' حضرت عمرو بن العاص کے ساتھیوں نے بھی پیش قدمی جاری رکھنے کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ وہی راستہ تھا جہاں سے صدیوں پہلے حضرت ابراہیمؑ مصر میں داخل ہوئے تھے اور سکندر اعظم مصر پر حملہ آور ہوا تھا۔

مصر کی سرحد عبور کر کے اسلامی لشکر نے 12 دسمبر 639ء بمطابق دس ذوالحجہ 18ھ کو العریش کے مقام پر بازنطینیوں کو پہلی شکست دی۔ پھر فرماء کے مقام کو فتح کیا گیا، پھر مسلمان قواصر کی طرف بڑھے اور رومی افواج سے معمولی مقابلے کے بعد بلبیس کا رخ کیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ بلبیس میں گورنر مصر مقوقس کی بیٹی ارمانوسہ کی شادی قسطنطین بن ہرقل سے ہو رہی تھی۔ مسلمانوں نے جب بلبیس کو فتح کیا تو ارمانوسہ بھی گرفتار ہوئی۔ مگر حضرت عمرو بن العاص نے ارمانوسہ کو مع

ساز و سامان جہیز کے حفاظت کے ساتھ مقوقس کے پاس روانہ کر دیا جس سے مقوقس بڑا متاثر ہوا۔
جون 640ء میں اسلامی لشکر نے بابلیون کے جنوب میں واقع شہر فیوم کے اہم عسکری مقام کو گھیر لیا۔ اسی دوران دربار خلافت نے حضرت زبیر بن عوام کی سرکردگی میں 12 ہزار کا ایک لشکر کمک کے لیے بھیجا۔ یہ لشکر حلیو پولیس کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس سے حضرت عمرو بن العاص کی فوج کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے جلد ہی فیوم کو فتح کر لیا اور پھر وہ بھی اپنی فوج کو لے کر حلیو پولیس پہنچ گئے اور دونوں اسلامی لشکر متحد ہو گئے۔ وسط جولائی 640ء میں رومی سپہ سالار نے عرب فوج کے خلاف باہر نکل کر کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا مگر اسے شکست ہوئی۔ رومی افواج کا بڑا حصہ گورنر مقوقس کے ساتھ بابلیون کی طرف بھاگ گیا جب کہ کچھ فوج تھیوڈور کے ساتھ شمال کی طرف فرار ہو گئی۔ اسلامی فوج نے پہلے بابلیون کا محاصرہ کیا پھر شمال میں واقع چالیس میل دور مانوف اور اثرب کے دو شہروں پر قبضہ کر لیا۔ آخر بابلیون میں مقوقس کو مسلمانوں کی فتح کا یقین ہو گیا اور اس نے جزیہ دینا منظور کر کے مسلمانوں سے صلح اس شرط پر کر لی کہ بازنطینی شہنشاہ ہرقل بھی اس کی منظوری دے گا تو بابلیون مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے گا مگر ہرقل نے اس معاہدہ پر خفگی کا اظہار کیا اور بابلیون کو کمک بھیجی۔ محاصرہ جاری تھا کہ مارچ 641ء میں ہرقل کا انتقال ہو گیا اور مسلمانوں نے بابلیون فتح کر لیا۔ پھر جولائی 641ء میں مسلمانوں نے فتح مصر کے آخری مرحلہ میں اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ ہرقل کے بعد اس کا کم سن بیٹا تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے مقوقس کو ایک مرتبہ پھر گورنر مصر بنا کر بھیجا۔ اس نے پھر مسلمانوں سے معاہدہ صلح کر لیا اور نومبر 641ء تک مصر خالی کرنے کی منظوری شاہ روم سے لے دی اور ستمبر 642ء میں غیر مشروط طور پر بغیر کسی مزاحمت کے سکندریہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

641ء۔ عروسہ نیل

حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر کو فتح کیا تو وہاں قدیم زمانہ سے ایک دستور تھا کہ ہر سال بونہ نامی قبطی مہینہ کی 12 تاریخ کو قبطی مصری ایک کنواری دوشیزہ کو دلہن بنا کر دریائے نیل کی بھینٹ کے طور پر دریا میں ڈال دیتے تھے اور اس دن کو عید قرار دے کر بڑی خوشی مناتے تھے۔ دنیا کی دوسری بت پرست اقوام کی طرح وہ بھی دریائے نیل کو دیوتا مانتے تھے اور انسانی جان کی قربانی پیش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر دریائے نیل کو لڑکی کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے تو وہ ناراض

ہو جائے گا اور اس میں کبھی بھی طغیانی نہیں آ سکے گی جو مصر کی زراعت کے لیے لازم کی حیثیت رکھتی تھی اور یہاں کی زرخیزی کا راز تھی کہ طغیانی ڈیلٹا کے علاقے میں اپنے ساتھ لائی ہوئی مٹی چھوڑ دیتی تھی جو زمین کو زرخیز بنا دیتی تھی اور اس پر مصر کی زراعت کا انحصار تھا۔

حضرت عمرو بن العاص کے پاس قبطیوں کا ایک وفد حاضر ہوا اور انہوں نے قدیم زمانہ کی اس رسم بد پر عمل کرنے کی اجازت چاہی تاکہ مصر کی زرخیزی قائم رہے۔ اس پر عمرو بن العاص نے اس خون ناحق کو مباح نہ سمجھا اور قبطیوں کو جواب دیا کہ اسلام نے ایسی تمام خرافات کو باطل قرار دے دیا ہے اور اس رسم بد کو پورا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ اس سال جب حضرت عمرو بن العاص کے حکم پر دریائے نیل کو بھینٹ نہ دی گئی تو دریا میں طغیانی بھی نہ آئی اور اہل مصر کو زراعت میں مشکلات پیدا ہو گئیں۔ حتیٰ کہ بعض مصری قبائل نے کہ جن کا انحصار صرف زراعت پر تھا نقل مکانی کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے تمام حال دربار خلافت کو لکھ بھیجا اور ان حالات میں ہدایات اور مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو جواب دیا کہ تم نے قبطیوں کو جو جواب دیا وہ بالکل حق ہے۔ میں تمہیں ایک خط بھیج رہا ہوں اسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔ حضرت عمرؓ کا یہ خط مورخین نے کچھ یوں محفوظ کیا ہے۔

دریائے نیل کے نام خط

''اللہ کے بندہ اور مسلمانوں کے امیر کی طرف سے نیل مصر کے نام۔ امابعد! اے نیل اگر تو تُو اپنے اختیار سے بہتا تو نہ بہہ لیکن اگر تیری روانی خداوند قہار کے حکم سے جاری ہے تو ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔''

حضرت عمرؓ کے حکم پر جب ان کا یہ خط دریائے نیل میں ڈالا گیا تو اگلی صبح دریا کی طغیانی لوٹ آئی اور سولہ ہاتھ پانی دریا کی سطح سے بلند ہو گیا۔ اس سال دریا میں جتنا پانی آیا پہلے کبھی نہ آیا تھا اور نہ ہی پھر پچھلے 1400 سال میں طغیانی کبھی کم ہوئی اور آج تک دریا ہمیشہ کی طرح بہہ رہا ہے پھر کبھی خشک نہ ہوا۔

لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ مصر میں بعد کے زمانے میں ''عروسہ نیل'' کے نام سے مٹی کی گڑیا سجا کر ''یوم فتح خلیج'' کے دن پھر دریا میں ڈالی جانے لگی مگر اس کا تعلق دریا کی روانی سے نہیں ہے۔ محض رسم و رواج سے جو یقیناً غیر اسلامی ہیں۔

642ء۔ سکندریہ کے عظیم الشان کتب خانہ کے جلا دینے کا قصہ

17 ستمبر 642ء کو سکندریہ کا شہر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ یہ شہر اس معاہدے کے تحت مسلمانوں کے حوالہ کیا گیا تھا جو مقوقس مصر اور حضرت عمرو بن العاص میں طے پایا تھا۔ اب تک سکندریہ مصر کا صدر مقام تھا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے فسطاط کو صدر مقام قرار دیا اور سکندریہ سے چلے آئے۔

645ء میں بازنطینی شہنشاہ قسطنطین کے حکم پر رومیوں نے بحری راستے سے ایک مرتبہ پھر سکندریہ پر قبضہ کر لیا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے بہت جلد شہر کو دوبارہ فتح کر لیا۔ (646ء) اسی دوبارہ فتح کے دوران سکندریہ کا کتب خانہ جلایا گیا۔ اس زمانے میں سکندریہ دنیا کا سب سے بڑا شہر قرار دیا جاتا تھا اور بطلیموسوں کے زمانے سے علم وفن کا مرکز تھا۔ یہاں بڑے بڑے علماء اور حکماء رہتے تھے جن کی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ رشک ایتھنز بن گیا تھا۔ اقلیدس نے یہاں علم الحساب کا ایک دارالعلوم قائم کیا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں قدیم دنیا کا سب سے عظیم الشان کتب خانہ قائم تھا جسے بطلیموس اول کے منصوبہ پر اس کے بیٹے بطلیموس دوم (246-285 ق م) نے تعمیر کیا۔ بطلیموس دوم نے بے اندازہ دولت خرچ کر کے سکندریہ میں یہ عالیشان کتب خانے قائم کئے تھے۔ ایک شاہی محل میں دوسرا ایک یونانی دیوتا کے مندر میں۔ اس آخری کتب خانے نے دنیا قدیم کے عظیم الشان کتب خانے کی حیثیت پائی۔ اس کتب خانے میں اس کے قائم ہونے کے صرف دو سال بعد ہی سات لاکھ جلدیں (پیپرس کے پلندے) جمع ہو گئیں۔ گویا یہ دنیائے قدیم کے علوم کا ایک نادر ذخیرہ بن گیا۔ قلوپطرہ کے عہد 47 ق م میں جب جولیس سیزر نے سکندریہ پر حملہ کیا تو سکندریہ کی بندرگاہ میں کھڑے ہوئے رومی بحری بیڑے کو دشمنوں سے بچانے کے لیے اس نے آگ لگا دی۔ اس کے شعلے بندرگاہ سے پھیل کر سکندریہ شہر تک پہنچ گئے اور انہوں نے دنیا قدیم کا یہ بے نظیر کتب خانہ جلا کر خاک کر دیا۔

مدتوں تک اس کتب خانے کے جلانے کا الزام حضرت عمرو بن العاص پر لگایا جاتا رہا ہے کہ انہوں نے خلیفہ ثانی کے حکم پر ایسا کیا تھا۔ انیسویں صدی کا مشہور مورخ فلپ کے ہتی اپنی تصنیف ''تاریخ عرب'' میں لکھتا ہے کہ یہ الزام بے بنیاد ہے اور اس وقت سکندریہ میں کوئی ایسا کتب خانہ موجود ہی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ کتب خانہ تو جولیس سیزر کے عہد میں جل چکا تھا۔ فلپ کے ہتی ہی نے

لکھا ہے کہ یہ بے بنیاد قصہ سب سے پہلے عبداللطیف بغدادی نے لکھا تھا جو فتح مصر کے تقریباً چھ سو برس ہو گزرا ہے۔ البغدادی نے دعویٰ کیا تھا کہ خلیفہ ثانی کے حکم پر شہر کے بڑے بڑے حماموں کی بھٹیوں میں چھ ماہ تک کتب خانہ سکندریہ کی کتابیں جھونکی جاتیں رہیں۔ بعد کے مغربی مورخوں نے اس واقعہ کو بہت اچھالا مگر بعد ازاں اس کی تردید بھی اہل مغرب ہی نے شائع کی اور بتایا کہ وہ کتب خانہ تو باقی ہی نہیں تھا اگر ہوتا بھی تو چمڑے اور پیپرز کے رولوں سے بھلا حماموں کی بھٹیاں کیسے گرم ہو سکتیں تھیں؟

اسی کتب خانے کے سلسلے میں مورخین نے لکھا ہے کہ شاید سیزر کے بعد انطونی نے قلوپطرہ کو پرگام کے کتب خانے سے 2 لاکھ جلدیں اسی کتب خانے کے نقصان کی تلافی کرنے کے لیے دیں۔ قلوپطرہ نے اسی کتب خانے کو بحال کیا تھا یا ایک نیا کتب خانہ ''دختر کتب خانہ'' کے نام سے قائم کیا تھا۔ اس کتب خانے کو شہنشاہ اوریلیان Aurelian کے حملہ مصر میں نذر آتش کر دیا گیا تھا یا پھر 390ء میں بازنطینی شہنشاہ تھیوڈوسئس اعظم کے عہد میں سکندریہ کے عیسائیوں نے مذہبی جوش میں قلوپطرہ کے تعمیر کروائے مندر پر ہلہ بول دیا تھا جس سے عمارت اور کتب خانہ دونوں برباد ہو گئے۔

ماخذ: تاریخ عرب، فلپ کے ہتی۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد دوم
مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، مولوی نور احمد۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد 21

641ء۔ جنگ نہاوند یا ایرانیوں کی آخری شکست

جلولا کی لڑائی کے بعد شاہ ایران یزدگرد رے چلا گیا مگر جب وہاں بھی امان نہ ملی تو خراسان میں مرو کے مقام پر اقامت اختیار کی۔ یہاں اس نے نئے سرے سے سلطنت ایران کا منتشر شیرازہ ایک بار پھر ترتیب دیا اور اپنا ملک مسلمانوں سے واپس لینے کے خواب دیکھنے لگا۔ اسی نہج پر چلتے ہوئے اس نے سندھ تک ایرانی صوبہ داروں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر خراسان پہنچیں۔ اس کے حکم پر ایرانی امراء اپنے اپنے لشکر کے ساتھ اس کی مدد کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ یزدگرد نے اس طرح نئے سرے سے ایک بڑا لشکر تیار کیا جسے نہاوند کے مقام پر ایک چھاؤنی میں رکھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھجوائی جس پر

حضرت عمرؓ نے تیس ہزار کا لشکر دے کر نعمان بن مقرن کو بھیجا۔ 3 روز تک فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی تیسرے روز ایرانی مقابلہ چھوڑ کر محفوظ مقامات پر پناہ گزین ہوئے۔ مسلمان لڑائی کو طول نہیں دینا چاہتے تھے لہٰذا ایک جنگی چال کے ذریعے حضرت قعقاع بن عمرو ایرانیوں کو اپنے تعاقب میں لشکر اسلام کے سامنے لے آئے۔ ایک بار پھر اتنی شدید جنگ ہوئی کہ میدان جنگ میں انسانی خون کا سیلاب آ گیا اور گھوڑوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔ اسلامی سپہ سالار نعمان بن مقرن کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ شدید زخمی حالت میں زمین پر آ رہے۔ لڑائی رات تک جاری رہی اور اندھیرا پھیلتے ہی ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ اٹھے۔

اس جنگ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب ایرانی لشکر میں سے بہت تھوڑے جان بچا کر گھروں کو واپس جا سکے۔ ادھر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اُدھر اسلامی سپہ سالار نے کاری زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ جب فتح کی خبر دربار خلافت میں بھجوائی گئی تو جہاں فتح کی خبر سن کر حضرت عمرؓ نے خدا کا شکر ادا کیا وہیں نعمان بن مقرن کی شہادت پر بڑی دیر تک روتے رہے۔ اس لڑائی کے بعد ایرانیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور یہ جنگ اُن کی آخری شکست ثابت ہوئی۔

644ء۔ شہادت خلیفہ ثانی اور خلیفہ ثالث کی مسند نشینی

ابولولو نامی ایک ایرانی غلام مدینہ میں رہتا تھا۔ وہ اتنا قوم پرست تھا کہ جب کبھی شہر میں کم عمر ایرانی غلام بچے دیکھتا تو آ کر ان کا سر سہلاتا اور رو رو کر کہتا ''عربوں نے میرا جگر کھا ڈالا ہے۔'' وہ نقاش اور آہن گری کا کاریگر تھا۔ ایک دن اس نے حضرت عمرؓ سے اپنے مالک مغیرہ بن شعبہ کی شکایت کی کہ اس سے جو روزانہ اجرت وصول کی جاتی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے معلوم کرنے پر اس نے بتایا کہ یہ اجرت دو درہم ہے۔ اس کے پیشے کا سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو کچھ گراں نہیں لیکن اس کے مالک سے اس کی سفارش بھی کر دی۔ ابولولو حضرت عمرؓ کے جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ کچھ تلخ جواب دے کر وہ اپنے دیگر ہموطنوں (ہرمزان اور جفینہ) کے پاس پہنچا اور ان لوگوں سے اس نے ایک خنجر مستعار لیا۔ اتفاق سے عین اسی وقت ایک مسلمان کا گزر اُدھر سے ہوا ان کی کانا پھوسی سن کر وہ رکا تو ابولولو کے ہاتھ سے وہ خنجر گر گیا۔ مسلمان نے ان لوگوں کو کوئی

اہمیت نہ دی اور چلا گیا۔

اگلی صبح نماز فجر کے وقت جب حضرت عمرؓ مسجد نبوی (ﷺ) میں امامت کے لیے محراب کی طرف جا رہے تھے تو ابولولو نے اچانک ان پر خنجر سے حملہ کر دیا جس سے آپ مہلک طور پر زخمی ہو گئے۔ جب اسے گرفتار کیا گیا تو ابولولو نے خودکشی کر لی۔ جدید مورخین جن میں محمد حسین ہیکل اور عباس محمود العقاد نمایاں ہیں نے لکھا ہے کہ یہ اہل فارس کی سازش تھی۔ زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور نماز پڑھانے کا کہا مگر وہ سمجھے شاید مجھے اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بے ساختہ کہا کہ خدا کی قسم میں اس میں کبھی نہ پڑوں گا۔ بستر مرگ پر غیر مسلموں کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود انہوں نے وصیت کی کہ غیر مسلم رعایا سے اچھا سلوک کیا جائے۔

سب سے اہم مسئلہ جانشینی کا تھا کسی نے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر ولی عہد نامزد کروں تو مجھ سے بہتر شخص (یعنی ابوبکر) کی نظیر موجود ہے، نہ کروں تو یہ رسول اللہ (ﷺ) کی سنت ہے۔ کئی بار فرمایا حضرت ابوعبیدہ یا سالم مولیٰ ابوحذیفہ زندہ رہتے تو بلا تامل جانشین مقرر کر دیتا۔ حضرت علیؓ کو دوسرے صحابہ کرام پر ترجیح دیتے تھے۔ جب لوگوں نے ان کا کہا تو آپ نے جواب دیا کہ میں زندگی کی طرح مرنے کے بعد حکومت نہیں کرنا چاہتا۔ چونکہ وہ آپ کے خسر تھے اس لیے آپ پر کنبہ پروری کا الزام بھی لگ سکتا تھا۔ پھر آخر فرمایا کہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کو منتخب کر لیں۔ پھر چھ ارکان کی ایک کمیٹی انتخاب مقرر کر دی جسے آپ کی وفات کے بعد اجلاس میں آپ کے جانشین کا فیصلہ کرنا تھا۔ پھر یہ بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے کندھوں پر آ پڑا۔ آپ نے وفات کے تیسرے دن حضرت عثمانؓ کا انتخاب کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اپنی وفات سے ذرا پہلے حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا کہ کہنا کہ عمر چاہتا ہے آپ کے حجرے میں اس کے دو محترم رفیقوں کے پہلو میں اسے جگہ دی جائے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ یہ جگہ خود اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھیں مگر خود پر حضرت عمرؓ کو ترجیح دیتی ہوں۔

حضرت عائشہؓ کی اجازت کا سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ الحمدللہ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہی تھی جو پوری ہوئی۔ پھر اپنے صاحبزادے کو وصیت کہ میرا جنازہ لے کر جب سیدہ کے حجرے پر پہنچو تو پہلے سلام عرض کرنا اور کہا کہ عمر اجازت چاہتا ہے۔ اگر اجازت ملے تو ٹھیک ورنہ گورغریباں

میں دفن کر دینا۔

وفات کے بعد آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق رسول اللہ (ﷺ) کے پہلو میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس دفن کیا گیا۔ ولید بن عبدالملک کی خلافت کے زمانے میں مزار نبوی (ﷺ) والے حجرے کی ایک دیوار منہدم ہوگئی جس سے ایسی خوشبو پھیلی کہ سارا مدینہ طیبہ معطر ہوگیا۔ دیوار کے انہدام کی جگہ پر ایک پاؤں نظر آیا۔ ماہرین نے بتایا کہ "یہ حضرت عمر کے مرقد کی جگہ ہے" اس کی وجہ السہودی نے اپنی کتاب میں یہ لکھی کہ چونکہ آپ تینوں صاحبان عالی مرتبت میں طویل القامت تھے اس لیے جب ان کو دفن کیا گیا ان کا سر حضرت ابوبکرؓ کے کندھے کے برابر رکھا گیا تو حجرہ مبارک ان کے قد کے لیے ناکافی ہوگیا۔ اس لیے ان کے قدموں کی جگہ پیدا کرنے کے لیے ایک دیوار کے پائے میں نقب لگانا پڑی۔ پائے سے محروم اسی دیوار کو بعد ازاں یہ حادثہ پیش آیا۔

29 ذی الحجہ 23ھ کو خلیفہ ثالث کے ہاتھ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بیعت کی۔ ان کے بیعت کرتے ہی لوگ چاروں طرف سے حضرت عثمانؓ پر ٹوٹ پڑے اور بیعت کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے بھی فوراً یا کچھ دیر بعد بیعت کر لی۔ حضرت طلحہ بیعت عثمان کے بعد مدینہ تشریف لائے۔ اس پر حضرت عثمان نے انہیں کہلا بھیجا کہ وہ چاہیں تو اس بیعت کو باقی رکھیں چاہیں تو رد کر دیں۔ حضرت طلحہ نے پوچھا کیا سب لوگوں نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔ سب نے ہاں میں جواب دیا۔ اس پر حضرت طلحہ نے فرمایا کہ اکثریت کا فیصلہ مجھے قبول ہے۔

بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ نے خطبہ دیا۔ پھر دربار خلافت میں جو پہلا مقدمہ پیش ہوا وہ یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ابولولو کے ساتھیوں کو انتقاماً قتل کر دیا تھا۔ ان کو اس حرکت کے ارتکاب پر گرفتار کر لیا گیا تھا۔ قریب تھا کہ ان کے قصاص میں حضرت عبداللہ بن عمر کو قتل کر دیا جاتا کہ حضرت عثمانؓ نے ہرمزان کے بیٹے کو بلا کر اپنے پاس سے دیت ادا کر دی اور اسے کہا کہ اگر وہ چاہے تو عبداللہ کو انتقاماً قتل کر سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ اور مسلمانوں کے لیے قصاص سے درگزر کرتا ہوں۔ اس کے فیصلہ سے لوگ اتنے خوش ہوئے کہ اسے کندھوں پر اٹھا کر اس کے گھر تک لے گئے۔

ماخذ: انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد 2/14، تاریخ ملت جلد اول
تاریخ طبری۔ تاریخ مدینہ از السہودی

645-46ء۔ فتح آرمینیا و آذربائیجان

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ایسی عظیم الشان فتوحات اتنی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئیں کہ جن کی نظیر اس سے پیشتر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اسلامی مملکت کے دائرے اتنے پھیل گئے کہ اس کی حدود سندھ سے لے کر اندلس تک جا پہنچی۔ ملک شام کی فتح اور عربوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی شکست کے بعد سے آذربائیجان اور آرمینیا کے خلاف مہمات بھیجی گئیں۔ 640ء میں مسلمانوں نے ان ممالک پر پہلا حملہ کیا۔ 642ء میں ایک دوسرا حملہ کیا گیا۔ اس حملہ میں شمال مشرقی آرمینیا میں چار مسلمان فوجی دستوں نے پیش قدمی کی لیکن وہ ہر طرف پیچھے دھکیل دیئے گئے۔ ان فوجی دستوں میں سے دو کی قیادت حبیب بن مسلمہ اور سلمان بن ربیعہ کر رہے تھے۔

645-46ء کے آخر میں اس ملک پر پہلی مرتبہ سب سے بڑا حملہ بعہد خلافت حضرت عثمانؓ حضرت امیر معاویہ کے حکم پر حبیب بن مسلمہ نے کیا۔ یہ سپہ سالار پہلے ارض روم کی جانب بڑھا جو بازنطینی آرمینیا کا دارالحکومت تھا۔ اس شہر کو ایک مختصر محاصرے کے بعد فتح کر لیا گیا۔ حبیب بن مسلمہ نے ایک بڑی بازنطینی فوج کو جو خذر اور الان Alan کے معاون عساکر سے کمک حاصل کر کے اسے دریائے فرات کے کنارے روکنے کیلیے آگے بڑھیں تھیں، شکست دی۔ اس کے بعد اس نے جنوب، مشرقی آرمینیا میں جھیل وان کا رخ کیا اور اخلاط اور موکس Moks کے مقامی سرداروں کی اطاعت کی پیشکش کو قبول کر لیا۔ جھیل وان کے شمال مشرقی کنارے پر ایک اور ارمنی فوج نے بھی عرب فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر حبیب بن مسلمہ دارالسلطنت دوین کا محاصرہ کرنے کے لیے آگے بڑھا مگر وہاں کے شہریوں نے اطاعت اختیار کی۔ ارمنی مورخین نے عرب فتوحات آرمینیا کا جو حال دیا ہے اس میں عرب مورخین سے اختلاف ہے۔ ارمنی مورخ لکھتے ہیں کہ عرب فوج سب سے پہلے 642ء میں کوہ ارارط Ararat کے علاقے تک پہنچی اور دارالسلطنت دوین کو فتح کر کے اسی راستے سے واپس چلی گئی مگر جاتے ہوئے پینتیس ہزار جنگی قیدیوں کو ساتھ لے گئی۔ آئندہ سال مسلمان از سر نو آرمینیا میں داخل ہوئے اور انہوں نے کوہ ارارط کے علاقے کو تاراج کیا اور جارجیا (گرجستان) تک پہنچ گئے۔ تاہم ایک ارمنی امیر تھیوڈورس رشتونی Theodorus Rshtuni کے ہاتھوں شکست کھا کر وہ واپس چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد اس ارمنی امیر کو بازنطینی شہنشاہ نے اپنی افواج کا سپہ سالار بنا دیا۔ یوں

ارمینیا نے کئی برسوں کے بعد بازنطینی سیادت قبول کر لی۔ لیکن تھیوڈورس نے عربوں کا حملہ روکنے کے لیے برضائے خود ملک ان کے حوالے کر دیا اور حضرت امیر معاویہ سے معاہدہ طے کر لیا۔

ماخذ: اسلامی انسائیکلوپیڈیا جلد اول۔ تاریخ یعقوبی، تاریخ ملت جلد اول، تاریخ ابن کثیر جلد 7

647ء۔ براعظم افریقہ میں مسلمانوں کے قدم

حضرت عمرو بن العاص کو معزول کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔ انہیں ہی حضرت عثمانؓ نے بلاد افریقہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ عبداللہ نے پہلا حملہ 645ء میں کیا مگر انہوں نے 647ء 27ھ میں افریقہ پر جو حملہ کیا وہ کامیاب ترین اور اہم تھا۔ اس مہم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی شریک تھے۔ افریقہ کا بازنطینی گورنر جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ دونوں فوجیں جب آمنے سامنے آئے تو جرجیر کے حکم پر رومیوں نے اسلامی لشکر کو نیم دائرے کی شکل میں گھیر لیا۔ دونوں طرف کے بہادری بڑی جرات اور بے جگری سے لڑے۔ دوران جنگ رومی گورنر نے اعلان کیا کہ جو شخص مسلمانوں کے سپہ سالار (عبداللہ بن ابی سرح) کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ دینا انعام دیا جائے گا اور اس سے شہزادی کی شادی بھی کی جائے گی۔

اس کے جواب میں ابن ابی سرح نے عبدالرحمٰن بن زبیر کے مشورہ پر اعلان کرایا کہ جو شخص رومی گورنر جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا اور اس کی شادی جرجیر کی بیٹی سے کر دی جائے گی بلکہ جرجیر کی حکومت بھی اسے عطا کر دی جائے گی۔

اس چیلنج کو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے قبول کیا اور جرجیر کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ رومیوں کی صفوں کے پیچھے ان کا گورنر ایک ترکی گھوڑے پر سوار جنگی ہدایت دے رہا ہے اور دو لڑکیاں موروں کے پر سے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ابن ابی سرح کو پیغام دیا کہ وہ رومی گورنر کا قصد کرتے ہیں۔ آپ جانبازوں کا ایک دستہ پشت پر حفاظت کے لیے متعین کر دیجیے پھر صفوں کو چیرتے ہوئے جرجیر کے سر پر پہنچ گئے۔ جب اس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنے سر پر پایا تو میدان سے بھاگ نکلا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اس کا تعاقب کیا اور اسے اپنے نیزے سے ضرب لگائی۔ پھر جب وہ گھوڑے سے گر پڑا تو اس کا سر کاٹ

کر نیزہ پر نصب کر لیا اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جب اس کے ساتھیوں نے یہ نظارہ دیکھا تو میدان سے فرار ہو گئے۔ پھر مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے بلاد مغرب لرز اٹھے اور مجاہدین نے مراکش تک پرچم اسلام کو لہرا دیا۔

عربی میں براعظم افریقہ کے مشرقی حصے (بربرستان) کو افریقیہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ مغربی افریقہ کے لیے ''المغرب'' کا نام مخصوص ہے۔ افریقیہ لاطینی لفظ افریقہ Africa کی ایک شکل ہے۔ یہ نام رومیوں نے شروع میں اس صوبہ کو دیا تھا جس کی تشکیل انہوں نے قرطاجنہ کی تباہی کے بعد کی تھی۔ عرب جغرافیہ نویسوں کے نزدیک افریقیہ کی حد مشرق میں برقہ اور مغرب میں طنجہ تھیں۔ شمالاً جنوباً یہ بحیرہ روم سے صحرا تک پھیلا ہوا ہے

649ء۔ اسلام کی پہلی بحری جنگ

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہ نے انہیں درخواست کی تھی کہ وہ بحری جنگ لڑنے کی اجازت عطا کریں۔ اس درخواست کی وجہ یہ تھی کہ حمص بحیرہ روم کے بالکل قریب واقع تھا اور اہل حمص کے نزدیکی گاؤں میں بحیرہ روم میں واقع جزیرے قبرص کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اور مرغیوں کے چلانے تک کی آوازیں سنائی دیتیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس درخواست پر سمندر اور اس کے مسافروں کا حال طلب کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے بحری سفر کی رپورٹ دربار خلافت میں بھیجی۔ اس میں لکھا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو کشتیوں پر سوار دیکھا ہے جب کشتی چھلکتی ہے تو دل دہلنے لگتا ہے جب یہ حرکت کرتی ہے تو مسافروں کے حواس اُڑ جاتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ رپورٹ پڑھی تو فرمایا کہ میں سمندر پر کسی مسلمان کو کبھی سوار نہیں کراؤں گا۔ دوسرے لفظوں میں سمندری جنگ سے منع کر دیا۔

پھر جب حضرت عثمان غنیؓ کا زمانہ آیا تو امیر معاویہ نے ان سے بھی بحری جنگ کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت معاویہ نے قبرص پر حملہ کرنے کے لیے بحری جہاز تیار کرائے اور ان پر سوار ہو کر قبرص پر حملہ آور ہوئے۔ ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابی سرح بھی اس مہم میں شامل تھے۔ عبداللہ بن قیس حارقی کو اس مہم کا بحری کمانڈر بنایا گیا۔ اس بحری فوج نے موسم سرما اور موسم گرما میں جزیرے پر مختلف حملے کئے مگر کوئی جانی نقصان نہ ہوا لیکن ان

حملوں میں عبداللہ بن قیس شہید ہو گئے۔

پھر حضرت امیر معاویہ نے خود قبرص پر حملہ کیا اور بہت سے دشمنوں کو جنگی قیدی بنایا۔ اہل قبرص نے سالانہ جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کر لی اور جزیرہ پر مستقل قبضہ نہ ہو سکا۔ اس مہم میں ام حرام زوجہ عبیدہ بن حارث شریک تھیں وہ اس مہم کے دوران گھوڑے سے گر کر شہید ہوئیں۔ لارنقہ Larnca کے قریب ان کا مزار آج بھی مرجع خائق ہے۔ بہت جلد اہل قبرص نے مسلمانوں سے کیا معاہدہ توڑ دیا جس کے نتیجہ میں دوسری مہم 33ھ 654ء میں بھیجی گئی اور جزیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور مسلمان جزیرے پر آباد ہونے لگے۔ اشاعت اسلام کا آغاز ہوا۔

ماخذ: تاریخ طبری جلد سوم صفحہ 316۔ تاریخ ابن کثیر جلد 7 صفحہ 304

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد 1/16 پنجاب یونیورسٹی

652-55ء۔ غزوۃ ذات الصواری

ذات الصواری مسلمانوں اور بازنطینیوں میں لڑی جانے والی پہلی باقاعدہ بحری جنگ تھی جو ایشیائے کوچک میں جزیرہ روڈز کے قریب فونکن کے مقام پر لڑی گئی۔

مشہور مورخ ابن کثیر لکھتا ہے کہ 31ھ 652ء میں غزوہ ذات الصواری سمندر میں پیش آیا۔ یہ اسلام کی دوسری بحری جنگ تھی۔ اسی سال حضرت معاویہ کو حضرت عثمان غنی نے پورے ملک شام کا عامل بنایا تھا۔ حضرت معاویہ شام کی حفاظت کے لیے ہر سال موسم گرما میں رومیوں سے جنگ لڑتے تھے۔ جب افریقیہ اور اندلس پر حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے حملہ کیا اور وہاں کی افواج کو شکست دی تو اس پر رومی برافروختہ ہوئے اور انہوں نے قیصر قسطنطین بن ہرقل کو متفقہ طور پر اپنا رہنما چنا کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے۔ قسطنطین پانچ سو بحری جہازوں کے ایک بیڑہ لے کر بحیرہ روم میں حضرت عبداللہ بن ابی سرح اور دوسرے مسلمانوں پر حملہ کے قصد سے بڑھا۔ جب سمندر میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو رومی رات بھر ناقوس بجاتے رہے اور مسلمان نمازیں پڑھ کر اللہ سے نصرت و فتح کی دعائیں مانگتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو قسطنطین نے جنگ کرنے کا عزم صمیم ظاہر کیا۔ حضرت عبداللہ بن سعد نے جہازوں پر اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی اور جہازوں کو ایک دوسرے کے قریب کر کے آپس میں باندھ لیا۔ جب رومی جہاز قریب آئے تو مسلمانوں نے ان سے پوچھا کہ وہ سمندر میں لڑنا پسند کریں گے یا خشکی پر؟ رومیوں نے

سمندر کو لڑائی کے لیے پسند کیا۔ اس پر مسلمانوں نے اپنے جہازوں کو ان کے جہازوں سے باندھ لیا اور رومیوں پر حملہ آور ہوئے۔ دونوں لشکروں میں شمشیر زنی ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا یہاں تک کہ سمندر کا پانی انسانی خون سے سرخ ہو گیا۔ موجوں نے انسانی لاشوں کو ساحل پر پھینک دیا جہاں لاشوں کے انبار لگ گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے جس استقلال کا مظاہرہ کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ مسلمانوں کے بہت سے ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ دوسری طرف اس سے کئی گنا رومی بھی مارے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سرفراز فرمایا اور قسطنطین کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ قسطنطین کو اس جنگ میں شدید زخم لگے اور وہ مدتوں تک ان کا علاج کرتا رہا۔ فتح کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کئی روز ذات الصواری میں قیام کیا اور پھر مظفر و کامران واپس ہوئے۔

طبری اور ابن کثیر دونوں نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس بحری جنگ میں محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر بھی شریک تھے وہ دونوں حضرت عثمانؓ کے افعال سے باغی تھے اور ان کے بارے میں باغیانہ گفتگو کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن سعد نے انہیں حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ سوار نہ ہوں مگر انہوں نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ سوار ہو کر جائیں گے۔ محمد بن حذیفہ اس جنگ میں تن تنہا ایک کشتی میں سوار ہو کر گئے۔

ماخذ: تاریخ طبری جلد سوم صفحہ 350۔ تاریخ ابن کثیر جلد 7

652ء۔ ساسانی خاندان کے آخری تاجدار کا قتل

ساسانی عہد کے آخر میں صرف چار سال کے عرصہ میں دس حکمران عظیم ساسانی بادشاہوں کے تخت پر بیٹھے مگر سب کے سب کمزور اور نااہل ثابت ہوئے۔ گویا یہ آخری دور ایک تیز متحرک فلم کی طرح تھا جس میں لحظہ بہ لحظہ منظر بدلتے جا رہے ہوں۔

مشہور ایرانی سپہ سالار شہر براز کے غاصبانہ قبضے کے بعد خسرو سوم جو قباد دوم (شیرویہ) کا بیٹا تھا تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد خسرو پرویز کی ایک بیٹی بوران دخت تخت نشین ہوئی۔ اس کی تخت نشینی کی خبر جب رسول اللہ (ﷺ) کی ملی تو آپ (ﷺ) نے فرمایا ''وہ قوم جو ایک عورت کو حکومت کی عنان سونپ دیتی ہے کبھی آسائش نہیں پاتی۔'' بوران دخت نے چھ ماہ حکومت کی تھی کہ بیماری نے اسے

ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد خسرو سوم کا بھائی گشتاسپ تخت نشین ہوا لیکن اسے بھی نااہل سمجھ کر تخت سے اتار دیا گیا۔ اس کے بعد خسرو پرویز کی دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت نشین ہوئی۔ آزرمی دخت نے یہ پسند نہ کیا کہ کسی کو اپنا وزیر بنائے۔ چنانچہ خود ہی اپنے نازک ہاتھوں میں عنان حکومت سنبھالے رہی مگر اس نے عدل گستری سے حکومت چلائی۔ اس زمانے کا ایک نامور ایرانی سپہ سالار فرخ ہرمز جو خراسان کا حکمران تھا آزرمی دخت سے شادی کا خواستگار ہوا۔ کہتے ہیں کہ آل ساسانی میں اس وقت ملکہ سے خوبصورت کوئی عورت نہ تھی۔ ملکہ نے فرخ کو کہلا بھیجا کہ اگر اس نے اس کی تخت نشینی سے پہلے شادی کی درخواست کی ہوتی تو ضرور قبول کی جاتی مگر ملکہ بننے کے بعد معاملہ کچھ اور ہے۔ ساتھ ہی اس نے فرخ کو مدائن آ کر سلطنت کے بارے میں مشورہ دینے کی دعوت دی۔ اس دعوت پر جب وہ دارالسلطنت پہنچا تو آزرمی دخت نے اس کا سر قلم کروا دیا۔ فرخ ہرمز مشہور ایرانی سپہ سالار رستم کا باپ تھا۔ رستم نے اپنے باپ کے انتقام میں مدائن پر حملہ کیا اور ملکہ کو قتل کر کے اپنے انتقام کی پیاس بجھائی۔

آزرمی دخت کے بعد 630ء سے 632ء تک کے درمیان ہرمز پنجم، خسرو چہارم اور فرخ زاد خسرو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے اور ساسانی تخت و تاج بازیچہ اطفال بنا رہا جس سے مملکت ایران خطرے میں پڑ گئی اور مرکزیت ختم ہوتی چلی گئی اور فوجی سالاروں کا اقتدار بڑھ گیا۔ انہیں حالات میں عرب و ایران کا تصادم پیش آیا۔ فرخ زاد کے بعد اردشیر اور نوشیرواں جیسے عظیم بادشاہوں کا تخت خالی پڑا تھا اور آل ساسان میں کوئی شخص نہ تھا جسے تخت نشین کیا جا سکے۔ آخر بڑی تلاش کے بعد یزدگرد سوم کو جو شہریار بن خسرو پرویز کا بیٹا تھا استخر سے مدائن لا کر تخت نشین کیا گیا (632ء)

یزدگرد نے تخت سنبھالا تو اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ حملہ آور مسلمانوں کا تھا جو دریائے فرات کے آس پاس کے بیش تر علاقوں کو فتح کر چکے تھے۔ یزدگرد نے ایرانی فوج کو از سر نو منظم کیا اور تمام تر ملکی وسائل جنگی تیاریوں کے لیے وقف کر دیئے۔ وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو حیرہ سے پرے دھکیل کر خود عرب پر حملہ کرے جو مسلمانوں کا مرکز تھا مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور اس کی تخت نشینی کے چند ہی سال بعد خود اسے اپنا دارالحکومت چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ یزدگرد پہلے حلوان اور پھر وہاں سے آذربائیجان پہنچا۔ پے در پے شکستوں کے باوجود یزدگرد نے نہاوند کے مقام پر ایک بڑی فوج کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہا مگر یہ اس کی آخری جنگ ثابت ہوئی اور جب وہ میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر بھاگا تو اس کے پاس ذاتی محافظوں کا ایک دستہ باقی

بچا تھا۔ یہاں سے شہنشاہ خراسان کی طرف بھاگا جب اس نے نیشاپور، طوس اور مرو کی طرف کوچ کیا تو نہ تو اس کے پاس فوج تھی نہ روپیہ بلکہ چار ہزار لونڈیاں بیویاں اور گھریلو نوکر بقایا رہ گئے تھے۔ مرو میں وہاں کے صوبہ دار ماہویہ نے یزدگرد کو گرفتار کرنے کے لیے شاہی خیمہ گاہ پر حملہ کیا۔ اس پر شہنشاہ کو جان بچا کر تن تنہا بھاگنا پڑا۔ اس کا یہ فرار ہمیں ہخامنشی حکمران دارا کی یاد دلاتا ہے جو اسی طرح سکندر اعظم کے ڈر سے بھاگا تھا مگر دونوں حکمرانوں کا انجام بڑا دردناک ہوا۔ یزدگرد نے ترکستان کی سرحد کے قریب ایک چکی والے کے ہاں پناہ لی مگر اسی چکی والے نے اس کے طلائی ملبوسات کے لالچ میں اسے قتل کر کے اس کی لاش ایک نہر میں پھینک دی۔ کہتے ہیں ایک مقامی مسیحی پادری کو یہ لاش ملی اور اس نے اسے گرجا میں دفن کر کے پناہ دے دی۔ یہ تھا انجام اس بادشاہ کے پوتے کا جس نے نامہ نبوت کو پارہ پارہ کرنے کی جسارت کی تھی۔

اس طرح ساسانی خاندان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے آخری تاجدار کے ساتھ ختم ہو گیا۔

یزدگرد کا ایک بیٹا فیروز چین کی طرف بھاگ گیا۔ چین نے ان دنوں مشرقی ترک سلطنت (کوک) پر فتح پائی تھی فیروز چینی لشکر کے ساتھ آیا تا کہ اپنے آبائی ملک کو ایک چینی گورنر کی حیثیت سے فتح کرے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ساسانی خاندان کی ایک شہزادی اور یزدگرد کی ایک بیٹی شہر بانو نے خلیفہ چہارم کے صاحبزادے حضرت حسینؓ سے شادی کی تھی۔ باقی ماندہ ساسانی خاندان کے افراد پہلی صدی ہجری میں مرو میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے تاج و تخت ایران کے ایک مدعی نے 729-728ء میں اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت بھی کی مگر وہ بھی ناکام رہا۔

ماخذ: اسلامی انسائیکلوپیڈیا جلد 10 تاریخ طبری۔ تاریخ ایران مقبول بیگ بدخشانی

656ء۔ شہادت حضرت عثمانؓ

حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت کے آخری حصے میں عالم اسلام فتنوں کا شکار ہوا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب تک حضرت عثمان کے ہاتھ میں خاتم نبوت (وہ انگوٹھی جس سے رسول اللہ (ﷺ) عجمی اکابر کو بھیجے جانے والے خطوط کو مہر لگایا کرتے تھے) رہی عالم اسلام فتنوں سے محفوظ رہا۔ 30ھ 651ء میں یہ انگوٹھی حضرت عثمان کے ہاتھ سے مدینے سے باہر ایک کنویں میں گر گئی۔ یہ انگوٹھی رسول اللہ (ﷺ) کی وفات کے بعد سے خلفاء کرام کے ہاتھ میں تھی اور سرکاری

مہر کے طور پر استعمال کی جاتی رہی تھی۔ حضرت عثمان بھی اپنی خلافت کے چھ برس تک اسی انگوٹھی سے مہر لگاتے رہے۔ 30ھ میں حضرت عثمان نے اہل مدینہ کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔ اسی کنویں کے سرے پر آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے نکل کر کنویں میں گر پڑی۔ بہت تلاش کیا گیا مگر انگوٹھی نہ مل سکی یہاں تک کہ کنویں کا سارا پانی نکلوا دیا گیا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ حضرت عثمان نے اعلان کیا کہ جو اس انگوٹھی کو لے کر آئے گا اسے بھاری رقم انعام دی جائے گی مگر پھر بھی یہ انگوٹھی نہ مل سکی۔ حضرت عثمان کو اس انگوٹھی کے گم ہونے کا بہت رنج ہوا۔ آنحضرت (ﷺ) کی اس یادگار انگوٹھی کی گمشدگی کے دن سے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں کہتے ہیں کہ فتنوں کا آغاز ہوا۔ یہی فتنے بالآخر آپ کی شہادت کا باعث بنے۔

خلافت عثمانی کے بارہ سالہ دور کے نصف اول میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مال غنیمت اور محاصل میں اضافہ اور معاشرت میں خوشحالی آئی مگر ساتھ ہی معاشرے میں بگاڑ اور فتنہ وفساد کا عنصر شامل ہوتا چلا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ان فتنوں کے پیچھے داخلی اور خارجی دونوں عوامل تھے مفتوحہ ممالک کی عوام کا اسلام کے خلاف ردعمل سازشوں کی شکل میں اور بنی ہاشم اور بنی امیہ کی قدیمی چشمک سبھی نے مل کر اس فتنہ کبریٰ کی شکل اختیار کر لی جو بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس بغاوت کا سرغنہ ایک بظاہر مسلمان مگر یہودی عبداللہ بن سباء تھا اس نے محبّ اہل بیت کے طور پر بنی امیہ اور بنی ہاشم کی قدیم عداوت کو ہوا دی اور ایک وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کا جال بچھایا۔ آپ پر الزام لگایا گیا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بیت المال سے بڑی بڑی رقوم دیتے ہیں اور عراق سے مصر تک آپ نے اپنے عزیزوں کو بڑے بڑے عہدوں سے سرفراز کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ حضرت عثمان ان الزامات سے مبرا تھے۔ باغیوں کے ابتدائی مراکز تو کوفہ وبصرہ تھے مگر 35ھ 656ء میں باغیوں نے مدینہ کا رخ کیا۔ اس زمانہ میں بسبب حج مدینہ تقریباً خالی تھا۔ ان باغیوں نے پہلے تو امیر المومنین کا مسجد نبوی (ﷺ) آنا جانا دشوار کر دیا پھر آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا جو تقریباً چالیس دن جاری رہا۔ اسی دوران امیر المومنین نے کئی بار مکان کی چھت سے باغیوں کو خطاب فرمایا اور شورش پسندی سے باز رہنے کی تلقین کی اور رسول اللہ (ﷺ) سے اپنی قرابت داری اور نیاز مندی کے حوالے دیئے اور اسلام کے لیے اپنی خدمات گنوائیں مگر سب بے سود ثابت ہوئیں۔ آخر آپ نے باغیوں کو متنبہ کیا کہ بخدا اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھ سکو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کر سکو گے۔ ان

پند ونصائح کے جواب میں باغیوں نے ان سے خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کیا اور مدینہ چھوڑ کر مملکت کے کسی اور حصے میں چلے جانے کا کہا، لیکن حضرت عثمان نے انکار کر دیا اور جواب دیا کہ نہ تو میں اس قمیض کو اتاروں گا جو اللہ نے پہنائی ہے اور نہ ہی دیار رسول (ﷺ) سے جدائی اختیار کروں گا۔ آپ کا یہ انکار آنحضرت (ﷺ) کے ایک ارشاد مبارکہ کے عین مطابق تھا۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے بعض اکابر صحابہ جن میں حضرت علی پیش پیش تھے آپ کی حفاظت کے لیے اپنے فرزندوں کو ان کی قیام گاہ کے باہر مقرر کر دیا ان میں حضرت امام حسینؓ اور امام حسنؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل تھے۔ عوام کے ایک جم غفیر نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ امیر المومنین باغیوں سے مقابلہ کرنے کی اجازت دیں مگر آپ نے فرمایا کہ جس پر میرا کچھ حق ہے وہ ہاتھ روکے رکھے اور اپنے گھر کو چلا جائے۔ حضرت عثمان کو مسلمانوں میں خانہ جنگی کرانا مقصود نہ تھا۔ آخری دنوں میں تو یہ نوبت آ پہنچی کہ امیر المومنین کا پانی بند کر دیا گیا، انہیں پتھر مارے گئے، گھر کے ایک حصے کو آگ لگا دی گئی، سامان لوٹ لیا گیا، لیکن انہوں نے یہ تمام مصائب انتہائی استقلال کے ساتھ برداشت کیے مگر کسی کو ان باغیوں سے جنگ نہ کرنے دی اور اپنے ذاتی تحفظ کے لیے مدینہ النبی کی حرمت پر آنچ نہ آنے دی۔ ان کو آنحضرت (ﷺ) کی پیشن گوئی یاد آ رہی تھی جو ان کی شہادت کے متعلق تھی۔ آخری رات انہوں نے آنحضرت (ﷺ) کو دیکھا۔ آپ (ﷺ) خواب میں فرما رہے تھے ''اے عثمان! روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا۔'' آخر کار یوم الجمعہ 18 ذوالحجہ 35ھ کو چند باغیوں نے گھر میں داخل ہو کر خلیفہ ثالث کو اس وقت شہید کر دیا جب وہ تلاوت کر رہے تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک 80 سال سے زائد تھی۔ مورخین کے مطابق آپ کی لاش کو حضرت علیؓ بن ابی طالب، طلحہ، زبیر، کعب بن مالک، زید بن ثابت نے جنت البقیع میں مشرقی جانب ''حش کوکب'' میں دفن کیا۔

شہادت عثمانؓ پر صحابہ کرام دم بخود رہ گئے۔ کئی صحابہ کرام نے فرمایا کہ اسلام میں سب سے پہلا فتنہ قتل عثمان ہے اور سب سے آخری فتنہ دجال ہوگا۔

ماخذ: تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر، انسائیکلوپیڈیا جلد 12
انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، ولیم ایل لینگر، ڈکشنری آف اسلام

656ء۔خلیفہ چہارم کی مسند نشینی

لافتح الاعلی رضی اللہ عنہ، لاسیف الاذوالفقار

باغیوں نے خلیفہ سوم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دوہرے داماد حضرت عثمانؓ کو شہید تو کر دیا لیکن رائے عامہ کے ردعمل سے گھبرائے اور چاہا کہ مدینہ کی کسی طاقتور شخصیت کے پیچھے اپنے آپ کو چھپالیں۔اس موقع پر سب سے ممتاز شخصیت حضرت علیؓ کی تھی۔سب سے پہلے وہ انہیں کے پاس آئے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ گوشہ نشین ہونا چاہتے ہیں۔تقریباً یہی جواب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے دیا۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی انکار کر دیا۔ اس پر باغی بہت گھبرائے کہ اس جرم کے ارتکاب کے بعد وہ اگر دارالحکومت سے اپنے وطنوں کی طرف انہی حالات میں چلے گئے تو بُرا ہوگا۔طبری کے مطابق ان حالات میں انہوں نے مدینہ کے کمزور شہریوں پر دباؤ ڈالا اور دھمکی دی کہ اگر تین دن کے اندر انہوں نے کسی موزوں شخص کو خلافت قبول کرنے پر آمادہ نہ کیا تو وہ مدینہ کی بڑی شخصیات حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور دیگر شخصیات کا قتل عام کریں گے۔یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور اہل مدینہ نے حضرت علیؓ کو خلافت قبول کرنے کا اصرار کیا مگر آپ مسلسل انکار پر ڈٹے رہے۔حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے انکار پر اہل مدینہ دوبارہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رو رو کر کہنے لگے کہ کیا آپ ہم پر رحم نہیں کریں گے؟ اہل مدینہ کی اس گریہ زاری پر حضرت علیؓ نے اپنی معذرت پر اصرار کرتے ہوئے فرمایا ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو تمہیں اپنی مرضی کے مطابق چلاؤں گا اور کسی بات اور عتاب کی پروانہ کروں گا، اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تم میں ایک فرد کی طرح رہوں گا اور جس کو تم امیر چنو گے میں شاید اس کا تم سے زیادہ مطیع ہوں گا، یہ بات تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' سب نے یک آواز ہو کر کہا کہ ہمیں آپ کی تمام شرطیں بلا چوں و چراں قبول ہیں۔اس پر آپؓ نے فرمایا اچھا تو کل مجمع عام میں بیعت ہوگی۔دوسرا دن جمعہ کا تھا۔اطلاع ملنے پر لوگ صبح ہی سے مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جمع ہونے لگے۔حضرت علیؓ تشریف لائے، منبر پر چڑھے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر پوچھا: حضرات! میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ یہ (خلافت) تمہارا حق ہے، جس کو تم اسے سپرد کرو گے اس کے سوا کسی اور کو اس پر حق نہیں ہوگا۔کل ایک سمجھوتہ پر ہم نے

باتیں ختم کیں تھیں، اگر تمہاری خواہش ہو تو میں (بیعت کے لیے) یہاں بیٹھتا ہوں، ورنہ مجھے کسی کے خلاف کوئی رنج نہ ہوگا۔ آپؓ کے اس جملے کے بعد بیعت کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے حضرت طلحہ نے اور پھر حضرت زبیر نے بیعت کی۔ ان کے بعد ان لوگوں کو لایا گیا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، زید بن ثابت اور صہیب وغیرہ جو فتنہ کے زمانے میں غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کو قریب اور بعید قوی اور ذلیل سب پر نافذ کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ نے ان سب سے اس پر بیعت لی۔ پھر عوام اٹھے اور سب نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیئے اور بیعت کر لی۔

رسم بیعت کی ادائیگی کے بعد مورخین اسلام کے مطابق حضرت طلحہ اور زبیر دیگر اصحابہ کرام کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور قاتلین عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ نے کہا فی الوقت باغیوں یا قاتلین کے پاس بڑی قوت ہے اس لیے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ اس پر حضرت زبیر نے کہا آپ مجھے کوفہ کا والی مقرر فرما دیجیے میں وہاں سے فوجیں لے کر آتا ہوں۔ حضرت طلحہ نے فرمایا کہ مجھے بصرہ کا عامل بنا دیجیے تا کہ میں وہاں سے فوجیں فراہم کروں گا۔ حضرت علیؓ ان دونوں کو کہا کہ میرے قریب رہیے میں غور کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مشورہ دیا کہ امن قائم ہونے تک حضرت عثمانؓ کے زمانے کے والیوں کو ان کی خدمات انجام دینے دیجیے خاص کر حضرت امیر معاویہ کو شام کے صوبہ پر۔ حضرت علیؓ نے اس مشورہ کو پسند نہ فرمایا۔ پھر شام کی گورنری حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پیش کی مگر انہوں نے انکار کیا تو سہل بن حنف کو وہاں کا گورنر نامزد کر کے بھیجا مگر امیر معاویہ کی فوج نے انہیں مقام تبوک سے واپس بھگا دیا۔ مصر پر قیس بن سعد کو نامزد کیا مگر وہاں والوں نے اسے بھی گورنر تسلیم نہ کیا۔ اہل بصرہ نے بھی نئے گورنر کو قبول نہ کیا۔ حضرت عمارہ بن شہاب کو کوفہ بھیجا تو راستے میں طلحہ بن خویلد نے قصاص عثمان کا مطالبہ کر کے انہیں واپس لوٹا دیا۔ والی کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اہل کوفہ کی بھاری اکثریت کی بیعت کا حال لکھ بھیجا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ خود اہل مکہ نے بھی بیعت سے پہلے انکار کر دیا تھا۔ غرض ہر طرف انتشار پھیل گیا اور مرکزی حکومت کا احترام ختم ہو گیا۔

عوام الناس نے حضرت علیؓ سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر لیں تھیں مگر دن گزرتے گئے حضرت علیؓ کو صوبوں سے عسکری طاقت فراہم نہ ہونے کی وجہ سے قاتلین عثمان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ اس وجہ سے آپؓ کی سیاسی مقبولیت روز بروز متاثر ہوتی چلی گئی۔ اس پر

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ مکہ چلے گئے اور انہوں نے امہات المومنین سے کہ جو سخت تاسف کی حالت میں تھیں کہا کہ ہم حضرت عثمان کے قاتلوں سے بدلہ لیں گے۔ حضرت طلحہ کا بصرہ میں بڑا اثر ورسوخ تھا۔ انہوں نے وہاں کا قصد کیا تو ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کی مگر بعد میں حضرت عائشہؓ کو بصرہ جانے پر ہمیشہ افسوس رہا۔ حضرت حفصہؓ بھی بصرہ جانے کے لیے آمادہ تھیں مگر ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بروقت انہیں روک لیا مگر باقی حضرات پروگرام کے مطابق روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ کم وبیش چار سال نو مہینے آٹھ دن اقتدار میں رہے، اس مدت میں آپ کو اپنوں اور غیروں سب کی مخالفت کا سامنا رہا مگر آپ بدنظمیوں کو دور کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ آپ نے تقسیم وظائف اور گورنروں کے تقرر کا نیا نظام متعارف کرایا۔ بیت المال کو مرکزی خزانہ قرار دے کر تنخواہوں اور وظیفوں کی بے اعتدالی کو ختم کیا۔ پرانے گورنروں کی جگہ پر نئے گورنر مقرر کیے۔ متعدد محاذوں پر فوج بھیجی، مختلف علاقوں میں نگران فوجی سردار اور محصل متعین کیے۔ حضرت علیؓ بیک وقت شمشیر آزما، قائد و فاتح اور بے مثال خطیب و کاتب بھی تھے، اس معاملے میں انہیں یکتا کہا جا سکتا ہے۔ وہ علوم قرآنی کے سب سے بڑے مفسر، دیگر اسلامی علوم کے موسس و مدرس و شارح اور کمال، ایثار و جاں فروشی کے مظہر بھی ہیں۔ اخلاق وصفات، فکر ونظر، عقیدہ وعمل کے اس پیکر عظیم کا یہ سیاسی معجزہ ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کا عہد خلافت پُر از فتنہ رہا مگر آپ کی ذات والا صفات کو آج تک تمام مسلمان بلا اختلاف حق و صداقت کا مجسمہ اور آپ سے عقیدت رکھنے کو شرط اسلام قرار دیتے ہیں۔

آپ کے زمانہ خلافت میں آپ کو عوام کی شورشوں، جنگ کے ہنگامے، مخالفین کے منصوبوں سے نبرد آزما ہونا پڑا مگر حضرت علیؓ ان چار سالوں میں پہاڑ سے بھی زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنی جگہ قائم رہے اور ادنیٰ سی جانبداری، معمولی سے اشتعال، انتقام پسندی یا ناجائز پروپیگنڈے کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ جنگ جمل میں آپ نے جنگ جیت کر بھی ام المومنین کا سابقہ احترام برقرار رکھا۔ جبکہ صفین میں دشمنوں نے فرات پر قبضہ کر کے پانی پر بندش لگائی مگر آپ نے فتح مندی کے بعد دشمنوں کو پانی لے جانے کی اجازت دی۔ آخری معرکہ میں جب آپؓ کی حتمی فتح دور نہیں تھی کہ آپؓ نے قرآن کے احترام میں جنگ بند کر دی۔ آپ کے ان اقدامات نے اسلام میں انسانی حقوق واحترام کو جاودانی عطا کی اور حضرت علیؓ کو ہمیشہ کیلئے دلوں کا فاتح بنا دیا۔

ماخذ: تاریخ یعقوبی جلد دوم، تاریخ طبری جلد سوم، تاریخ ابن کثیر جلد 8-7

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی جلد 2/14 مقالہ علی ابن ابی طالب

656ء۔ جنگ جمل

دسمبر 656ء بمطابق جمادی الآخر 36ھ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں جو جنگ لڑی گئی یہ جنگ تاریخ اسلام میں جنگ جمل کہلاتی ہے۔ اسے جنگ جمل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حضرت عائشہؓ میدان جنگ میں ''عسکر'' نامی ایک اونٹ پر سوار تھیں اور وہی لڑائی کا مرکز بن گیا تھا۔

36ھ میں حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا بسلسلہ حج مکہ معظمہ گئی ہوئیں تھیں۔ حج کے بعد آپ عمرہ محرم الحرام کے لیے ابھی وہیں قیام فرما تھیں کہ انہیں حضرت عثمان کی شہادت کی اطلاع ملی۔ پھر جب وہ عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئیں تو راستے میں انہیں سرف کے مقام پر اطلاع ملی کہ حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہو گئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں ہنگامہ برپا ہے لہٰذا وہ ان ہنگامی حالات کی بناء پر راستے ہی سے واپس مکہ روانہ ہو گئیں جہاں پہنچ کر انہوں نے صحن کعبہ میں ایک پرجوش تقریر میں مطالبہ کیا کہ اصلاح احوال کی جائے اور قاتلین حضرت عثمان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ اتنا سنگین تھا کہ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتیں تھیں لہٰذا ایک اصلاحی مہم چلانے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ گورنر مکہ نے سب سے پہلے اس مہم میں آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے علاوہ گورنر بصرہ، عبداللہ بن عامر اور عامل یمن، یعلی بن منبہ نے حضرت عائشہ کے لشکر کو فراہمی امان اور سفر کی تیاری میں مدد دی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کے اس طرح لشکر تیار کرنے کا مقصد سوائے اصلاح احوال کے اور کچھ نہ تھا۔

حضرت عثمان کی شہادت کے چار ماہ بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی مکہ پہنچ گئے (اگرچہ وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے) مگر یہ بیعت ان کے نزدیک قصاص حضرت عثمانؓ سے مشروط تھی یا جبری تھی۔ مدینہ سے باہر بعض حلقوں میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمان کے ساتھ نرم برتاؤ کر رہے ہیں اور وہ انہیں سزا نہیں دیں گے، کئی ایک لوگ ڈر کی وجہ سے فرار ہو چکے ہیں۔ ان تمام باتوں سے ایک خلفشار پیدا ہو گیا۔ حضرت معاویہ نے کلی طور پر حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اہل کوفہ نے اپنے پہلے عامل ابوموسیٰ اشعری کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت علیؓ کے بھیجے ہوئے عامل قبول نہ کیا۔ مصر میں محمد بن حذیفہ نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ان

حالات میں حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی سرکردگی میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے تا کہ اصلاح احوال کے لیے کوئی عملی قدم اٹھایا جا سکے اور خلیفہ مظلوم (حضرت عثمان) کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے تا کہ آنے والے خلفا اور قائدین کو ناحق قتل ہونے سے بچایا جا سکے۔

آغاز میں جیسے پہلے ذکر آیا ام المومنین حضرت حفصہ بھی اس لشکر کے ساتھ تھیں مگر ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر کے کہنے پر الگ ہو گئیں۔ اس کے باوجود ایک ہزار افراد (بعض روایات کے مطابق تین ہزار افراد) پر مشتمل یہ قافلہ بصرے کو روانہ ہو گیا۔ اس قافلے کی روانگی کی اطلاع ام فضل نے حضرت علیؓ کو بھجوا دی، حضرت علیؓ تدارک کے لیے مدینہ سے نکلے، وہ چاہتے تھے مکہ سے روانہ ہونے والوں کو راستہ میں روک لیں مگر حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی آگے نکل چکے تھے۔

حضرت عائشہ کی جماعت نے بصرہ پہنچ کر اہل شہر کو اپنے مقصد میں شرکت کی دعوت دی۔ اس پر اہل بصرہ دو جماعتوں میں بٹ گئے۔ بعض حضرت علیؓ کے مقرر کردہ عامل عثمان بن حنیف کی متابعت اختیار کی جو اگرچہ خود حضرت علیؓ کی آمد تک حضرت عائشہؓ کی کھلی مخالفت سے باز رہے۔ دوسرے گروہ نے حضرت عائشہؓ اور ان کی جماعت کی ہمنوائی اختیار کی۔ بصرے سے تین میل دور اطربد کے مقام پر حضرت عائشہؓ نے اپنی جماعت کے لوگوں سے خطاب کیا۔ یہ اتنا موثر تھا کہ مخالفین سے جھڑپیں شروع ہو گئیں پھر ''دباغوں کی جگہ'' پر آویزش ہوئی جس نے جلد ہی ''دارالرزق'' کے قریب لڑائیوں کی شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ دونوں گروہوں میں عارضی صلح ہو گئی مگر امامت کے مسئلے پر اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے نماز دو امام پڑھانے لگے۔ حضرت علیؓ کے عامل عثمان بن حنیف اور حضرت طلحہ و زبیر باری باری۔ بات یہاں تک بڑھی کہ بعض لوگوں نے بیت المال پر حملہ کر کے اس کے محافظوں کو قتل کر دیا اور عثمان بن حنیف کو قصر خالی کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور وہ حضرت علیؓ کے پاس چلے گئے۔ اس طرح بصرے پر مکمل طور پر حضرت عائشہ کے ساتھیوں کا قبضہ ہو گیا۔ قبضہ کے بعد ایک حکم نامہ جاری کیا گیا کہ قاتلین عثمان میں سے جن لوگوں نے اہل بصرہ کے ہاں پناہ لے رکھی ہے انہیں اہل شہر حضرت عائشہ کے لوگوں کے حوالہ کر دیں۔ اس حکم پر عمل ہوا اور بہت سے آدمی مارے گئے۔ محاصرین عثمان میں سے صرف جرقوس بن زہیر ہی بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اس قتل عام اور تحائف اور رسد کی تقسیم جو حضرت طلحہ اور زبیر نے اپنے ساتھیوں میں کی اہل بصرہ میں سے بہت سوں کو ناراض کر دیا۔ اسی وجہ سے تین ہزار اشخاص حضرت علیؓ

کے ساتھ مل جانے کے لیے ذوقار کے مقام پر چلے گئے۔ ان میں بنوعبدالقیس کے لوگ شامل تھے۔ شہر میں آباد بنوتمیم کے لوگوں نے اس صورت حال میں غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا۔

انہیں حالات میں حضرت علیؓ ذوقار کے مقام تک بڑھ آئے لیکن بصرہ پر چڑھائی کی بجائے انہوں نے کوفہ پہنچنے کو ترجیح دی تاکہ اہل کوفہ کو اپنا ہمنوا بنائیں۔ والی کوفہ ابوموسیٰ اشعری نے اگرچہ حضرت علیؓ کے انتخاب خلافت کو جائز قرار دیا مگر اہلیان کوفہ کو غیر جانبدار رہنے کی تلقین کی جس کے نتیجے میں حضرت علیؓ کے نمائندوں کو اہل کوفہ کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے بڑی سخت کوششیں کرنا پڑیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ان کے عہدے سے برطرف کرنا پڑا۔

آخر کار حضرت علیؓ جمادی الآخر کے وسط میں بصرے کے مضافات میں پہنچ گئے اور فریقین کے درمیان گفت وشنید کا آغاز ہوا۔ ایک طرف حضرت عائشہ، حضرت طلحہ وزبیر دوسری طرف خود حضرت علیؓ یہ چاہتے تھے کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ اگرچہ ہر شخص کو یقین تھا کہ سمجھوتہ قریب ہے مگر منافقین اور قاتلین عثمان کی شرارت سے لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ کی فوج میں تیس ہزار اور حضرت علیؓ کی فوج میں بیس ہزار افراد شامل تھے۔ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی۔ مورخین میں اس لڑائی کے وقوع پذیر ہونے کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ سب سے زیادہ عام تاریخ 4 دسمبر 656ء 10 جمادی الآخر 36ھ لیکن کائتانی اور ابن الاثیر 9 دسمبر اور 15 جمادی آخر پر اتفاق کرتے ہیں۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ دونوں طرف ایک ہی قبیلے بلکہ ایک ہی خاندان کے لوگ آپس میں لڑ رہے تھے اور قرابت داری کی پرواہ کئے بغیر ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے۔ حضرت عائشہ ایک محمل میں اونٹ پر سوار تھیں۔ محمل کے گرداگرد چہ زرہ بکتر سے حفاظت کی گئی تھی مگر جنگ کے اختتام تک محمل کو اتنے تیر لگ چکے تھے کہ وہ خارپشت دکھائی دینے لگا تھا۔ حضرت عائشہ کو کوئی تیر نہ لگا صرف بازو پر معمولی خراش آئی۔ لڑائی ان کے اونٹ کے گرد اتنی شدید تھی کہ محمل کے محافظین یکے بعد دیگرے بدلتے رہے۔ ان محافظین کی تعداد چالیس سے دو ہزار تک بتائی گئی ہے۔ اس جنگ میں حضرت عائشہ کے ساتھیوں کی شکست کے آثار دکھائی دینے لگے۔ حضرت طلحہ کو تیر لگا اس پر وہ ایک مکان میں چلے گئے جہاں جلد ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت زبیر حضرت علیؓ سے گفتگو کے بعد میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے مگر انہیں راستے میں بنوتمیم کے لوگوں نے شہید کردیا۔ حضرت علیؓ نے اس جنگ میں مرنے والے دونوں طرف کے افراد کو جنتی قرار دیا۔ جنگ سے پہلے صلح ہونے کو

کی سپاہی ہوائیوں نے اہل جمل پر صبح اندھیرے میں حملہ کر دیا جس کی وجہ سے لاعلمی میں
بھی ہنگامۂ جنگ ہو گئے۔ لڑائی کے باوجود دوران جنگ یہ منادی بھی کرائی گئی کہ بھاگنے
کا تعاقب نہیں ہو گا، کسی زخمی پر حملہ نہیں کیا جائے گا، نہ کسی کا مال و اسباب چھینا جائے گا۔
دوران جنگ کسی نے حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری جس سے اونٹ بیٹھ گیا اور
آخر جنگ ختم ہو گئی۔ جنگ کے خاتمے پر حضرت عائشہؓ سے بدسلوکی کی بجائے نہایت احترام کے
ساتھ انہیں مکہ روانہ کر دیا گیا۔

657ء۔ جنگ صفین

حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان لڑی جانے والی جنگ دریائے
فرات کے کنارے مقام صفین پر لڑی گئی۔ اسی وجہ سے جنگ صفین کہلاتی ہے۔ (37ھ)

بصرہ کی فتح کے بعد حضرت علیؓ نے گورنر (سابقہ) شام، حضرت امیر معاویہ سے خط و کتابت
کی اور انہیں بیعت کرنے کی دعوت بھیجی۔ مگر حضرت امیر معاویہ نے اہل شام کو حضرت عثمانؓ کا
خون آلود کرتا اور ان کی اہلیہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دکھائیں اور شعلہ بیاں مقرروں کے
ذریعے قصاص طلب کرنے کے لیے انہیں ابھارا جس پر اہل شام کا ہزاروں کا لشکر شام سے قصاص
کا مطالبہ کرنے چلا۔ اُدھر حضرت علیؓ بھی کوفہ سے فوج لے کر چلے۔ جب مقام صفین پر پہنچے تو وہاں
شامی فوج کو پڑاؤ لگائے پایا۔ شامی فوجوں نے پہلے سے دریائے فرات کے دونوں کناروں پر قبضہ
کر رکھا تھا جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کے لشکریوں کی دریا کے پانی تک رسائی ممکن نہ تھی۔ حضرت
علیؓ نے ایک قاصد کے ذریعے لشکر شام کو پیغام بھیجا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے لیکن اتنی بڑی فوج پانی
کے بغیر کیسے رہ سکتی ہے؟ جواب میں شامیوں نے قصاص عثمان پہلے کا نعرہ لگایا۔ حضرت علیؓ نے
فوج کو رات بھر کی پیاس سے پریشان دیکھا۔ صبح مجبوراً حملہ کا حکم دے دیا۔ آپ کے حکم پر مالک
اشتر اور اشعث بن قیس کے دستوں نے آگے بڑھ کر ابوالاعور شامی کی فوج پر حملہ کر دیا۔
سخت معرکے کے بعد ابوالاعور کو میدان خالی کرنا پڑا۔ فرات پر حضرت علیؓ کے ساتھیوں کے
قبضہ کی خبر سے شامی لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ حضرت عمرو بن العاص، مشیر خاص حضرت معاویہ نے
انہیں کو یقین دلایا کہ حضرت علیؓ ایسے نہیں کہ لشکر شام کو پیاسا رکھیں۔ اُدھر حضرت علیؓ نے بھی

شامیوں کے برعکس اپنی فوج کو تاکید فرمائی کہ جو پانی لینے آئے نہ روکا جائے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے خیمہ زن تھے اور دونوں حکومتوں میں خط و کتابت جاری تھی۔ حضرت معاویہ کو اصرار تھا کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمان کو ان کے حوالہ کریں جو وہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ پھر لڑائی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اگرچہ جھڑپیں جاری تھیں مگر دونوں طرف کے امن پسندوں نے باقاعدہ جنگ نہ ہونے دی۔ یہ جمادی الآخر 36ھ کا مہینہ تھا، رجب پھر امن کا مہینہ تھا لہٰذا ہتھیار اتار دیئے گئے۔ غرض یہ کہ کافی عرصہ بغیر لڑے گزر گیا۔ محرم 37ھ میں ایک بار پھر صلح کی تجویز پیش ہوئی جو کارگر نہ ہو سکی۔ آغاز صفر میں جنگ کا قطعی اعلان کر دیا گیا۔ 10 صفر 28 جولائی کو باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ جنگ قدیم عرب دستور کے مطابق لڑی گئی اور ہر قبیلہ بطور خود لڑتا رہا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے بڑی ہوشیاری سے یہ تدبیر اختیار کی کہ اپنے لشکر کے مختلف قبائل کے دستے اس طرح ترتیب دیئے کہ وہ اپنے ہم قبیلہ لوگوں کے روبرو آ گئے۔ جنگ بڑی خونریز تھی دونوں طرف کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ حضرت علیؓ کے حامیوں میں عمار بن یاسر، ہاشم بن عتبہ اور حضرت معاویہ کے طرفداروں میں سے عبیداللہ بن عمر۔ حضرت علیؓ کی فوج میں مالک بن اشتر جیسے بہادر اور آزمودہ کار جنگجو کی بہادری سے پلہ بھاری تھا۔ اسی بہادر نے پہلے شامیوں سے دریائے فرات کا قبضہ چھینا تھا۔

آخری فیصلہ کن معرکہ ''لیلۃ الھریر'' (یعنی شب جمعہ 10 صفر بمطابق 28 جولائی 657ء) اگلی صبح تک مالک بن اشتر نے اپنی جنگی کارروائیوں سے شامیوں کو اس قدر زچ کیا کہ حضرت امیر معاویہ کی ہمت پست ہو گئی اور وہ فرار کی سوچنے لگے۔ حضرت علیؓ کی فوج کا دباؤ بڑھ گیا مالک بن اشتر کی پیش قدمی دیکھ کر شامی گھبرائے۔ سامنے امیر شام کا خیمہ تھا، مالک بن اشتر اپنے گھوڑے کو مہمیز کرتے، صفوں کو چیرتے ہوئے قریب تھا کہ امیر شام کے خیمہ تک پہنچ جاتے کہ شامیوں نے حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ پر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نیزوں پر قرآن مجید باندھ کر بلند کر دیئے۔ قرآن کے ان قلمی نسخوں کو نیزوں پر بلند کرنے کا مقصد تھا کہ جنگ بند ہو جانا چاہیے اور فیصلہ کتاب اللہ پر چھوڑا جائے۔ بخلاف اس کے حضرت علیؓ اللہ کا فیصلہ جنگ کے نتیجے میں تلاش کر رہے تھے۔ ماہر حرب و سیاسیات حضرت عمرو بن العاص کا یہ اندازہ کہ یہ تجویز حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں تفریق پیدا کر دے گی صحیح ثابت ہوا۔ شامیوں نے جب قرآن بلند کر کے پکار کر کہا کہ آؤ اس قرآن سے فیصلہ کر لیں تو حضرت علیؓ کے متبعین نے قرآن کے آگے گردنیں جھکا لیں اور جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا ہم سے زیادہ احترام

قرآن مجید کون کرے گا؟ مگر فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ حضرت علیؓ اور ان کے سالاروں نے لاکھ فوج کو سمجھایا کہ یہ محض ایک جنگی چال ہے اور احترام قرآن کا اس میں کوئی دخل نہیں اور اگر تم یوں ہی ہنگامہ کرتے رہے تو جنگ ہار جاؤ گے۔ مگر ان کی یہ باتیں کسی نے نہ مانیں، حضرت عمرو بن العاص کی جنگی چال کامیاب ہوگئی اور تلواریں رُک گئیں۔ مالک بن اشتر جیسے بہادر کو مجبوراً جنگ ختم کرنے کا حکم دینا پڑا۔

آخر جنگ صفین کا خاتمہ اس بات پر ہوا کہ فریقین اپنے اپنے نمائندوں کے ذریعے قرآن مجید کے احکامات کی روشنی میں فیصلہ کریں گے۔ حکومت شام نے اس مقصد کے لیے عمرو بن العاص نامزد کیے، حضرت علیؓ نے اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مالک بن اشتر کے نام پیش کیے مگر لوگوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی نمائندگی پر اصرار کیا اور انہیں کو نمائندہ بنایا گیا۔

ماخذ: تاریخ طبری جلد سوم صفحہ 305۔ تاریخ ابن کثیر جلد ہفتم

اردو دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12-2/14۔ تاریخ ابن خلدون جلد دوم

657ء۔ واقعہ تحکیم

4 اگست 17 صفر 37ھ 657ء کو فریقین، حامیان حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ میں معاہدہ تحکیم طے پایا۔ اس معاہدہ کے مطابق حضرت علیؓ اور معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے ہم خیالوں میں طے پایا کہ دونوں طرف سے دو حکم بات پر اتفاق کرلیں جس میں مسلمانوں کے لیے مصلحت ہو۔ حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں نے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) کو ناظر و حاکم بنایا۔ جب پہلی بار پر دونوں حکم ملے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک طویل تقریر کی اور اسلام کی اولین مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اے عمرو! آؤ ایسا کام کریں جس کے باعث اللہ مسلمانوں میں محبت پیدا کردے اور نفاق ختم کردے۔ حضرت عمرو نے جواب دیا: یہ ٹھیک ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ بھول ونسیان سے بچنے کے لیے ہم ہر طے شدہ چیز کو تحریر کرلیں۔ پھر اپنے کاتب کو بلا کر کہا۔ تجھ سے جو کچھ کہی جائے اگر اسے ہم دونوں منظور کریں تو لکھنا ورنہ نہیں۔ پھر ایک عبارت لکھوانا شروع کی کہ یہ ابوموسیٰ اشعر اور عمرو بن العاص کا متفقہ فیصلہ ہے۔ شروع میں حمد

وصلوٰۃ پھر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو خلفاء برحق تسلیم کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت عثمانؓ اجماع امت اور مجلس شوریٰ اصحاب رسول سے خلیفہ بنے۔ وہ مظلوم قتل کیے گئے اور ان کا قصاص ان کے قریبی عزیز حضرت معاویہ طلب کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ نے کہا کہ حضرت علیؓ کو شامی اور امیر معاویہ کو عراقی پسند نہیں کرتے اس لیے کیوں نہ ان دونوں کو معزول کر کے تیسرے موزوں شخص کو خلیفہ نامزد کیا جائے تاکہ مسلمانوں کا یہ نفاق ختم ہو سکے۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرو کے نام پیش کیے۔ ابوموسیٰ نے کہا عبداللہ بن عمرو بھی موزوں تھے مگر تمہی نے اسے جنگ میں گھسیٹ کر جانبداری سے داغدار بنا دیا ہے۔ اس کے بعد شاید مشاورت کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی بلا لیا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے عمرو بن العاص نے کہا کہ اگر میں تمہیں خلیفہ بنا دوں تو کیا مجھے تم مصر کی گورنری دوں گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔

بہر حال اسی طرح دونوں حکموں میں مہینوں تک رسہ کشی ہوتی رہی۔ بالآخر حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عمرو بن العاص اس بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ کسی کا آزادانہ انتخاب کیا جائے۔ یہ ممکن نہ تھا کیونکہ اس سے اچانک سیاسی خلا پیدا ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف دونوں فریقین کی فوجوں کی موجودگی میں جبکہ دونوں فریق اپنی اپنی خلافت کو منوانے پر تلے ہوئے تھے، آزادانہ انتخاب کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی تھی، واحد حل یہ تھا کہ دونوں حکم کسی ایک تیسرے نام پر متفق ہوں اور یہ ہو نہیں رہا تھا۔ حضرت عمرو جیسے شاطر شخص کے لیے یہ سمجھنا بھی دشوار نہ تھا کہ اگر ان کا اپنا بیٹا خلیفہ نہیں بنتا تو محض حضرت امیر معاویہ کی معزولی سے اور سیاسی خلا پیدا کر کے خود ان کا سیاسی مستقبل تاریک ہو جاتا تھا۔ اس لیے اگرچہ انہوں نے شروع میں حضرت ابوموسیٰ کی یہ تجویز منظور بھی کی تھی مگر بعد ازاں غور و خوض کے بعد اپنے رائے بدل لی اور حضرت ابوموسیٰ کو اس کی اطلاع نہیں دی یا پھر شاید حضرت ابوموسیٰ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔

تحکیمی فیصلہ سنانے کے لیے فریقین کے نمائندے جمع ہوئے۔ پہلے حضرت ابوموسیٰ کو اپنی رائے دینے کی دعوت دی گئی۔ حضرت ابوموسیٰ نے اٹھ کر اعلان کیا کہ میں امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے موجودہ دونوں امیدواران خلافت بشمول میرے امیر حضرت علیؓ کے معزول کرتا ہوں تاکہ کسی تیسرے کا کہ جس پر اجماع امت ہو، انتخاب کیا جا سکے۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص سٹیج پر نمودار

ہوئے اور انہوں نے ابوموسیٰ کی جگہ پر کھڑے ہو کر پہلے حمد وثنا کی پھر کہا کہ حضرت علیؓ کے نمائندے نے جو کچھ کہا وہ آپ لوگوں نے سن لیا ہوگا۔ انہوں نے خود اپنے ساتھی اور امیر کو معزول کر دیا میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں، لیکن میں اپنے امیر اور ساتھی معاویہ بن ابی سفیان کو امارت اور خلافت دونوں پر بحال کرتا ہوں کہ وہ عثمان ابن عفان کے صحیح وارث ہیں اور آج ہم انہیں کا قصاص لینے کے لیے جمع ہیں قصاص عثمان کی وجہ سے ہی معاویہ روئے زمین پر سب لوگوں سے زیادہ اس مقام کے مستحق ہیں۔

اب حضرت ابوموسیٰ نے اٹھ کر کہا: اے عمرو تجھے کیا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ تجھے نیک کام کی توفیق دے، تو نے غداری کی اور دھوکہ دیا اور تیری مثال اللہ کے کلام میں مذکور اس کتے کی ہے کہ اگر اسے کچھ ڈالو تب بھی زبان نکالے رہتا ہے اگر چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے ہی رہتا ہے۔ اس پر حضرت عمرو نے جواباً کہا: ابوموسیٰ تمہاری مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی گدھے پر کتابیں لدی ہوں۔ واقعہ تحکیم دومتہ الجندل میں پیش آیا۔ حضرت علیؓ اور معاویہ میں جو فیصلہ ہوا تھا کہ تحکیم متفقہ ہو تو دونوں فریقین پر اس کی پابندی عائد ہوگی مگر تحکیم متفق علیہ نہ ہو سکی۔ مگر حضرت معاویہ کی پوزیشن پہلے سے بہتر ہو گئی اور اب وہ کھل کر اپنی خلافت کا اعلان کرنے لگے۔ جبکہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں جنگ صفین اور واقعہ تحکیم دونوں سے پھوٹ پڑ گئی۔ خوارج کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ ان کی فوج سے بہت سے خوارج نکل کر ہر جگہ فساد برپا کرنے لگے اور ان کے بعض گروہ مقام نہروان میں جمع ہو گئے۔ ایسے موقع پر حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر بصرہ نے بیت المال سے ساٹھ لاکھ درہم خورد برد کر دیئے اور ان حالات نے حضرت علیؓ کو حضرت معاویہ کے خلاف کوئی دوسری فوجی کارروائی نہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

ماخذ: تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ 310

تاریخ طبری جلد سوم صفحہ نمبر 337، دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2/14۔ تاریخ ابن کثیر جلد ہفتم صفحہ 543

658ء۔ جنگ نہروان

حضرت امیر معاویہ نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ ہمارے درمیان فیصلہ اللہ کا کلام کرے گا اس کے نتیجے میں خوارج کا ایک الگ فرقہ پیدا ہو گیا۔ واقعہ تحکیم کے بعد اس فرقہ کے لوگوں نے جن کا تعلق بنی تمیم سے تھا، اس امر کی شدید مخالفت کی کہ کسی انسان محاکے کو احکام الٰہی سے بالاتر جگہ دی جائے اور بطور احتجاج یہ نعرہ لگایا کہ ''لاحکم الا اللہ'' (یعنی سوائے اللہ کے اور کوئی حکم نہیں لگا سکتا) اس نعرے کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کی فوج سے علیحدگی اختیار کر لی اور کوفہ کے نزدیک ''حرورا'' نامی ایک بستی میں آباد ہو گئے اور عبداللہ بن وہب نامی ایک شخص کو اپنا سردار چن لیا۔ یہ لوگ جنہوں نے سب سے پہلے اختلاف کیا ''الحروریہ'' بھی کہلائے۔ اسی اثنا میں ابن وہب دریائے دجلہ کے بائیں کنارے ایک ایسے مقام پر چلا گیا جہاں سے فارس سے آنے والے راستوں پر کڑی نگرانی کی جا سکے۔ یہ باغی پڑاؤ نہروان کی نہر کے کنارے واقع تھا۔ ان لوگوں کے اس طرح کوفہ سے باہر نکلنے یا خارج ہونے پر ان کا نام خارجی یا خوارج پڑ گیا۔ خوارج نے جلد ہی اپنے انتہائی تعصب اور تنگ نظری کے اظہار اور پے در پے انتہا پسندانہ اعلانات اور دہشت گردی سے مسلمانوں کا سکون برباد کر دیا۔ انہوں نے باقاعدہ یہ اعلان کیا کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کا دعویٰ خلافت باطل ہے مگر ساتھ ہی انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مسلک کی بھی مذمت کی اور قصاص عثمان سے اپنی بریت کا اظہار کیا۔ پھر ان نظریات سے بھی تجاوز کرتے ہوئے یہ لوگ ہر اس شخص کو جو ان کے ان نظریات کو تسلیم نہ کرتا ہو کافر اور بے دین قرار دینے گے۔ اپنے نظریات کو منوانے میں وہ اتنے بڑھے کہ انہوں نے بہت سے معصوم لوگوں کو قتل کر دیا اور خواتین تک کے خون سے ہاتھ رنگ لیے۔ یہ لوگ غیر خوارج کے دودھ پیتے بچوں کو بھی تہہ تیغ کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے اور ان کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مجید (18-74) کے مطابق حضرت موسیٰؑ کے معلم حضرت خضرؑ نے ایک مستقبل کے بُرے بچے کو پیشگی ہی قتل کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ مزید تشدد پسند لوگ اور فتنہ انگیز عناصر کے شامل ہونے سے دہشت انگیز عناصر کی شکل اختیار کر گئے۔ حضرت علیؓ نے شروع میں ان سے کوئی تعرض نہ کیا تھا مگر ان سے بات چیت جاری رکھی یہاں تک کہ جب یہ گفت و شنید بھی ناکام ہو گئی تو عام مسلمانوں کے لیے اس بڑھتے ہوئے خطرے کے خلاف انہیں مجبوراً کارروائی کرنا پڑی۔

تاریخ میں یہی کارروائی جنگ نہروان کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ 17 جولائی 658ء بمطابق 9 صفر 38ھ کو حضرت علیؓ نے اپنی فوج کے ساتھ نہروان پہنچ کر خوارج کی بستی سے ایک فرسخ کے فاصلے پر قیام کیا اور انہیں حضرت ابوایوبؓ اور قیس بن سعد کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ہدایت قبول کرلو مگر خوارج نے جواب دیا کہ ہم سب تمہارے عقیدے کے لوگوں کے خون کو مباح سمجھتے ہیں۔ اب حضرت علیؓ کے پاس سوائے جنگ کے کوئی چارہ نہ رہا۔ آپؓ نے اپنی فوج کو اصول جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ ابھی تک آپ خونریزی سے بچنا چاہتے تھے۔ آپ نے حضرت ابوایوب کو سفید جھنڈا دے کر بھیجا اور اعلان کیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے پناہ لے گا یا میدان جنگ چھوڑ کر چلا جائے گا اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس پر فردہ بن نوفل پانچ سو آدمیوں کی جماعت لے کر خارجیوں سے نکل آیا اور کچھ اور لوگ بھی وہاں سے چلے گئے، اب خوارج کے لشکر میں کل 2800 آدمی بچے جو جنگ لڑنے کے لیے تھے۔

آخر دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا۔ خارجیوں کی یہ مختصر جماعت بڑی بے جگری سے لڑی ان کے تمام سردار مارے گئے اور جو باقی بچے وہ زخمی حالت میں گرفتار ہوئے اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں کو فتح حاصل ہوئی مگر حضرت علیؓ کو یہ فتح بڑی مہنگی پڑی، نہ صرف اس لحاظ سے کہ اس فیصلہ کن جنگ کے باوجود خارجی فتنہ دب نہ سکا اور ان کی بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا بلکہ یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ ایک خارجی ابن ملجم نامی کے خنجر سے شہید ہو گئے۔ ابن ملجم کے سسرال کے بہت سے لوگ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اسی وجہ سے اس نے خارجیوں کی اس سازش میں جس میں عالم اسلام کی تین بڑی شخصیات کو قتل کرنا تھا، حضرت علیؓ کو قتل کرنے کا ذمہ لیا تھا۔ جنگ نہروان میں شکست کے باوجود خارجیوں نے جابجا فتنہ و فساد بپا کر کے حضرت علیؓ کو سکون کا سانس نہ لینے دیا۔

انہیں دنوں ایک اور خارجی خریث بن راشد نامی نے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ ''ان الحکم الا للہ'' کا نعرہ لگایا اور ملک کے مختلف حصوں میں قتل و غارت گری شروع کر دی۔ حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا مگر خریث مقابلہ کے باوجود بھاگ نکلا۔ پھر حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ معقل نے خریث کو رامہرمز کی پہاڑیوں میں جا پکڑا۔ خریث قتل ہوا اور اس کے ساتھی منتشر ہو گئے۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8۔ تاریخ ملت جلد اول صفحہ 391۔ تاریخ ابن کثیر جلد 7
تاریخ طبری جلد سوم۔ تاریخ یعقوبی جلد دوم

658ء۔ واقعات مصر، بصرہ وحجاز

تحکیم کے معاملہ کے بعد سے حضرت امیر معاویہ کے حوصلے بلند ہو چکے تھے اپنی خلافت کا اعلان کرنے کے بعد سے وہ چاہتے تھے کہ مملکت اسلامیہ کے جتنے صوبوں پر جلد قبضہ کرلیا جائے بہتر ہے۔ اسی سلسلے میں جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے قیس بن سعد کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو گورنر مصر بنا دیا ہے اور وہ کمزور ہے تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کو وعدے کے مطابق مصر کا والی بنا کر 6000 سپاہی دے کر مصر بھیجا۔ حضرت علیؓ نے بھی جنگ صفین اور واقعہ تحکیم سے فراغت کے بعد محمد بن ابی بکر کو اس کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے مصر کی گورنری سے معزول کر کے مالک بن اشتر کو وہاں بھیجا مگر راستے میں حضرت معاویہ نے انہیں زہر دے کر مروا دیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ مالک اشتر کو قاتلین عثمان میں سے ایک ہونے کی وجہ سے واجب القتل قرار دیتے تھے مگر حضرت علیؓ کو مالک اشتر کی بہادری کی وجہ سے اس کی موت کا بڑا دکھ ہوا۔ مالک بن اشتر کی موت کے بعد انہوں نے محمد بن ابی بکر کو مصر کی ولایت پر برقرار رکھا۔

اسی اثنا میں عمرو بن عاص چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مصر میں داخل ہوا۔ انہوں نے اور حضرت معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو خط لکھا کہ اگر وہ مقابلہ نہ کرے تو اسے کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ اس کے جواب میں محمد بن ابی بکر نے دونوں کو بڑے سخت جواب لکھے اور حضرت علیؓ کو بھی ان کے خطوط سے آگاہ فرمایا اور کمک طلب کی تاکہ ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔ حضرت علی خوارج کے ہاتھوں پریشان تھے اور فوری کوئی مدد نہ بھیج سکے مگر آپ نے محمد بن ابی بکر کو صبر وشجاعت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کی تلقین کی۔ اُدھر عمرو بن العاص نے اہل خریتا کے دس ہزار جنگجو اپنے ساتھ ملا لیے۔ یاد رہے کہ اہل خریتا نے حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی تھی اور محمد بن ابی بکر سے برسر پیکار تھے۔

محمد بن ابی بکر نے لشکر شام کا مقابلہ کرنے کے لیے دو ہزار کی ایک جمعیت کو کنانہ بن بشیر کو بھیجا اور خود مزید جمعیت کی فراہمی میں مشغول ہو گیا۔ کنانہ نے بڑی بہادری سے اہل شام کا مقابلہ کیا۔ پہلے اہل شام کو شکست ہوئی مگر اہل خریتا کی مدد سے جلد ان کا پلہ بھاری ہو گیا اور کنانہ میدان جنگ میں مارے گئے۔

محمد بن ابی بکر خود بھی دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عمر بن العاص کے مقابلے کے لیے روانہ

ہونے والے تھے کہ انہیں کنانہ کے مارے جانے اور اس کے ساتھیوں کی شکست کی خبر ملی۔ اس خبر سے ان کے ساتھیوں کے دل بیٹھ گئے اور وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکر نے حالت مایوسی میں جانے بچانے کے لیے ایک کھنڈر میں پناہ لی۔ معاویہ بن خدیج ان کی تلاش میں نکلا اور چند قبطی افراد کی اطلاع پر انہیں زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے لشکر شام کے ساتھ تھے عمرو بن العاص سے کہا کہ میرے بھائی کو قتل نہ کیا جائے۔ عمرو بن العاص نے معاویہ بن خدیج کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ محمد بن ابی بکر کو قتل نہ کرے مگر معاویہ نے جواب دیا کہ محمد قاتلین عثمان میں شامل ہیں میں انہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ اس نے بڑی بے دردی سے محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا۔

حضرت عائشہؓ کو اپنے بھائی کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ بہت آزردہ ہوئیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کے بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا اور حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ کے حق میں بددعا کی۔

اس طرح 38ھ میں مصر کا سرسبز اور شاداب صوبہ حضرت معاویہ کی حکومت میں شامل ہوگیا اور حضرت علیؓ خوارج کی شورش اور اپنے رفقاء کی سرد مہری کی وجہ سے کچھ نہ کر سکے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے صرف دو ہزار کی جمعیت محمد بن ابی بکر کی کمک کے لیے روانہ بھی کی مگر اس جماعت کو اثنا راہ میں محمد کی شہادت کی خبر ملی اور وہ حضرت علیؓ کے حسب ہدایت واپس چلے آئے۔

مصر کی فتح کے بعد حضرت امیر معاویہ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ اپنے حق میں پروپیگنڈہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بصرہ میں جنگ جمل کے زمانے سے ایک جماعت حضرت علیؓ کی مخالف رہی تھی۔ بصرہ میں زیاد بن ابی سفیان ابن عباس کا (جو کوفہ آئے ہوئے تھے) قائم مقام تھا۔ حضرمی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبیلہ بنو تمیم اور دوسرے حامیان معاویہ کو قصاص عثمان کا نعرہ دے کر ابھارا۔ زیاد اس شورش کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس نے جان بچانے کے لیے ازد سے پناہ طلب کی اور اس شورش کی اطلاع حضرت علیؓ کو بھجوائی۔ حضرت علیؓ نے اعین بن ضبیعہ کو یہ فتنہ دبانے کے لیے بھیجا مگر ابن ضبیعہ کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا اور حضرت علیؓ کو جاریہ بن قدامہ کو دوسرے آدمیوں کے ساتھ بھیجنا پڑا۔ جاریہ حضرمی اور اس کے ساتھیوں کی سرکوبی میں کامیاب ہو گئے۔ بنی تمیم نے ابن حضرمی کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ ایک مکان میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔ جاریہ نے اس ظالم کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اسے فتنہ انگیزی سے باز آنے کا

کہا جب وہ باز نہ آیا تو اس مکان کو آگ لگا کر اسے جلا ڈالا، مگر ابن حضرمی کے ساتھ اس سخت سلوک کا بجائے فائدے کے نقصان پہنچا اور شورش اور ہنگامے بصرے سے فارس اور کرمان تک پہنچ گئے۔

جب حضرت علیؓ کی قلمرو میں شورش اور ہنگامے بپا تھے تو حضرت معاویہ نے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے مختلف اطراف سے جارحانہ حملے شروع کر دیئے۔ ان کی ہدایت پر 40ھ میں بسر بن ارطاۃ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ سرزمین حجاز پر حملہ آور ہوا اور اس نے مدینہ منورہ اور مکہ پر قبضہ کر لیا پھر یہاں سے یمن روانہ ہوا۔ یمن کے والی حضرت علیؓ کی طرف سے عبید اللہ بن عباس تھا وہ صنعا چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے یمن پہنچ کر ان کے دو کمسن بچوں کو شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا تو وہ بھاگ کر شام چلا گیا۔

661ء۔ شہادت حضرت علیؓ بن ابی طالب

خوارج اپنی انتہا پسندانہ تحریک کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تین اشخاص کو سمجھتے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص۔ یہ لوگ حضرت علیؓ سے نہروان کی جنگ میں مارے جانے والے خوارج کے قتل کا انتقام بھی لینا چاہتے تھے، چنانچہ تین خارجیوں نے باہم طے کیا کہ ان تینوں بڑی شخصیات کو ایک ہی معین دن فجر کی نماز کے وقت مسجد میں قتل کر دیا جائے۔ حضرت عمرو بن العاص اس دن اتفاق سے مسجد میں تشریف نہ لائے ان کی جگہ جس شخص نے امامت کرائی وہ غلطی سے مارا گیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ دونوں زخمی ہو گئے۔ مگر حضرت معاویہ کا زخم کاری نہ تھا لہٰذا وہ بچ گئے۔

تینوں خارجیوں میں سے ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کا ذمہ لیا تھا۔ ابن ملجم کا شمار بنو کندہ میں ہوتا تھا۔ یہ شخص حضرت علیؓ کے قتل کے ارادے سے کوفہ پہنچا اور اپنے اقربا سے ملا۔ ایک خارجی خاندان جس کا تعلق بنی رباب سے تھا اس سے راہ رسم پیدا کی۔ اس خاندان میں ایک حسین و جمیل عورت تھی جس کا نام قطامہ تھا ابن ملجم پہلی نظر میں اس کا گرویدہ ہو گیا اور اسے نکاح کا پیغام دیا۔ قطامہ نے پیغام قبول کرتے ہوئے شرط لگائی کہ مہر میری مرضی کا ادا کرنا پڑے گا۔ ابن ملجم نے پوچھا کہ تم مہر کیا تجویز کرتی ہو؟ قطامہ نے جواب دیا تین ہزار درہم، ایک غلام اور حضرت علیؓ کا

بریدہ سر۔ ابن ملجم نے کہا مجھے یہ سب بسر وچشم قبول ہے کیونکہ میں حضرت علیؓ کے قتل ہی کے سلسلہ میں کوفہ میں آیا ہوں۔ غرض ابن ملجم نے ان شرائط پر قطامہ سے نکاح کر لیا اور دونوں اس مقصد کے حصول کے لیے مشترکہ طور پر تدبیریں کرنے لگے۔ قطامہ کی کوششوں سے شبیب بن نجدہ صروری اور وردان نامی خارجی ان کی سازش میں شریک ہو گئے۔

جمعہ 17 رمضان المبارک 40ھ وہ دن تھا جو ان خارجیوں کے منصوبہ کا کلائمکس ڈے تھا۔ یہ تینوں رات کو جامع کوفہ میں اس دروازے کے قریب چھپ کر بیٹھ گئے جس سے حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ فجر کے وقت حضرت علیؓ امامت کے لیے مسجد میں تشریف لائے اور معمول کے مطابق سوئے ہوئے افراد کو جگانا شروع ہی کیا تھا کہ شبیب کمین گاہ سے نکلا اور اس نے امیر المومنین پر اچانک تلوار کا وار کیا۔ آپ اس اچانک حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے محراب میں گر پڑے۔ اب ابن ملجم آگے بڑھا اور اس شقی القلب نے حضرت پر دوسرا وار کیا جو آپ کے سر مبارک پر لگا اور آپ کی داڑھی آپ کے خون سے تر ہو گئی۔ آپ نے پکار کر کہا کہ میرے قاتل کو پکڑو۔ اس پر لوگ بڑھے، وردان اور شبیب بھاگنے میں کامیاب ہو گئے مگر ابن ملجم پکڑ لیا گیا۔ اس پکڑ دھکڑ میں ایک شخص نے ابن ملجم کے پاؤں پر تلوار ماری اور پاؤں کاٹ ڈالا۔ حضرت علیؓ شدید زخمی حالت میں محراب سے پیچھے ہٹے اور آپ نے جعدہ بن ہبیرہ ابن ابی وہب کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

نماز کے بعد حضرت علیؓ کے سامنے ان کے قاتل کو پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے سوال کیا کہ اے اللہ کے دشمن کیا میں نے تجھ پر احسانات نہ کیے؟ ابن ملجم نے اقرار کیا کہ آپ نے واقعی مجھ پر احسانات کیے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پھر وہ کیا چیز تھی جس نے تجھے میرے قتل پر ابھارا۔ ابن ملجم نے کہا میں نے چالیس دن تک اس بارے میں استخارہ کیا تھا۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر میں مر گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور اگر زندہ بچ گیا تو میں خود جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا۔

جب امید حیات منقطع ہو گئی تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور تقویٰ، حسن عمل اور خدمت دین کی وصیت فرمائی۔ کسی نے آپ سے پوچھا ''یا حضرت آپ کے بعد ہم حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔'' آپ نے فرمایا ''نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں جیسا مناسب ہو ویسا کرو۔'' آخر کار اسی دن یعنی 21 رمضان المبارک 40 ہجری 661ء کو آسمان رسالت (ﷺ) کا یہ درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا۔

آپ کی عمر مبارک مورخین کے مطابق 63 سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور ابن کثیر کے مطابق آپ کو دارالامارت کوفہ میں دفن کیا گیا اور آپ کے مدفن کو اس وجہ سے غیر معروف رکھا گیا کہ کہیں خارجی آپ کی نعش مبارک کی بے حرمتی نہ کریں۔

حضرت امیر المومنین کے سفر آخرت کے بعد حضرت حسنؓ نے ابن ملجم کو بلایا۔ ابن ملجم نے کہا میں حضرت علیؓ کی طرح حضرت معاویہ کے قتل کا عہد بھی کر چکا ہوں۔ اگر آپ مجھے مہلت دیں تو میں اپنے اس عہد کو بھی پورا کرلوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ رہا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ حضرت امام حسنؓ نے ابن ملجم کی اس درخواست کو رد کر دیا اور عبداللہ بن جعفر کو اس کے قتل کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ فطرتاً للّٰہیت اور خلوص نیت کے پابند انسان تھے۔ اصول اسلام اور اعمال دین ان کے خمیر کا جزو تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت انہیں اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ اپنی ذات کا شعور، اسلام کی بصیرت اور اس کا تحفظ حاصل حیات تھا۔ تبلیغ و حفاظت دین ان کا منصب تھا آپ ہر حال میں اسی کام کے لیے وقف تھے۔ قوت بازو اور تلوار کی ضرورت پیش آئی تو آپ سب سے پہلے سامنے آئے اقدام کے وقت اقدام اور خاموشی کے وقت خاموشی آپ کی حکمت و دانش کی آئینہ دار تھی۔ آپ کی مشاورت پر اسلامی کیلنڈر کی تدوین، نئے ٹیکسوں اور قانون سازی میں پیش رفت ہوئی۔ ابن کثیر کے مطابق آپ نے چار بیویاں، چودہ بیٹے اور انیس بیٹیاں اپنی باقیات میں چھوڑیں۔

ماخذ: تاریخ یعقوبی جلد دوم۔ تاریخ ابن کثیر جلد 7
تاریخ طبری جلد سوم۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2/14

661ء۔ حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری اور صلح

بعض مورخین کے نزدیک 21 رمضان المبارک 40 ہجری کو جمعہ کا دن تھا۔ حضرت امام حسن حضرت علیؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو آپ نے جامع کوفہ میں جمعہ کا خطبہ دیا۔ خطبے کے بعد لوگ بیعت کے لیے بڑھے، حضرت ابن عباسؓ نے اس موقع پر ایک مختصر خطبہ دیا اور بیعت مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد سیدنا حسنؓ نے حکومت کے مسائل پر توجہ دی۔ گورنروں کا تقرر، بگڑے

ہوئے حالات پر خط و کتابت، فوج کی تنظیم اور دوسرے معاملات پر توجہ کے بعد آپ کو اطلاع ملی کہ حضرت معاویہ ؓ حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر پا کر ساٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ کوفہ کا رخ کر رہے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے اس اطلاع پر چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ حضرت معاویہ ؓ کو روکنے کے لیے مدائن کی طرف کوچ کیا۔

حضرت امام حسنؓ ساباط پہنچے تو آپ نے آرام کرنے کے لیے وہاں لشکر کو قیام کا حکم دیا۔ یہاں دوران قیام آپ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو آپ نے اس کی عجیب کیفیت پائی۔ وہ اپنی طبعی فتنہ جوئی کے سبب مصالحت بھی پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اپنی پست ہمتی کی وجہ سے جنگ کے لیے مستعد تھے، پھر ان میں اختلاف رائے بھی موجود تھا۔ آپ نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر انہیں جمع کیا اور ان سے خطاب کیا اور فرمایا کہ لوگو میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں ہے۔ مجھے تمہاری بہتری بھی اپنی بہتری کی طرح عزیز ہے اس لیے میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ اتفاق رائے بہر حال نفاق سے ہر حال میں بہتر ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لڑائی سے بیزار ہیں۔ لہٰذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تمہیں اس کام پر مجبور کروں جسے تم دل سے پسند نہیں کرتے۔

آپ کی یہ تقریر ختم ہوتے ہی ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ ایک جماعت نے کہا کہ حضرت حسن ؓ بھی اپنے والد کی طرح کافر ہو گئے۔ اس شور و شغب میں ایک گروہ نے امام حسنؓ پر حملہ کر دیا۔ آپ کے خیمہ کا سامان لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلہ اور کاندھے سے چادر تک اتار لی گئی، حضرت امام کو اس بدتمیزی پر سخت غصہ آیا آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپ نے پکارا ربیعہ اور ہمدان کے قبیلے کہاں ہیں۔ حضرت امام کی آواز پر ان دونوں قبیلے کے لوگ دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے حملہ آوروں کو مار بھگایا۔ اس واقعہ سے امام حسن کا اہل کوفہ کی وفاداری سے یقین اٹھ گیا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ اہل کوفہ کی امداد سے خلافت کا بار اٹھانا ممکن نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو خونریزی سے بچانا زیادہ بہتر عمل ہے۔

ساباط سے امام حسنؓ مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جراح بن قبصیہ خارجی نے آپ کو نیزہ مارا۔ آپ زخمی حالت میں مدائن پہنچے اور آپ نے قصر ابیض میں قیام کیا۔ کچھ روز کے علاج کے بعد آپ تندرست ہو گئے۔

امام حسن ؓ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار کی جماعت دے کر بطور مقدمۃ الجیش کے آگے روانہ کیا تھا۔ قیس بن سعد انبار پہنچ کر ٹھہر گئے۔ حضرت معاویہ ؓ انبار پہنچے تو انہوں نے قیس

بن سعد کے لشکر کا محاصرہ کر لیا اور عبداللہ بن عامر کو پیغام صلح دے کر حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔

جب حضرت امام حسن کو عبداللہ بن عامر اور اس کی جماعت کی مدائن کی طرف پیشقدمی کی اطلاع ملی تو آپ بھی اپنے لشکر کے ساتھ مدائن سے نکلے جب عبداللہ بن عامر کی جماعت حضرت امام کے لشکر کے بالمقابل پہنچی تو عبداللہ بن عامر نے پکار کر کہا ''اے لشکر عراق میں لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا بلکہ حضرت معاویہ ؓ نے صلح کے لیے بھیجا ہوں۔ ابو محمد (امام حسن ؓ) کو میرا سلام پہنچاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ جماعت المسلمین کو ہلاکت سے بچائیں۔ اہل عراق نے جب یہ پیغام سنا تو انہوں نے لڑائی سے اجتناب کو پسند کیا۔ چنانچہ حضرت امام حسن ؓ اپنے لشکر کے ساتھ مدائن واپس آ گئے اور یہاں سے عبداللہ بن عامر کو پیغام بھیجا کہ ''میں چند شرائط پر حضرت معاویہ ؓ سے صلح کرنا چاہتا ہوں اور خلافت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔'' عبداللہ بن عامر حضرت معاویہ ؓ کے پاس واپس گئے اور صلح کی خوشخبری سنائی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر اور دستخط ثبت کر کے عبداللہ بن عامر کے حوالہ کئے اور کہا کہ یہ حضرت حسنؓ کو دے دو اور ان سے کہہ دو کہ وہ جو شرائط پسند کریں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں۔''

حضرت امام حسنؓ نے درج ذیل شرائط لکھیں۔

(1) اہل عراق کو امان عام دی جائے اور گزشتہ واقعات کے سلسلہ میں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہو۔

(2) اہواز کا خراج میرے نام لکھ دیا جائے۔

(3) میرے بھائی حسین کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

(4) عطیات اور صلات میں بنی ہاشم کا حق دوسروں پر فائق سمجھا جائے۔

عہد نامہ کی تکمیل کے بعد امام حسنؓ پہلے کوفہ تشریف لائے اور حضرت معاویہ ؓ بھی انبار سے کوفہ آ گئے۔ یہاں حضرت معاویہ ؓ نے اہل عراق سے بیعت لی۔ سب سے پہلے امام حسنؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی پھر خلافت سے سبکدوش ہو کر مدینہ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی دیارِ رسول (ﷺ) میں بسر کی۔ اس طرح آپؓ نے رسول اکرم (ﷺ) کی وہ پیشین گوئی پوری فرما دی جس میں آپ (ﷺ) نے فرمایا تھا ''میرا یہ بیٹا ''سید'' ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔''

یہ واقعہ 41ھ کا ہے۔ اس سال دس سال کی خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانوں کو ایک بار پھر یکجہتی نصیب ہوئی۔ لیکن حضرت امام حسنؓ جنہوں نے یہ امن عامہ قائم کیا تھا اور قربانی دی اُن کے خلاف دشمنوں کی ریشہ دوانیاں اور زیادتیاں جاری رہیں۔ حد یہ ہے کہ انہیں بار بار زہر دیا گیا۔ آخری بار آپ کو جدہ بنت اشعث نے زہر دیا اور مرتبہ شہادت پر فائز کر دیا۔

661ء۔ خلافت بنواُمیہ کا آغاز

امام حسنؓ 41ھ میں حضرت معاویہ سے رضی اللہ عنہ معاہدہ صلح کرنے کے بعد مدینہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تمام قلمرو اسلامی کے بلاشرکت غیرے حکمران بن گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی خلافت بنوامیہ کے پہلے خلیفہ ہیں۔ انہوں نے جب عنان حکومت سنبھالی تو مسلسل خانہ جنگیوں سے نظام حکومت درہم برہم تھا۔ ملک کے مختلف حصوں میں شورشیں بپا تھیں۔ خارجیوں کے فتنہ سے امن وامان کی صورت حال بگڑ چکی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے خارجیوں کی سرکوبی کی اور امن وامان کے قیام کی طرف توجہ دی۔ اسی سال بلخ، ہرات اور کابل کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ اس کو فرو کرنے کے سلسلے میں اسلامی لشکر نے طخارستان کی طرف پیش قدمی کی اور بجستان سے غزنہ تک پورا علاقہ فتح کر لیا۔ خراسان کے گورنر سعید بن عثمان نے دریائے آمو کو عبور کر کے ترکستان تک یلغار کا آغاز کیا اور سمرقند اور بخارا پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ مکران اور قندھار بھی اسی زمانے میں فتح ہوئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد بازنطینیوں سے بحری جنگوں کی وجہ سے ممتاز ہے۔ 44ھ 665ء اور 49ھ 670ء میں رومیوں سے متعدد کامیاب معرکے ہوئے۔ ان لڑائیوں میں قسطنطنیہ پر اسلامی حملہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس زمانے میں قسطنطنیہ روم کے زوال کے بعد پوری عیسائی دنیا کا مرکز تھا۔ اس کی تسخیر سے عیسائی دنیا کی تاریخ بدلی جا سکتی تھی۔ جزیرہ روڈز پر حملہ 53ھ 672ء میں ہوا۔ یہ جزیرہ بحیرہ روم میں اناطولیہ کے قریب واقع ہے۔ یہاں بھی قبرص کی طرح مسلمانوں کی نوآبادی قائم کی گئی۔ اسی زمانے میں صقلیہ پر بھی حملہ کیا گیا مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

56ھ میں بنوامیہ کی خلافت نے خاندانی ملوکیت کا رنگ اختیار کر لیا۔ حضرت امیر نے اپنے

مشیروں کے کہنے پر عوام کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے یزید کی بیعت اپنی زندگی میں لے لی۔ اس بیعت کے دور رس نتائج مرتب ہوئے۔ اس کے بعد نظام خلافت موروثی سلطنت میں بدل گیا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ نے 60ھ 680ء میں بعمر اٹھتر برس وفات پائی۔

امیر معاویہ ؓ عالم اسلام کے عظیم مدبر، کامیاب سیاستدان اور ایک لائق منتظم تھے۔ ان کے مشیروں میں حضرت عمرو ؓ بن العاص، مغیرہ ؓ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان جیسے مشاہیر شامل تھے۔ وہ ان لوگوں کو عہدے پر فائز کرتے جو اس عہدے کے قابل ہوتے تھے۔ وہ حکام کے انتخاب میں احتیاط کے علاوہ ان کے اعمال و افعال کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ کاتب کے عہدے کے لیے وہ ان افراد کا انتخاب کرتے جو نہایت مستعد، دقیقہ رس اور حکومت کے خیر خواہ ہوتے۔

بحری جنگوں میں جتنی ترقی عالم اسلام نے حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد میں ہوئی اس کی نظیر ان سے پہلے کے عہد میں نہیں ملتی۔ انہوں نے نہ صرف اسلامی بحری بیڑہ قائم کیا بلکہ اسے ترقی دے کر مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ انہوں نے خبر رسانی کے لیے "برید" یا سرکاری ڈاک کا انتظام بھی کیا۔

حضرت امیر کے عہد سے پہلے فرامین خلافت کی نقلیں رکھنے کا رواج نہیں تھا جس کی وجہ سے بعض فتنہ پرداز شاہی احکامات میں ردوبدل کر دیا کرتے تھے۔ اس کے انسداد کے لیے انہوں نے دیوان خانہ قائم کیا اور ہر حکم اور فرمان کا ریکارڈ رکھنا شروع کیا۔ زراعت کی ترقی کی طرف اس عہد میں خصوصی توجہ دی گئی۔ آبپاشی کے لیے جابجا نہریں کھدوائیں گئیں جن سے پیداوار میں اضافہ ہوا اور اسلامی مملکت میں قحط سالی کا خطرہ ختم ہو گیا۔ ان کے عہد میں نئے شہر بھی بسائے گئے جیسے عقبہ بن نافعہ نے قیروان کا شہر افریقیہ میں تعمیر کیا۔ شام میں مرعش کا اجڑا ہوا شہر دوبارہ آباد ہوا۔ قبرص اور روڈز اسلامی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔

شام میں بڑی تعداد میں یہودی اور عیسائی آباد تھے۔ حضرت امیر معاویہ ؓ اور ان کے حکام نے ان کے مذہبی امور میں کبھی مداخلت نہیں کی بلکہ اسلامی رواداری کو قائم رکھا یہاں تک کہ حکومت کے کلیدی عہدوں پر عیسائی فائز رہے۔ مالیات کے شعبے میں عیسائیوں کا قبضہ رہا۔ شاہی طبیب بھی عیسائی ہوتے تھے۔ امیر معاویہ ؓ کی خلافت اگرچہ خلافت راشدہ میں شامل نہیں مگر ان کی خلافت میں خلفائے راشدین کی کچھ خصوصیات موجود تھیں۔ وہ خود کاتب وحی تھے ان سے بھی بہت سی احادیث مروی ہیں۔ وہ خلفاء راشدین ہی کی طرح بلا تکلف روزانہ مسجد میں بیٹھ کر

عام لوگوں کی شکایات سنا کرتے تھے۔ امیر، غریب، شہری، دیہاتی بلا امتیاز رنگ و مذہب اپنی اپنی شکایات پیش کرتے اور حضرت امیر اسی وقت ان کی دادرسی کے احکامات صادر کرتے تھے۔

امیر معاویہ ؓ اقامت دین کے لیے بھی کوشاں رہے۔ انہوں نے خواتین کی مصنوعی بالوں کے ذریعے آرائش کی ممانعت کر دی اس کے علاوہ انہوں نے بیٹے کی شادی کو بھی ممنوع فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ اسی ادبی لگاؤ کی وجہ سے ان کے دربار سے شاعر بھی وابستہ تھے۔ تاریخ نویسی کی ابتدا انہیں کے عہد سے ہوئی۔ انہوں نے سلاطین عجم اور مختلف اقوام کے حالات لکھنے کا حکم دیا تھا۔

چونکہ امیر معاویہ ؓ ہی سے اموی خلافت کا سلسلہ شروع ہوا اس خاندان کے حکمرانوں کی تعداد 14 ہے حضرت معاویہ ؓ کے بعد صرف دو پشتوں میں ان کی قائم کردہ خاندانی حکومت کا شیرازہ منتشر ہونے کو تھا کہ مروان کے خاندان نے اسے سنبھالا دیا اور پانچویں خلیفہ عبدالملک نے منتشر اجزا کو دوبارہ متحد کر دیا۔ امویوں کا دارالخلافہ بالعموم دمشق رہا۔ 750ء میں اس خاندان کے آخری حکمران مروان دوم (خلیفہ چہاردہم) نے عباسیوں سے شکست کھائی جس سے اس خاندان کی خلافت مشرق وسطیٰ اور افریقہ سے ختم ہوگئی مگر اس خاندان کے ایک رکن عبدالرحمٰن نے اندلس میں اموی خلافت کو دسویں صدی اور گیارہویں صدی تک قائم رکھا۔

ماخذ: خلافت وملوکیت۔ مولانا مودودی

مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، عہد بنوامیہ۔ زاہد چودھری

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21۔ ادارہ پنجاب یونیورسٹی

664ء۔ برطانیہ میں عیسائیت کی تبلیغ واشاعت

برطانیہ عظمیٰ کے جزائر میں سب سے بڑی سیاسی وحدت جو انگلستان بھی کہلاتی ہے پانچویں اور چھٹی صدی کے جرمانی حملوں سے پیشتر برطانیہ کہلاتی تھی۔ اس کے مغرب میں ویلز ہے اور شمال میں سالوے فرتھ کے اوپر اسکاٹ لینڈ، رود بار انگلستان، آبنائے ڈور Dover اور بحیرہ شمالی اسے براعظم یورپ سے الگ کرتے ہیں۔ اس کی نشوونما کے مختلف اسباب ہیں جن میں سے ایک بیرونی حملوں سے اس کی محفوظیت ہے۔ چھٹی صدی عیسوی تک یہاں مکمل طور پر بت پرستی کا زور

تھا۔ چھٹی صدی کے آخر (597ء) میں سینٹ آگسٹائن St.Augustine اور اس کے ساتھیوں کا ایک چھوٹا سا گروہ برطانیہ کے ساحل پر اترا اور انہوں نے یہاں کے لوگوں کو مسیحیت کی دعوت دی جسے لوگوں نے قبول کیا اور مسیحیت کی آغوش میں آ گئے۔

سینٹ آگسٹائن کو پوپ گریگوری اول نے ایک مسیحی تبلیغی جماعت کا امیر بنا کر انگلستان بھیجا تھا۔ انگلستان کے اس عہد کے بادشاہ ایتھلبرٹ، شاہ کینٹ نے سینٹ آگسٹائن کو کنٹربری کے مقام پر جگہ دی اور خود بھی بپتسمہ لے کر مسیحیت قبول کی اور سینٹ کو برطانیہ میں تبلیغ عام کی اجازت دی۔ سینٹ آگسٹائن نے سب سے پہلے یہاں رومن کیتھولک مسلک کو متعارف کرایا اور رومن کیلنڈر کا بھی تعارف کرایا۔

دوسری طرف شمالی علاقوں، آئرلینڈ، آیونا اور نارتھمبریا وغیرہ میں کلٹی Celtic لوگوں کی مروجہ رسوم اور کیلنڈر کے ساتھ مخاصمت شروع ہوگئی۔ آخر کار 664ء میں شاہ اوسوی King Oswy نے یارک شائر میں ایک کونسل قائم کی جو سائنوڈ Synod کہلاتی تھی۔ اس کونسل نے کلٹی رسوم اور کیلنڈر کو ترک کر کے رومن کیتھولک چرچ کی رسوم اور کیلنڈر کو رائج کیا اس کی وجہ سے مختلف تہواروں جیسے ایسٹر کی تاریخیں رومنوں کے مطابق طے کرنا پڑیں۔

666-672ء۔ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا حملہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں یہ پیشین گوئی ملتی ہے کہ متبعین اسلام قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ ترک مورخین اس کی سند میں یہ حدیث مبارک پیش کرتے ہیں کہ رسول اکرم (ﷺ) نے فرمایا ''تم قسطنطنیہ کو ضرور فتح کرلو گے، رحمت ہو اس بادشاہ اور اس کے لشکر پر جس کے ہاتھوں یہ فتح نصیب ہو''۔ واقعہ یہ ہے کہ بنو اُمیہ کے عہد کے آغاز میں انہوں نے اس کار خطیر کو انجام دینے پر اس ہمت اور بہادری سے کمر باندھی جو ابتدائی مجاہدین اسلام کے دل میں موجزن تھی۔ سب سے پہلا حملہ 653ء میں کیا گیا۔ اس مسلم بحری بیڑے کی قیادت بسر بن ابی ارطاۃ نے کی۔ اس نے بازنطینی بیڑے سے فنیقیہ میں ساحل لیکیا Lycian کے قریب جنگ لڑ کے اسے اسے شکست دی لیکن قسطنطنیہ تک اس کی رسائی نہ ہوسکی۔ اسی وقت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خشکی کے راستے بھی بوزنطینیہ پر حملہ کیا۔

سال 44ھ 664ء میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا حملہ وقوع پذیر ہوا جو برغمہ Pergamon تک بڑھتے چلے گئے، عرب مآخذ کی رو سے بسر بن ابی ارطاۃ بھی قسطنطنیہ تک پہنچ گیا تھا۔

اس کے بعد کے سالوں میں فضالۃ بن عبید چالیسڈون Chalcedon تک پہنچ گیا اور اس کے پیچھے پیچھے یزید بن معاویہ ؓ کو روانہ کیا گیا۔ بازنطینی مورخ تھیوفینس Theo Phanes کے مطابق یہ واقعہ یکم ستمبر 666ء سے شروع ہوتا ہے۔ نیسبز Nisbis کے الیاس Elias کا کہنا ہے کہ یزید بن معاویہ ؓ 51ھ میں جو 18 جنوری 672ء کو شروع ہوتا ہے قسطنطنیہ کے سامنے نمودار ہوا۔ ایک مسلم بحری بیڑے نے جس کی قیادت بسر بن ابی ارطاۃ ہی کر رہا تھا اس حملے میں مدد کی۔ 672ء میں ایک زبردست جنگی بیڑا بحیرہ مارمورا کے یورپی کنارے پر شہر کی فصیلوں کے نیچے لنگر انداز ہوا۔ اس سال عرب افواج اپریل سے دسمبر تک شہر پر حملے کرتی رہیں۔ سردی کا موسم انہوں نے سزی کس Cyzicus میں گزارا اور اس کے بعد موسم بہار کے آغاز میں پھر نئے حملے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ ''سال سال اسی طرح جنگ کرنے کے بعد آخر کار وہ واپس ہوئے۔'' ان کے بیڑے کا ایک بڑا حصہ آتش یونانی Greek Fire سے تباہ ہو گیا۔ بہت سے جہاز واپسی کے سفر میں تباہ ہو گئے۔ اس سات سالہ محاصرے کے مختلف واقعات کی تاریخی ترتیب میں مورخ تھیوفینیز کے ہاں بہت سے اشکالات پائے جاتے ہیں۔ بظاہر عسکر بری قسطنطنیہ کے سامنے سال 667ء میں نمودار ہوا اور بحری بیڑا انجام کار 673ء میں واپس لوٹا۔ عرب مورخین نے اس حملہ کا ذکر 48ھ، 59ھ، 50ھ اور 52ھ اور یہاں تک کہ 55ھ تک کیا ہے۔ اسی طرح اس حملے میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کا حال بھی انہیں بحری سنین کے تحت بتایا گیا ہے۔

دنیائے عرب میں اس محاصرے کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی، اس لیے کہ اس محاصرے کے دوران ہی حضرت ابوایوب انصاریؓ (حضرت خالد بن زیدؓ) انصاری شہید ہوئے اور قسطنطنیہ کی دیواروں کے سامنے دفن کیے گئے۔ سلطان محمد ثانی نے تقریباً آٹھ سو سال بعد اس شہر کا آخری محاصرہ کرتے ہوئے آپؓ کی قبر دریافت کی۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح کا ہے جیسے کہ ابتدائی صلیبی جنگجوؤں کو انطاکیہ کے محاصرے کے دوران ''مقدس نیزہ'' مل گیا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ صحابی رسول (ﷺ) کا یہ مزار دیار غیر میں بھی ایک مرجع خلائق رہا۔ بوزنطینی اس کے گرد جمع ہو کے بارش کے لیے دعا مانگتے اور اس کا بے حد احترام کرتے۔ ''کاش آج اسلامی مملکتیں بھی اس شعار کو

اپنالیں تو جنت البقیع میں مدفون صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کے مزارات آج محفوظ ہوتے۔"

عرب مورخین کے مطابق قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والی اس اسلامی فوج میں بہت سے اور ممتاز صحابہ کرام بھی شریک ہوئے تھے جن میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل تھے چونکہ قسطنطنیہ مشرقی آرتھوڈوکس کلیسا کا مرکز تھا اس لیے عیسائی دنیا نے بھی مدافعت میں پوری طاقت صرف کی۔ مسلمانوں کا جوش شہادت اس مہم میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک معرکے کے دوران ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرادہ کلبی شہادت کی تمنا میں دشمنوں کی صفوں کو دور تک چیرتا ہوا آگے نکل گیا اور اسے اس کی تمنا کے مطابق رومیوں نے اپنے نیزوں سے شہید کر دیا۔ قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی تھی رومی اس پر سے مسلمانوں پر آتش یونانی برساتے تھے۔ مسلمان چونکہ نشیب میں تھے اس لیے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ چند ماہ کے محاصرے کے بعد ناکام لوٹنا پڑا۔ اسی محاصرے کے دوران حضرت ابوایوب انصاریؓ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو یزید بن معاویہ ؓ نے ان سے پوچھا کہ اگر آپ کوئی وصیت فرمانا چاہیں تو فرمائیے۔ حضرت ابوایوب نے وصیت کی کہ جہاں تک ہو سکے انہیں دشمن کی سرزمین کے اندر دفن کیا جائے۔ چنانچہ بعد از وفات آپ کی نعش قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کی گئی جہاں فتح قسطنطنیہ کے بعد ترکان عثمانی نے آپ کے مزار پر قبہ اور ایک مسجد تعمیر کروائی۔

اس محاصرے کے بعد بازنطینیوں اور عربوں کے درمیان تقریباً چالیس سال تک جنگ ملتوی رہی جہاں تک کہ 97ء (جس کا آغاز اکتوبر 715ء کو ہوتا ہے) میں سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں رسول اکرم (ﷺ) کی ایک اور حدیث مبارکہ مشہور تھی جس کی رُو سے کوئی خلیفہ جس کا نام ایک نبی کے نام پر ہوگا قسطنطنیہ کو فتح کرے گا۔ سلیمان سمجھا اس حدیث کی پیشین گوئی کا اشارہ اسی کی طرف ہے، چنانچہ اس نے قسطنطنیہ کے خلاف ایک بڑی مہم تیار کی۔ اس لشکر کا سپہ سالار اپنے بھائی مسلمہ کو بنایا۔ اگست 716ء میں اس نے قسطنطنیہ کا ایک بار پھر محاصرہ کیا مگر ایک سال کے محاصرے کے بعد اسے بھی ناکام لوٹنا پڑا۔ شاید اس لیے کہ اس سلطنت جس کے متعلق نبی پاک (ﷺ) نے یہ پیشین گوئی کی تھی خود آپ (ﷺ) کے نام پر محمد تھا اور قسطنطنیہ فتح کرنے کی سعادت اس کے مقدر میں تھی۔

ماخذ: دائرہ معارف اسلامیہ جلد 2 پنجاب یونیورسٹی
اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز

670ء۔ بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اوائل سنین ہجرۃ میں افریقیہ بازنطینیوں کے قبضہ میں تھا۔ یہاں بربر قبائل اور اُن کے اخلاف آباد تھے جو بیرونی ممالک سے آ کر افریقیہ میں بس گئے تھے جنہیں عرب مصنفین افارق کہتے تھے۔ بربر اور افارق قبائل کی یہ عادت تھی کہ میدان جنگ سے پسپا ہوتے ہی اطاعت بلکہ اسلام قبول کر لیتے لیکن لشکر اسلام کے ہٹتے ہی بغاوت وارتداد کی راہ اختیار کر لیتے۔ اس لیے ان کی اس دورنگی سے تنگ آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو ان کی سرکشی ختم کرنے کے لیے 52ھ میں گورنر افریقیہ مقرر کیا اور افریقیہ کی مستقل فتح کے لیے دس ہزار سپاہ ان کے ساتھ بھیجی۔ عقبہ نے اس علاقہ میں لشکر اسلام کی مستقل اقامت کی تجویز پیش کی جو حضرت امیر معاویہ نے پسند فرمائی۔ عقبہ نے افریقیہ کے صوبہ بیزاسین Byzacene کے وسط میں القیروان کی مستحکم عسکری چھاؤنی اور ایک جدید شہر کی بنیاد رکھی جس مقام پر یہ شہر بسانا مقصود تھا وہاں ایک بہت بڑا گھنا جنگل واقع تھا جس میں ہر قسم کے موذی جاندار شیر، چیتے، بھیڑیئے اور ہر قسم کے حشرات الارض آباد تھے۔

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس جنگل میں پہنچے تو پہلے آپ نے خشوع و خضوع سے اللہ سے دعا کی اور پھر جنگل کے جانوروں کو یہ جنگل مسلمانوں کے لیے ایک نیا شہر آباد کرنے کے لیے چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہر قسم کے چوپائے اپنے بچوں کو اٹھا کر جنگل خالی کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سانپ اور دیگر حشرات الارض بھی رینگتے ہوئے جنگل چھوڑ گئے۔ مسلمانوں کے امیر کی دعا کی اجابت اور حکم کا تصرف جب جانوروں تک پر دیکھا تو بہت سے بربر قبائل تہہ دل سے اسلام قبول کرنے لگے۔ یہ بھی کہتے ہیں تعمیر جامع مسجد کے سلسلے میں قبلے کی صحیح سمت کا علم بھی اس عظیم فاتح کو من جانب اللہ بذریعہ خواب عطا کیا گیا اور اسی ذریعے سے ایک پانی کے چشمے سے بھی آگاہی حاصل ہوئی۔ اس شہر کی تعمیر کے دوران بھی عقبہ ادھر ادھر فوجیں بھیجتے رہے لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ ابھی اس شہر کی عمارتیں پورے طور پر تعمیر نہ ہو پائیں تھیں کہ دربار خلافت سے عقبہ کو معزول کر کے مشرقی ممالک واپس بلا لیا گیا (55ھ 675ء)

ان کے جانشین ابوالمہاجر نے ان کے اس نو آباد شہر کو ویران کر دیا اور اس کے شمال میں صرف

دو میل کے فاصلے پر ایک اور نیا شہر بسا دیا جس کا نام تکروان رکھا۔ اس کے بعد عقبہ ایک بار پھر خلیفہ کے منظور نظر بن گئے اور انہیں دوبارہ افریقیہ بھیج دیا گیا۔ انہوں نے دوبارہ آ کر قیروان کو اس کے صحیح مقام پر آباد کیا۔ افریقیہ میں عقبہ کے تقرر ثانی کی تاریخ 62ھ 682ء ہے۔ اسی زمانے میں انہوں نے اپنی گزشتہ مہمات سے بھی زیادہ شاندار مہم کا اہتمام کیا۔ مہم پر روانگی کے وقت عقبہ بن نافع نے اپنی اولاد کو جمع کیا اور حق وصیت ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنی جان کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے۔ میں منکرین توحید سے جہاد کروں گا اور اس راستہ پر جان دوں گا۔ زہیر بن قیس کو قیروان میں اپنا قائمقام بنایا اور خود لشکر لے کر مغرب کی طرف روانہ ہوئے اور شہر زاب اور تاہرت میں بازنطینیوں سے نبرد آزما ہو کر عقبہ نے انہیں شکست دی اور طنجہ کے علاقے میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک ایلیان نامی سردار نے ان کی اطاعت قبول کی اور ان کا فوجی مشیر بن گیا۔ اسی نے عقبہ کو آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے اندلس پر حملہ کرنے سے باز رکھا اور اس خطرہ سے آگاہ کیا جو عرب افواج کو ابھی تک کوہ اطلس کبیر اور سوس کے کافروں سے لاحق تھا۔ لہٰذا عقبہ نے اب کافر بربر قبائل کی طرف توجہ دی۔ سب سے پہلے انہوں نے زرہون کے قلعہ کوہ کو فتح کیا۔ شہر ولیلی Volublis پر قبضہ کیا اور پھر وسطی کوہ اطلس کو عبور کر کے درعتہ Dra,a اور سوس کے راستے آگے بڑھے جہاں کے باشندوں کا انہوں نے صحرائے لمتونہ تک تعاقب کیا۔ تمام مراکش کو فتح کرتے ہوئے جب وہ بحر اوقیانوس کے کنارے مقام بالیان پہنچے تو ان کی راہ میں بحر اوقیانوس حائل ہو گیا۔ شوق جہاد میں انہوں نے بے خطر بحر ظلمات میں گھوڑے ڈال دیئے۔ اسی شوق جہاد کو علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

سمندروں کے حائل ہونے کے سبب اس مقام سے واپس ہونا پڑا۔ اس بات کا انہیں ملال رہا کہ کاش یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو وہ دعوت توحید لیے آگے بڑھتے چلتے جاتے.....

ان کی یہ فتوحات اگرچہ بڑی شاندار تھیں مگر نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکیں کیونکہ کسی ملک پر فوجی پیش قدمی خواہ کتنی ہی درخشاں ہو، بے معنی رہ جاتی ہے اگر اس کے نتیجہ میں اس علاقے پر قبضہ کو استحکام حاصل نہ ہو سکے۔ عقبہ ان علاقوں پر اپنا قبضہ مستحکم نہ کر سکے۔ پھر جب انہوں نے مع فوج کے اپنے وطن کی طرف واپسی اختیار کی تو بظاہر انہیں احساس تک نہ تھا کہ اب سارا کام از سر نو کرنا پڑے گا۔

ان کی قید سے ایک باغی سردار ''کسیلہ'' بھاگ نکلا تھا اس نے بربر قبائل سے مل کر مجاہدین کی واپسی کی راہ مسدود کر دی۔ اُدھر ان سے ایک عسکری اہمیت کی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ انہوں نے اپنی خوش بختی کے زعم میں کسیلہ کے خطرے کو نظر انداز کر دیا۔ جب وہ واپس زاب پہنچے تو انہوں نے طلبہ کے مقام سے اپنی عرب فوج کو دستوں میں تقسیم کر کے قیروان بھجوا دیا اور صرف بربروں پر بھروسہ کرتے ہوئے تھوڑی سی فوج اپنے ہمراہ رکھی۔ ابھی فوج کو بھیجے ہوئے زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ کسیلہ کی فوجوں نے ایک صحرا کے کنارے انہیں آ گھیرا۔ 63ھ 683ء میں وہ اپنے تین سو ہمراہیوں سمیت لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان کی اور ان کے ان رفقا کی قبور آج بھی اسی مقام پر موجود ہیں جو ان کے نام پر 'سیدی عقبہ'' کہلاتا ہے اور تہودہ کی قدیم جائے وقوع کے قریب ہی بسکرہ کے جنوب مشرق میں چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں کی شکل میں موجود ہے۔

ماخذ: تاریخ ابن خلدون جلد دوم، دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 13-2/16 تذکرہ بہادران اسلام

680ء۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

تاریخ انسانی کے بعض واقعات ایسے ہیں جو نا قابل فراموش ہیں اور ان کے اثرات ماضی تا حال جاری رہتے ہیں۔ انہیں اہم واقعات تاریخ عالم میں سے ایک اہم ترین واقعہ سانحہ کربلا ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ وہ عظیم تر شخصیت ہیں جنہوں نے اسلام کے ارتقا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسلامی تاریخ کے جملہ عہد ساز واقعات ان کے سامنے ہوئے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام مراحل دعوت و تبلیغ کو آزمایا اور مسلمانوں کے رجحانات کا جائزہ لیتے رہے۔ 676ء 56ھ میں ایسے واقعات رونما ہوئے کہ صورت حال بگڑ گئی یہاں تک کہ شخصی اقتدار کی ابتداء کرتے ہوئے حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد نامزد کر دیا۔ اس کی امام حسینؓ نے سخت مخالفت کی۔ اس پر دربار خلافت سے ان کی جواب طلبی ہوئی۔ اس کے جواب میں انہوں نے حکومت پر سخت تنقید کی اور یزید کی ولی عہدی کے ناجائز ہونے کا برملا اعلان کیا۔

رجب 60ھ 680ء میں وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی گورنر مدینہ کو حکم بھیجا کہ ہر قیمت پر حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن

زبیر ؓ کو بیعت پر مجبور کرو اور ان لوگوں پر پوری سختی کرو یہاں تک کہ یہ لوگ بیعت کر لیں۔

گورنر مدینہ ولید سے ملاقات کے بعد امام حسین ؓ مکہ تشریف لے آئے اور شعب علی میں قیام فرمایا۔ انہیں دنوں اہل کوفہ نے آپ کو خط لکھ کر دعوت دی کہ آپ کوفہ تشریف لائیں تاکہ آپ کی بیعت کر لیں۔ اگرچہ امام حسن ؓ کی وفات کے بعد سے اہل کوفہ آپ کو دعوت دیتے رہے تھے مگر امام صاحب نے انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا ہوا تھا مگر اب حالات کی نزاکت کچھ اور تھی اس لیے آپ نے حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا سفیر بنا کر کوفہ بھیجا وہاں ان کا زبردست استقبال ہوا اور لوگوں نے ان کے ہاتھ پر امام حسین ؓ کے لیے بیعت کی مگر یزید نے ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر کے حامیان حسین ؓ کو خوفزدہ کر دیا بلکہ خاص خاص آدمیوں کو قید کر لیا اور مسلم بن عقیل اور ان کے کم عمر صاحبزادوں کو شہید کر دیا۔ ادھر یزید نے تدبیر کر لی کہ اگر مدینہ میں نہیں تو مکہ میں ضرور امام صاحب کو شہید کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے عمرو بن سعید کو ایک بڑی فوج دے کر روانہ کر دیا تھا۔ حضرت امام ؓ نے صورت حال پر غور کرنے کے بعد 8 ذوالحجہ کو اپنا حج عمرے میں بدلا اور عراق جانے کے لیے مکہ سے باہر آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، فرزدق شاعر اور دیگر حضرات نے آپ کو کوفہ جانے سے منع کیا مگر امام صاحب اپنے ارادے کے نتائج اور ان کے فوائد دینی سے باخبر تھے اور اپنے اس اقدام کے صحیح ہونے کا اندازہ رکھتے تھے اس لیے سفر جاری رکھا۔ آپ کو سفر کی پانچویں منزل پر پہنچنے کے بعد اپنے سفیر حضرت مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے کوفہ میں شہید کیے جانے کی خبر ملی۔ اس خبر سے کم ہمت لوگ آپ سے رخصت ہو کر واپس چلے گئے۔ مگر پیکر عزم و عمل نے اپنا یہ سفر جاری رکھا اور مقام کربلا پر پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ یہ 2 محرم 61ھ کا دن تھا۔ پہلے حر بن یزید نے ابن زیاد کے حکم پر آپ کو گھیرے میں لے لیا پھر 3 محرم الحرام کو عمر بن سعد 4 ہزار کے لشکر کے ساتھ آ پہنچا۔ عمر بن سعد نے آپ سے بات چیت کی تو آپ ؓ نے اسے بتایا کہ آپ اہل کوفہ کی دعوت پر یہاں آئے ہیں ساتھ ہی ثبوت کے طور پر اہل کوفہ کے خط اسے دکھائے۔ عمر بن سعد بھی آپ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس نے یہ کیفیت ابن زیاد کو لکھ بھیجی جس نے ابن سعد کو حکم دیا کہ امام صاحب کو یزید کی بیعت لیے بغیر کہیں نہ جانے دیا جائے۔ ابن سعد کے اصرار پر امام صاحب نے فرمایا کہ یزید کی بیعت کرنے کی بجائے وہ موت کو خوش آمدید کہیں گے۔ ابن زیادہ نے ابن سعد کی نرم روی دیکھتے ہوئے شمر ذی الجوشن اور حصین بن نمیر جیسے سخت گیر لوگوں کو مزید فوج دے کر بھیجا۔ غرض 6 محرم تک فوج پر فوج امام مظلوم ؓ کو گھیرنے کے لیے آتی رہی۔

7 محرم الحرام کو عمرو بن الحجاج پانچ سو سواروں کے ساتھ دریائے فرات کے گھاٹ پر متعین کیا گیا تا کہ امام مظلوم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی پانی نہ لے سکیں۔ ادھر ابن زیاد نے ابن سعد کو خط لکھا کہ ہم نے تجھے اتنی بڑی فوج دے کر اس لیے نہیں بھیجا کہ جنگ میں التوا ہو اور تو امام سے نہ لڑنے کی سفارش کرے۔ آخر 9 محرم کو یزیدی بے قابو ہو گئے اور انہوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔ جب امام صاحب نے حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پیش قدمی کا سبب پوچھا تو بتایا گیا کہ امیر کا حکم ہے کہ آپ یا تو یزید کی بیعت کریں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ امام صاحب نے جواباً فرمایا کہ ہمیں آج رات کی مہلت دو تا کہ ہم عبادت کر سکیں، کچھ بحث کے بعد یہ مہلت مل گئی۔ غروب آفتاب کے بعد امام صاحب نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور آگاہ فرمایا کہ کل دشمن سے جنگ ہو گی اگر تم میں سے کوئی جانا چاہے تو اسے اجازت ہے۔ پھر تمام رات امام صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ عبادت میں مصروف رہے۔ رات ختم ہوئی تو فجر کی نماز کے بعد آپ نے اپنی فوج کو ترتیب دیا۔

آخر 10 محرم الحرام 61ھ بمطابق 10 اکتوبر 680ء کو دونوں لشکروں کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں سب سے پہلے حر نامی ایک مجاہد نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا یہ وہ شخص تھا جس نے پہلے لشکر یزید کا سالار ہوتے ہوئے امام مظلوم رضی اللہ عنہ کو کربلا میں ٹھہرنے پر مجبور کیا تھا۔ بعد ازاں جنگ شروع ہونے سے پہلے وہ امام صاحب کی طرف آ گیا اور سب سے پہلے آپ کے لیے جان دی۔

جب ایک ایک کر کے سب ساتھی امام صاحب پر جان نثار کر چکے تو امام صاحب خود ذوالفقار حیدری لیے میدان میں تشریف لائے۔ آپ نے عصر تک بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کے باوجود یزیدیوں کی ہمت نہیں تھی کہ آپ کو شہید کریں۔ آخر شمر ذی الجوشن کے اشارے پر مالک بن یسر، ستان بن انس نے تلوار سے وار کر کے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا اور آپ ایک فاسق و فاجر حکمران کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید حق ہو گئے۔ میدان کربلا میں آپ کی اولاد نرینہ میں سے صرف امام زین العابدین زندہ بچے۔ انہیں سے آل حسین آگے بڑھی۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8۔ تاریخ طبری جلد چہارم
تاریخ ملت جلد اول۔ تاریخ ابن خلدون جلد دوم

680-692ء۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خلافت سے شہادت تک

حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں حجاز کی ایک اور مشہور شخصیت عبداللہ ابن زبیر بھی جو پہلے افریقہ میں عبداللہ ابن ابی سرح کی قیادت میں لڑ چکے تھے اور جنہوں نے جنگ جمل میں عملی حصہ لیا تھا' سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور کسی موزوں وقت کی تلاش میں تھے کہ پھر میدان سیاست میں اُتر سکیں۔ یہ بھی حجاز کی ان چند شخصیتوں میں سے ایک تھے جنہوں نے یزید بن معاویہ ؓ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ یزید کے اعلان خلافت کرنے پر وہ مکہ چلے گئے۔ سانحہ کربلا کے بعد ابن زبیر خفیہ طور پر اپنے طرف داروں کی فوج تیار کرنے لگے۔ ان کے نزدیک اب وہ وقت آ پہنچا تھا جب انہیں سیاست میں عملی حصہ لینا تھا۔ جب یہ خبریں دربار یزید پہنچیں تو اس نے ان کے بھائی عمرو کو ان کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا' عمرو کو شکست ہوئی اور انہیں محبوس کر دیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گئے (681ء) اس کے بعد ابن الزبیر نے کھلم کھلا یزید کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ مدینہ کے انصار نے بھی ان کی پیروی کی اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار چن لیا جو ابن الغسیل کے نام سے مشہور تھے۔ یزید کو جب محسوس ہوا کہ اب مزید ڈھیل دینی نہیں چاہیے تو اس نے مسلم بن عقبہ کے ماتحت ایک اور لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر نے اہل مدینہ کو جنگ حرہ میں شکست دی (اگست 683ء) پھر یہی لشکر ابن الزبیر کو گھیرنے کے لیے مکہ کی طرف بڑھا لیکن جلد ہی اس لشکر کو دمشق سے یزید کی وفات کی خبر ملی۔ چنانچہ اس لشکر نے مکہ سے محاصرہ اٹھا لیا اور اب اس لشکر کے سپہ سالار حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر ؓ کو ترغیب دی کہ وہ اس لشکر کے ساتھ شام چلیں اور وہاں اقتدار سنبھال لیں لیکن وہ مکہ ہی میں رہنے پر جمے رہے۔

یزید کی وفات کے بعد شام میں بدنظمی و خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ابن زبیر نے اس موقع سے صرف اتنا فائدہ اٹھایا کہ خود کو امیر المومنین کہلوانے لگا مگر خود بڑھ کر دمشق پر قبضہ نہ کیا۔ شام' مصر' جنوبی عرب اور کوفے کے مخالفین بنو امیہ نے انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔ مرج راہط میں مروان اول کی فتح (64ھ 684ء) اور اس کے پندرہ ماہ بعد کوفہ میں مختار کی بغاوت کی وجہ سے شام' مصر اور کوفہ میں ابن زبیر کے حامیوں کو شدید دھچکا پہنچا اور انہیں اپنے بچاؤ کی فکر پڑ گئی۔ گو مصعب بن زبیر کو بصرے میں المہلب کی حمایت حاصل ہو گئی اور اس نے مختار کو شکست دے کر (687ء) عراق میں عبداللہ بن زبیر کی خلافت کی ساکھ پھر سے بحال کر دی لیکن عملاً وہ ایک خود مختار حاکم بن گئے۔ اسی دوران قبیلہ بکر کے خارجیوں نے بحرین' یمن اور حضر موت کو ابن زبیر سے چھین لیا بلکہ اگلے سال وہ طائف پر بھی قابض ہو گئے۔ 688ء 68ھ کا حج چار اماموں نے پڑھایا، وہ کچھ اس طرح کہ

ایک امام علوی' ایک امام اموی' ایک خارجی اور چوتھے خود ابن زبیر تھے۔

پھر 72ھ 691ء میں پورا عراق اموی اقتدار میں آ گیا تو اموی خلیفہ عبدالمالک نے مکہ سے نمٹنے کے لیے حجاج بن یوسف ثقفی کو روانہ کیا۔ حجاج نے یکم ذیقعد 72ھ 25 مارچ 692ء کو مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ نے طول کھینچا اور یہ 6 ماہ تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں شہر اور بیت الحرام منجنیقوں سے کی گئی شدید سنگباری کی زد میں رہے۔ آخر جب بن الزبیر کے حامی ہمت ہار گئے یہاں تک کہ ان کے بیٹوں نے بھی حجاج کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تو عبداللہ بن زبیر اپنی والدہ کی فرمائش پر دوبارہ میدان جنگ میں نکلے اور بہادرانہ انداز میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی لاش کو مکہ کے ایک چوک میں عین اسی جگہ سولی دی گئی جہاں کچھ عرصہ پہلے ان کے بھائی عمرو کی لاش کی تشہیر خود ابن الزبیر کے حکم پر کی گئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ان کی لاش کو عبدالمالک کے حکم پر ان کی والدہ کو دے دی گئی جنہوں نے اسے حضرت صفیہؓ کے گھر میں مدینہ میں دفن کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا شمار عہد صحابہ کے نامور بہادروں میں ہوتا ہے۔ فتح افریقیہ میں ان کی بہادری کے کارنامے قابل فخر ہیں۔ جنگ جمل میں انہیں چالیس سے زائد زخم آئے اور جس شخص نے ان کی سلامتی کی خبر حضرت عائشہ کو دی اسے حضرت صدیقہ نے دس ہزار درہم بطور انعام دیئے۔ یزید بن معاویہؓ کی وفات کے بعد انہوں نے اپنی خلافت کے لیے بیعت لی اور حجاز' مصر' یمن' عراق' خراسان اور شام کے بیشتر حصوں میں اپنی خلافت قائم کی اور مدینہ منورہ کو ایک بار پھر دارالحکومت قرار دیا۔ جب اموی خلیفہ عبدالمالک کے حکم پر حجاج بن یوسف نے مدینہ پر چڑھائی کی تو انہوں نے دارالخلافہ کو چھوڑ کر مکہ میں رہائش اختیار کی۔ ان کا عہد خلافت نو برس رہا۔ اس دوران انہوں نے اپنا سکہ جاری کیا اور تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ گول درہم ڈھالے۔ درہم کی ایک طرف ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا اور دوسری طرف ''امر اللہ بالوفاء والعدل''۔ کتب احادیث میں ان سے تیس کے قریب احادیث مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ تلاوت قرآن مجید اور عبادت گزاری کے لیے مشہور ہیں۔ وہ رات بھر قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے۔ شوق عبادت اور مسجد سے دلبستگی کی وجہ سے وہ ''حمامتہ المسجد'' کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر نے اپنے عہد میں بیت اللہ کو اساس ابراہیم سے دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ حجر اسود جو آتشزدگی سے تین حصوں میں منقسم ہو چکا تھا اسے چاندی میں مڑھ کر نصب کیا گیا۔ انہیں کے حکم پر پہلی مرتبہ دیباج کا غلاف کعبہ تیار کیا گیا۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد اول۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ تاریخ ابن کثیر جلد 8

683ء۔ جنگ حُرہ

63ھ کے آغاز میں ایک دن مسجد نبوی (ﷺ) شریف کے منبر کے پاس لوگ جمع تھے۔ لوگوں کا یہ اجلاس خصوصی مقاصد کے لیے تھا۔ قتل حسین رضی اللہ عنہ کے بعد سے مملکت اسلام میں رائے عامہ یزید بن معاویہ کے خلاف ہو چکی تھی اور اسی سلسلے میں اہل مدینہ نے یہ اجلاس طلب کیا تھا۔ اچانک ان لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اپنے سر سے عمامہ اُتار کر پھینکتے ہوئے کہا کہ میں نے یزید کو یوں معزول کر دیا جیسے میں نے اپنے سر سے یہ عمامہ۔ اس کے ساتھ ایک دوسرے شخص نے بھی اپنی جوتی پھینکتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ یزید کی بیعت فسخ کرتے ہوئے اسے اس طرح مسند خلافت سے اتارتا ہے جیسے اس نے اپنی یہ جوتی اتار پھینکی ہے۔ ان دونوں شخصوں کے اس اعلان کے چند لمحوں بعد مسجد نبوی (ﷺ) کے صحن میں جوتیوں اور پگڑیوں کا ڈھیر لگ گیا اور تمام اہل محفل نے قبل از اسلام کی رسوم کی یاد تازہ کرتے ہوئے ایام جہالت میں اختلاف کرنے والوں کی طرح اپنے اپنے جوتے، عمامے اور ٹوپیاں اتار کر پھینک دیں اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ وہ خلیفہ وقت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح اس کے اقتدار سے محروم کر رہے ہیں جس طرح انہوں نے اپنے یہ ملبوسات اتار پھینکے ہیں۔ پھر اہل مدینہ نے اپنے درمیان سے اموی گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان، عم یزین کو نکالنے اور بنی امیہ کے مدینہ میں آباد لوگوں کو مدینہ سے جلاوطن کرنے پر اتفاق کیا۔ پس وہ سب مسجد نبوی (ﷺ) سے اٹھ کر سیدھے مروان بن حکم اور دوسرے اموی لوگوں کے گھروں کے سامنے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے ان کے گھروں کا گھیراؤ کر لیا اور ان لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ لوگ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ مسجد نبوی (ﷺ) ہی کے اجلاس میں اعلان بغاوت کرنے والوں نے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا امیر نامزد کیا مگر مہاجرین انصار کے اس انتخاب سے مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے اپنا الگ امیر عبداللہ بن مطیع العدوی کو چن لیا۔ مدینہ کی اہم شخصیات حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان لوگوں سے الگ رہے اور انہوں نے یزید کو معزول کرنے کا اعلان بھی نہ کیا۔ اس ہنگامے کے بعد بنی امیہ کے لوگ مروان بن حکم کے گھر جمع ہوئے اور انہوں نے خلیفہ سے فوری امداد کی درخواست کی۔ اگرچہ یزید اموی لوگوں کے اس طرح ہراس زدہ ہونے کی خبر سے ملول تھا کیونکہ ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی مگر اس نے پھر بھی ایک فوج حجاز بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ دراصل خلیفہ کا مقصد صرف اہل مدینہ کی سرکوبی نہ تھا بلکہ وہ اس فوج کے ذریعے عبداللہ بن زبیر کو زیر کرنا چاہتا تھا۔ یزید نے اس فوج کا

سالار مسلم بن عقبہ کو بنایا۔ یہ عمر رسیدہ شخص بنو امیہ کا زبردست حامی تھا اور نظم وضبط قائم کرنے کے معاملے میں پس وپیش کرنے والا نہیں تھا۔ مسلم بن عقبہ چونکہ ضعیف العمر تھا اس لیے وہ اس فوج کے ساتھ ایک پالکی میں بیٹھ کر روانہ ہوا۔ مورخین کے انداز کے مطابق اس فوج کی تعداد چار ہزار سے بارہ ہزار تک تھی۔ مسلم کی مدینہ کی طرف پیش قدمی کی خبر پا کر باغیوں نے مروان کے گھر کا محاصرہ اور سخت کر دیا۔ آخر کار یہ حلف لینے کے بعد کہ وہ آنے والی شامی افواج کی کوئی مدد نہ کریں گے امویوں کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔ وہ وادی القریٰ میں مسلم کو ملے۔ ان میں سے بعض نے شام کا سفر جاری رکھا جبکہ مروان بن حکم کی سرکردگی میں بیشتر نے اس مہم آزما فوج کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ کے نخلستان میں پہنچ کر مسلم نے مدینہ کے شمال مشرق میں واقع حرۃ نامی ایک باغ میں اپنا خیمہ نصب کیا۔ اہل مدینہ کو گفت وشنید کے لیے تین دن کی مہلت دی گئی۔ اس مہلت کے گزر جانے کے بعد اس مقام پر اہل مدینہ کے ساتھ اس اموی فوج کی شدید خونریز لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی کے دوران مسلم ایک چبوترے پر سے اپنے دستوں کی نگرانی کرتا رہا۔ پھر جب اہل مدینہ بڑی شجاعت کے بعد اس کے خیمہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تو وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے خود بھی اس لڑائی میں حصہ لیا۔ اس جنگ میں اہل مدینہ نے رسول اللہ (ﷺ) کے زمانے میں حفاظت مدینہ کی خندق کو دوبارہ کھودا تھا۔ پہلے پہل لڑائی اہل مدینہ کے حق میں تھی لیکن جب مروان نے بنو حارثہ سے مل کر ایک گھڑ سوار دستے کے ساتھ ان کے محلے سے گزرنے کی اجازت حاصل کر لی اور خندق مدینہ کے محافظوں کو عقب سے جا لیا تو اہل مدینہ کو شکست ہو گئی۔ قریش نے مدینہ سے نکل کر مکہ میں پناہ لی اور عبداللہ بن حنظلہ اپنے آٹھ بیٹوں کے ساتھ بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ شہر میں پناہ گزینوں کا تعاقب کرتے ہوئے شامی لشکر نے خوفناک لوٹ مار کی جو تین دن تک جاری رہی۔ یہ جنگ 27 اگست 683ء بمطابق 27 ذوالحجہ 63ھ کو لڑی گئی۔ اگلے دن قبا میں شکست خوردہ اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ نے یزید کی بیعت کی تجدید پر مجبور کیا۔ اس موقع پر عام اصولوں سے ہٹتے ہوئے مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کو کہا کہ وہ خود کو یزید کا غلام تصور کریں۔ اس طرح گویا یزید کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ اہل مدینہ کی جائیدادوں کو فروخت کر سکتا تھا۔ جن لوگوں نے اس بات سے انکار کیا انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس ہنگامے کے دوران ایک مرتبہ جب یزید کے کردار پر نکتہ چینی کی گئی تو اس نے نکتہ چینی کرنے والے اپنے دوست معقل بن سنان کو بھی نہ بخشا اور قتل کروا دیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے ایک صاحبزادے جن کے متعلق مسلم کو شک تھا کہ وہ دو

رُخا رویہ رکھتے ہیں ان کی داڑھی اکھڑ وادی گئی لیکن اس کے برعکس خود یزید کے حکم پر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروت کا رویہ رکھا گیا۔ قریشیوں کا امیر عبداللہ بن مطیع بھی بھاگ کر مکہ چلا گیا۔ مسلم بن عقبہ کو اس خونریزی کی وجہ سے ''مسرف'' کا لقب دیا گیا یعنی ''انسانی خون کو ارزاں کرنے والا'' مدینہ منورہ میں مختصر قیام اور خونریزی کے بعد مسلم بن عقبہ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اسے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ لڑنا پڑا وہاں اس نے مرتے وقت حصین بن نمیر کو اپنی جگہ پر سالار لشکر بنا دیا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8۔ تاریخ ابن کثیر جلد 8

684ء۔ محاصرہ مکہ اور ترامیم کعبہ

مسلم بن عقبہ نے روح بن زنباع نامی ایک شخص کو مدینہ منورہ پر اپنا نائب مقرر اور خود فوج کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھا۔ جب وہ ہرشا کی نامی گھاٹی پر پہنچا تو اس نے سرداران فوج کو جمع کیا اور کہا کہ امیر المومنین نے مجھے ہدایات دیں تھیں کہ اگر مجھے موت آ جائے تو میں حصین بن نمیر کو تم پر اپنی جگہ سالار مقرر کر دوں۔ پھر اس نے حصین بن نمیر کو بلا کر کہا میں مرض الموت میں مبتلا ہوں اور تجھے اپنا جانشین مقرر کر کے وصیت کرتا ہوں کہ جب مکہ پہنچو تو تین دن پہلے عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرو، پھر اس شقی القلب کو موت نے آ لیا۔

حصین بن نمیر 26 محرم الحرام 64ھ کو مکہ پہنچا۔ اس نے عبداللہ بن زبیر کے ساتھ ابتدائی جھڑپ کے بعد مکے کا محاصرہ کر لیا اور گردونواح کی پہاڑیوں پر منجنیقیں نصب کر کے شہر اور حرم کعبہ پر شدید سنگ باری شروع کر دی۔ مشہور مورخ ابن کثیر لکھتا ہے کہ ام فردہ نامی ایک منجنیق کی سنگ باری سے کعبہ کی دیواروں کو سخت نقصان پہنچا۔ انہیں دنوں کسی وجہ سے کعبہ کے پردے میں آگ لگ گئی جو اس کی چھت کی لکڑیوں تک پہنچ گئی۔ ابن کثیر لکھتا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ ایک شب حضرت ابن زبیر نے رات کی تاریکی میں مکہ کے پہاڑوں پر تکبیر کی آوازیں سنیں۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید شامی آ پہنچے ہیں آپ نے پہاڑ پر نعرے لگانے والے لوگوں کو دیکھنے کے لیے نیزے کے سرے پر آگ کا ایک شرارہ بلند کیا جو اڑ کر کعبہ کے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان جا گرا جس سے کعبہ کے غلاف اور پردوں کے ساتھ ساتھ عمارت کی لکڑیوں کو آگ لگ گئی اور وہ

جل گئیں اور رکن سیاہ ہو گیا۔ اس آتشزنی میں حجر اسود تین جگہ سے پھٹ گیا۔ ربیع الآخر کے آغاز تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ اسی دوران یزید بن معاویہ کی موت کی خبر آئی جس کے بعد شامی لشکر نے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلا گیا۔ اسی محاصرے کے دوران ابن زبیر اور اس کے ساتھیوں نے کعبہ کے نزدیک اپنے خیمے گاڑ لیے تھے اور وہ پناہ گزین حرم کہلانے لگے تھے۔

جب اموی لشکر چلا گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عمائدین مکہ سے کعبے کی شکستہ عمارت کے انہدام اور از سر نو تعمیر کے متعلق مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ کعبے کی تعمیر نو ہو۔ جب ملبہ صاف کرنے کا وقت آیا تو یہ کام کرنے کی کسی کی ہمت نہ پڑی بالآخر ابن زبیر خود کدال ہاتھ میں لے کر یہ کام سرانجام دینے لگے تو لوگوں کو اطمینان ہوا کہ یہی مشیت الٰہی ہے۔

تعمیر کے دوران ایک پردہ دار باڑھ اصل جگہ پر کھڑی کر دی گئی تاکہ کم از کم قبلے اور مطاف کا نشان قائم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ معمار اس پردے کے پیچھے کام کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر خود دارالندوہ میں حجر اسود کی حفاظت کرتے رہے جو کمخواب کے ایک ٹکڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ پھر جب اسے اس کے مقام پر نصب کیا گیا تو اس کے گرد چاندی کا ایک حلقہ کس کر اسے یکجان کر دیا گیا۔

اس مرتبہ کعبے کی تعمیر میں تمام تر مکے کا پتھر اور یمن کا چونا استعمال کیا گیا۔ عمارت کی بلندی اب ستائیس گز اونچی کر دی گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث مبارکہ مروی ہے جس میں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ اے عائشہؓ! اگر تیری قوم تازہ تازہ ایمان نہ لائی ہوتی تو میں کعبے کی عمارت میں تبدیلی کر کے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک دروازہ داخل ہونے کے لیے اور ایک نکلنے کے لیے۔ اسی حدیث مبارکہ کی روشنی میں حطیم کو بھی کعبہ کی عمارت میں شامل کر دیا گیا اور فرش کے برابر دو دروازے رکھے گئے، مشرقی دروازہ داخلے کے لیے اور مغربی دروازہ نکلنے کے لیے۔ طواف کے وقت چاروں کونوں کو بوسہ دیا جاتا تھا۔ عمارت کعبہ میں یہ ترامیم فقط تھوڑے ہی عرصہ تک قائم رہیں۔ 692ء میں جب حجاج بن یوسف نے عبدالمالک بن مروان کے حکم سے مکہ تسخیر کیا اور ابن زبیر کو قتل کر دیا تو پھر اس نے خلیفہ عبدالمالک کے حکم سے حطیم کو پھر کعبے سے جدا کر دیا اور مغربی دروازہ بند کر دیا۔ بعد ازاں جب خلیفہ عبدالملک کو حضرت عائشہؓ کی حدیث کا علم ہوا تو اس نے اس پر اظہار ندامت کیا اور کہا کہ بہتر ہوتا کہ میں کعبے کو ابن زبیر کی بنا کردہ حالت پر چھوڑ دیتا۔ اسی طرح حجاج بن یوسف کی تعمیر سے کعبہ نے عملاً پھر وہی صورت اختیار کر لی جو آنحضرت (ﷺ)

کے عہد مبارک میں تھی اور یہی شکل آج تک چلی آئی ہے۔

کعبہ کے ساتھ عوام کا جذبہ احترام کسی قسم کی معتد بہ تبدیلیوں کا ہمیشہ مخالف رہا ہے۔ اسی وجہ سے ابن الزبیرؓ کے بعد کسی نے کعبہ کی عمارت میں کوئی ترمیم کی جرات نہیں کی۔ زمانہ جاہلیت سے لے کر عصر حاضر تک صرف اسی عمارت کی مرمت کی گئی جو حجاج نے تعمیر کروائی تھی۔ کعبہ کی عمارت ہمیشہ سے سیلابوں کی زد میں رہی ہے۔ آخری بار 1930ء میں پوری طرح مرمت کر کے عمارت کو درست کر دیا گیا تھا لیکن اس آخری مرتبہ بھی حتی الوسع پرانے پتھر کام میں لائے گئے اور ہر قسم کی ترامیم واضافے سے بچا گیا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 17۔ تاریخ ابن کثیر جلد 8

684ء۔ معرکہ مرج راہط

یزید اول کی وفات کے بعد مروان بن الحکم اموی کو ایک بار پھر مدینہ سے نکال دیا گیا۔ اس کی قسمت بدلنے والی تھی اس لیے اس نے شام میں سکونت اختیار کی جہاں وہ معاویہ ثانی کے دربار میں حاضری دیتا تھا۔ جب معاویہ بن یزید نے عین جوانی میں وفات پائی تو مروان بنو امیہ کی قسمت سے مایوس ہو کر ابن الزبیر کی خلافت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گیا مگر عین اسی لمحے اس کی ملاقات عبیداللہ بن زیاد سے ہوئی جس نے اسے خود خلافت کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی ترغیب دی پھر مجلس جابیہ میں اس کی خلافت کا اعلان کیا گیا۔ جب موتمر جابیہ میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا تو قیسی افواج ضحاک بن قیس کی قیادت میں دمشق کے جنوب مشرق میں جمع ہو رہی تھیں۔ انہیں یمیوں کی امداد اور بنو امیہ کی حکومت سے برگشتہ قضاعیوں کی مدد حاصل تھی۔ ضحاک بن قیس شام میں عبداللہ بن الزبیر کا حامی تھا اور بنو امیہ کا مخالف۔ مورخین کے مطابق جو شاید مبالغہ ہو اس کی زیر کمان تیس ہزار فوج تھی جبکہ اس کے مخالف مروان بن الحکم کے پاس آٹھ سے دس ہزار جنگجو تھے جن میں زیادہ تر قیسیوں کے مخالف کلبی تھے۔ پہلے پہل قیسیوں نے جابیہ کے شمال میں اپنے مورچے لگائے۔ جب یہاں ایک جھڑپ میں وہ نقصان میں رہے تو وہ مزید شمال کی طرف ہٹ کر مرج راہط کے میدان میں پہنچ گئے۔ اسی دوران مروان کے ساتھیوں نے دمشق پر حملہ کر کے وہاں کا خزانہ اور سامان حرب لوٹ لیا جس سے اس کی حیثیت پہلے سے بہتر ہو گئی اور اُدھر مرج

صفر کی جھڑپ کے بعد مروان نے ضحاک کے اتحادیوں یمنیوں اور قضاعیوں کو لالچ دے کر اس سے توڑ لیا۔ اس مقصد کے لیے شاید اس نے دمشق کا خزانہ کام میں لایا۔ پھر دونوں لشکروں نے صف بند ہو کر مرج راہط میں بیس روز تک جنگ کی۔ عبیداللہ بن زیاد کے مشورے پر مروان نے ایک جنگی چال یہ چلی کہ دھوکے سے قیسیوں کو مصالحت کی پیش کش کی اور مصالحت کا اعلان کر دیا گیا پھر مروان کے ساتھیوں نے خیانت کی اور صلح کی طرف مائل قیسوں پر اچانک حملہ کر دیا اور انہیں بری طرح قتل کر دیا۔ ضحاک نے اس حالت میں بھی بڑی پامردی دکھائی اور میدان کارزار میں قتل ہو گیا۔ جو قیسیوں کے لیے شکست کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ضحاک کی موت باقاعدہ تباہی کی صورت اختیار کر گئی اور اس میں بنو قیس کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ان میں سب سے ممتاز شخصیت زفر بن حارث کی تھی جو فقط میدان جنگ سے فرار ہونے کے باعث بچ گیا۔ مرج راہط کی یاد قیسیوں کے دل میں نقش ہو گئی۔ وہ سب کے سب بنو امیہ سے منحرف ہو گئے۔ پہلے دو مروانی خلفا کے عہد میں تو ان کا جنگی نعرہ یہی تھا ''مرج راہط کے مقتولین کا انتقام۔''

ادھر مروان بن الحکم کو اس فتح کے بعد یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنے خلیفہ دمشق ہونے کا اعلان کرے۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 20۔ تاریخ ابن کثیر جلد 8

685ء۔ توابین کا خروج

مروان بن حکم صرف نو ماہ مسند خلافت پر بیٹھا۔ نو ماہ حکومت کرنے کے بعد اس نے اچانک وفات پائی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کی بیوی نے اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر اسے مار ڈالا تھا۔ اپنی موت سے پہلے مروان نے مصر کو عبداللہ بن زبیر سے لینے کے لیے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو بھیجا اور عبیداللہ بن زیاد کے سپرد جزیرہ کی مہم کی۔ اسے ہدایت تھی کہ وہ اس مہم سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے۔ مروان نے ابن زیاد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ عراق کا جس قدر حصہ فتح کریگا وہ اسی کی گورنری میں دیا جائے گا۔ ابن زیاد بھی جزیرہ میں تھا کہ مروان کی وفات کی خبر آئی۔ اسی کے ساتھ اسے عبدالملک بن مروان کا حکم ملا کہ اسے مروان نے جس کام پر متعین کیا تھا اسے جاری رکھے۔ چنانچہ وہ جزیرہ کی مہم سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھا۔ ''عین'' اور ''زہ'' کے مقام پر اس کا مقابلہ شیعان علی کے ایک گروہ ''توابین'' سے ہوا۔

توابین وہ لوگ تھے جنہیں حضرت امام حسین ؓ کی حیرتناک شہادت کے بعد اہل کوفہ ہونے کے ناطے حضرت امام کے ساتھ اپنی بے وفائی اور بدعہدی پر سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ اس گناہ عظیم کا کفارہ قاتلین حسین ؓ کو قتل کر کے ادا کریں گے یا پھر اس کوشش میں خود اپنی جانوں کو قربان کر دیں گے۔ یہ عہد انہوں نے مشہور محب اہل بیت سلیمان بن صرد کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو کر کیا اور پھر اسی کو اپنی اس تحریک کا رہنما بنالیا۔

ان دنوں کوفہ پر عبداللہ بن یزید انصاری کی حکومت تھی اور وہ خود دل میں اہل بیت سے ہمدردی رکھتا تھا۔ عبداللہ کو جب اس تحریک کا علم ہوا تو اس نے توابین سے تعرض نہ کیا بلکہ اندرون خانہ ان کی ہمت افزائی کی اور کہا کہ اگر تم قاتل حسین ابن زیاد کے مقابلے کو نکلو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ حکومت کا ایما پا کر ان لوگوں نے کھلم کھلا عوام کو انتقام حسین ؓ کی دعوت دینا شروع کر دی اور دھڑا دھڑ ہتھیاروں کی خریداری شروع ہو گئی۔ ربیع الاول 65ھ کا چاند دیکھ کر پانچ ہزار توابین کوفہ سے نکلے اور میدان نخلیہ میں جمع ہو گئے۔ یہاں اس کے رہنما سلیمان بن صرد خزاعی نے ایک پر جوش تقریر کر کے ان میں جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا جس شخص کو اللہ کی رضا اور آخرت میں بہتری مطلوب ہو وہ ہمارے ساتھ چلے اور جسے دنیا درکار ہو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے۔ ان میں سے ایک شخص نے آواز بلند کی کہ قاتلین حسین ؓ کی اکثریت تو کوفہ میں ہے ہمیں کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں مگر سلیمان بن صرد نے کہا کہ قاتلین حسین ؓ کا سرغنہ ابن زیاد ہے لہٰذا پہلے اسے ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔ پھر وہ شام کی طرف چلے۔ راستے میں عین الوردہ کے مقام پر ان کا مقابلہ پہلے شرجیل بن کلاع اور حصین بن نمیر سے ہوا۔ دونوں کو انہوں نے شکست دی مگر عبداللہ بن زیاد نے تازہ دم فوج ان کے مقابلے پر بھیج دی جس سے سلیمان بن صرد نے شہادت پائی اور ان کے ساتھی شکست کھا کر کوفہ واپس آ گئے۔

685ء۔ خلافت عبدالملک بن مروان

ابو ولید عبدالملک بن مروان بنو امیہ کا پانچواں خلیفہ اور دوسرا مروانی خلیفہ تھا۔ اس نے اپنے باپ مروان کی وفات کے بعد اپریل مئی 685ء میں مسند خلافت سنبھالی۔ ابتداء میں اسے شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس میں شک نہیں تھا کہ اس کے باپ نے معرکہ مرج راہط میں فتح حاصل کر کے شام کی سرزمین میں بنو امیہ کے اقتدار کی از سر نو توثیق کر دی تھی مگر اس کی جڑوں کو مضبوط عبدالملک نے بنایا۔

شمالی اقطاع میں قریسیہ کے مقام پر زفر بن الحارث نے قبیلہ قیس کی مدد سے مزاحمت شروع کر رکھی تھی۔ سرحدوں پر بازنطینیوں نے فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ 688ء میں وہ انطاکیہ پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ مکہ میں عبداللہ بن زبیر خلیفہ بنے بیٹھے تھے اور سلطنت کے بعض صوبوں میں ابھی تک انہیں خلیفہ تسلیم کیا جا رہا تھا۔ عبدالمالک نے اپنی راہ کی ان تمام رکاوٹوں کو اپنی شجاعت و سیاست سے دور کیا اور جلد ہی وہ شامی قیادت کے تحت عربوں کو ایک بار پھر متحد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

بہر کیف شروع میں اسے عراق اور دیگر مشرقی علاقوں کو اُن کے حال پر چھوڑنا پڑا یہاں کی عوام نے اموی گورنر عبیداللہ بن زیاد کو یزید بن معاویہ کی موت کے بعد نکال دیا تھا۔ بعدازاں ابن زیاد نے 685ء میں کوفیوں کے ایک لشکر کو شکست دی مگر کوفہ اور بصرہ کو دوبارہ حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ پھر اس نے مختار ثقفی کے ساتھیوں میں سے ابراہیم بن الاشتر سے شکست کھائی۔ اس کے بعد پانچ سال تک عراق پر مصعب بن زبیر کی حکومت قائم رہی۔ ابن زبیر کے سالار مہلب بن ابی صفرہ نے 687ء میں مختار کو شکست دی اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عراق کے معاملات سے نمٹنے کے لیے عبدالملک نے 689ء میں بازنطینی شہنشاہ سے دس سالہ معاہدہ صلح کر لیا جس کی رو سے اس نے خلیفہ سے ایک سالانہ خراج کے عوض بنو لامردات کو شام سے دیار روم میں منتقل کر لیا۔ اس صلح کے فوراً بعد عبدالملک مصعب کے مقابلے کے لیے دمشق سے روانہ ہوا مگر دارالحکومت میں ایک اموی کی بغاوت کی وجہ سے اسے واپس لوٹنا پڑا۔ اگرچہ اس باغی عمرو بن سعید الاشدق نے جاں بخشی کے وعدہ پر ہتھیار ڈال دیئے مگر کچھ عرصہ بعد عبدالمالک نے اسے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

اگلے سال اس نے مصعب کے خلاف ایک نئی مہم تیار کی۔ الجزیرہ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ تیسرے سال عبدالملک نے بنو قیس سے کمک حاصل کرنے کے بعد پھر عراق پر چڑھائی کی۔ اس مرتبہ مصعب اور ابن الاشتر کو شکست ہوئی اور دونوں مارے گئے۔ (اکتوبر، نومبر 691ء)

المہلب بصرے کی افواج کے ساتھ خارجیوں سے نبرد آزما تھا۔ اہل عراق اس مسلسل جنگ و جدل سے تنگ آ چکے تھے جب عبدالملک خلیفہ کی حیثیت سے کوفہ میں داخل ہوا تو ساری رعایا نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔ اس کے فوراً بعد خلیفہ نے دو ہزار شامیوں کا ایک لشکر مکہ کی طرف الحجاج کی قیادت میں بھیجا۔ طائف میں کچھ دن قیام کے بعد الحجاج نے 25 مارچ 692ء کو مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ چھ ماہ تک شامیوں کا مقابلہ کرنے کے بعد ابن زبیر نے میدان میں لڑتے ہوئے شہادت پائی اور اہل مکہ نے حجاج

کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ عبدالملک نے اس فتح کے صلے میں حجاج کو گورنر حجاز بنا دیا۔

عراق کی بازیابی کے بعد عبدالملک کے سامنے خارجیوں کے خلاف فوراً کارروائی ضرورت پیدا ہوگئی۔ حجاج کی کوششوں سے المہلب کو تین سالہ کارروائی کے بعد خارجیوں کی بیخ کنی میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی اثنا میں خارجیوں کی ایک نئی جماعت نے کوفہ کے علاقے پر چڑھائی کر کے مدائن پر قبضہ کرلیا۔ اسی نئی جماعت کے خلاف بھی حجاج کو کارروائی کرنا پڑی۔ خراسان میں بغاوت وفساد کی آگ بھڑکی تو عبدالملک نے یہ علاقہ بھی حجاج کی تحویل میں دے دیا۔ حجاج نے المہلب کو اپنا نائب بنا کر اس علاقے کی حکومت اس کے سپرد کردی۔

692ء 73ھ میں ایک بار پھر سے بازنطینیوں سے جنگ شروع ہوگئی۔ اس کی وجہ مورخین نے یہ بتائی ہے کہ قیصر روم نے مسلمانوں کے نئے طلائی سکے کو جسے عبدالملک نے ڈھالا تھا جائز سکہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ خلیفہ کے بھائی محمد نے اناطولیہ اور ارمینیا میں رومیوں کے خلاف کارروائی کی جو کچھ زیادہ کامیاب نہ رہی مگر آئندہ کی یلغاروں کا راستہ کھل گیا۔

اسی زمانے میں شمالی افریقہ میں حسان بن نعمان نے قرطاجنہ کو فتح کیا۔ اگرچہ عبدالملک اپنے عہد خلافت میں جو 685ء سے 705ء تک کے بیس سالوں پر محیط ہے اندرونی خلفشار اور بیرونی جنگوں کی وجہ سے نہایت مصروف رہا۔ تاہم مملکت کے نظم ونسق کو بہتر بنانے پر اس نے پوری توجہ دی۔ نظم ونسق کو خالص اسلامی ڈھب پر لانے کے لیے پہلا قدم اس نے یہ اٹھایا کہ فارسی اور یونانی زبان کی جگہ پر عربی کو ہر صوبے کی سرکاری زبان قرار دے دیا۔ اس منصوبے کو مزید تقویت اس بات سے ملی کہ خلیفہ نے خالص اسلامی طلائی سکہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ بوزنطی دینار کی جگہ جس پر قیصر روم کی تصویر بنی ہوئی تھی ایک اسلامی دینار رائج کیا گیا جس پر قرآن پاک کی آیات کندہ تھیں۔ عبدالملک کا ایک تعمیری کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے القدس میں قبۃ الصخرہ تعمیر کرایا۔

عبدالملک کے عہد کے آخری سال خوشحالی اور امن اور استحکام کے تھے ان سالوں میں عبدالملک کے لیے کوئی پریشانی تھی تو صرف جانشینی کے سوال پر۔ مروان نے عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو اس کا جانشین مقرر کیا تھا مگر عبدالملک اب اپنے بیٹوں کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا۔ اس سوال پر بنوامیہ میں تفرقہ پڑنے والا تھا مگر عبدالعزیز کی موت نے عبدالملک کی موت اکتوبر 705ء سے پانچ مہینے پہلے یہ مسئلہ حل کردیا اور عبدالملک کا بڑا بیٹا ولید اس کا جانشین بنا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ تاریخ ابن کثیر جلد 8

686-87ء۔ مختار ثقفی کا خروج اور قتل

عراق کی بدنظمی اور طوائف الملوکی کو دیکھتے ہوئے ایک اور طالع آزما اور ابن الوقت شخص مختار بن عبید ثقفی کے سر میں حکومت کا سودا سمایا۔ یہ شخص شیعان علیؓ میں سے تھا۔ اگرچہ اس نے ایک موقع پر 40ھ میں جب امام حسنؓ نے حضرت امیر معاویہ کے مقابلے سے گریز کیا تھا اور مختار کے چچا سعد بن مسعود والی مدائن کے پاس پناہ لی تھی تو مختار نے اپنے چچا کو مشورہ دیا تھا کہ وہ حضرت امام حسنؓ کو ان کے حریف کے حوالے کر دے مگر آگے چل کر یہی شخص شیعوں کا حامی و علم بردار بننے والا تھا۔ حضرت امیر معاویہ کی وفات تک وہ گمنامی کے پردوں میں لپٹا رہا۔ پھر جب وہ گمنامی کے پردوں سے نمودار ہوا تو اس نے 61ھ میں کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کی حمایت میں نمایاں حصہ لیا۔ اس جرم کی پاداش میں اسے عبیداللہ بن زیاد نے قید کر دیا۔ پھر جب امام حسینؓ کربلا میں شہید ہو گئے تو کہیں جا کر اسے قید سے رہائی ملی۔ اس کے بعد وہ مکہ چلا گیا جہاں عبداللہ بن زبیر بنو امیہ کے خلاف تحریک چلانے کی خفیہ تیاری کر رہے تھے۔ اس شخص نے ابن زبیر کو قبل از وقت بنو امیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا جس میں اسے ناکامی ہوئی اور وہ طائف چلا گیا۔ قیام طائف کے زمانے میں اس کے خیالات میں پختگی آئی اور اس نے شیعی تحریک کو ایک نیا سیاسی رنگ دے کر پیش کیا۔ اس کی قیادت سنبھال لی۔ اسی دوران وہ مکہ واپس آیا اس وقت ابن زبیر خلافت کا اعلان کر چکے تھے اس نے چاہا کہ وہ اسے کسی کلیدی عہدے پر فائز کر کے کوفہ بھجوا دیں لیکن ایسا نہ ہوا اور وہ خود ہی کوفہ چلا گیا تا کہ وہاں پہنچ کر شیعی تحریک کی تجدید کرے۔

اس زمانے (64ھ) میں کوفہ میں شیعان علیؓ سلیمان بن صرد کی تحریک توابین کے زیر اثر تھے۔ المختار اس جماعت میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے خود کو حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کا نمائندہ ظاہر کر کے اپنی اشتعال انگیز اور مخصوص فصاحت سے ایک ایسی جماعت پیدا کر لی جس کا امام مہدیؑ کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ عنقریب ظہور کر کے دین حق کو دوبارہ قائم کر لیں گے۔ اپنی ان تقریروں میں مبہم جملے اور ایسے الفاظ استعمال کرتا جنہیں وہ الہامی ظاہر کرتا۔

اگرچہ اس نے عبداللہ بن زبیر کی حکومت کی کھلم کھلا مخالفت نہیں کی تھی مگر زبیری حاکم کوفہ عبداللہ بن یزید انصاری نے اسے مشکوک قرار دے کر قید میں ڈال دیا۔ سلیمان بن مرد کی موت

کے بعد جس کی اس نے پہلے سے پیشین گوئی کر رکھی تھی اسے اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ زبیری حکومت کے خلاف زبان نہیں کھولے گا اور نہ ہی نبرد آزما ہوگا۔ مختار نے اپنی اس رہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابراہیم بن الاشتر کا تعاون حاصل کر لیا جو حضرت علیؓ کے مشہور سپہ سالار مالک بن الاشتر کا بیٹا تھا۔ مختار نے اسے اپنا امین اور وزیر بنا لیا۔

پھر 14 ربیع الاول 66ھ 686ء کو انہوں نے اپنی بغاوت کا آغاز کیا اور کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عراق کے کئی دوسرے شہر بھی اس کے قبضے میں آ گئے لیکن بصرہ ابن زبیر کے ماتحت رہا۔

کوفہ پر تسلط حاصل کرنے کے بعد مختار نے قاتلین حسینؓ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا جو کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگے ان کے مکان کو مسمار کر دیا گیا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن، عمر بن سعد، عبداللہ بن اسید جہنی، عبداللہ بن قیس اور کئی دوسرے افراد کو قتل حسینؓ کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ شمر اور کئی دوسروں کی لاشوں کو آگ میں جلایا گیا اور کتوں سے پھڑوایا گیا۔ جب مختار کا کوفہ پر قبضہ ہو گیا تو اس نے محمد بن حنفیہ سے باقاعدہ بیعت خلافت لینے کی اجازت طلب کی۔ اس سے پہلے مختار اس قسم کی درخواست امام زین العابدینؓ سے بھی کر چکا تھا مگر آپ اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے تھے اس لیے آپ نے مسجد نبوی میں اس کی اہل بیت سے جھوٹی محبت کی قلعی کھول دی تھی۔ مگر محمد بن حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے مشورہ سے ابن زبیر کے مقابلے میں اس کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کہ وہ بار بار ان بزرگوں سے اپنی بیعت پر زور دے رہا تھا، اس کی درخواست کو منظور کر لیا۔ اب عبداللہ بن زبیر نے حضرت محمد بن حنفیہ پر بیعت کے لیے سختی شروع کر دی اور جب وہ نہ مانے تو انہیں زمزم کی چار دیواری میں قید کر دیا گیا اور قتل کی دھمکی دی گئی۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اپنے حال سے مطلع کیا جس پر مختار نے ایک فوج بھیج کر انہیں قید سے چھڑوایا اور چار لاکھ درہم کی رقم ان کے اخراجات کے لیے بھجوائی۔

ابن زیاد موصل میں مقیم تھا اور عراق پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ ابن الاشتر نے ابن زیاد اور اس کی اس فوج کو دریائے خزیر کے کنارے جا لیا اور شکست فاش دی۔ اس فوج کا قائد عبیداللہ بن زیاد جس کے حکم پر حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا گیا تھا اس جنگ میں مارا گیا۔ (687ء)

اس زمانے میں جب یہ شیعی تحریک پھل پھول رہی تھی مذہبی اعتبار سے بھی کئی ایک بے حد دلچسپ واقعات پیش آئے جن کی بدقسمتی سے ابھی تک کوئی واضح تشریح نہیں کی جا سکی۔ ان میں

بالخصوص خالی کرسی کی پرستش تھی۔ اس کرسی کے متعلق مختار نے یہ مشہور کیا تھا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرسی ہے۔ اسے عام زیارت کے لیے جامع کوفہ میں رکھا گیا اور اعلان کیا گیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تابوت سکینہ فتح و نصرت کی نشانی کے طور پر بھیجا تھا اسی طرح امت محمدیہ کے لیے یہ کرسی بھیجی ہے۔ جو فوج ابن زیاد کے مقابلے کے لیے گئی تھی اس کے ساتھ یہ کرسی بھی بھیجی گئی تھی۔ جلد ہی یہ کرسی سادہ لوح لوگوں کے لیے اتنی مقدس حیثیت اختیار کر گئی کہ اس کا طواف ہونے لگا۔ المختار کو اگرچہ کوفہ اور کوفے کے باہر بہت سی کامیابیاں حاصل ہوئیں مگر اسے عبداللہ بن زبیر کے بھائی معصب بن زبیر سے خطرہ تھا۔ وہی ہوا معصب نے دریائے دجلہ کے کنارے المذار کے مقام پر مختار اور اس کے ساتھیوں کو شکست دی پھر اس کے کچھ عرصہ بعد حروراء کے مقام پر اس نے شیعی افواج کو بالکل درہم برہم کر دیا۔ اس موقع پر مختار نے کوفہ کے قلعے میں پناہ لی اور بڑی بہادری سے چار ماہ مقابلہ کرتا رہا' آخر جب اس کے حامی اسے چھوڑ گئے تو وہ مایوسی کے عالم میں نکل کر حملہ آوروں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ (14 رمضان 67ھ 687ء)

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 20۔ تاریخ ملت جلد اول۔ تاریخ ابن کثیر جلد 8

687ء۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وفات

36ھ میں والی بصرہ کے پاس حضرت ابوایوب انصاری حاضر ہوئے اور اپنی احتیاج کا ذکر کیا۔ یہ والی بصرہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق و نسبت کی بناء پر حضرات صحابہ کرامؓ کی بڑی عزت و تکریم کیا کرتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ میزبان رسول (ﷺ) پریشان حال ہیں تو انہوں نے رسول اکرم (ﷺ) کی مہمانی کے سلسلے میں ان کی خدمات کے پیش نظر دل کھول کر ان کی اعانت فرمائی۔ چالیس ہزار درہم اور بیس خادموں کے علاوہ اپنے گھر کا سارا اثاثہ ان کے حوالے کر دیا۔ یہ سخی والی بصرہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے جنہیں ترجمان القرآن بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے جب کہ بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور زندگی گزار رہے تھے ان کی والدہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی سگی بہن تھیں۔ وہ ہجرت سے پہلے مسلمان ہو گئیں تھیں اس لیے عبداللہ بن عباسؓ پیدائش کے وقت ہی سے مسلمان تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کی طبیعت بچپن ہی سے علمی تحقیق کی طرف مائل تھی۔ ان کے دل میں یہ خیال بہت جلد پیدا ہو گیا تھا کہ صحابہ کرامؓ سے استفسارات کر کے حضرت نبی کریم (ﷺ) کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔ ابھی وہ نوعمر ہی تھے کہ معلم بن گئے اور حصول علم کے

خواہش مند لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان کا علم وفضل صرف حافظہ پر مبنی نہ تھا بلکہ ان کے پاس تحریری یادداشتوں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے عوام الناس میں درس دینا شروع کر دیا بلکہ تعلیم کے لیے باقاعدہ جماعتیں بنا دیں اور معین اوقات میں مختلف موضوعات' مثلاً تفسیر قرآن' فقہی مسائل' غزوات نبوی (ﷺ)' تاریخ قبل از اسلام اور قدیم عرب شاعری پر باقاعدہ درس دینے لگے۔

قرآن مجید کے الفاظ ومحاورات کی تشریح کرتے وقت ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے بیان کی تائید میں قدیم شعرائے عرب کے اشعار بطور دلیل پیش کیا کرتے ان کے اس طریق کار کی وجہ ہی سے مسلمان علمائے دین کے ہاں قدیم عرب شاعری کی اہمیت تسلیم کی گئی' چونکہ انہیں ایک مستند عالم دین سمجھا جاتا تھا لہٰذا لوگ ان سے اپنے معاملات کے لیے فتویٰ بھی لیا کرتے تھے۔ وہ اپنے ان فتاویٰ کے لیے بھی مشہور ہیں۔ بعض کی تائید میں انہیں بعد ازاں دلائل پیش کرنا پڑے۔ ابن عباس کی تشریحات مطالب قرآن کو جمع کر کے خاص خاص مجموع تیار کیے گئے۔ آج ان کی تفسیر یا ان تفسیروں کے متعدد مخطوطات اور مطبوعہ نسخے موجود ہیں جنہیں ان کی جانب منسوب کیا جاتا ہے

حضرت ابن عباس نے اپنے بچپن کے سال وفات نبوی (ﷺ) تک رسول اکرم (ﷺ) کی خدمت وصحبت میں گزارے۔ آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد صحابہ کبارؓ کی صحبت اختیار کی اور ان سے انہیں رسول اکرم (ﷺ) کی احادیث مبارکہ سننے اور یاد کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اسی وجہ سے کتب احادیث میں ان سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ (1660) احادیث مروی ہیں۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ تفسیر قرآن مجید میں یوں لگتا کہ جیسے شفاف پردے کے پس منظر سے غیب کی چیزیں دیکھ رہے ہوں۔

ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ وہ بہترین ترجمان القرآن ہیں محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں کہ ان کے حق میں نبی کریم (ﷺ) نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ! اسے کتاب وحکمت کا علم، فہم دین اور تاویل قرآن کا ادراک عطا کر۔ قلم کے ساتھ ساتھ آپ تلوار کے دھنی بھی تھے اسلامی افواج کے ساتھ بہت سے معرکوں میں شامل ہوئے مثلاً معرکہ مصر (21-18ھ) معرکہ افریقیہ (27ھ) معرکہ طبرستان اور جرجان (30ھ) ان معرکوں کے بہت عرصہ بعد 49ھ میں آپ قسطنطنیہ کے مہم پر بھی گئے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں وہ حضرت علیؓ کے لشکر کے ساتھ تھے اور لشکر کے

ایک جزو کے سالار اعلیٰ تھے۔ حضرت عثمان ؓ کے مشیروں میں تھے۔ وہ ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ وہ حضرت علی ؓ اور ان کے بیٹے الحسین ؓ کے بھی مشیر اعلیٰ تھے۔ حضرت علی ؓ کے عہد خلافت میں کچھ عرصہ انہوں نے عملی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ انہیں اہم سرکاری عہدوں پر فائز کیا گیا۔ جب 36ھ میں حضرت علیؓ کا بصرہ پر قبضہ ہوا تو انہیں اس شہر کا والی مقرر کیا گیا۔ 37ھ میں حضرت معاویہ کے ساتھ جو معاہدہ صفین ہوا اس پر دستخط کرنے والوں میں آپ شامل تھے۔ حضرت علی ؓ آپ کو اس معاہدہ کی رُو سے ہونے والی تحکیم کا حکم بنانا چاہتے تھے مگر خارجیوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو آج تاریخ اسلام کچھ اور ہوتی۔

38ھ میں آپ نے بصرے کی ولایت سے علیحدگی اختیار کر لی اور مکہ واپس آ گئے۔ اس علیحدگی کی مورخین نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت علی ؓ کی وفات تک ابن عباسؓ ان کی وفاداری کا دَم بھرتے تھے۔ حضرت علی ؓ کے ساتھ ان کے نزاع کی شاید کچھ وجوہات ہوں بھی مگر ان کی وفات کے بعد حضرت امام حسن ؓ نے ابن عباس کو اپنی افواج کا سالار مقرر کیا۔ اسی اثناء میں انہوں نے امام حسن ؓ کے کہنے پر امیر معاویہ سے مصالحت کی کوششیں بھی کیں۔ حضرت امیر معاویہ کے طویل عہد کے دوران آپ حجاز میں رہے اس دوران انہیں بنو ہاشم کے لیے انہیں کئی بار دربار دمشق جانا پڑا۔

وہ پریشان کن واقعات جو واقعہ کربلا کے بعد ہوئے ابن عباسؓ کو ان کی مرضی کے خلاف ایک بار پھر سیاسی منظر میں کھینچ لائے۔ ابن زبیر نے انہیں اور محمد بن حنفیہ کو انکار بیعت پر مکہ میں قید کر دیا۔ جب المختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے کوفہ سے جانبازوں کو بھیج کر انہیں رہا کرایا۔ اس دستے نے جب مکہ پر چھاپہ مارا تو ابن عباس نے شہر مقدس میں کسی قسم کی خونریزی نہ ہونے دی۔ زندگی کے آخری ایام میں وہ اس کے بعد طائف چلے گئے۔ وہیں ان کی بینائی بھی چلی گئی تھی یہیں 68ھ 687ء میں انہوں نے وفات پائی۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ تاریخ ابن کثیر جلد 8

691ء۔ قبتہ الصخرہ کی تعمیر

اسلامی عمارات میں سب سے قدیم اور پرشکوہ عمارت قبتہ الصخرہ ہے جسے خلیفہ عبدالملک بن مروان نے تعمیر کروایا۔

حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت عمر نے حرم قدس کی

زیارت کی۔ اسی دوران انہوں نے پادری صفرانیوس سے کہا تھا وہ اس شہر میں مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ پادری انہیں صخرہ (چٹان) کے پاس لے گیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے معراج کی شب آنحضرت (ﷺ) آسمان کی سیر کے لیے بلند ہوئے تھے۔ اس زمانے میں یہ چٹان نجاست سے اٹی پڑی تھی۔ حضرت عمر نے چٹان کو صاف کرایا اور ایک مسجد تعمیر کرائی جو مسجد عمر کہلائی۔ اسی صخرہ پر بعدازاں عبدالمالک بن مروان نے قبہ تعمیر کرایا۔ اس قبے کی تعمیر کا محرک بعض مورخین خصوصی یعقوبی کے نزدیک اس زمانے کے سیاسی حالات تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے امویوں کے خلاف بغاوت کر کے حجاز میں اپنی خلافت قائم کر رکھی تھی۔ لہٰذا عبدالملک کو یہ خوف لاحق ہوا کہ اہل شام وفلسطین جب حج کی ادائیگی کے لیے حجاز جائیں گے تو عبداللہ بن زبیر ان سے اپنی خلافت کی بیعت لے لیں گے۔ چنانچہ اس نے مسجد صخرہ کی تعمیر کروائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کا حج کریں اور صخرہ کا طواف کریں۔ اس کے برعکس مقدسی نامی ایک سیاح جس نے 982ء میں بیت المقدس کی سیاحت کی تھی لکھا ہے کہ عبدالملک نے جب مسیحیوں کا گرجا کنیسہ القیامتہ دیکھا جس کا عیسائی حج کرتے تھے تو اسے خدشہ ہوا کہ اس کی شان وشوکت کو دیکھ کر عام مسلمان متاثر ہونگے۔ اس نے عزم مصمم کرلیا کہ وہ ایسی ہی پرشکوہ مسجد تعمیر کرائے گا چنانچہ اس نے مسجد صخرہ تعمیر کرائی اس کی تعمیر سے پہلے عبدالملک نے اپنے عاملوں کو خطوط لکھے اور لوگوں کا عندیہ معلوم کیا۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس کے اس ارادے سے مسلمانوں میں غیض وغضب کی لہر دوڑ گئی کہ خلیفہ عوام الناس کو حج بیت اللہ سے روکنا چاہتا ہے جس پر عبدالملک کو شہاب الزہری کی سند سے لوگوں کو یہ حدیث مبارکہ سنانی پڑی کہ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ تین مساجد کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب ہے یعنی مسجد الحرام، مسجد نبوی (ﷺ) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)

دوسرا قول یہ ہے کہ لوگوں نے اس کے ارادہ تعمیر کی پرجوش پذیرائی کی تو خلیفہ نے القدس کی تزئین وآرائش کا کام شروع کرایا اور اس کی تعمیر وتزئین کے بعد اعلان کیا کہ یہ صخرہ آئندہ کعبہ کی جگہ تمہارا قبلہ ہوگا۔

اس قبے کی تعمیر کے لیے اس نے صوبہ مصر کی سات سال کی آمدنی مختص کردی۔ تعمیر کی نگرانی پہلی صدی ہجری کے مشہور مسلمان عالم رجاء بن حیوۃ کندی اور اپنے آزاد کردہ غلام یزید بن سلام کے سپرد کردی۔ جب تعمیر سے ایک لاکھ دینار بچ گئے تو اس نے یہ دینار دونوں نگرانوں کو انعام میں دینا چاہے مگر دونوں نے یہ رقم لینے کی بجائے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ایسے نیک کام میں تو اپنا مال

بھی لگانا چاہیے۔ اس پر عبدالملک نے ان دیناروں کے سنہری پترے بنوا کر قبے کے گنبد اور دروازوں پر چڑھوا دیئے۔ اس اسلامی عمارت کی تعمیر میں مسلمان معماروں کے علاوہ بوزنطی معماروں کے علاوہ یونانی صناعوں نے بھی کام کیا۔ قبتہ صخرہ کی مشرقی جانب ایک کتبہ لگا ہے جس میں لکھا ہے کہ ''اس قبے کو اللہ کے بندے عبدالملک بن مروان نے 72ھ میں تعمیر کروایا۔''

691ء۔ عبدالملک بمقابلہ مصعب بن زبیر

المختار کی بغاوت کے خاتمہ کے بعد حجاز کے علاوہ عراق پر ایک بار پھر عبداللہ بن زبیر کی حکومت بحال ہوگئی۔ ادھر شام اور مصر پر عبدالملک بن مروان کی خلافت تھی۔ جب عبدالملک نے عراق کو مصعب سے لینے کا عزم کیا تو اس نے جامع دمشق میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں انہوں نے اہل شام کو کہا مستعد ہو جاؤ کہ مصعب کا مقابلہ کیا جائے۔ اس پر کچھ عمائدین نے اسے مشورہ دیا کہ عبداللہ بن زبیر سے مصالحت کر لو اور اپنے مقبوضہ ممالک پر قانع رہو۔ مگر عبدالملک نے ان کا مشورہ قبول نہ کیا اور بذات خود مصعب بن زبیر کے مقابلے پر نکلنے کا عزم کیا۔ اس پر اہل شام نے اسے مشورہ دیا کہ وہ انکے مقابلہ پر خود نہ جائے اور کسی دوسرے کو اس مہم کا سالار بنا دیں لیکن عبدالملک نے جواباً کہا کہ اس مہم پر صرف کوئی قریشی ہی نکل سکتا ہے اور میں یہ خدمت بہتر طور پر سرانجام دے سکتا ہوں کیونکہ میں فنون حرب سے بھی واقف ہوں اور سیاستدان بھی ہوں۔ میرے مقابلے میں مصعب ہیں جو ایک بہادر اور وجیہہ شخص ہیں اور ایک بہادر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ در پردہ ان کے مخالف ہیں اور میرے وفادار۔

جب مصعب کو عبدالملک کی تیاریوں کی خبر ملی تو اس نے باجمیرہ کے مقام پر فوجوں کو جمع کیا۔ کچھ عرصہ وہ اس مقام پر افواج شام کے منتظر رہے پھر اس کے بعد وہ دیرالجثالیق کی جانب ہٹ گئے۔ اب ان کی حالت خطرہ میں پڑ گئی کیونکہ بصرہ کی فوج نے ان کے ہمراہ جانے سے انکار کر دیا۔ اس کی دوسری افواج ایک دور دراز مقام پر مہلب کی کمان میں خارجیوں سے مقابلہ کر رہی تھیں۔ زبیری افواج کا رویہ سرد مہری پر مبنی تھا کیونکہ مصعب کی سخت گیری سے اس کی فوج کے افسر تنگ آ چکے تھے اور غداری پر اُتر آئے تھے۔ در پردہ انہوں نے عبدالملک سے گفت وشنید شروع کر دی تھی۔ مروانیوں نے اپنے وعدوں کے ایفاء میں بخل سے کام نہ لیا۔ عبدالملک نے خود مصعب

سے بھی گفت وشنید کی لیکن جب انہیں اپنے ساتھیوں کی غداری کا علم ہوا تو انہوں نے ہر قسم کی پیشکش کو مسترد کر کے بہادروں کی موت مرنے کا عزم کر لیا۔

اس کے ساتھیوں میں سے صرف ابراہیم بن الاشتر ان کے ساتھ مخلص رہے اور اس نے عبدالملک کا سر بمہر خط بغیر پڑھے اس کے سامنے پیش کر دیا اور مصعب کو مشورہ دیا کہ عبدالملک نے آپ کے تمام سرداروں کی وفاداری کو خرید لیا ہے مناسب ہے کہ آپ ان سرداروں کو قصر ابیض کی جیل میں بند کر دیں مگر مصعب نے الاشتر کی اس تجویز کو پسند نہ کیا۔

آخر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں عین جنگ کے موقع پر مصعب کے سرداروں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا مگر ابراہیم نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جان دی۔ اس کے بعد عبدالملک نے مصعب کو جان بخشی اور یہاں تک کہ عراق کی گورنری کی پیشکش کی مگر اس نے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان کی موت پر خود عبدالملک بھی آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکا۔ مصعب اس لیے بھی مشہور ہیں کہ ان کے حرم میں دو نامور اور مقتدر خاندانوں کی صاحبزادیاں تھیں۔ ایک حضرت طلحہؓ کی بیٹی عائشہ اور دوسری حضرت علیؓ کی پوتی سکینہ۔

ماخذ: تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، تاریخ ابن کثیر

695ء۔ شہنشاہ جسٹینین دوم کی معزولی اور جلاوطنی

بازنطینی شہنشاہ جسٹینین دوم نکٹا شہنشاہ Rhinometus کہلاتا ہے۔ وہ خاندان ہرقل کا آخری فرمانروا تھا۔ جسٹینین دوم (669ء-711ء) اگرچہ ایک جابر شہنشاہ تھا مگر کئی طرح سے وہ ایک قابل حکمران بھی ثابت ہوا۔ اس نے سلاوؤں کو شکست دے کر مقدونیہ اور تھریس واپس لیے اور بازنطینی سلطنت میں شامل کر لیے۔ اپنے باپ قسطنطین چہارم کی وفات (685ء) پر وہ صرف سولہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اپنے عہد کے آغاز ہی میں اس نے عربوں سے ایک معاہدہ امن کیا جس کی رُو سے مسلمان خلیفہ کو خراج کی ادائیگی میں اضافہ کرنا پڑا اور قبرص اور آرمینیا میں بازنطینی حکومت کو اقتدار میں حصہ دینا پڑا۔ اس ڈپلومیٹک فتح کے بعد اس نے میدان جنگ میں نکل کر سلاوؤں سے تھریس میں جنگ لڑ کر مقدونیہ اور تھریس واپس لئے۔ (688ء) قبرص میں عربوں کے ساتھ اختلاف ہونے کی وجہ سے عربوں نے مشرقی محاذ پر حملہ کر دیا اور بازنطینی فوج کو

Sebastopous کے مقام پر شکست دے کر بازنطینی آرمینیا پر قبضہ کرلیا۔

اُدھر قسطنطنیہ میں شہنشاہ نے مذہبی امور پر ایک کونسل بلائی جسے پاپائے روم نے تسلیم نہ کیا جس کی وجہ سے شہنشاہ اور پوپ میں مخاصمت کا آغاز ہوگیا۔ شہنشاہ کی جابرانہ پالیسیوں اور اس کے مالیاتی امور کے امیروں کے بے رحمانہ رویئے کے خلاف 685ء میں بغاوت رونما ہوئی جس کے دوران باغیوں نے ایک نیا شہنشاہ متعارف کرایا۔ باغی افسروں نے شہنشاہ جسٹینین دوم کو معزول کر کے اس کے ناک کان کاٹ کر (اسی وجہ سے شہنشاہ بعدازاں نکٹا کہلایا) اسے کریمیا جلاوطن کردیا۔

کئی سال جلاوطن رہنے کے دوران اسے اطلاع ملی کہ شہنشاہ ٹائبریس ثانی اسے گرفتار کرنے کا منصوبہ تیار کررہا ہے۔ جسٹینین نے بھاگ کر خان خضار Khan of Khazar کے پاس پناہ لی۔ اس خان کے ساتھ ہرقل کے خاندان کے خصوصی مراسم تھے۔ خان نے اس کی شادی اپنی بہن سے کردی لیکن جلد ہی شہنشاہ قسطنطنیہ نے خان کو رشوت دے کر اسے جسٹینین کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ جسٹینین کو اس سازش کی خبر پیشگی طور پر اس کی بیوی سے مل گئی جس کے بعد اس نے بھاگ کر بلغاریہ میں پناہ لی۔ بلغاریہ کے حکمران کی فوجی امداد سے اس نے 705ء میں قسطنطنیہ پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا اور دوبارہ شہنشاہ بن گیا۔ اپنی دوبارہ شہنشائیت کے دوران اس نے پوپ سے صلح کرلی۔ پوپ نے اس کے بعد 710ء میں قسطنطنیہ کا دورہ کیا۔ اس کے دوبارہ عہد میں اس نے اپنے مخالفوں کو چن چن کر مروایا جس کی وجہ سے 711ء میں اس کے خلاف ایک اور بغاوت ہوگئی۔ جسٹینین دوم باغیوں سے اناطولیہ میں لڑتے ہوئے مارا گیا جس کے بعد آرمینیا کے ایک شخص نے فلپی کس Philippicus کے نام سے بازنطینی تخت پر حکومت کی۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 6

696ء۔ اسلامی سکہ کا اجرا

اسلام سے پہلے عرب میں ایرانی درہم اور رومی دینار رائج تھے۔ 18ھ میں حضرت عمرؓ نے پہلے اسلامی درہم ڈھلوائے۔ یہ درہم ایرانی درہموں کے نمونے پر ڈھالے گئے تھے لیکن ان پر الحمدللہ اور لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کے الفاظ نقش کندہ کیے گئے تھے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہ اور عبداللہ بن زبیر نے اپنے اپنے عہد میں درہم ڈھلوائے۔ 76ھ میں

عبدالملک بن مروان نے خالد بن یزید کے مشورہ سے پہلے اسلامی دینار ڈھلوائے۔

اس کا پس منظر یہ تھا کہ دربار خلافت سے قیصر روم کی طرف جو خطوط بھجوائے جاتے تھے ان کی پیشانی پر اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت کا ذکر ہوتا تھا۔ قیصر روم کو یہ ذکر ناگوار گزرتا تھا۔ قیصر نے عبدالملک کو لکھا کہ یہ جو تم نے نیا طریقہ جاری کیا ہے اسے میں پسند نہیں کرتا۔ اگر اسے بند نہ کیا گیا تو میں اپنے ہاں کے دیناروں پر کہ جو تمہارے ہاں بھی رائج ہیں تمہارے نبی (ﷺ) کی شان میں غیر مناسب الفاظ کندہ کرا کے بھیجوں گا۔

قیصر روم کی اس دھمکی کا جواب عبدالملک نے اس طرح دیا کہ رومی دیناروں کا داخلہ ممالک اسلامیہ میں بند کر دیا اور پہلے اسلامی دینار جاری کئے۔ عبدالملک کے اس اسلامی دینار کا وزن 4.25 گرام تھا جبکہ قدیم دینار کا وزن 4.55 گرام ہوتا تھا۔

حجاج بن یوسف کی نگرانی میں عراق میں سرکاری اسلامی ٹکسال قائم کی گئی اور دوسرے لوگوں کو نجی طور پر سکہ ڈھالنے کی ممانعت کر دی گئی۔ چنانچہ سمیر نامی ایک یہودی نے جب اس کے بعد سکہ ڈھالنے کی کوشش کی تو اسے گرفتار کر لیا گیا۔ سمیر یہودی نے درہم و دینار کا وزن کرنے کا کانٹا ایجاد کیا تا کہ اپنی اس کارگزاری سے حجاج کے عتاب سے بچ جائے مگر حجاج نے اسے ذاتی سکہ ڈھالنے کے جرم میں قتل کروا دیا۔ عبدالملک کے جاری کردہ اس اسلامی دینار کے ایک رخ پر ''قل ہو اللہ احد'' اور دوسری جانب ''لا الہ الا اللہ'' نقش تھا۔ دونوں رُخوں کے حاشیہ پر ایک حلقہ بنا ہوا تھا۔ اس حلقہ میں تاریخ اور مقام درج ہوتا تھا جبکہ دوسرے میں محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلیہ لکھا ہوا تھا۔

ماخذ: تاریخ طبری جلد پنجم۔ تاریخ ملت جلد اول۔ اردو دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 9

697ء۔ مسلمانوں کی فتح قرطاجنہ

شمالی افریقہ کا قدیم ترین شہر قرطاجنہ خلیج تونس کے کنارے آباد تھا۔ اسے نویں صدی قبل از مسیح میں فونیقیوں نے آباد کیا تھا۔ زمانہ قدیم میں یہ روما کا ہم پلہ شہر رہا تھا۔ تیسری صدی قبل از مسیح کی جنگوں میں روما کے ساتھ قرطاجنہ کا مقابلہ زوروں پر رہا تھا' اس میں مشہور قرطاجنی جرنیل ہینی بال بھی شامل تھا جسے رومی جرنیل سیپو افریقی نے شکست دی تھی۔ مسلمانوں کے تین عظیم فاتحین نے

افریقہ کو فتح کیا۔ ان میں اولین عبداللہ بن ابی سرح ہیں جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں افریقہ آئے۔ دوسرے عقبہ بن نافع تھے جو اسلام کا پیغام لے کر بحر اوقیانوس کے کنارے تک چلے گئے۔ تیسرا فاتح حسان بن نعمان غسانی تھا جو چالیس ہزار سواروں کے ساتھ افریقہ میں داخل ہوا۔ وہ قرطاجنہ کی طرف بڑھا۔ یہ عظیم الشان شہر دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا۔ رفعت و عظمت' شاندار و خوبصورت عمارات میں روما سے کم نہ تھا۔ اس زمانے میں یہ بازنطینیوں کے قبضہ میں تھا۔ انہوں نے قرطاجنہ کو بچانے کی بڑی کوششیں کیں مگر سخت کشت و خون اور طویل محاصرہ کے بعد شہر فتح کر لیا گیا اور شہر کی مضبوط حفاظتی قلعہ بندی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا جب حسان شہر فتح کر کے واپس ہوا تو آس پاس کے لوگوں نے قرطاجنہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا اور باغی ہو گئے۔ اس پر حسان کو دوبارہ جنگ لڑنا پڑی جس میں کئی بہادروں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس سے پہلے رومیوں نے مسلمانوں کے فتح کیے ہوئے ایک افریقی شہر برقہ پر حملہ کر کے زہیر بن قیس والی افریقہ اور اس کے ساتھیوں کو شہید کر دیا تھا اور شہر میں لوٹ مار کی تھی۔ قرطاجنہ کو دوبارہ فتح کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور برقہ پر رومیوں کی غارت گری اور ان کی بغاوت کا پورا بدلہ لیا۔

حسان کی ان فتوحات سے مسلمانوں کا فریقہ سے اٹھتا ہوا اقتدار پھر سے قائم ہو گیا مگر زخمیوں کی تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے حسان کو قیروان لوٹنا پڑا۔ کچھ دن کے بعد جب اس کی فوج تازہ دم ہو گئی تو وہ افریقہ کے ایک اور طاقتور حکمران ملکہ وامیہ جو کاہنہ کے نام سے مشہور تھی اس کے مقابلے کے لیے نکلا۔ شہر نینی پر کاہنہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو شکست ہوئی اور افریقی مقبوضات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

عبدالملک کو جب اس شکست کی خبر ملی تو اس نے ایک لشکر جرار بطور کمک بھیجا۔ مگر کاہنہ نے پہلی جنگ کے دوران جو مسلمان جنگی قیدی بنائے تھے ان میں ایک نوجوان خالد بن یزید نامی تھا جسے کاہنہ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ اسی نوجوان نے حسان کو اطلاع دی کہ اب بربر منتشر ہو چکے ہیں فوراً حملہ کیا جائے۔ کاہنہ کو اس نامہ و پیام کی خبر مل گئی اس نے اپنے ملک کے تمام قلعہ اور شہر برباد کر دیئے۔ اس وجہ سے وہ عوام کی نظر میں گر گئی۔ اب حسان نے اسے شکست دے دی۔

ماخذ: ابن اثیر جلد 4۔ بہادران اسلام تذکرہ۔ تاریخ ملت جلد اول صفحہ 589

698ء۔حجاج بن یوسف کے اقتدار میں توسیع

691ء میں حجاج بن یوسف نامی ایک شخص دمشق کی گلیوں میں مارا مارا پھر رہا تھا وہ طائف سے آیا تھا تا کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے وزیر ابوزرعہ روح بن زنباع الجذامی کے تحت محکمہ پولیس (شرطہ) میں ملازمت کرے۔ جلد ہی اس نے خلیفہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی' کیونکہ وہ ان باغی گروہوں میں نظم وضبط بحال کرنے میں کامیاب ہوگیا جن کو ساتھ لے کر خلیفہ خود مصعب بن زبیر کے ساتھ لڑنے جارہا تھا۔ اس کٹھن کام کو سرانجام دینے کے لیے اس نے جو انقلابی طریقے استعمال کیے ان میں اس کی اس حکمت عملی کے آثار مل جاتے ہیں جس کی بدولت وہ بعد میں مشہور اور بقول بعض بدنام ہوا۔ بنوامیہ کا یہ سب سے زیادہ مشہور اور لائق ترین گورنر تاریخ کی ایک متنازعہ شخصیت ہے اسے ہیرو کہیں یا ایک بدنام زمانہ انسان؟

مصعب بن زبیر کے خلاف مہم میں الحجاج نے عقبی دستے کی قیادت کی اور بہادرانہ کارنامے سرانجام دیئے۔ اسی کارکردگی سے وہ اتنی ممتاز حیثیت پا گیا کہ اسی مہینے میں وہ خلیفہ کے حکم پر دو ہزار شامی فوج کے ساتھ خلیفہ کے مخالف عبداللہ بن زبیر کے مقابلے کے لیے کوفہ سے مکہ روانہ ہوا۔ وہ طائف تک بغیر کسی مزاحمت کے بڑھتا چلا گیا اور قابض ہوگیا۔ خلیفہ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ سب سے پہلے ابن زبیر سے بات چیت کرے اور اسے یقین دہانی کرائی جائے کہ اگر وہ بیعت کرے گا تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی لیکن اگر مخالفت جاری رہے تو محاصرہ کر کے اس کی رسد بند کردے مگر اس مقدس شہر میں ہرگز کوئی خونریزی نہ ہو۔ گفت وشنید کی ناکامی کے بعد حجاج تحمل سے کام نہ لے سکا اور اس نے خلیفہ سے اجازت چاہی کہ مکہ کو بزور شمشیر فتح کیا جاسکے۔ جب اسے یہ اجازت حاصل ہوئی تو اس نے جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے شہر اور حرم دونوں پر پتھر برسانے شروع کیے۔ حج کے دوران بھی وہ اس سنگ باری سے باز نہ آیا۔ چونکہ ابن زبیر نے اسے طواف اور سعی کرنے کی اجازت نہ دی تھی اس لیے اس نے ناراض ہو کر خانہ کعبہ کو بھی سنگ باری کی زد میں لے لیا۔ ایک اچانک طوفان برق باراں کو جہاں اس کے خوفزدہ سپاہیوں نے عذاب الٰہی کی وعید قرار دیا وہیں اس نے اسے علامت فتح سے تعبیر کیا۔ سات مہینے کے محاصرے کے بعد ابن زبیر صحن کعبہ میں لڑتے ہوئے شہید ہوگیا۔ اس سے ریاست کی وحدت بحال ہوگئی۔ عبدالملک نے اس پر اظہار تشکر کیا اور حجاج کو یمن' حجاز اور یمامہ کا گورنر بنادیا۔

73ھ اور 74ھ میں گورنر نے حج کی قیادت کی۔ حجاز میں اس نے امن وامان تو بحال کر دیا مگر عوام اس کی سختیوں سے تنگ آ گئے۔ شاید اسی وجہ سے خلیفہ کو اسے عراق کا گورنر بنانا پڑا۔ خارجیوں کی شورش کی وجہ سے عراق کی گورنری کے لیے خلیفہ کے پاس اس سے بہتر کوئی شخص نہ تھا۔

الحجاج نے 694ء 75ھ کے آغاز میں کوفہ کی گورنری سنبھالی۔ شروع میں خراسان' سجستان وغیرہ کے علاقے اس کی گورنری میں شامل نہیں تھے اور اس کا اقتدار عراق تک محدود تھا۔ اسی زمانے میں حجاج اور حضرت انس بن مالک ؓ میں شدید جھگڑا ہوا جو خوش قسمتی سے خلیفہ کی مداخلت کی وجہ سے حضرت انس بن مالک کی اخلاقی فتح پر ختم ہوا۔ اپنے اقتدار میں توسیع کے بعد حجاج نے ازارقہ اور ایک مشہور خارجی شبیب بن یزید کے خلاف فتح حاصل کی۔ عراق میں امن و امان کی بحالی اور خارجی شورش کے خاتمے کے بعد خلیفہ نے 78ھ 698ء میں اسے خراسان اور سجستان کی گورنری بھی عطا کر دی جس سے اس کا اقتدار وسیع تر ہو گیا۔

خراسان کا انتظام اس نے المہلب کے سپرد کیا اور سجستان کو نئے سرے سے مطیع کرنے کے لیے اس نے عبدالرحمٰن بن الاشعث کو بھیجا مگر اس کی سختیوں سے عبدالرحمٰن باغی ہو گیا اور اس نے الحجاج کے خلاف عراق پر چڑھائی کر دی اور بصرے کے نواح کا محاصرہ کر لیا۔ حجاج کو دربار خلافت سے شامی فوجوں کو مدد کے لیے طلب کرنا پڑا۔ شامی افواج نے جن کی قیادت عبدالملک کے دو بیٹے کر رہے تھے دیر جماجم کے مقام پر الاشعث کو شکست دی اور امن وامان بحال کر دیا۔ عراق کے عربوں کی یہ آخری بغاوت تھی۔ 702ء میں الحجاج نے کوفہ اور بصرے کے درمیان ایک قلعہ بند شہر واسط تعمیر کرایا خود شامی افواج کے ساتھ یہیں منتقل ہو گیا۔ اب حجاج خراسان کے علاوہ تمام اسلامی مشرق کا حکمران بن چکا تھا۔ اگرچہ عبدالملک اپنے اس گورنر کی کارروائیوں پر کبھی کبھی قدغن لگاتا تھا مگر اس کے بیٹے ولید نے اسے ہر معاملے میں کھلی چھٹی دیدی۔ مشرق میں ولید کے زمانے کی فتوحات حجاج ہی کی مرہون منت ہیں۔ ہندوستان کو محمد بن قاسم' ماوراء النہر کو قتیبہ بن مسلم اور عمان کو مجاعہ بن معر نے الحجاج کے ہی حکم سے فتح کیا۔

انتظامی امور میں حجاج کی مستعدی' اس کا استقلال اور نفسیات انسانی کا مطالعہ اور نازک لمحات میں اہم فیصلے کرنا اس کا قابل تعریف طریقہ کار تھا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 7۔ تاریخ ابن کثیر جد 8-9

700ء۔امام ابن شہاب زہری دمشق میں

کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص جس نے احادیث نبوی (ﷺ) کی تدوین کی وہ امام ابن شہاب زہری تھا۔امام زہری نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان سے احادیث سن کر لکھ لی تھیں آگے روایت کرنے کی اجازت عطا کی۔خود ان کے شیوخ میں ہم خاص طور پر حضرت عروہ بن زبیر اور سعید بن المسیب کا ذکر کرتے ہیں۔الزہری دس سال تک سعید بن المسیب کی خدمت میں باقاعدگی سے حاضر رہے۔ان کے علم وفضل کی وجہ سے انہیں اپنے وقت کا سب سے بڑا محدث تسلیم کیا گیا۔ آپ فن سیرت نگاری کے بھی استاد تھے اور ابن اسحٰق کے سب سے مشہور شیخ ہیں۔

پورا نام محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبداللہ الاصغر بن شہاب المعروف بہ ابن شہاب تھا غالباً 670،51ھ میں پیدا ہوئے۔بعض لوگوں کے ان کا سنہ پیدائش 57ھ،58ھ بھی دیا ہے۔قریش کے مشہور قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق کی وجہ سے ان کی نسبت زہری ٹھہری۔ان کا دادا عبداللہ الاصغر پہلے اسلام کا مخالف تھا لیکن بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ان کا شمار اکابر حفاظ حدیث اور فقہا میں ہوتا ہے۔بچپن میں مروان کے دربار میں حاضر ہو چکے تھے۔بعد میں عبدالملک کے دربار میں حاضر ہوئے۔شاید یہ واقعہ 73ھ 692ء کا ہے۔

ان کے مستقل دمشق میں قیام کرنے کا زمانہ وہ ہے جب ابن الاشعث نے الحجاج کے خلاف بغاوت کی تھی۔انہوں نے شدید ضرورت کے تحت مدینہ منورہ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔اس وقت وہ قبیصہ بن ذویب کی وساطت سے جو عبدالملک کا خاتم بردار تھا، عبدالملک کے پاس پہنچے۔ کہتے ہیں کہ عبدالملک نے ابن المسیب سے زہری کے حالات دریافت کیے تھے۔ان کے حالات سن کر عبدالملک نے ان کے تمام قرضے ادا کر دیئے اور ان کے گزارے کے لیے اس نے ایک مخصوص آمدنی بھی وقف کر دی۔ماہر فنون شعر ہونے کی وجہ سے یزید ثانی (104ھ تا 105ھ) نے انہیں قاضی مقرر کر دیا تھا وہ ان کی بڑی قدر کرتا تھا۔یزید ثانی کے جانشین ہشام (105ھ تا 125ھ) نے انہیں اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ایک مرتبہ الزہری نے ہشام سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے جانشین ولید بن یزید پر بڑی کڑی نکتہ چینی کی جب کسی نے ان کے یہ الفاظ ولید تک پہنچائے اور ولید خلیفہ بنا تو زہری نے دمشق چھوڑنے کا فیصلہ کیا لیکن اس ارادہ کی تکمیل سے پہلے ہی 124ھ شعب کے قریب اپنی جاگیر میں ان کا انتقال ہو گیا۔دمشق چلے جانے کے بعد بھی الزہری اکثر اپنے وطن الحجاز جایا کرتے اور دیر تک قیام رہتا تھا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 10۔تاریخ محدثین جلد اول

701ء۔شہر واسط کی تعمیر

وسطی عراق کا ایک شہر جسے حجاج بن یوسف نے تعمیر کرایا واسط کہلاتا ہے۔ دراصل وہ شامی افواج کے لیے ایک علیحدہ مستقل چھاؤنی بنانا چاہتا تھا جو اس کے بہترین سپاہی تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اخلاقی انحطاط کا شکار تھے۔ ان کی اخلاقی حالت مضبوط کرنا مقصود تھی۔ اس کے علاوہ شامی افواج کے عراقی افواج سے الگ الگ رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے میں مخاصمت اور مزاحمت نہ ہونے پائے۔ اس نئے فوجی شہر کی تعمیر سے کوفہ اور بصرے کے دو نہایت سرکش نوآباد فوجی شہروں پر دباؤ رکھا جائے۔ عام روایت کے مطابق اس شہر کا نام واسط (درمیانہ) خود حجاج نے تجویز کیا تھا کیونکہ یہ عراق کے دو بڑے شہروں کے درمیان اور خوزستان کے صدر مقام اہواز سے تقریباً برابر فاصلے پر واقع تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہاں پہلے ہی سے ایک گاؤں واسط القصب نامی واقع تھا۔ بعد کے زمانوں میں عراق میں واسط نام کے اور شہر بھی آباد ہوئے اسے اپنے ہم نام شہروں سے الگ کرنے کے لیے اسے واسط الحجاج یا واسط العراق بھی کہتے تھے۔ واسط دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر آباد کیا گیا اس سے متصل علاقوں میں ساسانی عہد سے آبادیاں موجود تھیں۔ اس کے بالمقابل دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ''کسکر'' نامی شہر آباد تھا۔

الحجاج نے واسط میں اپنے لیے جو محل تعمیر کروایا تھا اس پر ایک اونچا سبز گنبد تعمیر کیا گیا جس کا نام ''قبتہ الخضراء'' مشہور ہو گیا۔ محل کے ساتھ اس نے ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی۔ عباسی عہد میں جب المنصور نے بغداد تعمیر کروایا تو اسی محل اور اس سے متصل مسجد کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھا تھا۔ الحجاج نے اس محل میں ایک قید خانہ بھی تعمیر کروایا تھا جس کا نام ''دیماس'' تھا۔

پہلے پہلے حجاج نے اس شہر میں صرف شامیوں کو آباد ہونے کی اجازت دی۔ پھر اس نے ماوراء النہر کے ترکوں کو یہاں لا کر آباد کیا۔ اس کی وفات کے بعد عراقیوں اور ایرانیوں کو اس شہر میں آباد ہونے کی اجازت ملی۔ جوں جوں وقت گزرتا چلا گیا اس کی آبادی بڑھتی چلی گئی۔ ایک زمانہ میں واسط اور کسکر آپس میں مدغم ہو کر جڑواں شہر بن گئے۔

اموی عہد میں یہ شہر عراق کا صدر مقام رہا۔ عباسی عہد میں عباسیوں نے اس کی سربلندی کا خاتمہ کر دیا تاہم یہ عسکری طور پر ایک اہم مقام رہا۔ ملک کی عسکری اور سیاسی تاریخ میں اس نے ہمیشہ نمایاں حصہ لیا۔ پندرہویں صدی میں اس شہر کے زوال کی ابتداء ہوئی اس کی وجہ شاید دریائے دجلہ کے پانی کی تقسیم تھی۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، جلد 22۔ تاریخ ابن کثیر جلد 9

705ء۔خلیفہ ولید بن عبدالملک کی مسند نشینی

اکتوبر 705ء میں خلیفہ عبدالملک کی وفات پر ولید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔اس کی عمر 30 سال تھی۔تخت نشین ہوتے ہی اس نے ایک طرف تو شاہی طمطراق اور دوسری طرف مذہبی جوش اور ولولہ کی نمائش شروع کردی جو اس کے پیشرو خلفاء میں بالکل مفقود تھی۔تاریخ خلفا بنوامیہ میں ولید کا مقام اس خاندان کے معمار کا ہے۔اسی نے جامع اموی دمشق تعمیر کروائی تھی۔اس کی حکومت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے نظام حکومت کو عربیت کے سانچے میں ڈھالا۔اس کے عہد کی بیرونی فتوحات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔اس کے عہد میں عربی سلطنت نے ماوراء النہر سے لے کر ہسپانیہ تک بڑی وسعت حاصل کی۔اسی کے عہد میں وسطی ایشیاء میں اہم فتوحات ہوئیں اور برصغیر میں مسلمان سندھ سے ملتان تک کے علاقوں پر قابض ہوئے۔اس لحاظ سے ولید اول سے آخر تک برابر ایک خوش بخت فرمانروا ثابت ہوا۔کامیابی اور کامرانی اس کے قدم چومتی رہی۔

خلیفہ عبدالملک کے والد مروان نے اپنی وفات سے پہلے عبدالملک کے ساتھ اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کی ولی عہدی کی بیعت لی تھی۔عبدالملک نے اپنی موت سے تقریباً دو سال پہلے حجاج بن یوسف کی تحریک پر اپنے بھائی عبدالعزیز پر زور دیا تھا کہ وہ اس کے بیٹے الولید کے حق میں دستبردار ہو جائے مگر عبدالعزیز اپنی ولی عہدی کے حق میں ڈٹا رہا۔ولید کی خوش قسمتی سے اس کے چچا عبدالعزیز نے اس کے والد سے صرف دو ماہ پہلے اگست 705ء میں وفات پائی جس سے عبدالملک نے یہ فرمان جاری کردیا کہ اس کے بعد ولید خلیفہ ہوگا اور اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا سلیمان۔

عبدالملک نے اپنے دونوں بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ حجاج بن یوسف کی عزت کریں کیونکہ اس نے بنوامیہ کے لیے منابر اور مقابر کو روندا اور شہروں کو پامال کیا تھا۔کہتے ہیں آخر زمانہ میں خلیفہ ولید کو حجاج کا وجود کھٹکنے لگا تھا چنانچہ جب شوال 95ھ میں حجاج کے انتقال کی خبر اسے ملی تو اسے بڑی خوشی ہوئی تھی مگر خلیفہ خود بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا۔اس کے صرف آٹھ ماہ بعد 25 فروری 715ء کو اس کا بھی انتقال ہوگیا۔اس کی مدت خلافت 9 سال آٹھ مہینے تھی۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کا مستبدانہ طور طریقہ بھی جو اس کے وقت میں زمیوں کی طرف رواداری میں کمی کی شکل میں ظاہر ہوا کامیاب ثابت ہوا۔شام میں خلیفہ کو مسلمہ مقبولیت حاصل تھی۔لوگ اس کی عظیم الشان عمارات' اس کے فیاضانہ کارناموں اور رفاہ عامہ کے کاموں اور اس

کے عہد حکومت کی بڑی بڑی فتوحات کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ ولید بھی اپنے بیٹے کو اپنے بھائی کی جگہ اپنے بعد تخت نشین کرانا چاہتا تھا کہ 25 فروری 715ء کو دمشق کے قریب ایک گاؤں دیر مران میں موت نے اسے آلیا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 23 مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، عہد بنوامیہ، زاہد چوہدری

706ء۔ دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر

اسلامی فن تعمیر کے اولین اور عظیم ترین شاہکاروں میں ایک جامع مسجد اموی دمشق ہے۔ اس شاہکار کی تعمیر کا سہرا خلیفہ ولید بن عبدالملک کے سر ہے۔

مسیحی روایات کی رُو سے یہ مسجد یوحنا بپتسمہ دینے والے (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے گرجا کی جگہ بنائی گئی..... بہر حال اس گرجا کی ملکیت کا جھگڑا حضرت امیر معاویہ کے عہد سے چلا آتا تھا۔ مسلم روایات کہتی ہیں کہ سیاح ارکلف غلطی پر تھا۔ اس نے خیال نہیں کیا کہ مسجد اور گرجا مل کر ایک ہی عمارت بناتے ہیں یا مسجد اور گرجا ایک ہی عمارت کے دو حصے ہیں۔ امیر معاویہ کے بعد خلیفہ عبدالملک نے عیسائیوں کے ساتھ گفت وشنید کی کہ وہ پورا گرجا دے دیں مگر بے سود۔ الولید نے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا اور اس کی ملکیت مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ اس نے پوری عمارت کو گرایا نہیں بلکہ صرف محراب دار حصے کو منہدم کرایا اور اپنے ذوق و روایات کے مطابق ردوبدل کر کے اسے مسجد کی شکل دے دی۔ گرجے کے داخلی حصے کو بالکل نئے قالب میں ڈھال دینے میں الولید نے پوری گرمجوشی دکھائی جس میں اس نے اپنے ذوق نمائش کو اور شامی آرائش کنندگان کی تجاویز پر پوری توجہ دی۔ اس نے سنگ مرمر پر کام کرنے والوں کی ایک پوری فوج جمع کر لی اور سب ستونوں پر سونا چڑھوا دیا۔ دیواروں پر پچی کاری کرائی۔ لاجوردی زمین پر سونے کے حروف میں ایک کتبہ لکھوایا جس پر خلیفہ ولید کا نام مع تاریخ (نومبر 706ء) جو کام کے آغاز کی تاریخ تھی درج تھی یعنی خلیفہ کی تخت نشینی کے ایک سال بعد یہ عظیم شاہکار وجود میں آیا۔

395ء میں دمشق بازنطینی عیسائیوں کے ہاتھ آیا تھا اور ان کی سلطنت کا حصہ بن گیا تھا۔ اسی دور میں یوحنا اصطباغی کے نام سے منسوب یہ گرجا تعمیر کیا گیا تھا جو بعد میں مسجد میں تبدیل کیا گیا۔ حضرت یحییٰ بن حضرت زکریاؑ کا بریدہ سر ایک تہہ خانے میں ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ تہہ خانہ اب

جامع اموی میں واقع ہے۔اس کی مسیح اور مسلمان یکساں تکریم کرتے ہیں۔

جامع مسجد اموی کے انتہائی مغرب میں تین قبے صحن میں تھے ان میں سے سب سے غربی قبے میں بیت المال قائم تھا۔ یہ سیسے کا بنا ہوا تھا اور آٹھ ستونوں پر ایستادہ تھا۔ابن بطوطہ کے زمانے میں بھی اسے قبۃ الخزانہ کہتے تھے آج کل بھی یہ قبہ اسی نام سے موسوم ہے۔

709ء۔فتح بخارا

قتیبہ بن مسلم کی وسطی ایشیا کی فتوحات تاریخ اسلام کا ایک سنہرا باب ہیں۔قتیبہ بن مسلم کی کی سپاہیانہ صلاحیتوں کو حجاج بن یوسف نے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے خلاف جنگ میں بھانپ کر اسے 704ء میں والی خراسان بنا دیا۔قتیبہ خراسان کے دارالحکومت مرو پہنچا تو وہاں اسے اپنی فطری سپہ گری کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع میسر آ گیا۔اس نے آس پاس کے ترک قبائل پر مسلسل اور کامیاب حملے کر کے خلافت عرب کی حدود کو اس قدر وسیع کر دیا کہ لامحالہ اس کا شمار عہد بنوامیہ کے عظیم ترین فاتحین میں ہونے لگا۔خراسان سے پرے دریائے جیحون کے پار کے علاقے میں کئی چھوٹے چھوٹے حکمران تھے جن میں سے کچھ مسلمانوں کے باجگذار تھے اور کچھ خاقان چین کے زیر اثر تھے۔اس علاقے پر قتیبہ سے پہلے بھی مسلمانوں نے فوج کشی کی تھی مگر جونہی لشکر اسلام سردی کے موسم میں واپس چلا جاتا وہ حکمران پھر سے بغاوت کر دیتے اور موقع ملتے ہی عسکری مراکز اور نومسلم علاقوں پر حملہ کر کے نقصان پہنچاتے تھے۔705ء میں مکمل عسکری تیاریوں کے ساتھ قتیبہ نے طخارستان پر حملہ کیا۔وہاں کے حکمران نے فوراً اطاعت اختیار کر لی۔اگلے سال اس نے بخارا کی طرف توجہ کی۔وہاں وہ بادغیس کے حکمران نیزک سے معاہدہ صلح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔اسی چالاک حکمران کے خلاف قتیبہ کے پیشرو گورنر خراسان یزید بن ابی مہلب نے بھی لشکر کشی کی تھی۔اس کے بعد قتیبہ دریائے جیحوں کو عبور کر کے وسطی ایشیا کے شہر بیکند کی طرف بڑھا جب وہاں کے لوگوں کو قتیبہ کی یلغار کی خبر ہوئی تو انہوں نے ہمسایہ ریاستوں سے مدد طلب کر لی۔ان ریاستوں کی افواج نے قتیبہ کے راستے روک لیے اور دو مہینے تک قتیبہ بن مسلم کو نرغے میں رکھا لیکن آخر کار کامیابی نے اس کے قدم چومے اور اس نے دشمن کو شکست دے کر یہ نرغہ توڑ دیا۔مجبور بیکند کے لوگوں کو اطاعت اختیار کرنا پڑی مگر لشکر اسلام کا شہر سے واپس لوٹنا

تھا کہ اہل شہر نے بغاوت کر دی۔ قتیبہ نے واپس لوٹ کر باغیوں کو قرار واقعی سزا دی۔ سال 708ء اور 709ء میں قتیبہ نے بخارا پر دوبارہ حملہ کیا۔ اس مرتبہ وہاں کے باشندوں نے بہت سخت مزاحمت کی لیکن انہیں شکست ہوئی اور صغدیانہ Sughdiana کا حکمران صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گیا۔

بہر حال یہ قتیبہ ہی تھا جس نے بخارا میں اسلامی حکومت کی بنیادوں کو استوار کیا۔ قتیبہ بن مسلم نے ایک یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ بخارا کے ملکی حکمران کے علاوہ وہاں ایک عرب امیر یا عامل بھی مقرر کر دیا جو امیر خراسان کے ماتحت تھا۔ خراسان کا صدر مقام مرو تھا۔ محل وقوع کے لحاظ سے بخارا کا تعلق سمرقند سے زیادہ مرو سے بنتا تھا۔ یہاں تک کہ بخارا کے حکمران نے مرو میں بھی اپنے لیے ایک محل بنا رکھا تھا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 4، 1/16۔ بدر سے پانی پت تک، تاریخ طبری جلد پنجم

711ء۔ ہسپانیہ کی فتح

جولائی 710ء میں افریقہ کے اموی گورنر موسیٰ بن نصیر نے طریف بن مالک کے زیر قیادت پانچ سو مجاہدین کا ایک دستہ سپین بھیجا تا کہ سپین کے متعلق ہر قسم کی عسکری اور غیر عسکری معلومات حاصل کی جا سکیں۔ طریف بن مالک نے آٹھ ماہ تک سپین میں رہ کر ہر قسم کی معلومات اکٹھی کیں اس کی معلومات کے مطابق سپین کے عوام پادریوں کے ظلم سے تنگ تھے اور ان کے ظلم سے نجات دلانے والوں کے منتظر۔ اس طرح دیکھ بھال کے اس آپریشن کے نتائج حوصلہ افزا نکلے۔

11 اپریل 711ء کو موسیٰ بن نصیر نے سات ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر ایک بربر سردار طارق بن زیاد کی قیادت میں سپین میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے روانہ کیا۔ اس اسلامی لشکر کا ایک اور مقصد بھی تھا کہ سپین کی عوام کو شاہ راڈرک جس کے جابرانہ رویے کی شکایت اس کے ایک امیر کاؤنٹ جولین نے اپنی بیٹی کی شاہ راڈرک کے ہاتھوں عصمت دری کے بعد موسیٰ بن نصیر کو بھیجی تھی کے ظلم سے بچایا جائے۔ موسیٰ نے اس کی درخواست پر سپین کی جابر حکومت کے خلاف یہ فوج بھیجی تھی۔ جو انسانیت کے اصولوں کے عین مطابق تھی۔

ایک روایت کے مطابق طارق ابھی سمندر ہی میں تھا کہ اس پر غنودگی طاری ہوئی اور اسے نبی

پاک (ﷺ) کی زیارت ہوئی۔ آپ (ﷺ) نے مژدہ سنایا کہ طارق اسپین کی فتح تمہارے ہاتھوں ہوگی۔ طارق کو اپنی فتح کا یقین کامل ہوگیا۔ یہی یقین کامل تھا کہ اس نے ساحل پر اتر کر اپنی کشتیوں کو جلا ڈالا۔ اسلامی لشکر 30 اپریل 711ء کو ساحل سپین پر اترا۔ اس نے ساحل پر واقع ایک پہاڑ کے دامن میں اپنے قدم جمائے۔ یہ پہاڑ بعد ازاں طارق کے نام سے موسوم ہوا اور یورپی زبانوں میں اسے جبرالٹر Gibralter کہتے ہیں۔ طارق نے جنگ کے لیے ایک موزوں جگہ کا انتخاب کیا اور اپنے بحری جہاز جلا دینے کا حکم دے دیا۔ وہ یہ بات عملاً ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس دیار غیر میں صرف دو ہی راستے ہیں فتح یا پھر موت۔ پھر راڈرک کی فوج کے ساتھ آٹھ دن تک گھمسان کا رن پڑا اور آخر کار راڈرک کی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ یہ جنگ مورخین کے نزدیک 19 جولائی 711ء، 20 رمضان 92ھ کو لڑی گئی۔ اس فیصلہ کن جنگ کے بعد ہسپانوی فوج کہیں بھی متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اس جنگ کے بعد طارق کا شمار دنیا کے چند بہترین سپہ سالاروں میں ہونے لگا۔ اب اس کے آگے میدان صاف ہو چکا تھا۔ اس نے اندلس کے جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور قرمونہ' اشبلیہ اور قرطبہ جیسے شہروں کو فتح کر لیا پھر مالقہ' طلیطلہ' اربونہ اور البیرہ کے شہروں پر بھی اس کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اب طارق نے شمالی سپین کا رخ کیا اور وہاں کے بہت سے شہروں کو فتح کر لیا۔ کہتے ہیں ان مہمات میں طارق بن زیاد کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ اس مال غنیمت میں مائدہ سلیمان (علیہ السلام) کا خصوصی ذکر آتا ہے۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت)

قوطی (Gothic) بادشاہ راڈرک کی شکست اور طارق کی فتوحات کی خبریں سن کر افریقیہ کے والی موسیٰ بن نصیر نے خود ہسپانیہ جانے کا فیصلہ کیا اور اٹھارہ ہزار کا لشکر لے کر جون 712ء میں عازم سپین ہوا۔ یہ جس پہاڑی پر اترے وہ بعد ازاں جبل موسیٰ کہلانے لگی۔ موسیٰ نے طارق کے فتح کردہ علاقوں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کا رخ کیا اور بہت سے دوسرے شہر فتح کر لیے۔ 713ء میں موسیٰ اور طارق کی ملاقات طلیطلہ میں ہوئی۔ دونوں سپہ سالاروں نے مفتوحہ علاقوں کی انتظامی صورت حال کا جائزہ لیا۔ داخلی حکمت عملی کا خاکہ اور مزید فتوحات کا منصوبہ تیار کیا۔ پھر اس منصوبے کے مطابق دونوں سپہ سالاروں نے شمال مشرقی سپین کو فتح کیا۔ مائدہ سلیمان کے متعلق ایک من گھڑت قصہ یہ مشہور ہے کہ طارق نے یہ انمول تخت موسیٰ کو پیش کیا مگر اس کا ایک پایہ اکھیڑ لیا۔ پھر جب موسیٰ نے اس تخت کو ایک نیا پایہ لگا کر اسے خلیفہ کو پیش کیا تو خلیفہ اس کے ناقص پائے

پر استفسار کیا۔ موسیٰ نے جواب میں کہا کہ یہ عیسائیوں سے اسی حالت میں ملا تھا۔ اس پر ساتھ کھڑے ہوئے طارق نے وہ پایہ اپنی بغل سے نکال کر خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس پر خلیفہ موسیٰ پر ناراض ہوا کہ اس نے طارق کی کارگزاری اپنے نام کیوں منسوب کر لی لیکن یہ قصہ لغو ہے اور طارق جیسا عظیم سالار اپنے افسر اعلیٰ کی اس طرح توہین نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ وہ خود عسکری نظم وضبط کا پابند تھا۔

موسیٰ اور طارق کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا کہ خلیفہ ولید نے قاصد بھیج کر دونوں کو دمشق طلب کر یا۔ موسیٰ نے چند مزید فتوحات کے لیے خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں تاخیر کر دی۔ اس وقت تک ہسپانیہ تقریباً مکمل طور پر فتح ہو چکا تھا۔ 714ء میں موسیٰ طارق کے ہمراہ کثیر مال غنیمت لے کر ہسپانیہ سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ دمشق پہنچ کر موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی عسکری زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

ولید بن عبدالملک کے بعد برسر اقتدار آنے والے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی خواہش تھی کہ موسیٰ اور طارق اس کی تخت نشینی کے بعد دارالخلافہ پہنچیں۔ موسیٰ نے ولی عہد سلطنت کی اس خواہش کا احترام نہ کیا اور خلیفہ ولید کی زندگی کے آخری ایام میں دمشق پہنچ گیا۔ سلیمان نے اپنی حکم عدولی کا انتقام اس طرح لیا کہ موسیٰ سے افریقیہ کے خراج کی بقایا رقوم کا مطالبہ انتہائی سختی سے کیا۔ موسیٰ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا تو اسے قید کر لیا گیا اور اس پر گرانقدر تاوان بھی عائد کر دیا گیا۔ 717ء میں جب سلیمان نے حج کا فریضہ ادا کیا تو موسیٰ اسیرانہ حیثیت میں اس کے ساتھ تھا۔ آخر مدینہ منورہ میں اسلام کے اس فاتح کا انتقال انتہائی کسمپرسی میں ہوا۔ کچھ یہی حال طارق کے ساتھ پیش آیا اور وہ بھی گمنامی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد اول۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ تذکرہ بہادران اسلام، فقیر کرم الٰہی
بدر سے پانی پت تک، از کرنل مختار احمد گیلانی

712ء۔ محمد بن قاسم کی فتح سندھ

آٹھ بحری جہاز بحر ہند میں رواں تھے۔ ان میں سراندیپ (سری لنکا) کے راجہ نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے دوستانہ مراسم قائم کرنے کے لیے تحائف بھجوائے تھے جن میں موتی، جواہرات، قیمتی ظروف اور دیگر نایاب اشیا کے ساتھ خوبصورت کنیزیں بھی شامل تھیں۔ ان جہازوں میں اس

کے علاوہ سراندیپ کے مسلمان تاجروں کی ایک جماعت بھی سوار تھی جو بصرہ سے حجاز حج بیت اللہ کے لیے جا رہے تھے۔ جب یہ جہاز آج کے کراچی کے جنوب مشرق میں واقع ایک قدیم سندھی بندرگاہ دیبل کے قریب سے گزر رہے تھے تو اچانک تیز ہواؤں نے ان کا رُخ دیبل کی طرف کر دیا۔ سندھ اور مکران کے ساحلوں پر کہیں بحری قزاق آباد تھے جو اپنی مسلح کشتیوں پر سوار ہو کر بحری جہازوں کو لوٹ لیتے تھے۔ دیبل کے کچھ بحری قزاقوں نے جب ان بحری جہازوں کو بھٹک کر ساحل کی طرف آتے ہوئے پایا تو اچانک ان پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا اور مسلمان تاجروں کی جماعت کے مرد و خواتین کو گرفتار کر لیا۔ جب خواتین پر یہ بحری قزاق تشدد کر رہے تھے تو ایک خاتون نے چیخ کر یا حجاج المدد یا حجاج المدد کا نعرہ لگایا۔ ان لٹے ہوئے جہازوں کے چند مسافر کسی نہ کسی طرح ڈاکوؤں سے بچ کر عراق پہنچے تو انہوں نے دیبل کے ساحل کے نزدیک سندھی قزاقوں کی لوٹ مار اور اس خاتون کی پکار سے حجاج کو آگاہ کیا۔ حجاج نے ایک خصوصی قاصد دیبل بھیجا اور راجہ داہر کو احتجاجی مراسلہ میں مسلمان قیدی عورتوں اور بچوں کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر داہر نے بے پروائی سے جواب دیا کہ ان قزاقوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کی فتح دیبل کے بعد یہی قیدی عورتیں اور بچے دیبل کے قید خانہ سے آزاد کرائے گئے۔

راجہ داہر کے انکار پر حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن نبہان کو کچھ فوج دے کر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ نبہان دیبل پر حملہ کر کے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی فوج ان پر کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ کئی مورخین کراچی میں کلفٹن پر واقع عبداللہ شاہ غازی کے مزار کو عبداللہ بن نبہان کا مزار بتاتے ہیں۔ عبداللہ کے بعد حجاج نے بدیل بن طفہ بجلی کو روانہ کیا۔ بدیل کے ساتھ صرف تین سو سوار تھے۔ مکران کے مسلمان حاکم نے حجاج کے حکم پر بدیل کو تین ہزار سوار اور مہیا کر دیئے۔ دیبل کے نزدیک بدیل اور راجہ داہر کے بیٹے جے سینہ کی جنگ ہوئی جس میں ایک بار پھر مسلمانوں کو شکست ہوئی البتہ نیرون کوٹ (حیدر آباد) کے حاکم سندر نے مسلمانوں کی اطاعت اختیار کی مگر راجہ داہر کو اس کی اطاعت کا علم نہ ہو سکا۔ ادھر حجاج کو جب مسلمانوں کی دوسری شکست کی اطلاع ملی تو اس نے سندھ کو فتح کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔ تیسری مرتبہ اس نے اپنے جواں سال بھتیجے محمد بن قاسم کو سندھ کے خلاف بھیجی جانے والی نئی مہم کا سربراہ بنایا۔ محمد بن قاسم حجاج کا داماد بھی تھا۔ محمد بن قاسم کے پاس چھ ہزار سوار اور چھ ہزار تیز رفتار اونٹ تھے۔ سامان حرب میں منجنیقیں بھی اس مہم میں شامل کی گئیں۔ ان میں ایک بڑی منجنیق عروس

بھی شامل تھی جسے پانچ سو آدمی حرکت میں لاتے تھے۔ یہ مہم 93ھ 710ء میں شروع ہوئی۔ محمد بن قاسم کی فتح سندھ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اگرچہ مسلمان نے انہی سالوں میں سپین بھی فتح کیا تھا مگر مسلمان وہاں صرف آٹھ سو سال تک اپنا اقتدار قائم رکھ سکے مگر سندھ انگریزوں کی آمد تک مسلمانوں کے اقتدار میں رہا اور آج بھی سپین کے مقابلے میں وہاں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔

محمد بن قاسم ان دنوں حجاج کی طرف سے شیراز کا گورنر تھا۔ جب اسے حجاج کا حکم اور اس کی بھیجی ہوئی افواج پہنچیں تو وہ خشکی کی راہ اپنے لشکر کے ساتھ مکران پہنچ گیا۔ یہاں حاکم مکران دو ہزار کی جماعت کے ساتھ اپنی بیماری کے باوجود محمد بن قاسم کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ ارمن بیلہ میں چند ماہ قیام کے بعد اسلامی لشکر دیبل کی طرف بڑھا۔

دیبل ان دنوں مغربی سندھ کی ایک معروف بندرگاہ تھی مگر آج کل اس شہر کے نشان نہیں ملتے۔ قیاس ہے کہ یہ بھنبور کے نزدیک کہیں آباد تھا۔ محمد بن قاسم جب خشکی کی راہ یہاں پہنچا تو اس کے ساتھ ہی بحری راستے سے مسلمانوں کے بحری جہاز بھی دیبل پہنچے۔ پہلی دو مہمات کی ناکامی کی وجہ سے ہر ممکن احتیاط بروئے کار لائی گئی۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا اور منجنیقوں سے سنگ باری کی گئی مگر محاصرہ طول پکڑنے لگا۔ اسی دوران ایک ہندو برہمن محمد بن قاسم کے پاس اپنے خاندان کے لیے امان لینے کے لیے حاضر ہوا اور اس نے دیبل کا دفاعی راز ابن قاسم کو بتا دیا۔ وہ یہ تھا کہ شہر کے ایک مشہور مندر پر جب تک گنبد اور جھنڈا قائم تھا ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق یہ شہر فتح نہیں ہو سکتا تھا۔ محمد بن قاسم نے ان کے اعتقاد کو کمزور کرنے کے لیے عروس منجنیق سے گنبد پر سنگ باری کرا کے اسے گرا دیا اور شہر پر شدید سنگ باری شروع کر دی جس سے شہر کے مکانات منہدم ہونے لگے۔ اس شدید سنگ باری سے بچنے کے لیے آخر دشمن نے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے۔ اسلامی فوج نے فوری حملہ کر دیا اور گھمسان کی جنگ لڑی گئی جو تین دن تک جاری رہی آخر تیسرے دن اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے۔

دیبل کی فتح کے بعد ان تمام مسلمان قیدیوں کو دیبل کے ایک قید خانے سے رہا کرایا گیا جنہیں بحری قزاقوں نے گرفتار کیا تھا۔ دیبل کی شکست کے بعد داہر نے برہمن آباد اور دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ محمد بن قاسم نے مردانہ وار مشرقی کنارے پر راجہ داہر کی افواج کا مقابلہ رمضان 93ھ 12-711ء میں کیا۔ راجہ داہر اس جنگ میں مارا گیا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ایک مسجد

تعمیر کرائی جو اٹھارہویں صدی عیسوی تک ملتان میں قائم رہی۔ اتنی شاندار فتوحات کے باوجود خود محمد بن قاسم کا انجام بھی اس دور کے دیگر عظیم مسلم فاتحین جیسا ہی ہوا۔ سلیمان بن عبدالملک نے جب ولید اور حجاج کے مقرر کردہ عاملوں اور سالاروں کو برطرف کیا تو محمد بن قاسم بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا۔

ماخذ: بدر سے پانی پت تک، مختار گیلانی۔ بہادران اسلام،
صوفی کرم الٰہی۔ دائرہ المعارف اسلامیہ

712ء۔ فتح سمرقند

وسطی ایشیا میں نیزک کے سیاسی قتل سے فارغ ہو کر قتیبہ نے اپنی توجہ شمال کی جانب مبذول کی۔ شمال میں سمرقند قدیم زمانے سے وسطی ایشیا کا ایک اہم مرکز تجارت چلا آ رہا تھا۔ اب اسی شہر کے قریب مقامی حکمران فوجیں جمع کر رہے تھے۔ 712ء کے موسم سرما کے اختتام پر قتیبہ نے ایک بار پھر دریائے جیحوں کو پار کیا۔ شاہ خوارزم نے قتیبہ کو اپنے علاقے پر حملہ کی دعوت دی تھی۔ وہ خود ایک ضعیف العمر شخص تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی خرزاد نے انتظام سلطنت پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ خرزاد کو اسلامی فوج کی آمد کے مقصد کا پتہ نہ چل سکا۔ شاہ خوارم نے بہانے سے خرزاد اس کی فوج کے سرداروں کو عیش و نشاط کی محفلوں میں مشغول کر دیا تا کہ وہ حالات سے بے خبر ہو جائیں۔ شاہ خوارزم کو اس کے بھائی سے اس کی حکومت واپس دلانے کے بعد قتیبہ نے سمرقند کا رُخ کیا۔ اہل سمرقند محصور ہو گئے۔ ان دنوں سمرقند میں بدھ مت کے پیروکار اکثریت میں تھے جبکہ آتش پرست بھی اس علاقے میں آباد تھے۔ اہل سمرقند نے محصور ہو کر ایک ماہ تک مدافعت کی۔ ان کا سامان رسد ختم ہونا شروع ہوا تھا کہ خاقان چین کا ایک بیٹا ایک لشکر جرار لے کر اہل سمرقند کی مدد کو روانہ ہوا۔ جب لشکر اسلام کے قریب پہنچا تو اس نے پروگرام بنایا کہ مسلمانوں کی لشکر گاہ پر شب خون مارا جائے اور اسلامی لشکر کو بھاری جانی نقصان پہنچایا جائے۔ لیکن قتیبہ کے جاسوسوں نے بروقت قتیبہ کو دشمنوں کے اس منصوبے کی خبر کر دی۔ قتیبہ نے جوابی کارروائی کے طور پر امدادی لشکر پر چھاپہ مارنے کے لیے چھ سو سواروں کو منتخب کیا۔ جونہی دشمن کا لشکر ایک تنگ راستہ سے گزر کر سمرقند کی جانب روانہ ہوا مسلمانوں کے چھاپہ مار لشکر نے کمین گاہ سے نکل کر دشمن پر

یلغار کر دی۔ دشمن اسلامی لشکر کی اس حیران کن کارروائی سے گھبرا گیا مگر وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے ابھی پہلے حملہ سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ مسلمانوں کے ایک اور چھاپہ مار دستے نے ان پر عقب سے حملہ کر دیا۔ رات کی تاریکی میں اس اچانک حملہ کی تاب نہ لا کر دشمن کا لشکر منتشر ہو گیا اور اس کے لشکر کے بہت سے سردار اور شہزادے قیدی بنا لیے گئے اور انہیں سخت جانی نقصان پہنچا۔ اس شکست کی خبر جب اہل سمرقند کو پہنچی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اُدھر قتیبہ نے محاصرہ اور تنگ کر دیا۔ منجنیقوں کی سنگ باری سے شہر کی فصیل میں شگاف پڑ گیا مگر اہل سمرقند نے فوراً اس شگاف کی مرمت کر لی۔ اب سنگ باری شدید کر دی گئی جس سے مسلمان جلد ہی فصیل توڑ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ جس کے بعد اہل سمرقند نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سمرقند کی فتح مسلمانوں کے لیے ایک شاندار فتح تھی اور اس نے مسلمانوں کے ہاتھ بے شمار دولت' سامان رسد اور حرب آیا۔ اہل سمرقند بت پرست بھی تھے ان کے بتوں کو قتیبہ نے آگ میں پھینکوا دیا۔ سمرقند میں چینیوں کا ایک کاغذ تیار کرنے کا کارخانہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس سے مسلمان کاغذ تیار کرنے کے فن سے آشنا ہو گئے اور کتابیں کاغذ سے تیار کی جانے لگیں۔

713ء۔ وفات حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

صحن کعبہ میں طواف کرنے والوں کا ہجوم تھا اس روز ہشام بن عبدالملک اپنی ولی عہدی کے زمانے میں طواف کی نیت سے مسجد الحرام میں رش کم ہو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے حشم و خدام بھی تھے۔ ان میں عربی زبان کا ایک مشہور شاعر فرزدق بھی شامل تھا۔ اتنے میں ایک اور صاحب بھی طواف کے لیے صحن کعبہ میں تشریف لے آئے اور بلا انتظار طواف کے لیے آگے بڑھے۔ ان کو آگے بڑھتے دیکھ کر طواف کرنے والوں کا مجمع خود بخود راہ دینے لگا اور وہ صاحب انتہائی وقار کے ساتھ طواف کرنے لگے۔ اس کے بعد وہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے بڑھے تو رکن حجر پر جمع لوگ ہٹ گئے اور انہوں نے اطمینان سے یہ فریضہ بھی ادا کر لیا۔ ہشام بن عبدالملک اگرچہ ان صاحب کو پہچان رہا تھا اور ان کی روحانی عظمت سے بھی آگاہ تھا مگر اس نے انجان بن کر اپنے مصاحبوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ قریب ہی اس کا وہ درباری شاعر فرزدق کھڑا تھا۔ ہشام کے اس سوال پر وہ برجستہ بولا:

ہذا الذی تعرف البطحاء وطاتہ
والبیت یعرفہ والحل والحرم

مطلب یہ کہ اگر تم انہیں نہیں جانتے تو کیا ہوا حرم کے در و دیوار تو ان سے آشنا ہیں۔ فرزدق کا یہ قصیدہ آج بھی عربی ادب کا ایک بہترین قصیدہ تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ہشام اپنے شاعر کے اس قصیدے سے سخت برہم ہوا اور بے چارے شاعر کو عفان کے مقام پر قید کر دیا۔ جب ان صاحب یعنی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ علی بن حسین کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو قید میں بھیجے اور ساتھ ہی کہلایا کہ اگر ہمارے پاس اس وقت اس سے بھی زیادہ ہوتا تو ہم وہ بھی تمہاری نذر کر دیتے مگر شاعر نے آپ کا وہ نذرانہ قبول کرنے میں تعامل کیا اور جواباً عرض کیا کہ حضور مجھے آپ سے صرف عاقبت کی بھلائی منظور ہے۔ امام صاحب نے فرزدق کو وہ رقم دوبارہ بھیجی اور فرمایا ہم اہل بیت جب کوئی چیز کسی کو عطا کر دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے۔ تم یہ بھی رکھو اور تمہیں عقبیٰ بھی ملے گا۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہاشمی، علوی حسینی تھے اس لیے خد و خال اور قد و قامت اور نور و جلال، ہیبت اور وجاہت و وقار بھی ویسا ہی پایا تھا جیسا کہ اس خاندان کا خاصہ تھا۔ ایک شب اسمعی نے ایک نوجوان کو کہ جس کا چہرہ چاند سے بھی حسین تھا دو زلفیں لٹکی ہوئیں تھیں پردہ خانہ کعبہ کو پکڑے مناجات کرتے پایا۔ معلوم کرنے پر اس کو پتہ چلا کہ یہ علی بن حسین ہیں۔ آپ کو قیامت کے روز بھی زین العابدین کے نام سے پکارا جائے گا کہ آپ سید العابدین، عابد زین الصالحین، الخاشع اور المتہجد تھے۔ امام صاحب کی رنگت گندمی اور آپ متوسط القامت تھے۔ جب کربلا میں آپ کے والد بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو آپ بیمار تھے۔ شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کروانا چاہا لیکن ایسے میں عمرو بن سعد شامیوں کے آڑے آیا اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ اس کے بعد ابن زیاد نے بچے کھچے اہل بیت کے ساتھ آپ کو دمشق بھجوا دیا۔ یزید نے ان اہل بیت کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا اور سرکاری فوج کی نگرانی میں انہیں بحفاظت مدینہ منورہ واپس بھجوا دیا۔ جب اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی تو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس بغاوت میں کوئی حصہ نہ لیا اور مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔ جنگ حرہ میں فتح یابی کے بعد جب مسلم بن عقبہ مدینہ میں داخل ہوا تو اس نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اسی زمانے میں المختار نے محبت اہل بیت کے نام پر خون حسین رضی اللہ عنہ کے انتقام کی دعوت دی ہزاروں اس کے ساتھ ہو گئے

یہاں تک کہ محمد بن حنفیہ بھی اس کی حمایت کرنے لگے لیکن امام زین العابدین اس کے دام میں نہ آئے اور اس ہنگامے سے بھی بالکل الگ رہے۔

حضرت امام زین العابدین کثیر الاولاد تھے۔ آپ کے چھ صاحبزادے تھے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت امام حسین بن علی ؓ کی نسل ان کے صاحبزادے زین العابدین سے خوب پھیلی۔ چوتھی صدی ہجری میں آپ کی اولاد سے ایک صاحب امیر کا بن علی بن حمزہ بن موسیٰ بن جعفر ہوگزرے ہیں۔ مورخین کے مطابق مسلمانوں میں وہ پہلے شخص تھے جو سیر و سیاحت کرتے ہوئے اس سرزمین پر لنگر انداز ہوئے تھے جسے امریکہ کہتے ہیں۔ یعنی کولمبس سے صدیوں پہلے۔ انہی کے نام پر (امیر کا) اس براعظم کا نام امریکا Amrica پڑا۔ جبکہ اہل مغرب اُسے امریگو لاطیی کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

امام زین العابدین ؓ نے 25 محرم الحرام 95ھ 713ء کو مدینہ میں سفر آخرت اختیار فرمایا۔ آپ وقت آخر سورہ الواقعہ' سورہ الفتح کی آیات تلاوت فرما رہے تھے اسی حالت میں تارِ نفس ٹوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ولید بن عبدالملک نے امام زین العابدین کو زہر دلوایا تھا۔ بعد از وفات امام باقر نے غسل دیا' غسل کے وقت آپ کی پشت پر بوریاں اٹھانے کے نشان تھے۔ یہ بوریاں آپ اٹھا کر رات کے اندھیرے میں غرباء کے گھروں میں کھانا اور روپیہ پہنچاتے تھے۔ تجہیز و تکفین و نماز جنازہ کے بعد جنت البقیع میں امام حسن ؓ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ان کی زوجہ محترمہ نے ان کی قبر مبارک پر خیمہ نصب کر دیا تھا۔ کمال الدین کے زمانے میں امام صاحب کی قبر قبہ عباسؓ بن عبدالمطلب میں تھی۔ مگر 1924ء میں آل سعود نے جہاں دیگر قبے توڑے وہیں آپ کا قبہ بھی شہید کر دیا۔

حضرت علی بن حسین ؓ مدینہ میں اصحاب و تابعین کے مقتدا تھے۔ لوگ ان سے مشکلات میں رجوع کرتے تھے۔ متعدد اکابر نے ان کے حلقہ درس میں فیض اٹھایا۔ علما کی ہمت افزائی اور مباحث میں شرکت آپ کا شیوہ تھا۔ مختلف مذاہب کے افراد کو آپ اسلامی عقائد و حقائق سمجھاتے تھے۔ آپ کی چند تصانیف بھی ہم تک پہنچیں ہیں جن میں ''الصحیفہ کاملہ' رسالہ الحقوق'' اہم ہیں۔

ماخذ: تاریخ یعقوبی جلد دوم۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2/14

715ء۔ سلیمان بن عبدالملک تخت خلافت پر

عبدالعزیز بن مروان کی وفات کے بعد عبدالملک نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ جب ولید بن عبدالملک نے وفات پائی اس وقت سلیمان فلسطین کے شہر رملہ میں تھا۔ اس شہر کی بنیاد خود اس نے اس وقت رکھی تھی جب وہ فلسطین میں اسلامی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا۔ پھر یہی شہر اس کی ولی عہدی کے زمانے میں اس کا صدر مقام رہا۔ سلیمان نے جب زمام حکومت سنبھالی اس وقت بنی امیہ کا مشہور وائسرائے حجاج وفات پا چکا تھا۔ سلیمان حجاج میں باہم عداوت تھی یہاں تک کہ اسی وجہ سے آل مہلب نے حجاج کے خلاف سلیمان کے پاس پناہ لی تھی۔ سلیمان نے تخت نشین ہوتے ہی حجاج کے طرفداروں اور بہی خواہوں کو ان کی حجاج سے وفاداری کا مزہ چکھایا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے عثمان بن حیان المری حاکم مدینہ کو معزول کر دیا۔ قتیبہ بن مسلم کو بھی سلیمان سے خدشہ تھا۔ اس نے سلیمان کی بیعت سے انکار کیا اور اپنی افواج کی وفاداری پر اعتماد کرتے ہوئے سلیمان کے خلاف بغاوت کر دی۔ لیکن اس عظیم فاتح کی یہ بغاوت رائیگاں گئی اور خود اس کے فوجی سرداروں نے بے خبری میں اسے قتل کر دیا۔ سلیمان نے حجاج کے ایک مخالف یزید بن المہلب کو عراق کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس نے حجاج کے حامیوں کی بُری طرح خبر لی۔

فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر کے ساتھ سلیمان کے سخت سلوک کا ذکر بھی پہلے آ چکا ہے۔ سلیمان نے بازنطینیوں کے خلاف ایک سخت گیر پالیسی اپنائی اور ان کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ مسلمہ بن عبدالملک نے بازنطینیوں کے خلاف جنگی کارروائیاں جاری رکھیں۔ سلیمان کے عہد میں مسلمانوں نے ایک بار پھر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ اگست میں مسلمہ نے قسطنطنیہ کی فصیلوں کے عین نیچے کارروائیاں کیں یہ محاصرہ تقریباً ایک سال جاری رہا مسلمانوں نے سردی کے موسم کی سختیاں بھی برداشت کیں مگر انہیں محاصرہ اٹھانا پڑا۔

صفر 99ھ 717ء میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔ سلیمان اگرچہ اپنے بیٹے ایوب کی بیعت لینا چاہتا تھا مگر عین بستر مرگ پر اس نے مشہور عالم دین رجاء بن الحیوۃ کے ساتھ مشورہ کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ان کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز بنو امیہ سے تعلق رکھنے کے باوجود اپنی پارسائی کے اعتبار سے ممتاز تھے۔ اسی وجہ سے

سلیمان بن عبدالملک کو ''مفتاح الخیر'' کا لقب ملا۔ سلیمان مورخین کے نزدیک کسی حد تک بے رحم اور نفسانی خواہشات میں گھرا ہوا انسان تھا۔ لیکن اس کا یہ آخری کارنامہ کہ اپنے بیٹے اور بھائیوں کے ہوتے ہوئے اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ترجیح دی اسے ایک اچھا انسان اور نیکی کی طرف مائل مسلمان ثابت کرتا ہے۔ ایک روز سلیمان (717ء میں) کسی جنازہ میں شریک ہوا۔ متوفی کو ایک باغ میں دفن کیا گیا۔ سلیمان نے اس باغ کی مٹی ہاتھ میں اٹھائی اور کہنے لگا کس قدر عمدہ مٹی ہے۔ قضائے الٰہی دیکھئے صرف چند روز بعد وہ خود بھی اسی باغ میں اسی قبر کے پہلو میں دفن ہوا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 11۔ تاریخ طبری جلد پنجم۔ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ از زاہد چوہدری

715ء۔ انگریزی زبان کی سب سے قدیم نظم ''بیوولف''

بیشتر یورپی ممالک میں قومی ادب نشاۃ ثانیہ کے بعد ہی پھلے پھولے مگر ان کی جڑیں ہر ملک کی سرزمین میں عرصہ دراز سے موجود تھیں اور وہ برابر پھیلتی رہیں۔ چنانچہ اینگلو سیکسن (برطانوی قدیم قوم) جو انگلستان کی سرزمین پر پانچویں صدی عیسوی میں آباد ہوئی تھی اس کے ادب پاروں میں ہمیں اس مخصوص ادب کی جھلک نظر آتی ہے جو ملکہ ایلزبتھ کے عہد کے انگلستان میں سولہویں صدی عیسوی میں اپنے اوج کمال کو پہنچا اور اپنی قومی انفرادیت کی بناء پر پورے یورپ کے ادب میں ممتاز نظر آیا۔

اینگلو سیکسن لوگ دریا ایلبا R-Albe کے اوڈر Oder کے درمیان رہنے والی المانی قوم کے قبیلے ہن Hun کے شدائد سے پریشان ہو کر جزائر برطانیہ میں آ کر آباد ہو گئے۔ اینگلوں نے دریائے ہمبر R-Humber کے تمام شمالی حصے پر، جوٹوں Jutes نے کینٹ Kent کے صوبے پر اور سیکسنوں نے باقی تمام ملک پر قبضہ جما لیا۔ یہ سب لوگ کافر تھے مگر چھٹی صدی عیسوی کے اختتام تک سب نے عیسائیت قبول کر لی۔ ان کے ابتدائی ادبی شاہکار جو ہم تک پہنچے ہیں ساتویں صدی کے آخر سے وجود میں آنے لگے تھے۔ اس دور کے ادب پاروں میں غیر عیسائی رجحانات کی فراوانی ہے۔ اس عہد کی تین طویل نظموں ''وڈسیتھ Widsith'' ڈی اور Deor اور بیوولف Beowulf'' میں سب سے زیادہ قدیم اور اہم ''بیوولف'' ہے اس میں ہمیں اس زمانے کے اینگلو سیکسن معاشرے کی مکمل تصویر ملتی ہے۔ اس کا منظر برطانیہ نہیں بلکہ ''سی

Sealand'' کا جزیرہ ہے جو سویڈن Sweden کا جنوبی حصہ ہے۔ بیوولف گیٹ Geats قوم کا بہادر ہے جو اپنے ساتھیوں کو لے کر ڈین Dane قوم کے بادشاہ ہروتھگار Hrdthgar کی مدد کے لیے آتا ہے۔ ہروتھگار کے قلعے پر ہر رات ایک اژدھا حملہ کرتا ہے اور بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو نگل جاتا ہے۔ اس اژدھے کا نام جو ''دیوزاد'' بھی ہے گرینڈل Grendel ہے بیوولف اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کا ہاتھ قلم کر دیتا ہے۔ گرینڈل اپنے غار میں غائب ہو جاتا ہے اور وہیں مر جاتا ہے۔ بادشاہ کے قلعے میں بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ کچھ عرصے بعد گرینڈل کی ماں انتقام کے لیے قلعے پر حملہ کرتی ہے۔ بیوولف اس کا پیچھا کرتا ہوا ایک جھیل میں غوطہ لگاتا ہے اور حملہ آور کے غار میں پہنچتا ہے جو جھیل کی تہہ میں ہے۔ بیوولف شکست کھانے ہی والا ہوتا ہے کہ اسے ایک جادو کی تلوار دکھائی دیتی ہے جو دیوار پر لٹکی ہوئی ہے۔ اس تلوار کو وہ گرینڈل کی ماں کے جسم میں اتار دیتا ہے اور وہ مر جاتی ہے۔ ڈین قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیوولف مارا گیا مگر وہ گرینڈل کا سر لیے نمودار ہوتا ہے اور اس طرح ایک بار پھر قلعے میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ بیوولف گیٹ قوم کا بادشاہ بنا دیا جاتا ہے۔ وہ چالیس برس تک حکومت کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایک خزانے سے جس کا محافظ ایک اژدھا ہے کچھ جواہرات غائب ہو جاتے ہیں۔ وہ اژدھا بیوولف کی حکومت میں بربادی پھیلانے آتا ہے اور اپنی شعلہ افشانی سے ہر چیز جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ بیوولف اس اژدھے کو بھی مار ڈالتا ہے مگر اس کے زہریلے دانت کا زخم بیوولف کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

اس نظم کا سب سے مشہور حصہ وہ ہے جس میں گرینڈل کی ماں کے رہنے کی جگہ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ پوری نظم پر غم کا جذبہ چھایا ہوا ہے اور یوں نظم کی فضا حزن و ملال سے تاریک ہے یہاں تک کہ امید کی کرن تک نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے اس نظم کو صرف قدیم نظم مانا جاتا ہے اسے اعلیٰ ادب میں جگہ نہیں دی جاتی۔

715ء۔ قتیبہ بن مسلم کا قتل

714ء میں قتیبہ بن مسلم وسطی ایشیا میں الشاش تک پہنچا تھا کہ اسے اپنے محسن اور مربی الحجاج کی وفات کی خبر ملی اور وہ واپس مرو لوٹ آیا۔ اس سے قبل حجاج نے عراق سے ایک فوج قتیبہ کی امداد کے لیے بھیجی تھی۔ حجاج کی وفات کی خبر سے اسے سخت صدمہ پہنچا اور اس نے الشاش

سرائی اسے واپسی پر اپنی فوج کو تقسیم اور منتشر کر دیا۔ مرو میں اسے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا خط ملا جس میں امیر المومنین نے اس کی دشمنان اسلام کے خلاف مستعدانہ کارروائیوں کی تعریف کی تھی اور ترقی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ساتھ ہی اسے جہاد میں مصروف رہنے کی ہدایات بھی دی تھیں۔

96ھ میں قتیبہ بن مسلم نے چین کے علاقے کاشغر کو فتح کیا۔ خاقان چین نے قتیبہ کو لکھا کہ وہ اپنے معزز لوگوں میں سے کچھ کو اس کے پاس بھیجے۔ مسلمانوں کا وفد تین دن تک خاقان کے دربار میں جاتا رہا اور ہر روز ایک نیا لباس پہن کر۔ خاقان نے ان لباسوں پر استفسار کیا۔ مسلمانوں نے بتایا کہ یہ مختلف لباس وہ اپنے اہل عیال' امراء اور دشمنوں کے پاس جانے کے لیے پہنتے ہیں۔ خاقان نے خراج کی ادائیگی پر قتیبہ سے صلح کر لی۔ اسی سال خلیفہ ولید بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور سلیمان بن عبدالملک کے تخت نشین ہونے کی خبر آئی۔ سلیمان بن عبدالملک سے قتیبہ کو خوف تھا کہ کہیں وہ اس سے اس بات کا انتقام نہ لے کہ اس نے سلیمان کو ولی عہدی سے محروم کرنے کے منصوبے میں ولید کی تائید کی تھی۔ قتیبہ نے سلیمان کے دربار میں ایک قاصد بھیجا اور ایک خط میں اسے برسر خلافت ہونے کی مبارکباد دی اور دربار خلافت کے لیے اپنی خدمات بیان کرنے کے بعد لکھا کہ اگر آپ (سلیمان) مجھے صوبہ خراسان کی صوبہ داری پر بحال رکھیں تو میں آپ کا بھی ویسا ہی وفادار رہوں گا جیسا میں آپ کے پیش رو کا رہ چکا ہوں۔ سلیمان نے اس کے قاصد کو فرمان بحالی عطا کیا مگر قاصد کی واپسی سے پہلے ہی قتیبہ نے سلیمان کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا اور اس کی بیعت سے انکاری ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوج اس سے باغی ہو گئی۔ وکیع نامی ایک باغی فوجی جرنیل نے اگست ستمبر 715ء میں قتیبہ بن مسلم کو قتل کر دیا جبکہ وہ فرغانہ میں تھا۔

وکیع سے جنگ میں خاندان قتیبہ کے تقریباً گیارہ اشخاص مارے گئے جن میں سات تو مسلم کے بیٹے اور چار پوتے تھے۔ وکیع نے ان سب کو سولی پر لٹکا دیا اور ان سب کے سر سلیمان بن عبدالملک کو بھجوا دیئے۔ سلیمان عبدالملک کے عہد کا یہ المیہ ہے کہ قتیبہ کے علاوہ محمد بن قاسم' طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جیسے فاتحین کو خوفناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

ماخذ: مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، زاہد چوہدری۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 1/16۔ تاریخ طبری جلد پنجم

716ء۔طبرستان اور جرجان کی تسخیر

اہل عرب ایران کے صوبہ ماژندران کو جو کوہ البرز کے شمال میں واقع ہے' طبرستان کہتے ہیں۔ اس کے مشرق میں صوبہ جرجان اور مغرب میں صوبہ گیلان ہے۔ اسلام کی آمد سے پہلے یہاں موروثی سرداروں کی حکومت چلی آئی تھی۔ انہیں فارسی زبان میں ''اسپہبذ'' کہتے تھے جس کے معنی لشکر کے سپہ سالار کے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی کوفہ کے والی سعید بن العاص نے طبرستان پر چڑھائی کی تھی۔ حضرت معاویہ کے عہد میں مصقلہ بن ہبیرہ ایک بڑی فوج کے ساتھ طبرستان کی حدود میں داخل ہوا مگر دشمن نے پہاڑوں پر سے وزنی پتھر لڑھکا لڑھکا کر اس کا اور اس کی فوج کے بہت بڑے حصے کا صفایا کر دیا۔ اسی طرح ایک اور ناکام کوشش محمد بن الاشعث نے بھی کی مگر ناکام رہا۔ کہیں جا کر سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں یزید بن مہلب نے طبرستان پر چڑھائی کی جو کامیاب رہی۔ طبرستان کے صوبہ دار نے صلح کر لی اور یہ وعدہ کیا کہ 47 لاکھ درہم اور 400 خروار زعفران سالانہ خراج ادا کرے گا۔ اس کے علاوہ فوجی امداد کے طور پر اس نے چار سو آدمی بھی دینے کا وعدہ کیا جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک چاندی کی ڈھال اور ایک پیالہ اور زین کے لیے ایک ریشمی گدا ہوگا۔ طبرستان کے بعد یزید بن مہلب نے ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ جرجان کا رخ کیا۔

جرجان میں پہلے قہستان کا محاصرہ کیا۔ ترکوں نے سخت مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ بے شمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پھر یزید جرجان پہنچا۔ شاہ جرجان نے ویلم سے مدد مانگی۔ ویلم پوری طاقت سے جرجان کی امداد کے لیے آئے۔ دونوں افواج میں سخت مقابلہ ہوا۔ اسلامی لشکر کے ایک بہادر ابن ابی سبرہ نے بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ ایک دن کسی ترک سردار سے اس کی مبارزت ہوئی۔ ترک نے ان کے سر پر تلوار کا وار کیا اس کی تلوار ان کے فولادی خود میں الجھ گئی۔ اس مسلمان بہادر نے اسی حالت میں اس ترک پر حملہ کیا اور اسے واصل جہنم کر دیا۔

جب مبارزت سے فارغ ہو کر یہ مجاہد واپس لشکر اسلام پہنچا تو اس کی تلوار سے دشمن کے خون کے قطرے ابھی ٹپک رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اسلامی سپہ سالار یزید بن مہلب نے بے اختیار کہا یہ کون مجاہد ہے؟ میں نے اس سے بہتر منظر کبھی نہیں دیکھا۔ لوگوں نے اسے بتایا یہ ابن ابی سبرہ ہیں۔ یزید نے کہا یہ بہترین شخص تھا اگر اسے شراب کی لت نہ ہوتی۔ آخر اسی بہادر نے شاہ ویلم کا

سر تن سے جدا کیا۔ شاہ ولیم کے قتل سے اس کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مجبوراً شاہ جرجان کو پہلے سے بیش قرار فدیہ دے کر سعید بن عاص کے زمانے کی شرائط پر صلح کرنا پڑی۔

717ء۔ مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر ایک اور حملہ

98ھ 716ء میں سلمان بن عبدالملک نے بڑی تیاریوں کے ساتھ اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر خشکی کے راستے سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور تین اطراف سے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مسلمان یہ عزم صمیم کر کے آئے تھے کہ وہ اس شہر کو فتح کیے بغیر نہیں جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے قسطنطنیہ سے متصل ایک نیا شہر بسایا اور اپنی ضروریات کے لیے غلہ اور ترکاری کی کاشت کرنے لگے۔ رومیوں نے یہ مسلمانوں کا یہ ارادہ دیکھا تو انہوں نے صلح کی پیشکش کی مگر مسلمہ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور بنوک شمشیر شہر کے دروازے کھولنے کے عزم کا اعلان کیا۔

اب رومیوں نے ایک دوسری تدبیر اختیار کی۔ سلطنت روما کا اندرونی نظام ان دنوں مختل ہو رہا تھا۔ ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ بیس سال کے اندر اندر چھ قیصر تخت نشین ہو کر معزول ہو چکے تھے۔ انہیں کسی اچھے مدبر اور منتظم بادشاہ کی ضرورت تھی جو اس قوم کے بیڑے کو اسلامی حملہ کے طوفان سے صحیح و سالم لے کر نکل جائے۔ ادھر مسلمہ کی فوج میں لیون عشی نامی ایک بہادر اور چالاک سردار تھا جو اس مہم میں مشیر کار اور معتمد علیہ تھا۔ رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان خط و کتابت بھی اسی سردار کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ رومیوں نے اس سے خفیہ طور پر معاہدہ کر لیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو ناکام واپس لوٹا دے تو وہ اسے رومی بیزنطینی حکومت کا سربراہ بنا دیں گے۔ ایک مرتبہ جب لیون عشی قسطنطنیہ کے سفارتی دورے سے واپس آیا تو اس نے مسلمہ کو بتایا کہ رومی قسطنطنیہ چھوڑ کر جانے کو تیار ہیں مگر ان کی یہ شرط ہے کہ لشکر اسلام محاصرہ اٹھا کر دور چلا جائے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنا ساز و سامان اٹھا کر شہر سے چلے جائیں۔ مسلمہ نے کسی غور و خوض کے بعد لیون کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور اس پر اعتماد کر لیا۔

اسلامی فوجوں کے شہر سے دور چلے جانے پر رومیوں نے لیون کو قیصر بنا کر مسلمانوں کا سامان رسد راتوں رات شہر میں منتقل کر لیا اور شہر کی فصیل جہاں جہاں سے شکستہ ہو چکی تھی اس کی مرمت کرا

وہ ایک بار پھر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔
عیسائیوں کی عہد شکنی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر ایک قدرتی آفت یہ نازل ہوئی کہ اس سال اس قدر سردی پڑی کہ عرب اسے برداشت نہ کر سکے۔ تاہم مسلمانوں کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا اور وہ اس کے باوجود ڈٹے رہے۔ اسی دوران خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کی خبر آئی اور اس کے جانشین عمر بن عبدالعزیز نے مسلمہ کو واپسی کا حکم دیا۔ اس طرح اسلامی لشکر کثیر جانی و مالی نقصان اٹھانے کے باوجود ناکام واپس لوٹ گیا۔

ماخذ: البدایہ والنہایہ جلد 9 صفحہ 75۔ تاریخ ملت جلد اول

717ء۔ خلافت راشدہ کی بحالی

مورخین حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیتے ہیں اور انہیں پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز 20 صفر 99ھ بروز جمعہ کو خلیفہ بنے۔ اس سے صرف ایک جمعہ پیشتر یعنی 13 صفر 99ھ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے باریک ریشم کا لباس زیب تن کیا اور آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر کہنے لگا کہ میں کیسا جوان اور بہادر فرمانروا ہوں۔ جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع دمشق گیا مگر نماز جمعہ پڑھ کر خیریت سے گھر واپس نہ آسکا اسے شدید بخار نے آلیا جو آخر مرض الموت ثابت ہوا۔ اپنی وصیت میں اس نے اپنے بیٹے کے بجائے مشہور عالم رجاء بن حیوۃ کے مشورے پر اپنے چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنا دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی عدل گستری، انصاف پسندی، سادگی اور نیکی و تقویٰ کے سبب خلفائے راشدین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی ولادت 61ھ 681ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ان کی والدہ بنت عاصم بن عمر بن خطاب تھیں۔ پیدائش سے جوانی تک ان کی عمر کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں بسر ہوا اور اپنے والد عبدالعزیز کی وفات تک وہ وہیں مقیم رہے۔ پھر ان کے چچا یعنی خلیفہ عبدالملک بن مروان انہیں دمشق لے گئے اور ان کی شادی اپنی بیٹی فاطمہ سے کر دی۔ 87ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کا گورنر بنتے ہی دس محدثین کرام کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی اور انہیں کی مشاورت سے آپ حکومت کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف کو آپ کا حلیمانہ طریقہ حکومت پسند نہ تھا۔ اس لیے اس نے دربار خلافت

میں آپ کی شکایت کی اور 93ھ میں انہیں واپس دمشق بلالیا گیا۔

پھر 99ھ میں مسجد آراء خلافت ہوئے۔ ان کا مقام اپنے پیشرو اموی خلفاء سے اور اپنے جانشینوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ ڈھائی سال کے قریب تخت خلافت پر رونق افروز رہے۔ ان کے عہد میں اگرچہ کوئی خاص فوجی کارنامے انجام نہ دیئے گئے مگر پھر اندلس میں ان کے عہد میں مسلمان افواج کوہ ابرانس Pyrenees کو عبور کر کے جنوبی فرانس میں داخل ہوگئیں اور فرانس کے قلعہ بند شہر ناربون پر قبضہ کرلیا۔

آپ کی نافذ کردہ اصلاحات میں ایک اہم اصلاح نظام مالگزاری کی اصلاح تھی۔ اسی طرح آپ کے عہد میں بہت سے شعبوں میں بہت سی اہم اصلاحات ہوئیں۔ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں آپ اتنے اچھے تھے کہ اہل سمرقند نے آپ کے دربار میں شکایات کیں کہ مشہور فاتح قتیبہ بن مسلم نے نامنصفانہ طور پر ہمارے شہر پر قبضہ کرلیا ہے۔ آپ نے ایک کمیشن مقرر کیا کہ اس معاملہ کی تفتیش کی جائے۔ جب پتہ چلا کہ ان کی شکایات بجا ہیں تو آپ نے حکم جاری کر دیا کہ مسلمان سمرقند چھوڑ کر اپنی چھاؤنی میں چلے جائیں۔ آپ کی اس انصاف پسندی سے اہل سمرقند اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صورت پر خوش ہیں اور ایسی عدل پرور قوم سے جھگڑا مول نہیں لیتے۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2/14۔ تاریخ طبری جلد ششم۔ تاریخ ملت جلد اول

720ء۔ یزید ثانی کی خلافت

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت کے آخری دنوں میں خوارج کے سردار بسطام کو گفت وشنید سے اختلافات دور کرنے کی پیش کش کی تھی جب اس کے نمائندے دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو عمر بن عبدالعزیز نے ان کے عقائد کا فساد اپنی گفتگو سے ان پر ظاہر کیا۔ وہ ہر معاملے میں آپ سے مطمئن ہوگئے مگر انہوں نے آخری سوال یہ اٹھایا کہ آپ یزید بن عبدالملک کی ولی عہدی کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے ولی عہد نہیں بنایا۔ اس کے جواب میں خوارج نے کہا کہ جب آپ اسے خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تو اس کا اعلان کیوں نہیں کردیتے۔ حضرت عمر اس مطالبہ پر خاموش ہوگئے۔ ان کے اصرار پر آپ نے انہیں اس کا جواب

دینے کے لیے تین دن کی مہلت مانگی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور خارجیوں کی اس بات چیت کا علم جب بنوامیہ کو ہوا تو انہیں خوف ہوا کہ کہیں وہ انہیں آئندہ کے لیے حکومت سے محروم نہ کر دیں۔ انہوں نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا اور تین دن گزرنے سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا۔

اس طرح عمر بن عبدالعزیز کے انتقال پر سلیمان بن عبدالملک کی نامزدگی کی وجہ سے یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ وہ جواں سال تھا اور اپنے پہلو میں ایک جوان دل رکھتا تھا۔ اس لیے اس نے بادہ و ساغر اور چنگ و رباب کا شغل جاری کیا اور اپنی دو کنیزوں حبابہ اور سلامہ کو اپنا ہم جلیس بنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات ختم کر دیں اور دربار اموی کا قدیم نظام پھر سے بحال کر دیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے شراب پینی شروع کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اہل یمن کا وہ غیر اسلامی ٹیکس معاف کر دیا تھا جو حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف نے عائد کیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کی بجائے عشر کا نصف ان پر لاگو کیا تھا۔ یزید نے یہ ٹیکس پھر نافذ کر دیا۔ خارجیوں اور دیگر گروہوں سے خانہ جنگی بھی عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بند ہو گئی تھی۔ یزید کے عہد میں یہ سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اس کی ابتدا بنوامیہ کے عامل کوفہ عبدالحمید نے خارجیوں کے خلاف کارروائی سے کی۔ اس نے یہ کارروائی محض اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے کی تھی مگر الٹا اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد دربار خلافت سے متعدد افراد کو خارجیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا جن میں سے اکثر کو خارجیوں نے قتل کر ڈالا۔ آخر دس ہزار کا لشکر جرار مٹھی بھر خارجیوں کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا جس نے تمام خارجیوں کو قتل کر ڈالا اور ان میں سے کوئی متنفس زندہ نہ بچا۔

یزید بن عبدالملک کے عہد میں دوسری بڑی خانہ جنگی یزید بن مہلب سے ہوئی۔ یزید بن مہلب نے گورنر خراسان کی حیثیت سے دو کروڑ درہم غصب کر لیے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسے قتل نہ کرایا تھا وہ قید سے فرار ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے اس نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ یزید نے اپنے بھائی مسلمہ کو اس کے مقابلے میں بھیجا جس نے اسے شکست دے کر اس کے بھائیوں سمیت قتل کر دیا۔ یزید کا ارادہ تھا کہ اپنے بیٹے ولید کو اپنا ولی عہد مقرر کرے مگر وہ کم سن تھا اس لیے اس نے علی الترتیب ہشام بن عبدالملک کے بعد اس کو ولی عہد مقرر کیا۔ 724ء میں یزید بن عبدالملک نے بعمر 38 سال سل کی بیماری سے وفات پائی۔

724ء۔ مسند خلافت پر ہشام بن عبدالملک

یزید ثانی کے انتقال پر اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کی مدت خلافت تقریباً بیس سال ہے۔ وہ 105ھ سے 125ھ تک برسر اقتدار رہا۔ وہ حلیم، عفیف، مدبر اور حوصلہ مند حکمران تھا، وہ بنی امیہ کے بہترین خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔

ہشام بن عبدالملک نے تخت نشین ہوتے ہی عراق کی امارت سے عمر بن ہبیرہ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ خالد بن قسری کو مامور کیا۔ اس زمانے میں والی خراسان مسلم بن سعید ترکوں سے برسر پیکار تھا۔ خالد قسری نے اسے اپنا کام جاری رکھنے کا حکم دیا۔ مسلم بن سعید فرغانہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ خاقان چین اپنا لشکر لیے اس کے مقابلے پر آ رہا ہے۔ مسلم بن سعید خود آگے بڑھا تاکہ اسے روکا جا سکے مگر خاقان کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے مسلم نے بچ کر نکلنے کو زیادہ بہتر خیال کیا لیکن اس کے تعاقب میں خاقان چین کا بیٹا آیا تو اس نے مقابلہ کی ٹھانی۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے ترکوں کے ٹڈی دل کا منہ پھیر دیا۔ ترک لشکر کے افسر اعلیٰ خاقان کے بیٹے سمیت ہلاک ہو گئے۔ امیر معاویہ اور عبدالملک کے بعد ہشام تیسرا اموی خلیفہ تھا جس کا عہد حکومت طویل تر رہا۔ اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح اسے تعمیرات کا شوق بھی تھا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے قلعے، محلات اور بادیہ شام میں بہت سے شہر تعمیر کرائے۔ کہا جاتا ہے کہ تدمر کے مغرب میں قصر الحیر کے دونوں محلات ہشام کے تعمیر کردہ ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قصر الحیر الشرق ہی حقیقت میں رصافتہ الہشام ہے۔ قصر الحیر المغربی میں محل کی آرائش و زیبائش کے نمونوں میں ہشام کی تصویر برآمد ہوئی ہے۔ قصر المشتی، قصر الطوبیٰ وغیرہ بھی ہشام کی یادگار ہیں۔

ہشام کے عہد کے آخری سال جانشینی کی کشمکش کی وجہ سے مکدر رہے۔ جب وہ اپنے بیٹوں کو جانشین تسلیم کرانے میں ناکام رہا تو اس نے صابر و شاکر ہو کر اپنے بھتیجے الولید بن یزید کو اپنا جانشین تسلیم کر لیا۔ جسے یزید ثانی نے پہلے ہی نامزد کر رکھا تھا۔ یہ ولید ہشام کی شخصیت اور مزاج کے بالکل برعکس تھا۔ جب رصافہ میں ہشام کا انتقال ہوا تو اس کے ساتھ ہی فتنہ فساد کا آغاز بھی ہو گیا۔ ہشام ہی کے عہد میں زید بن علی شہید کیے گئے تھے جس کے نتیجے میں عباسی دعوت سامنے آئی۔

بحیثیت مجموعی ہشام بن عبدالملک کا عہد حکومت عربوں کی شان و شوکت اسلام اور اس کی ثقافت کے عروج کا زمانہ تھا۔ ہشام پکا مسلمان تھا اور امام زہری اور ابوزناد جیسے محدثین کا دوست

تھا۔ عیسائیوں سے اس کا سلوک روادارانہ تھا۔

اپنے عروج کے بعد عرب سلطنت اب شکست وریخت کا شکار ہونے والی تھی ہشام اس سے بھی بے خبر نہ تھا۔ اس نے کوششیں کیں کہ عربوں کی عصبیت کو ختم کر سکے۔ اس سلسلے میں اس نے مضری اور یمنی قبائل میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ محاصل کی وصولی میں جو بے عنوانیاں چلی آ رہی تھیں ان کا تدارک بھی کیا گیا۔

ماخذ: مروج الذہب، المسعودی جلد 3۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 23۔ تاریخ ملت جلد اول

729ء۔ معتزلہ مدرسہ فکر کا آغاز

ایک دن حضرت حسن بصری اپنے حلقہ درس میں بیٹھے طلبہ کو پڑھا رہے تھے۔ ایک شخص واصل بن عطاء نے کھڑے ہو کر کہا، جناب ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کا کہنا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے یہ لوگ خوارج کے وعیدیہ ہیں۔ دوسرا گروہ جو مرجیہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ موخر الذکر کا خیال کہ اگر ایمان صحیح ہے تو گناہ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا یعنی یہ لوگ فرد کو اس حد تک چھوڑ دیتے ہیں کہ گناہ سے کسی قسم کا نہ ایمان پر ضرر پڑتا ہے اور نہ ہی اس کے مستقبل پر۔ پھر حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ ان دونوں فرقوں میں سرحق کون ہے؟

حضرت حسن بصری ابھی جواب دے ہی رہے تھے کہ اس شخص نے خود کہا میری رائے میں ایسا شخص نہ کافر ہے نہ مومن بلکہ اس کے بین بین ہے۔ اس نے نہ صرف یہ کہا بلکہ امام کے تلامذہ میں اس عقیدے کی تلقین بھی شروع کر دی۔ اس پر حضرت حسن بصری نے فرمایا ''ہذا الرجل اعتزل عنا'' یعنی یہ شخص ہم سے الگ ہو گیا۔ اسی حوالے سے بعد ازاں اس کا اور اس کے ہم خیالوں کا نام ''معتزلہ'' مشہور ہو گیا۔

ابن منظور نے ''لسان العرب'' میں لکھا ہے کہ معتزلہ کا خیال تھا کہ انہوں نے بقول ان کے گمراہ فرقوں یعنی اہل سنت الجماعت اور خوارج سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اس رائے کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ معتزلہ کے بعض شیوخ نے اپنے آپ کو بغیر کسی تردد کے بغیر اسی نام سے پکارا ہے۔ چنانچہ قرآن ثالث کے ایک مشہور معتزلی نے اپنے مسلک کو اعتزال ہی سے تعبیر کیا

ہے اور اس کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

"کوئی شخص اس وقت تک اس اعتزال کا حق دار نہیں قرار پا سکتا جب تک وہ ان پانچ اصولوں کو نہ تسلیم کرے: توحید، عدل، وعدہ، وعید، منزلہ بین المنزلتین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ جب کسی میں یہ پانچ خصائص پائے جائیں تب تک وہ صحیح معنوں میں معتزلہ کہلانے کا حقدار ہے۔"

معتزلہ کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا یعنی یا تو حضرت حسن بصری (م 110ھ) کی زندگی میں ہوا یا ان کی وفات کے بعد یعنی 728ء کے کچھ عرصہ بعد حضرت قتادہ بصری کے دور میں ہوا۔ بہر حال اس کے باقاعدہ آغاز کا زمانہ اواخر پہلی صدی اور اوائل دوسری صدی ہجری کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی صدی میں ان کی جماعت خاصی ترقی کر گئی تھی۔ 225ھ تک وہ پھل پھول چکے تھے یعنی ان کے عقائد و اصول کو فروغ حاصل کر چکا تھا۔ عباسی خلفاء مامون، معتصم اور واثق باللہ نے ان کی سرکاری طور پر سرپرستی کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے عقائد عالم اسلامی میں پھیل گئے۔

معتزلہ نے پوری قوت سے پرچار کیا کہ خدا پر اعتبار ایک وحدت ہے جو کائنات کی ہر شے سے ماورا ہے۔ معتزلہ کا خیال ہے کہ قرآن اور حدیث مبارکہ میں جو تشبیہہ کے الفاظ آئے ہیں وہ دراصل عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہیں۔ چونکہ خدا کی ماورائی نوعیت عام لوگوں کے ذہن میں نہیں آ سکتی لہٰذا تشبیہات و استعارات سے کام لیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک خدا زمان و مکان سے ماورا ہے اور انسانی آنکھ سے اوجھل ہے۔ اس عقیدے پر اصرار کیا کہ قرآن اور حدیث مخلوق ہے۔ معتزلہ کے نزدیک خدا اپنے قوانین کا پابند ہے اس کے طریقہ کار میں کبھی تغیر رونما نہیں ہوا۔ معتزلہ کے ان متنازعہ خیالات کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ آگے چل کر ان کے ان نظریات کے حامل عباسی خلفا کے ہاتھوں عقائد صحیحہ کے حامل علماء کرام کو سخت اذیتیں اٹھانا پڑیں مگر امام احمد بن حنبل جیسے عظیم لوگوں کی کوششوں سے یہ تحریک بالآخر روبہ زوال ہوئی۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد 21، امام احمد بن حنبل

728ء۔وفات خواجہ حسن بصری

ان دلوں کو از سر نو جلا دے لو کیوں کہ یہ دل (احساس دینی کے مراکز ہیں) بہت جلد زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔اس دنیا کو ایک پل سمجھو جس پر سے تم گزر جاتے ہو اور اس پر ڈیرے نہیں ڈالتے..... حسن البصری

عربی کے واعظ نہ ادب کی بمشکل ہی کوئی کتاب ہوگی کہ جس میں حسن بصری۔کے بعض اقوال درج نہ ہوں۔شروع کے خلفا کے بارے میں انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ کسی سیاسی جماعت سے وابستگی کے اعتراف کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے مذہبی اصولوں پر مبنی ہیں۔انہوں نے اپنے زمانے کے حکمرانوں یعنی عراق کے اموی عاملوں پر بے باکی سے نکتہ چینی کی۔ان کی بے باکی کا یہ عالم تھا کہ 86ھ 705ء میں حجاج بن یوسف کی جانب سے شہر واسط کی تعمیر پر اعتراض کر دیا۔وہ ان سے ناراض ہو گیا۔آخر انہیں حجاج کی وفات تک روپوش ہونا پڑا۔تاہم حضرت حسن بصری ان لوگوں کو بہ نظر استحسان نہ دیکھتے تھے جو بدعنوان والیوں کو برطرف کرنے کے لیے بغاوت بپا کرتے۔جب ابن الاشعث (700ء) کے حامیوں نے انہیں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ظالموں کے متشددانہ افعال خدا کی طرف سے عذاب ہیں جس کا مقابلہ تلوار سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ صبر سے برداشت کرنا چاہیے۔

حضرت حسن بصری اسلامی تصوف کی بڑی شخصیات میں سے ہیں آپ تابعین کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔والد کا اصلی نام بیروز (یسار) تھا۔عراق کی فتح کے دوران اسیر ہو کر مدینہ آئے۔ان کی مالکہ نے انہیں آزاد کر دیا۔یہاں انہوں نے حضرت حسن بصری کی والدہ سے شادی کی۔ایک روایت کی رُو سے حسن بصرے میں پیدا ہوئے۔ان کی پرورش وادی القریٰ میں ہوئی۔جنگ صفین کے بعد وہ بصرہ چلے گئے۔ان کی شہرت کا انحصار ان کی انتہائی دینداری اور دیانت داری پر ہے۔جس نے ان کے معاصرین کو بہت متاثر کیا۔ان کا بچپن حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے ہاں گزرا اور ان سے شرف رضاعت بھی پایا۔محدثین کرام کے نزدیک حضرت علی ؓ سے حصول فیض کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لیکن اکثر سلسلہ ہائے تصوف کا سلسلہ انہی کے واسطے سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔110ھ 724ء میں وفات پائی۔

ان کی تصانیف میں ایک رسالہ عبدالملک بن مروان کے نام تھا۔جس میں انہوں نے جذبہ

اخوت انسانی اور بنی نوع انسان سے ہمدردی پر زور دیا۔ ایک زاہدانہ و واعظانہ نوعیت کا رسالہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نام تھا۔ الفہرست کی رو سے حضرت حسن بصری نے ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔ شاعر فرزدق ان کا بڑا مداح تھا۔ اس نے اپنی بیوی نوار کی طلاق کے ایک شاہد کی حیثیت سے حضرت حسن بصری کو طلب کیا تھا۔ اب ان کی تصانیف ناپید ہو چکی ہیں صرف ان کے مواعظ کے شذرات ملتے ہیں۔

ماخذ: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول صفحہ 545۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8

730ء۔ شہنشاہ لیوسوم کی دین بدری

شہنشاہ جسٹینین دوم کی فوج میں ایک شامی بھرتی ہوا جو ترقی کرتے کرتے شہنشاہ اناستیسس دوم Anastasius II کے عہد میں ایشیائے کوچک کی بازنطینی افواج کا کمانڈر اعلیٰ بن گیا۔ 716ء میں جب شہنشاہ اناستیسس کو سبکدوش کیا گیا تو تھیوڈوسیئس سوم نے شہنشاہ ہونے کا دعویٰ کیا مگر اس کا دعویٰ کچھ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا اور ایشیائے کوچک میں مقیم بازنطینی افواج کے کمانڈر اعلیٰ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کر دی اور شہنشاہ تھیوڈوسیئس کے خلاف ایک کامیاب بغاوت کر کے اس کا تخت و تاج چھیننے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ بازنطینی شہنشاہ لیوسوم Leo III تھا جس نے 717ء میں تخت نشین ہو کر آسورین Isurium خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ خاندان 820ء میں ملکہ آئرین Irene کی سبکدوشی تک حکمران رہا۔

لیوسوم کی تخت نشینی کے فوراً بعد ہی ایک طاقتور مسلمان عرب فوج نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا جو ایک سال تک جاری رہا۔ لیوسوم نے سخت مزاحمت کے بعد دشمن کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا بلکہ اس کی اس مزاحمت سے پورا مشرقی یورپ ایک طویل عرصہ تک کے لیے مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ ہو گیا۔ اس عرب حملے کو ناکام بنانے کے بعد شہنشاہ نے اپنی سلطنت کو مستحکم کیا اور جنگ میں تباہ ہونے والے بازنطینی سرحدی شہروں کی تعمیر کروائی اور سرحدوں کو مضبوط بنایا۔ اگرچہ 726ء اور 739ء میں عربوں نے قسطنطنیہ پر مزید حملے کیے مگر وہ شہنشاہ کے دفاعی انتظامات کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔

محاصرہ قسطنطنیہ کے فوراً بعد ہی شہنشاہ کو ایک خطرناک بغاوت کا سامنا کرنا پڑا جو سابق شہنشاہ

اناستیسس نے کی تھی مگر اس بغاوت کا سرغنہ گرفتار ہو جانے کی وجہ سے جلد ہی بغاوت فرو ہو گئی۔
شہنشاہ لیوسوم کے عہد کا سب سے اہم واقعہ اس کی دین بدری ہے جو پاپائے روم نے 726ء میں اس کے ایک حکمنامہ کے خلاف اسے دی۔ 726ء میں لیوسوم نے مذہبی اصلاحات کا نفاذ اپنے ایک حکم نامے میں کیا جس کی رو سے تمام کلیساؤں میں شبیہہ پرستی اور بت پرستی کی ممانعت کر دی گئی۔ یہ اقدام شہنشاہ نے اشرافیہ اور کلیسا کے ایک بڑے حصے کی تائید سے کیا تھا مگر اس حکمنامے کے جاری ہوتے ہی پوری مملکت میں ایک مذہبی انقلاب بپا ہو گیا جس سے روم، ریوینا Ravena اور کئی دیگر شہر بازنطینی سلطنت سے علیحدہ ہو گئے۔ قسطنطنیہ کے مشرقی یونانی کلیسا اور رومن کیتھولک چرچ میں اس مسئلے پر شدید اختلاف رونما ہو گیا اور شہنشاہ کو اس کے مستحسن اقدام پر دین بدری کی سزا دی۔ مذہبی اصلاحات میں ایک حد تک ناکام رہ جانے کے باوجود لیوسوم نے بازنطینی قوانین میں بھی اصلاح و ترمیم کی اور نئے ضابطے جاری کئے جو بازنطینی سلطنت کو مستحکم بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ شہنشاہ لیوسوم نے 717ء سے 741ء تک حکومت کی۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم۔ برٹانیکا جلد 7

732ء۔ بلاط الشہداء جنگ پوائٹرز

جنگ پوائٹرز Battle of Poitiers کے لیے بلاط الشہداء کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ جنگ عبدالرحمٰن غافقی والئی اندلس اور چارلس مارٹل کے درمیان فرانس میں پوائٹرز کے مقام پر لڑی گئی تھی لیکن ازمنہ وسطیٰ کے عرب مورخین نے کہیں پوائٹرز کا نام استعمال نہیں کیا۔ بلاط الشہداء کا لفظ بھی گیارہویں صدی کے بعد اندلسی مورخین کی تحریروں میں ملتا ہے۔

عبدالرحمٰن غافقی والئی اندلس اپنے منصب پر 111ھ کے آخر یا 112ھ 730ء کے آغاز میں محمد بن عبداللہ الاشجعی کی جگہ مقرر ہوئے اور اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔ انہیں سب سے زیادہ شہرت بھی اسی مہم یعنی بلاط الشہداء کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ انہوں نے اپنے عہد کے اولین سالوں میں اس مہم کے لیے اچھی طرح تیاری کی۔ ان کی منزل مقصود طلوشہ Tours فرانس میں کلیسائے سینٹ مارٹن تھا۔ انہوں نے خاصی فوج جمع کی اور پمپلون Pamplone سے نکل کر درہ Roncesvalles سے ہوتے ہوئے بورد Bordeaus پر حملہ کیا اور اسے

مکمل طور پر تباہ کر ڈالا۔ ایکوٹینیا کا ڈیوک Eudes ان کی پیش قدمی کو نہ روک سکا۔ پھر وہ لائیر Loire کی طرف بڑھے۔ لیکن فرنگیوں Franks کا ڈیوک چارلس مارٹل Charles Martel مزاحم ہوا۔ شہر پوائٹرز Poitiers سے تقریباً بیس کلومیٹر شمال مشرق میں جنگ ہوئی جس میں عبدالرحمٰن غافقی کو شکست اٹھانی پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ سے ایک رات قبل عبدالرحمٰن غافقی کے ساتھیوں میں عرب عصبیت جاگ اٹھی جس نے روح اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جس کے بعد مسلمان تنکوں کی طرح بہہ گئے اور امیر عبدالرحمٰن غافقی شہید ہو گئے۔

فرنگیوں کی تاریخ میں یہ جنگ' جنگ پوائٹرز کے نام سے مشہور ہے جبکہ عرب اسے بلاط الشہداء (شہیدوں کی اونچی شاہراہ) کہتے ہیں۔ بچے کھچے مسلمان پراگندہ حالت میں ناربون کی طرف پسپا ہو گئے۔ میدان جنگ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد کام آئی۔ اکتوبر رمضان 114ھ 732ء میں اس جنگ کی تاریخ متعین کی جاتی ہے۔ اگرچہ مسلمان افواج رات کی تاریکی میں میدان جنگ سے غائب ہو گئیں اور دوسرے دن عیسائی میدان جنگ خالی دیکھ کر حیران رہ گئے مگر انہیں مسلمانوں کا تعاقب کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

ماخذ: تاریخ ہسپانیہ از نصیر احمد ناصر۔ Moors in Spain۔ عبرت نامہ، ڈوزی

735ء۔ حضرت امام باقرؑ کا حلقہ درس اور ان کی وفات

حضرت امام حسینؑ کے پوتے حضرت محمد بن علی الباقر (محقق) کے اعزازی لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کی کنیت ابو جعفر تھی۔ وہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھے۔ علم حدیث میں ان کو سند مانا جاتا ہے اور ان کے چند متبرک مقولے آج تک مشہور ہیں۔ انہیں اس کے ساتھ ہی اپنے عالی خاندان کے مخصوص شوق کی وجہ سے حاشیہ دار ریشمیں لباس اور رنگ بہت پسند تھے۔ شیعان علی نے ان کو ان کے خاندان کے دیگر افراد کی طرح امام کا لقب دیا ہے۔ آپ اپنے والد کی طرح صبر و سکون کے ساتھ مدینہ منورہ ہی میں فرما رہے اور آپ نے سیاست میں کوئی حصہ نہ لیا۔ گو ان کا احترام ہر طرح کیا جاتا تھا جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز کی مثال سے ظاہر ہے۔ المغیرہ اور کئی شیعہ ان کی امامت کے انکاری تھے۔ کچھ لوگوں نے جو ان کے بھائی زید کے طرف دار تھے جب ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ ان سے بھی عقیدت رکھنے لگے۔ آپ کا حلقہ درس بہت مشہور تھا۔ آپ مدینہ

منورہ میں درس دیا کرتے تھے۔ ان کے درس سے ان کے بھائی حضرت زید بھی فیضیاب ہوئے۔
حضرت ابو جعفر کا بیان ہے کہ جب میرے دادا حضرت حسینؓ قتل ہوئے تو میں چار سال کا تھا۔
آپ کے قتل کے بعد جو تکلیفیں ہمیں اس وقت پہنچیں ان کو یاد کرتا ہوں تو آج بھی میری آنکھیں نم
ہو جاتی ہیں۔

تاریخ یعقوبی میں مورخ یعقوبی نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کی ایک روایت بیان کی
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" نے مجھے فرمایا کہ تو زندہ رہے گا حتیٰ کہ میری اولاد میں سے
ایک شخص کو دیکھے گا جو مجھ سے مشابہ ہوگا اور اس کا نام بھی میرے نام پر ہوگا۔ یہ حضرت امام باقرؒ
ہی تھے جن کا نام محمد تھا۔ جابر بن عبداللہ ان کے زمانے میں بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور انہیں
موت کا خوف لاحق ہو گیا' وہ ایک روز کہنے لگے اے باقر' اے باقر تو کہاں ہے حتیٰ کہ امام باقرؒ
نے انہیں دیکھا اور وہ آپ کے دونوں ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے اور کہنے لگے "میرے ماں باپ
آپ پر قربان' آپ اپنے جد (رسول اللہ ﷺ) کی شبیہہ ہیں۔ آپ کے جد (ﷺ) آپ کو سلام
کہتے ہیں۔"

حضرت امام باقرؒ نے 117ھ 735ء میں وفات پائی۔

ماخذ: تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ 518۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 19

740ء۔ شہادت حضرت زید بن علی

یکم صفر 122ھ 740ء میں رات کے وقت دو سو اٹھارہ آدمی ہاتھوں میں مشعلیں لیے
کوفہ کی گلیوں میں رواں دواں تھے۔ یہ مشعل بردار جلوس حضرت زید بن علی بن حسینؓ کے
ساتھیوں نے نکالا تھا۔ وہ اعلان انقلاب کے لیے مشعلیں لے کر گھروں سے نکلے تھے۔
رات بھر کوفے کے بازاروں میں "یا منصور امت" کے نعرے گونجتے رہے۔ یہ جلوس انقلاب
حضرت زید کے معینہ وقت انقلاب سے ایک ہفتے قبل نکالا گیا تھا۔ اگلی صبح بنی امیہ کی فوج سے
اس انقلابی فوج کا مقابلہ ہوا۔ ان کے مخلص فوجی سالار قتل ہو گئے۔ حضرت زید کو یہ کہتے سنا گیا
"الحمدللہ! میرا دین کامل ہے۔ اگر میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض پورا نہ کرتا تو
قیامت کے روز آنحضرت (ﷺ) کے سامنے حوض کوثر پر شرمندہ ہونا پڑتا۔ زید بن علی فاطمی

علوی خانوادے کے جید عالم اور مجاہد اور فرقہ زیدیہ کے امام تھے۔ ان کے پیروکار خاصی تعداد میں یمن میں موجود ہیں۔ آپ حضرت امام حسینؓ کے پوتے اور امام زین العابدینؒ کے فرزند تھے۔ حضرت زید نے اپنے بھائی حضرت امام باقرؒ سے درس لیا اور اس کے بعد دیگر مدنی فقہاء اور محدثین کرام سے بھی مستفید ہوئے۔

بنو ہاشم امر خلافت میں بنو امیہ کے پرانے حریف چلے آ رہے تھے تاہم امام حسینؓ کے ساتھ میدان کربلا میں جو لرزہ انگیز سانحہ پیش آیا تھا اس نے بنو ہاشم کو ایک عرصہ تک مہر بلب رکھا۔ حضرت امام زین العابدینؒ جنہوں نے میدان کربلا کا یہ سانحہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا انہوں نے کبھی دل میں خیال تک نہ لایا کہ وہ تخت خلافت حاصل کریں۔ لیکن نئی نسل کے دل میں ایک بار پھر یہ جذبہ خفتہ پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے اسلاف کی میراث یعنی خلافت حاصل کریں۔ اگرچہ شروع میں حضرت زید بن علی صرف تبلیغ دین کیا کرتے مگر ان کے گرد بڑے اجتماعوں سے حکومت بنی امیہ خائف تھی۔ لوگ ان کے خطبے اور جملے حفظ کیا کرتے تھے۔ ان کے کمالات دیکھتے ہوئے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے والئ عراق کو لکھا کہ وہ لوگوں کو زید کے پاس جانے سے روکے کیونکہ ان کی زبان تلوار سے تیز اور نیزے سے زیادہ دلدوز ہے۔ اس کے بعد ہشام کی حکومت نے حضرت زید پر کئی الزامات عائد کر کے انہیں قید بھی کر دیا مگر جب حضرت زید بے گناہ ثابت ہوئے تو انہیں رہا کر دیا گیا۔ آپ نے کوفہ میں تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ حکومت پر نکتہ چینی کرنے کی وجہ سے حضرت زید کو حکومت نے ایک بار پھر گرفتار کرنا چاہا مگر وہ کوفہ میں روپوش ہو گئے اور انہوں نے ایک وقت معینہ پر خروج کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر جب خروج کے بعد سرکاری فوجوں سے جنگ ہو گئی جو دوسرے دن بھی جاری رہی۔ حضرت زید اور ان کے ساتھی دلیری سے کوفہ کی جامع مسجد میں لڑتے رہے۔ جب اموی فوجوں سے کچھ نہ بن سکا تو تیر اندازوں کے دستے نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ایک تیر حضرت زید کی پیشانی میں لگا جو آپ کی شہادت کا باعث بن گیا۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کی نعش کو نہر میں دفن کیا گیا تاکہ بنی امیہ کے وفادار آپ کی لاش کو گزند نہ پہنچا سکیں مگر ایک نبطی غلام کی مخبری پر آپ کی نعش قبر سے نکال لی گئی اور سر تن سے جدا کر کے ہشام کے پاس بھیج دیا گیا۔

744ء۔ خلیفہ ولید ثانی کا قتل

گیارہواں اموی خلیفہ وہ 35 سال کی عمر میں اپنے چچا خلیفہ ہشام کا جانشین ہوا۔ اگر صرف اس کی ذاتی شجاعت وفراست' فراخدلی' علم دوستی اور ذوق شعر وسخن کا خیال کریں تو ولید ثانی کو اموی خاندان کا سب سے نامور خلیفہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ اس کے متعلق ایک مورخ کا تجزیہ ہے مگر وہ حد سے زیادہ اوباش بھی تھا۔ دمشق میں بیعت کی غرض سے تھوڑے سے عرصہ کے لیے منظر عام پر رہنے کے بعد اس نئے خلیفہ نے بعجلت تمام صحرا کی راہ لی تا کہ وہاں حدود اختلاف سے بے نیاز' حکومت کے تمام معاملات سے بے خبر یا اسلام کی نواہی سے بے پرواہ' آزادانہ زندگی بسر کر سکے۔ جیسی کہ وہ ایام شہزادگی سے بسر کرنے کا عادی چلا آ رہا تھا۔ اگر چہ اس کے لاابالی پن کی ساری داستانیں سچی معلوم نہیں ہوتیں جو مورخین نے بیان کیں ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنا وقت خوش باشی میں گزارتا تھا اور اپنے گرد شاعروں' طفیلیوں' گانے والوں اور رقاصاؤں کا جمگھٹا رکھتا تھا اور خود بھی بجا طور پر بزاراگی مانا جاتا تھا۔

اپنے وفادار خادم خالد القسری پر ظلم کی وجہ سے جسے اس نے قتل کروا دیا تھا شام میں یمنیوں نے بغاوت کر دی۔ میدانی کھیلوں کا شائق ہونے کی وجہ سے ولید نے اپنے چچا کی زندگی ہی میں صحرا کے وسط میں ایک شکارگاہ قصیر عمرہ کے نام سے بنوائی تھی ۔ جب وہ خلیفہ ہو گیا تو اس نے اس ویرانے میں ایک بہت بڑا محل تعمیر کروانے کی تجویز کی تا کہ وہ تہذیب وثقافت کے تمام نوادر وہاں منتقل کر دے۔ یہ تھی ابتداء اس کے عجوبہ روزگار قلعے مشتی کی۔ موسیقی اور شاعری کے فنون لطیفہ کا یہ ماہر ومبصر' نیم وحشی زندگی سے بیزار انسان' فن تعمیر میں ولید اول اور عبدالملک جیسے عظیم خلفا کی شان وعظمت کو گہنا دینے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

ولید شراب کا اس قدر رسیا تھا کہ جب ولی عہدی کے زمانے میں 116ھ میں اسے امیر الحج بنا کر مکہ بھیجا گیا تو وہ اپنے ساتھ کتے اور شراب بھی لے گیا۔ ہشام یعنی اس کے چچا نے جب اسے ہر وقت شراب میں مست دیکھا تو اس سے پوچھا تھا کہ وہ مذہب اسلام پر بھی ہے کہ نہیں کہ کوئی برائی ایسی نہیں جسے تم اعلانیہ ڈھٹائی سے نہ کرتے ہو۔ اس کے جواب میں ولید نے لکھا تھا کہ ''جو شخص ہمارے مذہب کا پوچھتا ہے اسے معلوم ہو کہ ہم ابوشاکر کے مذہب پر قائم ہیں۔ ہم نرمی میں شراب پیتے ہیں اور کبھی کبھی اس میں گرم پانی ملا لیتے ہیں.....

جب ولید تخت نشین ہوا تو اس نے یحییٰ بن زید بن علی کو خراسان سے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ یحییٰ نے صرف ستر آدمیوں کے ساتھ دس ہزار کے لشکر کے مقابلے میں فتح پائی اور ہرات کی طرف کوچ کیا مگر راہ میں جوز جان کے مقام پر پھر جنگ ہوئی جس میں یحییٰ نے شہادت پائی۔ یحییٰ کا سر ولید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا اور نعش کو جوز جان میں صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ حضرت یحییٰ کے قتل کے واقعہ نے بنوامیہ کے زوال کو تیز تر کر دیا۔ جس دن یحییٰ قتل ہوا اس دن خراسان میں جو بچہ بھی پیدا ہوا اس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ پھر جب ابو مسلم خراسانی نے اہل بیت کے انتقام میں علم بغاوت بلند کیا تو لوگ سیاہ کپڑے پہن کر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس وقت سے عباسیوں نے اپنے جھنڈے کا رنگ سیاہ رکھا۔

ہشام بن عبدالملک ولید کی رنگینی مزاج کی بناء پر اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا لیکن ابھی اس کی یہ تجویز پایہ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ ولید نے مسند نشین ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ عباس بن عبدالملک بن مروان کو حکم دیا کہ فوراً رصافہ جا کر ہشام کے اہل و عیال کو نظر بند کر دے اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لے۔ البتہ اس نے مسلمہ بن ہشام سے نرک سلوک کرنے کی ہدایت کی کیونکہ وہ اپنے باپ سے متفق الرائے نہیں تھا۔

ولید نے ہشام کے اہل و عیال کے بعد اس کے ان ارکان دولت کو بھی نہیں چھوڑا جو ولید کی برطرفی کی کوششوں میں ہشام کے مددگار تھے ولید نے ان سے سخت انتقام لیا۔ ہشام کے دو ماموؤں کو پابہ زنجیر کر کے دمشق طلب کیا گیا اور انہیں کوڑے لگائے گئے۔ پھر انہیں والئی عراق یوسف بن عمر کے پاس بھیج دیا کہ انہیں سخت عذاب دے کر قتل کر دے۔ سلیمان بن ہشام کو گرفتار کر کے سو کوڑے لگائے گئے پھر اس کی داڑھی اور سر مونڈ کر اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ یزید بن ہشام کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

مندرجہ بالا واقعات کی بناء پر عوام و خواص ولید سے بدزن ہو گئے۔ شاہی خاندان کے ارکان نے اس کے خلاف محلاتی سازشیں شروع کر دیں اور یزید بن ولید کو جو اپنی نیک نامی کے لیے مشہور تھا خلافت کے لیے نامزد کر دیا۔ یمنی قبائل نے جن کی طاقت پر خلافت کے ستون قائم تھے خفیہ طور پر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔

مروان بن محمد بن مروان کو جب ان حالات کا علم ہوا کیونکہ اس وقت آرمینیا میں مقیم تھا۔ اس نے لکھا کہ لوگوں کو اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے روکو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری اس خانہ جنگی

سے بنوامیہ کے دشمنوں کو فائدہ پہنچے گا اور حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ مروان کے اس خط پر عباس بن ولید نے اپنے بھائی یزید کو سمجھایا کہ وہ خلیفہ کے خلاف کام نہ کرے مگر وہ باز نہ آیا اور اندرونہ خانہ اپنی بیعت کے لیے کام کرنا شروع کر دیا۔ جب یزید کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے دارالخلافہ دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ولید اس وقت عمان کے مضافات میں مقیم تھا۔ یزید نے عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کو ایک بھاری جمعیت کے ساتھ ولید کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ ولید کے پاس کوئی بڑی فوج تو تھی نہیں اس نے مقابلہ کیا مگر جب مایوسی ہو گئی تو وہ میدان چھوڑ کر اپنے محل میں واپس آ گیا اور قرآن کھول کر بیٹھ گیا۔ اسے اسے حالت میں قتل کر دیا گیا اور اس کا سر کاٹ کر یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا گیا۔ ولید کی خلافت صرف ایک سال تین ماہ رہی۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد اول۔ دائرہ المعارف جلد 23

745ء۔ آخری خلیفہ بنوامیہ کی مسند نشینی

یزید بن ولید نے مرض طاعون سے 20 ذی الحجہ 126ھ کو وفات پائی۔ اس نے اپنے بعد اپنے بھائی ابراہیم بن ولید کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد ابراہیم خلیفہ بنا مگر چونکہ مروان بن محمد بن مروان والی آرمینیا ولید کے قتل کے سلسلے میں یزید سے ناراض تھا اس نے یزید ثانی کے عہد میں الجزیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ یزید نے مصلحتاً الجزیرہ کی حکومت اسے دے کر اس کی مخالفت کو دبا دیا تھا۔ یزید کے انتقال کے بعد مروان نے ابراہیم کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور اہل الجزیرہ کی کثیر جماعت کے ساتھ شام روانہ ہو گیا۔ قنسرین اور حمص پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا تو عین الحر کے مقام پر ابراہیم کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ مروان نے ابراہیم کو پیغام دیا کہ اگر وہ خلیفہ ولید ثانی کے بیٹوں کو اپنی قید سے رہا کر دے تو وہ مقابلہ سے دستبردار ہو جائے گا۔ مگر ابراہیم نہ مانا اور دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی جس میں ابراہیم کو شکست ہوئی اور مروان فاتحانہ دمشق میں داخل ہوا۔ مروان خلیفہ ولید ثانی کے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا مگر انہیں پہلے ہی قتل کر دیا گیا تھا اس لیے وہ خود تخت خلافت پر متمکن ہو گیا۔ ابراہیم کو اکثر مورخین اس کے قلیل عرصہ خلافت کی وجہ سے خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ مروان ثانی کا عہد حوادث اور اضطراب سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے ایک ہاشمی بزرگ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن ابی جعفر بن ابی طالب نے

کوفہ میں خروج کیا۔ اس زمانے میں عمر بن عبدالعزیز کے صاحبزادے عبداللہ عراق کے والی تھے انہوں نے اپنے والد کے اثر و اقتدار سے کام لیتے ہوئے عبداللہ بن معاویہ کی طاقت کو توڑ دیا اور وہ اپنی جاں بخشی کرا کر عراق و عجم کی طرف نکل گئے۔ بنوامیہ کی مروان شاخ کے بانی اور آخری خلیفہ اگرچہ ہمنام ہیں مگر مروان ثانی کے عہد میں شام میں بھی کہ جو بنوامیہ کا گھر تسلیم کیا جاتا تھا جابجا بغاوتیں رونما ہوئیں۔ پہلے حمص میں بغاوت ہوئی۔ مروان نے خود اس بغاوت کو فرو کیا۔ اسی بغاوت کے دوران جب مروان حمص آیا ہوا تھا اہل غوطہ نے دمشق پر دھاوا بول دیا۔ ابھی یہ بغاوتیں فرو نہ ہوئیں تھیں کہ چند مفسدین سلیمان بن ہشام کو دعویٰ خلافت پر ابھارا سلیمان نے فوج اکٹھی کر کے دعویٰ خلافت کر دیا' مروان نے اسے بھی شکست دی۔

بنوامیہ کو یوں خانہ جنگی میں مبتلا دیکھ کر پرانے دشمن بھی جاگ اٹھے۔ خوارج اپنے سردار ضحاک کی قیادت میں بنوامیہ کے خلاف منظم ہو گئے۔ یہاں سلیمان بن ہشام بھی اموی ہونے کے باوجود ضحاک سے آملا۔ جس زمانے میں ضحاک عراق میں شورش بپا کئے ہوئے تھا اسی زمانے میں یمن و حجاز میں ایک دوسرے خارجی سردار ابوحمزہ نے اپنی فتنہ انگیزی پھیلائی ہوئی تھی۔ ابوحمزہ 129ھ میں عین حج کے موقع پر میدان عرفات میں خروج کیا اور بلا مزاحمت مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ اہل مدینہ نے غدیر کے مقام پر اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ ابوحمزہ حجاز کے بعد مروان کا مقابلہ کرنے کے لیے شام کی طرف بڑھا مگر وادی القراء میں شکست کھائی اور مارا گیا۔

745ء۔ ضحاک خارجی کا خروج

خلیفہ ولید ثانی کے قتل کے بعد جو شورش برپا ہوئی اس میں خارجیوں نے الجزیرہ میں اپنے جارحانہ اقدامات پھر سے شروع کر دیئے اور آگے بڑھ کر عراق میں داخل ہو گئے۔ پہلے تو ان کی قیادت سعد حروری کرتا رہا پھر جب طاعون سے اس کا انتقال ہو گیا تو ضحاک بن قیس الشیبانی جو مذکورہ بالا سعد کا پیروکار تھا قائد بن گیا۔ کئی ہزار جنگجو ضحاک کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان میں کچھ بوڑھی عورتیں بھی شامل تھیں جو زرہ بکتر پہن کر میدان میں لڑتی تھیں۔ ادھر بنوامیہ میں خانہ جنگی ہو رہی تھی ان کے والی آپس میں لڑ رہے تھے۔ عبداللہ بن عمر بن عزیز جو خلیفہ یزید بن ولید کا نمائندہ تھا اس سے لڑنے والا دوسرا النضر بن سعید الحرشی تھا۔ جب خارجی آگے بڑھے تو

دونوں عامل ان کے مقابلے کے لیے ایک ہو گئے لیکن متفقہ کوشش کے باوجود رجب 127ھ اپریل مئی 745ء میں انہیں شکست ہوئی اور انہیں کوفہ خالی کرنا پڑا۔ ابن الحرشی مروان کے علاقے میں واپس چلا گیا لیکن اسی سال شعبان کے مہینے میں الضحاک نے واسط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ (جہاں ابن عمر نے پناہ لی تھی) چند معرکوں کے بعد ابن عمر بن عبدالعزیز نے مزاحمت یکسر ترک کر دی (اگست 745ء) اور اموی ہونے اور حکمران خاندان کا فرد ہونے کے باوجود باغی خارجیوں کی اطاعت اختیار کر لی۔ یہاں ابن کثیر نے اس اطاعت کا حال یہ دیا ہے کہ ابن عمر نے ضحاک کے اس وعدے پر کہ وہ مروان بن محمد سے لڑے گا اس کی اطاعت قبول کی تھی۔ ضحاک اب کوفہ کا حاکم تھا مگر وہ کوفہ میں قیام پذیر نہیں ہوا۔ الموصل کے باشندوں کی دعوت پر وہ الموصل میں داخل ہوا اور اس نے حکومت کے کارندوں کو وہاں سے نکال دیا۔ یہاں اس بات کو مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ ضحاک ایک ہر دلعزیز انسان تھا شاید اسی لیے اس پر اہل موصل نے اپنے شہر کے دروازے اس کے خارجی ہونے کے باوجود کھول دیئے تھے۔ خلافت بنوامیہ کے آخری ایام میں خارجیوں کی تحریک میں اتنی وسعت اور شدت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے کبھی اسے نصیب نہ ہوئی تھی۔ الضحاک کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار آدمی تھے جو اس کی فوج میں شامل تھے۔ سلیمان بن ہشام اموی اگرچہ اعلان خلافت کر چکا تھا مگر وہ بھی اپنے سپاہیوں سمیت ضحاک کی فوج میں شامل ہو گیا۔ ادھر مروان نے حمص کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضحاک کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا مگر وہ شکست کھا کر نصیبین آ گیا۔ آخر کار مروان بن محمد کو جس نے حمص پر قبضہ کر لیا تھا خود ضحاک کے مقابلے پر نکلنا پڑا۔ اواخر 128ھ 745ء میں ''الغز'' کے مقام پر فریقین میں جنگ ہوئی۔ الضحاک اس جنگ میں مارا گیا مروان کے آدمیوں نے اس کی لاش ایک دن اور رات کی تلاش کے بعد حاصل کر لی۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ تاریخ ابن کثیر جلد 9

747ء۔ ابو مسلم خراسانی کا اعلان بغاوت

یکم شوال 129ھ جون 747ء کو عین عید الفطر کے دن خراسان کے قریب سفید نج کی گلیوں میں عباسی سیاہ علم برسر عام بلند کر دیا گیا جو اموی خلافت کے خلاف کھلم کھلا اعلان بغاوت تھا۔ اموی لشکر کے اندرونی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابو مسلم خراسانی نے اپنے گروہ کی تائید

یہ اقدام اٹھایا تھا۔ قاسم بن مجاشع المرائی نے نماز عید پڑھائی اس کے بعد ابو مسلم خالد بن ابراہیم کے گاؤں سے خزامہ کے قریہ لین آیا۔ ربیع الثانی یا جمادی الاول 130ھ دسمبر 747ء میں اس نے خراسان کے دارالحکومت مرو پر قبضہ کرلیا اور یہیں سے اس کے فوجی افسروں نے گردونواح کے تمام علاقوں پر لشکر کشی شروع کردی۔ اس کے فوجی افسروں میں سے ایک قحطبہ بن شبیب نے مغرب کی طرف پسپا ہوتی ہوئی اموی فوج کا تعاقب اپنے ذمے لیا۔ خراسان کے اموی گورنر نصر بن سیار کو شکست ہوئی اور ابو مسلم خراسان کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔

ابو مسلم خراسان میں انقلاب عباسیہ کی تحریک کا نقیب تھا۔ اس کے ابتدائی حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ وہ غالباً ایک ایرانی النسل غلام تھا اور کوفے میں بنو عجل کے یہاں ملازم۔ یہیں اس نے فرقہ شیعہ سے تعلقات پیدا کئے اور وہ المغیرہ بن سعید عالی کے پیروؤں میں شامل رہا۔ 742ء میں عباسیوں کے خراسانی نقبا نے اسے مکہ معظمہ جاتے ہوئے ایک زندان میں محبوس پایا۔ انہوں نے اسے رہائی دلائی اور امام ابراہیم بن محمد کے پاس لے گئے۔ امام موصوف نے 128ھ 746ء میں اسے ضروری ہدایات کے بعد خراسان بھیج دیا تاکہ اس صوبے میں عباسیوں کی تحریک کی رہنمائی کرے۔

خراسان پہنچ کر اسے ابتداء میں تحریک کے مقامی سرداروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جس پر جلد ہی اس نے اپنی فطانت سے قابو پالیا اور پھر بڑی مستعدی اور سرگرمی سے اس امر میں کامیاب ہوگیا کہ عباسیوں کی اس دعوت کے ثمرات سے بہرہ ور ہو سکے جو مدت سے جاری تھی۔ خراسان پر قبضے کے بعد اس نے قحطبہ بن شبیب کو عراق وعجم کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ اس نے معمولی مزاحمتوں کے بعد رے، اصفہان اور نہاوند پر قبضہ کرلیا اور ابوعون عبدالملک کو شہروز کی طرف بھیجا جہاں اس نے مروان کے نمائندے عثمان بن سفیان کو شکست دی۔ السفاح کی خلافت کے اعلان کے بعد بھی ابو مسلم اندرون ملک والی یا عامل کی حیثیت سے کام کرتا رہا مگر جلد ہی نئے حکمران خاندان سے اس کے تعلقات کشیدہ ہوگئے اگرچہ عباسی تحریک کی کامیابی اسی کی مرہون منت تھی مگر بظاہر اس نے عباسیوں سے کوئی بغاوت نہیں کی لیکن اس کی طاقت سے عباسی خوفزدہ ضرور تھے۔ المنصور کی تخت نشینی کے بعد ابو مسلم سے عبداللہ بن علی کے خلاف کام لیا گیا۔ پھر المنصور نے اسے بغداد آنے کی دعوت دی۔ اس کی دارالخلافہ آمد کے بعد اسے دھوکہ سے قتل کردیا گیا۔ لیکن مشرقی صوبوں میں اس کی یاد دیر تک قائم رہی۔

749ء۔ دولت عباسیہ کا آغاز

خاندان عباسیہ 750، 132ھ تا 1258، 656ھ کی نسبت ان کے مورث اعلیٰ عم رسول اللہ العباس بن عبدالمطلب ہاشمی کے نام سے ہے۔ محمد بن حنفیہ کے نام پر المختار نے علم بغاوت بلند کیا تھا ان کی وفات پر ان کے ایک بیٹے ابو ہاشم عبداللہ نے اپنے متبعین کی جماعت جو ہاشمیہ کہلاتی تھی قائم کی۔ ان کے فلسطین میں لاولد فوت ہونے کے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو ان کی وصیت کے مطابق امامت منتقل ہوگئی کیونکہ ابو ہاشم نے ان کے گھر میں وفات پائی تھی۔ یوں علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہو جانے کے بعد اس دعوت کا 718ء میں آغاز ہوا۔ محمد بن علی کی وفات کے بعد امامت ان کے بیٹے ابراہیم بن محمد کو 743ء میں منتقل ہوگئی۔ امام ابراہیم کے خراسانی پیروؤں نے ان کے دعویٰ کو تسلیم کر کے ان کی دعوت کو تقویت دی۔ مزید جب ابراہیم نے ابو مسلم کو اپنا نمائندہ بنا کر خراسان بھیجا تو اس کی کوششوں سے اس دعوت کو نمایاں اور فوری کامیابی حاصل ہوئی۔ خراسان پر قبضے کے بعد عراق کی طرف رخ کیا گیا اور 749ء میں عباسی فوج قحطبہ کی قیادت میں کوفہ کی طرف بڑھی۔ کوفہ سے تیس میل کے فاصلے پر ان کا مقابلہ اموی فوج سے ہوا جس کی قیادت ابن ہبیرہ کر رہا تھا اگرچہ قحطبہ جنگ میں کام آیا مگر اموی فوج کو شکست دی گئی۔ الحسن بن قحطبہ نے لشکر کی قیادت سنبھال کر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔

130ھ 748ء میں امام ابراہیم بن محمد عباسی کو اموی خلیفہ مروان نے گرفتار کر لیا تھا کچھ عرصہ بعد امام ابراہیم کا انتقال ہوگیا لہٰذا اس کے بھائی ابوالعباس سفاح کو ہاشمی فوج نے 749ء میں کوفہ میں السفاح کے نام سے خلیفہ بنا دیا۔ اس طرح بنو عباس کی خلافت کا آغاز ہوا۔ عباسیوں کے پہلے خلیفہ کی تخت نشینی کے بعد عباسیوں اور انقلاب پسندوں میں پہلا رخنہ پیدا ہوا جب انقلابی داعی ابوسلمہ مشتبہ حالت میں مار ڈالا گیا۔ اس پر یہ الزام تھا کہ وہ خلافت کو آل عباس کے بجائے آل علیؓ میں منتقل کرنے کی کوشش میں تھا' اسے ابو مسلم نے قتل کرا دیا تھا۔

اسی دوران ایک اور عباسی لشکر نے جو ابوعون کی قیادت میں نہاوند سے الجزیرہ کی طرف بڑھ رہا تھا 749ء ہی میں شہرزور کے قریب دریائے زاب اسفل کے کنارے مشرق میں ایک اموی فوج کو جو اموی خلیفہ مروان کے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں تھی شکست دی۔ اس پر خلیفہ مروان ثانی خود جنگ میں کود پڑا اور دریائے دجلہ کو عبور کر کے زاب اعلیٰ کی طرف بڑھا۔ اُدھر ابوعون کے لشکر

کی قیادت السفاح کے چچا عبداللہ بن علی نے سنبھال لی۔ جنگ زاب میں دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا۔ 132ھ 750ء میں اسی جنگ میں خلافت بنوامیہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور مروان شکست کھا کر شام کی طرف بھاگا۔ فتح یاب عباسی فوجیں شام میں داخل ہو گئیں اور مروان مارا گیا' اس طرح پورے مشرق وسطیٰ پر عباسی خلیفہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد اول۔ تاریخ ابن کثیر جلد 9۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12

750ء۔ جنگ زاب اور خلافت بنوامیہ کا خاتمہ

دریائے دجلہ کے بائیں کنارے پر اس کے دو معاون دریا بہتے ہیں جن کے نام زاب الاسفل اور زاب الاعلیٰ ہیں۔ جب ابوعون نے عبداللہ بن مروان کو زالب الاسفل کے کنارے شکست دی تو مروان بن محمد نے خود میدان جنگ میں اترنے کا فیصلہ کیا وہ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر دریائے زاب کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ ابوالعباس السفاح نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو ایک لشکر جرار دے کر بھیجا۔ 2 جمادی الاول کو مروان اور عباسیوں میں جنگ ہوئی۔ دوران جنگ جب خراسانی مروان کے مقابلے پر آئے تو مروان کی تمام جنگی تدابیر ناکام ہو گئیں بدحواسی کے عالم میں اس نے روپیہ منگوایا اور تھیلیوں کے منہ کھول کر اپنے سپاہیوں کو کہا کہ یہ سب تمہارا ہے تم ثابت قدمی سے لڑو۔ لوگوں نے جب روپیہ دیکھا تو لڑنے کی بجائے روپیہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ مروان نے جب اپنے سپاہیوں کا یہ عالم دیکھا تو اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ تم فوج کے عقب میں جاؤ اور جسے روپیہ لے جاتے دیکھو اسے قتل کر دو۔ ادھر جب عبداللہ بن مروان اپنا جھنڈا اور علم لے کر میدان سے عقب میں جانے کے لیے پلٹا تو دور سے اموی لشکر نے اسے واپس جاتا دیکھ کر خیال کیا کہ شاید انہیں شکست ہو گئی اس سے تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور یہ بھگدڑ جلد ہی شکست میں بدل گئی۔ اس لڑائی کے نتیجہ میں اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ مروان نے بھاگ کر موصل کا رخ کیا۔ موصل سے وہ حران' قنسرین' حمص اور دمشق سے ہوتا ہوا حدود مصر میں داخل ہو گیا۔ مروان جہاں جہاں جاتا عباسی سائے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے آتے گئے اور انہوں نے اسے کہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ آخر مصر کے ایک قریہ بوصیر کے ایک گرجا میں پناہ لیتے ہوئے اسے گھیر لیا گیا۔ مروان مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا (5 اگست 750ء) تقریباً نوے

سال کی حکومت کے بعد خلافت بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عرصہ میں امیر معاویہ سے مروان ثانی تک کل چودہ خلفا مسند نشین ہوئے۔ آخری خلیفہ کی عمر بعض مورخین نے باسٹھ سال اور بعض نے 90 سال بتائی ہے۔ جب وہ قتل ہوا اسلامی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ چین کے صوبہ سنکیانگ کے شہر کاشغر سے مغرب اقصیٰ یعنی مراکش تک پھیلی ہوئی تھی۔ بنو عباس نے جنگ زاب میں کامیابی کے بعد بنو امیہ کا ایک ایک فرد قتل کرنے پر کمریں کس لیں۔ ابوالعباس السفاح نے بنو امیہ اور دیگر سیاسی مخالفین پر اتنا ظلم کیا کہ وہ سفاح کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ بنو عباس نے اگرچہ بنو امیہ کو مغلوب کرنے کے لیے انتہائی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا مگر یہ شقاوت قلبی خود بنو امیہ کی اپنے مخالفین کے ساتھ کی گئی شقاوت قلبی سے زیادہ نہیں تھی۔ حجاز میں جس قدر بنو امیہ تھے انہیں داؤد بن علی نے قتل کیا' سلیمان بن علی نے بصرہ میں یہی عمل کیا اور عبداللہ بن علی نے شام میں بنو امیہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر ڈالا۔ یہاں تک کہ جوش انتقام میں بنو امیہ کے خلفاء کی قبریں تک کھود کر امیر معاویہ' یزید اور عبدالملک کی نعشیں تک نکال کر بے حرمت کر دی گئیں۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش صحیح و سالم نکلی اسے کوڑے مار کر سولی پر لٹکا دیا گیا۔

753ء۔ وفات رابعہ بصری

دوسری صدی ہجری کی بصرے کی ایک مشہور عارفہ جن کا مکمل نام رابعہ العدویہ البصری ہے ان کا شمار اولیاء کرام میں ہوتا ہے۔ یہ قبیلہ قیس بن عدی کی ایک شاخ العتیق کی آزاد شدہ کنیز تھیں۔ وہ 95ھ 713ء میں پیدا ہوئیں اور 753ء میں انہوں نے بصرے میں وفات پائی۔ بعض مورخین نے ان کا سن وفات 801ء بھی لکھا ہے۔ تصوف کے بارے میں لکھنے والے اکثر ان کا ذکر کرتے ہیں۔

وہ ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ بچپن میں کسی شخص نے انہیں پکڑ کر فروخت کر دیا تھا لیکن ان کی پاک طینیت نے انہیں غلامی سے رہائی دلوا دی۔ اس کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اور مجرد زندگی بسر کرنے کے لیے صحرا میں عزلت اختیار کی۔ بعد میں وہ بصرے میں آ گئیں جہاں ان کے گرد بہت سے معتقدین اور رفقا جمع ہو گئے جو ان سے مشورہ یا دعائے خیر حاصل کرنے یا ان کی تعلیمات سے مستفید ہونے کی غرض سے ان کے پاس آتے تھے۔ ان لوگوں میں مشہور صوفی

مالک بن دینار، درویش صفت رباح القیسی، محدث سفیان ثوری اور صوفی شقیق بلخی جیسے لوگ شامل تھے۔ رابعہ بصری نے انتہائی زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ اپنے دوستوں سے مدد کیوں نہیں مانگتیں تو انہوں نے جواب دیا "مجھے تو اس دنیا کی چیزیں اس سے بھی مانگتے ہوئے شرم آتی ہے جو اس دنیا کا مالک ہے، پھر ان لوگوں سے کیسے طلب کروں جو اس کے مالک بھی نہیں؟" ایک اور رفیق سے انہوں نے کہا "کیا اللہ مفلسوں کو ان کے افلاس کی وجہ سے بھلا دے گا یا امیروں کو ان کی دولت کی بنیاد پر یاد رکھے گا؟ جب وہ میرے حال سے باخبر ہے تو ایسی کون سی بات ہے جو میں اسے یاد دلاؤں؟ جو کچھ اس کی مشیت میں ہے وہی ہماری بھی مرضی ہونی چاہیے"۔ دیگر اولیاء کرام کی طرح ان سے بھی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کے لیے اور ان کے مہمانوں کے لیے کھانے کا سامان بذریعہ کرامت مہیا ہو جاتا تھا۔ جب وہ حج کرنے جا رہی تھیں تو ان کا ایک اونٹ جو راستے میں مر گیا تھا ان کے لیے دوبارہ جی اٹھا اور ان کی سواری میں رہا۔ ان کے گھر میں چراغ کی کمی اس نور کی روشنی سے دور ہو جاتی جو ان بزرگ خاتون کے گرد پھیلا رہتا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ان کا وقت آخر آیا تو انہوں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ وہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں اور خدا تعالیٰ کے قاصدوں کا راستہ چھوڑ دیں۔ جونہی وہ لوگ باہر نکلے حضرت رابعہ بصری کو کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا اور ایک آواز سنائی دی جو ان کے کلمہ شہادت پڑھنے کے جواب میں تھی۔ "اے وہ نفس کہ جس نے چین پکڑ لیا، پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی، پھر مل میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔" حضرت رابعہ بصری کی وفات کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا "جب منکر نکیر نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو آپ نے کیا جواب دیا تھا؟" تو انہوں نے کہا "میں نے کہا واپس چلے جاؤ اور اپنے مالک کو کہو کہ ہزار در ہزار مخلوق کے ہوتے ہوئے جب وہ اس ناتواں بڑھیا کو نہیں بھولا تو میں جو تمام جہاں میں صرف تجھے اپنا سمجھتی تھی، تجھے کس روز بھولی کہ تم مجھ سے سوال کرتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟"

حضرت رابعہ بصری کی جو دعائیں منقول ہیں ان میں ایک وہ بھی ہے جو معمولاً وہ رات کے وقت اپنے مکان کی چھت پر جا کر مانگا کرتی تھیں۔ "اے مالک! ستارے چمک رہے ہیں اور آدمیوں کی آنکھیں نیند میں بند ہیں اور ہر کوئی اپنی اپنی خلوت میں اور میں ہوں کہ یہاں اکیلی ہوں، تیرے ساتھ" پھر دوبارہ یوں دعا مانگیں۔ "اے مالک! اگر میں دوزخ کے خوف سے تیری

عبادت کرتی ہوں تو مجھے جنت سے محروم کر دے لیکن اگر میں محض تیری ہی خوشنودی کے لیے تیری خاطر عبادت کرتی ہوں تو مجھ سے اپنے لازوال حسن کو پوشیدہ نہ رکھیو" توبہ کے بارے میں جو طریقہ تصوف کی ابتدا ہے انہوں نے کہا ہے "کوئی آدمی کس طرح توبہ کر سکتا ہے جب تک اس کا مالک اسے اس کی توفیق نہ دے اور اسے قبولیت نہ بخشے؟ اگر وہ تمہاری طرف رخ کرے گا تو تم بھی اس کی جانب رخ کرو گے۔"

ایک دن موسم بہار میں جب ان سے یہ اصرار کیا گیا کہ وہ باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کا مشاہدہ کریں تو انہوں نے جواب دیا "سب سے بہتر یہ ہے کہ اندر آ کر ان چیزوں کے بنانے والے کو دیکھو۔ صانع کے تصور نے مجھے اس کی مصنوعات سے بے نیاز کر دیا ہے۔" جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے درجہ ولایت کیسے حاصل کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا "ان چیزوں کو ترک کر کے کہ جن کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں اور اس کی محبت سے جو ابدی ہے۔"

754ء۔ منصور عباسی مسند خلافت پر

جون 754ء 136ھ میں ابوالعباس سفاح نے وفات پائی اور اس کے بھائی ابوجعفر عبداللہ بن محمد نے المنصور کے لقب سے مسند خلافت سنبھالی۔ اس کے چچا عبداللہ بن علی نے جانشینی کے لیے جھگڑا کرنا چاہا۔ اس کو ابومسلم خراسانی نے شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد المنصور نے خود ابومسلم کو بھی دارالخلافہ بلا کر اپنے راستے سے ہٹا دیا جس کی وجہ سے خراسان میں بغاوت ہو گئی۔ اس کا سرغنہ ایک ایرانی النسل تھا جس کا نام سنباذ تھا۔ وہ صوبہ میدیا Media میں رے اور ہمدان تک بڑھا آیا یہاں اسے خلیفہ کی افواج نے جوہر بن مرار کی قیادت میں شکست دی۔ جب جوہر نے بھی خلیفہ سے سرتابی کی تو خلیفہ نے محمد بن الاشعث کو اسکے مقابلے پر بھیجا۔ جوہر آذربائیجان کی طرف بھاگ گیا۔ اسی زمانے میں خارجیوں نے ملبد بن حرملہ الشیبانی کے ماتحت علم بغاوت بلند کیا اور عباسی افواج کو شکستوں پر شکستیں دیں۔ آخر خازم بن خزیمہ۔ نے 138ھ میں اس بغاوت کا پوری طرح قلع قمع کر دیا اور ملبد مارا گیا۔ اسی طرح الہاشمیہ میں بھی بغاوت ہوئی (758ء) یہ رواندیہ فرقے کی تھی جو خلیفہ کو خدا سمجھتے تھے ان کی ایک جماعت دارالخلافہ میں گھس آئی خلیفہ نے ان میں سے چند ایک کو گرفتار کر لیا تو ان کے ساتھیوں نے انہیں زبردستی حملہ کر

کے رہا کرالیا۔ اگر معن بن زائدہ ایسے بہادروں کی جرات آڑے نہ آتی تو خلیفہ کے لیے ان مذہبی دیوانوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا۔ چند سال کے بعد علویوں نے محمد المہدی نفس الزکیہ کی قیادت میں خروج کیا اور مدینہ میں ان کی خلافت کا اعلان کر دیا لیکن اسی سال 762ء میں اسے خلیفہ کے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ نے شکست دیدی۔ پھر عیسیٰ نے اس کے بھائی ابراہیم پر حملہ کیا جس نے بصرہ میں بغاوت کی تھی اسے عباسیوں نے باخمرا کے مقام پر شکست فاش دی۔ ابراہیم مارا گیا (فروری 763ء) اگرچہ المنصور کے عہد میں بے شمار بغاوتیں ہوئیں لیکن المنصور کے عہد میں بیرونی سرحدوں پر بوزنطینیوں کے خلاف بھی لڑائیاں ہوتیں رہیں لیکن یہ لڑائیاں انفرادی قلعوں کی تسخیر تک محدود رہیں۔ پہلے المنصور رانے پیشروؤں کی طرح کوفہ کے نزدیک الہاشمیہ میں..... رہا کرتا تھا۔ بعد میں اس نے نیا دارالخلافہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور 758ء میں بغداد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس معاملے میں خالد بن برمک اس کا مشیر کار تھا اس نے منصور کے عہد میں اور بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ المنصور خود بھی اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں بڑے انہماک سے کام لیا کرتا تھا مگر اس بات کی پرواہ نہ کرتا تھا کہ وہ ذرائع کیسے استعمال کر رہا ہے۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ ہر کام کر گزرتا تھا۔ اپنی وسیع و عریض سلطنت کے مختلف حصوں میں جو کچھ بھی ہو رہا ہوتا وہ اس سے بخوبی باخبر رہتا تھا۔ اس نے ملک میں مالی اصلاحات کا نفاذ کیا اور اپنے جانشینوں کے لیے ایک بھرپور خزانہ چھوڑا وہ تمام طور پر سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا اور اپنے دربار میں رقص و سرود کی محفلیں پسند نہ کرتا تھا۔ اکتوبر 775ء میں اس نے حج کے موقع پر بیئر میمون کے مقام پر وفات پائی اور اسے مکہ المکرمہ کے قرب و جوار میں دفن کیا گیا۔

ماخذ: تاریخ طبری جلد۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2

754ء۔ عبدالرحمٰن الداخل اندلس میں

دریائے فرات کے ایک کنارے پر عباسی فوجیں کسی کا تعاقب کر رہی تھیں جب وہ نزدیک پہنچیں تو وہ شخص دریا میں کود پڑا اور تیر کر دریا عبور کرنے لگا اس کے دشمنوں نے اس کے بھائی کو جو اس کے ساتھ تھا امان کا جھانسہ دے کر واپس بلایا اور قتل کر ڈالا مگر وہ شخص ان کے جھانسے میں نہ آیا اور تیزی سے دریا عبور کر گیا۔ یہ شخص ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن

عبدالملک تھا جو اموی خاندان کی تباہی کے بعد سے عباسی افواج سے چھپتا پھر رہا تھا۔ عباسی امیروں کا حکم تھا کہ کوئی اموی زندہ نہ بچ پائے۔ کچھ عرصہ عبدالرحمٰن نے اپنی بیوی، بھائی اور ایک غلام کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے ایک گھنے جنگل میں چھپا رہا۔ جب عباسی اس کے سر پر پہنچے تو اسے جان بچانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگانا پڑی۔

عبدالرحمٰن 731ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والد معاویہ کا انتقام اس کے دادا خلیفہ ہشام کی زندگی میں ہو گیا۔ اسی وجہ سے ہشام نے عبدالرحمٰن کی پرورش بڑے التفات سے کی ہشام کے بعد بنی امیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور مروان کے عہد میں خلافت بنو امیہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ایک وقت وہ آیا کہ امویوں کو جان کے لالے پڑ گئے اور ان میں صرف چند ایک جان بچا کر بھاگ سکے۔ ان معدودے خوش نصیب افراد میں عبدالرحمٰن بھی شامل تھا۔ وہ اپنی جان بچا کر خفیہ طور پر پہلے فلسطین پہنچا پھر اپنے آزاد کردہ غلام بدر کی معیت میں وہ پہلے مصر اور وہاں سے افریقیہ چلا گیا۔ قیروان میں افریقیہ کے والی عبدالرحمٰن بن حبیب کی معاندانہ روش نے اسے مغرب اقصیٰ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ کچھ عرصہ وہ تاہرت کے علاقے میں رہا۔ بعد ازاں پہلے مکناسہ کے بربر قبیلے کے ہاں مہمان رہا پھر اپنے خاندانی پس منظر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بحیرہ روم کے مراکشی ساحل کے ایک قبیلے نفزہ کے ہاں چلا گیا کیونکہ اس کی ماں اسی قبیلے کی ایک گرفتار شدہ عورت تھی۔ بربروں نے اس نوجوان شامی کے سیاسی منصوبوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا تو اس نے اپنے مولیٰ کے ساتھ بحیرہ روم کے اس پار اندلس جا کر طالع آزمائی کا فیصلہ کیا۔

عبدالرحمٰن نے اندلس کی کچھ شخصیات کو خط لکھے تاکہ انہیں اموی خلفا کے احسان یاد دلا کر اپنے لیے راستہ ہموار کر سکے۔ ان دنوں اندلس میں اہل یمن اور بنی معز کی عصبیت چھائی ہوئی تھی عبدالرحمٰن نے ان حالات کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اندلس کے ساحل پر عبدالرحمٰن کا خیر مقدم کیا گیا۔ بدر نے اس کے آنے سے پہلے ہی زمین ہموار کر دی تھی۔ وہ 14 اگست 755ء کو بمطابق یکم ربیع الاول 138ھ کو وہاں پہنچا۔ جہاز سے اترتے ہی اس نے اندلس کے حکمران اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اندلس کا والی امیر یوسف بن عبدالرحمٰن فہری جلد ہی اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کا لشکر روز بروز بڑھتا گیا اور اس نے شوال 138ھ مارچ 756ء میں اشبیلیہ میں قدم رکھے پھر 15

مئی 756ء کو اس نے قرطبہ کے قریب یوسف الفہری کو شکست دی اور دارالسلطنت میں داخل ہو گیا جہاں اس نے امیر اندلس ہونے کا اعلان کر دیا۔ قرطبہ میں اموی امارت کے اس بانی کو کل 33 برس فرمانروائی کا موقع ملا اور اس نے اس مدت کا زیادہ حصہ دارالحکومت میں اپنی حیثیت کو مستحکم بنانے میں صرف کیا۔ اس کی اس کامیابی کی خبر جلد ہی مشرق میں پھیل گئی اور جلد ہی بنوامیہ کے حامیوں اور متوسلوں کی ایک رو اندلس کی طرف بہنے لگی تاکہ مغرب میں اس خاندان کی بحالی میں مدد و معاون بنے جس کا اقتدار مشرق میں ساقط ہو گیا تھا۔ قرطبہ کے اس امیر کو جس نے الداخل لقب اختیار کیا بہت جلد بہت سی سیاسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا سب سے پہلا کام اندلس کے سابق والی کو اپنا مطیع بنانا تھا جس نے شورش پسندوں کی ایک بڑی تعداد اپنے گرد جمع کر لی تھی اور جو قرطبہ واپس لینے کی کوشش میں تھا۔ اسے 758ء میں ایک اور شکست دی گئی اور اگلے سال وہ طلیطلہ کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔ جیسا نئی حکومتوں کے قیام پر اکثر ہوتا ہے کہ اس کے خلاف بغاوت کی چنگاریاں بھڑکنے لگتی ہیں امیر عبدالرحمٰن الداخل کو بھی ایسی کئی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 763ء میں اس نے ابن المغیث الجذامی کی شورش فرو کی۔ مشرق کے اطراف کے عرب امراء نے جب اس کی طاقت کو بڑھتا دیکھا تو شارلمان سے مدد مانگی۔ شارلمین نے فرنگیوں کی ایک فوج کے ساتھ کوہستان جبل ابرانس Pyrenee کو عبور کیا اور 778ء میں سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا لیکن اسے جلد ہی رہائن لینڈ واپس جانے کا بلاوا آ گیا اور وہ محاصرہ اٹھا کر واپس جانے پر مجبور ہو گیا۔ اب عبدالرحمٰن کی باری آئی اور اس نے سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا اور کچھ عرصہ اس پر قابض رہا۔ بالآخر اسے ایسے دوسرے شہروں کو جو عیسائیوں کے قبضے میں چلے گئے فتح کرنے کا خیال ترک کرنا پڑا۔ اس طرح جیرون کا شہر فرنگیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کے تین سال بعد 25 ربیع الاول 172ھ 30 ستمبر 788ء کو امیر عبدالرحمٰن الداخل فوت ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ برس سے کچھ کم تھی۔ اگرچہ قرطبہ کی اموی سلطنت ابھی غیر محفوظ ہی تھی مگر عبدالرحمٰن نے اس کی حفاظت کے لیے دمشق کی اموی خلافت کے خطوط پر کچھ انتظام کر دیا تھا جو کامیاب رہا۔ اس کی کامیابیوں کی وجہ سے منصور عباسی نے اسے ''شاہین قریش'' کا لقب دیا تھا۔

758ء۔ شہر بغداد کی تعمیر

جب عباسیوں نے عنان حکومت سنبھالی تو انہوں نے اپنے لیے دمشق اور کوفہ کو چھوڑ کر ایک نیا دارالحکومت بنانا چاہا جو ان کی حکومت کی علامت قرار پائے تو ان کا پہلا خلیفہ السفاح کوفہ چھوڑ کر انبار چلا گیا۔ دوسرا خلیفہ المنصور ہاشمیہ میں منتقل ہوا جو کوفہ کے قریب تھا لیکن اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ کوفہ عباسیوں کے لیے مناسب و موزوں مقام نہیں اس لیے کہ مخالف عناصر یہاں بکثرت ہونے کی وجہ سے یہ جگہ حملے سے محفوظ نہیں جیسا کہ راوندیہ کے خروج سے ثابت ہو گیا۔ لہٰذا منصور کو عسکری لحاظ سے مناسب جگہ کی جستجو ہوئی۔ بڑی تلاش بسیار کے بعد اس نے بغداد کا مقام پسند کیا۔ وہ ایک زرخیز میدان میں واقع تھا جہاں دریا کے دونوں جانب کھیتی خوب ہوتی تھی۔ عراق کے وسط میں ہونے کے علاوہ یہاں کی آب و ہوا معتدل تھی۔

ابو جعفر منصور نے اس شہر نو کا نام مدینۃ الاسلام رکھا اور اس کی تعمیر کے لیے شام سے اور دیگر اسلامی شہروں سے مشہور صنائع اور کاریگر بلائے گئے۔ علماء کرام میں امام اعظم ابو حنیفہ، ابراہیم فرازی و علی بن عیسیٰ، حجاج بن ارطاۃ اور دیگر فقہا اور مہندسین وغیرہ کو مدعو کیا گیا، مشہور منجمین نے زائچہ تیار کیا۔ 145ھ میں خلیفہ المنصور نے اپنے ہاتھ سے شہر کا سنگ بنیاد رکھا۔

شہر بغداد کی بنیادی مدور ڈالی گئی۔ شہر پناہ کے عین وسط میں ایک اور دائرہ دیوار تعمیر کیا گیا جس کے وسط میں ایوان شاہی تعمیر کیا گیا۔ شہر پناہ کے چار دروازے رکھے گئے۔ ہر دروازے کے درمیان ایک میل کا فاصلہ رکھا گیا۔ ہر دروازے پر لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک نصب کیے گئے۔ غرض اپنے اندرونی استحکام اور نقشے کے اعتبار سے یہ شہر ایک بڑا قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ جامع مسجد شاہی محل کے قریب تعمیر کی گئی۔ منصور نے شہر کو چوبیس ہزار محلوں پر تقسیم کیا۔ ہر محلّہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس ایک حمام رکھا گیا۔ دجلہ سے آب رسانی کے لیے بہت سی نہریں رکھی گئیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ان نہروں پر ایک سو چوبیس پل تھے۔ نہروں کے کنارے خاص شہر میں چار ہزار سبیلیں بھی رکھی گئیں۔ شہر کی کل عمارات کی تعمیر پر سرکاری خرچ کا اندازہ چار کروڑ آٹھ لاکھ تین درہم تھا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ شہر کی سڑکیں چالیس چالیس ہاتھ چوڑی تھیں اور اس کی تعمیر میں پچاس ہزار کاریگروں نے حصہ لیا۔

شہر کی مشہور عمارات میں قصر الخلا، قصر الذہب، قبۃ الخضراء، جامع مسجد اور کئی ایک دیگر عمارات

تھیں۔ شروع کے زمانے میں شہر کے چاروں طرف 40 ذراع تقریباً 27 میٹر چوڑی گہری خندق تھی اس کے بعد اینٹوں کا ایک پشتہ اور اس کے بعد پہلی فصیل جس کی چوڑائی سطح زمین پر 18 ذراع یا 9 میٹر تھی اس کے آگے اندر کی طرف دفاعی اغراض کے لیے تقریباً 6.9 میٹر خالی جگہ چھوڑ دی گئی۔ اس کے آگے شہر کی اصل فصیل تھی جس کی بلندی 34.14 میٹر اور چوڑائی 5.2 میٹر تھی۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد دوم۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 4

762ء۔ محمد مہدی نفس ذکیہ کا قتل

دعوت آل ہاشم کے طفیل بنو عباس تخت خلافت تک پہنچے تھے اور مروان ثانی کی حکومت میں اضطراب پیدا ہوا تھا۔ اسی زمانے میں بنو ہاشم کے تمام سادات نے جمع ہو کر خلیفہ مقرر کرنے کی بابت مشورہ کیا تھا۔ اس امر پر اتفاق رائے ہو گیا کہ محمد مہدی بن عبداللہ بن حسن بن علی کو خلیفہ بنانا چاہیے۔ زہد و اتقا میں ان کا مرتبہ بہت اونچا تھا۔ چنانچہ سب نے ایک شب میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں ابو جعفر المنصور عباسی بھی تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب سفاح خلیفہ ہو گئے تو محمد نے اس کی بیعت نہیں کی۔ 136ھ میں منصور حج کے لیے جب حجاز گیا تو محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی روپوش ہو گئے۔ جب منصور تخت خلافت پر بیٹھا تو اسے ان علویوں کی طرف سے فکر ہوئی کہ وہ خاموشی سے اپنی خلافت کی دعوت دے رہے تھے۔ عبداللہ بن علی عباسی اور ابو مسلم خراسانی کے خاتمہ کے بعد منصور ان علوی بھائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے آل ابی طالب میں حسن بن زید بن حسن پر ہاتھ رکھا اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ان دونوں بھائیوں کا کچا چٹھا کہہ سنایا۔ حج کے موقع پر منصور نے عبداللہ بن حسن کو طلب کیا اور زور ڈالا کہ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ لیکن انہوں نے اپنے بیٹوں کو منصور کے سامنے نہیں بلایا۔ عبداللہ کے صاحبزادے محمد المہدی نفس الزکیہ کہلاتے تھے۔ وہ تقدس کے اعتبار سے امام جعفر صادقؑ کے ہم پلہ تھے۔ منصور نے ان کی تلاش کے لیے اپنے عمالوں کو تنبیہہ کی مگر ان کی دسترس اہل بیت کے ان فرزندوں تک کسی عنوان نہ ہو سکی تو عامل مدینہ ریاح بن عثمان نے عبداللہ بن حسن کو دھمکی دی اور اولاد امام حسنؑ میں سے بہت سے اشخاص کو قید میں ڈال دیا۔ 144ھ میں جب منصور ایک مرتبہ پھر حج کے لیے آیا تو یہ سب قید میں تھے۔ عبداللہ بن حسن نے منصور سے ملنا چاہا مگر اس نے

ملاقات سے انکار کر دیا۔ حج کے بعد منصور نے ان سادات فاطمہؑ کو پابہ زنجیر کر کے عراق کی جانب روانہ کیا جب آل حسنؑ کو بیڑیاں پہنا کر عراق بھیجا جا رہا تھا تو امام جعفر صادقؑ پردہ کی آڑ سے یہ سب حالات دیکھ رہے تھے۔ بے بسی کے عالم میں ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اگر چہ انہوں نے خود نفس ذکیہ کی بیعت نہ کی تھی اہل بیت کے اس سفر عراق کے دوران محمد نفس ذکیہ اور ان کے بھائی امام ابراہیم اپنے والد عبداللہ بن حسن سے آ کر ملے اور اور ظہور کی اجازت چاہی جو انہیں نہ ملی۔ بعد ازاں عبداللہ بن حسن اور ان کے اہل بیت کو عراق میں قید کر دیا گیا وہ ہمیشہ قید خانے ہی میں رہے حتیٰ کہ انہیں موت آ گئی۔ کہتے ہیں کہ وہ دیواروں میں میخوں سے مضبوط کر کے چنے ہوئے پائے گئے تھے۔ محمد المہدی کو جب قید خانے کی شدت کی خبر پہنچی تو انہوں نے ایک بار پھر اپنے والد سے ظہور کی اجازت طلب کی مگر ان کے والد نے اس مرتبہ بھی اجازت نہ دی۔ بالآخر رجب 145ھ نومبر 762ء میں نفس ذکیہ مدینہ میں ظاہر ہو گئے اور انہوں نے وہاں انقلاب برپا کر دیا اور ان کے بھائی ابراہیم نے بصرے میں جا کر یہی کیا۔ یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ آیا یہ اقدام دونوں بھائیوں نے اس وجہ سے کیا کہ محمد کی رائے میں اس کام کے لیے موزوں وقت آ چکا تھا یا حالات نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اپنی تجاویز کو جلد عملی جامہ پہنا سکیں۔ بہر حال اس اقدام کی تیاری ٹھیک سے نہ کی گی کیونکہ ان کے پیرو اگر چہ بصرہ اور مصر میں بہت تھے جہاں علی بن محمد کو خلیفہ کے حاکم نے گرفتار کر لیا۔ اسی طرح ان کے حامی خراسان بلکہ سندھ میں بھی بہت تھے جہاں عبداللہ کے ایک اور بیٹے الاشتر کو بھیجا گیا تھا۔ اس اقدام میں کسی باقاعدہ تنظیم کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ بہر حال علویوں کا جوش مورخین کے مطابق تنکوں کی آگ کی مانند تھا جو جلد بھڑک اٹھتی ہے لیکن اتنی ہی تیزی سے بجھ جاتی ہے۔ نفس ذکیہ نے انقلاب کے باوجود مدینہ میں بڑی نرمی سے کام لیا اور ہر قسم کی خونریزی کی ممانعت کر دی۔ عباسی گورنر عثمان بن ریاح کو محض گرفتار کر لینے پر قناعت کی۔ جب امام مالک بن انس نے فتویٰ دیا کہ جو بیعت انہوں نے عباسیوں کی کی تھی وہ باطل ہے تو عمائدین شہر حضرت نفس ذکیہ کے طرفدار ہو گئے اور مکہ بھی نئے حکمران کے تصرف میں آ گیا۔ اس بغاوت کے سامنے آنے سے ابو جعفر منصور کو اطمینان ہو گیا۔ وہ کہتا تھا کہ اب لومڑی بھٹ سے نکل آئی جب تک پوشیدہ تھی مجھے چین نہ تھا۔ وہ بڑی عجلت میں بغداد سے روانہ ہوا جس کی تعمیر میں وہ منہمک تھا' کوفہ پہنچ کر اس نے اپنی ذہانت سے اندازہ لگا لیا کہ اس بغاوت کا کمزور مقام صرف مدینہ ہی ہے جس پر پہلے حملہ کرنا چاہیے۔ تاہم کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اس نے

نفس ذکیہ کو مکمل معافی کی پیش کش کی جس کے نتیجہ میں مخصوص نوعیت کی خط و کتابت شروع ہوئی جس میں ایک دوسرے کے حسب و نسب پر لے دے کی گئی۔ یہ خط و کتابت آج بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔

اس کے بعد منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو چار ہزار سپاہی دے کر نفس ذکیہ کے خلاف بھیجا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دی کہ اگر مصالحت سے فیصلہ ہو جائے تو کر لیا جائے۔ اس کے آنے سے اہل مدینہ کچھ ٹھنڈے پڑ گئے مگر نفس ذکیہ بالکل مایوس نہ ہوئے۔ انہوں نے آنحضرت (ﷺ) کی تقلید میں خندق کھودنے سے لے کر آپ (ﷺ) کی تلوار لگانے اور وہ نعرہ لگایا کہ جو جنگ حنین میں لگایا گیا تھا' کے اقدام کیے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے خندق پر چند دروازے گرا کر اسے عبور کیا اور مدینہ میں داخل ہو کر جنگ شروع کر دی جس میں نفس ذکیہ کے حامی روز بروز کم ہوتے چلے گئے یہاں تک خود حضرت نفس ذکیہ 14 رمضان 145ھ 6 دسمبر 762ء کو میدان کارزار میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کا سر کاٹ کر المنصور کے پاس بھیج دیا گیا۔

ماخذ: تاریخ طبری۔ تاریخ یعقوبی جلد دوم۔ تاریخ ابن کثیر جلد 9۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 19

765ء۔ وفات امام جعفر صادقؑ

اثنا عشریہ کے بارہ اماموں میں سے چھٹے امام جنہیں اسمٰعیلیہ بھی بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنا امام تسلیم کرتے ہیں جلیل القدر تبع تابعین میں سے تھے۔ یہ تھے حضرت ابو عبداللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی بن حسینؓ۔ ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پڑپوتی ام فروہ فاطمہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ ان کے نانا قاسم کی تربیت حضرت عائشہ صدیقہ نے کی تھی جبکہ قاسم کے والد محمد بن ابی بکر کو حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا اور وہ ان کی خلافت کے دوران مصر کی گورنری پر فائز رہے تھے۔ اس طرح امام جعفر صادق کا نسب اسلام کے دو عظیم و قدیم گھرانوں سے تعلق رکھتا ہے اور اسلام کی دو انتہائی جلیل القدر ہستیوں سے جا ملتا ہے۔

امام بخاری اور علامہ محسن الامین کے نزدیک آپ 17 ربیع الاول 80ھ 24 مئی 699ء کو پیدا ہوئے تھے جبکہ ایک دوسرے قول کے مطابق آپ 83ھ 702ء میں پیدا ہوئے تھے۔ چودہ سال اپنے دادا حضرت امام زین العابدینؓ اور چونتیس سال اپنے والد امام باقرؒ اور ستائیس سال

اپنے نانا حضرت قاسمؒ کے سایہ تربیت میں رہے۔ ان تینوں سرچشمہ علوم سے انہیں فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ جس وقت حضرت جعفر صادقؒ پیدا ہوئے مدینہ منورہ تجلی علم و عرفان سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ سے علماء و فضلا اس آستانے پر اکتساب علم و فیض کے لیے آتے تھے۔ اس وقت اکابر تابعین حدیث روایت کیا کرتے تھے اور جسے بھی علم کی تشنگی ہوتی وہ قید مقام سے بے نیاز ہو کر مدینہ کے ہر دروازے پر دستک دے کر سیراب ہو سکتا تھا۔

امام جعفر صادقؒ نے اسی علمی ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ جب سن رشد کو پہنچے تو اس مرتبہ عالی پر فائز ہوئے کہ بلاد اسلامیہ سے آنے والا ہر طالب علم اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگا۔ لوگ آپ کی امامت و جلالت اور عظمت و سیادت کو تسلیم کرنے لگے۔ عمر بن ابی المقدام فرماتے ہیں کہ جب میری نظر حضرت امام جعفر صادقؒ پر پڑی تو یہی نظر آیا کہ آپ شجر نبوت (ﷺ) کا ایک ثمر شیریں ہیں۔ آپ کے صادق کہلانے کی وجہ مورخین نے یہ بتائی ہے کہ آپ کی راست بازی اور حق گوئی کے علاوہ آنحضرت (ﷺ) نے ان کی پیدائش کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ کلمہ حق اور پیکر صداقت ہوگا۔ بعض کے نزدیک خلیفہ المنصور نے انہیں یہ لقب دیا تھا علم حدیث اور روایت حدیث تو آپ کے خاندان کا طرہ امتیاز تھا۔ فقہ میں بھی آپ بلند پایہ تھے۔ امام صاحب سیاست میں حصہ لینے سے اجتناب برتتے رہے۔ انہوں نے اپنے دادا کی طرح اپنی تمام تر صلاحیتیں علم کی نشر و اشاعت اور نیکی اور تقویٰ کے پھیلانے میں صرف کر دیں۔ امام جعفرؒ تمام زندگی مدینہ ہی میں رہے لیکن کبھی کبھی عباسیوں کے طلب و اصرار پر انہیں عراق بھی جانا پڑا' بعض دفعہ وہاں قیام طویل بھی رہا۔ آپ کی وفات ماہ شوال یا رجب میں 148ھ 765ء میں ہوئی اور اپنے دادا کے قبے میں مدفون ہوئے۔

رات کا پہلا پہر تھا دریا دجلہ کے کنارے بغداد کے شاہی محلات کی روشنیاں پانی میں جھلملا رہی تھیں۔ شاہی محل میں خلیفہ منصور نے اپنے حاجب کو طلب کیا اور علویوں کے سردار حضرت امام جعفر صادقؒ کی گرفتاری اور قتل کا حکم صادر کیا۔ حاجب نے جب دیکھا کہ خلیفہ کے ارادے بڑے خطرناک ہیں تو ڈرتے ڈرتے عرض کی اکہ امیر المومنین اس گوشہ نشین بزرگ کو قتل کرنے میں کون سی مصلحت ہے؟ خلیفہ نے خشمگیں نظروں سے حاجب کو دیکھا اور کہا تم بے وجہ ہمارے حکم میں تاخیر نہ کرو۔ وزیر خلیفہ کا ہر جائز و ناجائز حکم ماننے پر مجبور تھا مجبوراً اس نے امام کو دربار میں پیش کر دیا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب خود خلیفہ حضرت امامؒ کے قدموں میں گر کر معافی کا

خواستگار ہوا۔ خلیفہ نے بعد ازاں بتایا کہ امام صاحب کی حفاظت کے لیے ایک اژدھا اسے دکھائی دے رہا تھا جو خلیفہ کو زبان خاموشی میں پیغام دے رہا تھا کہ اگر حضرت کا بال بھی بیکا ہوا تو خود اس کی خیر نہیں اس لیے مجبوراً خود خلیفہ کو اس بزرگ سے معافی مانگنا پڑی۔

ابو عباس سفاح خلیفہ اول عباسی کی مسند نشینی کے وقت عباسی داعی ابو سلمہ نے جو آل عباس سے زیادہ آل ابی طالب سے لگاؤ رکھتا تھا' خفیہ طور پر حضرت امام جعفر صادقؑ کو خط لکھا کہ آپ کوفہ تشریف لائیں یہاں کوفہ میں سب لوگ آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

ابو سلمہ کا قاصد امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس خط کو ملاحظہ کرنے کے بعد چراغ کی لو پر رکھ دیا اور قاصد کو فرمایا کہ ابو سلمہ سے کہنا ہمارا یہی جواب ہے۔ جب ایسا ہی ایک خط آل ابی طالب کے ایک اور فرد عبداللہ محض کو ملا تو وہ مشورے کے لیے امام صاحب کے پاس آئے۔ ان کو مشورہ دیتے ہوئے امام صاحب نے فرمایا کہ یہی خواہش پہلے ہم سے کی گئی تھی ہم نے وہ خط نذر آتش کر دیا۔ اس کے بعد یہ قاصد تمہارے پاس پہنچا تم سے تعلق خاطر ہے اس لیے صحیح مشورہ دے رہا ہوں یہ دولت تو آل عباس کے لیے ہے آل ابو طالب کے لیے نہیں اور یوں دولت خلافت کو آپ نے انتہائی بے نیازی سے ٹھکرا دیا۔

ماخذ: دائرہ المعارف الاسلامیہ جلد 7۔ تاریخ طبری جلد نہم۔ زندگانی چہاردہ معصوم

767ء۔ وفات امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ)

نو تعمیر شدہ بغداد کا قید خانہ بھی سخت تھا یہاں قید ہونے والی اکثر شخصیات کی جان یہاں سے مر کر ہی چھوٹتی تھی۔ 150ھ 767 عیسوی میں یہاں عالم اسلام کی ایک انتہائی اہم شخصیت قید تھی جس کا جرم بادی النظر میں صرف خلیفہ وقت کی حکم عدولی تھی۔ المنصور اس شخصیت کو قاضی بنانا چاہتا تھا لیکن وہ اس کام کے لیے کسی طرح اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکے تھے جس پر المنصور نے انہیں 146ھ 763ء میں قید کر دیا تھا عالم اسلام کی یہ عظیم شخصیت تھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی۔

ممکن ہے ان کے قید کرنے کے پیچھے کچھ سیاسی اسباب بھی کارفرما ہوں۔ عباسی حکومت ان کے ان خیالات سے خائف تھی جو وہ اہل بیت' خصوصاً حضرت محمد المہدی نفس ذکیہ اور ان کے

بھائی ابراہیم کے متعلق رکھتے تھے البتہ نامہ دانشوران میں امام اعظم کا ابراہیم کے نام جو خط نقل کیا گیا ہے معتبر کتابوں میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔

امام اعظم ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) کے علم کی طرح ان کی ذہانت اور طباعی بھی ضرب المثل تھی اس غیر معمولی ذہانت نے عظیم الشان ذخیرہ علم پر تصرف کر کے آپ کو بانیان علوم کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ امام ابن مبارک کے الفاظ میں آثار اور فقہ فی الحدیث کے لیے ایک ''مقیاس'' صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ تھا جو ہمیشہ امام ابوحنیفہ کے نام سے منسوب رہے گا۔ اس کو بعض مصنفین نے ''رائے'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس ''مقیاس'' اور اس ''رائے'' نے فقہ کے متعدد ابواب ترتیب دیئے۔

767ء میں بحالت اسیری اس عظیم شخصیت نے بغداد کے قید خانے میں وفات پائی۔ آپ وہیں ملکہ خیزران کے مقبرے کے مشرقی جانب دفن کئے گئے آپ کے مزار پر 459ھ 1066ء میں ایک قبہ تعمیر کر دیا گیا تھا۔ بغداد کے جس محلے میں یہ مقبرہ واقع ہے وہ اب بھی امام اعظم (رحمتہ اللہ علیہ) کے نام پر اعظمیہ کہلاتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) 80ھ 699 میں پیدا ہوئے۔ ان کا مکمل نام النعمان بن ثابت بن النعمان ہے۔ آپ کے دادا کا اسلام سے پہلے کا نام مورخین نے زوطی بن ماہ دیا ہے ان کا اسلامی نام نعمان تھا وہ کابل کے رہنے والے تھے۔ امام اعظم (رحمتہ اللہ علیہ) کی کنیت ابوحنیفہ حقیقی نہیں بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ''ابوالملیتہ الحنیفہ'' وہ کوفہ میں ایک قسم کا ریشمی کپڑا (خز) بناتے اور اس کی تجارت کرتے تھے۔ دار عمرو بن حریث میں جو جامع مسجد کے پاس تھا ان کی دکان اور کارخانہ تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ وہ حماد (م 120ھ) کے درسوں میں شریک ہوتے تھے۔ بعد کے سوانح نگاروں نے ان کے اساتذہ کے ضمن میں مستند محدثین کی جو طویل فہرست دی ہے ان میں ان کا بھی نام آیا ہے۔ امام اعظم (رحمتہ اللہ علیہ) تابعین میں سے تھے۔ ابن سعد نے اپنے طبقات میں انہیں تابعین کے طبقہ پنجم میں شامل کیا ہے۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا اور عبداللہ بن ابی اوفی، سہل بن سعد اور ابوطفیل عامر بن واثلہ کا زمانہ پایا۔ حماد کی وفات کے بعد وہ کوفہ میں فقہ اسلام پر سب سے ممتاز سند اور کوفی مکتب فقہ کے بڑے نمائندہ تسلیم کر لیے گئے۔

بعد میں امام ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) کے دشمنوں نے انہیں بدنام کرنے اور بے اعتبار ٹھہرانے کے لیے ان پر نہ صرف مذہب مرجیہ سے ماخوذ غالی عقائد رکھنے کا الزام لگایا بلکہ طرح طرح کے

ملحدانہ عقائد رکھنے کا بھی' جن کا حامل ہونا ان کے لیے کسی طرح ممکن نہ تھا' مثلاً ان کی طرف سے یہ رائے منسوب کی گئی کہ کسی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا جائز ہے' حالانکہ یہ ایسا عقیدہ ہے جو امام ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) کے ان اعتقادات کے جو ''العالم والمتعلم'' میں بیان کیے گئے ہیں بالکل متضاد ہے۔ مخالفوں نے انہیں ایسا مرجیہ ظاہر کرنے کی کوشش بھی کی جو تلوار کے استعمال پر اعتقاد رکھتا ہو۔ یہ ایسا الزام ہے جو آپ اپنی تردید کرتا ہے۔ اسی طرح آپ کے علم حدیث پر بھی شک کیا جاتا رہا مگر خود امام کے اصول تحقیق بتاتے ہیں کہ وہ پہلے کتاب اللہ سے اخذ کرتے۔ اگر وہاں کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو نسبت رسول (ﷺ) اور حدیث شریف سے لیتے اور جب وہاں نہ ملتا تو صحابہ کرام کے اقوال کی روشنی میں تلاش کرتے اگر وہاں بھی نہ ملتا تو پھر مجتہدین کی طرح اجتہاد سے کام لیتے جو خلافت عباسیہ میں اگر خلفاء خود مدعی اجتہاد تھے' تاہم ہارون الرشید کے عہد میں فتاویٰ ابی حنیفہ ساری قلمرو میں قانون سلطنت کی حیثیت سے نافذ تھے۔ مغلوں کے سیلاب کے بعد جو خاندان برسر اقتدار آئے ان میں اکثر حنفی تھے۔ سلجوقی' محمود غزنوی جس کی فقہ حنفی پر ''کتاب التفرید'' مشہور ہے۔ نورالدین زنگی' مصر کے چرکسی' ہندوستان کے آل تیمور سب حنفی المذہب تھے۔ اورنگزیب کے عہد کی ''فتاویٰ عالمگیری'' فقہ حنفی کی ایک عمدہ کتاب ہے۔ سب سے آخر میں ترکی کے عثمانی خلفاء جن کی خلافت سوا چھ سو سال قائم رہی عموماً امام ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) کے مسلک پر تھے۔ موجودہ افغانستان میں حکومت عموماً فقہ حنیفہ کو سرکاری مسلک تسلیم کرتی رہی ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں بھی اکثریت حنفیوں کی ہے۔ امام ابوحنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ) کے محاسن اخلاق کی صحیح مگر اجمالی تصویر امام ابو یوسف کی اس تقریر میں ہے جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کی تھی۔ اس تقریر میں انہوں نے امام صاحب کے متعلق بتایا تھا کہ آپ نہایت پرہیزگار' منہیات سے بچنے والے' اکثر خاموش رہنے والے اور سوچ بچار کرنے والے تھے۔ اگر ان سے کوئی مسئلہ پوچھتا اور انہیں معلوم ہوتا تو جواب دیتے، نہایت سخی اور فیاض تھے' کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے۔ دنیوی جاہ وعزت کو حقیر سمجھتے تھے اور تہمت سے بچتے تھے۔ امام اعظم (رحمتہ اللہ علیہ) کی بے نیازی' حق گوئی' دیانت' حلم' حفظ لسان' ذکر وعبادات' عبرت پذیری' والدہ کی خدمت کہ ان کے لیے آپ عام علما کی خدمت میں مسئلے دریافت کرنے کے لیے حاضری دیتے تھے' استاد کی تعظیم وغیرہ متعدد محاسن اخلاق مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔

ماخذ: سیرۃ نعمان، مولانا شبلی۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد اول

767ء۔ حضرت سفیان ثوری کوفہ سے رخصت ہوئے

دوسری صدی ہجری کے فقہا سرکاری خدمات انجام دینے سے متنفر تھے۔ بوجہ تقویٰ ان کا خیال تھا کہ سرکاری منصب قبول کرنے کے بعد ان میں دنیاداری کے بعض اثرات بد پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سرکاری منصب سنبھالنے کے بعد انہیں حکومت وقت کے غلط فیصلوں کی تائید کرنی پڑے گی۔ چنانچہ وہ حکومت سے اس بارے میں تعاون کو 'تعاون الاثم والعدوان'' سمجھتے تھے۔ جن فقہائے کبار نے سلاطین وخلفاء سے کنارہ کشی کی ان میں امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ 150ھ 767ء میں حضرت سفیان ثوری نے محض منصب قضاۃ پر تقرر سے بچنے کے لیے نہ صرف کوفہ چھوڑا بلکہ عراق کی حدود سے نکل کر یمن چلے گئے اور وہاں ایک تاجر کی حیثیت سے آباد ہو گئے۔ وہ اپنا مال دوسرے تاجروں کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ آڑھت پر فروخت کر دیں لیکن یمن میں بھی وہ دربار بغداد کی دارو گیر سے محفوظ نہیں رہے ان کی تلاش کر لی گئی مگر وہ حکومت کے کارندوں سے بچ کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔

حضرت سفیان ثوری' ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری' الکوفی' دوسری صدی ہجری کے ایک مشہور ومعروف عالم' محدث اور صوفی تھے۔ ان کے تذکرہ نویسوں کے مطابق ان کی خاندانی نسبت ثور بن عبدمناف بن الیاس بن مضر سے ہے۔ ان کا سال ولادت 95ھ سے 97ھ کو مانا جاتا ہے۔ کائتانی نے 96ھ لکھا ہے۔ حضرت سفیان ثوری نے اپنی تعلیم الحدیث کی ابتدا اپنے والد سے کی جن کا شمار کوفہ کے جید فضلا میں ہوتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری جیسا کہ اوپر ذکر آیا ان فقہا میں سے ایک تھے جنہوں نے سرکاری عہدوں کی قبولیت سے انکار کیا اور ارباب حکومت سے علیحدگی اور کنارہ کشی کی سزا کے طور پر معتوب ٹھہرے۔ شاید ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوفی نے ایک والی کوفہ کا نذرانہ قبول کیا لیکن اس اس کے بعد وہ ہمیشہ حکام کے تحائف مسترد کرتے رہے۔

جن دنوں وہ مکہ المکرّمہ میں مقیم تھے ان دنوں مکہ کا امیر محمد بن ابراہیم نامی ایک شخص تھا جسے 158ھ 775ء میں خلیفہ بغداد نے حکم دیا کہ حضرت سفیان ثوری کی تلاش کی جائے۔ یہاں تک کہ بعض مورخین کے مطابق لکڑی کے سوداگروں کے ذریعے جو مکہ جا رہے تھے المنصور نے حکم دیا کہ حضرت سفیان ثوری کو سولی پر چڑھا دیں۔ تاہم امیر مکہ نے خلیفہ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کی۔

ابن سعد کے مطابق اس نے حضرت سفیان کو خلیفہ کے اس حکم سے آگاہ کر دیا۔ اس لیے وہ جلدی سے روپوش ہو گئے۔ الطبری کے مطابق وہ امیر حضرت سفیان وگرفتار کر کے قید کر چکا تھا مگر خلیفہ کے اس حکم کے بعد اس نے انہیں رہا کر دیا۔ بہر حال حضرت سفیان ثوری نے کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو کر اپنے تعاقب کرنے والوں سے جان چھڑائی۔ آخر ان کا مکہ میں رہنا بھی دشوار ہو گیا اور وہ یحییٰ بن سعید کے پاس بصرہ چلے گئے' جہاں بعض بڑے بڑے فقہا نے ان سے درس حدیث لیا۔ بصرہ میں قیام کے دوران انہیں جان بچانے کے لیے اپنی جگہ بار بار بدلنا پڑی۔ حماد بن زید نے انہیں دربار خلافت سے مصالحت کا مشورہ دیا۔ انہوں نے دربار خلافت سے اس بارے میں خط و کتابت شروع کی جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا' لیکن بغداد واپس جانے کے لیے روانہ ہونے کو تھے کہ بیمار ہو گئے اور شعبان 161ھ مئی 778ء میں بعمر 64 سال انہوں نے وفات پائی۔ اپنی وفات تک وہ دنیوی حکومت سے بچنے کی کوشش میں لگے رہے۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا جس سے انہیں بے پناہ محبت تھی' وہ ان کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا۔ جس کے بعد انہوں نے اپنی جائیداد اپنی ہمشیرہ اور اس کے بیٹے کو دے دی اور اپنے بھائی مبارک کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔ بہت سے جغرافیہ دانوں نے بصرہ میں ان کی قبر کا ذکر کیا ہے بہر حال 150ھ 767ء کے بعد وہ اپنے مولد کوفہ کو دیکھنے کو نہ جا سکے اور پردیس ہی میں انہوں نے وفات پائی۔

بحیثیت راوی ان کے شجر علمی اور ثقاہت کا ہر ایک نے اعتراف کیا ہے۔ ان کی زندگی پر سیر حاصل تبصرہ الذہبی نے کیا ہے جس میں بعض اوقات ان کا مقام حضرت امام مالک بن انس سے بھی بلند قرار دیا گیا ہے۔

''الفہرست'' میں ان کی بہت سی تصنیفات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن میں ''جامع الکبیر' جامع الصغیر' کتاب الفرائض'' وغیرہ شامل ہیں۔

بحیثیت فقیہ وہ ایک (مستقل) مسلک کے بانی تھے' مگر یہ بعد میں ختم ہو گیا' وہ متشدد اہل حدیث تھے اور عقائد میں انکا تعلق صفاتیہ (سلفیہ) سے تھا یعنی وہ صفات باری تعالیٰ کو جیسا کہ وہ قرآن پاک میں مذکور ہیں' لغوی معنوں میں مانتے تھے اور خدا ہی کے ساتھ مخصوص جانتے تھے' یہ امر کہ وہ اہل سنت والجماعت سے تھے اس اقرار ایمانی سے بخوبی ثابت ہے جو انہوں نے شعیب بن جریر کو لکھوایا تھا۔ اس میں وہ قرآن پاک کے غیر مخلوق ہونے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں، ایمان مشتمل ہے قول' عمل اور نیت پر۔ مزید ان کے عقائد میں حضرت علیؓ پر حضرات شیخین

(حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ) کو فضیلت حاصل ہے۔ وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے موزہ پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔ بسم اللہ کا اخفا اس کے جہر سے بہتر ہے۔

ماخذ: تذکرہ الحفاظ۔ تاریخ طبری جلد چہارم۔ دائرہ المعارف جلد 11

768ء۔ شارلیمان تخت نشین ہوا

جس شخص نے ازمنہ وسطیٰ میں فرینکوں اور روم کے پوپوں کے اتحاد کو اوج کمال پر پہنچایا وہ پیپن کوتاہ کا بیٹا چارلس تھا جو آئندہ شارلمین Charlemagne کہلایا۔ شارلمین کی بادشاہی یورپ کی تاریخ کی پہلی عظیم الشان بادشاہی ہے۔ اسے ہی چارلس اعظم بھی کہا جاتا ہے۔ شارلمین نے اٹلی پر اپنا اقتدار وسیع کیا۔ 780ء کے بعد اس نے مشرقی جانب مہمات کا آغاز کیا جن میں سیکسنوں اور بویریا والوں کو شدید جنگ کے بعد مسخر کر لیا۔ سیکسن قبائل ابھی تک بت پرست تھے شارلمین کو انہیں مسیحیت کا پابند بنانے میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بزور شمشیر مسیحی بنائے گئے۔ اپنی سلطنت کی توسیع کے سلسلے میں شارلمین کو بیک وقت متعدد محاذوں کی حفاظت سے سابقہ پڑا۔ ابھی وہ جرمنی فتح کر رہا تھا کہ ڈینیوب زیریں کے علاقے میں اواروں Avars اور مسلمانان اندلس سے مقابلہ پیش آیا۔ شارلمین نے آواروں کو شکست فاش دے دی اور اگرچہ ہسپانیہ کی جانب کوہستان البرانس کے جنوب میں ایک سرحدی صوبہ بھی قائم کر دیا جسے کیٹالونیہ Catalonia کہتے ہیں تاہم وہ اندلس کی اسلامی قوت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکا۔ بہرحال وہ تمام جرمنوں کو ایک حکومت کے ماتحت لے آنے میں کامیاب ہوا۔ چنانچہ سیکنڈے نیویا اور برطانیہ کے سوا اس نے تمام جرمن علاقے فتح کر لیے۔

آٹھویں صدی کے اختتام تک مغربی یورپ کے وہ سب علاقے جو مغربی سلطنت روم کے زیر نگیں رہ چکے تھے تقریباً سب کے سب شارلمین کی حکومت میں شامل ہو گئے۔ 799ء میں پوپ لیوسوم کے خلاف ایک سازش ہوئی اور فساد پھیل گیا۔ پوپ نے روما سے بھاگ کر شارلمین کے دربار میں پناہ لی۔ شارلمین 800ء میں پوپ کی حمایت میں روما پہنچا۔ پوپ لیو نے کرسمس کے دن سینٹ پیٹر کے گرجے میں اسے مقدس رومی سلطنت کا تاج پہنایا۔ گویا مغرب میں ایک مرتبہ پھر رومی سلطنت زندہ ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ شارلمین رومی سلطنت کا شہنشاہ نہیں بننا چاہتا تھا صرف پوپ

لیو کی تجویز پر اسے یہ تاج پہننا پڑا۔ لیکن شارلمین کو ہمیشہ اس تاجپوشی پر افسوس رہا۔ اس لیے کہ اب ازسرنو دو شہنشاہیاں وجود میں آ گئیں۔ ایک قسطنطنیہ کی اور دوسری روما کی۔ شارلمین دونوں شہنشاہیوں کے اختلاف دور کرنے کے لیے مشرقی سلطنت کی حکمران ملکہ آئرین سے شادی کرنے کے لیے گفت وشنید بھی کی جو بے نتیجہ رہی۔ بہرحال روما میں تاجپوشی کے باوجود شارلمین کی سلطنت آبادی اور انتظامی اداروں کے لحاظ سے اتنی رومی نہ تھی جتنی جرمن تھی۔

814ء میں شارلمین کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کی سلطنت اس کے تین بیٹوں میں تقسیم ہو گئی اور ہر نئے بادشاہ کی وفات اس کے بیٹے مختلف حصے سنبھالتے چلے گئے جس سے سلطنت میں انتشار کا عمل جاری ہو گیا۔

ماخذ: تاریخ تہذیب حصہ اول صفحہ 241، غلام رسول مہر
انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد دوم صفحہ 164، غلام رسول مہر

775ء۔ موطاء امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) کی تکمیل

امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) بن انس الاصبحی دوسری صدی ہجری کی ایک مشہور شخصیت ہیں آپ کا شمار اہل سنت و جماعت کے چار آئمہ کرام میں ہوتا ہے یعنی امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ)' امام ابو حنیفہ (رحمتہ اللہ علیہ)' امام احمد بن حنبل (رحمتہ اللہ علیہ) اور امام شافعی (رحمتہ اللہ علیہ)۔ امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) کے پردادا ابو عامر نے اسلام قبول کیا تھا اور صحابہ کرامؓ میں شامل تھے۔ ان کے والد انس ان چار اشخاص میں شامل تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کی تجہیز تکفین اور تدفین میں حصہ لیا۔ حضرت امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) 93ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے پہلے علقمہ بن ابی علقمہ سے صرف ونحو اور عروض کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد امام مالک نے دینی علم کی طرف توجہ مبذول کی اور ابن شہاب الزہری' ابن عمر کے آزاد غلام نافع بن سرجیس الدیلمی اور امام جعفر صادقؒ جیسی عظیم علمی شخصیات سے اکتساب علم کیا۔ اکتساب علم کے زمانہ کے بعد آپ نے درس وتدریس کی مسند بچھائی۔ اس وقت وہ ایک روایت کے مطابق ہفدہ سالہ تھے۔ اب وہ عام زندگی کے مختلف اجتماعی' سیاسی' علمی میدانوں میں ایسی شخصیت لے کر آگے بڑھے جس کا احساس نازک تھا اور جس میں وقار اور ہیبت تھی۔ وہ کم بولتے تھے شاذ و

نادر ہنستے تھے' مزاح کو ناپسند کرتے اور نفس انسانی کے اندر کسی سبب سے وہ جمہور کے ساتھ رہنے پر حریص تھے۔

امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) کے زمانے میں بڑے بڑے سیاسی فتنے ابھرے' ایسے سیاسی فتنوں میں وہ شخص دور ابتلا میں مبتلا ہوتے ہیں جن کا رائے عامہ پر اثر ہوتا ہے۔ امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) اپنی علمی مرکزیت اور اثر ورسوخ کی وجہ سے ایسے ہی شخص تھے چنانچہ مختلف روایات میں مذکور ہے کہ منصور عباسی کے گورنر مدینہ نے امام مالک کو پٹوایا۔ اس نوعیت کی سلطنتوں میں ایسے واقعات تشدد اکثر ہوتے ہیں۔ تاریخ میں علما کرام کے ایسے بہت سے واقعات مذکور ہیں جن میں علماء حق کو ظلم و جبر سہنا پڑا۔ امام مالک کی محنت وابتلا کی وجہ طلاق المکرّہ کا مسئلہ تھا۔ وہ اس طلاق کو جائز نہ سمجھتے تھے جو جبراً دی گئی ہو۔ المنصور کے گورنر مدینہ نے امام مالک کو کوڑے لگوائے۔ انہیں چت لٹا کر ان کا شانہ اکھاڑا گیا مگر حق کی یہ آواز ظلم سے دبائی نہ جاسکی یہاں تک کہ حضرت نفس ذکیہ کے خروج کے زمانے میں انہوں نے عباسی بیعت کو باطل قرار دے دیا مگر یہ جسمانی ایذا رسانی ان پر اثر انداز ہوئی اور آہستہ آہستہ وہ درس سے' جنازوں کی مشایعت سے' جمعہ و جماعت کی حاضری سے معذور ہوتے چلے گئے۔ آخر میں انہیں جو بیماری آئی اس کا عرصہ صرف تین ہفتہ تھا۔ اس میں تقریباً 85 سال کی عمر میں آپ کا انتقال 179ھ میں ہوا۔ آپ جنت بقیع میں مدفون ہوئے۔

امام مالک (رحمتہ اللہ علیہ) نے تصنیف و تالیف کا قلم اس ابتدائی زمانے میں اٹھایا تھا جب تحریر و تدوین اختلاف کے مرحلے میں تھی۔ اسلاف حفظ اور زبانی افادہ کو اہمیت دیتے تھے جبکہ نوجوان طبقہ حفظ اور زبانی تعلیم کے لیے تیار نہ تھا۔ اسی زمانے میں امام مالک نے اپنی کتاب ''الموطا'' تصنیف کی۔ کتاب الموطاء کے زمانہ تالیف کو متعین کیا گیا ہے انہوں نے یہ کتاب عباسی خلیفہ المنصور کے فرمان کے تحت اسے شروع کیا اور اس کے آخری زمانہ خلافت 775ء تک مسودہ سے فارغ ہو گئے۔ خلیفہ المہدی عباسی (775ء-785ء) کے عہد میں یہ مسودہ روایت اور کتاب کی صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔

الموطا حدیث کی اولین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے لیکن اس کا مواد' ترتیب اور مقصد عملی امور و حالات سے متعلق ہے اور یہی فقہ ہے۔ فقہ و حدیث اس زمانے میں الگ الگ نہ تھے اور نہ ان کے مفہوم میں کوئی امتیاز تھا جو آگے چل کر ارتقا اور نشو ونما کے بعد ظاہر ہوا۔ اس طرح ہمیں الموطاء میں کچھ فقہ' کچھ اصول فقہ اور کچھ حدیث اپنے آخری معنوں کے لحاظ سے ملتی ہے۔

یہ بعید نہیں اگر ہم کتاب کے نام الموطاء سے ان احساسات کا پتہ لگائیں جو اس زمانے کے اہل سیاست میں احکام کی وحدت کی نسبت پیدا ہو گئے تھے' بلکہ اس وحدت کے وہ آرزومند بھی تھے۔ اس بات کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ اس زمانے کے کئی مصنفوں نے اپنی کتابوں کے نام الموطا رکھے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس یہ مصنفین چاہتے تھے کہ سیاسی حکام کی خواہش کے مطابق ایسی کتاب مرتب ہو جائے جس سے وحدت احکام کا راستہ صاف ہو جائے۔ عربی لفظ ''توطئتہ'' (برابر بچھانا' پست کرنا' ہموار کرنا) سے ''موطاء'' مشتق ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس دوران میں زندگی کے لیے ایک عملی قانونی ضرورت پوری ہو کر سامنے آ گئی تھی۔

موطا دس ہزار احادیث مبارکہ سے انتخاب کر کے مرتب کی گئی۔ اس میں کل 1027 احادیث و آثار ہیں۔ علم حدیث میں اس سے معتبر کوئی کتاب نہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعد کے متعدد مؤلفین نے بھی اپنی کتابوں کا نام بھی موطا رکھا جیسے ''موطاء امام محمد'' وغیرہ۔

ماخذ: جلد دوم اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، شیخ غلام علی۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 18

775ء۔ خلیفہ مہدی کی خلافت

ابوالعباس سفاح خلیفہ اول عباسی نے ابوجعفر المنصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو اپنا جانشین قرار دیا تھا لیکن المنصور نے اسے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے المہدی کے حق میں دستبردار ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ذوالحجہ 158ھ اکتوبر 775ء میں المنصور کی وفات پر مہدی کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ وہ اپنی شرافت اور فیاضی کی وجہ سے بہت جلد مقبول ہو گیا۔ اس کی شادی خلیفہ ابوالعباس السفاح کی بیٹی ریطہ سے ہو گئی تھی۔ تاہم خلیفہ مہدی بعض اوقات انتہائی سخت گیری سے بھی کام لیتا تھا۔ خراسان عباسی سلطنت کا وہ صوبہ تھا جہاں ہمیشہ بغاوتیں رونما ہوتی رہتی تھیں۔ مہدی کے عہد میں خراسان میں یوسف بن ابراہیم نے بغاوت کی جس پر جلد قابو پا لیا گیا اور باغیوں کے سرغنہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ المہدی کے زمانے میں بازنطیم کے خلاف بھی جنگ جاری رہی۔ سرحدات پر متواتر چھاپوں اور لوٹ مار کے ذریعے مخالف فریقین نے ایک دوسرے کو سخت نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ رکھی لیکن عارضی طور پر مفتوحہ علاقوں کو مستقل قبضے میں رکھنے کا خیال کسی کو نہ آیا۔ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور ابتدائی مہمات میں وہ انقرہ تک بڑھ آئے۔

میخائل رومی Michael Lachnodrakon ایک بازنطینی لشکر لے کر ان کے مقابلے میں اترا۔ اس نے شام کے سرحدی علاقوں کو پامال کیا اور ویران کر ڈالا (778ء-779ء) اگلے سال المہدی نے عیسائیوں کے خلاف ایک زبردست مہم تیار کی جس میں اس کے بیٹے ہارون نے بازنطینیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کی۔ مسلمان خلیج باسفورس تک پہنچ گئے۔ ملکہ آئرین تین سال کے لیے صلح کرنے اور خراج ادا کرنے پر مجبور ہوگئی۔ 68ھ 785ء میں بازنطینیوں نے خود اس معاہدے کو توڑ ڈالا۔ المہدی کی وفات تک یہ جنگ جاری رہی لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اسی عہد میں ایک جھوٹے مدعی نبوت المقنع نے خروج کیا جس نے خلیفہ کی فوج کو کافی پریشان رکھا۔ زنادقہ بھی حکومت کے لیے دردسر بنے رہے لیکن انہیں بھی سختی سے کچل دیا گیا۔ المہدی نے اپنی مملکت میں ترقیاتی اقدامات کئے اور سڑکیں اور دیگر ذرائع رسل و رسائل کو ترقی دی۔ اس کے ساتھ ساتھ المہدی کے عہد میں ملک کی آمدنی بے سود مصارف تعیش میں برباد ہونے لگی جس میں اس کے جانشینوں کے عہد میں بھی کمی نہ ہو سکی اور یہی بات عباسی خاندان کے زوال کا باعث بنی۔ یہ عباسی خلیفہ آہستہ آہستہ اپنے درباریوں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگا بالخصوص اپنی ملکہ خیزران اور اپنے حاجب ربیع بن یونس کے اشاروں پر چلنے لگا۔ الخیزران ایک سابقہ کنیز اور اس کے دو بیٹوں ہارون اور موسیٰ کی ماں تھی۔ 776ء میں موسیٰ بن المہدی کو ہادی کے لقب کے ساتھ ولی عہد نامزد کر دیا گیا تھا اس کے چھ سال بعد اس نے اپنے چھوٹے بیٹے ہارون کو اس کا جانشین نامزد کر دیا۔ المہدی نے اگست 785ء میں وفات پائی۔

775ء۔ حکیم مقنع اور ''ماہ نخشب''

ایک شام آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں سمرقند کے قریب ایک علاقے نخشب میں گوسیام کے پیچھے کنویں کے اندر سے ایک چاند غروب آفتاب کے فوراً بعد آسمان پر روشن ہونے لگا۔ یہ بڑی حیران کن بات تھی کہ چاندنی رات میں دو چاند آسمان پر ایک دوسرے کے مدمقابل طلوع تھے لیکن قدرتی چاند کے مقابلے میں اس مصنوعی چاند کی روشنی صرف 15 میل کے دائرے تک محدود تھی۔ ضعیف العتقاد لوگ اس چاند کو اس کے خالق ''حکیم مقنع'' کا معجزہ سمجھتے تھے جبکہ اس نے یہ علوم سائنس کی مدد سے انعکاس شعاع قمر کی بنیاد پر تیار کیا تھا بعد کے زمانوں میں ادب میں

اس ''ماہ نخشب'' کا بہت ذکر کیا گیا۔ اور شاعری میں استعارے کے طور پر اس کا استعمال ہوا۔

حکیم مقنع خراسان کے شہر مرو کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا اور ایک غریب دھوبی کا بیٹا تھا لیکن اس نے اپنی ذہانت اور علم و فضل کی بنیاد پر تاریخ عالم میں شہرت دوام حاصل کی۔ علم بلاغت، حکمت، فلسفہ، شعبدہ، طلسمات و سحر میں یکتا تھا۔ اس نے اپنی جودت طبع سے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کیں اور انہیں صنائع اور بدائع کے ذریعہ بہت جلد آسمان شہرت و ناموری کی بلندیاں چھونے لگا۔ لیکن انہیں بلندیوں نے اسے ذلت کی پستی میں گرا دیا اور وہ دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ الوہیت کا دعویٰ بھی کر بیٹھا اور لوگوں کو کہنے لگا کہ حق تعالیٰ اس کے پیکر میں جلوہ گر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت میں ایسا عیب رکھا تھا کہ وہ اس عیب کو چھپانے کے لیے ہر وقت اپنے چہرے پر سونے کا نقاب پہنے رہتا۔ اسی نقاب کی وجہ سے وہ لوگوں میں ''مقنع'' (نقاب پوش) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کبھی کوئی اس سے اس نقاب کی بابت پوچھتا تو وہ کہتا تھا کہ لوگ میری رویت ضیا پاش کی تاب نہیں لا سکتے اور اگر میں اپنا چہرہ بے نقاب کر دوں تو میرا میرا نور دنیا و مافیہا کو جلا کر خاکستر کر دے گا۔ مقنع کا بدترین عقیدہ مسئلہ تناسخ تھا۔ جس کی بنا پر اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ پہلے حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ میں حلول کیا پھر حضرت نوح علیہ السلام میں اس کے بعد یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کرام کی صورتوں میں ذات خداوندی ظاہر ہوتی رہی۔ انجام کار خدائے برتر صاحب الدولہ ابو مسلم خراسانی کی صورت میں نمایاں ہوا۔ اور اب رب العزت اس شان سے مجھ میں جلوہ فرما ہے میں اس زمانے کا اوتار ہوں اس لیے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ مجھے سجدہ کرے اور میری پرستش کرے تاکہ فلاح (ضلالت) ابدی کا مستحق ٹھہرے۔ اس کی دیگر تعلیمات کا اخلاقی پہلو یہ تھا کہ اس نے محرمات کو مباح قرار دے دیا۔ صوم و صلوٰۃ کو یکسر سے منسوخ کر دیا۔ اس نے مسجدیں تو تعمیر کروائیں مگر کوئی ان میں نماز نہ پڑھتا۔ اگر کوئی مسافر مسلمان ان کی مسجد میں چلا جاتا تو اس کے پیرو موقع ملتے ہی اس کے خون سے ہاتھ رنگ لیتے اور اس کی نعش کو مستور کر دیتے۔ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے اس نے دو مضبوط قلعے تعمیر کروائے اس کی سرکوبی کے لیے خلیفہ مہدی عباسی نے لشکر بھیجا مگر اسے شکست ہوئی۔ جب خلیفہ کو اس ناکامی کا پتہ چلا تو اس نے دوسرا لشکر بھیجا چار ماہ محاصرے کے بعد عساکر خلافت کو مقنع کے پیروؤں کے خلاف پہلی فتح حاصل ہوئی۔ اسلامی سپہ سالار سعید خرشی اس کے بعد طویل عرصہ تک مقنع کے قلعہ سیام کی تسخیر میں لگا رہا جب یہ قلعہ فتح ہوا تو حکیم مقنع نے اپنے اہل و عیال کو زہر دے دیا اور خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگ میں چھلانگ لگا دی۔

777ء۔شارلیمان کا مسلم سپین پر حملہ

امیر عبدالرحمٰن الداخل کے تین باغی سرداروں کو اس سے اس درجہ عداوت تھی انہوں نے شاہ فرانس شارلیمان سے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف مدد مانگنے کا فیصلہ کیا۔ شارلیمان کی فتوحات کی دھوم پورے یورپ میں مچی ہوئی تھی۔ یہ تینوں سازشی شارلمین کے دربار میں حاضر ہوئے۔ شارلمین اپنی نئی فوجی مہمات کی تیاری میں مصروف تھا۔ تینوں سازشی امراء نے بادشاہ کو درخواست پیش کی کہ وہ امیر عبدالرحمٰن الداخل کے خلاف ان کی مدد کرے۔ شارلمین نے بلا تامل ان کی یہ درخواست منظور کر لی۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ وہ کسی بڑی جنگ میں مصروف نہ تھا۔ حال ہی میں وہ سیکسن قوم سے جنگ میں مصروف تھا اب اسے شکست دینے کے بعد اس کا خیال تھا کہ اب ان میں لڑنے کا دم نہیں اور وہ مسیحی مذہب قبول کرنے پر مجبور ہو چکی ہے۔ ان کا سردار وٹی کنڈ Wittekind جلاوطن کر دیا گیا تھا اور ڈنمارک کے کسی شہزادے کے پاس پناہ گزین تھا۔

مسلمان سازشی امراء کی درخواست کے بعد شارلیمان نے ایک لشکر جرار کے ساتھ جبل البرانس M.Pyrenese کے دروں سے گزر کر سپین میں داخل ہونے کا منصوبہ تیار کیا جہاں بارسیلونا (برشلونہ) اور اس کے نزدیکی علاقوں کے مسلمان حکمرانوں کو عبدالرحمٰن کے خلاف اس کی مدد کرنا طے پائی۔ دوسری طرف ابن حبیب افریقہ میں بربر فوج بھرتی کر کے اندلس کے صوبہ مرسیہ لے آنے کا ذمہ دار ٹھہرا جہاں اسے شارلمین اور عباسی خلیفہ کی دوستی کے ناطے عباسیوں کا علم بلند کرتا تھا یہ خوفناک سازش امیر عبدالرحمٰن کے خلاف ہونے والی تمام بغاوتوں سے زیادہ خطرناک تھی۔

شارلیمان ابھی جبل البرانس کے درے عبور نہ کر پایا تھا کہ ابن حبیب نے سلیمان بن یقطان سے عباسی علم بلند کرنے کے لیے امداد طلب کی جو وہ فراہم نہ کر سکا جس کی بنا پر ابن حبیب نے سلیمان پر حملہ کر دیا مگر سلیمان نے اسے شکست دی۔ راستہ میں ایک بربر نے ابن حبیب کو قتل کر دیا۔ لہٰذا جب شارلیمان جبل البرانس کے اس پار پہنچا تو تین غدار عرب سرداروں میں سے ایک قتل ہو چکا تھا۔ سلیمان خود سرقسطہ پر قبضہ کر چکا تھا جب شارلمین کی افواج سرقسطہ کے دروازوں پر پہنچیں تو سلیمان نے دیکھا کہ شہر کے مسلم باشندے اسے مورد نفرت و عتاب ٹھہرائیں گے اگر اس نے فرانس کے عیسائی بادشاہ پر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ شارلمین سرقسطہ کا محاصرہ کر ہی رہا تھا

کہ اسے ایک ایسی خبر ملی کہ اس کے تمام منصوبے الٹ ہو گئے۔ سیکسن قوم کے جلاوطن سردار نے پھر شارلیمن کے خلاف حملہ کر دیا تھا۔ اس صورت میں جب شاہی افواج اپنے ملک میں موجود نہ تھیں وہ دریائے رائن کو عبور کر کے شہر کولون تک پہنچ گیا اب جب کہ شارلیمان کے ملک میں بلا ہازل ہو گئی تو وہ سپین سے واپس جانے پر مجبور ہو گیا مگر واپسی پر ابرانس کے ایک خطرناک درہ سے بشکنش قوم کے افراد نے جو فرینکون سے عداوت رکھتے تھے اس کے لشکر پر عقب سے حملہ کر دیا اور عقبی فوج کے کسی فرد کو زندہ نہ چھوڑا۔ بہحال مسلم مورخ لکھتے ہیں کہ عربوں نے فرانسیسیوں کو شکست دے کر سپین سے خارج کیا تھا۔

ماخذ: عبرت نامہ اندلس (۱)۔ تاریخ ملت جلد اول

778ء۔ فرانسیسی رزمیہ نظم ''رولینڈ''

کسی خطے یا سرزمین کی بولی اور زبان بڑی حد تک وہاں کے سیاسی اور سماجی اور معاشی حالات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ مگر فرانسیسی زبان اس کلیہ سے مستثنیٰ بھی ہے اور اس کے تابع بھی۔ شارلیمان کی مسلم سپین کے خلاف مہم میں سرقسطہ کے محاصرے سے واپسی پر بشکنش قوم کا اس کے لشکر کے عقب پر حملہ سرزمین فرانس کی ایک رزمیہ نظم ''رولینڈ'' کو جنم دیتا ہے۔ اس عہد کی رومانی نظموں میں اعلیٰ پائے کی یہ نظم Chandson De Roland ہے۔ پروفیسر عبدالوہاب اشرفی اپنی کتاب ''تاریخ ادبیات عالم'' میں لکھتے ہیں کہ یہ دوسری رومانی نظموں کی بہ نسبت زیادہ قدیم ہے۔ اس نظم کا زمانہ تخلیق آٹھویں صدی عیسوی سے گیارہویں صدی تک بتایا جاتا ہے اس نظم کا ایک قدیم مسودہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس مسودے کے مطابق یہ نظم 400 سطروں پر مشتمل ہے۔ اس نظم کے مصنف کا نام Therouids درج ہے۔ اس نظم کا موضوع رولینڈ کی موت اور شارلیمان کا انتقام ہے۔ نظم کی کہانی مختصراً کچھ یوں ہے۔ مارسلا سارگوسا (سرقسطہ، سپین) کا ایک صنم پرست بادشاہ ہے۔ وہ شارلیمان کے ساتھ (مسلمانوں کے خلاف) وفاداری نبھانے کے لیے تیار ہے مگر اس کی شرط ہے کہ شارلیمان واپس فرانس لوٹ جائے۔ رولینڈ، فوج کا ایک بہادر نائٹ اس تجویز کی مخالفت کرتا ہے لیکن ایک دوسرا لشکری گینلن اس تجویز کو تائید کرتا ہے۔ رولینڈ سارگوشا کا سفیر بننے سے بھی انکار کر دیتا ہے اور گینلن کی سفارش

کرتا ہے۔ گینلن مارسلا کے پاس جاتا ہے اور اس کی تجویز کی تائید وحمایت اور رولینڈ کی شکایت کرتا ہے مارسلا کو گینلن کے حسد ورقابت کے جذبات کا پتہ چلتا ہے تو وہ اسے رولینڈ کے خلاف ابھارتا ہے اور اس کی خوب عزت وتوقیر کرتا ہے۔ ساتھ ہی گینلن کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ رولینڈ پر عقب سے حملہ کردے۔ اس عقبی فوج کا کمانڈر رولینڈ ہی ہے۔ رولینڈ کے خلاف مارسلا ایک بہت بڑی فوج لے کر مقابلے کے لیے آگے بڑھتا ہے اور رولسنس والز کی گھاٹی میں رولینڈ پر حملہ آور ہوتا ہے رولینڈ کے پاس بہادروں کی قلیل تعداد ہے اس لیے ارسیورا سے مشورہ دیتا ہے کہ وہ اپنے ناقوس کو بجا کر شارلیمان سے مدد طلب کرے مگر رولینڈ اس تجویز کو پسند نہیں کرتا کہ اس طرح اس کی شجاعت پر آنچ آتی ہے۔ چنانچہ جب جنگ کا آغاز ہوتا ہے تو آرچ بشپ ٹرپن سمیت ہزاروں مارے جاتے ہیں۔ رولینڈ جب اپنے آدمیوں کی لاشوں کے انبار دیکھتا ہے تو اس کی بہادری کا گھمنڈ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے بالآخر وہ ناقوس بجانے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن تب کافی دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ جب شارلیمان مدد کے لیے پہنچتا ہے تو خود رولینڈ بھی قتل ہو چکا ہوتا ہے۔ شارلیمان رولینڈ کے دشمنوں سے خوفناک انتقام لیتا ہے گینلن پکڑا جاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا جاتا ہے۔

ماخذ: تاریخ ادبیات۔ م جلد اول صفحہ 415

779ء۔ ابراہیم بن ادھم کی وفات

بازنطینیوں کے خلاف ایک اسلامی بحری مہم جاری تھی مسلمان سرفروش سمندر کے سینے پر اسلام کے لیے سر کٹوا رہے تھے۔ اسی بحری مہم میں جو 160ھ 776ء اور 66ھ 783ء کے درمیان لڑی گئی مشہور مسلمان صوفی اور زاہد ابراہیم ادھم نے وفات پائی۔ ابراہیم بن ادھم کی پیدائش اگرچہ مکہ میں ہوئی تھی مگر وہ بلخ کے رہنے والے تھے۔ اپنی وفات کے بعد وہ بلاد روم کے ایک قلعے سوقین میں دفن کیے گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہیں ایک بحری جزیرے میں دفن کیا گیا۔ ان کی وفات پر ان کے بھانجے محمد بن کناسہ کوفی نے چند اشعار ان کے زہد اور ذاتی بہادری کی تعریف میں کہے تھے جن میں ان کی ''مغربی قبر'' کا بھی ذکر کیا تھا جس میں ابراہیم مدفون ہوئے۔

ابراہیم بن ادھم بلخ کے امیر زادوں میں تھے مگر جب طبیعت پر زہد وفقر کا غلبہ ہوا تو گھر بار چھوڑ

کے دنیا سے الگ ہو کر شام چلے گئے اور صوف کے اونی کپڑے پہن لیے جو اس زمانے کے صوفیا کا شعار تھا۔ ''حلیۃ الاولیا'' میں مذکور ہے کہ جب عبداللہ بن مبارک محدث نے ان سے یہ سوال کیا کہ آپ نے خراسان کیوں چھوڑا؟ تو انہوں نے جواب دیا ''مجھے شام کے سوا کہیں بھی زندگی کا لطف نہیں آتا' جہاں میں اپنا دین لے کر ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک اور ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک دوڑتا پھرتا ہوں اور دیکھنے والے مجھے دیوانہ یا کوئی ساربان سمجھ لیتے ہیں۔''

ابراہیم بن ادھم کے تصوف اختیار کر لینے کا قصہ مہاتما بدھ کی کہانی سے ملتا جلتا ہے۔ اس قصے میں ابراہیم بن ادھم کو بلخ کا ایک شہزادہ بتایا گیا ہے ایک روز وہ شکار کھیل رہے تھے تو ایک غیر مرئی آواز نے انہیں متنبہ کیا کہ انہیں خرگوشوں اور لومڑیوں کا پیچھا کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یہ آواز سن کر ابراہیم گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور اپنے والد کے گڈریوں میں سے ایک گڈریے کا لباس صوف پہن کر اپنا گھوڑا اور ساز و سامان اسے دے دیا اور دنیوی شان و شوکت چھوڑ کر زہد و تقویٰ کی راہ اختیار کی۔ بعد کے زمانے میں ''سلطان ابراہیم ادھم'' کے دنیا ترک کرنے کے موضوع پر عجیب و غریب داستانیں وجود میں آئیں جو ترکی' اردو اور ملائی زبانوں میں ملتی ہیں۔

ابراہیم بن ادھم سے متعلق جو حکایات اور ان کے اپنے قول ان کے قدیم ترین سوانح نگاروں نے نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصل میں ایک باعمل قسم کے زاہد اور متوکل شخص (تارک الدنیا) تھے ان کے ہاں اس نظری تصوف کے آثار' جس کی نشوونما تقریباً ایک صدی بعد ہوئی' تلاش کرنا بے سود ہے۔ بہت سے قدیم صوفیوں کی طرح انہوں نے بھی اس کی پوری احتیاط رکھی کہ ان کی خوراک مذہبی مفہوم میں ''حلال'' ہو۔ وہ توکل کے عقیدے کو اس حد تک نہیں لے جاتے تھے کہ اپنی روزی کمانے سے بھی انکار کر دیں برخلاف اس کے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ کام کر کے روزی کمانے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ بھیک مانگنے کو وہ صرف اس لیے اچھا سمجھتے تھے کہ اس سے خیرات کی ترغیب ہوتی تھی۔

787ء۔ ملکہ آئرین اور بت پرستی کا احیاء

بازنطینی حکمران لیو چہارم کی ملکہ آئرین Irene 752ء میں ایتھنز میں پیدا ہوئی۔ 780ء میں اپنے خاوند کی وفات پر اپنے 10 سالہ کم سن بیٹے قسطنطین ششم کی نگران کے طور پر تخت پر بیٹھی بعدازاں جب اس کا بیٹا جوان ہو گیا تو وہ اس کی شریک شہنشاہ بن گئی۔ اپنی تخت نشینی کے سال ملکہ

نے جو شبیہ پرستی کے نظریات کی حامل تھی بت شکن Iconoclasts کی ایک محلاتی سازش ناکام بنادی۔ جس کے ذریعے وہ لیو چہارم کے سوتیلے بھائی نغفور Nice Phorus کو تخت نشین کرانا چاہتے تھے۔

ملکہ شبیہ پرستی کی پرزور حامی تھی اس نے اقتدار سنبھالتے ہی بت پرستی اور شبیہ پرستی کے مسلک کی حمایت کی اور جلد ہی اسے بحال کر کے دم لیا۔ شبیہ پرستی کو 730ء میں شہنشاہ لیو سوم نے سرکاری طور پر کالعدم قرار دیا تھا۔ ملکہ نے اپنے ایک حمایتی تارسیکس Tarsius کو قسطنطنیہ کے مشرقی کلیسا کا اسقف اعظم مقرر کیا اور پھر بت پرستی کو بحال کرنے پر غور کرنے کے لیے 786ء میں قسطنطنیہ میں ایک مشرقی کلیسا کی کونسل بلائی۔ مگر بت شکنی کے حامی سپاہیوں نے مداخلت کر کے کونسل کو توڑ دیا۔ اگلے سال 787ء میں رومن کیتھولک چرچ The Seventh Ecumenical کی کونسل نیقیا Nicea میں منعقد کرائی جس نے باقاعدہ طور پر شبیہ پرستی کے مسلک کو بحال کر دیا۔

قسطنطین ششم نے جوان ہونے کے بعد اپنی ماں کے ہر شے پر اقتدار کو ناپسند کیا۔ اس نے خود اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی جو ملکہ نے ناکام بنادی۔ ملکہ نے اس پر فوج سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کو جائز حکمران تسلیم کرتے ہوئے اسے وفاداری کا یقین دلائیں مگر فوج نے اس مطالبہ کو رد کر دیا۔ اُدھر قسطنطین 790ء میں تن تنہا شہنشاہ بننے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے اپنی ماں کو دربار بدر کر دیا۔ تاہم 792ء میں ملکہ کو دوبارہ دربار میں بلا لیا اور اس کو شریک شہنشاہ بھی بنا دیا گیا۔ بیٹے نے ماں کے ساتھ نیکی کی مگر ماں نے اسے معاف نہ کیا اور اس کے خلاف سازش کر کے اسے گرفتار کروا کے اندھا کر کے اقتدار سے الگ کر دیا۔

ملکہ خود شہنشاہ بن گئی اور اس نے مزید پانچ سال حکومت کی۔ 798ء میں اس نے مغربی رومی شہنشاہ شارلیمین سے سفارتی تعلقات بحال کیے۔ کہتے ہیں وہ شارلیمین کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی تھی۔ 802ء میں اس کا یہ منصوبہ پورا ہونے کو تھا کہ اس کے ایک نزدیکی درباری نے یہ معاملہ الٹا دیا۔ 802ء ہی وہ سال تھا جب اس کے خلاف ایک بغاوت کامیاب ہو گئی اور ایک سازش کے ذریعے اسے سبکدوش کر کے نغفور Nicephorus کو تخت پر بٹھا دیا۔ ملکہ کو ملک بدر کر دیا گیا وہ پہلے جزیرہ پرنکپو Prinkpo اور جزیرہ لیس بوس میں قید کر دی گئی' ملکہ اگرچہ زندگی بھر محلاتی سازشوں میں شریک رہی مگر شبیہ پرستی کے مسلک کی گرمجوشانہ حمایت کی وجہ سے مشرقی آرتھوڈکس کلیسا نے اسے ولی کا درجہ دیا اور 9 اگست کو اس کا دن قرار دیدیا۔

(۱)

عیسائیت کی تاریخ میں ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں بازنطینی سلطنت کے زیر اثر شبیہ پرستی اور بت پرستی ایک متنازعہ مسئلہ رہا ہے۔ ایک گروہ بت شکن Iconoclasts کہلاتا تھا اور بت پرستی کو ناجائز ثابت کر دینے کے لیے بہت سے دلائل پیش کرتا تھا۔ ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ عہد نامہ قدیم (خروج 20.4) میں حضرت موسیٰ کو ملنے والے دس احکام میں سے ایک یہ تھا کہ بت پرستی اور شبیہ پرستی حرام ہے۔ اس کے برعکس شبیہ پرست یہ دلائل پیش کرتے تھے کہ خود خدا نے شبیہ کو اپناتے ہوئے اپنے آپ کو حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ میں ظاہر فرمایا ہے اس لیے شبیہ پرستی جائز ہے۔

کلیسا کی ابتداء میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی تصاویر پرستی کی مخالفت کی گئی تھی مگر اس کے باوجود شبیہ پرستی نے عیسائیت میں راہ پالی تھی خصوصاً رومی سلطنت کے مشرقی صوبوں میں۔ چھٹی اور ساتویں صدی میں اس کے خلاف ایک بار پھر آواز اٹھی اور عوام کے جذبات کی تائید کرتے ہوئے 730ء میں شہنشاہ لیوسوم نے بت پرستی کی ممانعت کر دی۔ مگر تقریباً پچاس برس بعد ملکہ آئرین نے اسے مباح قرار دلوا دیا۔ 814ء میں لیو پنجم کے عہد میں بت شکنوں نے ایک بار پھر زور پکڑا اور بت پرستی کی ممانعت کر دی گئی مگر 842ء میں شہنشاہ تھیوفلس کی وفات کے بعد ایک بار پھر بت پرستی عام ہو گئی۔ اس کی بیوہ ملکہ نے ملکہ آئرین کی طرح بت پرستی کو جائز قرار دیدیا۔

ماخذ: برٹانیکا جلد 6۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، ولیم لینگر

785-86ء۔ خلیفہ الہادی اور اس کا مختصر عہد خلافت

ولی عہد اول موسیٰ الہادی خلیفہ مہدی کے آخری ایام میں جرجان میں تھا وہیں اسے اپنے والد کی وفات کی خبر ملی۔ یحییٰ بن خالد برمکی اور ہارون الرشید دونوں مہدی کے پاس ماسبذان میں تھے انہوں نے الہادی کے لیے بیعت خلافت لی اور شاہی مہر اور عصا اور رداء خلافت مع تعزیت نامہ کے ہادی کے پاس جرجان بھجوا دی۔ ہادی وہاں سے واپس آ کر بغداد میں مسند نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر پچیس سال تھی۔ تخت نشین ہوتے ہی الہادی نے زندیقیوں کے خلاف سخت

کارروائی اور اکثر کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ہادی کے مختصر عہد خلافت میں جو بڑا واقعہ رونما ہوا وہ ایک علوی حسین بن علی کا خروج تھا۔ اس جنگ میں اکثر عمائدین آل ابی طالب میدان جنگ میں کام آئے۔ بغاوت کے فرو ہونے کے بعد ہادی کے سامنے جب حسین ابن علی کا سر پیش کیا گیا تو وہ رونے لگا اور سر لانے والے کو کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم کسی ترک یا دیلمی کا سر لائے ہو۔ یہ عزت رسول کا سر ہے اس کا احترام کرو اس کا کمترین بدلہ یہ ہے کہ تمہیں اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں دیا جائے گا۔

علویوں کا ہنگامہ کچھ ٹھنڈا پڑا تھا کہ اب علم بغاوت حمزہ خارجی نے بلند کر دیا۔ الجزیرہ کے حاکم منصور بن زیاد نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ منصور بن زیاد کے دو خاص آدمی حمزہ کے ساتھ شامل بغاوت ہو گئے مگر ان کی وفاداری منصور کے ساتھ تھی جیسے ان کو موقع ملا دھوکے سے انہوں نے اس خارجی کو قتل کر دیا۔ بیرونی محاذ پر الہادی کے زمانے میں بھی بازنطینیوں سے جنگ جاری رہی۔ رومیوں نے شروع میں اسلامی قلمرو کے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا مگر انہیں یہاں سے بھگا دیا گیا۔

ہادی کے آغاز حکمرانی میں حکومت کی نگران ملکہ خیزران تھی ہادی کو یہ بات بُری طرح کھٹکتی تھی۔ ایک دن اس نے ماں کو سختی سے منع کیا کہ وہ امور مملکت میں دخل نہ دے ورنہ قتل کر دی جائے گی۔ ہادی کو اپنے بھائی ہارون سے بھی عداوت تھی وہ چاہتا تھا کہ ہارون اس کے بیٹے جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے۔ یحییٰ بن خالد نے بہانے سے ہارون کو بغداد سے باہر بھجوا دیا تا کہ ہادی اسے دستبرداری پر مجبور نہ کر دے۔ اس پر ہادی نے یحییٰ کو قید کر دیا۔ ہادی اس واقعے کے بعد بلاد موصل کی طرف گیا مگر بیمار پڑ جانے کی وجہ سے واپس بغداد آ گیا۔ واپسی پر اس نے ہارون کو قتل کروانا چاہا' اسی رات وہ اپنے محل میں مردہ پایا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی ماں ملکہ خیزران نے کنیزوں سے اسے دم گھونٹ کر مروا دیا تھا۔ ہادی کی وفات کا دن 14 ربیع الاول 170ھ تھا۔ اس کی خلافت صرف ایک سال دو ماہ اور بائیس دن رہی۔

ماخذ: تاریخ مسعودی جلد سوم صفحہ 392۔ تاریخ ملت جلد دوم صفحہ 167۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21

785ء۔حجاز میں علویوں کی ایک اور بغاوت

خلیفہ الہادی عباسی کے عہد کا اہم واقعہ مدینہ میں ایک علوی حسین بن علی کا خروج تھا۔ وہ صاحب فخ کہلاتے تھے۔ عباسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے انہوں نے جون 786ء ذوالحجہ 169ھ میں شہادت فخ کے مقام پر پائی۔ ان کے والد کا نام علی العابد الخیر تھا۔ جو اپنے زہد واتقا اور بلند پایہ خیالات کے لیے مشہور تھے اور عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسن بن علی بن ابی طالب اور انکے رشتہ داروں کی اس جماعت کی قسمت میں شریک ہونا چاہتے تھے جنہیں خلیفہ المنصور نے پہلے مدینہ میں ایک ''دار'' میں (758ء140ھ) اور بعدازاں کوفہ کے ایک خوفناک قید خانہ میں قید کیا تھا۔ کیونکہ وہ بجا طور عبداللہ کے بیٹوں محمد المعروف بہ النفس الزکیہ اور ابراہیم کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ قید خانے میں اپنے تقویٰ اور صبر کی وجہ سے یہ علی العابد کے نام سے مشہور ہو گئے تھے انہوں نے 146ھ 763ء میں وفات پائی۔

الحسین بن علی کی والدہ زینب بھی بہت متقی اور پرہیز گار تھیں اور عبداللہ بن حسن المثنیٰ کی صاحبزادی تھیں۔ لہٰذا حسین بن علی کی پرورش انتہائی زہد وتقویٰ کے ساتھ اور بنو عباس سے خفیہ طور پر سخت نفرت کے ماحول میں ہوئی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ خلیفہ مہدی کے ساتھ ان کے تعلقات دوستانہ تھے اور وہ انہیں مالی عطیات بھی دیتا رہا مگر جس بغاوت کی انہوں نے قیادت کی اس کی فوراً محرکات میں عباسی گورنر مدینہ کے ایک نائب کا وہ اہانت آمیز سلوک تھا جو اس نے شہر کے بنو طالب کے ساتھ روا رکھا تھا۔ ان دنوں حاکم مدینہ اسحاق بن عیسیٰ بغداد میں دربار خلافت میں حاضری کے لیے گیا ہوا تھا۔ چونکہ خلیفہ الہادی ابھی حال ہی میں تخت نشین ہوا تھا اور عبدالعزیز اس کا نائب حکومت کر رہا تھا ذوالقعد 169ھ کے نصف اول کی ایک صبح کو پو پھٹتے ہی چھبیس علویوں اور ان کے بہت سے ساتھیوں نے مسجد نبوی (ﷺ) پر قبضہ کر لیا اور موذن کو کہا کہ وہ اذان فجر میں ''حیّ علی خیر العمل'' کہے۔ عبدالعزیز سمجھ گیا کہ بغاوت شروع ہو گئی۔ اس لیے وہ روپوش ہو گیا۔ الحسین نے نماز فجر کے بعد ایک تقریر کی اور لوگوں سے بیعت لی۔ دو علویوں نے ان کی تائید سے انکار کیا۔ ان میں سے ایک موسیٰ بن جعفر الحسینی الکاظم تھے جنہیں اثنا عشریہ کا ساتواں امام تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے والد امام جعفر صادقؒ نے بھی نفس ذکیہ کی بیعت سے انکار کیا تھا۔

حاکم مدینہ کے دو سو سپاہیوں نے مسجد پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہا مگر ناکام رہے۔ پھر علوی مسجد میں

گیارہ دن تک بند رہے آخر الحسین نے باہر نکل کر عباسیوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا اور مکہ کی طرف بڑھے۔ مقام الفخ پر سفید کپڑوں میں ملبوس علویوں اور سیاہ کپڑوں میں ملبوس عباسیوں میں جنگ ہوئی جس میں الحسین بن علی نے شہادت پائی۔

ماخذ: الطبری جلد ہفتم۔ دائرہ المعارف جلد 8

786ء۔ ہارون الرشید تخت خلافت پر

14 ربیع الاول 170ھ ستمبر 786ء کو عباسی خلیفہ الہادی نے پرسرار حالت میں وفات پائی۔ کہتے ہیں اسے سوتے میں منہ پر تکیہ رکھ کر قتل کر دیا گیا تھا پھر اسی رات ہارون الرشید اس کی قید سے رہا ہوا اور اسی رات اس کی خلافت پر بیعت لی گئی۔ یہ رات خلاف عباسیہ کی تاریخ میں عجیب رات تھی۔ ایک عباسی خلیفہ کا انتقال ہوا' ایک عباسی خلیفہ تخت پر بیٹھا اور تیسرا عباسی خلیفہ یعنی مامون الرشید اس رات پیدا ہوا۔

ہارون الرشید تخت خلافت پر بیٹھا تو اس کی عمر 22 سال تھی۔ اس نے تخت نشینی کے پہلے ہی سال حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ حرمین کے باشندوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا اور ان علویوں کو جو بغداد میں قید تھے رہا کر دیا۔ انہیں حجاز جانے کی اجازت دے دی اور دربار خلافت سے ان کے لیے گراں قدر وظائف مقرر کئے۔ ان علویوں میں سے بعض پس پردہ چلے گئے۔ ادریس نامی علوی شمالی افریقہ چلے گئے جہاں بربر قبائل نے ان کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت کی۔ یحییٰ بن عبداللہ نے مشرق کی طرف دیلم میں خروج کیا' لیکن بعد ازاں فضل بن یحییٰ برمکی کی ترغیب پر اس نے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ ہارون الرشید نے ان کا اعزاز و اکرام تو کیا مگر عوام میں ان کی غیر معمولی مقبولیت اور علویوں کی دوبارہ شورش سے خائف ہو کر انہیں جیل میں ڈال دیا اور جیل ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ہارون الرشید کا عہد اور اس کی شخصیت الف لیلہ کی داستانوں اور الاغانی کی حکایتوں کے انبار میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگرچہ وہ رنگین مزاج اور موسیقی کا دلدادہ تھا لیکن دوسری طرف پابند شریعت اور علم پرور بھی تھا۔ اس نے کئی حج کئے' وہ مشہور صوفی فضیل بن عیاض اور ممتاز زاہد ابن السماک سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور ان کی نصیحتوں کو شوق سے سنتا تھا۔ الرشید کے عہد میں بغداد

دنیا کا شہر اول بن گیا تھا جہاں دنیا کے کونے کونے سے ارباب علم وفن کھنچے چلے آتے تھے۔ بغداد کی ثقافت وتہذیب اگرچہ عربی تھی مگر اس میں ایران، ہندوستان، یونان اور روم کے تمدنوں کا حسین امتزاج موجود تھا۔

بغداد میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھیں جشن نوروز اگرچہ ایرانی تہوار تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ عوامی تہوار بن گیا۔ عیسائیوں کے تہوار بھی بڑی شان وشوکت سے منائے جاتے تھے۔ خوشحالی، فارغ البالی، عیش کوشی اور لذت طلبی نے بغداد کے معاشرے میں بہت سے مفاسد بھی پیدا کر دیئے تھے۔ غلاموں، کنیزوں، گویوں اور ارباب نشاط کی کثرت نے یہاں کے شہریوں کا مزاج بگاڑ دیا تھا۔ لیکن اسی عشرت کدہ میں اللہ کے کچھ مجاہد بندے بھی تھے جنہوں نے شہر کے ہنگاموں اور زندگی کی ساری دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو اسلام کی نشر واشاعت اور خلق خدا کی ہدایت ورہنمائی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

ان بندگان عالی میں حضرت سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض کے نام اور کام بہت روشن ہیں۔ امام مالک نے بھی ہارون الرشید کا عہد پایا۔ 174ھ میں الرشید اپنے دونوں شہزادوں امین اور مامون کو لے کر حجاز حج کرنے گیا اور امام مالک کی مجلس درس میں حاضر ہو کر حدیث سماعت کی۔ امام مالک نے ہارون الرشید کے نام ایک رسالہ بھی لکھا تھا جس میں اس کو نصیحتیں کی تھیں اور آداب سخن کی تعلیم دی تھی۔ ہارون الرشید کو علوم دینیہ واسلامیہ کے علاوہ دیگر اقوام عالم کے علوم وفنون سے بھی دلچسپی تھی۔ اس نے یونانی اور فارسی کتابوں کے ترجمے کرنے کے لیے بیت الحکمت قائم کیا تھا۔ اس کا سربراہ ایک سریانی عالم یوحنا بن ماسویہ تھا۔ اسے قدیم طب کی کتب عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ہارون الرشید نے بیت الحکمت کے لیے مستقل عملہ فراہم کیا جس میں اس زمانے کے بہترین عالم اور زبان دان شامل تھے۔ انہیں علما میں فضیل بن نوبخت فارسی کا مترجم تھا۔ اسی زمانے میں توریت اور انجیل کے عربی تراجم بھی ہوئے۔

ہارون الرشید کے عہد میں بازنطینیوں سے رزم وپیکار کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس سلسلے کا اہم معرکہ ایشیائے کوچک پر حملہ تھا۔ قسطنطنیہ کی ملکہ آئرین Irene ہارون کی شہزادگی کے زمانے سے اسلامی حکومت کو خراج کی ایک بڑی رقم ادا کیا کرتی تھی۔ رومیوں نے اسے معزول کر کے فوج کے کمانڈر نقفور Nicephorus کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی خراج کی ادائیگی بند کر دی اور ہارون الرشید کو تہدید آمیز خط لکھا کہ وہ ادا شدہ خراج کی رقم واپس کرے

ورنہ اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔ یہ خط پڑھ کر ہارون کو بہت غصہ آیا اور اس نے نقفور کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ یہ خط و کتابت آج بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔ خط کا جواب دے کر ہارون جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا لیکن ابھی اس کی جنگی تیاریاں مکمل نہ ہوئیں تھیں کہ رومیوں نے اسلامی سلطنت کی حدود میں گھس کر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل اور گرفتار کر لیا۔ اسلامی فوجیں جوش انتقام میں بلاد روم میں بڑھتی ہوئیں قلعوں پر قلعے فتح کرتی چلی گئیں اور شہر ہرقلہ تک کو فتح کر لیا۔ اب نقفور میں مقابلے کی طاقت نہ رہی اور اس نے ہر سال باقاعدگی سے خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا مگر ہارون کے سرحد سے لوٹتے ہی اس نے اپنا وعدہ توڑ ڈالا اور مسلم آبادیوں کو جی بھر کر لوٹا اور قتل و غارت مچائی۔ ہارون راستے ہی سے پلٹا اور انتہائی سخت مقابلے کے بعد نقفور کو شکست دی۔ آخر کار اس نے تین لاکھ دینار تاوان اور سال بہ سال خراج ادا کرنے کا دوبارہ عہد کر کے صلح کر لی۔ ہارون کے زمانے میں آل برامکہ کو شدید عروج و زوال نصیب ہوا۔ برامکہ کے زوال کے صرف چھ سال بعد خود ہارون نے بھی جمادی الثانی 193ھ میں وفات پائی۔

بعض مورخین ہارون الرشید کے آل برمک کے ساتھ سلوک کو ناروا کہتے ہیں۔ یحییٰ برمکی اور اس کے بیٹوں نے نا صرف خلافت عباسیہ میں امور حکومت تندہی سے انجام دیئے تھے بلکہ خلیفہ کے خاندان کے ساتھ ان کے دیرینہ اور گہرے مراسم بھی تھے خود ہارون کے لڑکپن سے یحییٰ نے اس کی تربیت کی تھی۔ فضل اس کا دودھ شریک بھائی تھا اور جعفر برمکی اس کا قریب ترین ساتھی۔ خلیفہ کے ساتھ جعفر کے تعلقات بہت گہرے تھے جن کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ کہتے ہیں ایک دن ہارون کھڑا دریائے دجلہ کے اس پار یحییٰ کا پرشکوہ محل دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک دم چلایا ''یوں لگتا ہے کہ یحییٰ نے میری اجازت کے بغیر تمام کاروبار سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے' اصل میں وہی خلیفہ ہے میں نہیں ہوں۔''

شاید اسی بات نے اسے آل برمک سے متنفر کر دیا لیکن اس واقعہ کے پیچھے مورخین لکھتے ہیں کہ شاید کوئی اور ناراضگی بھی موجود تھی۔ زوال برامکہ کے آغاز میں ہارون نے سب سے پہلے اپنے قریبی ساتھی جعفر کو قتل کروایا۔ یہ قتل مسرور نے اس کے حکم پر اس وقت کیا جب ایک دن خلیفہ نماز پڑھ رہا تھا اس کا سر کاٹ کر خلیفہ کو پیش کیا گیا۔ عین اسی لمحے خلیفہ نے جعفر کے کٹے ہوئے سر کو بتایا کہ اُس سے کیا کیا قصور سرزد ہوئے ہیں۔ لیکن اب وہ شاید خلیفہ کو جواب دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے قتل کی اہم ترین وجہ ہارون کی سوتیلی بہن شہزادی عباسہ تھی

جس سے اسے بے حد محبت تھی۔ ایک افسانے کے مطابق جسے اکثر مورخین نے اوراق کی زینت بنایا ہے جب ہارون اور جعفر مے نوشی کرنے بیٹھتے تو خلیفہ کی خواہش ہوتی کہ عباسہ ان کے پاس موجود ہو لیکن اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ ایک نامحرم کے سامنے نہیں آ سکتی تھی۔ ہارون نے اس مسئلہ کا یہ حل نکالا کہ دونوں کا نکاح پڑھوا دیا کہ جعفر عباسہ سے نامحرم نہ رہے لیکن جعفر پر ساتھ ہی یہ بات واضح کر دی گئی کہ یہ محض نام کی شادی ہے کیونکہ ایک عام آدمی کو خلیفہ بنو ہاشم کا اس قدر قریبی عزیز نہیں بنایا جا سکتا تھا مگر بدقسمتی سے شہزادی کو جعفر سے محبت ہو گئی۔ وہ ہر شب بمعہ کو ایک کنیز کے روپ میں جعفر سے ملتی۔ جعفر شہزادی کے اس طرح ملنے کی وجہ سے خوفزدہ تھا اور ڈرتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ کہتے ہیں ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں ان کے ہاں دو بیٹے بھی پیدا ہوئے جنہیں مکہ بھجوا دیا گیا۔ پھر جعفر کے قتل کے بعد ان دونوں بچوں اور عباسہ کو بھی قتل کروا دیا گیا۔

اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ہارون الرشید طوس میں ایک بغاوت فرو کرنے گیا ہوا تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ عارضہ کینسر میں مبتلا تھا۔ قیام کے دوران اس کی حالت بگڑ گئی اور عین جب باغی سردار کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا گیا تو ہارون نے آخری حکم اس کے قتل کا صادر کیا۔

788ء۔ ہشام اول' امیر اندلس بنا

ہشام اول امیر عبدالرحمٰن الداخل کا بیٹا اور قرطبہ کا دوسرا اموی امیر تھا (172ھ 788ء تا 180ھ 796ء) اگرچہ وہ اپنے مستعد اور ہوشیار باپ کے مقابلے میں رحم دل' منصف مزاج اور متقی تھا' تاہم وہ اپنے باغی بھائیوں کے مقابلے میں اپنی امارت قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔

اس عہد میں ایک بار لشکر اسلام نے مسیحی ممالک میں شمال کی جانب پیش قدمی کی' بلکہ جنوبی فرانس میں استورگا Aszorga' اوویدو Oviedo' جرونہ Gerona اور ناربون Narbonne تک جا پہنچا۔ سب سے پہلے اسی اموی امیر نے اپنے مدنی ہم عصر امام مالک کے مسلک کو اندلس میں پھیلایا۔ اسی امیر نے قرطبہ کی جامع کبیر کو جس کی ابتدا اس کے باپ نے کی تھی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ دریائے وادی الکبیر پر تعمیر شدہ پل القنطرہ جو خستہ حال ہو چکا تھا مرمت کرائی۔

ہشام اول کا دربار علماء فضلا اور مدبران وقت اور صاحبان کمال لوگوں سے معمور تھا۔ اس کے بعض درباری علماء فقہا حج کے لیے مکہ و حجاز گئے۔ یہی حضرات حضرت امام مالک سے فیضیاب ہوئے اور وہاں سے واپسی پر مالکی مذہب کی اشاعت ان لوگوں نے اندلس میں کی۔ ہشام کی فیاضی اور عدل گستری کی مثالوں سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔ اس نے اپنی بیدار مغزی اور دانش مندی سے سلطنت کو ایسے مستحکم اصولوں پر قائم کیا کہ اگر ان اصولوں کی پابندی اس کے جانشین کرتے تو آج بھی مغربی یورپ پر مسلمانوں کی حکومت ہوتی۔

ہشام بڑا مذہبی انسان تھا اپنے بزرگ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے طریقہ کا بہت لحاظ رکھتا تھا۔ نیک کاموں میں زیادہ مصروف رہتا۔ نہایت سادہ لباس پہنتا اور قرطبہ کے گلی کوچوں کا گشت کرتا۔ بیماروں کی عیادت کو جاتا اور مفلسوں کی مدد کو پہنچتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ قرطبہ میں بارش ہو رہی ہے اور وہ زیادہ رات گئے قصر امارت سے چپکے سے نکل جاتا۔ کسی غریب کو کھانا پہنچاتا کسی بیمار کی عیادت میں ساری رات بیٹھا رہتا اور صبح ہوتے ہی محل کو لوٹ آتا۔

ہشام نے سات سال آٹھ ماہ حکومت کی۔ 180ھ 796ء میں اس کا انتقال صرف 47 سال کی عمر میں ہوگیا۔ اس کے بیٹے الحکم نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد وہ اس کا جانشین ہوا۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد اول صفحہ 763

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 23 صفحات 152

790ء۔ الفزاری نے ''زیج علیٰ سنین عرب'' مرتب کی

فزاری نے 790ء کے لگ بھگ ''زیج علیٰ سنین العرب'' مرتب کی اس زیج میں الفزاری نے ایک سے لے کر ساٹھ سورا Soural دنوں کے لیے ایک تا چھ سورا دنوں کے لیے (چھ سورا دن ایک فلکی سال کے برابر ہوتے ہیں) ایک سے لے کر ساٹھ فلکی سالوں کے لیے اور ساٹھ سال کی مدت کی نامعلوم تعداد کے لیے سیاروں کی اوسط حرکت کو بڑے واضح انداز میں ترتیب دیا۔ الفزاری نے اس زیج میں کلکپ اہرگنس کو ہجری تاریخوں میں بدلنے کے لیے جدول بھی شامل کیے۔ جدولوں کے اس مجموعے میں سے مجرد جدولوں کی نقول اب بھی موجود ہیں جن کی مدد سے ہر عربی سال اور مہینے کے پہلے دن کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں اس زیج سے دنیا کے

ممالک اوران کے ابعاد کی ایک فہرست بھی ملتی ہے جسے الفزاری نے مرتب کیا تھا۔ان ابعاد میں دنیا کے اصل رقبے کو اس کے موجودہ محیط (جو الفزاری نے اپنی زیج سندالکبیر میں پیش کیا ہے) سے کہیں زیادہ تصور کیا گیا ہے۔محمد بن الفزاری کے حالات زندگی کے متعلق اگرچہ ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں مگر وہ پہلا اسلامی ماہر فلکیات تھا جو آٹھویں صدی کے نصف میں بقید حیات تھا۔

الفزاری کا سلسلہ نسب عرب کے ایک قدیم خاندان سے تھا جو کافی پہلے کوفہ میں آ کر آباد ہو چکا تھا یاقوت نے اس کا سلسلہ ستائیس پشتوں تک دیا ہے۔الفزاری کا نام ہمیں سب سے پہلے بغداد شہر کی تعمیر کے زائچوں کے سلسلے میں منظر عام پر آتا ہے جب اس نے خلیفہ المنصور کے حکم پر نوبخت، ماشاءاللہ اور عمر بن الفرخان طبری کے ساتھ مل کر کام کیا۔اس کے بعد بھی وہ دربار خلافت سے وابستہ رہا۔ 771ء کے لگ بھگ سندھ، ہندوستان سے ایک وفد نے بغداد کا دورہ کیا جس میں ایک ہندوستانی ہیئت دان بھی شامل تھا۔خلیفہ المنصور نے الفزاری کو اس ہندوستانی کے ساتھ مل کر سنسکرت کی ایک کتاب کو جو علم ہیئت سے تعلق رکھتی تھی ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔اس کام میں اس ہندوستانی ہیئت دان کی معاونت یعقوب بن طارق نے بھی کی۔فلکیات کی اس سنسکرت کتاب کا نام ''مہا۔سدہانت'' تھا اور اس کا تعلق ''برہما پکش'' سے تھا اس کے علاوہ اس ہندوستانی ہیئت دان نے آریہ بھٹ اول کی تصنیف ''آریہ بھٹیا'' کے متعلق بھی معلومات عربی میں ترجمہ کرائیں۔

سنسکرت کے اس مسودے کو عربی میں ''زیج السند ہند'' کا نام دیا گیا۔اس ترجمے سے اسلامی فلکیات میں ایک عظیم روایت کی ابتدا ہوئی جس کے اثرات مشرق میں دسویں صدی عیسوی کے آغاز تک اور اندلس میں بارہویں صدی عیسوی تک موجود رہے۔اسلامی دنیا میں الفرازی ہی نے پہلے مستوی اصطرلاب بنایا تھا اور ہندوستانی فلکیات کو اسلامی علوم میں شامل کیا تھا۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ۔معروف مسلم سائنسدان اردو سائنس بورڈ

788-90ء۔افریقہ میں آل ادریس کی حکومت قائم ہوئی

ادریس اول بن عبداللہ بن عبداللہ بن الحسن المغرب (افریقہ) میں آل ادریس کا علوی بانی تھا۔اس نے عباسی خلیفہ موسیٰ الہادی کے خلاف مدینہ میں علویوں کے خروج میں حصہ لیا اور جب 3 ذوالحجہ 169ھ 11 جون 786ء کو اس کا بھتیجا الحسین ابن علی بن الحسن مکہ کے قریب مقام فخ کے میدان میں جہاں اس نے خود بھی جنگ میں شرکت کی تھی، شکست کھا کر

شہید ہو گیا تو وہ کچھ مدت تک روپوش رہا لیکن بعد اپنے ایک وفادار خادم راشد کے ساتھ مصر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور وہاں کے پوسٹ ماسٹر جنرل (صاحب برید) کی مدد سے وہاں سے المغرب کی طرف بچ نکلا۔ یہاں بربر قبیلوں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ایک بربر سردار اسحٰق بن محمد کی تحریک پر 4 رمضان 172ھ کو اور بہ نامی بربر قبیلے نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی بعد ازاں اور بربر قبیلوں نے بھی جو مراکش کے شمالی حصے میں آباد تھے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ادریس اول نے صرف امام کا لقب اختیار اور البکری کے مطابق انہوں نے اسحٰق بن محمد کی معتزلی تعلیمات بھی قبول کر لیں۔ پھر اس نے یہودیوں' نصرانیوں اور کفار قبیلوں پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست دی۔ اس کے بعد 174ھ 790ء میں انہوں نے مشرق میں شہر تلمسان پر قبضہ کر کے آل ادریس کی حکومت قائم کی۔ تلمسان کے خود مختار حاکم محمد بن خابر بن سولت نے انہیں امام برحق تسلیم کر لیا۔ ادریس اول کچھ عرصہ تلمسان میں مقیم رہا اور یہاں اس نے ماہ صفر 174ھ میں ایک مسجد تعمیر کی جس کے منبر پر ان کا نام کندہ تھا یہ منبر ابن خلدون کے زمانے تک موجود تھا۔ اپنے دارالحکومت ولیلا Volubilis میں واپسی کے بعد ادریس اول زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا۔ کہتے ہیں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی انگیخت پر ایک شخص سلیمان الشماخ نے یکم ربیع الثانی 177ھ 16 جولائی 793ء کو انہیں زہر دے کر شہید کر دیا۔ بعض مورخین نے اس قتل کے متعلق جن جزئیات کا ذکر کیا ہے ان کے مطابق الشماخ نے تربوز کے ٹکڑے' انگور کے دانے یا منجن میں زہر ملا کر انہیں پیش کیا۔

ادریس اول میں حکمرانی کی صلاحیتیں موجود تھیں جن کی وجہ سے اس نے بہت کم عرصہ میں آل ادریسیہ کی حکومت کو المغرب میں استحکام بخشا تھا۔ ادریس کے مرنے کے بعد بربروں نے مجتمع ہو کر اس کے بیٹے کی جانشینی کا اعلان کیا۔ یہ بھی ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔ اس کی پیدائش کے بعد اس کے وفادار خادم راشد نے اس کے جوان ہونے تک اس کی نگرانی کی مگر اسے بھی اس کے آقا کی طرح ہلاک کر دیا گیا لیکن اس کی جگہ بہلول نامی ایک بربر نے لے لی' بہر حال اس قسم کی سازشوں کا سدباب کرنے کے لیے گیارہ سالہ ادریس ثانی کو تخت نشین کر دیا گیا۔

796ء۔ الحکم اول امارت قرطبہ پر

الحکم بن ہشام تاریخ اندلس کا تیسرا اموی امیر الحکم الاول کہلاتا ہے ہشام نے اپنے بڑے بیٹے عبدالملک کی بجائے الحکم کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔ چنانچہ باپ کی وفات کے بعد 180ھ 796ء میں اس کی بیعت لی گئی۔ اس کے چچا سلیمان اور عبداللہ اس کے خلاف ہو گئے۔ عبداللہ عیسائی حکمران شارلیمان سے بات چیت کرنے کے لیے ایکسی لاشیپل Aix-La-Chapelle گیا۔ سلیمان نے 798ء میں قرطبہ پر حملہ کر دیا لیکن اسے شکست ہوئی۔ الحکم اول کا پورا عہد ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں گزرا جو طلیطلہ، سرقسطہ اور ساردہ کی سرحدوں پر متواتر ہوتی رہیں۔ الحکم الاول کی تخت نشینی کے دوسرے سال ہی طلیطلہ میں ایک بغاوت ہوئی جس میں زیادہ تر مولدون شامل تھے الحکم نے بڑی دانشمندی سے کام لیتے ہوئے مولا عمروس کو اپنا مقرب بنا لیا اور اس بغاوت کو فرو کرنے کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ سرحدی بغاوتوں کے ساتھ ساتھ خود دارالحکومت قرطبہ میں بھی بغاوتیں رونما ہوئیں۔ 805ء189ھ میں حکم اول کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن قاسم کو تخت نشین کرنے کی سازش کی گئی جس کے نتیجے میں 72 قرطبی امراء کو پھانسی کی سزا دی گئی اور ان کی لاشیں دریائے وادی الکبیر کے دائیں کنارے پر ڈال دی گئیں۔ 818ء202ھ میں قرطبہ کی ایک نواحی بستی میں بغاوت ہوئی جسے سختی سے کچل دیا گیا۔

الحکم اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا کہ بیرونی محاذ پر عیسائیوں نے اس کے داخلی حالات سے فائدہ اٹھا کر برشلونہ پر قبضہ کر لیا۔ الحکم نے اپنے بھائی محمد بن ہشام کو عیسائیوں کے مقابلے پر بھیجا جس نے ارغون کے مقام پر شکست کھائی۔ لیکن الحکم کے حاجب عبدالکریم بن عبدالواحد نے وادی ارون میں الفانسو دوم کو شکست دی۔

809ء میں شارلیمان کے بیٹے لوئی نے طرطوشہ پر چڑھائی کر دی۔ الحکم نے اس کے مقابلے میں اپنے بیٹے کو بھیجا۔ دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ عیسائی حکمران وقتاً فوقتاً اسلامی سرحدوں پر لوٹ مار کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان خاتون نے الحکم سے غائبانہ استمداد کی جسے شاعر عباس بن ناصح نے سن کر الحکم کو بتایا۔ الحکم نے سرحدی مسلمانوں کی حالت زار دیکھتے ہوئے 194ھ میں سرحدوں پر یلغار کی اور کئی قلعے فتح کر لیے اور مسلمانوں کو تقویت پہنچائی۔

اپنے بیٹے عبدالرحمٰن ثانی کو اپنا جانشین قرار دینے کے صرف دو ہفتے بعد الحکم نے ذوالحجہ 206ھ مئی 822ء میں وفات پائی۔

الحکم اول اندلس کا بڑا صاحب عزیمت وبصیرت اور مدبر فرمانروا تھا۔ وہ پہلا اندلسی حکمران تھا جس نے باقاعدہ تنخواہ دار فوج رکھی اور اسے سامان حرب سے لیس کیا۔ عدل وانصاف کی طرف توجہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے قاضی مصعب بن عمران کو عدل وانصاف کی وجہ سے اپنے آپ اور اپنی اولاد پر ترجیح دیتا تھا۔ الحکم ایک بلند پایہ اور فصیح وبلیغ شاعر بھی تھا۔

ماخذ: تاریخ ہسپانیہ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8 صفحہ 455

799ء۔ وفات حضرت موسیٰ کاظمؒ

25 رجب 183ھ 799ء کو بغداد میں امام موسیٰ الکاظمؒ نے وفات پائی۔ مشہور شیعی روایات کے مطابق انہیں خلیفہ ہارون الرشید کے حکم پر زہر دیا گیا تھا۔ جعفر بن منصور نے شاہانہ اہتمام کے ساتھ امام کا جنازہ اٹھایا اور بغداد کے مقبرہ القریش میں سپرد لحد کیا۔ ان کے مزار پر جو شاندار مقبرہ تعمیر ہوا اسے کاظمین کہا جاتا ہے اور دنیا بھر سے شیعی اور غیر شیعی زائر اس کی حاضری کے لیے بغداد پہنچتے ہیں۔

امام موسیٰ الکاظمؒ بن امام جعفر الصادقؒ اثنا عشریہ کے ساتویں امام اور اپنے وقت کے ایک نامور عالم وفاضل بزرگ تھے۔ 7 صفر 128ھ 745ء کو سفر حج سے واپسی پر مقام ابواء میں ان کی ولادت ہوئی۔ ان کا نام موسیٰ اور کنیت ابوالحسن اور لقب کاظم تھا۔ امام موسیٰ کاظمؒ بچپن ہی سے دلکش شخصیت کے مالک تھے۔ امام ابوحنیفہ نے جو امام جعفر صادقؒ کے شاگرد تھے' انہیں بچپن کے زمانے میں دیکھا اور بہت متاثر ہوئے' انہوں نے اپنے والد گرامی قدر اور دیگر علما سے دینی علوم حاصل کیے اور بڑا رتبہ پایا۔

حصول تعلیم کے بعد آپ نے اپنے والد کی جگہ مسند علم کو زینت بخشی۔ لوگوں میں بہت جلد ان کے درس وتدریس کی شہرت ہوگئی۔ ان سے فقہا اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اکتساب علم کیا۔ ان کے ایک سوانح نگار الرجال میں ان کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ امام موسیٰ کاظمؒ ایسے وقت میں پیدا ہوئے تھے جب بنوامیہ کی بساط اقتدار اُلٹ رہی تھی اور بنوعباس

نے اقتدار سنبھالتے ہی علوی سادات کرام پر سختیاں شروع کر دیں تھیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ کو بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ عباسی خلیفہ المہدی نے انہیں بغداد طلب کر کے کچھ عرصہ بغداد میں ٹھہرنے کے بعد مدینہ منورہ واپس جانے کی اجازت دی تھی۔

ہارون الرشید شروع میں امام کاظمؑ کا عقیدت مند تھا مگر جب اسے یہ جھوٹی اطلاع پہنچی کہ لوگ ان کی بیعت کر رہے ہیں تو وہ ان کا مخالف ہو گیا اور 795ء میں حج کے موقع پر امام موسیٰ کاظمؑ کو گرفتار کر کے بصرہ لے گیا اور وہاں آپ کو قید کر دیا۔ دوران سفر امام موسیٰؑ نے ایک وصیتی خط کے ذریعے اپنے بعد امام رضاؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

بعد میں جب امام صاحب کی طرف رجوع عام شروع ہوا تو ہارون نے آپ کو بغداد منتقل کر دیا اور فضل بن ربیع کو آپ کا نگران مقرر کیا۔ بعد ازاں قید کو نظر بندی میں تبدیل کر دیا۔ اس حالت میں بھی آپ سے استفادہ اور فیضان کا سلسلہ جاری رہا۔ امام صاحب نے 25 رجب 183ھ 799ء کو وفات پائی۔ امام موسیٰ کاظمؑ سادہ طبیعت اور سخی دل انسان تھے۔ مدینہ میں آپ کی سخاوت کی تھیلیاں مشہور تھیں۔ آپ سائل کو اس کے سوال سے مستغنی کر دیتے تھے۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21 صفحہ 811

800ء۔ دولت بنی اغلب کی تاسیس

بنو اغلب ایک مسلمان حکمران خاندان تھا وہ تیسری صدی ہجری نوی صدی عیسوی میں تقریباً ایک سو سال تک بنو عباس کے نام پر افریقیہ پر حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کا دارالحکومت القیروان تھا۔

بنی اغلب کا مورث اعلیٰ ابراہیم بن اغلب 184ھ 800ء میں افریقیہ کا عباسی عامل مقرر ہوا۔ افریقیہ اموی عہد سے ایک الگ تھلگ صوبہ چلا آتا تھا۔ اس صوبے سے 172ھ 788ء میں مراکش نے آل ادریس کے ماتحت علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ڈر تھا کہ کہیں اس کے دوسرے حصے بھی الگ ہوتے نہ چلے جائیں اسی وجہ سے ضرورت تھی کہ یہاں کوئی مستحکم حکومت قائم ہو۔ عباسیوں کو مشرق سے تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ خراسان ان کی دعوت کا مرکز تھا۔ لیکن مصر اور افریقیہ

سے انہیں کوئی خاص تائید حاصل نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا اس امر کے پیش نظر کہ مغرب میں سلطنت مزید انتشار سے محفوظ رہے ہارون الرشید نے افریقیہ کے بارے میں ایک نیا اور جرات مندانہ قدم اٹھایا۔ اس نے ابراہیم بن اغلب کو دعوت دی کہ وہ افریقیہ کی حکومت سنبھال لے چنانچہ اس نے طے پایا کہ افریقیہ کو اندرونی طور پر آزادی حاصل ہوگی مگر اسے چالیس ہزار درہم سالانہ مرکزی حکومت کو ادا کرنا پڑے گا۔ افریقیہ کا نظم ونسق کاملاً اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے بعد اپنے بھائی اور بیٹے کو اپنی جانشینی منتقل کرنے کا اختیار بھی رکھتا تھا۔ بہرحال اندرونی طور پر خودمختار صوبوں کا یہ پہلا تجربہ تھا جو عباسی حکومت نے کیا اور جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوا کہ یہ کامیاب رہا۔

افریقیہ کے حالات جو شکل اختیار کر چکے تھے ابراہیم بن اغلب کو 800ء سے 812ء تک فتنہ وفساد کو فرو کرنا پڑا۔ اغلبی مملکت میں اس وقت خارجیت کا تسلط تھا۔ ادھر قبائلیہ خرد کی شعیت سی وابستگی آگے چل کر اس خاندان کے زوال کا باعث بننے والی تھی۔ ابراہیم نے بغاوتوں کے خطرے سے بچنے کے لیے قصر قدیم تعمیر کروایا جو قیروان سے دو میل جنوب کی طرف تھا مگر بغاوتوں کا سلسلہ پھر بھی چلتا رہا۔ تیسرے اغلبی امیر ابومحمد زیادۃ اللہ 201ھ 817ء تا 223ھ 838ء کے عہد حکومت میں بھی ایک سنگین عرب بغاوت رونما ہوئی جس کا محرک منصور بن نصر تھا۔ باغیوں نے ماسوا قابس کے تمام افریقیہ پر قبضہ کرلیا مگر زیادۃ اللہ نے الجرید بربروں کی مدد سے اپنا اقتدار دوبارہ حاصل کرلیا۔ اغالبہ کے عہد کا بڑا کارنامہ جزیرہ صقلیہ کی فتح ہے جس سے جنوبی اٹلی پر یلغار کا راستہ کھل گیا۔ دراصل صقلیہ پر یلغار تو امیر معاویہ کے عہد میں شروع ہوگئی تھی مگر عربوں کو اب تک وہاں کامیابی سے قدم جمانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اغالبہ فن تعمیر کے بڑے شوقین تھے۔ زیادۃ اللہ کے جانشین ابوعقال الاغلب کے عہد 837ء تا 840ء میں بھی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور بھی کئی عمارات ان کی یادگار ہیں۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد دوم صفحہ 757۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ جلد 2 صفحہ 891

800ء۔ جابر ابن حیان اور الکیمیا

اولین دور کے عربی علم الکیمیا کے ممتاز نمائندوں میں ایک نمایاں نام جابر ابن حیان کا ہے وہ 737ء سے 813ء تک بقید حیات تھے۔ جابر کا باپ حیان کوفہ کا ایک دوا فروش تھا۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں ایک شیعی نمائندے کی حیثیت سے وہ خراسان چلا گیا۔

جابر ابن حیان غالباً 731ء یا 737ء میں طوس یا خراسان میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ جلد ہی حکومت وقت سے بغاوت کی پاداش میں قید و قتل کر دیا گیا' جابر اس وقت کم سن تھا' خراسان میں اس کا کوئی نہ تھا لہٰذا جب جوان ہوا تو یہ خاندان واپس کوفہ آ گیا۔ اس زمانے میں کوفہ علم کا گہوارہ تھا۔ پھر حصول علم جابر کا شوق ہی نہیں مقصد حیات بن گیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جب اس نے اپنے اردگرد کے لوگوں پر نظر ڈالی تو لوگوں کو عام دھاتوں کو سونے میں بدلنے کے خبط میں غلطاں پایا۔ ماحول کے اثر سے خود جابر بھی اسی راستے پر چل نکلا۔ اس طرح اس پر کیمیائی تجربات کی راہ کھل گئی۔ اگرچہ وہ سونا تو کبھی نہ بنا سکا مگر علم کیمیا میں اس کی دلچسپی بڑھ گئی۔ جابر ابن حیان اس علم میں اپنے استاد کا نام جعفر بتاتا ہے اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ اس کے استاد امام جعفر صادقؑ تھے یا جعفر برمکی' دونوں شخصیات کا تعلق بھی اسی زمانے سے ہے۔ اسی طرح خود جابر کی شخصیت پر شبہ ہے کہ شاید دو جابر تھے ایک کیمیا دان اور دوسرا محقق اور مصنف؟ اس کے نام سے بہت سی کتابیں بھی منسوب ہیں۔ بہر حال جابر بطور کیمیا دان یہ ایمان رکھتا تھا کہ علم کیمیا میں سب سے اہم چیز تجربہ ہے تجسس کا مادہ تو قدرت نے اس میں کوٹ کوٹ کر رکھا تھا وہ اپنے کیمیائی تجربات سے دھاتوں کے خواص معلوم کرنے کی تحقیق کرنے لگا جس سے جلد ہی اس کی شہرت بغداد پہنچی۔ برمکی خاندان میں جعفر بن یحییٰ علم کا بڑا قدر دان تھا اس نے جابر کو بغداد آنے کی دعوت دی جہاں اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔

جابر نے اپنے علم الکیمیا کی بنیاد اس نظریہ پر رکھی کہ تمام دھاتوں کے اجزائے ترکیبی گندھک اور پارے سے ہیں۔ اس نے خود گندھک اور پارہ ملانے کے تجربات کیے مگر گندھک اور پارہ ملنے سے ہمیشہ شنگرف حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ جابر نے اپنے ایجاد کردہ آلہ فرع انبیق میں پھٹکری اور قلمی شورے پر تجربہ کیا جس سے بھورے رنگ کے بخارات نکل کر آلے کے دوسرے حصے میں جمع ہو گئے جو تانبہ کا بنا ہوا تھا۔ جلد ہی ان بخارات سے جو سیال وجود میں آیا تھا اس سے تانبہ پگھل

گیا اور یہ سیال برتن سے ٹپکنے لگا۔ اس سیال کے کاٹنے اور جلا دینے کی وجہ سے جابر نے اس کا نام ''تیزاب'' رکھا۔ پھر مزید تجربات سے اس نے گندھک کا تیزاب ایجاد کیا جو سونے جیسی دھات کو بھی پگھلانے کے خواص رکھتا تھا۔ اسی طرح دھاتوں کے گشتہ جات بنانے کے تجربات سے اس نے قلماؤ کا طریقہ دریافت کیا جو آج بھی کیمیا میں کارآمد ہے۔

ماخذ: دنیا کے عظیم سائنسدان، اردو سائنس بورڈ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 7، معروف مسلم سائنسدان

800ء۔ شارلمین اور مغربی سلطنت روما

25 دسمبر 800ء کو سینٹ پیٹر کے گرجا میں شارلمین قربان گاہ کے آگے جھک کر دعا مانگ رہا تھا کہ پوپ لیوسوم نے مغربی سلطنت روما کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ اردگرد جو امراء اور درباری کھڑے تھے سب نے تالیاں بجا کر پوپ کے اس اقدام کو خراج تحسین پیش کیا۔ پوپ لیوسوم نے مغربی سلطنت کا یہ تاج شارلیمان کو اس احسان کے بدلے میں پہنایا تھا کہ پوپ لیوسوم کو اس نے اٹلی کے حکمران ڈیسیڈیریس Desiderius کے مقابلہ میں نہ صرف مدد فراہم کی تھی بلکہ اس کے لیے وہ اٹلی پر حملہ آور بھی ہوا تھا۔ شارلیمان کے یہ تاج پہنتے ہی مغرب میں ایک بار پھر رومی سلطنت زندہ ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی کلیسا نے اسے خاص برکات کا سردار بھی قرار دیا۔ ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ شارلیمانی مغربی رومی سلطنت کا تاج پہننے کا خواہاں تھا کہ نہیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اس تاجپوشی پر خوش نہ تھا۔ بلکہ اس نے اپنے ولی عہد کو یہ تاج نہ پہننے کی وصیت بھی کی تھی۔

شاہ فرانس کی حیثیت میں اس نے ایک وسیع اور پائیدار سلطنت قائم کی تھی رومی شہنشائیت نے اس کی قوت میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں بلکہ بلکہ نظری اعتبار سے دیکھا جائے تو اس نے زوال پذیر مغربی رومی شہنشاہی کا تاج پہن کر بحیثیت مجموعی مشرقی شہنشائیت (بازنطینی سلطنت) کے مقابلے میں کمتر حیثیت قبول کرلی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مغربی شہنشاہی کا لقب مدت سے کارکنان سلطنت کے بجائے کلیسائے روما کے لیے زیادہ مفید مطلب ہوگیا تھا۔ بہرحال شارلمین کے روم آنے کا مقصد پوپ لیوسوم کے طرز عمل کی چھان بین کے لیے بشپوں کا جو کمیشن مقرر ہوا تھا اس کے کام کا جائزہ لینا تھا۔ شارلمین کل تین ہفتے روم میں ٹھہرا۔ کمیشن نے پوپ لیوسوم کو تمام الزامات

سے بری کر دیا اور شارلمین نے اس فیصلے کی توثیق کر دی۔ اس کے دو روز بعد یعنی 25 دسمبر 800ء کو اسی پوپ نے اپنے محسن کے سر پر شہنشاہی کا تاج رکھ دیا۔

اس کے بعد مشرقی سلطنت روما کے ساتھ شرطیں طے کرنے کا مرحلہ پیش آیا۔ شارلمین نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ مشرقی سلطنت کی ملکہ آئرین اگر اس سے شادی کرے تو دونوں سلطنتیں ایک بار پھر متحد ہو جائیں مگر اسی اثنا میں ملکہ آئیرین کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ نسی فورس Nicephorus بازنطیم کا شہنشاہ بن گیا۔ اب دونوں سلطنتوں میں سرحدوں کی تقسیم پر لڑائی چھڑ گئی۔ بحیرہ ایڈریاٹک میں ایک بحری جنگ بھی پیش آئی۔ آخر شارلمین کو جھکنا پڑا اور 812ء میں دونوں سلطنتوں کی مساوی تقسیم عمل میں آ گئی۔

اطالوی قبائل میں لمبارڈز پاپائیت کے سب سے بڑے دشمن تھے وہ مشرقی شہنشائیت کے حامی تصور کیے جاتے تھے۔ شارلمین کے شہنشاہ بننے سے مدتوں پہلے لمبارڈوں کی قوت توڑ چکا تھا۔ براعظم یورپ کے بڑے حصے کو بزور شمشیر فتح کرنے کے بعد اس نے آخن جرمنی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کی سلطنت اب تک بغیر دارالحکومت تھی۔

ماخذ: تاریخ تہذیب، غلام رسول مہر۔ سو تاریخی واقعات مرتبہ غلام رسل مہر

803ء۔ برامکہ کی بربادی و زوال

برمک ''بلخ'' کے مشہور آتش کدہ نوبہار کے پروہتوں یا متولی کو کہا جاتا تھا اسی نسبت سے خلافت عباسیہ کے ایک امیر و مقتدر خاندان کا لقب ''برامکہ'' پڑا۔ اس خاندان کی بنیاد خالد بن جاماسب برمک کے اقتدار سے پڑی اور جب ہارون الرشید نے برمکیوں سے بدظن ہونے کے بعد جعفر بن یحییٰ بن خالد کو قتل کرا کے خاندان کے دوسرے افراد کو زندان میں ڈال دیا تو اس خاندان کے عروج و اقتدار کا زمانہ ختم ہو گیا۔

خالد برمکی (م 780ء) خلیفہ المنصور عباسی کا نامور وزیر، انتظامی امور و عسکری اوصاف کے لیے مشہور تھا۔ وہ کاروبار حکومت میں خلیفہ السفاح کے عہد میں داخل ہوا اور منصور کی وفات سے کچھ پہلے موصل کا والی مقرر ہوا۔ بڑا کامیاب اور ہر دلعزیز عباسی والی تھا۔ بہت سی عمارتوں کے علاوہ صوبہ طبرستان میں شہر ''المنصورہ'' کی تعمیر بھی اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے، بغداد میں

انتقال کیا۔ اس کا بیٹا یحییٰ بن خالد (م805ء) عالم فاضل ادیب اور بڑا بارسوخ درباری وزیر تھا۔ منصور عباسی نے اسے آذربائیجان کا والی مقرر کیا (775ء) تین سال بعد خلیفہ المہدی نے اسے اپنے بیٹے ہارون کا اتالیق مقرر کیا۔ ہارون کے ساتھ اس کے جوڑ توڑ سے تنگ آ کر الہادی نے اسے قید میں ڈال دیا۔ جس رات خلیفہ ہارون مسند نشین ہوا یحییٰ قید سے نکل کر وزیر بن گیا۔ 17 برس تک ساری عباسی حکومت پر چھایا رہا اور مہر خلافت اس کے پاس رہی۔ بالآخر خلیفہ ہارون جب برامکیوں سے بدظن ہوا تو اس نے یحییٰ کو قید میں ڈال دیا۔

فضل بن یحییٰ برمکی (765ء-808ء) ہارون کے بیٹے امین کا اتالیق مقرر ہوا۔ 790ء میں ہارون نے اسے وزارت عظمیٰ کا قلمدان سونپ دیا۔ پھر صوبہ خراسان کا گورنر بنا دیا۔ اس نے بغداد میں کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ لگایا تھا۔ زوال برامکہ کے بعد کم وبیش چھ سال زندان میں قید رہنے کے بعد اس کا انتقال ہوا۔ جعفر بن خالد المامون کا اتالیق تھا۔

یحییٰ کے دو بیٹوں کو ہارون الرشید کے دونوں ولی عہدوں کی اتالیقی سپرد کی گئی تھی اور عام خیال یہی تھا کہ بالآخر مملکت انہی دونوں میں تقسیم ہوگی۔ اس صورت میں اگر ہارون کی رضا ہوتی تو زمام حکومت مزید آل برامکہ کے ہاتھ میں رہ سکتی تھی مگر خلیفہ نے 802ء میں حج سے واپسی پر اچانک فیصلہ کا کہ آل برامکہ کے اثر ورسوخ واقتدار کو ختم کیا جائے' چنانچہ یکم صفر 187ھ 29 جنوری 803ء کی رات اس نے اچانک جعفر بن یحییٰ کے قتل کا حکم دے دیا۔ الفضل اور اس کے بھائی قید کر دیئے گئے۔ یحییٰ کی نگرانی ہونے لگی اور محمد بن خالد برمکی کے علاوہ تمام برمکیوں کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں۔ جعفر کی لاش بغداد کے چوراہے پر لٹکا دی گئی۔ الفضل اور یحییٰ کو رقہ میں قید کر دیا گیا جہاں نومبر 805ء میں یحییٰ کا انتقال بعمر ستر سال اور فضل کا انتقال بعمر پینتالیس سال نومبر 808ء میں ہوا۔ برامکہ کے اچانک زوال وتباہی کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی۔ پہلے مورخین اس سوال کا سبب شہزادی عباسہ اور جعفر برمکی کا معاشقہ قرار دیتے رہے مگر وہ بھی غیر معتبر قرار پایا۔ برامکہ کا زوال مورخین کے نزدیک تاحال صیغہ راز میں ہے۔

808ء۔ مراکش کے شہر فاس کی بنیاد رکھی گئی

فاس مراکش کا ایک مشہور شہر ہے۔ اس شہر کی تاسیس آل ادریس کے دوسرے حکمران یعنی ادریس ثانی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ ادریس ثانی نے بربر شہر ولیلا Volubilis سے سکونت ترک کر

دی جو جبل زرہون کے جنوب مغربی پہلو میں واقع تھا اور جہاں اس کے والد ادریس اول نے سکونت اختیار کی تھی۔ ادریس ثانی نے ایک نیا دارالحکومت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے ایک وزیر عمر کی مدد سے وادی سبو کے نواح میں کئی مقامات کا معائنہ کیا اور بالآخر اس شہر کے لیے ایک وادی میں کئی ندیوں کے سنگم پر ایک جگہ پسند کی جہاں پانی کی افراط تھی۔ یہ جگہ دو بربر قبائل کی ملکیت تھی ان سے ادریس ثانی نے یہ جگہ خرید لی۔

پھر القرطاس کے بیان کے مطابق ربیع الاول 192ھ کی پہلی جمعرات 3 فروری 808ء کو مولائی ادریس نے خود اپنے ہاتھ سے شہر کی فصیل کے لیے خط کھینچا اور دروازوں کی جگہ متعین کی۔ اس نے ایک بلند مقام پر جامع الشیوخ اور وادی میں ندی کے قریب ایک مقام پر جسے کرمودہ کہتے تھے جامع الشرفاء تعمیر کی۔ ادریس بعد ازاں خود بھی اسی موخر الذکر مسجد میں دفن ہوا۔ نئے شہر کا نام فاس Fez رکھا گیا۔ عرب مورخین نے اس نام کی ایک سے زیادہ توجیہات پیش کی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ اس شہر کا نام فاس اس لیے رکھا گیا کہ فاس کدال کو کہتے ہیں اور مولائی ادریس نے اس شہر کی بنیاد اسی اوزار سے رکھی تھی یا ایک روایت کے مطابق مولائی ادریس نے اس شہر کا نام اس شخص کے نام پر رکھا جس شخص سے اس روز ان کی سب سے پہلے ملاقات ہوئی اس شخص کا نام فرس تھا مگر وہ شخص زبان میں لکنت کی وجہ سے فاس بولتا تھا اس لیے اس شہر کا نام فاس رکھا گیا۔ اس کے ہجے ہسپانوی زبان میں Fez بنتے ہیں۔

بہر حال فاس میں بہت جلد لوگ آباد ہونے لگے۔ مولائی ادریس کے عرب ساتھیوں کے علاوہ آس پاس کے بربر قبائل اور اندلس اور افریقیہ کے مہاجرین بھی آ ملے۔ مثال کے طور پر اندلس کے خلیفہ الحکم بن ہشام کے خلاف ایک بغاوت کے فرو ہو جانے کے بعد قرطبہ سے تین سو خاندان یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ قیروان سے بھی کئی سو خاندان بھی جنہیں ایسی ہی وجوہات کی بنا پر وطن چھوڑنا پڑا تھا یہاں آ بسے۔ اہل قرطبہ نے شہر کے دائیں کنارے پر بود و باش اختیار کی جس کی وجہ سے یہ علاقہ عدوۃ الاندلس کہلانے لگا جبکہ دوسری جماعت نے بائیں کنارے پر ڈیرے ڈالے اور وہ علاقہ عدوۃ القرویین کہلانے لگا۔ ان دونوں علاقوں میں ادریس ثانی کے پوتے یحییٰ بن محمد نے ایک ایک مسجد تعمیر کرا دی جہاں تک فاس کی تاریخ کا تعلق ہے۔ ابتدائی چند صدیوں میں یہاں بے چینی اور پریشانی کا دور دورہ رہا۔ 921ء میں فاس پر بنو فاطمہ کا قبضہ ہوا لیکن ایک بار پھر یہاں ادریسیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد دوم۔ دائرہ المعارف جلد 15

809ء۔امین اور مامون میں خانہ جنگی

محمد الامین عباسی جس نے 193ھ 809ء سے 198ھ 813ء تک حکومت کی وہ شوال 170ھ میں ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو المنصور کی پوتی تھی۔اس طرح وہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے نجیب الطرفین ہاشمی تھا۔اسی لیے اسے مامون پر فوقیت دی گئی تھی جس کی ماں ایک کنیز تھی۔مامون اس کے بعد دوسرا ولی عہد تھا۔ان دونوں کی جانشینی کا مسئلہ ہارون نے 802ء میں ''وثائق مکیہ'' کے ذریعے حل کیا تھا تاکہ دونوں ولی عہدوں میں کسی قسم کا تنازع نہ رہے۔پہلی دستاویز میں امین نے اپنے بعد مامون کا حق تسلیم کیا تھا جبکہ دوسری میں مامون نے امین کو خلیفہ مان کر فرمانبرداری کا یقین دلایا تھا۔جب ہارون کی وفات کے بعد امین تخت نشین ہوا تو مامون اپنی ولایت خراسان میں تھا۔اگلے سال فضل بن ربیع کے مشورے سے الامین نے خطبہ جمعہ سے یکا یک اپنے بعد المامون کا نام نکلوا دیا اور اپنا ولی عہد اپنے بیٹے موسیٰ کو قرار دے کر اس کا نام شامل خطبہ کروا دیا۔اس سے دونوں بھائیوں میں سفارتی مراسلت شروع ہو گئی جس نے بہت جلد ایک ''سرد جنگ'' کی حیثیت اختیار کر لی۔مورخ الطبری نے اس سلسلہ خط وکتابت کو اپنی تاریخ میں محفوظ کیا ہے۔المامون نے اس سرد جنگ میں احترام واحتیاط کے دامن کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا مگر استقامت سے مزاحمت پر قائم رہا جس کی وجہ سے الامین جلد بازی پر آمادہ ہو گیا اور اس نے المامون کے باغی ہو جانے کا اعلان کر دیا اور اس کی بغاوت کچلنے کے لیے علی بن عیسیٰ بن ماہان کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔اس اقدام سے عراق اور خراسان میں کھلم کھلا جنگ شروع ہو گئی (جمادی الآخر 195ھ 811ء) المامون کی طرف سے اس کا نامور سپہ سالار طاہر بن حسین لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔رے کے قریب پہلے ہی معرکے میں طاہر بن الحسین نے علی بن عیسیٰ کو شکست دے کر قتل کر دیا بعد ازاں دوسرے سپہ سالار عبدالرحمٰن بن جبلتہ الابناوی کا بھی یہی حشر ہوا۔الامین نے شامی عربوں کے امدادی لشکر کو جنگ میں جھونک دیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور شام میں فسادات شروع ہو گئے۔اُدھر بغداد میں الحسین بن علی بن عیسیٰ نے یکا یک ہنگامہ کر کے خود الامین کو معزول کر کے المامون کی خلافت کا اعلان کر دیا مگر اس کی انقلابی کوشش ناکام رہی اور الامین پھر بحال ہو گیا۔ذوالحجہ 196ھ اگست 812ء میں بغداد کو حبشیوں نے جو طاہر کے زیر قیادت تھے گھیر لیا۔طاہر خورستان کی تسخیر کے بعد وہاں پہنچا۔ادھر سال بھر الامین کے حمایتی جے

رہے اور انہوں نے محاصرین کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ محرم 198ھ 813ء میں الامین کے طرف داروں کی مزاحمت ختم ہوگئی اور الامین نے ہرثمہ کو درخواست کی کہ اسے بغداد سے بحفاظت نکلنے دیا جائے مگر راستے میں اسے طاہر بن حسین کے آدمیوں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ سیاست کی دنیا بھی عجب ہے کہ اس سیاسی قتل کا ذمہ دار المامون خود نہ تھا۔ طاہر نے فتح کی خوشخبری کے ساتھ الامین کا سر بھی مامون کو روانہ کیا۔ امین کی مدت خلافت چار سال سات ماہ اور اٹھارہ دن ہے۔

المآخذ: تاریخ ملت جلد دوم صفحہ 21۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ جلد 3 صفحہ 281

813ء۔ خلیفہ المامون نے مسند خلافت سنبھالی

ابوالعباس عبداللہ بن ہارون' المامون' ربیع الاول 170ھ ستمبر 786ء میں ایک ایرانی کنیز مراجل کے بطن سے پیدا ہوا۔ بڑی سخت کشمکش کے بعد جو محرم 198ھ ستمبر 813ء میں خلیفہ امین عباسی کے قتل پر ختم ہوئی' المامون نے مسند خلافت سنبھالی' لیکن وہ اپنی مسند نشینی خلافت کے باوجود چھ سال تک بغداد میں داخل نہ ہو سکا۔ خلیفہ مامون کی تخت نشینی میں اہل عجم کا بڑا ہاتھ تھا انہوں نے خلیفہ کے مقابلے میں اس کی بڑی مدد کی تھی اس لیے امین کے قتل کے بعد عربی اور عجمی کا سوال پیدا ہو گیا تھا۔

مامون نے گو عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی مگر فضل بن سہل عجمی کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہوا تھا کہ خلافت بھی درحقیقت فضل کے پنجہ اختیار میں تھی۔ مامون کو فضل نے پس پردہ کر دیا تھا حتیٰ کہ خاندان شاہی کے لوگ بھی اس کی خدمت میں باریاب نہیں ہو سکتے تھے۔ ملکی انتظام پر فضل قابض تھا اور تمام کلیدی عہدوں پر عجمی فائز کئے جا رہے تھے۔ اس سے بنو ہاشم اور افسران فوج عباسیہ بددل ہونے لگے اور عام بددلی پھیل گئی۔

ادھر حضرات علوئین نے بھی ملکی ابتری کے ان حالات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور علوی سادات کرام میں سے جناب ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم نے جو ابن طباطبا کے نام سے معروف تھا فروری 815ء میں بمقام کوفہ دعویٰ خلافت کر دیا اور مامون کے ایک سابقہ طرفدار ابوالسرایا نے اس کی حمایت کی۔ کچھ کامیابیاں حاصل ہوئی ہی تھیں کہ ابن طباطبا کا اچانک انتقال ہو گیا اور مامون کے سپہ سالار ہرثمہ نے ابوالسرایا کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

ہرثمہ علویوں کی بغاوت فرو کر کے المامون کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا کہ اسے فضل بن سہل کی عرب دشمن کارروائیوں سے آگاہ کرے۔ وہ خراسان کی طرف بڑھا، فضل بن سہل کو اس کے ارادوں کا علم ہو گیا اس نے ہرثمہ کو مامون کی طرف سے حکم بھجوایا کہ وہ شام و حجاز کی گورنری سنبھال لے اور اسے خراسان آگے کی ضرورت نہیں مگر وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ فضل نے مامون کے کان بھرے کہ ہرثمہ اب اس قدر خودسر ہو گیا ہے کہ آپ کے فرمان کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ ہرثمہ جب المامون کے دربار میں حاضر ہوا تو خلیفہ نے غلط فہمی سے اسے قید میں ڈلوا دیا جہاں جلد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

ہرثمہ کے واقعہ قتل نے ملک میں طلاطم بپا کر دیا۔ اہل بغداد نے مامون کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور مامون کے عمال و حکام برطرف کر دیئے گئے۔ محمد بن ابی خالد کو ہرثمہ کا جانشین قرار دیا گیا اہل بغداد نے اس کی اطاعت اختیار کر لی۔ حسن بن سہل مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا۔ وہ ان دنوں واسط میں مقیم تھا۔ محمد بن ابی خالد نے اسے شکست دی۔

815ء۔ ابن طباطبا کا دعویٰ خلافت

کوفہ میں سادات کرام میں سے ابوعبداللہ محمد طباطبا نے حصول خلافت کے لئے ''لوائے آل محمد'' بلند کیا۔ ان کا نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لیے کافی تھا۔ ملکی حالات جس ابتری سے دوچار تھے ان میں ملکی نظم و نسق کو چلانے کے لیے ابن طباطبا جیسے مدبر کی ضرورت تھی۔ ایک شخص جس کا نام ابوالسرایا تھا اور جو پہلے گدھے چراتا تھا اور گدھوں پر بار برداری کا کام کرتا تھا بعد ازاں اس نے عباسی سپہ سالار ہرثمہ کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ جب وہ فوج سے نکالا گیا تو اس نے پیشہ غارتگری اختیار کر لیا تھا۔ طباطبا جب زرقہ تشریف لے گئے تو ابوالسرایا نے ان سے متاثر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کا معاون بن گیا۔ ابوالسرایا کی شراکت سے طباطبا کی سیاسی و عسکری طاقت بڑھ گئی۔ اُدھر جتنے بھی ڈاکو اور جرائم پیشہ ابوالسرایا کے ہمراہ تھے وہ سب ''لوائے آل محمد'' کے زیر سایہ آ گئے۔ ابوالسرایا نے طباطبا کو مشورہ دیا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ کی طرف کوچ کیجیے میں خشکی کی راہ سے آتا ہوں۔ کوفہ پہنچ کر اس نے قصر امارت کو لوٹا۔ یہ عباسی گورنر ان کا صدر مقام تھا۔ یہاں سے بہت سا خزانہ و مال و متاع اس کے ہاتھ آیا شہر پر قبضہ

کرنے کے بعد ابوالسرایا نے محمد طباطبا کی امامت اور خلافت کا عام اعلان کر دیا اور عباسی عامل سلیمان بن ابی جعفر کو کوفہ سے نکال باہر کیا۔ حسن بن سہل نے زہیر بن مسیّب کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا مگر ابوالسرایا نے اسے شکست دے دی اور عباسی لشکر کے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کے بعد یکم رجب 199ھ کو محمد طباطبا کا اچانک وصال ہو گیا۔ ابوالسرایا نے ان کی جگہ محمد بن محمد بن زید بن علی بن حسین کو جو ابھی کم سن تھے امام بنا دیا۔ مورخ الطبری نے لکھا ہے کہ ابوالسرایا نے ابن طباطبا کو زہر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب عباسی لشکر کو شکست دی گئی تو ابن طباطبا نے ابو السرایا کو مال غنیمت میں دخل و تصرف کی قطعی ممانعت کر دی جس کی وجہ سے ابوالسرایا نے انہیں زہر دے دیا اور کم سن محمد بن محمد کو امام بنا کر خود مختار کل بن بیٹھا۔

حسن بن سہل نے ایک اور شخص عبدوس بن خالد المروزی کو ابوالسرایا کے مقابلے پر بھیجا مگر ابو السرایا نے اسے بھی شکست دے کر قتل کر دیا اور اپنی افواج سمیت بصرہ کی جانب بڑھا۔ حسن بن سہل نے جب دیکھا کہ ابوالسرایا کے سامنے کوئی جرنیل نہیں ٹھہرتا تو اس نے مشہور عباسی جرنیل ہرثمہ کو اس کے مقابلے میں بھیجے کا فیصلہ کیا مگر ہرثمہ اس سے بگڑا ہوا تھا۔ حسن نے ہرثمہ کو ایک لجاجت آمیز خوشامدانہ خط لکھ کر ابوالسرایا کے مقابلے پر بھجوایا۔ ہرثمہ نے ابوالسرایا کی جماعت کو شکست دی مگر ابوالسرایا چھپ کر کوفہ چلا گیا۔ ہرثمہ نے اسے کوفہ میں بھی شکست دی مگر ابوالسرایا وہاں سے بھی فرار ہو گیا۔ آخر حسن بن علی الہاد نے اسے شکست دے کر گرفتار کیا اور اس کی گردن ماردی۔

ماخذ: تاریخ طبری جلد ہشتم۔ دائرہ المعارف جلد 18

817ء۔ امام علی رضاؑ کی ولی عہدی

200ھ 816ء میں المامون نے اہل بیت سے اپنی محبت کے اظہار کے سلسلہ میں اثنا عشریہ کے آٹھویں امام جناب علی الرضاؑ کو خراسان طلب کیا۔ آپ کے مرو پہنچنے پر مامون الرشید نے امام صاحب کا شاہانہ استقبال کیا اور بڑے تپاک سے انہیں اپنا مہمان کیا۔ پھر اس کی عقیدت و محبت اتنی بڑھی کہ اس نے اپنے بعد تخت خلافت کی پیشکش پر ان سے باقاعدہ بات چیت شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں المامون نے علمائے دربار کو جمع کیا اور صدر انجمن امام رضاؑ کو ٹھہرایا اور مباحثے

کرائے۔ خود انتہائی مشکل سوال کر کے ان کے جوابات لئے۔ علمائے دربار اور محققین امامؑ کے جوابات سن سن کر امام صاحب کی علمی عظمت کے قائل ہو گئے۔ سب نے مامون کی تائید کی اور امام صاحب کے لیے ولی عہدی کی تجویز قبول کر لی، لیکن امام علی الرضاؑ مسلسل انکار کرتے رہے۔ آخر المامون نے سختی سے اصرار کیا اور امام صاحب اتمام حجت کے طور پر راضی ہو گئے کیونکہ صورت حال واضح تھی کہ بنی عباس اور امراء بغداد خلافت کو بنی عباس سے باہر جانا سخت ناپسند کر رہے تھے۔ مگر المامون نے 7 رمضان 201ھ مارچ 817ء میں ایک شاہانہ تقریب منعقد کی جس میں امام علی الرضاؑ کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔

اس اعلان سے پہلے المامون نے خاندان عباسی کا پورا جائزہ لیا کہ اسے عباسی خاندان میں اپنے بعد کو خلافت کا اہل نظر نہ آیا تو اس نے اعلان کرتے ہوئے کہا کہ آج آل عباس اور آل علیؑ میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو امام علی الرضاؑ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے لہٰذا خلافت کا حق انہیں کو پہنچتا ہے۔ اس اعلان کے بعد تمام حاضرین دربار نے امام صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور سیاہ عباسی رنگ کو ترک کر کے درباری لباس کے لیے سبز رنگ کو اختیار کیا جو سادات علویہ کا امتیازی لباس تھا۔ تمام سلطنت عباسیہ میں یہ احکام شاہی نافذ کر دیئے گئے کہ المامون کے بعد امام علی الرضاؑ مالک تخت خلافت ہیں اور ان کا لقب ''الرضاؑ من آل محمدؐ'' ہے۔ المامون نے اپنی لڑکی ام حبیبہ کا عقد بھی امام صاحب سے کر دیا اور خلیفہ عیدین اور جمعہ میں امام صاحب کا نام لیا جانا لازم قرار دے دیا۔

المامون نے عید کے موقع پر امام صاحب سے نماز پڑھانے کی درخواست کی مگر جیسے ہی امام صاحب عید کے دن نماز کے لیے گھر سے نکلے مجمع کا رنگ دیکھ کر مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اسے مشورہ دیا کہ عوام امام کے گرویدہ ہو جائیں گے لہٰذا انہیں نماز نہ پڑھانے کا کہیں۔ المامون نے امام صاحب کو دوبارہ درخواست کی آپ نماز پڑھانے کی زحمت نہ کریں۔ ادھر بغداد میں امام علی الرضاؑ کی ولی عہدی کی خبر نے ہلچل مچا دی اور لوگ حکومت کے خلاف ہو گئے۔ صرف سترہ مہینے میں حالات ایسے بدلے کہ امام صاحب کو سفر آخرت کا پیام آ گیا۔ المامون نے ایک روز انگور منگوائے اور امام صاحب کو نوش کرنے پر مجبور کیا۔ انگور کھاتے ہی امام صاحب نے جام شہادت نوش کیا۔ المامون آپ کی وفات کے بعد بے حد رویا اور فریاد کناں ہوا۔

817ء۔صاحب ''الصحیح'' امام مسلم کی پیدائش

امام مسلم بن حجاج' ابوالحسن القشیر ی النیشاپوری 202ھ 817ء میں نیشاپور میں پیدا ہوئے اور انہوں نے 261ھ 875ء میں وفات پائی۔ان کی شہرت کی وجہ ان کی مایہ ناز تصنیف ''صحیح مسلم'' ہے جو امام بخاری کی اس نام کی کتاب کی طرح علم حدیث میں اعلیٰ پائے کی تصنیف مانی جاتی ہے۔

امام مسلم نے احادیث جمع کرنے کی خاطر دور دراز کے سفر کیے۔وہ عرب' مصر' شام اور عراق کے قریہ قریہ میں گئے۔ جہاں انہوں نے مشہور و معروف علماء مثلاً امام احمد بن حنبل' حرملہ اور اسحٰق بن راہویہ سے حدیث سماعت ی۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ''صحیح مسلم'' تین لاکھ احادیث مبارکہ میں سے انتخاب کر کے مرتب کی جو انہوں نے خود جمع کی تھیں۔انہوں نے اور کتابیں بھی بڑی تعداد میں لکھی ہیں جن میں سے کتاب المنفر دات والوحدان اور کتاب الکنی والاسماء محفوظ ہیں۔

''صحیح مسلم'' دوسری حدیث کی کتابوں سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں کتب کو ابواب میں تقسیم نہیں کیا گیا' حالانکہ ''صحیح بخاری'' میں احادیث کو تراجم کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ مسلم کی الصحیح میں احادیث کی ترتیب دریافت کرنے کے لیے زیادہ دقت پیش نہیں آتی کیونکہ ان کا فقہ کے تصورات سے بہت قریبی تعلق ہے جو ان سے مطابقت رکھتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے ایسے عنوانات قائم کیے گئے ہیں جو صحیح البخاری کے تراجم سے مماثل ہیں' تاہم اس کام کی تکمیل انہوں نے خود نہیں کی جیسا کہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عنوانات الصحیح کے مختلف نسخوں میں یکساں نہیں ہیں۔مسلم کے اور احادیث کے دیگر مجموعوں میں ایک اور فرق یہ ہے کہ انہوں نے اسناد پر خاص توجہ دی ہے یہاں تک کہ ان کی تصانیف میں ایک حدیث کے بعد اکثر متعدد مختلف اسانید مذکور ہیں جو اسی حدیث کی یا اس سے کسی قدر مختلف متن کی تمہید کا کام دیتے ہیں۔امام مسلم نے اس ضمن میں جس صحت کا اہتمام کیا ہے اس کی بناء پر ان کی تعریف کی جاتی ہے' لیکن فقہی اعتبار سے البخاری کو ان پر فوقیت حاصل ہے۔جس کا النعوی جیسے ان کے عقیدت مندوں نے بھی اعتراف کیا ہے جنہوں نے الصحیح مسلم کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔

امام مسلم نے اپنی اس گراں مایہ تصنیف کے آغاز میں علم حدیث کے متعلق ایک مقدمہ بھی لکھا ہے خود اس تصنیف کے 54 عنوانات ہیں جو حدیث کے عام موضوعات سے مختلف ہیں۔ارکان

خمسہ' نکاح' غلامی' تبادلہ مال' میراث' جہاد' قربانی' آداب و رواج' انبیاء و صحابہ' قضا و قدر اور دوسرے دینی موضوعات' یہ کتاب تفسیر قرآن کے موضوع پر ختم ہوتی ہے۔

ماخذ: تذکرہ محدثین جلد اول۔ دائرہ المعارف الاسلامی جلد 21

819ء۔ دولت سامانیہ کا آغاز

ایران کے خودمختار بادشاہوں کا ایک سلسلہ دولت سامانیہ کہلاتا ہے جو سامان خدات نام کے ایک شخص کی نسل سے تھے۔ خود سامان خدات اپنا شجر نسب ساسانی بادشاہوں کے ایک مشہور سپہ سالار بہرام چوبیں سے ملاتا ہے۔

اسد بن سامان خدات کے چار بیٹے تھے جنہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں مشرقی خلافت کی سیاسی تاریخ میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ المامون نے اپنے دور خلافت میں اسد کے بیٹوں کو باغی رافع بن لیث کے مقابلے میں سپہ سالار ہرثمہ کی مدد کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ ہرثمہ اور رافع کے درمیان معاہدہ کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ المامون نے اسد کے بیٹوں کو انتظامی عہدے بھی دیئے تھے۔ 819ء میں خراسان کے گورنر غسان بن عباد نے نوح بن اسد کو سمرقند' احمد کو فرغانہ' یحییٰ کو الشاش اور الیاس کو ہرات کا علاقہ دے دیا۔ جب طاہر بن حسین گورنر خراسان ہوا تو اس نے آل سامان کے عہدوں کو مستقل کر دیا۔ گویا سامانی طاہریوں کے ماتحت حاکم تھے۔ اسی احمد بن اسد کی نسل سے سامانی خاندان کا آغاز ہوا۔ احمد کے بعد اس کے سات بیٹوں میں سے سب سے بڑے یعنی نصر کو ماوراالنہر کی حکومت ملی۔ نصر ایک خودمختار حاکم تھا۔ کیونکہ اسے ماوراالنہر کا علاقہ جاگیر کے طور پر براہ راست خلیفہ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ اس لیے سال 819ء خاندان سامانیہ کی حکومت کا سال تاسیس ہے النرشخی کی روایت کے مطابق امغان 260ھ میں پہلے جمعہ 26 جون 874ء کو بخارا میں نصر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

بعض مورخین کے نزدیک اسماعیل خاندان سامانیہ کا پہلا حکمران تصور کیا جاتا ہے نصر کی حکومت کے دوران اسماعیل اس کے نائب کے طور پر کام کرتا رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس کا جانشین بن گیا۔

سلاطین سامانیہ کا شجرہ نسب کچھ یوں یوں ہے۔

اسماعیل بن احمد 279ھ 892ء تا 295ھ 907ء

احمد بن اسماعیل 205ھ 907ء تا 301ھ 913ء

نصر بن احمد 301ھ 913ء تا 331ھ 943ء

نوح اول بن نصر 331ھ 913ء تا 343ھ 954ء

عبدالملک اول بن نوح 343ھ 954ء تا 350ھ 961ء

منصور اول بن نوح 350ھ 954ء تا 365ھ 976ء

نوح دوم بن منصور 365ھ 976ء تا 387ھ 997ء

منصور دوم بن نوح 387ھ 997ء تا 389ھ 999ء

عبدالملک دوم بن نوح 389ھ 999ء

محمود غزنوی نے 999ء میں عبدالملک کو خراسان سے نکال کر خراسان فتح کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ خاندان سامانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ سامانی عہد کے شعرا میں فردوسی کا نام ناقابل فراموش ہے۔ مورخین کے مطابق سیاسی تاریخ کے علاوہ سامانی عہد کی ادبی تاریخ یہ ہے کہ جدید فارسی ادب کا آغاز اسی عہد میں ہوا تھا۔

ماخذ: ادب نامہ ایران، مقبول بیگ بدخشانی۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ جلد 10

820ء۔ وفات امام شافعی

امام شافعی 150ھ 767ء میں غزہ، فلسطین اور بقول دیگر عسقلان میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ انہیں مکہ مکرمہ لے گئیں اور بعد ازاں جب وہ دس سال کے تھے وہیں مستقل سکونت اختیار کی ان کی ابتدائی زندگی بڑی عسرت اور تنگی میں گزری۔ تحصیل علم کا شوق کبھی ماند نہ پڑا۔ صرف پندرہ برس کی عمر میں انہیں فتویٰ جاری کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ امام شافعی نے خاصا عرصہ بدوی قبائل کے ساتھ صحرا میں گزارا اس لیے ان کو عربیت میں بڑا رسوخ اور زبان پر بڑا عبور اور دستگاہ حاصل ہو گئی۔ الاصمعی جیسے ماہر زبان و ادب امام شافعی کے شاگردوں میں نظر آتے ہیں۔ امام شافعی نے قیام مکہ کے دوران عربی زبان و ادب فقہ و حدیث اور دیگر علوم میں بڑی شہرت اور نیک نامی حاصل کر لی تھی۔ اتفاق سے انہیں دنوں حاکم یمن حجاز آیا ہوا تھا۔ وہ

امام صاحب کے تبحر علمی اور ادبی ذوق سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یمن میں انہیں ایک سرکاری عہدہ پیش کر دیا مگر مقامی رقابتوں اور سازشوں کی وجہ سے امام صاحب زیادہ عرصہ اس عہدہ پر فائز نہ رہ سکے۔ مخالفین نے ان پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ در پردہ زیدی مدعی خلافت یحییٰ بن عبداللہ کے حامی ہیں۔ الزام کی پاداش میں انہیں گرفتار کر کے رقہ لے جا کر خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے ان کے دلیل و براہین سن کر انہیں بے قصور قرار دیا۔ (187ھ 803ء) خلیفہ امام صاحب کے حسن بیان اور وسعت علم سے بے حد متاثر ہوا۔ وہاں ان کے امام محمد بن الحسن الشیبانی جیسے نامور حنفی فقیہ سے ان کے گہرے مراسم ہو گئے مگر عراق کو اپنے قیام کے لیے نامناسب قرار دے کر امام شافعی حران اور شام ہوتے ہوئے مکہ المکرمہ چلے گئے۔ یہاں اول اول امام مالک کا شاگرد ہونے کی وجہ سے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ بیت اللہ شریف میں آپ نے درس کا سلسلہ شروع کیا جس میں آپ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے اختلاف کا ذکر کرتے تھے۔ اس سے مالکی آپ سے مایوس ہو گئے۔ 195ھ 811ء میں آپ بغداد آ گئے اور یہاں اپنا حلقہ درس قائم کر لیا۔ قیام بغداد کے دوران مصر کے والئی کے بیٹے سے آپ کی وابستگی ہو گئی جس کی وجہ سے آپ 198ھ جون 814ء میں مصر چلے گئے لیکن فسادات کی وجہ سے وہاں سے مکہ آ گئے۔ 816ء میں ایک بار پھر مصر جا کر مستقل سکونت اختیار کی۔ یہیں فسطاط میں 29 رجب 202ھ 20 جون 820ء کو آپ نے وفات پائی۔

امام شافعی نے فقہی اجتہاد اور حدیث دونوں کو اپنایا۔ انہیں اصول فقہ کا موسس اور بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔

تعلیمات امام شافعی میں دو تخلیقی دور نمایاں طور پر نظر آتے ہیں' مقدم (عراقی) دور اور موخر (مصری) دور۔ یہ دونوں دور اکثر کتاب الام میں نیز متاخرین شوافع کی متبادل تصانیف میں نمایاں ہیں۔ ان کی تصانیف افلاطون کی طرح مکالمے کی صورت میں ہیں۔ وہ اپنے مخالفین کا رد کرتے ہوئے ان کا نام نہیں لیتے۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 11۔ تاریخ المشاہیر، قاضی سلمان پوری

822ء۔امیر عبدالرحمٰن ثانی سریر آرائے اندلس

25 ذوالحجہ 206ھ 21 مئی 822ء کو عبدالرحمٰن ثانی تخت قرطبہ پر اپنے باپ الحکم اول کے جانشین کے طور پر جلوہ گر ہوا۔ وہ 176ھ 792ء میں طلیطلہ میں پیدا ہوا۔ عبدالرحمٰن ثانی کا عہد حکومت جو تہائی صدی تک جاری رہا' اس سے کہیں زیادہ خوشحال اور شاندار تھا جتنا ہم آج تک سمجھتے رہے تھے۔ اسی عہد میں قرطبہ میں زندگی کے وہ اسالیب و آداب پہلی مرتبہ داخل ہوئے جو بغداد اور عباسی تمدن سے براہ راست مستعار لیے گئے تھے۔ چنانچہ اسلامی ہسپانیہ کے طبقہ شرفا نے بھی وہی اسالیب و آداب اختیار کر لیے اور مروانیوں کی اس سلطنت میں شامی رنگ مدھم پڑتا چلا گیا۔

عبدالرحمان ثانی کے عہد کے آغاز میں الحکم اول کے آہنی طرز حکومت کے خلاف ردعمل کے طور پر کچھ بغاوتیں بھی رونما ہوئیں مگر انہیں آسانی سے فرو کر دیا گیا۔

مشرقی الاندلس کے علاقے بتدریج تاج شاہی کے زیر نگین لائے گئے ایک نیا شہر مرسیہ بھی آباد کیا گیا۔ عیسائیوں کے خلاف از سر نو معرکہ آرائی کا آغاز ہوا اور ہر سال عیسائیوں کے خلاف مہمات کی قیادت خود خلیفہ کرنے لگا۔

عبدالرحمٰن کے عہد میں دو اہم سیاسی واقعات رونما ہوئے۔ پہلا یہ کہ طلیطلہ اور قرطبہ کے عیسائی مضاربہ نے قوم پرستی کی تحریک سے متاثر ہو کر بغاوت کر دی۔ یہ آگ مذہبی دیوانوں نے بھڑکائی تھی۔ عرب مورخین نے اس بغاوت کا ذکر نہیں کیا لیکن لاطینی ماخذ اس کا پتہ دیتے ہیں۔ قرطبہ کی حکومت کو بادل نخواستہ ان مضاربہ کے خلاف کارروائی کرنا پڑی جو اسلام کے بارے میں بدزبانی سے کام لیا کرتے تھے۔ ان میں عیسائی پادری اور عیسائی عوام سب شامل تھے۔ انہیں دنوں ایک اور نئی شورش بپا ہو گئی وہ یہ کہ عیسائیوں نے منصب ''شہادت'' حاصل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی جرم کرنا شروع کر دیا۔ اس تحریک کو ایک مجلس مشاورت کے ذریعے ختم کیا گیا جو 238ھ 862ء میں قرطبہ میں اشبیلیہ کے اسقف اعظم (مطران) کی صدارت میں منعقد کی گئی تھی۔ سات سال بعد پادری یولوجس Eulogus نے اسے پھر جاری کر دیا' وہ پہلے بھی اس تحریک کا روح رواں تھا چنانچہ اس وقت اسے امیر محمد الاول کے حکم پر گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

240ھ 844ء میں اسلامی ہسپانیہ کے خلاف نارمنوں نے شدید نوعیت کی یورش کی تھی۔ ایک خونریز جنگ کے بعد نومبر 844ء کو اشبیلیہ کا شہر ان بحری قزاقوں سے چھڑایا گیا۔ 848ء

میں جامع الکبیر قرطبہ میں توسیع بھی امیر کے حکم پر کی گئی۔

822ء میں مشہور موسیقار زریاب بھی قرطبہ وارد ہوا تھا جو اپنے ساتھ بغداد کے طور طریقے بھی لایا تھا۔ عبدالرحمٰن ثانی کے آخری ایام شاہی محل کی ان سازشوں کی وجہ سے پریشان کن گزرے جنہیں ایک خادم نصر اور ایک کنیز مطروبہ کی طرف سے شہ مل رہی تھی۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد اول۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12

825ء۔ سیرت ابن ہشام، زمانہ تصنیف

ابن اسحٰق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے متعلق جو روایات اپنی کتاب میں جمع کیں تھیں انہیں ایک عرب زبان دان اور ادیب عبدالملک الحیری ابن ہشام کے نام سے مشہور ہوئی۔ سیرت رسول اللہ (ﷺ) پر یہ قدیم ترین اور مفصل کتاب ہے۔ عبدالرحمٰن سہیلی م 1158ء نے ''روض الانف'' کے نام سے اس کی شرح لکھی تھی۔ اس کتاب کا اردو، انگریزی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ سیرت کی مقبول ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ کتاب ابن ہشام نے 825ء میں ترتیب دی تھی۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد دوم۔ جامع اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد اول۔ دائرہ المعارف جلد دوم

المامون اور بیت الحکمت

ہارون الرشید نے اپنے عہد میں ایک دارالترجمہ ''بیت الحکمت'' کے نام سے قائم کیا تھا جس میں پارسی، عیسائی، یہودی اور ہندو مترجمین رکھے تھے کہ دنیا کی دوسری زبانوں سے عربی میں تراجم کئے جائیں لیکن ہارون کے عہد سے مامون کے عہد تک جو تراجم ہوئے وہ مامون کے علمی شوق کے لیے کافی نہ تھے۔ کہتے ہیں ایک شب خلیفہ المامون نے خواب میں دیکھا کہ ایک محترم شخصیت سر پر علمی تاج پہنے ایک شاندار تخت پر جلوہ گر ہے۔ مامون نے اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تخت نشین نے بتایا کہ وہ دنیائے علم کا بے تاج بادشاہ ارسطو ہے۔ ارسطو کا نام سن کر مامون کو بے حد

خوشی ہوئی کیونکہ وہ فلاسفہ یونان سے متعارف اور ارسطو کے مقام سے واقف تھا۔ المامون نے ارسطو سے سوال کیا کہ ''جناب دنیا میں کیا چیز اچھی ہے؟'' ارسطو نے اسے جواب میں جواب دیا کہ ''جس شے کو عقل اچھا تسلیم کرے''۔ المامون نے ارسطو کو درخواست کی کہ اے دانشور یونان! مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ ارسطو نے نصیحت کی کہ ''توحید اور نیک صحبت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔'' اگلے دن قیصر روم کے دربار میں المامون نے ایک سفارت بھیجی اور اسے لکھا کہ ارسطو کی جتنی تصانیف مل سکیں بغداد روانہ کردو۔ یہ خط جب قیصر روم کے دربار میں پہنچا تو قیصر نے کہ چونکہ خلیفہ بغداد کا باج گزار تھا فوراً حکم کی تعمیل کرنا چاہی مگر قدیم فلسفیوں کی تصانیف اس زمانے میں روم میں بھی گمنام ہو چکی تھیں۔ ایک راہب نے قیصر روم کو خبر دی کہ فلاسفہ یونان کی کتب قسطنطین اعظم کے عہد میں ایک عمارت میں مقفل کر دیں گئیں تھیں کہ عام مسیحی ان کی تعلیمات سے گمراہ ہو رہے تھے۔ خطرہ تھا کہ اگر فلسفہ یونانی کو عام ہونے دیا جاتا تو دین عیسوی کی عمارت منہدم ہو جاتی۔ اس راہب کی نشاندہی پر جب یہ خزانہ حکمت کھولا گیا تو فلاسفہ یونان کی کتب محفوظ صحیح و سالم نکل آئیں۔ اب قیصر روم کو خیال آیا کہ اگر یہ علم و حکمت کے موتی مسلمانوں کے حوالہ کر دیئے گئے تو وہ بہت طاقتور ہو جائیں گے۔ اس کے ندیموں نے اسے مشورہ دیا کہ ان فضول کتابوں کو مسلمانوں کو دیئے جانے میں کچھ قباحت نہیں کیونکہ اگر فلسفہ یونان مسلمانوں میں پھیلا تو ان کے مذہبی جذبات کو سرد کر دے گا جس کا فائدہ الٹا ہمیں کو پہنچے گا۔ قیصر نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ یہ کتابیں مسلمانوں کو بھجوا دی جائیں۔ اس نے یہ قدیم کتب پانچ اونٹوں پر لاد کر بغداد بھجوا دیں۔ المامون نے ارسطو اور دیگر فلاسفہ کی کتب کے ترجمے پر الکندی کو مامور کیا۔ المامون نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے ایک نمائندہ خاص کو بلاد روم روانہ کیا تا کہ مزید جواہر پارے حاصل کئے جائیں۔ اس کے بعد اس کے اہل دربار نے بھی ذاتی طور پر بہت سی کتابیں ممالک روم سے منگوائیں کہ خلیفہ کے ذوق کی تسکین ہو۔ علامہ ابن اصبیغہ نے ان کتابوں کی ایک فہرست اپنی کتاب میں دی ہے۔

826ء۔ اقریطش کی فتح

بحیرہ روم میں قبرص، سلی اور سارڈینیا کے بعد سب سے بڑا جزیرہ اقریطش Crete کہلاتا ہے۔ اس جزیرہ پر مسلمانوں نے بازنطینی حکومت کے خلاف کارروائی اپنی ابتدائی مہمات کے

دوران کی تھی۔ 673ء میں اس پر عارضی طور پر مسلمانوں کا قبضہ بھی ہو گیا تھا۔ 825ء میں ابو حفص، عمر بن عیسیٰ بن شعب البلوطی نے اس جزیرے کو مستقل طور پر مسلمانوں کے لیے فتح کیا۔ ابو حفص عمر ان لوگوں کا سردار تھا جو قرطبہ میں الحکم کے خلاف ناکام بغاوت کرنے کے بعد بھاگ گئے تھے اس نے روم کے ساحل پر حملے کرنے کے بعد اقریطش میں اپنی فوج اتار دی اور اسے بتدریج فتح کر لیا۔ بجز اس علاقے کے جو اہل سفاکیہ Sphakiots کے قبضے میں تھا۔ بازنطینیوں نے مسلمانوں کو اس جزیرے سے نکالنے کی بار بار کوششیں کیں مگر ناکام رہے اور یہ جزیرہ 135 برس تک مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔

اس جزیرے پر اپنے دفاع کو مزید مضبوط بنانے کے لیے مسلمانوں نے راس خرکس Charax کے قریب ایک نیا شہر بھی تعمیر کیا تھا جسے وہ الخندق کا نام دیتے تھے مگر بعد میں وہ کینڈیا Candia کہلانے لگا۔

961ء میں بازنطینی سپہ سالار نقفور فوقاس Nikephoras نے کئی ماہ کے محاصرے کے بعد الخندق پر قبضہ کر لیا تھا اور بعد ازاں جزیرے کے اور حصوں پر بھی قابض ہو گیا۔ اقریطش کے آخری مسلمان حکمران عبدالعزیز کا انتقال قسطنطنیہ میں ہوا تھا۔ اس کے لڑکے انماس Anmas نے قیصر روم کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ مسلم آبادی عیسائیوں کی فتح کے بعد آہستہ آہستہ اس جزیرے کو چھوڑ کر چلی گئی جو باقی بچے انہیں عیسائی بنا لیا گیا۔ اہل روما کے اقریطش کو فتح کرنے کے بعد اقریطش ایک رومی امیر کاؤنٹ بونیفاس Count Boneface کے ہاتھ لگا جس نے 1304ء میں اسے اہل وینس کے ہاتھ بیچ دیا اور یہ 1669ء تک یعنی ترکوں کی فتح قسطنطنیہ تک اہل وینس کے قبضے میں رہا۔

828ء۔ ایگبرٹ کی بالادستی

تاریخی دور سے پہلے برطانیہ میں جو باشندے آباد تھے ان کا تعلق مختلف نسلوں سے تھا اور وہ مختلف سمتوں سے یہاں پہنچے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد برٹنوں کی تھی جن کی وجہ سے ان جزیروں کا نام جزائر برطانیہ پڑا تھا۔ یہ لوگ آج کے ویلز میں موجود ہیں۔ ان کے مذہبی پیشوا ڈروئڈ Druids کہلاتے تھے۔ یہ پیشوا نہ صرف مذہبی رہنما تھے بلکہ تعلیم اور مقدمات کے فیصلے بھی یہی

کرتے تھے۔ چوتھی صدی عیسوی کے بعد جب جزائر برطانیہ پر رومیوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو یہاں چھوٹی چھوٹی حکومتیں وجود میں آ گئیں۔ انہیں حکومات ہفت گانہ Heptarchy کہا جاتا ہے یعنی ویسکس، ایسکس، سیسکس، کینٹ، ایسٹ اینگلیا، فرسیا اور نارتھمبریا کی حکومتیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ جزیرے طوائف الملوکی کا شکار تھے اور کوئی مرکزی حکومت میسر نہ تھی۔

کینٹ جو ان سات اینگلوسیکس سلطنتوں میں سے ایک تھی اسے پانچویں صدی کے وسط میں جوٹ قوم کے رہنماؤں نے مستحکم کیا تھا۔ 789ء سائن وولف آف ویسکس Cynewulf Of Wessex کے انتقال کے بعد ایگبرٹ Egbert نے جو شاہ کینٹ کا بیٹا تھا اس کے تخت پر دعویٰ کر دیا لیکن وہ ناکام رہا اور اسکا مخالف بیئرٹک Bertic برسر اقتدار آ گیا جس کی وجہ سے ایگبرٹ کو بھاگ کر پہلے شاہ مرسیا، روفا اور پھر شارلمین کے دربار میں پناہ لینی پڑی۔ شارلیمان کے قریب رہ کر اس نے یورپ کے اس عظیم حکمران کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا۔ پھر 802ء میں بیئرٹک کے انتقال پر اسے ویسکس کا بادشاہ بنا دیا گیا تو اس نے شارلیمان کا انداز اپناتے ہوئے انگلستان کی ساتوں ریاستوں پر اپنی بالادستی قائم کی جس طرح شارلیمان نے تمام براعظم یورپ پر کی تھی۔ انگلستان کی جنوبی ریاستوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کی سیادت کو قبول کر لیا مگر مرسیا کے خلاف اسے لڑنا (823ء) پڑا۔ 828ء میں آخر کار ایگبرٹ کو انگلستان کا اوورلارڈ Over Lord تسلیم کر لیا گیا اور اسے ''بریٹ والڈا'' Bret Walda کا خطاب دیا گیا جس کے معنی انگلستان کو جوڑنے والا Weader Of England کے بنتے ہیں۔ ایگبرٹ نے 839ء میں انتقال کیا۔

ماخذ: 1000 Great Events۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، جلد دوم، غلام رسول مہر

828ء۔ ماہر لسانیات الاصمعی کی وفات

ابوسعید عبدالملک بن قریب، ماہر لسان عربی 213ھ 828ء کو فوت ہوا۔ اس کی تاریخ پیدائش اکثر مورخین نے 123ھ 741ء دی ہے۔ الاصمعی اور اس کے ہم عصر ابوعبیدہ اور ابوزید الانصاری باہم مل کر تین آدمیوں کا گروہ بناتے ہیں اور ماہرین زبان عربی، علم اللغتہ اور علم الشعر کے سلسلے میں ان کے مرہون منت ہیں۔ یہ تینوں بصرے کے سربرآوردہ ماہر لغتہ ابوعمرو بن ابی

العلا کے شاگرد تھے۔ ان تینوں میں سے حیرت انگیز حافظہ اور غیر معمولی تنقیدی طبیعت الاصمعی کی امتیازی شان ہے۔ اپنے استاد سے اس نے ان حدود کا جو علم اللغۃ کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں مکمل شعور حاصل کر لیا تھا۔

جعفر بن یحییٰ برمکی نے اسے خلیفہ ہارون رشید سے ملایا۔ برمکیوں نے اسے بہت نوازا۔ تاہم جب ان کا زوال شروع ہوا تو الاصمعی ان کی ہجو کرنے سے نہیں چوکا لیکن چونکہ وہ جعفر برمکی کا گہرا دوست تھا اس لیے جب جعفر خلیفہ کی نظروں سے گر گیا تو اسے بھی جان کا خوف لاحق ہوا۔ ہارون کی وفات کے بعد وہ بصرہ واپس لوٹ آیا مگر ایک تنہا شہادت کی رو سے الاصمعی کی وفات مرو (خراسان) میں ہوئی تھی۔

اس کی بود و باش کے متعلق بھی کئی کہانیاں مشہور ہیں اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں جب وہ خاصی املاک کا مالک تھا تب بھی اسے ایک مفلس شخص کی طرح رہنے پر اصرار تھا ایرانیوں کی ٹاٹھ باٹھ کی زندگی پر وہ حضرت عمرؓ اور حضرت حسن بصری کی سادہ بود و باش کو ترجیح دیتا تھا۔

الاصمعی نے الاصمعیات نام سے زمانہ جاہلیہ کے بڑے بڑے شاعروں کے قصائد مکمل اور صحیح شکل میں جمع کیے یہ قصائد جمع کرنے کے لیے اس نے ایسے لوگوں کو تلاش کیا جو روایات کا قابل وثوق علم رکھتے تھے اپنی تصانیف میں الاصمعی نے ایک ایسا تنقیدی رویہ اختیار کیا جو اس زمانے کے لحاظ سے جاذب توجہ تھا۔ جزیرہ عرب کے اماکن کا گہرا علم قبائل کے انساب کی پوری معرفت اور سب سے بڑھ کر لغت اور نحو سے پوری واقفیت اس کا طرہ امتیاز تھا۔ یہ تنقیدی خصوصیات الاصمعی کے شاگردوں کے بعد شارحین کلام عرب میں عام طور پر رائج ہو گئیں۔

ماخذ: تاریخ ادب عربی، حسن زیارت۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد دوم

832ء۔ سسلی مسلمانوں کے زیر اثر

جزیرہ سسلی، صقلیہ بحیرہ روم کے وسط میں واقع ہے۔ اسلامی فوج نے 652ء میں یہاں پہلا حملہ کیا تھا لیکن مسلمان یہاں سے مال غنیمت لے کر چلے گئے۔ ساتویں آٹھویں صدیں میں بھی مختلف خلفاء اس جزیرہ پر حملوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ افریقیہ میں جب عباسی حکومت کے زیر اثر خاندان اغلبیہ کی حکومت قائم ہوئی تو ابراہیم بن اغلب نے صقلیہ کے امیر قسطنطین نامی

بطریق کے ساتھ دس سالہ صلح نامہ کیا۔ بنواغلبیہ کے تیسرے فرمانروا زیادۃ اللہ اول کے عہد میں سسلی کے رومی حاکم اور مذہبی پیشواؤں کا ستم رسیدہ ایک رومی سالار یوفیمینوس Euphemimus حاکم افریقیہ کے دربار میں پناہ گزین ہوا اور اس نے بنواغلب کو صقلیہ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ زیادۃ اللہ نے پہلے تو کچھ تامل کیا کیونکہ وہ پچھلے صلح نامے کا پاس کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے قاضی القضاۃ اسد بن فرات کے فتویٰ دینے پر وہ اس لشکر کشی پر راضی ہو گیا۔ اس مہم کا سردار بھی قاضی اسد بن فرات کو ہی بنایا گیا وہ اس وقت 70 سال کے تھے۔ اس انتخاب کی وجہ مورخین نے یہ دی ہے کہ بنواغلب اس مہم کو جہاد قرار دینا چاہتے تھے۔

15 ربیع الاول 212ھ 14 جون 827ء کو لشکر اسلام بحری جہازوں میں روانہ ہوا اور تین روز بعد صقلیہ کے جنوبی ساحل پر واقع شہر مازر Mazara میں جا اترا۔ قاضی اسد کی فوج اور صقلیہ کے لشکر میں پہلا بڑا معرکہ 15 جولائی 827ء کو لڑا گیا۔ اس گھمسان کی جنگ میں سن رسیدہ مجاہد قاضی اسد کے لشکر کا پلہ بھاری رہا۔ جنگی اہمیت کے مقامات پر حفاظتی دستے تعینات کر کے مسلمان افریقیہ سے مزید کمک آنے کے بعد سرقوس Syracuse تک جا پہنچے لیکن یہ شہر بڑے طویل محاصرے کے بعد 828ء میں فتح ہوا۔

828ء کے موسم گرما میں قاضی اسد بن فرات کا انتقال ہو گیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں ایک وبا پھوٹ پڑی تھی قاضی صاحب بھی اسی کا شکار ہو گئے۔ بلرم یا پلرمو palermo کی فتح 831ء 216ھ تک اسلامی لشکر کھلے میدانوں میں خیمہ زن رہا۔ بلرم کی فتح کے بعد جس سے جزیرہ پر قبضہ کی اصل ابتدا ہوئی ادھر لشکر اسلام آپس کے جھگڑوں کا شکار ہو گیا جس کی وجہ سے اغلبی حکمران زیادۃ اللہ نے اپنے عم زاد بھائی ابوفہر کو صقلیہ بھیجا اور اپنا نائب مقرر کر دیا۔ صقلیہ میں مسلمانوں پہلا امیر تھا۔ 219ھ 835ء میں ابوفہر نے قصریانہ میں اکٹھے ہوئے بازنطینی لشکر سے لڑنے کا فیصلہ کیا۔ دو دفعہ کی فتح کے بعد یہ مسلمان امیر ایک فوجی بغاوت کو دبانے میں ناکام ہو گیا اور مارا گیا۔ ابوفہر کی جگہ اس کا بھائی ابو اغلب صقلیہ کا حکمران مقرر ہوا۔ اس نئے حکمران کے زیر قیادت مسلمانوں نے جزیرے کے اور کئی قلعے فتح کئے پھر جمہوریہ نیپلز کے ساتھ مسلمانوں کا پچاس سالہ معاہدہ دوستی ہو گیا۔ 859ء میں قصریانہ فتح ہوا۔ 878ء میں سرقوسہ فتح ہوا۔ 1072ء تک مسلمان جزیرے پر قابض رہے۔

ماخذ: بدر سے پانی پت تک، کرنل گیلانی۔ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 12

833ء۔ المعتصم باللہ کی تخت نشینی

المعتصم باللہ خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا ایک ماردہ نامی کنیز کے بطن سے تھا وہ المامون کی موت پر رجب 218ھ اگست 833ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ افواج نے اس کے بھتیجے عباس بن مامون کو خلیفہ بنالیا تھا مگر تھوڑے عرصے بعد عباس نے بھی اس کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ اس پر افواج نے بھی معتصم باللہ کی سیادت کو مان یا۔ اسی عہد میں ایک علوی مدعی خلافت محمد بن القاسم کا قصہ خراسان کے والی عبداللہ بن طاہر نے پاک کردیا۔ بوزنطی شہنشاہ توفیل (تھیوفیلوس) Theophilus سے عارضی صلح کرنے کے بعد المعتصم نے اپنے سپہ سالار کو قوم زط (جاٹ) کے خلاف بھیجا۔ زط سامانیوں کے عہد میں ترک وطن کر کے ہندوستان سے آ کر بصرہ اور واسط کے دلدلی علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ مامون کی وفات کے بعد ان لوگوں نے آس پاس کے علاقوں میں تباہی مچانا شروع کردی تھی۔ 835ء میں المعتصم نے افیض کو بابک خرمی کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا۔ کہیں دو سال کے بعد اسے فتح نصیب ہوئی۔ خلیفہ معتزلی عقائد کو نہ ماننے والوں سے سخت نفرت کرتا تھا' اس وجہ سے لوگ خلیفہ سے ناراض ہو گئے۔ کچھ ترک سپاہیوں کو ملازمت میں رکھنے سے اہل بغداد اس سے نالاں تھے۔ لہٰذا خلیفہ نے کسی نئے مقام پر سکون اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کے لیے اس نے بغداد سے تین دن کے فاصلے پر واقع سامرا کا انتخاب کیا اور وہاں 836ء میں ایک عالیشان محل تعمیر کرلیا۔ اس کے ساتھ فوجیوں کے لاتعداد مکانات بھی وہاں تعمیر ہو گئے۔ انہیں دنوں میں بوزنطی شہنشاہ تھیوفیلوس نے اسلامی قلمرو پر حملہ کر کے شام و عراق میں تباہی مچادی۔ اس کی سرکوبی کے لیے خلیفہ المعتصم کو خود میدان جنگ میں کودنا پڑا۔ اس کے ساتھ اس کے قابل ترین سپہ سالار بھی تھے۔ اس لیے بہت جلد بوزنطی شہنشاہ کو راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ ستمبر 838ء میں عموریہ فتح کرلیا گیا لیکن ابھی بازنطینیوں کی سرکوبی میں مصروف تھا کہ اسے موسم سرما کے شروع ہونے اور اندرونی بغاوتوں اور سازشوں کی وجہ سے بیرونی محاذ سے لوٹنا پڑا۔ 841ء میں فلسطین میں شورش برپا ہوگئی۔ اس شورش کا سرغنہ ابوحرب المبرقع (برقعہ پوش) تھا جو اپنے آپ کو بنوامیہ کے خاندان سے بتاتا تھا۔ اسے رجاء بن ایوب الحضاری نے شکست دے کر گرفتار کیا۔

المعتصم نے 18 ربیع الاول 227ھ 5 جون 842ء کو سامرا میں وفات پائی۔ اس کا ترکوں

سے نرم رویہ اور عربوں سے سختی سلطنت عباسیہ کے زوال کا باعث بنیں۔ المامون کے برعکس المعتصم زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ علم و فضل کی قدر و منزلت اس کے عہد میں بھی کم نہ ہو سکی۔ یہ سب اس کے قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد کا رہین منت تھا۔

المعتصم بنو عباس کا آٹھواں تاجدار تھا اور ہارون الرشید کی اولاد میں بھی آٹھواں شخص تھا۔ اتفاق یہ ہے کہ اس نے آٹھ سال اور آٹھ ماہ حکومت کی۔ اپنے ورثا میں آٹھ بیٹے اور آٹھ بیٹیاں چھوڑیں۔ اس نے اپنی زندگی میں آٹھ شاہی محل تعمیر کروائے۔ آٹھ دشمنوں بابک' باطش' مازیار' افشین' عجیف' قارن' قائد رافضہ اور رئیس زنادقہ کو تہہ تیغ کیا۔ آٹھ لاکھ دینار اور اسی قدر درہم' آٹھ ہزار گھوڑے' آٹھ ہزار غلام' آٹھ ہزار کنیزیں مال متروکہ چھوڑیں۔

833ء۔ امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) اور مسئلہ خلق قرآن

المامون نے اپنے عہد کے آخر میں معتزلہ کی مسئلہ خلق قرآن کی سرکاری طور پر حمایت کا اعلان کیا تھا۔ یہ عقیدہ راسخ اسلامی عقیدے کے خلاف تھا۔ مامون نے اس عقیدہ کو بالجبر منوایا۔ بہت کم علماء ایسے تھے جنہوں نے مسئلہ خلق القرآن پر تقیہ کر کے جان نہ بچائی ہو۔ ایک ایسی ہی شخصیت امام احمد بن حنبل کی تھی جنہوں نے خلق قرآن کے عقیدے کو قبول کرنے سے اعلانیہ طور پر انکار کر دیا۔ المامون نے اپنے آخری ایام میں امام احمد بن حنبل کو گرفتار کر کے رقہ بلوایا تھا مگر خلیفہ کو موت نے مہلت نہ دی مگر مامون نے اپنے جانشین المعتصم کو وصیت کی کہ خلق قرآن کا عقیدہ بالجبر منوائے۔

امام بن حنبل اس مسئلے پر مامون کے عہد سے قید تھے۔ چار چار بیڑیاں آپ کے پاؤں میں ڈال دی گئیں تھیں اس پر یہ حکم تھا کہ اسی حالت میں خود اونٹ پر سوار ہوں کوئی دوسرا سہارا نہ دے۔ طرطوس تک اسی حالت میں لے جائے گئے۔ راہ میں متعدد قید خانوں میں قید کیے جاتے رہے۔ خلیفہ المعتصم نے دو آدمی آپ سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیجے امام احمد بن حنبل نے ان سے سوال کیا کہ خدا تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہیں یا غیر مخلوق۔ انہوں نے کہا غیر مخلوق۔ اس پر آپ نے انہیں فرمایا کہ تم کافر ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ کیا کہتے ہو یہ خلیفہ کے نمائندے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ ہی کے قول کے مطابق یہ کافر ٹھہرے ہیں۔ آخر معتصم نے حکم دیا کہ امام صاحب کو

اس کے دربار میں پیش کیا جائے۔
خلیفہ کے سامنے پہنچے تو چار چار بیڑیاں پاؤں میں تھیں۔ انہیں سنبھال کر چلنا مشکل تھا۔ بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بیٹھنے کی جگہ دی۔ بیڑیوں کی مشقت سے تھوڑی دیر دم لینے کے بعد امام صاحب نے خود خلیفہ سے پوچھا۔ خدا تعالیٰ بندوں کو کس چیز کی طرف بلاتا ہے۔ معتصم باللہ نے جواب دیا۔ لا الہ الا اللہ کی طرف۔ امام صاحب نے فرمایا میں لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہوں۔ معتصم نے کہا اگر تمہیں پہلے خلیفہ کی قید میں نہ پاتا تو ہرگز تعرض نہ کرتا۔ پھر اپنے مصاحب عبدالرحمٰن بن اسحٰق کو ان سے مناظرہ کا حکم دیا۔ عبدالرحمٰن نے امام صاحب سے پوچھا کہ تم قرآن کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ آپ نے فرمایا تم خدا تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ اس جاب سے عبدالرحمٰن لاجواب ہو گیا۔ سب کو جواب دیئے گئے یہاں تک کہ سب ساقط ہو گئے۔ قاضی ابی داؤد نے المعتصم کو آپ کے قتل کا مشورہ دیا۔ خلیفہ نے آپ کو قتل تو نہ کرایا مگر کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ آپ کو بری طرح زدوکوب کیا گیا۔ مجموعی طور پر آپ 20 ماہ تک قید میں رکھے گئے مگر آپ اپنے عزم سے ذرا بھی نہ ہلے۔ تقریباً دو سال کے بعد آپ کو قید سے رہا کر دیا گیا۔ آپ خلیفہ المعتصم کے پورے عہد میں گوشہ نشین رہے۔ خلیفہ الواثق باللہ کی تخت نشینی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا مگر پھر بند کر دیا۔ 232ھ 847ء میں خلیفہ المتوکل تخت نشین ہوا اور اس نے سنی مذہب سرکاری طور پر دوبارہ اختیار کیا جس سے مسئلہ خلق قرآن خود بخود ختم ہو گیا۔ اُس زمانے کے ایک زاہد و عابد صوفی، بشیر حافی سے جب کہا گیا کہ آپ امام احمد (رحمتہ اللہ علیہ) کی سفارش میں لب کشائی کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا میں خود کو ان مصائب کا متحمل نہیں پاتا' احمد کا صبر تو انبیاؑ کا سا ہے۔ امام احمد کی شب انتقال یہی بشر حافی راوی کو خواب میں نظر آئے۔ اس نے دیکھا کہ ان کی آستینوں میں کچھ بھرا ہوا تھا۔ راوی کے پوچھنے پر بشر حافی نے فرمایا کہ امام احمد کی روح پر اللہ تعالیٰ نے جواہرات نچھاور کیے تھے یہ ان میں سے لوٹ کر آیا ہوں۔

ماخذ: تاریخ المشاہیر، قاضی سلیمان منصور پوری۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ امام احمد بن حنبل

833ء۔فلکیات دان یحییٰ ابن ابی منصور کی وفات

یحییٰ ابن ابی منصور کا تعلق ایسے گھرانے سے تھا جو علوم سائنس سے وابستہ تھا اس کا باپ ابو منصور ایک منجم تھا۔ اس کا بیٹا علی بن یحییٰ (متوفی 888ء) بھی بغداد کے دانشوروں میں سے تھا جبکہ اس کا پوتا ہارون ابن علی بھی ایک ماہر فلکیات دان ہوگزرا ہے۔

یحییٰ نے اپنی زندگی کو علم و تحقیق کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت زائچے بناتے اور ستاروں اور سیاروں کا صحیح محل وقوع دریافت کرنے کے لیے طریقے ڈھونڈتے ہوئے سر ہوتا تھا۔ تاریخ الحکما کے مطابق اس نے منجم کی حیثیت سے سب سے پہلے خلیفہ المامون کے وزیر فضل بن سہل کے پاس کام کیا۔ 818ء میں فضل کے قتل کے بعد اس نے المامون کے دربار سے وابستگی پیدا کر لی۔ اس موقع پر اس نے خلیفہ المامون کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ اس سے پہلے وہ زرتشت کے مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا پارسی نام بزیست بن تیروزاں تھا۔ خلیفہ المامون کی ترغیب پر اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد نہ صرف اس نے اپنا نام تبدیل کیا بلکہ اپنے باپ کا نام بھی فیروزاں سے ابی منصور رکھ لیا۔ اس کا باپ فیروزاں جسے فلکیات اور علوم نجوم پر دسترس حاصل تھی خلیفہ ابو منصور کے دربار سے وابستہ تھا۔ یحییٰ المامون کی دانش گاہ ''بیت الحکمت'' کا معمر ترین فرد تھا اور فلکیات سے متعلق امور اس کے ذمہ تھے۔ یحییٰ ایک استاد بھی تھا اس کے شاگردوں میں بنوموسیٰ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یحییٰ کا انتقال حلب کے مقام پر 833ء میں ہوا۔

یحییٰ کو خلیفہ مامون کے حکم پر 828ء میں شماسہ کے مقام پر قائم ہونے والی رسدگاہ میں کام کرنے والے سائنسدانوں کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا۔ تین سال بعد اس رصدگاہ کی ایک شاخ دمشق میں قائم کی گئی۔ یہ فلکیاتی مراکز مروجہ فلکیاتی جدولوں کی درستگی کے لیے قائم کیے گئے تھے۔ دمشق کی شاخ کا افسر اعلیٰ حبش حاسب (814ء-864ء) تھا جس کا کام رصدگاہ کے مشاہدات سے حاصل ہونے والے نتائج کو بغداد بھیجنا تھا۔ یحییٰ کے ساتھ المروزی، الخوارزمی اور سند بن علی بھی شریک کار رہے۔ الخوارزمی جسے الجبراء کا امام کہا جاتا ہے اس کے ساتھ مل کر 828ء میں کام کیا۔ سند بن علی رصدگاہ کے آلات کا انچارج تھا اور فلکیاتی آلات کی اختراع و ایجاد اس کے ذمے تھی۔

رصدگاہوں میں کیے جانے والے مشاہدات سے حاصل ہونے والے نتائج کا اندراج ''زیج

المحتن'' میں کیا جاتا تھا مگر سال 833ء ایسا سال تھا جس میں خلیفہ مامون اور یحییٰ بن ابی منصور دونوں ہی فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے ساتھ ہی ''زیج المحتن'' کا کام تکمیل کو پہنچے بغیر ہی معطل ہو گیا۔ فلکیاتی جدلوں پر مبنی ایک ایسا ہی مخطوطہ اسکوریال لائبریری سے ملا ہے مگر اس میں یحییٰ بن ابی منصور کی جدولیں شامل نہیں۔ یحییٰ کی فلکیاتی جدولوں سے اُس کے زمانے میں علم فلکیات پر بڑے گراں قدر اثرات مرتب ہوئے۔ ثابت بن اقرا نے اس کی جدولوں کا ایک تعارف مرتب کیا تھا۔

ماخذ: معروف مسلم سائنسدان۔ دائرہ المعارف الاسلامیہ

836ء۔ سامرا کی تعمیر

دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آج کے تکریت اور بغداد کے درمیان آج کل محض ایک گاؤں کا نام سامرا ہے مگر عباسی خلافت کے زمانہ عروج میں اس مقام پر ''سرمن رائی'' یا سامرا کا عباسی شہر تعمیر کیا گیا تھا۔ جو بغداد کے بعد دارالحکومت قرار پایا تھا۔

836ء 221ھ میں خلیفہ المعتصم کے ایک ترک جرنیل ''اشناس'' نے کرخ فیروز سے دو فرسنگ جنوب کی طرف سامرا کی بنیاد رکھی تھی۔ خلفاء عباسیہ کو بغداد میں آئے دن اپنے تنخواہ دار ترک اور بربر سپاہیوں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا جن کی وجہ سے کئی مواقع پر خود خلیفہ کی جان خطرے میں پڑ جاتی تھی اور ہمیشہ خطرہ رہتا تھا اسی وجہ سے خلیفہ بغداد یہ چاہتا تھا کہ وہ ایک ایسے شہر میں اقامت گزیں ہو جہاں ایسے خطرات نسبتاً کم ہوں۔

انہیں وجوہات کی بناء پر 836ء سے 889ء تک تقریباً 50 سال میں سات عباسی خلفاء سامرا میں مقیم رہے یہ بات عجیب ہے کہ خلفاء عباسیہ کے تعمیر کردہ اس شہر کی زندگی بھی صرف 50 سالہ ہی ہے۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے ایسے گوشہ پر تعمیر ہوا تھا جہاں سے یہ دریا جنوب مشرقی رخ پر بہنے لگتا تھا۔ المعتصم نے جو پہلے پہلے یہاں مقیم ہوا اپنے ذوق کے مطابق یہاں ایک محل تعمیر کروایا تھا جس کا نام ''الجوسق'' تھا پھر خلیفہ الواثق نے یہاں ایک محل تعمیر کروایا جس کا نام اس نے اپنے نام پر ''الہارونی'' رکھا۔ خلیفہ المتوکل نے جو کہ خود الہارونی میں رہتا تھا مگر خود 24 محل تعمیر کروائے۔ ان میں ''العروس' المختار اور بلکواری'' شامل تھے۔ ان محلوں میں لکڑی کے کام کے لیے وہ ایران سے مقدس سرو اٹھا لایا تھا جو کہ مزدکی مذہب میں بے حد مقدس تھے۔ کئی مورخین المتوکل

کے ان محلات کی سریع الاثر بربادی کے بارے میں یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ یہ سریع بربادی اس کے اس جرم عظیم کی پاداش میں ہوئی جو اس نے 852ء 236ھ میں کربلا کے مقام پر امام حسینؓ کی قبر کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دے کر کیا تھا۔ المتوکل کی وفات کے بعد المنتصر اپنا دربار ایک مرتبہ پھر سامرا لے گیا اور محل ''الجوسق'' میں سکونت اختیار کر لی۔ المعتمد آخری خلیفہ تھا جو سامرا میں رہا۔ اس نے دریا کے کنارے پر ''المعشوق'' نام کا ایک محل بھی تعمیر کروایا (255ھ)

دسویں صدی عیسوی کے بعد اس شہر کی عمارات اکثر کھنڈرات میں بدل گئیں۔ صرف سامرا کی جامع مسجد باقی رہ گئی جو کہ فوجی چھاؤنی کے قریب تھی۔ اسی وجہ سے یہ مقام عسکر سامرا کے نام سے موسوم ہونے لگا۔ اسی بڑی مسجد سے متصل اثنا عشریہ کے دو اماموں کی قبور ہیں۔ ایک حضرت امام حسن عسکریؓ اور دوسرے ابوالقاسم محمد المہدیؓ جو 878ء میں غائب ہو گئے تھے۔ جس غار میں وہ غائب ہوئے تھے وہ غار بھی سامرا میں واقع تھا۔ اسی وجہ سے گزشتہ ایک ہزار سال سے شیعہ حضرات یہاں کی زواری کے لیے آتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت المہدیؓ اسی غار سے زمانہ قرب قیامت میں خروج کریں گے۔

اسلامی فن تعمیر کے طالب علم کے لیے سامرا کی یہ مختصر مگر خیرہ زندگی کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مگر بدقسمتی سے یہاں کوئی عمارت محفوظ نہ رہ سکی کیونکہ عرب لوگ صدیوں سے اپنی عمارتی تعمیر کے لیے یہاں سے پتھر نکال کر لے جاتے رہے۔

زمانہ حال میں یہاں جو کھدائی کی گئی تھی اس سے اس شہر کی تعمیر و تزئین کے طروز و طریق پر بڑی روشنی پڑی۔

خلفا کے قدیم شہر کے کھنڈرات کے قریب ایک جدید سامرا مع ایک سنہری گنبد باقی ہے جس کی چوٹی سے صحرا کا نظارہ کیا جا سکتا ہے اسی میں آج کل شیعہ حضرات کی بعض مقدس خانقاہیں موجود ہیں۔

المتوکل والی عظیم جامع مسجد 846ء سے 852ء کے مابین تعمیر ہوئی تھی جو ایک مستطیل طرز کی عمارت تھی اس کے دروازے تیس فٹ سے زائد بلند تھے۔ مسجد کی شمالی دیوار کے ساتھ ایک مینار (ملویہ) عظیم مینارہ بابل کے طرز پر تعمیر کیا گیا جو ایک سو فٹ مربع کرسی پر قائم تھا۔ اس کے گرداگرد باہر کی طرف ایک چڑھتا ہوا چکر دار زینہ تھا جو آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 10۔ تاریخ خلفاء، السیوطی

838ء۔فتنہ بابک خرمی

المامون اورالمعتصم (813ءتا842) کے عہد خلافت میں آذربائیجان میں ایک نیم سیاسی اور نیم مذہبی فتنہ جوتقریباً ربع صدی تک جاری رہ کر دنیائے اسلام کے لیے خطرہ بنا رہا۔ اس فتنہ کے پیچھے ایرانی مزدکیوں کا ہاتھ تھا جو ساسانی عہد سے زیر قہر وعتاب تھے۔انہوں نے اپنی اشتراکی تحریکیں مختلف ناموں سے جاری رکھی تھیں۔انہیں دنوں ایک خرمی قائد جاویدان بن سیھرک نے کسی سفر پر جاتے ہوئے بلال آباد میں بابک دیکھا اوراس کی صلاحیتوں کو بھانپ کر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ جاویدان اور ابوعمران میں خرمیوں کی قیادت کے بارے میں چپقلش تھی۔ان کی جنگ ہوئی جس میں ابوعمران جاویدان کے ہاتھوں مارا گیا مگر خود جاویداں بھی نیزے کے زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے مرگیا۔جاویدان کی بیوی نے جو بابک کی دام الفت میں گرفتار تھی بابک کے لیے خرمیوں کی اطاعت کے لئے ایک افسانہ گھڑا کہ جاویدان کی روح مرنے کے بعد بابک میں حلول کرگئی ہے'اس نے خرمیوں کو کہا کہ اس کے خاوند نے کہا تھا کہ جب میری روح بابک میں حلول کرجائے تواس کی اطاعت کرنا لازم ہوگا۔بابک کی ابتدائی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں مگر 816ء201ھ کے بعد سے جب وہ خرمیوں کا قائد بن گیا اس کی تمام جزئیات تک آن ریکارڈ ہیں۔

اس نے اپنے مقلدین کے بل بوتے پر جلد ہی مسلم آبادی کے علاقوں پر حملے شروع کر دیئے۔جب اس کی بغاوت نے زور پکڑا تو مامون نے یحییٰ بن معاذ کو ارمینیا کا والی مقرر کیا تاکہ وہ اس بغاوت کو فرو کرسکے مگر یحییٰ ناکام رہا۔205ھ میں عیسیٰ بن محمد کو نیا والی مقرر کیا گیا مگر اسے بھی شکست ہوئی یہاں تک کہ بابک کے اچانک حملوں سے یکے بعد دیگرے کئی مسلمان سالاروں کو شکست ہوئی تو مامون نے عبداللہ بن طاہر کو آذربائیجان کا گورنر مقرر کیا مگر اس کے نائب اور بھی کمزور تھے لہٰذا 832ء تک صورتحال مزید خراب ہوگئی۔مزید برآں بازنطینی اور عباسیوں میں ایک بار پھر جنگ چھڑ گئی۔المامون خود بازنطینیوں کے خلاف جنگ کے لیے نکلا۔بابک نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا اور اقلیم فارس اور اصفہان تک اس کے دائرہ میں شامل ہوگئے۔مامون کی وفات کے بعد معتصم نے اسحٰق بن ابراہیم کے زیر قیادت خرمیوں کے خلاف افواج بھیجیں جنہوں نے خرمیوں کو شکست دی مگر بابک کے فتنہ کا مکمل انسداد نہ ہوسکا۔835ء میں المعتصم نے

افشیں کو جو پہلے مصری بغاوتوں کو فرو کرنے میں نام پیدا کر چکا تھا بابک کے خلاف لڑنے بھیجا کئی معرکوں کے بعد بالآخر افشیں نے بابک کو گرفتار کر لیا اور سامرا لے آیا جہاں اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بالآخر اسے قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ مورخین کے مطابق بابک مانی اور مزدک کے ثنوی طریقے سے تعلق رکھتا تھا اور انہیں کی تعلیمات پر عمل پیرا تھا۔

ماخذ: تاریخ ملت جلد دوم صفحہ 284۔ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 3

840ء۔ زریاب اور علم موسیقی میں فوقیت

خلیفہ ہارون الرشید کی محفل جمی تھی۔ آج ایک نوجوان مغنی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نوجوان مغنی نے نہ صرف اپنے گانے کی جدت بلکہ اپنے ایجاد کردہ عود سے اپنی جدید طرز کی دھنیں بجا کر خلیفہ کو مسحور کر دیا لیکن کے خلیفہ اس قدر مسحور ہو جانے سے خود نوجوان مغنی کے استاد اسحاق موصلی کے دل میں اپنے شاگرد کے خلاف حسد پیدا ہو گیا۔ اگرچہ خلیفہ کی عنایات اس کے ساتھ تھیں مگر اسحٰق موصلی کے حسد کے نتیجہ میں اس نوجوان مغنی کو بغداد چھوڑنا پڑا۔ یہ نوجوان مغنی زریاب تھا جس نے فن موسیقی میں بے حد کمال حاصل کر لیا تھا اور اپنے استاد کو بھی مات دیدی تھی۔

زریاب نے بغداد چھوڑنے کے بعد مغرب کا رخ کیا۔ پہلے قیروان میں بنو اغلب کے دربار میں امیر زیادۃ اللہ کی ملازمت اختیار کی۔ 821ء میں اس نے امیر کو اپنے ایک گیت سے ناراض کر دیا۔ امیر نے اسے کوڑے لگا کر شہر بدر کرنے کی سزا دی۔ چنانچہ وہ بحیرہ روم عبور کر کے اندلس چلا آیا اور اس نے اپنی خدمات اموی امیر الحکم الاول کو پیش کر دیں۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ زریاب ابھی قرطبہ پہنچا نہیں تھا کہ امیر الحکم الاول کا انتقال ہو گیا۔ اس کے جانشین عبدالرحمٰن ثانی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ ساتھ اسے ایک بڑی جاگیر اور سالانہ غلہ بھی عطا کیا۔ ایک گویے پر اتنی فیاضی کا چرچا دنیائے اسلام میں پھیل گیا اور خلیفہ مامون کے درباری گویے نے جس کا نام علویہ تھا خلیفہ کو شکایت کی زریاب کو اموی دربار میں اتنی دولت حاصل ہے جبکہ میں بھوک سے قریب المرگ ہوں۔ یہی نہیں بلکہ امیر عبدالرحمٰن ثانی کی فیاضی پر اس کے محکمہ خزانہ نے بھی اعتراض کیا جس کی وجہ سے امیر کو زریاب کو ادائیگی اپنی جیب سے کرنا پڑی۔

زریاب ادب لطیف کی مختلف اصناف سے گہری واقفیت رکھتا تھا۔ اسی طرح اسے ہیئت اور جغرافیے سے بھی واقفیت تھی۔ چنانچہ علم موسیقی میں اس کی فوقیت کے علاوہ اس کے یہ کمالات بھی بادشاہ کی عنایات کا سبب بنے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے زمانے کا نہایت نفاست پسند انسان بھی تھا۔ اس نے اندلس کے مسلمانوں کے رسم ورواج میں بھی نئی جدتیں داخل کیں جن کا ذکر مورخین نے کیا ہے۔ اس کی ایجادات میں لکڑی کی مضراب کی بجائے عقاب کے ناخنوں سے بنی ہوئی مضراب اور عود میں پانچویں تار کا اضافہ نہایت اہم ہیں۔ زریاب کا سب سے بڑا دعویٰ یہ تھا کہ وہ اسلامی اندلس میں موسیقی کی روایات کا بانی ہے۔ خدا نے زریاب کو حافظہ بھی غضب کا عطا کیا تھا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ دس ہزار سے زائد گیت (اغانی) اسے زبانی یاد تھے۔ اس کے علاوہ چھری کانٹوں کھانا کھانا بھی اسی سے منسوب ہے۔

ماخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 10 'عبرت نامہ اندلس' ڈوزی

842ء واثق باللہ مسند خلافت پر

ابوجعفر ہارون بن المعتصم 'الواثق باللہ اپنے والد کی وفات کے روز 18 ربیع الاول 227ھ / 5 جنوری 8428ء کو تخت نشین ہوا۔ ابواثق کی تخت نشینی کے چند روز بعد دمشق میں ایک بڑی شورش بپا ہوئی' باغیوں نے عامل دمشق کو قلعے میں بند کر کے خود مرجراہط کے بمقام پر چھاؤنی ڈال دی' ان کے مقابلے کے لئے دربار خلافت سے رجاء بن ایوب الحضاری کو بھیجا گیا تھا جس نے ان کی گوشمالی کی۔

نواح مدینہ میں بنوسلیم نے حجاز کی منڈیوں کو لوٹ لیا اور شورش بپا' عامل مدینہ نے حماد بن جریر الطبری کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا مگر اسے شکست ہوئی ناچار خلیفہ الواثق باللہ کو سپہ سالار بغا الکبیر کو اس مہم پر بھیجنا پڑا' اس نے شعبان 230ھ / مئی 845ء میں مدینہ منورہ میں داخل ہو کر بنو سلیم کو شکست دی اور باغیوں کے سرداروں کو مدینہ منورہ میں قید کر دیا' مگر یہ قیدی اپنے محافظوں کو قتل کر کے قید سے بھاگ نکلے' اہل مدینہ نے حبشی غلاموں کی مدد سے ان باغیوں کو گرفتار و قتل کر دیا۔

ابواثق باللہ پر قاضی احمد بن ابی داؤد اور محمد بن عبدالملک الزیات دو شخص بہت اثر انداز تھے وہ

ان کے مشورہ کے بغیر کوئی حکم نہ دیتا تھا' اور نہ ہی ان کی کسی رائے پر اظہار ناراضگی کرتا تھا' اس نے تمام کاروبار حکومت انہی دو اشخاص کے سپرد کر رکھا تھا۔

الواثق باللہ غور وفکر کا دلدادہ' اہل نظر کا قدر دان اور تقلید و مقلدین کا دشمن تھا' متاخر فلاسفہ اور شرع کے موافقین اور ماہرین علم سے محبت کرنے والا تھا' الواثق باللہ نے صرف پانچ سال حکومت کی اور 23 ذوالحجہ 232ھ/10 اگست 847ء کو 32 سال کی عمر میں وفات پائی' مورخین کے مطابق اس میں عظیم فرمانراؤں کے اوصاف موجود نہ تھے اور اس کا مختصر عہد حکومت اہم وقائع سے خالی ہے' کٹر معتزلی ہونے کے باعث علمائے اہل سنت کو ظلم و جبر کا نشانہ بناتا تھا' اگرچہ علویوں سے اس کا سلوک انتہائی روادارانہ تھا مگر لذات جسمانی کی دلدادہ بیان کیا جاتا ہے اپنے اعلیٰ عہدیداروں سے بڑی بڑی رقوم بالجبر وصول کرتا تھا' انہیں حالات میں اس زمانے کی ایک محترم شخصیت احمد بن نصر بن مالک خزاعی نے سازش کی اور خلیفہ کو معزول کرنے اور اس کے ترک افسروں کا جور و تغلب ختم کرنے کے لئے عوام کی تائید و تعاون حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ اس سازش پر عمل کا اشارہ قبل از وقت دے دیا گیا (شعبان 231ھ/اپریل 846ء) جس سے حکام کو سازش میں شریک افراد کا بلاوقت پتا چل گیا اور احمد بن نصر کو موت کی سزا دے دی گئی۔

ماخذ۔ مروج الذہب و معاون الجواہر' المسعودی جلد سوم صفحہ 571'
دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 22 صفحہ 558

845ء ابن سعد کی وفات اور ''طبقات ابن سعد''

ابوعبداللہ محمد بن سعد البصری الزہری بنی ہاشم کا آزاد کردہ غلام تھا جو کاتب الواقدی کے سیکریٹری کے نام سے مشہور ہے' اس نے حدیث ہشیم' سفیان بن عیینہ' ابن غلیۃ اور الواقدی سے پڑھی وہ 168ھ/874ء میں پیدا ہوا اور جمادی الثانی 230ھ/ 845ء میں اس نے وفات پائی' ابوبکر بن ابی الدنیا اور دیگر محدثین نے اس حدیث کی بھی روایت کی ہے' یحییٰ بن معین کے سوا دیگر محدثین کرام نے اسے ثقہ راوی قرار دیا ہے۔

اس کی کتاب ''طبقات الکبیر'' بہت مشہور ہے جس میں رسول اللہ ﷺ' صحابہ کرامؓ اور تابعین

کے حالات مؤلف نے اپنے زمانے تک لکھے ہیں۔ طبقات الکبیر کے علاوہ ابن خاکان اور صاحب کشف اذونون حاجی خلیفہ اس کی ایک اور کتاب ''طبقات صغیر'' کا نام بھی لیتے ہیں' ابن ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں ان کی کتاب ''اخبار النبی ﷺ'' کا ذکر کیا جو کوئی علیحدہ کتاب نہیں بلکہ طبقات الکبیر میں سیرت النبی (ﷺ) کا حصہ ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں چند جرمن مستشرقین کی کوشش سے یہ آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی۔ (1904 تا 1917ء) نویں جلد جو اشاریہ پر مبنی ہے۔ جز اول 1921ء میں اور جز ثانی 1928ء میں طبع ہوا۔ طبقات کا ایک حصہ 1308 میں آگرہ میں بھی طبع ہوا تھا' بہر حال طبقات ابن سعد کا شمار صدر اسلام کی تاریخ کے نہایت مفید اور مستند مصادر میں ہوتا ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب طبقات کی ترتیب میں لکھی گئی ہے۔ ''طبقات'' طبقہ کی جمع ہیں۔ یہ اسم مکان کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی میں ''ایک دوسرے کے اوپر واقع ہونا اور ایک جیسے'' اسم زماں کے طور پر اس کے معنی ہیں۔ ''ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے' نسل کے بعد نسل'' کتابوں کے ناموں ''طبقات الشعراء'' طبقات الفقہا وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں شعراء فقہا اور محدثین وغیرہ کا نسلاً بعد نسل ذکر ہے۔ محدثین کرام نے طبقاتی اسلوب حدیث نبوی (ﷺ) کے جائزہ تحقیق' اسناد حدیث کی معرفت اور اس کی جانچ پڑتال کے بعد ایجاد کیا گیا۔

طبقات الکبریٰ یا طبقات ابن سعد پہلی کتاب ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہے۔ امام واقدی کی ''الطبقات'' کے علاوہ اس سے پہلے اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی' زیر موضوع کتاب میں امام ابن سعد نے اپنے شیخ امام واقدی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضور اکرم (ﷺ) صحابہ کرام' اپنے زمانہ تک کے تابعین' مشاہیر اور اعلام اور پھر سب سے آخر میں خواتین کا تذکرہ کیا ہے' کتاب کی ابتداء وہ جناب پیغمبر اسلام (ﷺ) کی سیرت مبارکہ سے کرتا ہے جو کتاب کی ابتدائی دو جلدوں کے اکثر حصوں پر مشتمل ہے' سیرت کے ان ابواب میں اس نے سب سے پہلے مختلف انبیاء کرام اور ان کے انساب کا ذکر کیا ہے' اس کے بعد آنحضرت کے پیدائش سے لے کر وفات حسرت آیات تک کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ سیرت نبویہ (ﷺ) کے بعد انہوں نے ایک فصل میں ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا ہے جو آنحضرت (ﷺ) کی زندگی میں اور آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد مدینہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ پھر ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جو عہد نبوی (ﷺ) میں قرآن کریم جمع کرنے والے تھے نیز حضرت عائشہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے' اس

کے بعد انصار و مہاجرین کی اولاد میں سے سات بڑے فقہائے مدینہ تابعین کا ذکر ہے۔ یہ ابتدائی دو جلدوں کے مندرجات ہیں باقی تمام جلدوں میں حضرات صحابہ کرام اور تابعین کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، حرف آخری جلد خواتین کے تذکرے کے لئے مخصوص ہے۔

صحابہ کرامؓ کو ابن سعد نے تقدم فی اسلام کے لحاظ سے پانچ طبقوں میں منقسم کیا ہے۔

1- پہلا طبقہ ان صحابہ کرام کے لئے مخصوص ہے جو غزوہ بدر میں شامل تھے۔

2- دوسرے طبقے میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جو قدیم الاسلام ہیں اور جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے، ان میں وہ حضرات شامل ہیں جو حبشہ کی جانب سے ہجرت کر گئے تھے۔

3- تیسرے طبقے میں وہ حضرات شامل ہیں جو غزوہ خندق میں شریک ہوئے اور وہ حضرات بھی جو غزوہ خندق کے موقع پر مشرف با اسلام ہوئے۔

4- چوتھے طبقہ میں وہ حضرات ہیں جو فتح مکہ کے موقع اور اس کے بعد اسلام لائے۔

5- پانچویں طبقے میں وہ حضرات ہیں جو وفات نبوی (ﷺ) کے موقع پر نوعمر تھے اور آپ (ﷺ) کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ صحابہ کرام اور تابعین کے ذکر کے بعد آخری جلد میں ابن سعد نے خواتین اسلام کا تذکرہ کیا ہے، ان خواتین میں خاندان نبوی (ﷺ) کی خواتین، ازدواج مطہرات (ﷺ) اور دیگر صحابیات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی اور دنیا کے کسی کتب خانے میں اس کا مکمل نسخہ موجود نہیں تھا، جرمنی کے بادشاہ کو اس کی اشاعت کا خیال ہوا اور اس نے مشہور مستشرق ذخاؤ Sachall کو اس کام پر مامور کیا، پروفیسر موصوف نے مشرق وسطیٰ جا کر اس مکمل جلدیں تلاش کیں اور 1904ء تا 1917ء اس کی آٹھ جلدیں شائع کیں۔

845ء امام بخاریؒ اور "الجامع صحیح"

ایک مجلس میں مشہور زمانہ محدث اسحاق بن راہویہ اپنے شاگردوں سے مخاطب تھے، انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم ایک ایسی مختصر کتاب تیار کرو جس میں رسول اللہ (ﷺ) کی صرف صحیح احادیث جمع ہوں، یہ بات ان کے ایک شاگرد امام بخاری کے دل میں گھر کر گئی، انہیں دنوں ایک خواب میں امام بخاری کو نبی کریم (ﷺ) کی زیارت ہوئی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں کھڑے ہیں اور ہاتھ میں پنکھا لے کر آپ (ﷺ) سے مکھیاں اڑا رہے ہیں۔ مبصرین

نے انہیں تعبیر بتائی کہ تم نبی کریم (ﷺ) سے منسوب جھوٹی احادیث کو مکھیوں کی طرح بناؤ گے اور غیر صحیح احادیث کو رد کردو گے' اس خواب سے امام بخاری کی عزم صمیم کو اور تقویت ملی کہ حدیث شریف کے مجموعوں کو حسن اور ضعیف حدیثوں سے پاک کیا جائے۔ یہ مقصد سامنے رکھ کر وہ اپنی ''جامع الصحیح'' کی تالیف وتدوین میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔

امام ابوعبداللہ' محمد بن اسمٰعیل ابن المغیرہ البخاری فارسی الاصل نامور محدث تھے' ان کا خاندان یمن الجعفی کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا چنانچہ اسی نسبت سے وہ الجعفی بھی کہلائے' امام بخاری کی پیدائش 13 شوال 194ھ/809ء کو اور وفات خرتنگ میں جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب' یکم شوال 256ھ/31 اگست 870 کو بعمر تیرہ دن کم باسٹھ سال ہوئی' تدفین عید کے دن ہوئی' اس کے والد اسمٰعیل بن ابراہیم بھی حدیث کے ثقہ راوی تھے' بچپن میں امام بخاری کی آنکھیں جاتی رہیں تھیں' لیکن ماں کی دعا اور دربار باری تعالیٰ میں گریہ وزاری کی بدولت ان کی بصارت لوٹ آئی' حافظہ بلا کا پایا تھا' آپ ذہانت میں بھی ضرب المثل تھے' ابتدائی تعلیم بخارا کے جلیل القدر شیوخ مثلاً محمد بن سلام بیکندی' محمد بن یوسف' بیکندری اور ابراہیم بن الاشعث سے حاصل کی' سولہ برس کی عمر میں عبداللہ بن مالک اور وکیع بن الجراح کی کتابوں کو حفظ کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں سولہ روز بغداد میں قیام رہا اس دوران پندرہ ہزار احادیث حفظ کرلیں' امام بخاری نے شام' مصر اور جزیرہ کا دو مرتبہ سفر کیا اور بصرہ کا چار مرتبہ' حجاز میں چھ سال مقیم رہے' کوفہ اور بغداد میں تو آمد ورفت بکثرت رہتی تھی' امام بخاری کو ایک لاکھ حدیثیں صحیح از بر تھیں' اور دو لاکھ غیر صحیح' امام بخاری کی زیادہ تر شہرت ان کی کتاب ''الجامع الصحیح'' کی وجہ سے ہے جو آج بھی دنیائے اسلام میں قران کریم کے بعد سب سے معزز کتاب ہے' الجامع الصحیح لکھنے کا عزم کرنے کے بعد امام بخاری نے سفر وحضر میں ہر جگہ برابر اپنی یہ کتاب تالیف کرنے کا کام جاری رکھا' البتہ اس کی تہذیب وترتیب کا کام ایک مرتبہ تو حرم کعبہ میں انجام دیا دوسری مرتبہ مسجد نبوی (ﷺ) میں منبر ومحراب کے درمیان ریاض الجنہ میں' علمائے امت نے امام بخاری کی اس لازوال تصنیف کو ''اصح الکتاب اور کتاب اللہ یعنی قران مجید کے بعد شریعت اسلامیہ میں صحیح ترین کتاب کا لقب دیا' صحیح بخاری کی قبولیت اور اہمیت کا اندازہ اس کی شروح' تعلیمات' اور حواشی کی کثرت سے باآسانی ہو جاتا ہے' ''الجامع الصحیح'' امام بخاری نے 845ء میں مکمل کی

دنیا کی سو عظیم کتابیں ستار طاہر' ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 4 صفحہ 120

847ء خلیفہ المتوکل سند خلافت پر

ابواثق باللہ کی وفات پر ذوالحجہ 23ھ / اگست 847ء میں تخت نشین ہوا' المتوکل ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا' اس نے خلق قرآن اور رویت باری کی بحثوں کو روک دیا اور تمام عقائد و خیالات کو جو کتاب سنت کے خلاف تھے' یک قلم مسترد کر دیا' عوام نے المتوکل کے اس کارنامے کو ستائش کی نظر سے دیکھا' 232ھ / 849ء میں اس نے عیسائیوں کے لباس اور ان کی مذہبی رسوم پر پابندی عائد کر دی' یہ رومی حکومت کے ساتھ ان کی ساز باز کا نتیجہ تھی' قاضی القضاۃ احمد بن داؤد اور اس کے بیٹوں کو برطرف کر کے جو خلق قران کے فتنے کی جڑ تھے' قاضی القضاۃ کا عہدہ ایک سنی العقیدہ مسلمان یحییٰ بن اکثم کو عطا کیا' (بعض نامعلوم وجوہات کی بناء پر اس کی علویوں سے مخاصمت تھی) صوبوں میں اکثر بغاوتیں رونما ہوتیں تھیں اور غیر ملکی بھی اکثر لوٹ مار کرتے رہتے تھے' آذربائیجان میں محمد البعیث نے بغاوت کر دی' مگر خلیفہ کی افواج اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں تا آنکہ بوغا اشرابی نے فوج کی قیادت سنبھلی اور ایک طویل محاصرے کے بعد اسے گرفتار کیا اور سامرا لے آیا' بازنطینی مصر میں داخل ہو گئے' انہوں نے وہاں بڑی لوٹ مار کی' ایشیائے کوچک میں بازنطینیوں سے حسب معمول جنگ جاری رہی' قسطنطنیہ کی ملکہ تھیوڈرا theodora نے ایک عیسائی فرقے پولیشن پر ظلم و ستم کیا تو وہ گروہ در گروہ مسلمانوں سے جا ملے مگر روم کی حکومت ان کی اکثریت کو قید کرنے میں کامیاب ہو گئی' اس فرقے کے جن افراد نے مسیحیت دوبارہ قبول کی انہیں چھوڑ کر باقی کو حکومت روم نے تہ تیغ کر دیا۔

المتوکل کے عہد میں صفاریوں کی حکومت سجستان میں قائم' المتوکل نے ماہ صفر 244ھ / مئی 858ء میں دمشق میں سکونت اختیار کی مگر صرف دو ماہ بعد واپس بغداد آ گیا' بغداد کے لوگوں میں نظم و ضبط قائم کرنے کے لئے خلیفہ نے حاکم خراسان محمد بن عبداللہ بن طاہر کو بغداد بلایا اور جب افتراپرداز شاہی محافظوں نے خلیفہ کے لئے پریشانیاں پیدا کیں تو اس نے 245ھ / 860ء میں سامرہ سے باہر جعفریہ میں ایک شاہی محل تعمیر کرایا' المتوکل کے عہد حکومت میں ترک کاروبار حکومت پر چھا گئے' المتوکل اور ترک امراء میں بدگمانی پیدا ہوئی اور آخر اختلاف شروع ہو گیا' پہلے خلیفہ نے اپنے بیٹے المنتصر کو ولی عہد منتخب کیا اور اس کے دو بھائیوں المعتز اور ابراہیم المویہ کو اس کے بعد اس کا جانشین مقرر کیا مگر بعد ازاں خلیفہ کی رائے بدل گئی اور وہ المعتز کے حق میں ہو گیا'

اس لئے المنتصر اس سے بدظن ہوگیا اور اس نے دسمبر 861ء/ شوال 247ھ میں خلیفہ کے مخالفوں سے مل کر سازش کی جس کے نتیجے میں المتوکل کو قتل کر دیا گیا۔

المتوکل کا عہد عباسیہ خلافت کا عہد زریں تھا' یہاں خوشحالی تھی' راستے پر امن اور اشیاء سلف ارزاں تھیں' المتوکل کا ایک کارنامہ سنت نبوی (ﷺ) کا احیا اور شافعی مذہب کا اختیار کرنا ہے' تاریخ یعقوبی جلد دوم ماخذ دائرہ المعارف جلد 18

847ء الخوارزمی کی وفات

ابوعبداللہ وابوجعفر' محمد بن موسیٰ الخوارزمی کی اہم ترین تصنیف ''الجبرا'' عملی ریاضی کے موضوع پر ہے' اس تصنیف کا مقصد لوگوں کو وراثت شراکت' تجارت اور قانونی مقدمات کے مختلف مسائل کے حل کے بارے میں آسان حسابی طریقہ کار سے روشناس کرانا تھا' اس تصنیف کے صرف پہلے حصے میں اس مضمون کے جدید مفہوم کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے' دوسرا حصہ پیمائش و مساحت کے بارے میں ہے۔ تیسرا طویل ترین حصہ ترکے کے مسائل سے متعلق ہے۔

الخوارزمی کا شمار خلیفہ المامون کے عہد کے نامور مسلم سائنسدانوں میں ہوتا ہے' اسے فلکیات' ریاضی اور جغرافیے سے خصوصی شغف تھا' ان مضامین سے متعلق اس کی تحقیقات سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں' اس کے کام کو نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ یورپ میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے اور مغرب کے سائنسدان بھی اس کے کام سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

الخوارزمی نے مامون کے عہد میں فروغ پایا' وہ اس کے بیت دانوں میں شامل تھا۔ مطالعہ کا بیشتر وقت مامون کے کتب خانے میں گزارتا تھا' مامون نے اس کے سپرد یونانی کتابیں جمع کرنے اور ان کا عربی ترجمہ کرنے کا کام کیا تھا۔

تقریباً 825ء میں اسے مامون کے بیت الحکمت کی کشش کھینچ کر بغداد لائی تھی' جدت و اختراع کا سرا تو اللہ تعالیٰ نے الخوارزمی کو بخشا ہی تھا' بغداد میں آمد کے بعد اس نے شب و روز کی محنت سے علم ریاضی پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا اور اسے بیت الحکمت بھجوا دیا' اس مقالے سے بیت الحکمت میں کھلبلی مچ گئی' خوارزمی کو فوراً طلب کیا گیا' بیت الحکمت کے ذہین ترین علماء کا ایک بورڈ بیٹھا اور مقالے کے بارے میں سوالات کئے۔ آخر کار مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کو بیت

الفت کی رکنیت دیدی گئی' وہ دنیائے اسلام کا پہلا شخص تھا جس نے مقالہ لکھنے کا طریقہ ایجاد کیا یہ طریقہ دنیائے علم میں آج بھی رائج ہے اور دنیا بھر کی یونیورسٹیاں پی ایچ ڈی ڈگری کے حصول کے لئے مقالہ لکھواتی ہیں' آج بھی ڈگری کے امیدوار کو پروفیسروں کے ایک بورڈ کے سامنے الخوارزمی ہی کی طرح اپنے مقالے کے بارے میں کئے گئے سوالات کا جواب دینا پڑتا ہے جو Defence کہلاتا ہے' مامون کے کہنے پر بعد ازاں الخوارزمی نے افلاک اور کرہ ارض کے نقشوں کی ایک اٹلس تیار کی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ نے 842ء میں الخوارزمی کو شمالی قفقاز میں ایک سردار کے پاس سفارتی مشن پر بھی بھیجا تھا۔ الخوارزمی ان ماہرین فلکیات میں بھی شامل تھا جنہوں نے خلیفہ الواثق باللہ کی علالت کے دوران اس کا زائچہ بنا کر پیش گوئی کی تھی کہ خلیفہ ابھی مزید پچاس برس جیئے گا' یہ پیش گوئی صحیح ثابت نہ ہوئی اور خلیفہ صرف نویں یا دسویں روز اس جہان فانی سے کوچ کر گیا اور پیش گوئی کرنے والوں کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا' الخوارزمی نے 847ء میں وفات پائی

معروف مسلمان سائنسدان اردو سائنس بورڈ' ماخذ دنیائے عظیم سائنسدان' اردو سائنس بورڈ

850ء اسحٰق موصلی کی وفات

خلیفہ المامون ایک شخص سے اس کے فن وعلم کی وجہ سے بہت متاثر تھا۔ ایک بار اس نے دربار میں اس شخص کے متعلق کہا کہ اگر اسحٰق موصلی ایک مغنی کی حیثیت سے اس قدر مشہور نہ ہوتا' تو میں اسے قاضی کے عہدے پر فائز کرتا۔ دربار کی محفلوں میں اسحٰق موصلی کو بڑے بڑے علماء' فضلاء اور ادباء کی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت تھی اور وہ لباس پہننے کی بھی جو فقہا کے لئے مخصوص تھا۔ الواثق کہتا تھا کہ جب اسحٰق میرے سامنے گاتا ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے مقبوضات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ جب اس شہرہ آفاق مغنی کا انتقال ہوا تو خلیفہ المتوکل پکار اٹھا کہ "اسحٰق کی موت نے میری سلطنت کو بڑی زینت وافتخار سے محروم کر دیا۔ اسحٰق موصلی نے بغداد میں رمضان 235ھ/اگست 850ء میں وفات پائی۔ خلفاء میں الامین' مامون' المعتصم' الواثق اور المتوکل اس کے مداح تھے۔ ابو محمد اسحٰق بن ابراہیم بن ماہان (میمون)' اوائل عہد عباسیہ کا مشہور ترین مغنی اور ایک نامور مغنی کا بیٹا (ابراہیم موصلی کا) تھا 150ھ/767ء میں رے میں پیدا ہوا ایک فارسی نژاد

امیر گھرانے کا فرد تھا' اسحٰق کو بڑی اچھی تعلیم دی گئی' اس نے حدیث ہشیم بن بشیر حاصل کی' قران الکسائی اور الفراء سے پڑھا۔ خالص ادب کی تعلیم الاصمعی اور ابوعبیدہ المثنی سے حاصل کی۔ علم موسیقی اس نے اپنے چچا الزلزال سے اور اپنے والد سے حاصل کیا۔ اس کا پہلا سرپرست خلیفہ ہارون الرشید تھا' آل برامکہ میں یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹے اس کے مربی تھے' جب فضل بن یحییٰ خراسان کا والی مقرر کیا گیا (794ء) تو اس نے اسحٰق کو ایک شعر کے صلے میں جو اس نے اس کی تقریب تقرری پر موضوع کیا تھا' ایک ہزار دینار سرخ عطا کئے خلفا اور اس کے امراء کے انعام و اکرام کی بارش ساری زندگی اسحٰق پر ہوتی رہی۔

ایک جامع کمالات مغنی ہونے کی حیثیت سے اسحٰق کو عربی موسیقی کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے اس کے عہد کے دیگر موسیقاروں کا اس کی اعلیٰ فن کاری کے سامنے چراغ نہیں جلتا تھا۔ ایک نقاد نے اسے درجہ فضیلت کے لحاظ سے ابن سریج اور معبد کے درمیان جگہ دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے تخنیث Falsettc کا استعمال کیا' عودنوازی میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا' چنانچہ کتاب الاغانی میں اس کی عودنوازی کی کئی مثالیں مذکور ہیں۔

نغمہ سازی میں وہ طرز جدید کا موجد تھا۔ اپنے سب گانوں کی ابتداء وہ تیز اور بلند سر سے کیا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب ''الملسوع'' (بچھو کا کاٹا ہوا) پڑ گیا تھا۔ اسحٰق موصلی کا اصل کارنامہ عربی موسیقی کے دبستان خیال کے فکر و عمل کو جن کا اس عہد میں معدوم ہو جانے کا خطرہ تھا' ایک معین ضابطے کی شکل دینا اور شاید اس طرح فن موسیقی کی سب سے بڑی خدمت انجام دینا تھا۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2 ماخذ تاریخ ملت جلد دوم

850ء عرب سائنسدانوں نے اصطرلاب ایجاد کیا

اصطرلاب یا اسطرلاب عربی زبان کا لفظ ہے یہ ایک آلہ کا نام ہے جو پہلے اجرام فلکی کا محل ووقوع متعین کرنے کے لئے مستعمل تھا۔ سادہ اسطرلاب ایک معلق قرص ہوتا ہے جس کے محیط پر درجوں کے نشان بنے ہوتے تھے اور مرکز پر ایک متحرک نمائندہ لگا ہوتا تھا۔ جہاز رانی میں اس کی جگہ اٹھارہویں صدی سے سدس Sextant نے لے لی ہے۔

اصطرلاب کا بنانا اور اس کا استعمال ہمیشہ سے اسلامی ہیئت دانوں کا ایک مرغوب مشغلہ رہا ہے سب سے قدیم اسلامی آلات جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی کے ہیں۔

اصطرلاب کی ایجاد کا سہرا عرب مسلمانوں کے سر ہے۔ تقریباً 850ء میں عرب ہیئت دانوں نے یہ آلہ ایجاد کیا تھا۔

851ء ایک ناپاک عیسائی تحریک

ہسپانیہ میں مسلم سلطنت کے زیر اہتمام عیسائیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اس لئے عیسائی عوام بھی مسلم حکومت سے اسی طرح خوش تھی جیسے مسلمان خود لیکن عیسائی پادری اپنے پرانے اقتدار کی عظمت (رفتہ بحال کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے امیر امیر عبدالرحمٰن الاوسط کے عہد میں اپنی تقریروں کے ذریعہ عیسائیوں میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ تکلیفیں اٹھانے سے مذہب کی اصل روح کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔ اس کی ترکیب یہی تھی کہ مسلم حکمرانوں کو تنگ کر کے اور ان کے مذہب کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کر کے جسمانی سزائیں بشمول سزائے موت پائی جائے۔ استحریک کا بانی قرطبہ کا ایک عیسائی راہب یولوجیئس Ellogius تھا' اس نے مذہبی دیوانوں کی ایک جماعت تیار کی جو اسلام اور بانی اسلام پر سب وشتم کر کے مسلمانوں کو تنگ کرنے لگی۔ اس تحریک کے پس پشت ایک دولت مند عیسائی نوجوان ال وارو Alvaro اور ایک حسین دوشیزہ فلورا تھے۔ فلورا ایک مسلمان باپ اور عیسائی ماں کی اولاد تھی۔ باپ مر چکا تھا' فلورا کا بھائی تو مسلمان رہا مگر اس کی ماں نے اپنی بیٹی کو عیسائی تعلیم دلوا کر مسیح بنالیا۔ دین مسیح کے جذبہ خدمت کے تحت وہ مسلمان بھائی کو چھوڑ کر عیسائیوں کے پاس چلی گئی۔ اس کے گھر سے بھاگنے کی ذمہ داری پادریوں پر ڈالی گئی تو وہ گھر واپس آ گئی' واپس آ کر اس نے اپنے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیا۔ بھائی نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ یولوجیئس کی تحریک میں شامل ہو کر سب وشتم کرنے لگی۔ اس الزام مین اسے قاضی قرطبہ نے کوڑے لگوائے اور گھر بھیج دیا مگر وہ ایک بار پھر گھر سے فرار ہو کر عیسائیوں کے پاس چلی گئی' یہاں پہلی مرتبہ اس کی ملاقات یولوجیئس سے ہوئی اور دونوں میں محبت ہو گئی اور

وہ مل کر اس ناپاک عیسائی تحریک کو چلانے لگے۔

اب یولوجیئس کی تحریک عملی دور میں داخل ہوگئی' مسلمانوں کے تہوار عید کے دن ایک پادری مسلمانوں کے اجتماع میں گھس گیا اور دین اسلام اور پیغمبر اعظم و آخر (ﷺ) پر سب وشتم کرنے لگا۔ لوگوں نے اسے پکڑا اور زدکوب کر کے مار ڈالا۔ قرطبہ کا لارڈ بشپ اس کی لاش کو لے گیا اور سینٹ آگس کے گرجا گھر میں پورے مسیحی اعزازات اور تبرکات کے ساتھ اسے شہید کا درجہ دے کر دفن کیا۔ اس کے بعد آئزک Isaac نامی ایک مسیح پادری قاضی کی عدالت پہنچا اور کہنے لگا کہ مجھے اسلام کی تلقین کرو کہ میں یہ دین قبول کرنا چاہتا ہوں' جب اسلامی عقائد اس کے سامنے بیان کئے گئے تو وہ گالیاں بکنے لگا۔ قاضی نے اسے طمانچہ مار کر کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ اس جرم کی سزا موت ہے' اس نے کہا کہ میں اپنے خدا کی بادشاہت میں جانے کا تہیہ کر کے آیا ہوں۔ چنانچہ جب اسے سزائے موت دی گئی تو وہ مسیحیوں کا دوسرا ولی قرار پایا۔ پھر قصر شاہی کے ایک عیسائی پہرہ دار سینکو Sanco کے دماغ مین فتور آ گیا۔ غرض 247ھ/851ء میں گیارہ عیسائیوں نے بدزبانی کر کے ''شہادت'' کا رتبہ حاصل کیا مگر عام عیسائیوں نے اس تحریک میں حصہ نہ لیا اور اشبیلیہ کے استعف نے مجلس منعقد کر کے اس ناپاک تحریک کی مذمت کی۔ مگر سر پھرے عیسائی باز نہ آئے فلورا ایک اور راہبہ میری کے ساتھ قاضی کے سامنے پیش ہوئی اور دونوں اپنی گندہ ذہنی کی وجہ سے آخر کیفر کردار تک پہنچیں۔ اس کے بعد یہ تحریک کچھ دنوں کے لئے دب گئی' اور یولوجیئس کو رہا کر دیا گیا مگر امیر محمد اول کے عہد میں دوبارہ یولوجیئس کے اشارے پر ابھری اور 859ء میں یولوجیئس کی موت پر ختم ہوئی۔

تاریخ ہسپانیہ ماخذ عبرت نامہ اندلس۔ تاریخ ہسپانیہ از نصیر احمد ناصر

852ء محمد اول تخت قرطبہ پر

قرطبہ میں دریائے وادی الکبیر کے کنارے ایک عالی شان محل تھا۔ 238ھ/852ء کی ایک صبح ایک خواجہ سرا سعدون اس عالیشان محل کے دروازے پر حاضر تھا وہ عالیشان محل کے مکین شہزادہ محمد کو اس کے والد امیر عبدالرحمن کے انتقال کی خبر اور اس کی جانشینی کی خوشخبری دینے کے لئے آیا تھا' چونکہ ملکہ طروب اپنے بیٹے عبداللہ کو جانشین بنانا چاہتی تھی' اس لئے شہزادہ محمد کا چھپ کر شاہی محل

پہنچنا ضروری تھا۔ سعدون نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی بیٹی کو شاہی محل تک لے جایا کرتا ہوں' آج آپ انہیں کا رلباس پہن کر میرے ساتھ چلیئے تا کہ لوگ آپ کو پہچان نہ سکیں۔ تاوقتیکہ آپ کی تخت نشینی کا اعلان نہ ہو جائے۔ چنانچہ شہزادہ محمد زنانہ لباس پہن کر سعدون کے ساتھ چلا' جب شاہی محل کے دروازے پر پہنچے تو دربان نے پوچھا کون ہے؟ سعدون نے جواب دیا محمد کی صاحبزادی لیکن زنانہ لباس کے باوجود دربان پہچان گیا' اس پر شہزادے نے نقاب ہٹا کر اپنی آمد کا مقصد بیان کیا' اس پر دربان نے محل کے اندر جائز تصدیق کی اور پھر شہزادے کو اندر آنے کی اجازت دی' اس کے بعد امراء سلطنت کو طلب کر کے تخت نشینی کی رسوم اور مرحوم امیر کی تجہیز و تکفین کی گئی۔

امیر محمد اول نے تخت نشینی کے بعد موسیٰ بن نصیر کے عہد کے بعد تعمیر کئے جانے والے تمام گرجاؤں کے انہدام کا حکم دیا' ایسے تمام گرجا جو موسیٰ بن نصیر کے عہد نامے کی رو سے ناجائز تعمیر کئے گئے تھے قابل انہدام تھے' اس اقدام سے عیسائیوں کی آئے دن کی ریشہ دوانیوں کا خطرہ مٹ گیا' اس کے بعد امیر نے ایسے تمام منصب داروں کو موقوف کر دیا' جو دینداری کے اصول پر نہیں چلتے تھے۔

سابق سلاطین کے عہد سے عیسائی ریاستیں جنوب میں اپنی حدود بڑھاتی چلی آتی تھیں' ان کی روک تھام کے لئے اعلان جہاد کر دیا گیا۔ جہادی افواج پر والیان ماردہ اور سرقسطہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ افواج پیشقدمی کرتے ہوئے جنوبی فرانس میں ناربون کی دیواروں تک پہنچ گئیں۔ جس فوج کو والئی سرقسطہ کمان کر رہا تھا اس نے حلبقیہ میں کچھ کامیابی حاصل کی پھر شکست کھا کر پسپاہ ہو کر آ گئی۔ انہیں دنوں طلیطلہ کے عیسائیوں نے سر اٹھایا اور شورش بپا کر دی 862ء میں نارمن قزاقوں نے جزیرہ نمائے اندلس کے ساحل پر لوٹ مار شروع کر دی' امیر عبدالرحمٰن کے زمانے میں بھی یہ لوگ نقصان پہنچاتے رہے تھے۔ امیر کے بحری بیڑے ان پر چھاپہ مار کر ان کے پچاس جہاز گرفتار کر لئے' باقی جہاز وہ لے کر بھاگے اور انہوں نے جزائر بیلیارک کو تباہ کیا۔

بحیثیت مجموعی امیر محمد کا عہد بغاوتوں' زلزلوں' شورشوں' بدعنوانیوں اور مصائب کا عہد تھا' ان عوامل نے امیر محمد کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچایا۔ طلیطلہ کے عیسائیوں کو امیر نے داخلی خودمختاری عطا کی جس کے بعد دیگر شہروں کے والیوں نے بھی طلیطلہ کے عیسائیوں کی تقلید کی' ابن مروان نامی ایک نومسلم امیر نے بطلیوس کا شہر امیر سے حاصل کر لیا۔

861ء الفرغانی اور مقیاس نیل کی تعمیر

الفرغانی انجینئرنگ میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا' ابن تغری بردی کے مطابق اس کے خلیفہ المتوکل کے حکم پر فسطاط کے مقام پر ''مقیاس الکبیر'' (جس کو مقیاس الجدید بھی کہتے ہیں) کی تعمیر کی نگرانی کی تھی' یہ تعمیر 861ء میں مکمل ہوئی تھی اور اس سال خلیفہ المتوکل کو قتل کر دیا گیا۔

ابوالعباس احمد بن کثیر الفرغانی قرون وسطیٰ کا ممتاز ہیئت دان' ماہر علم نجوم اور انجینئر تھا' الفرغانی ماوراالنہر میں فرغانہ کے مقام پر پیدا ہوا تھا' اس کے نام کے متعلق مورخین میں اختلاف رائے ہے۔ ابن الندیم نے الفہرست میں اسے محمد بن کثیر اور ابوالفرج نے احمد بن کثیر الفرغانی لکھا ہے' اسکا عظیم شاہکار جس کا عربی متن' آکسفورڈ' پیرس' قاہرہ اور پرنسٹن یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے' جوامع العلم النجوم والحرکات اسماویہ یا اصول علم نجوم جان اشبیلی اور جیراڈ آف کریمونہ نے اس کا لاطینی ترجمہ کیا تھا' اس شاہکار کا عبرانی ترجمہ بھی موجود ہے' کتاب کا عربی متن لاطینی ترجمے اور مکمل شرح کے ساتھ 1669ء میں ایمسٹرڈیم سے شائع ہوا تھا۔

المتوکل نے سامرا سے جب سکونت اپنے نام سے منسوب شہر الجعفریہ میں منتقل جو ایک نہر آب رسانی کے لئے کھودنے کا حکم موسیٰ بن شاکر کے دو بیٹوں محمد اور احمد کو دیا ان دونوں نے اس نہر کی تکمیل کا کام احمد بن کثیر الفرغانی کے سپرد کر دیا' اس نہر کی تعمیر میں الفرغانی سے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب ہوا' وہ یہ کہ نہر کا آغاز والا حصہ بقیہ نہر کی نسبت گہرا ہو گیا' اس طرح سے نہر میں یہ سقم رہ گیا کہ اس میں پانی کا بہاؤ بہت سست ہو گیا جس کی وجہ سے اس میں بہت کم پانی بہتا تاوقتیکہ دریائے دجلہ میں اونچے درجے کا سیلاب آیا ہوا ہوتا جس سے نہر میں پانی کی روانی میں اضافہ ہو جاتا' اس بات کی اطلاع جب خلیفہ کو ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوا اس نے سند ابن علی کو اس مسئلہ کی تفتیش کے لئے مقرر کیا۔ سند ابن علی نے اپنی مرتب کردہ رپورٹ میں اس بات کی ضمانت فراہم کر کے کہ الفرغانی کا کاغذی تیاریاں اور اعداد شمار تو درست تھے لیکن کہیں تکنیکی غلطی کی بناء پر سقم رہ گیا جو ہوا تھا۔ اس طرح سند ابن علی نے ان دونوں بھائیوں اور الفرغانی کو خلیفہ کے عتاب سے بچا لیا' تاہم اس معاملے کو بعد میں ماہرین نجوم نے صحیح طور پر معلوم کر لیا تھا۔ مگر اس غلطی کے خلیفہ کے سامنے بیان کئے جانے سے صرف کچھ دیر پہلے خلیفہ المتوکل کو قتل کر دیا گیا۔

861-62ء منتصر باللہ اور مستعین باللہ مسند خلافت پر

خلیفہ متوکل نے اپنے بعد اپنے بیٹے منتصر باللہ کو ولی عہد مقرر کیا تھا مگر بعد میں اس کا جھکاؤ اپنے دوسرے بیٹے المعتز کی طرف ہوگیا' دوسری طرف المتوکل ترک امراء' کا زور توڑنا چاہتا تھا اس نے اپنے ایک ترک امیر ایتاخ کو قتل کروا دیا۔ قریب تھا کہ وہ دوسرے ترک امراء کو بھی ٹھکانے لگا دیتا کہ انہوں نے منتفر باللہ کو اپنے ساتھ ایک سازش میں شریک کرلیا ایک رات جب خلیفہ نینیند پی رہا تھا دس ترک سپاہیوں کو ساتھ لے کر ایک ترک امیر نے خلیفہ کو اس کے ہم نشین کے ساتھ قتل کر دیا۔

المتوکل کے سازشیوں کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد المنتصر باللہ مسند خلافت پر بیٹھا چونکہ وہ ترک امراء کے تعاون سے تخت نشین ہوا تھا اس لئے حکمران کی حیثیت سے وہ احمد بن الخصیب وزیر اور ترک جرنیلوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی منتفر باللہ نے ایک حکم کے ذریعے جعفریہ کو جسے المتوکل نے بے شمار دولت صرف کر کے تعمیر کروایا تھا کھدوا ڈالا' یہاں کی کل آبادی اپنی پرانی جگہ یعنی سامرہ میں منتقل ہوگئی۔

متوکل کے قتل کے بعد سے ترک امراء اور فوج اتنی خودسر ہوگئی کہ ان کی ہیبت سے خود خلیفہ لرز بہ اندرم تھا۔ ترک امراء نے اس سے کہا کہ اپنے دونوں بھائیوں المعتز اور المویہ کو ولی عہدی سے معزول کردو' دونوں مجبور کر دیئے گئے کہ تاج وتخت کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں دونوں نے جان کے خطرے کے پیش نظر دست برداری کو قبول کرلیا' المنتصر باللہ نے شاہی خزانہ سے کسریٰ کے زمانے کے کچھ فرش نکلوائے جن میں سے ایک کے وسط میں ایک دائرہ بنا ہوا تھا اور اس میں ایک سوار کی تصویر تھی' جس کے سر پر تاج تھا' اس فرش کے چاروں کناروں پر قدیم فارسی تحریر میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ خلیفہ نے ایک فارسی مترجم سے اس تحریر کو پڑھوایا مگر وہ اسے پڑھ کر خاموش ہوگیا اور کہنے لگا کہ اس کے معنی کچھ اس کی سمجھ میں نہیں آئے مگر خلیفہ نے اصرار کیا کہ وہ اس کے معنی بتائے۔ اس پر مترجم نے بتایا کہ اس پر لکھا ہے کہ ''میں شیرویہ بن خسرو بن ہرمز ہوں' میں نے اپنے باپ کو قتل کر کے تاج وتخت سنبھالا لیکن مجھے چھ ماہ سے زیادہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوا۔ یہ سن کر منتصر کا رنگ فق ہوگیا کیونکہ وہ خود بھی اپنے باپ کے قتل میں ملوث تھا۔ اس نے اس فرش کو جلوانے کا حکم دیا دوسری طرف اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنے باپ کے قاتل ترک امراء سے انتقام لے گا۔ مگر ترک امراء کو اس کے ارادے کی خبر ہوگئی انہی دنوں خلیفہ بیمار پڑ گیا' ترک امراء نے

شاہی طبیب ابن طیفوز کو رشوت دے کر زہر میں بجھے ہوئے آلہ سے خلیفہ کی فصد کھلوادی جس کے اثر سے خلیفہ منتصر باللہ جانبر نہ ہوسکا اور اس نے صرف چھ ماہ دو دن حکومت کی جو شیرویہ کے عہد حکومت کے برابر تھی' اپنے باپ کے رویہ کے برعکس وہ علویوں کے ساتھ بڑے حسن وسلوک کے ساتھ پیش آیا تھا۔

تاریخ ملت جلد دوم تاریخ یعقوبی ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21

868ء الجاحظ کی وفات

خلیفہ متوکل نے ایک شخص کے علم وفہم کی تعریفیں سنیں تو اسے اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر کرنے کے لئے ''سرمن رائی'' میں اپنے پاس بلایا لیکن جب اس صاحب علم وفہم کی شکل دیکھی جو اتنی مکروہ اور بدوضع تھی اور اس کی آنکھیں اس کے نام کے مطابق ابھری ہوئی تھیں (جاحظ' ابھری آنکھوں والا) کہ خلیفہ نے اسے دس ہزار درہم دے کر واپس کر دیا۔ یہ ذی علم انسان جاحظ تھا جو مشرق کا والٹیئر کہلاتا ہے۔

ابوعثمان عمرو بن بحر الفقیمی البصری مشہور ومعروف عربی نثر نگار کتب ادب کا مصنف' معتزلی الہیات اور سیاسی رنگ کے مذہبی مباحث لکھنے والا 160ھ/776ء میں بمقام بصرہ پیدا ہوا۔ وہ بنو کنانہ کے موالی میں ایک گمنام خاندان سے تھا جو غالباً حبشی الاصل تھا۔ اس کا لقب جاحظ اس لئے پڑا تھا کہ اس کی آنکھیں ابلے ہوئے ڈھیلے والی تھیں' وہ شروع ہی سے فقہ اللغۃ' علم لسانیات اور شعراء العرب کے فاضل ترین علمائے عصر مثلاً الاصمعی' ابوعبید' ابوزید کے حلقہ درس میں شرکت کرتا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ علمائی مجلسوں میں شرکت سے اس نے عربی زبان میں حقیقی مہارت پیدا کرلی' الجاحظ کی غیر معمولی ذہانت نے اسے بچپن ہی سے معتزلہ اور امراء کے حلقوں میں روشناس کرا دیا تھا' اس کے علاوہ اس کے اپنے شہر بصرہ میں جو عقلی وسائل میسر تھے وہ اس کے لئے وسیع ثقافت میسر کرنے کے لئے کافی تھے' اگرچہ الحافظ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ غالباً پہلے ہی شروع کر دیا تھا لیکن اس کے ادبی شغل کا ثبوت اندازاً 16-815ء میں جا کر ملتا ہے' اس کا تعلق ایک ایسے واقعے سے ہے جس کا اس کی بعد کی زندگی پر فیصلہ کن اثر پڑا' اس کی چند تصانیف نے جو ''امامت'' کے موضوع پر تھیں المامون سے داد وتحسین حاصل کی۔ اس کی بدولت اسے

دارالحکومت میں بڑی قدر و منزلت حاصل ہوگئی' بعد میں وہ کسی وقت بصرے سے بغداد آ گیا' اس کے بعد اس کا بیشتر وقت بغداد اور سامرہ میں گزرا' بغداد اس وقت اپنے عروج پر تھا' اس کی تصانیف میں سب سے اہم کتاب ''الحیوان'' ہے ہمارے علم میں یہ اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے یہ ضخیم کتاب سات حصوں پر مبنی ہے' اس کتاب میں جانوروں کی انواع و کیفیات پر بحث نہیں کی گئی بلکہ فی الحقیقت یہ ایسے قصوں کا انتخاب ہے جن میں حیوانات کا ذکر کیا گیا ہے' الجاحظ کی دو سو تصانیف کے نام ہم تک پہنچے ہیں جبکہ صرف 30 ایسی مکمل کتابیں جو محفوظ ہیں ہم تک پہنچی ہیں' زندگی کے آخری ایام میں جیسے اس کا آدھا دھڑ مفلوج ہو گیا تھا' وہ اپنے شہر بصرہ لوٹ گیا اور وہیں محرم 255ھ دسمبر 868ء میں اس کی وفات ہوئی' محققین نے لکھا کہ اس نابغہ عرب کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وفور علم' قوت استدلال' بحث کے تمام پہلوؤں پر احاطہ' مقابلہ میں شدت اور کلام کے دل نشین و بلیغ ہونے کے باعث وہ اپنے ہم عصروں میں سب پر سبقت لے گیا تھا۔

تاریخ ادب عربی' حسن زیارت' دائرہ المعارف اسلامیہ ماخذ دنیا کے عظیم سائنسدان

866ء المستعین کی معزولی اور المعتز کی تخت نشینی

862ء/248ء میں خلیفہ المنتصر کی وفات کے بعد ترک سپہ سالاروں نے اس کے چچازاد بھائی احمد کو المستعین کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ اس انتخاب کی وجہ سے سامرہ میں عام بددلی پیدا ہوگئی اور المعتز کے حامیوں نے شورش برپا کر دی' جسے ترک سپاہیوں نے بڑی خونریزی سے رفع کر دیا۔ جب المستعین کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا تو اس نے بغداد کے گورنر محمد بن عبداللہ بن طاہر کو اس کے عہدے پر مستقل کر دیا اس نے المعتز اور اس کے بھائی المؤید کی بغداد کی جائیداد ضبط کر کے انہیں گرفتار کر لیا۔ ترک انہیں مار ڈالنا چاہتے تھے' لیکن وزیر احمد بن الخصیب نے ان کی حفاظت کی مگر جلد ہی خود زیر عتاب آ گیا اور جزیرہ کریٹ پر جلاوطن کر دیا گیا۔ انہی دنوں ترک فوج کو بوزنطیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی جس کی وجہ سے ایک بار پھر سامرہ میں سورش برپا ہوگئی' تاہم باغیوں کو وزیر اتامش اور دو ترک سپہ سالاروں وصیف اور بوغا الاصغر نے منتشر کر دیا کچھ عرصہ بعد بوغا الاصغر کی انگیخت پر وزیر اتامش کو قتل کر دیا گیا' ان شورشوں میں خلیفہ خود کو سامرہ میں محفوظ نہیں

سمجھتا تھا اس لئے وہ محرم 251ھ بمطابق فروری 865ء کو بغداد منتقل ہوگیا' خلیفہ کی غیر موجودگی میں المعتز کے حامیوں نے اسے سامرہ کے قید خانے سے نکال کر تخت نشین کرنا چاہا جس پر لڑائی چھڑ گئی جو ذوالحجہ 252ھ / جنوری 866ء میں ختم ہوئی اس کے نتیجے میں المستعین کو معزول کر دیا گیا اور المعتز تخت نشین ہوگیا۔ المستعین کے متعلق طے پایا کہ وہ مدینہ منورہ میں رہا کرے' لیکن اسے واسط میں قید کر دیا گیا اور بعد ازاں قتل کر دیا گیا' المعتز باللہ خلیفہ المتوکل کا بیٹا تھا' 4 محرم کو اس کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا' جب اس نے وصیف اور بوغا الاصغر ترک سپہ سالاروں سے پیچھا چھڑانا چاہا تو انہیں اس کی خبر ہوگئی اور وہ فرار ہوگئے' مگر المعتز اپنے بھائی اور جانشین المؤید کو قتل کرانے اور اپنے ایک دوسرے بھائی ابواحمد کو قید کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر اگلے دو سالوں میں اس نے ان ترک سپہ سالاروں کو بھی قتل کروا دیا مگر چونکہ اس کا خزانہ خالی تھا اور اس کے پاس فوج کی تنخواہ کے لئے بھی رقم نہ تھی اس لئے فوج نے اس کے خلاف شورش بپا کر دی۔ المعتز نے اپنی والدہ کو جس کے پاس بے حد دولت تھی امداد کی درخواست کی مگر اس نے دولت دینے سے انکار کر دیا اس پر باغیوں نے خلیفہ المعتز کو معزول کر دیا اور اسے ایک زیر زمین کال کوٹھری میں قید کر دیا گیا۔ جہاں وہ تین دن کے فاقے سے صرف 24 سال کی عمر میں مر گیا' اس کے عہد میں خارجیوں نے موصل پر قبضہ کر لیا' ایشیائے کوچک میں بازنطینیوں نے مسلمانوں کو شکست دی' باغیوں نے المعتز سے خلع خلافت کا اعلان کرایا تھا جس پر المعتز نے محمد بن واثق کو خلافت سپرد کر دی تھی۔

تاریخ ملت جلد دوم' تاریخ یعقوبی جلد دوم ماخذ دائرہ المعارف' اسلامیہ جلد 20

864ء دولت زیدیہ کا قیام

الحسن بن زید بن الحسن طبرستان میں قائم ہونے والی دولت زید کے بانی تھے۔ طبرستان میں چونکہ طاہری خاندان کی جابرانہ حکومت نے سیاسی بے چینی پیدا کر دی تھی اس علاقے میں علوی خاندان سے گہری عقیدت پائی جاتی تھی' بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کی اولاد میں سے کسی ایسے شخص کی جستجو کی جسے وہ کاروبار حکومت تفویض کر سکتے۔ اس طرح وہ الحسن کی طرف متوجہ ہوئے یہ انتخاب موزوں ثابت ہوا کیونکہ الحسن میں ایک ایسی مستعدی اور ارادے کی پختگی تھی جو دوسروں میں کم ہی پائی جاتی تھی۔ آخر وہ طاہری فوجوں کو شکست دے کر رے قبضہ کرنے میں کامیاب

ہو گئے لیکن الحسن کو ایک سے زیادہ بار ہر طرف سے حملوں کے خلاف مدافعت کے لئے تیار رہنا پڑا اور اپنی مملکت کو چھوڑنا پڑا۔ 257ھ/871ء میں انہوں نے جرجان پر قبضہ کر لیا اور 259ھ/873ء میں قومس پر اسی سال ان کا ایک نیا دشمن یعقوب ''الصفار'' ان کے سامنے آیا' اس شخص نے عباسی خلیفہ سے ''باغی علوی'' کو کچلنے کا عزم دکھا کر اپنا فرمان تقرری حاصل کیا تھا' جب الحسن نے عبداللہ السجستانی کو' جس نے ان کے پاس پناہ لی تھی' یعقوب کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو اسے آسانی سے ان کے خلاف جنگ کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا' الحسن کے پاس اتنی عسکری قوت نہ تھی کہ اس قدر زبردست حریف کا مقابلہ کر سکے' وہ دوبارہ دیلم چلے جانے پر مجبور ہو گئے' ادھر سخت بارشوں نے یعقوب کو اتنا خستہ حال کر دیا کہ وہ اس ملک سے بھاری جانی نقصان اٹھائے بغیر باہر نہ نکل سکا' ایسے میں الحسن واپس آ گئے اور کچھ عرصہ تک امن و عافیت سے رہے' یہاں تک کہ 266ھ/880ء میں جرجان پر احمد بن عبداللہ نامی شخص نے چڑھائی کر دی' جب الحسن اسے لڑائی میں مصروف تھے تو ایک اور علوی نے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے افواہ اڑا دی کہ الحسن قتل کر دیئے گئے' لیکن ان کی واپسی پر اس شخص کو ہزیمت اٹھانا پڑی الحسن نے 270ھ/884ء میں وفات پائی۔

ان کا خاندان زیدیہ 316ھ/928ء تک طبرستان پر حکومت کرتا رہا' ذاتی طور پر الحسن ایک قابل شخص تھے' انہیں شاعری اور فقہ کے علاوہ متعدد علوم پر ادراک حاصل تھا۔

ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8 صفحہ 243

866ء وفات الکندی

بعض ماہرین کتابیات نے الکندی' ابو یوسف یعقوب ابن اسحٰق الصباح (ولادت 801ء وفات 866ء) کو ''اولین عرب فلسفی'' کے نام سے یاد کیا ہے' اس نے ہجری علوم کی ترویج میں بھرپور کردار ادا کیا' مزید یہ کہ اس نے عربی کی فلسفیانہ اور بعض صورتوں میں سائنسی اصطلاحات کی حتمی تشکیل و توضیح میں اہم حصہ لیا۔

الکندی نسلاً جنوبی عرب سے تعلق رکھتا تھا' اسے فیلسوف عرب بھی اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے' وہ کوفہ میں پیدا ہوا' اس کا باپ کوفہ کا عامل تھا' بصرہ اور بغداد میں تعلیم حاصل کی' اس عہد میں یہ شہر مرکز علمی تصور کئے جاتے تھے' خلفائے بنو عباس کے دربار خصوصاً المامون اور المعتصم کے عہد میں

اس نے فلسفہ یونان کی کتابوں کے تراجم مرتب کئے اور المعتصم کے ایک بیٹے کے اتالیق اور منجم وغیرہ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں چونکہ وہ دربار خلافت کے معتزلہ عقائد کا سچا پیروکار تھا' اس لئے جب المتوکل کے عہد میں جب عقاید اہل سنت و جماعت کا احیا ہوا تو اس پر بھی اثر پڑا اور اس کا کتب خانہ کچھ عرصے کے لئے بحق سرکار ضبط کرلیا گیا' 866ء میں جب وہ بقیہ حیات تھا' کیونکہ انہی دنوں سلطنت عباسیہ کو قرامطہ اور ستاروں کے ایک (منحوس) قران سے خطرہ لاحق ہوا تو وہ سمجھتا تھا کہ وہ یہ پیشن گوئی کرسکتا ہے کہ ابھی یہ سلطنت مزید 450 سال قائم رہے گی۔

الکندی کی جہاں تک رسائی ہوسکتی تھی اس نے یونانی علوم قدیم میں اچھی خاصی بصیرت حاصل کرلی تھی' اس کے بعد وہ اپنی بقایا زندگی میں ادبی سرگرمیوں کے ذریعے بڑی جانفشانی سے ان علوم کی نشر و اشاعت اسلامی دنیا میں کرتا رہا' دسویں صدی ہجری میں اس کی ان سرگرمیوں کے ثمر ہر شعبہ علم بالخصوص ریاضی اور طبیعیات میں ملتے ہیں' اس کی تصنیفات میں سے بہت کم عربی میں محفوظ رہ سکی ہیں' البتہ لاطینی زبان میں اس کے بہت سے تراجم آج بھی موجود ہیں۔

جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے اس نے افلاطون اور ارسطو کے فلسفیانہ نظریات میں نوافلاطونی طرز پر تحقیق دینے کی کوشش کی۔

الکندی پہلا مسلم فلسفی ہے جس نے خدا کے لئے واجب الوجود کی اصطلاح استعمال کی' وہ توحید کو اصل دین سمجھتے ہوئے اس پر زور دیتا ہے' طبیعیات میں الکندی کا اہم ترین کارنامہ اس کی وہ تصنیف ہے جس میں علم مناظر سے متعلق اس نے اپنی مشاہدات و تجربات کو بڑے حکیمانہ انداز میں پیش کیا ہے' اس نے علم الکیمیا کی صرف اس بناء پر مخالفت کی کہ اس کی مدد سے سونا نہیں بنایا جاسکتا۔

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد دوم ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 17

دنیا کی پہلی کتاب 868ء ''رتن سوترا'' کی طباعت

ایک انگریز ماہر آثار قدیمہ سر آرل اسٹائن اپنے چینی مددگار چیانگ کے ہمراہ مغربی چین کے صحراؤں اور میدانوں کے پار شہر تن لوانگ جارہے تھے' انہیں اس اجاڑ چینی شہر سے کوئی غرض نہ تھی' اصل مقصد شہر کے قریب ایک بدھ خانقاہ کو دیکھنا تھا' جو کسی زمانے میں بڑی شہرہ آفاق شہرت کی حامل تھی اور ''ایک ہزار بدھوں کے غار'' کہلاتی تھی۔ ریت سے دھکے ہوئے پہاڑ' ریگستانی وادیاں

اور سفر کی صعوبتیں سر آرل سٹائن کا اشتیاق بڑھاتی تھیں۔ وہ اس کتب خانے کو دیکھنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے جس میں ہزاروں قلمی نسخے محفوظ تھے اور جس کا اتفاقاً اس جگہ پتہ چلا تھا۔ سر آرل سٹائن سوچ رہا تھا کہ ان نایاب کتب سے چین، ہندوستان، اور ترکستان کی تاریخ کے متعلق نئی نئی معلومات حاصل ہوں گی۔

پھر وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں ریگستانی وادی میں بے شمار چٹانیں کھڑی تھیں، ان میں سے ایک چٹان میں شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح باریک سوراخ نظر آ رہے تھے، یہ باریک سوراخ دراصل کھوئیں تھیں جن قدیم بدھ درگاہیں تھیں۔ وہ ان نیم تاریک غاروں میں داخل ہو گئے، مدھم سے اجالے میں انہوں نے دیکھا کہ یہاں مہاتما بدھ کے نوے نوے فٹ طویل مجسمے کھڑے تھے، ایک چینی نوجوان ان کے پاس آیا یہ یہاں کا محافظ ہوشنگ تھا۔

سر آرل سٹائن نے اس سے دریافت کیا کہ کیا یہاں بہت سی قلمی کتابیں محفوظ ہیں پھر اسے بتایا کہ وہ اتنا طویل سفر صرف علم و دانش کی ان کتابوں کو دیکھنے کے لئے کر کے آیا ہے۔

محافظ نے بتایا کہ اس کے آقا وانگ تاشیہ نے یہ کتابیں ایک خفیہ کمرے میں منتقل کر دیں ہیں اور وہ خود تین ہفتے کے لئے خانقاہ سے باہر گئے ہوا ہے، اس سے ملاقات تین ہفتے بعد ہو سکے گی۔

سر آرل سٹائن نے اس سے دریافت کیا کہ اس کے آقا نے یہ قدیم کتابیں کس طرح دریافت کی ہیں، محافظ نے بتایا کہ کوئی سات سال پہلے ان کھوؤں کی مرمت کرتے ہوئے یہ کتابیں دیوار کی ایک دراڑ سے دریافت ہوئی تھیں۔ 9 سو سال بھکشوؤں نے ایک حجرے میں یہ قدیم کتب ایک کھوہ میں رکھ کر ان کے آگے ایک دیوار چن دی تھی تا کہ یہ دشمنوں سے محفوظ رہیں پھر تین ہفتے بعد آخر وانگ تاوشیہ سے ملاقات ہوئی چینی عالم انگریز ماہر آثار قدیمہ کی استدعا سن کر اسے خفیہ حجرے میں لے گیا جہاں چراغ کی دھندلی روشنی میں نادر قلمی نسخے اور ریشمی جھنڈے محفوظ تھے۔

وانگ تاوشیہ نے ان مخطوطوں کے عنوان بلند آواز سے پڑھ کر سنانے شروع کر دیئے یہ عنوانات سن کر سر آرل سٹائن بے اختیار پکارے ''ارے یہ سنسکرت کی کتاب ہے، یہ ترکی زبان کی مناجاتیں ہیں اور یہ..... فرش پر ہر مشرقی زبان سے نایاب کتابیں بکھری ہوئی تھیں، جب وانگ یہ مخطوطے سر آرل سٹائن کو دکھا رہے تھے تو چیانگ نے ایک مخطوطہ جس پر ایک تصویر بنی ہوئی تھی خاص طور پر سر آرل سٹائن پیش کی اور بتایا کہ یہ کتاب چھپی ہوئی ہے۔ سر آرل سٹائن نے فرمائش کی کہ اسے پڑھ کر سنایا جائے۔

چیانگ پڑھنے لگا'' میں نے یہ بات اسی طرح مہاتما بدھ کے بارے میں سنی ہے ایک یادگار موقع پر بدھ نے شروستی کے ملک کا سفر کیا اور جتا کے باغ میں ٹھہرے۔ مہاتما بدھ کے ہمراہ ساڑھے بارہ سو چیلے تھے' وہ سب علم و دانش میں کامل تھے' ان خاص خلیفہ جماعت کے وسط میں تھا' وہ اپنی نشست سے اٹھا داہنے گھٹنے پر جھک کر ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ مہاتما سے یوں مخاطب ہوا' ''اے عارف کامل' محترم ارشاد فرمایئیکہ آپ کے مریدوں کو حصول عرفان کے لئے کیا عمل کرنا چاہئے؟ سر آرل سٹائن نے اسی قدر کتاب کے مندرجات سننے کے بعد کہا'' یہ تو رتن سوتر The Diamond Sutra ہے۔

جی ہاں'' وانگ تاشیہ نے جواب دیا'' بجا طور پر اسے یہ نام دیا گیا جس طرح چمک دمک کی وجہ سے ہیرا تمام جواہرات کا سردار یا سرتاج ہے' اسی طرح حکمت کے اعتبار سے یہ کتاب دوسری کتابوں پر فائق ہے' جب سر آرل سٹائن نے اس قدیم کتاب کو چھوا تو چینیوں کی اس بات سے اتفاق کیا کہ یہ کتاب چھاپی گئی ہے' سر آرل سٹائن نے اسے دیکھ کر کہا'' اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دنیا کی قدیم ترین مطبوعہ کتاب ہے دنیا کی پہلی چھپی ہوئی یہ کتاب'' رتن سوترا چینی ترکستان کے ایک غار سے 1900ء میں ملی تھی اور اسے سر آرل سٹائن نے دریافت کیا تھا۔

یہ کتاب 5 میٹر طویل کاغذ کے ٹکڑے پر چھپی ہوئی ہے اور صرف 6 صفحات پر مشتمل ہے' 5 صفحات پر کتاب کا متن کندہ ہے جبکہ ایک صفحے پر لکڑی کے گدے ہوئے ٹکڑوں کے ذریعے ایک تصویر چھاپی گئی ہے پھر ان صفحوں کو کسی چپکنے والی شے کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے یہ کتاب کسی وانگ چیہہ نامی شخص نے 868ء میں چھاپی تھی اور اپنے والدین کی یاد میں مفت تقسیم کی تھی۔

آج کل یہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے

869ء فتنہ صاحب الزنج

المنتصر باللہ کے درباریوں کی مصاحبت میں ایک شخص علی بن عبدالرحیم تھا جس کا تعلق قبیلہ عبد قیس سے تھا' بظاہر وہ ایک معمولی آدمی تھا مگر اس کی نظر دولت عباسیہ کی کمزوریوں پر تھی انہی کمزوریوں کو دیکھ کر اس نے بھی قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا' اس نے حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے علوی ہونے کا اعلان کیا اور 249ھ میں بحرین میں جا کر جو شیعان علی کا مرکز تھا' اپنا

شجرہ نسبت براہ راست امام حسینؓ اور حضرت علیؓ سے ملا کر مظلوم حبشیوں کو اپنے ساتھ ملالیا' زنگی حبشی کو کہتے ہیں جس کا عربی مترادف ''زنج'' ہے اسی وجہ سے وہ ''صاحب الزنج'' کہلانے لگا' اس زمانے میں بھی ازمنہ قدیم کی طرح لاکھوں حبشی غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اور اپنے آقاؤں کے ظلم وتشدد سے تنگ تھے۔ یہاں تک کہ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا نہ کوئی انہیں حکمران طبقہ سے آزاد کرانے کا سوچتا تھا۔ صاحب الزنج ان کا قائد بنا اور انہیں آزادی کا مژدہ سنایا اور کہا کہ اگر ان کا کوئی آقا آزادی میں مزاحم ہوگا تو اس کا مقابلہ کیا جائے گا' پھر اس نے اعلان کیا کہ ہر غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر اس کے جھنڈے کے نیچے چلا آئے' اس کے اس اعلان سے ہزاروں حبشی غلام بھاگ کر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ علی بن عبدالرحیم نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ دعویٰ امامت کے بعد مدعی نبوت ہوا۔ ایک مرتبہ اپنے پیروؤں کو کہنے لگا کہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے بصرہ جاؤں اور وہاں کے لوگوں کو نجات اخروی کا راستہ دکھاؤ۔ چنانچہ 255ھ میں وہ اپنے پیروکاروں کی معیت میں بصرہ چلا گیا' یوں پورے عراق میں حبشیوں کی اس جماعت نے قیامت بپا کر دی' حبشی کھلم کھلا اپنے آقاؤں اور ان کے عزیز واقارب سے انتقام لینے لگے' اور عامۃ المسلمین پر ہاتھ صاف کرنے لگے' ان کے مظالم نے دنیائے اسلام میں کھلبلی مچادی' بحرین' بصرہ' ایلہ اور کربلا میں صاحب الزنج کے پیروؤں نے آفت بپا کر دی۔

صاحب الزنج کی دعوت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ دعوت تو آل محمد (ﷺ) کے نام پر دیتا تھا اور عقائد خارجی رکھتا تھا' حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ وطلحہؓ حضرت امیر معاویہؓ اور یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی برا بھلا کہتا تھا۔

اپنے پیروؤں میں اپنا اثر بڑھانے کے لئے الہام ووحی کے نزول کی بڑ ہانکنے لگا۔

حکومت عباسیہ اگر چہ بہت کمزور ہو چکی تھی مگر حکومت نے ابو ہلال ترکی کو چار ہزر کی جمعیت کے ساتھ صاحب الزنج کے مقابلے پر بھیجا مگر اس نے حبشیوں سے شکست کھائی' اس کے بعد خلیفہ معتمد نے ابوالمنصور الخیاط کو ایک عظیم الشان لشکر دیکر صاحب الزنج کی گوشمالی کے لئے بھیجا' اس لشکر میں بیشمار رضا کار بھی شامل تھے جو اس فتنہ سے تنگ آ کر اس کے خلاف لڑنے نکلے تھے مگر اس مرتبہ بھی عساکر شاہی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور صاحب الزنج اور اس کے ساتھیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ جعلان ترکی سامرا سے اہل بصرہ کی کمک پر لڑنے آیا مگر اس کو بھی غفلت میں حبشیوں نے مار ڈالا۔ اس کے بعد صاحب الزنج نے بزور تیغ ایلہ میں داخل ہو کر وہاں کے گورنر اور مختصری

فوج کو تہ تیغ کر ڈالا اور شہر کو آگ لگا دی۔ ایلہ جل کر سیاہ ہو گیا اب اہواز تک کا تمام علاقہ صاحب الزنج کے زیر اقتدار آ گیا۔ یہ بغاوت خلیفہ مہتدی کے عہد میں شروع ہوئی تھی اور خلیفہ معتمد کے عہد تک جاری تھی۔ خلیفہ نے اب سعید بن صالح حاجب کی زنگیوں کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ 257ھ میں سعید نے ان کے خلاف کامیابی حاصل کی اور پہلے معرکے میں انہیں شکست دی مگر وہ دوبارہ اپنی طاقت مجتمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اس مرتبہ انہوں نے بصرہ پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے اور وہاں کے تین لاکھ باشندے سفاکی سے قتل کر ڈالے۔ اب خلیفہ نے محمد معروف بہ مولد کو ان کے مقابلے پر بھیجا مگر اسے بھی شکست ہوئی آخر کہیں جا کر 27 محرم 270ھ کو خلیفہ کے بھائی اور دست راست الموفق نے اسے شکست دی اور صاحب الزنج اپنے خروج کے چودہ سال بعد یکم صفر 270ھ/883ء میں مارا گیا۔ اسکا فتنہ ختم ہوا اس ناعاقبت اندیش نے جامع مسجد میں ایک تخت بنوا رکھا تھا جس پر بیٹھ کر وہ حضرت علیؓ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا تھا۔

جھوٹے نبی' ابوالقاسم دلاوری ماخذ تاریخ ملت جلد دوم تذکرہ بہادران اسلام

869ء المہتدی باللہ کی خلافت اور قتل

رجب 255ھ/869ء میں خلیفہ المعتز کو معزول کر کے ایک زیر زمین کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا' جہاں وہ تین دن کے متواتر فاقے کے بعد صرف 24 سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

المعتز نے مرنے سے پہلے خلافت محمد بن مامون واثق بن معتصم بن ہارون کے سپرد کر دی وہ المہتدی کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا' المہتدی راسخ نظریات کا حامل انسان تھا اس کا مطمع نظر اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا معیار حکومت تھا' چنانچہ وہ انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش میں رہا اور اپنی زاہدانہ زندگی کے لئے ممتاز رہا۔ اس میں تقویٰ اور لیاقت کے ساتھ ساتھ قوت بھی تھی' اس نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد سب سے پہلے لہو ولعب کے انسداد پر توجہ کی' گانے بجانے حرام قرار دیئے گئے' تمام عامل سلطانی کو حکم بھیجا گیا کہ کوئی ظلم نہ کر پائے' کئی صوبوں میں علویوں کی جانب سے بغاوتیں ہوئیں لیکن خلیفہ کا حقیقی دشمن ترک جرنیل موسیٰ بن بغا تھا' وہ ایران میں علویوں کے خلاف لڑ رہا تھا مگر المہتدی کے تخت نشین ہوتے ہی واپس سامرہ آ گیا اور خلیفہ کو یہ حلف لینے پر مجبور کیا کہ وہ ترک سردار صالح بن وصیف کو کیفر کردار تک پہنچائے کیونکہ اس

نے المعتز کی ماں کے تمام قیمتی خزانے لوٹ لئے تھے۔

ادھر جب صالح دربار خلافت سے روپوش ہوگیا تو ترک پیشہ ور سپاہیوں نے عذر مچا دیا' وہ المہتدی کو معزول کرنا چاہتے تھے مگر المہتدی نے اپنے عزم راسخ سے ان کو ٹھنڈا کر دیا۔ المہتدی نے صالح کے حمایتیوں سے وعدہ کیا کہ وہ اسے معاف کر دے گا لیکن صالح اس پر بھی سامنے نہیں آیا اور ترک سپاہی سامرہ پہنچ کر اسے ڈھونڈنے لگے تا آنکہ موسیٰ بن بغا نے مداخلت کر کے ان کو منتشر کر دیا' اس کے بعد صالح بن وصیف کا پتہ چل گیا اور اسے موسیٰ کے آدمیوں نے قتل کر دیا' اب خلیفہ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اگر اقتدار پر قابض رہنا چاہتا تھا تو موسیٰ کو بھی راستہ سے ہٹا دے' لیکن خلیفہ کی سازش کا راز فاش ہوگیا اور موسیٰ خلیفہ سے بہتر فوج لے کر شاہی محل پر چڑھ آیا اور خلیفہ کو شکست ہوگئی' چونکہ خلیفہ نے معزول ہونے سے انکار کر دیا تھا اس لئے رجب 256ھ / جون 870ء میں اسے نہایت ہولناک طریقہ سے قتل کر دیا گیا۔ خلیفہ المہتدی ایک انقلابی نظریات کا حامل انسان تھا وہ معاشرے کو تمام مفاسد سے پاک کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد کی یاد تازہ کرنا چاہتا تھا' لیکن ترک سپاہیوں نے اس کا یہ مشن پورا نہ ہونے دیا' یہ ترک سپاہی اب بادشاہ گر کی حیثیت اختیار کر چکے تھے' بالآخر ترکوں کی شوریدہ سری کی وجہ سے خلیفہ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے' خلیفہ کے ساتھ دوسرے امراء نے موسیٰ کا مقابلہ کیا مگر ناکام رہے۔

تاریخ ملت جلد دوم صفحہ ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21۔ تاریخ طبری

870ء المعتمد علی اللہ تخت خلافت پر

جون 870ء میں المہتدی کی معزولی اور قتل کے بعد المعتمد علی اللہ' جعفر بن متوکل عباسی تخت نشین ہوا۔ مورخین کے مطابق اس میں حکمرانی کرنے کی کوئی لیاقت نہیں تھی لیکن وہ اپنے وزیر با تدبیر عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان کے بھروسے پر حکومت کرتا تھا' امور سلطنت اس وزیر کے علاوہ اس نے اپنے بھائی ابو احمد الموفق کے ہاتھ میں دے رکھے تھے' شوال 261ھ / جولائی 875ء میں اس نے اپنے بیٹے جعفر المفوض کو اپنا جانشین اور مشرقی صوبوں کا والی مقرر کیا مگر ہونہار الموفق بہت جلد اصل حکمران بن گیا اور آہستہ آہستہ اس نے تمام مملکت

محروسہ میں نظم ونسق قائم کر دیا بحالیکہ خود خلیفہ نام نہاد مقتدر اعلیٰ کے طور پر موجود تھا' پہلے خلیفہ المہتدی کے عہد میں دریائے فرات کی زیریں وادی میں حبشی غلاموں (الزنج) نے بغاوت کر دی تھی وہ بدستور جاری تھی یہاں تک کہ 14 برس بعد 270ھ / 883ء میں الموفق نے اس بغاوت کے سرغنہ علی بن محمد کو زیر کر لیا۔ المعتمد کی تخت نشینی کے عرصہ بعد 259ھ / 873ء میں یعقوب بن اللیث نے طاہریہ خاندان کا خراسان میں خاتمہ کر دیا اس کے بعد سامانی ماوراالنہر میں نمودار ہوئے۔ 879ء میں یعقوب کی وفات پر اس کے بھائی عمرو نے خلیفہ کی اطاعت قبول کر لی اور مشرقی صوبے اسے بطور جاگیر مل گئے۔ تقریباً اسی زمانے میں احمد بن طولون نے مصر میں خودمختاری کا اعلان کر دیا' اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ نے خلافت عباسیہ کے خلاف ایک سرتوڑ جنگ شروع کر دی' الموصل اور اس کے گردونواح میں خارجی اپنی تباہ کن کارروائیاں کر رہے تھے لیکن آخر کار انہیں بھی زیر کر لیا گیا' اکثر اوقات علوی باغیوں کی وجہ سے امن عامہ خطرے میں پڑ جاتا تھا اور بازنطینی شہنشاؤں سے بھی جنگ جاری تھی' شہنشاہ بازل Basil نے بہت سے قلعے فتح کر لئے آخر کار انہیں بھی مسلمانوں نے شکست دی' مگر پھر بھی لڑائی ختم نہ ہو سکی۔ 278ھ/891ء میں الموفق کی موت کے بعد خلیفہ کو اس کے بیٹے المعتضد کو اپنا جانشین مقرر کرنا پڑا' اس سے اگلے سال المعتمد نے سامرا کو چھوڑ کر بغداد کو ایک بار پھر دارالخلافہ بنا لیا اور وہیں (جب 279ھ/892ء میں فوت ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اسے المعتضد نے زہر دلوایا تھا' (علامہ اسیوطی' تاریخ الخلفاء) خلیفہ کی وفات کا واقعہ مورخین نے کچھ یوں دیا ہے کہ ایک دن قصر شاہی میں محفل رقص وسرور بپا تھی' شراب کا دور چل رہا تھا' جام کھنک رہے تھے۔ خلیفہ جام پہ جام لنڈھائے چلا جا رہا تھا' زیادہ شراب پینے کے بعد اس نے کھانا بھی زیادہ مقدار میں تناول کیا جس سے اسے فوڈ پوائزن ہو گیا اور اسی رات اس کا انتقال ہو گیا۔

معتمد کو کوئی علمی دلچسپی نہ تھی اس نے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی منجم یا افسانہ گو سرراہ نہ بیٹھے اور کتب فروشوں کو ہدایت تھی کہ وہ آئندہ فلسفہ اور مناظرہ کی کتب فروخت نہ کریں البتہ اس کے عہد میں قلمرو بنی عباس میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء علمی سرگرمیاں برقرار رکھے ہوئے تھے۔

تاریخ خلفاء دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21 ماخذ تاریخ ملت جلد دوم۔

تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون

الفریڈ اعظم کی تخت نشینی اور مشکلات کا دور

انگریز قوم کی تاریخ میں کوئی بھی حکمران ''الفریڈ ڈی گریٹ'' سے زیادہ عظیم نہیں گزرا' الفریڈ 849ء میں وانٹیج کے مقام پر پیدا ہوا تھا' اپنی تخت نشینی کے وقت اس کی عمر بائیس سال تھی' اگرچہ اسک ی صحت اچھی نہیں رہتی تھی مگر وہ ایک مہذب' باعلم اور متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ اپنی تخت نشینی کے کچھ عرصے بعد اسے والٹن کے مقام پر ایک خوفناک شکست سے دوچار ہونا پڑا' اس شکست سے اسے اندازہ ہوا کہ دفاعی انتظامات درست کرنے میں ابھی ایک عرصہ درکار ہے' اس نے ڈینز (DANES) کے ساتھ ایک معاہدہ امن کیا' ڈینز خود بھی لڑنا نہیں چاہتے تھے' اس معاہدہ امن کے ذریعے اسے اپنی سلطنت کو مضبوط بنانے کے لئے پانچ سال مل گئے۔ دوسری طرف ڈینز واپس مڈلینڈ چلے گئے اور ان سب میں سے بہت سے کھیتی باڑی میں مصروف ہو گئے' الفریڈ اعظم کی کوششوں سے متحدہ انگلینڈ کی بنیاد پڑی۔

تاہم ڈینز کے جنگجوؤں نے جو کہیں مستقل قیام کو پسند نہیں کرتے تھے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ویسیکس کو فتح کر کے چھوڑیں گے' ان کا نیا سردار گوتھرم (GOTHERAM) تھا جس کی قیادت میں انہوں نے ایک نئی جنگ کا منصوبہ بنایا۔ 877ء میں انہوں نے خشکی و تری دونوں طرف سے حملے شروع کر دیئے۔ خشکی کی طرف سے وہ ویئر ہم (WAREHAM) پر چڑھ دوڑے اور سمندر کی طرف سے وہ پول ہاربر تک پہنچے۔

الفریڈ نے پہلے انہیں مالی لالچ دے کر ایک اور معاہدہ امن کرنا چاہا مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ انہوں نے معاہدہ کر کے توڑ دیا' البتہ سورارینج کے قریب سمندر میں آنے والے طوفان نے ان کی بحری قوت کو تباہ کر دیا اور ان کی 20 جنگی کشتیاں اور تقریباً 5000 سپاہی ڈوب گئے' اس تباہی کے بعد ڈینز نے ایک بار پھر معاہدہ امن کر لیا مگر اگلے سال جنوری 878ء میں الفریڈ کی زندگی کا مشکل ترین دور شروع ہو گیا' وہ اور اس کی افواج چیپن ہیم میں ٹویلفتھ نائٹ کا تہوار منا رہیں تھیں کہ اچانک ڈینز نے حملہ کر دیا' اس اچانک حملے سے افراتفری پھیل گئی' سپاہی اس حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے جو باقی بچے انہوں نے اپنے گھروں میں پناہ لے لی' الفریڈ نے بھی مجبوراً اپنے چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ ائزل آف ایتھنی میں پناہ لی' اس طرح اس کی فوج بھی ختم ہو گئی اور وہ مالی مشکلات کا شکار بھی ہو گیا ڈینز فاتحین اب ویسیکس کے مالک بن بیٹھے۔

اس زمانے میں الفریڈ نے روپوشی اختیار کی مگر ہمت نہ ہاری' پھر جب وہ منظر عام پر آیا تو ایک بڑی فوج اس کے گرد جمع ہوگئی۔ ایک شدید جنگ کے بعد الفریڈ کو فتح نصیب ہوئی اور وہ شکست خوردہ ڈینز سردار گوتھرم کے خیمے تک جا پہنچا' گوتھروم نے امن کی درخواست کی اور خراج کی ادائیگی پر معاہدہ امن کرنا ادھر الفریڈ تو ڈینز کو اپنے ملک سے نکالنا نہیں چاہتا تھا' اس نے انہیں عیسائی کیا اور لندن سے ادھر مشرقی طرف کا علاقہ ڈینز کو رہنے کے لئے دے دیا' البتہ 885ء میں لندن شہر کو ڈینز سے خالی کرا کے اس کی قلعہ بندی کر دی اور اس کی فصیلوں کو مضبوط بنا دیا۔

ماخذ 100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا۔ تاریخ برطانیہ۔ The Kings and Queens of England.

874ء وفات امام حسن عسکری (رحمۃ اللہ علیہ)

یکم ربیع الاول 260ھ / 25 دسمبر 873ء کو اثنا عشریہ کیگیارہویں امام حسن العسکری شدید بیمار پڑ گئے' مرض شدت اختیار کرتا گیا یہاں تک کہ صرف 7 دن بعد امام صاحب نے وفات پائی' آپ اپنے والد ماجد امام ابوالحسن علی کے پہلو میں دفن ہوئے' مورخین نے لکھا ہے کہ علالت کے دوران خلیفہ المعتمد نے امام صاحب کی خدمت میں اپنے خدام اور طبیب علاج کے لئے بھیجے اور معزز علویوں اور عباسیوں کی خاصی تعداد ان کی عیادت کے لئے آتی رہی' متاخر شیعی کتابوں میں خلیفہ المعتمد پر امام صاحب کو زہر دلوانے کا الزام لگایا گیا ہے۔

امام حسن العسکری' ابو محمد حسن بن علی بن محمد الجواد بن علی رضا' آپ کی نسبت العسکری آپ کے والد ابوالحسن علی العسکری کی طرح العسکری ہے اور یہ نسبت سامرا (سرمن رائی) کی طرف ہے جسے مدینۃ العسکر کہتے تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک آپ ربیع الاول 230ھ / نومبر 844ء میں پیدا ہوئے بعض کے نزدیک آپ کا سن ولادت ربیع الاخر 232ھ / اپریل 847ء ہے وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ 233ھ / 848ء میں سامرا آ گئے اور وہیں رہنے لگے' اگرچہ انہوں نے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی' لیکن اپنی امامت کے چھ برسوں کے دوران میں وہ مسلسل عباسی حکومت کے زیر نگرانی رہے اور ایک مرتبہ المعتمد نے انہیں قید بھی کر دیا۔

شیعی روایات کے مطابق امام حسن عسکری کے والد نے پہلے اپنے بیٹے محمد ابو جعفر کو امام نامزد کیا

تھا مگر وہ ان کی زندگی میں وفات پا گئے' اس کے بعد 254ھ/868ء میں اپنی وفات سے چند ماہ پہلے انہوں نے اپنے دوسرے صاحبزادے حسن کو امام نامزد کیا' والد کے زمانے میں محمد ابو جعفر کی وفات فرقہ وارانہ اختلاف کی باعث بنی' ایک گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ امام بھوٹ نہیں بولتا اس لئے امام محمد ابو جعفر ہی ہیں اور وہ القائم المہدی اور غیبت میں ہیں دوسرے گروہ نے محمد ابو جعفر کے دعویٰ امامت کو تسلیم نہیں کیا جبکہ اکثریت امام حسن عسکری کی امامت کے قائل ہیں۔

گیارہویں امام کی وفات پر ان کی اولاد کے مسئلے پر بھی شیعوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے محمد نام کی نرینہ اولاد چھوڑی ہے' جبکہ دوسروں نے اس کا انکار کیا اور ان کے لاولد فوت ہونے کو ان کی امامت کے خلاف ایک حجت کے طور پر استعمال کیا اور ان کے بھائی محمد ابو جعفر کی طرف پلٹ گئے۔

امام حسن عسکری اپنے والد کی طرح عباسی دارالحکومت سامرہ میں عباسی خلفاء کی زیر نگرانی رہے' آپ کا مزار مبارک بھی سامرہ' عراق' میں مرجع خلائق ہے۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8 ماخذ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول۔ بارہ امام

874ء جبش الحاسب کی وفات

تکونیاتی نسبتوں میں جیب معکوس جبش الحاسب کا دیا ہوا نام ہے۔ الخوارزمی اس اصطلاح کو جیب منکوس کہتا ہے' شاید جبش پہلا شخص تھا جس نے جیب اور جیب معکوس کی واضح تعریف پیش کی۔ جبش الحاسب' احمد بن عبداللہ المروزی ترکستان کے علاقے مرو (موجودہ میری ترکمان) میں پیدا ہوا اور 874ء میں انتقال کر گیا' اس کی زندگی اور خاندان کے بارے میں بہت کم معلوم ہے' وہ عباسی خلفاء المامون اور المعتصم کے عہد میں بغداد میں بطور ہیت دان کام کرتا تھا' لیکن شاید اس معروف حلقے کا رکن نہیں تھا جس نے ممتحن مشاہدات فراہم کرنے میں مدد دی' بغداد میں اس کے کام کا زمانہ 825ء تا 835ء ہے۔ اس کا بیٹا ابو جعفر بن جبش بھی ایک ممتاز ہیت دان اور آلات ساز تھا' تین مسلم سوانح نگاروں ابن الندیم' ابن القفطی اور حاجی خلیفہ نے جبش کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

1- سند ہند کی ترتیب نو۔

2- ممتحن زیج..... یہ اس کی کتابوں میں سب سے زیادہ معروف ہے۔

3- شاہ زیج..... یہ سب زیجوں میں مختصر ہے۔

4- دمشقی زیج.....

5- مامونی زیج..... یہ زیج اور دمشقی زیج یزدگرد یا سلوکس کی تقویم کی بجائے ہجری تقویم پر مبنی ہے۔

6- فلکی کروں پر رسالہ۔

7- اصطرلاب پر رسالہ۔

8- عمودی اور ترچھے مستوی پر رسالہ۔

چونکہ یہ اور اس کی کوئی اور تصنیف وقت دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں اس لئے ہمیں یہ معلوم نہیں کہ جبش نے کتنی زیجیں خود تیار کی تھیں، جبش کی جلدوں کے دو قلمی نسخے محفوظ رہ سکے ہیں، ان میں سے ایک استنبول اور دوسرا برلن میں۔

علم تکونیات کے میدان میں جبش نے خاصا وقیع کام کیا ہے ''موریا سدھانت'' (400ھ) میں ایک جدول نصف وتر کی دی ہوئی ہے۔ جس تفاعل کو جبش نے زاویہ جیب کا نام دیا تھا، اس کا تذکرہ سب سے پہلے ہمیں آریہ بھٹ اول (500ء) کی تحریروں میں ملتا ہے، وہ نصف وتر کے علاوہ ایک اور اصطلاح ''جیا'' یا ''جیوا'' استعمال کرتا ہے، اسلامی دنیا میں یہی اصطلاح معرب ہو کر جیب بن گئی، فلکیاتی مسائل میں علم مثلثات کے اطلاق میں بھی جبشی مہارت نامہ رکھتا تھا، البیرونی نے کئی مقامات پر جبش کا حوالہ دیا ہے اور خود جبش کی جداول بہتر بنانے کی کوشش میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، بہر حال اسلامی فلکیات میں جبش کا نام ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اردو اسلامی انسائیکلو پیڈیا جلد 7 ماخذ معروف مسلم سائنسدان۔ مقدمہ سائنس از جارج سارٹن

877ء احمد بن طولون، مصر کی خود مختاری کا اعلان کرتا ہے

احمد بن طولون خود مختار مصر کا پہلا حکمران تھا، اسے خلیفہ المعتز نے ترک سپہ سالار باکباک کا نائب مقرر کیا تھا۔ وہ 23 رمضان 254ھ / 10 ستمبر 868ء کو نائب حکمران مصر کی حیثیت سے فسطاط میں داخل ہوا، آئندہ چار سال وہ اسی کوشش میں لگا رہا کہ وہ سلطنت کا نظم و نسق ابن المدبر سے لے کر خود سنبھال لے۔ مصری ابن المدبر کی عیاری سے نالاں تھے آخر

وہ موقوف کر دیا گیا۔ ادھر باک باک کے قتل کے بعد صوبہ مصر برجوخ کو بطور جاگیر عطا ہوا اس نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح احمد بن طولون سے کر دیا' اس نے ابن طولون کو نائب سلطنت کے عہدے پر مستقل کر دیا اس کے علاوہ اسکندریہ' برقہ اور سرحدی اضلاع بھی اس کی تحویل میں دیئے۔ فلسطین کے والی اماجور کی بغاوت سے احمد کو اس بات کا موقع فراہم کر دیا کہ وہ خلیفہ کی اجازت سے کثیر تعداد میں غلام خرید کر اس باغی کی سرکوبی کر سکے' اگرچہ بغاوت فرد کرنے کا کام کسی اور کے سپرد کر دیا گیا مگر ابن طولون کو اس سالم فوج کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کا موقع مل گیا' یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی مملکت کے کسی صوبے کے پاس خود مرکز سے زیادہ فوج اکٹھی ہوگئی' اب ابن طولون نے اپنی مملکت کے مالیات پر قبضہ حاصل کر لینے کے بعد خلیفہ کو خراج ادائیگی بند کر دی اور اپنی خودمختاری کے اعلان کے لئے کوئی موزوں موقع تلاش کرنے لگا۔ ادھر صاحب الزنج کے خلاف طویل اور گراں مہمات کے سلسلے میں خلیفہ کا بھائی الموفق خلافت کے زیرنگیں صوبوں سے مالی امداد حاصل کرنا اپنا حق سمجھتا تھا' ابن طولون کی طرف سے اسے جو امداد ملی اسے ناکامی سمجھتے ہوئے اس نے ابن طولون کے خلاف کارروائی کرنا چاہی مگر کر نہ سکا' ادھر ابن طولون کے حوصلے اتنے بڑھے کہ اس نے بازنطینیوں کے خلاف کارروائی اور جہاد کے نام پر صوبہ شام پر قبضہ کر لیا' شام پر قبضے کے بعد احمد نے اپنے ہاں کے سکوں پر خلیفہ معتمد اس کے بیٹے جعفر کے ناموں کے علاوہ اپنا نام بھی کندہ کرانا شروع کر دیا' وہ ہمیشہ العتمد کو خلیفہ تسلیم کرتا رہا' اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ اسے بالکل بے بس سمجھتا تھا' 882ء میں احمد نے خلیفہ کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ بغداد چھوڑ کر مصر آ جائے' اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ تمام شاہی اقتدار مصر منتقل ہو جائے اور وہ خود خلیفہ کا محافظ بن جائے' خلیفہ مصر روانہ ہوا مگر اس کا فرار راستے میں روک دیا گیا۔

غرض یہ کہ فسطاط میں نائب حاکم کے طور پر داخل ہونے کے صرف دس سال بعد احمد بن طولون کے مصر اور شام کو متحد کر کے اعلان خودمختاری کر دیا۔ اور عملاً خلیفہ کی اطاعت ترک کر دی' وہ 10 ذوالعقدہ 270ھ 10 مئی 884ء کو اپنے بیٹے خمارویہ کو جانشین نامزد کرنے کے بعد فوت ہو گیا لیکن طولون خاندان کچھ زیادہ عرصہ برسر اقتدار نہ رہ سکا' اس کا بیٹا 12 سال حکومت کے بعد دمشق میں قتل کر دیا گیا اور اس کے کمسن بیٹے بھی معزول کر دیئے گئے۔

تاریخ ملت جلد دوم صفحہ..... ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12,2۔ تاریخ طبری

877ء جنین بن اسحاق کی زہر خورانی

مسیحی اسقف تھیوڈوسیس Theodosius نے ایک مشہور مسیحی عرب عالم کو اس کے طبعی رجحان جو کہ بت پرستی کے خلاف تھا' کی وجہ سے کفر کے شبہے میں دائرہ مسیحیت سے خارج کر دیا' اسقف کے اس ظالمانہ فیصلے سے اس عرب عالم کو بے حد رنج پہنچا اور اس نے خودکشی کا فیصلہ کرتے ہوئے زہر کھالیا' مورخین کے مطابق دسمبر 873ء یا 877ء میں (260ھ) اس زہر خورانی سے اس کا انتقال ہوگیا۔

یہ مشہور مسیحی عرب عالم ابوزید حنین بن اسحاق العبادی تھا' جس کا تعلق مسیحی عرب قبیلہ عباد سے تھا' وہ 809ء/194ھ میں حیرہ میں پیدا ہوا' جہاں اس کا باپ بطور عطار کام کرتا تھا۔ حنین نے طبابت اور سریانی اور عربی زبان میں قدیم یونانی تصانیف کے مترجم کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ اوائل عمر ہی میں وہ حیرہ سے بغداد آ گیا اور یہیں اس نے مشہور طبیب یوحنا بن ماسویہ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علم طب میں مہارت حاصل کی بغداد کے ساتھ ساتھ اس نے تعلیم کی تکمیل ایشیائے کوچک کے یونانی شہروں میں کی جس کی وجہ سے اسے یونانی زبان پر عبور بھی حاصل ہوگیا' جس کی بدولت وہ آگے چل کر اپنے تراجم میں کامیاب رہا' بغداد لوٹ کر اس نے بنوموسیٰ کے لئے یونانی تصنیفات جمع کیں' اور ان کی سرپرستی میں اپنی ادبی سرگرمیوں کا آغاز کیا' چونکہ وہ یونانی' سریانی' فارسی اور عبرانی کے ساتھ ساتھ عربی زبان پر بھی کامل دسترس رکھتا تھا اس لئے جلد اسے خلیفہ المامون نے اسے بیت التراجم کا رئیس مقرر کر دیا اور اس کے کام کی پختگی کی وجہ سے دربار خلافت سے اس پر سیم و زر نچھاور کئے گئے وہ جتنی کتابوں کا عربی ترجمہ کرتا خلیفہ ان کتابوں کے وزن کے برابر اسے سونا عطا کرتا۔ چنانچہ زیادہ سونے کے حصول کے لئے حنین بن اسحاق نے موٹا کاغذ اور جلی قلم کا استعمال شروع کر دیا بعد ازاں وہ خلیفہ المتوکل باللہ کا درباری طبیب مقرر ہوا' مگر انہیں دنوں اس کی زندگی کا المیہ انداز میں خاتمہ ہوگیا' حنین کی جو تصنیفات زمانے کی دست برد سے باقی بچی ہیں ان میں ایک تو ''کتاب المسائل فی طب للمتعلمین'' ہے جس کا بعد ازاں لاطینی اور عبرانی میں ترجمہ ہوا' دوسری مشہور تصنیف ''المولودین'' ہے ایک اور کتاب ''اجتماعات الفلاسفہ فی بیوت الحکمۃ'' ہے علم ہیئت پر بھی اس کی کئی کتابیں ہیں' اقوال الحکما بھی عبرانی ترجمہ کی صورت میں ہے' تراجم میں زیادہ تر اور سقاطالیلس اور بقراط کی تصنیفات نیز دیسقوریدوس Diocsorides

کی ''مخزن الادویہ'' بھی اس سے منسوب کی جاتی ہے۔ جالینوس Galen کی تقریباً جملہ تصانیف حتیٰ کہ ابن اصبیعہ کے نزدیک جالینوس کی کوئی تصنیف ایسی نہیں جس کا ترجمہ حنین نے نہ کیا ہو۔ ان کے علاوہ بطلیموس Ptolemy کی کئی تصانیف کا ترجمہ بھی اس سے منسوب ہے۔

حنین بن اسحاق کا بیٹا اسحاق بن حنین بھی ایک مشہور طبیب اور مترجم تھا' جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پہلے نسطوری عیسائی تھا' بعد ازاں اس نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرلیا تھا' اس نے اپنے والد کی زیر نگرانی یونانی علوم اور ترجمہ نگاری کے فن کی تربیت حاصل کی اسحاق کے ایک بھائی داود بن حنین نے بھی فن ترجمہ میں مہارت حاصل کی' یوں تو اسحاق اور حنین دونوں شاہی طبیب کی حیثیت سے عباسی خلفا کی سرپرستی ہاصل تھی مگر اسحاق المعتمد (870-892ء) اور المعتضد کا منظور نظر تھا۔ حنین کا بھتیجا حبیش ابن الحسن الاعسم بھی ترجمہ کے فن میں شہرت رکھتا تھا۔ جالینوس کا ترجمہ جسے M.Simon نے ترتیب دیا حبیش سے منسوب ہے۔

کہتے ہیں حنین بن اسحاق حکیم یوحنا بن ماسویہ کے حلقہ درس میں شریک ہوکر بالعموم نہایت دق کردینے والے اور دماغ سوز سوالات کیا کرتا تھا' آخر ایک روز تنگ آ کر یوحنا نے غصہ سے حنین کو کہا حیرہ کے باشندوں کو طب سے کیا نسبت۔ جاؤ اور بازار میں صرافی کرو' اور اس کو حلقہ درس سے نکال دیا' استاد کا یہ رویہ اس کے سمند شوق کے لئے تازیانہ / ثابت ہوا اور اس نے علم طب میں نام پیدا کر دکھایا۔

عیون الانبا از ابن ابی صبیغہ، ابن خلکان 1 وفیات الاعیان۔ دائرہ المعارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی جلد 8۔ طب العرب از ایڈورڈ جی براؤن

886ء ابو معشر بلخی کا انتقال

ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر البلخی تیسری صدی ہجری کا مشہور مسلم نجومی جو مغربی یورپ میں عام طور پر Albumasar کے نام سے مشہور ہے۔ مشرقی خراسان کے شہر بلخ میں پیدا ہوا۔ (10 اگست 787ء) اور بغداد میں تعلیم پائی وہ مشہور فلسفی الکندی کا ہم عصر تھا' سو سال کی طویل عمر پانے کے بعد 9 مارچ 886ء کو شہر الواسط میں انتقال کر گیا' اس کی وجہ شہرت فلکیات اور علم نجوم کی وجہ سے ہے۔ علم ہیئت کی تحقیقات اس عہد کے بغداد میں اپنے عروج پر تھیں' اس سے ابو

معشر نے بھی فائدہ اٹھایا مگر اس نے علم ہیئت پر ہمیشہ نجوم کو ترجیح دی۔ علم نجوم پر اس کی متعدد تصانیف سے البتہ علم ہیئت کے وہ اصول وقوانین با آسانی اخذ کئے جاسکتے ہیں جو اس نے اپنے معاصر فلکیات دانوں سے حاصل کئے۔

ابومعشر اپنے معاصرین اور بعد کے دور کے ماہرین نجوم میں بہت ممتاز رہا' اس نے ایک ہندوستانی شہزادے (شاندراشترکوٹ) کا زائچہ بنایا تھا جو 11 جنوری 826ء کو پیدا ہوا تھا' اس نے خلیفہ معتمد کے اقتدار کے خلاف باغیوں کو مشورے دیئے اور 880ء-883ء وہ سپہ سالار الموفق کے ساتھ صاحب الزنج کے خلاف لڑائیوں میں شریک رہا' ابن القفطی اپنی تاریخ حکماء میں اقمطراز ہے کہ اسلامی دنیا کے ماہرین نجوم کی طرح اثرات کواکب کے ضمن میں وہ مسلمانوں کا استاد تھا' ابومعشر نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بغداد میں خلیفہ المامون کے عہد خلافت (813ء-833ء کے شروع میں بطور محدث کیا' احادیث کے مطالعہ کے ضمن میں اس نے قبل از اسلام عربی تقویم اور خلفائے راشدین کا بغور خاص مطالعہ کیا' تقریباً 825ء میں ابومعشر کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ جس نے اس کی علمی سرگرمیوں کا رخ تبدیل کردیا' یہ واقعہ وہ تنازعہ تھا جو اس کے اور مشہور فلسفی الکندی کے مابین شروع ہوا اور اس نے بعد میں خاصی تلخی اختیار کرلی' اکندی بیک وقت افلاطون، ارسطو' شارحین ارسطو' نو افلاطونیوں اور دیگر فلاسفہ قدیم اور ماہرین ریاضی میں دلچسپی رکھتا تھا' اس سے متاثر ہوکر ابو معشر کو فلسفیانہ استدلال کی تفہیم کے لئے علم ریاضی پڑھنے کا احساس ہوا' چنانچہ اس نے اپنی تمام تر صلاحیت نجوم کی فلسفیانہ اور تاریخ توجیہات بیان کرنے اور اس علم کی عملی افادیت کو واضح کرنے میں صرف کردی' اس کوشش میں اس نے تمام تر عقلی روایات سے استفادہ کیا جن کا وہ ذاتی طور پر وارث تھا۔

ابومعشر کی تصنیفات میں وہ سب اثرات نمایاں ہیں جو (بزبان پہلوی) ایران اور زیادہ بالواسطہ ہندوستان کی ثقافتی تحریکات سے عربی پر تربیت پارہے تھے' اس کی متعدد تصانیف میں ''المدخل الکبیر'' احکام تحاویل سنی الموالد'' الالوف فی بیوت العبادات'' اور موالد الرجال والنساء بہت اہم ہیں' بہت سی اور کتابیں بھی ابومعشر سے منسوب ہیں۔

معروف مسلم سائنسدان صفحہ 131 ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 1 صفحہ 911

887ء عباس ابن فرناس کی وفات

نویں صدی عیسوی میں انسانی پرواز کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا مگر مقام حیرت ہے کہ ایک شخص نے اس زمانے میں اڑنے کی کوشش کی' اس نے اڑنے کے لئے ایک غلاف تیار کیا جس میں پر اور متحرک بازو لگے ہوئے تھے اس کے بعد اس نے اپنے تیار کردہ پروں والے اس غلاف کی مدد سے خود اڑنے کا خطرہ مول لیا اور مصنوعی پروں کے ساتھ ایک بلند چٹان سے کود پڑا' تھوڑی ہوا میں رہنے کے بعد جب وہ نیچے اترنے لگا تو سنبھل نہ سکا اور زخمی ہو گیا جس کے بعد وہ کئی دن تک اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرتا رہا۔ اس کے مخالفین پرواز نے اس کی پرواز میں اترتے ہوئے ناکامی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس نے پرندوں کی اڑان کا مطالعہ کرتے وقت اس چیز پر غور نہیں کیا کہ وہ نیچے آتے ہوئے اپنی دم سے بھی مدد لیتے ہیں' یہ شخص نویں صدی عیسوی کے مسلم سپین سے تعلق رکھتا تھا اس کا نام عباس ابن فرناس تھا' اس نے اپنی جرأت اور ذہانت کو کام میں لا کر صدیوں پرانا انسانی پرواز کا خواب شرمندہ تعبیر کرنا چاہا مگر اس کی پرواز کچھ زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ ابوالقاسم عباس ابن فرناس اندلس کا شاعر ادیب تھا' وہ اموی امراء قرطبہ' الحکم الاول' عبدالرحمٰن ثانی اور محمد اول کے دربار سے وابستہ رہا' اس کے حالات زندگی کے متعلق کوئی تاریخی مواد نہیں ملتا صرف اس کی پرواز کا حال ہسپانوی اور عربی میں بکثرت ملتا ہے' اس کے بارے میں ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ بربر الاصل اور بنو امیہ کا آزاد کردہ غلام تھا' رندہ Ronda کے علاقے کا رہنے والا تھا' اور اس 274ھ/887ء میں وفات پائی۔

ابن حیان کی المقتبسکی ایک نئی دریافت شدہ جلد کی بدولت جو امارت قرطبہ کا احاطہ کرتی ہے اور جس میں اس کا ایک مفصل تزکرہ اور اس کے اشعار کا نمونہ بھی درج ہے اس سے اس کی ذمہ دار شخصیت ہم پر عیاں ہوتی ہے۔ اس تذکرہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابن فرناس اپنی قصیدہ گوئی کی بدولت متواتر تین بادشاہوں کے عہد حکومت میں دربار قربطہ سے منسلک رہا' اس کی طبیعت میں جستجو اور اختراع کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا' اس نے بغداد و عراق کا سفر کیا اور علم فلکیات میں دلچسپی کی وجہ سے اپنے ساتھ کتاب ''سند ہند'' اندلس لایا۔ نویں صدی کے آخری عشروں میں قرطبہ میں وہ تنہا شخص تھا جو خلیل بن احمد کی کتاب کے مضامین کی تشریح کر سکتا تھا' بلور کی ایجاد بھی اس سے منسوب کی جاتی ہے اس نے ایک میقات (گھڑی) اور چوڑی دار گولا یا ''کرہ فلکی بھی ایجاد کیا تھا۔

اس نے اپنی قیام گاہ میں ایک رصد گاہ یا سیارہ گاہ بھی بنائی تھی جس میں چاند ستارے سیارے اور بجلی کی گرج چمک کا ماحول مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا تھا' غالباً اسی وجہ سے بعض تنگ نظر عناصر نے اس پر کفر کی تہمت بھی لگائی مگر وہ دربار قرطبہ میں اس کا مقام مرتبہ گھٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ابن فرناس کی کوئی تصنیف ہم تک نہیں پہنچی صرف چند اشعار ابن حیان کی مقتبس سے ملے ہیں۔

فتح الطیب' معروف مسلم سائنسدان' ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12 صفحہ 732

889ء ماہر لسانیات ابن قتیبہ کا انتقال

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو تیسری صدی ہجری اسلامی علوم وادب کے عروج کی صدی تھی' اس صدی میں بڑے عالم اور سائنس دان ہو گزرے ہیں' انہیں میں ابن قتیبہ' ابو محمد عبداللہ بن مسلم الدینوری تھا وہ 213ھ / 828ء میں کوفہ میں پیدا ہوا اور بغداد میں اس کا انتقال رجب 276ھ / نومبر 889ء میں ہوا۔

ادبی روایات میں اسے بغداد کے نام نہاد مخلوط یا انتخاب پسند دبستان نحوی کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ اس لغوی اور شاعرانہ مواد کو جسے بالخصوص کوفہ کے نجومیوں نے اکٹھا کیا تھا اس انداز میں مرتب کرے کہ اس میں تمام تاریخی معلومات آ جائیں اور ایسی لغت تمام کاروباری لوگوں بالخصوص کاتب حضرات کی ضروریات کو بھی پورا کرے جنہوں نے اس زمانے میں کاروبار حکومت میں رسوخ حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے بہت سے مورخین نے ابن قتیبہ کو ماہر لسانیات اور لغت نویس قرار دیا ہے اور سائنس دان کم سمجھا ہے جبکہ وہ اپنے معاصرین ابو حنیفہ دینوری اور الجاحظ کی طرح علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتا تھا' لیکن اس نے اپنے عہد کی مذہبی بحثوں میں بھی حصہ لیا اور فلسفہ کے شک آمیز رویہ کے خلاف قرآن اور حدیث کی حمایت کی' تاہم خود اس پر بھی لوگوں نے الحاد کا شک کیا اور اسے اس شبہ کے خلاف کتاب لکھنا پڑی تاکہ اپنے آپ کو الحاد کے الزام سے بچا سکے۔

فلسفہ لغت میں اس کی سب سے مشہور دو کتابیں ہیں 1- کتاب ادب الکاتب اور 2- کتاب ''معانی الشعر'' موخر الذکر بارہ حصوں پر مشتمل ہے اور غالباً یہ وہی کتاب ہے جو استنبول کے جامع آیا صوفیہ میں ''ابیات المعانی'' کے نام سے موجود ہے۔ لسانیات اور تاریخ پر اس کی

کتاب ''کتاب الانواع'' بہت نمایاں ہے' اس کی سب سے بڑی تصنیف کتاب ''عیون الاخبار'' ہے جو دس جلدوں میں متکلمانہ ادب کا بہترین نمونہ ہے' اس کتاب کے انداز کی بعد میں اکثر نقل کی گئی ہے۔

چونکہ ابن قتیبہ ابوحنیفہ دینوری کا ہم عصر تھا جس کی کتاب ''کتاب الانواع'' آفاقی شہرت کی حامل ہے' بعد کے علماء نے وقتاً فوقتاً ابن قتیبہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے ابوحنیفہ کی کتاب میں سے اکثر یا کم وبیش اقتباسات ضرور لئے ہیں' اس الزام کا فیصلہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کیونکہ ابن قتیبہ کی انواع بھی اس قسم کی لکھی گئی کتابوں سے مختلف نہیں ہے۔

892ء خلیفہ المعتضد کی خلافت

المعتضد باللہ' ابوالعباس احمد بن طلحہ عباسی الموفق کا بیٹا تھا جو خلیفہ المعتمد کا نائب السلطنت اور بھائی تھا۔ الموفق کی زندگی کے آخری دو سالوں میں المعتضد حقیقی معنوں میں خود ہی بادشاہ تھا اور جب رجب 279ھ / اکتوبر 892ء میں المعتمد کا انتقال ہوا تو وہ اس کی جگہ تخت نشین ہو گیا' المعتضد نے تمام صفات حکمرانی اپنے والد سے ورثے میں پائی تھیں جو خود بھی عسکری اور انتظامی امور میں یکتا تھا' المعتضد اپنی بے رحمی اور سختی کے باوجود عباسی خلفاء کے چند بڑے خلفاء میں سے ایک تھا۔ اپنی تخت نشینی کے بعد وہ طولونی جانشین خمارویہ سے مسلسل جنگ کرتا رہا' آخر خمارویہ نے جنگ سے تنگ آ کر اس سے صلح کر لی اور بیٹی اس کے عقد میں دی' اپنی تدبیر و سیاست سے اس نے سرکش ترک امراء کو قابو کیا اور وہ دیگر عباسی خلفاء کی طرح کبھی ترکوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہ بنا اندرون عراق خارجی اب کمزور ہو چکے تھے اس لئے معتضد نے 893ء میں باغی بنوشیبان کے خلاف ایک مہم تیار کی اور انہیں مطیع کر لیا اگلے دو سالوں میں اس نے خارجی سردار ہارون بن عبداللہ کے حلیفوں کو بھی 283ھ / 896ء میں شکست دی' خود ہارون بن عبداللہ سپہ سالار حسین بن حمد کے قابو آ گیا اور اس نے اسے بغداد بھجوا دیا جہاں خلیفہ نے اسے مصلوب کروایا۔ دلفیوں کا سردار الحارث بن عبدالعزیز جو ابولیلیٰ کے نام سے مشہور تھا' 898ء میں خلیفہ کی افواج نے شکست دی اس طرح دلفیوں کا زور بھی ٹوٹ گیا' اسی زمانے میں سامانیوں نے علویوں کو مغلوب کر کے اپنی طاقت بڑھائی' علوی محمد بن زید جو امیر طبرستان تھا جرجستان پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا مگر سامانی

سپہ سالار محمد بن ہارون نے اسے شکست دی' اسی زمانے میں حاکم آرمینیا اور آذربائیجان محمد بن ابی الساج نے اپنے آزاد کردہ غلام وصیف کے ساتھ مل کر مصر کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن وصیف کو خلیفہ کی افواج نے قید کر لیا چونکہ طرسوس کے بہت سے امراء نے اس مہم میں اس کی مدد کی تھی لہٰذا المعتضد نے ان امراء کے خلاف بھی کارروائی کی اور ان کے بحری بیڑے کو جلا دیا تاہم محمد بن الساج کو اس کے عہدے پر قائم رکھا گیا' اب قرامطہ سیاسی رفق پر نمودار ہوئے اور ان کے سردار الجنابی نے خلیفہ کی افواج کو شکست فاش دی' قرامطہ کا ظہور المعتمد کے عہد میں ہوا تھا۔ المعتضد نے 22 ربیع الثانی 289ھ/5 اپریل 902ء کو انتقال کیا' بعض لوگ کہتے ہیں اسے زہر دیا گیا تھا' بہر حال اس کے عہد میں گرتی ہوئی عباسی خلافت کی ساکھ بحال ہوئی' اس کا سب سے بڑا کارنامہ ترک افسران فوج کا زور توڑنا تھا۔

تاریخ خلفائے تاریخ ملت جلد دوم صفحہ 417 ماخذ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 21۔ تاریخ طبری

891ء قرامطہ کا آغاز

قرامطہ صحیح معنی میں عربوں اور ''نبطیوں'' کی ان باغی جماعتوں کا نام تھا جو 264ھ/877ء میں عراق زیریں میں زنج کی جنگ غلامی کے بعد منظم ہوئیں جن کی بنیاد ایک ایسے اشتراکی نظام پر رکھی گئی جس میں شمولیت کے لئے بعض رسوم کی بجالانا ضروری تھا' پر جوش تبلیغ کے باعث اس خفیہ جماعت کا دائرہ عوام' کسانوں اور اہل حرفہ تک وسیع ہو گیا' الاحساء میں انہوں نے خلافت عباسیہ سے آزاد ہو کر ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ خراسان' شام اور یمن میں ان کے ایسے اڈے قائم ہو گئے جہاں سے ہمیشہ وہ شورشیں بپا کرتے رہتے تھے' زیادہ وسیع معنوں میں قرامطہ سے ایسی تحریک مراد لی جاتی ہے جس کی اساس مساوات پر رکھی گئی اور جس نے نویں اور بارہویں صدی عیسوی کے درمیان ساری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا' بعد میں ایک جاہ طلب گھرانے نے یعنی اسماعیلی خاندان نے اس تحریک پر قبضہ کر کے 910ء/ 297ھ میں خلافت فاطمیہ کے نام سے عباسی سلطنت کی ایک حریف سلطنت قائم کی۔ یہ تحریک نتیجتاً ناکام رہی اور آخر کار دولت فاطمیہ کے ساتھ اس تحریک کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

لفظ قرمطہ کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس

باغیانہ تحریک کے اولین قائد حمدان قرمط کے نام کے ساتھ ایک توصیفی کلمے کے طور پر استعمال ہوا اور یہ مقامی آرامی زبان سے لیا گیا تھا۔

قرامطہ کی تحریک بغاوت کا آغاز حمدان قرمطہ نے واسط کے مضافات میں تقریباً 890ء میں کیا۔ اس نے کوفہ کے مشرق میں ایک دارالہجرۃ کی بنیاد اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے لئے رکھی' حمدان کے ساتھ ساتھ اس کے برادر نسبتی عبدان کا ذکر بھی ملتا ہے جو سات مدارج کے ایک دستور العمل کا مصنف تھے اور ان رہنماؤں کے دست نگر تھے' جن کی شخصیت پردہ راز میں رہتی تھی' ان رہنماؤں میں ایک کا نام صاحب الظہور تھا جس نے حمدان کو اس عہدے پر فائز کیا تھا اور دوسرا صاحب الناقہ تھا جس نے عبدان کو برطرف کر کے اس کی جگہ ذکرویہ الدندانی کو مقرر کیا۔

900ء میں ذکرویہ نے صحرائے شام میں قرامطہ کو بنو علیمی کے درمیان بغاوت عام کا حکم دیا اس بغاوت کا امیر صاحب الناقہ کو بنایا گیا اور اسماعیلی شاہی لقب ابوعبداللہ محمد دیا گیا وہ محاصرہ دمشق میں مارا گیا تو اس کا بھائی صاحب الخال اس کی جگہ ابوعبداللہ احمد کے لقب سے امیر بنا مگر گرفتار ہو کر بغداد میں قتل کر دیا گیا' اس کے ساتھ ہی زیریں عراق میں قرامطہ کی تحریک بزور شمشیر ختم کر دی گئی۔

کچھ عرصہ بعد اس تحریک نے الاحساء میں ایک مرتبہ پھر سر اٹھایا جہاں صاحب الناقہ نے ابو سعید حسن بن بہرام الجنابی کو 894ء میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا' 895ء میں ابوسعید الجنابی نے الاحساء کے پورے علاقے پر قبضہ کر کے ایک آزاد قرامطیہ ریاست کی بنیاد رکھی جو زوال پذیر خلافت عباسیہ کے لئے ایک زبردست خطرہ بن گئی' الجنابی کے بیٹے اور جانشین ابو طاہر سلیمان 914ء 942ء نے عراق زیریں کو تاخت و تاراج کیا اور حجاج کرام کے راستے بند کر دیئے آخر 12 جنوری 930ء 8 ذوالحجہ 3/7ھ کو اس نے مکہ فتح کر لیا اور حجر اسود الاحساء لے گیا' اس طرح قرامطیہ اپنے انقلابی نظریات و رجحانات کی بدولت جلد ہی اسلامی دنیا میں سیاسیات کا ایک اہم عنصر بن گئے۔ وہ اپنے مخالفین کا خواہ وہ مسلمان ہوں یا حجاج کرام کیوں نہ ہوں خون بہانا مباح و جائز سمجھتے تھے۔

ماخذ۔ اردو دائرہ المعارف اسلامیہ از دانش گاہ پنجاب جلد 2/16

895ء ابوحنیفہ الاینوری کی وفات

(ابوحنیفہ) احمد بن داؤد تیسری صدی ہجری کا مشہور ماہر نباتات' وہ ابن الندیم کے مطابق دینور کا باشندہ تھا' اس کی وفات 26 جمادی الاول 282ھ/895ء کو ہوئی۔

اگرچہ ابو حنیفہ الاینوری ماہر نباتیات کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے' لیکن نجوم لغت' ہندسہ' ریاضی' تاریخ اور دیگر علوم میں بھی قابل وثوق سمجھا گیا ہے' فقہ اور تفسیر بھی اس نے گراں بہا آثار چھوڑے ہیں۔

ادبیات عربی کی تعلیم اس نے کوفہ کے دبستانوں میں حاصل کی زیادہ تر السکیت اور ابن السکیت سے۔ بطور ادیب وہ الجاحظ کا ہم پلہ مانا جاتا ہے اور جغرافیئے میں ابوزید بلخی کا' نباتیات میں اس کا کام اتنا بلند ہے کہ یونانیوں کی نباتیاتی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہونے سے پہلے ہی الاینوری نے خالص اسلامی معلومات کی مدد سے چھ ضخیم جلدوں پر مبنی ''کتاب النبات'' ترتیب دی تھی جو علم نباتیات کا ضخیم انسائیکلو پیڈیا تھی' اس کے متعلق ایک جرمن محقق نے لکھا ہے کہ یونانیوں نے اپنے عہد عروج میں جو کتابیں نباتیات پر لکھیں وہ ابوحنیفہ الاینوری کے اس شاندار کام کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔

ہندو چونکہ سبزی خور قوم ہیں' اس لئے ان کا رجحان شروع سے ہی نباتیات کی طرف ہے اور انہوں نے نباتیات کی اچھی خدمت کی ہے لیکن اس علم میں بھی ان کی چھوت چھات کا نظریہ کارفرما نظر آتا ہے' ان کی کتابوں میں غیر ملکوں کے پودوں کا نام ونشان تک نہیں لیکن ابوحنیفہ دینوری نے علم نباتیات پر جو کام کیا وہ ملکی غیر ملکی پودوں کے تصور سے پاک تھا۔ اس کی تقریباً بیس کتابوں کا پتہ چلتا ہے ان میں سے صرف ''الاخبار الطوال'' اور کتاب ''النبات'' دستیاب ہوئی ہیں نیز اس کی کتاب ''الانواع'' کے طویل اقتباسات ملے ہیں اس کے کام کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1- تفسیر (تیرہ جلدوں میں)

2- فقہ میں کتاب الوصایا اور کتاب فی حساب الدود (علم فرائض اور تقسیم ترکہ کے ایک پیچیدہ مسئلے کے متعلق)

3- کتاب القبلہ والزوال (نیم فقہی اور نیم فلکیاتی امور پر)

4- لغت وادبیات میں مایلحن فیہ العامۃ کتاب اصلاح المنطق کتاب الفصاحت' کتاب الجمع

والتفریق' کتاب الشعر واشعرا۔

5-نباتیات میں کتاب النبات جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

6-طب پر کتاب الباہ' ریاضی اور فلکیات پر البحث فی حساب' الہند کتاب الجبر والمقابلہ۔

ہم عصروں سے علمی مناظرے اس زمانے کی عام روش تھی چنانچہ الابیوری نے مناظروں میں کامیابیاں حاصل کیں۔

ماخذ۔دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 9

900 اینگکر واٹ مندر کی تعمیر

جنوب مشرقی ایشیا (کمبوڈیا' ہند چینی) کی تہذیبوں پر سب سے زیادہ نمایاں اثر ہندوستان کی تہذیب کا پڑا ہے' ہندومت اور بدھ مت دونوں دھرموں کے اثرات یہاں کی تعمیرات میں بھی دیکھتے جاسکتے ہیں۔شمالی کمبوڈیا کے گھنے جنگلوں میں پوشیدہ اینگکو واٹ مندر میں ہندی فن تعمیر کی جھلک نمایاں ہے' اینگکر وز کا شہر نویں اور دسویں صدی میں کمبوڈیا کا دارالحکومت تھا' سوریا ورمن نامی ایک کھمر بادشاہ نے اسے دسویں صدی کے آغاز میں تعمیر کروایا تھا۔

چاروں طرف سے فصیلوں میں گھری ہوئی اینگکر واٹ مندر کی عمارت کے گرد 625 فٹ چوڑی خندق موجود ہے جو ہندو دیو مالا کے مطابق بیرونی سمندر کی علامت سمجھتی جاتی ہے' مندر کی بیرونی دیواریں 4275x4905 کی مستطیل بناتی ہیں' جو دنیا کے گرد محیطی پہاڑوں کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔تعمیری نقطہ نظر سے محققین نے اس عظیم الشان مندر کو تاج محل کا مدمقابل قرار دیا ہے۔

مغربی سمت سے ایک راستہ خندق پر سے گزر کر مندر کے پہلے داخلی احاطے میں داخل ہوتا ہے' اس راستے سے گزر کر مندر کے دوسرے داخلی احاطے میں داخل ہوا جاتا ہے جو ہمیں مندر کی اندرونی تعمیرات تک لے جاتا ہے' ایک گیلری سے گزر کر مندر کی اندرونی خانقاہ تک رسائی ہوتی ہے۔اس مرکزی خانقاہ میں بھگوان وشنو کی مورتی رکھی گئی ہے' اینگکر رواٹ مندر بے مثال تعمیراتی حسن کے علاوہ اپنی نفیس سنگتراشی کی وجہ سے بھی مشہور ہے' مندر کی دیواروں پر کندہ کاری کے بھی عمدہ نمونے ملتے ہیں' ہندو دیو مالا کے بہت سے مناظر ابھرواں نقوش کی صورت میں اس کے ستونوں اور دیواروں پر نقش کیے گئے ہیں' اینگکو رواٹ کا یہ عظیم الشان مندر بیسویں صدی تک

مغربی سیاحوں کی نظروں سے اوجھل رہا' اینگکور واٹ مندر نہ صرف ایک مندر تھا بلکہ یہ ایک شاہی محل بھی تھا' اسی وجہ سے اسے مغربی اصطلاح میں کلیسا کا ورسائی کے شاہی کے ساتھ حسین امتزاج قرار دیا جاتا رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کھمیر بادشاہ اپنے آپ کو دیوتا کہتے تھے اور دیوتا مندر میں رہتا ہے یا پھر شاہی محل میں۔

ماخذ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا Wonders of the World

900ء الرازی کی چیچک اور خسرہ کے بارے میں تحقیق

الرازی کا پورا نام ابو بکر محمد بن ذکریا الرازی ہے' اس کو مغربی دنیا میں Rhazes کے نام سے جانا جاتا ہے' الرازی کا اہم ترین کمال اس کی طبابت ہے۔ اسے بجا طور پر اسلام کا سب سے بڑا طبیب مانا جاتا ہے' اس نے مختلف امراض پر متعدد رسائل تصنیف کئے' ان میں چیچک اور خسرہ کی تحقیق پر اس کا رسالہ ''کتاب الجدری والحصبہ'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ ایران کے شہر رے میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے رازی کہلایا۔

اس زمانے میں کیمیا گروں کو دیگر دھاتوں کو سونے میں بدلنے کا جنون تھا' الرازی نے بھی لوگوں کی دیکھا دیکھی سونا بنانے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں جڑی بوٹیوں اور دھاتی عناصر پر مختلف تجربات کئے جس سے اسے بہت سے کیمیائی مرکبات کے خواص اور اثرات کا پتہ چلا مگر وہ سونا نہ بنا سکا' ہر وقت آگ پر کام کرنے سے اس کی آنکھیں خراب ہو گئیں' آنکھوں کی تکلیف نے اسے جب بے قرار کیا تو وہ علاج کے لئے ایک طبیب کے پاس گیا۔ طبیب نے آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں الرازی سے پانچ سو اشرفیاں طلب کیں جو بہت بڑی رقم تھی لیکن آنکھوں کی تکلیف بھی کچھ کم نہ تھی چاروں ناچار الرازی یہ معاوضہ ادا کرنے پر راضی ہو گیا' اس طبیب کے علاج سے جلد ہی رازی کو آنکھوں کی تکلیف سے افاقہ ہو گیا۔ علاج کے دوران طبیب کو رازی کی کیمیا گری کے ذریعے سونا بنانے کا حال معلوم ہوا' تب طبیب نے رازی کو سمجھایا کہ تم بے وجہ اپنی جان ہلاکت میں کیوں ڈالتے ہو' اصلی سونا تو انسان اپنے ہنر سے بناتا ہے دیکھو میرے ہاتھ میں ہنر تھا تو میں نے تم سے سونے کی پانچ سو اشرفیاں حاصل کر لیں' طبیب کی یہ بات الرازی کے دل کو لگی اور اسے اپنے وقت کے ضیاع کا احساس ہو گیا۔ کہتے ہیں اس کے بعد رازی نے علم طبابت سیکھنے

کے لئے بغداد کا رخ کیا اور اسی اشتیاق میں گھر بار اور وطن سب کچھ چھوڑ دیا۔ بغداد میں الرازی کی ملاقات ایک مشہور طبیب علی بن سہل سے ہوگئی۔ اس نامور طبیب نے حروف تہجی کی ترتیب سے ایک انسائیکلو پیڈیا ترتیب دیا تھا۔ الرازی علی بن سہل کا معاون بن گیا۔ یہاں تک کے الرازی ایک بڑے پایہ کا طبیب بن گیا۔

ابابوبکر محمد بن زکریا رازی ایک ماہر طبیب کی حیثیت سے ابھرا ایک ایسا طبیب جس نے فن طبابت کو جو مردہ ہو چکا تھا جالینوس کے بعد ایک بار پھر زندہ کیا۔ اس کے آبائی شہر رے میں بھی بڑے سرکاری اسپتال موجود تھے' الرازی نے رے واپس آ کر اس شہر کے ایک نئے اسپتال کا چارج سنبھال لیا' لیکن اس کے تھوڑے عرصے بعد وہ ایک بار پھر بغداد آ گیا جہاں وہ اب اسی سرکاری منصب پر فائز ہوگیا' لیکن یہ معلوم نہیں پڑتا کہ وہ اس منصب پر کتنے عرصے فائز رہا' اپنے عہد کا سب سے بڑا طبیب ہونے کی شہرت اسے ایک دربار سے دوسرے دربار میں پہنچاتی رہی۔

بادشاہوں کی تلون مزاجی اور غیر یقینی سیاسی صورتحال کی وجہ سے وہ کہیں مستقل طور پر نہ ٹھہر سکا' کئی بار وہ اپنے وطن واپس آیا اور اس نے وہیں 290ھ/یا313ھ/935ء میں وفات پائی۔

الرازی کے اساتذہ کے متعلق بھی بہت کم معلومات ملتی ہیں الفہرست میں اس کے فلسفہ کے استاد کی حیثیت سے ایک بلخی نام کے شخص کا ذکر ملتا ہے۔ عربی تذکرے نویس اسے علی بن ربان طبری کا شاگرد بتاتے ہیں' کشف المحجوب میں رازی اور مشہور صوفی منصور بن حلاج کے درمیان خصوصی تعلقات کا ذکر ملتا ہے۔ الرازی کے فلسفیانہ عقائد شیعی حلقوں پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں' ابواسحٰق ابراہیم بن نوبخت جو اثنا عشریہ کے شیعوں کا فقیہہ ہے اپنی تصنیف میں الرازی کا نظریہ لذت بطور اقتباس پیش کرتا ہے۔

رازی پہلا طبیب تھا جس نے ابتدائی طبی امداد کا طریقہ رائج کیا' رازی نت نئے اور جدید تجربات سے کام لیتا تھا' ایک مرتبہ بغداد کی حکومت نے شہر میں ایک نیا اسپتال قائم کرنے کا فیصلہ کیا' مشاورت رازی کے سپرد تھی' اسپتال کے لئے جگہ کا انتخاب بھی کرنا تھا' رازی نے جگہ کے انتخاب کے لئے شہر کے مختلف مقامات پر گوشت کے ٹکڑے لٹکانے کا حکم دیا' چند روز بعد اطباء نے ان ٹکڑوں کا معائنہ کیا جس مقام پر گوشت سب سے بہتر حالت میں پایا گیا اسی جگہ اسپتال کی تعمیر کے لئے جگہ کا انتخاب کرلیا گیا۔

الرازی کا طب میں سب سے بڑا کارنامہ چیچک اور خسرہ پر تحقیق ہے اس نے چیچک کے

اسباب' اس مرض کے بارے میں ضروری احتیاط اور اس کے علاج کے بارے میں'' کتاب الجدری والحصبہ لکھی جس کا بہت سی یورپی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے' چیچک کے موضوع پر یہ پہلی کتاب تھی جو سینکڑوں برس تک یورپ کے میڈیکل کالجوں میں پڑھائی جاتی رہی' رازی ایک فلسفی اور ماہر طبیعیات بھی تھا' وہ ایٹم کی دریافت سے سینکڑوں برس پہلے ایٹم کے وجود کا قائل تھا' اس بارے میں وہ یونانی فلسفی دیمقراطیس کا ہم خیال تھا۔

دنیا کے عظیم سائنسدان' اردو سائنس بورڈ ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 10 معروف مسلم سائنسدان

901ء وفات ثابت بن القرہ صابی

نویں صدی عیسوی کے دانشوران عرب میں ایک اہم شخصیت ان عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ایک تھا جنہوں نے دانش عرب کے ارتقاء میں اہم خدمات انجام دیں' وہ 834ء/219ھ میں بمقام حران پیدا ہوا' حران اس زمانے تک ستارہ پرستی کا مرکز تھا۔ ستارہ پرست صابی کہلاتے تھے' اس کا خاندان عرب فضلا کا ایک اہم خاندان تھا' مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے شجرہ نسب کے اوپر کے نام یونانی ہونے کی نسبت سے وہ شاید یونانی آبادکاروں کی نسل میں سے تھا؟ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لکھا ہے کہ اول اول وہ صرافی کا کام کرتا تھا' اپنی موروثی ثروت ہی کی بناء پر اس نے قیام بغداد کے دوران فلسفے اور ریاضی میں مہارت نامہ حاصل کی' فلسفیانہ آزاد خیالی کی وجہ سے ہی اس کی اپنے قصبے کے سیارہ پرستوں سے آویزش ہوگئی جس کی وجہ سے اس کو سیارہ پرستوں کی مذہبی عدالت کے سامنے پیش ہونا پڑا' عدالت میں اس نے اپنی فلسفیانہ آزاد خیالی سے توجہ حاصل کر لی بعد ازاں وہاں سے نقل مکانی کرنے کی وجہ سے وہ مزید اذیت برداشت کرنے سے محفوظ رہا۔

کہتے ہیں کہ اس کی ملاقات محمد بن موسیٰ بن شاکر سے ہوئی جو اس وقت بلاد روم (بازنطینی سلطنت) سے واپس بغداد آ رہا تھا' ریاضی اور لسانیات میں ثابت بن قرہ کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے وہ اسے اپنے ساتھ بغداد لے آیا' تاکہ خلیفہ معتضد کے دربار میں بازیاب کرے' چنانچہ بازیابی پر خلیفہ نے ثابت کو اپنے درباری منجموں میں شامل کر لیا' بغداد میں قیام کے دوران ثابت نے اپنا زیادہ وقت یونانی قدماء کی تصانیف کے تراجم اور شرح نویسی میں صرف کیا' اس کے علاوہ اس نے خود بھی علم ریاضی پر کئی کتابیں تصنیف کیں' فلسفے کا مطالعہ اور طب کی پریکٹس کا شغل بھی

جاری رکھا' آخر کار اس نے 67 سال کی عمر میں بغداد ہی میں 26 صفر 288ھ/ 18 فروری 901ء کو وفات پائی۔

خلیفہ کے دربار میں اثر ورسوخ حاصل ہو جانے کے بعد اس نے اپنے مذہب یعنی صابیوں کو بہت فائدہ پہنچایا' ابن ندیم نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں ثابت بن قرہ کی تصانیف کے نام کچھ یوں درج کئے ہیں' کتاب حساب اہلۃ' کتاب رسالۃ فی سنۃ الشمس' کتاب رسالۃ فی استخراج المسائل الہندسیہ'' کتاب رسالۃ فی الاعداد کتاب الشکل القطاع' کتاب رسالۃ فی الحجۃ المنسوبۃ الی سقراط کتاب ابطال الحرکۃ فی فلک ابروج.....

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ از دانش گاہ پنجاب بذیل مادہ ''ثابت بن قرہ جلد نمبر 6 صفحہ 633 کتاب الفہرست از ابن الندیم اردو ترجمہ از ادارہ ثقافت اسلامیہ

900ء اسماعیل بن احمد سامانی نے بخارا کو دارالحکومت قرار دیا

سامانی امیر اسمٰعیل بن احمد اپنے بھائی نصر کی وفات پر ماوراء النہر کا امیر بنا' 280ھ/893ء میں اسے خلیفہ نے اس عہدے پر مستقل ہونے کا فرمان عطا کیا' لیکن وہ بخارا ہی میں مقیم رہا' اسی سال اس نے طراز (آج کل کا اولیا اتا) تک یلغار کی' اس شہر کو فتح کر کے یہاں کے تمام گرجے مساجد میں تبدیل کر دیئے' ساوراء النہر میں اس کی عمرو بن اللیث صفاری کے ساتھ جنگ ہوئی' اگر چہ خلیفہ بغداد نے اسمٰعیل کی معزولی کا اعلان کر کے صوبہ عمرو کے حوالے کر دیا تھا لیکن لڑائی کو دیکھ کر اس نے فاتح کے حق میں فیصلہ دیا' ادھر اسمٰعیل کے سپہ سالار محمد بن ہارون نے دولت زیدیہ کے محمد بن زید کے خلاف کارروائی کر کے طبرستان فتح کر لیا' مگر اس کے بعد اس نے خود علم بغاوت بلند کر دیا' اس باغی سپہ سالار کی سرکوبی کے لئے اسمٰعیل کو خود میدان جنگ میں اترنا پڑا' اس کو شکست دے کر امیر رے اور قزوین کو سامانی قلمرو میں شامل کر لیا' تقریباً 900ء میں امیر اسمٰعیل نے بخارا کو سامانی سلطنت کا دارالحکومت قرار دیا تھا' وہیں اس نے 14 صفر 295ھ/24 نومبر 907ء کو وفات پائی' اس کا مزار آج بھی بخارا میں موجود ہے۔

سامانی عہد میں بخارا ایک بہت بڑی سلطنت کا پایہ تخت بن گیا تھا۔ اگر چہ وسعت اور دولت و ثروت کے اعتبار سے وہ اس دور میں بھی سمرقند کا ہم پلہ نہیں ہوا۔ جدید فارسی ادب کا احیاء بھی بخارا ہی

میں ہوا۔ سامانی عہد کے بخارا کی کیفیت عرب جغرافیہ دانوں نے تفصیل سے بیان کی ہے' علاوہ ازیں ہمیں النرشخی اور اس کی تصنیف کے مرتبین سے بھی اس بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

اسمٰعیل کی وفات تک ماورائے نہر اور خراسان کے علاوہ جو عمرو بن اللیث صفاری کو مغلوب کرنے کے بعد اس کے قبضے میں آئے تھے اس کی سلطنت میں کافی توسیع ہوئی' ہمارے اندازے کے مطابق وہ سامانی خاندان کا سب سے قابل اور مستعد مگر بے اصول حکمران تھا' تاہم عباسیوں کے ساتھ اس کی وفاداری مشہور ہے۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد نمبر 10' جلد 2 تاریخ ملت جلد دو

902ء خلیفہ المکتفی باللہ کی تخت نشینی

المکتفی باللہ' محمد علی بن احمد عباسی خلیفہ المعتضد اور ایک ترک کنیز جی جک نامی کا بیٹا تھا' 281ھ/894ء میں اسے رے کا حاکم مقرر کر دیا جس کے ساتھ گرد و نواح کے کئی شہر بھی شامل تھے' اس نے الرقہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ 22 ربیع الثانی 289ھ/15 اپریل 902ء کو وہ المعتضد کی وفات پر تخت نشین ہوا اور اپنی کشادہ دلی اور سخاوت اور دارالخلافہ کے زمین دوز عقوبت خانے و قید خانے مسمار کرنے کی وجہ سے عوام میں ہر دلعزیز ہو گیا۔ اس نے ایک بہادر' شجاع اور نڈر سردار کی طرح خلافت کے بہت سے دشمنوں کے خلاف کامیابی سے کارروائی کی' قرامطہ ملک شام کو تاخت و تاراج کر رہے تھے یہاں تک کہ خود دمشق بھی لوٹ مار سے محفوظ نہ رہا' آخر کار سپہ سالار محمد بن سلیمان نے انہیں شکست فاش دی اور وہ سب اطراف و اکناف میں منتشر ہو گئے' اب محمد بن سلیمان نے مصر کا رخ کیا جہاں اس نے خاندان طولونیہ کی خود مختار حکومت کا خاتمہ کر دیا' ابھی مصر میں طولونی حکومت کا خاتمہ ہوا ہی تھا کہ قرامطہ پھر آمادہ فساد ہو گئے اور اکتوبر نومبر 924ء تا 926ء میں انہوں نے مکہ سے واپس جانے والے حاجیوں کے ایک قافلے پر حملہ کر دیا اور تمام مردوں کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر لے گئے ان کی بیخ کنی کے لئے خلیفہ کی افواج نکلیں اور اسی سال قادسیہ کے مقام پر وصیف بن صوارتگین کی زیر قیادت سرکاری فوجوں نے قرامطیوں دسمبر جنوری 07-906ء میں شکست دی۔ 291ھ/903ء 904ء میں بازنطینیوں سے لڑائی میں ایک نومسلم یونانی لیو LEO نامی نے ساحل یونان پر اپنے بحری بیڑے کے ساتھ

حملہ کیا تاہم خشکی پر بوزنطی کامیاب رہے 905-904ء میں رومی سپہ سالار اندرونکس ANDRONICUS نے طرسوس تک کو فتح کرلیا' اس سے اگلے سال بازنطینی حلب تک بڑھ آئے' اس کے بعد مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور اندرونیکس مسلمانوں سے مل گیا۔

13 ذیقعد 2950ھ / اگست 908ء کو المکتفی نے 31 سال کی عمر میں وفات پائی' مکتفی کی خوش خلقی مشہور تھی' عدل وانصاف میں کسی خلیفہ سے پیچھے نہیں تھا' اس کے والد نے دوسروں کے مکانات بحق سرکار ضبط کر کے نعمت خانے بنوا دیئے تھے' المکتفی نے ان کے ورثاء کو معاوضہ کی رقمیں دیں اور مساجد بنوا دیں' قصر شاہی میں جو مکانات شامل کئے گئے تھے وہ ان کے مالکان کو واپس کر دیئے گئے' اس کے اس عمل سے اہل بغداد مکتفی سے بہت خوش ہوئے۔

المکتفی نے اپنی بیماری کے دوران کہا کہ مجھے ان سات سو دیناروں کا بڑا خوف ہے جو میں اپنے خرچ میں لے آیا ہوں' حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے' اگر قیامت کے دن مجھ سے پرسش ہوئی تو مجھ پر بہت سخت گزرے گی میں اپنی غلطی پر خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں' خلیفہ المکتفی کے عہد کے مشاہیر علماء میں عبداللہ بن احمد بن حنبل' ثعلب امام العربیہ' فقیہ بزاز صاحب مسند اور فلسفی اسحاق بن حنین جیسے لوگ شامل تھے۔

تاریخ مسعودی تاریخ ملت جلد دوم ماخذ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 1

905ء اندلس کے پہاڑی چوہے' عمر بن حفصون کی کارگزاریاں

عمر بن حفصون اندلس میں ہونے والی ایک مشہور بغاوت کا سرغنہ تھا' اسے مورخین نے اندلس کا پہاڑی چوہا قرار دیا ہے' جس طرح جنوبی ہندوستان میں شیواجی پہاڑی چوہا کہلاتا تھا' اسی طرح ابن حفصون نے نویں صدی عیسوی کے اواخر میں سالہا سال تک قرطبہ کے اموی حکمرانوں کا مقابلہ کیا۔

اس کا پورا نام عمر بن حفص بن عمر بن جعفر تھا' یہ خاندان عیسائی سے مسلمان ہوا تھا' وہ اپنے آپ کو کاؤنٹ الفانسو نام کی اولاد سے بتاتے تھے وہ قرطبہ کے نزدیک رندہ کے علاقے میں جاگیر دار تھے۔ ابن حفصون نے نوعمری ہی سے تندی مزاج کا مظاہرہ کیا۔ اس نے آغاز میں اپنے کسی ہمسائے کے خلاف جرم کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے اسے کچھ عرصے کے بعد اندلس سے فرار ہو کر

افریقہ میں پناہ لینی پڑی' وہ ایک مدت تک تاہرت میں رہا' پھر جیسے ہی اندلس واپس آیا اس نے قرطبہ کے اموی امیر کے خلاف بغاوت کر دی' اس نے چند شر پسند لوگوں کو ساتھ ملایا اور 880ء میں ب شترہ کے ویران قلعہ کو اپنا مستقر بنالیا' عمر کو ابتداء میں کچھ کامیابیاں ہوئیں' وہاں کے عامل نے باغیوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جو بے سود ثابت ہوئی اور ابن حفصون نے جلد ہی قرطبہ سے غرناطہ، مالقہ اور الخضراء تک پھیلے ہوئے پہاڑی علاقے میں اپنا اقتدار قائم کرلیا گیا' اموی امیر محمد بن عبدالرحمٰن کو اسے مطیع کرنے کے لئے باقاعدہ مہم تیار کرنا پڑی' امیر کی عسکری طاقت سے مغلوب ہو کر ابن حفصون نے بھی شیواجی کی طرح اطاعت اختیار کرلی اور قرطبہ جا کر اپنی خدمات اموی امیر کو پیش کیں (883ء) مگر اس کی یہ اطاعت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور بالکل شیواجی کی طرح جو دہلی سے بھاگ اٹھا تھا۔ وہ بھی صرف ایک سال بعد واپس اپنے پہاڑی مستقر بشتر میں پہنچ کر بزور شمشیر اس پر قابض ہو گیا۔ اس وقت کے بعد سے ابن حفصون اندلس کے جنوبی حصے میں ایک قومی تحریک کا سرگرم حامی تصور ہونے لگا اور اس علاقے کے تمام سرکش اور باغی افراد اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے خواہ وہ عیسائی تھے یا مسلمان' اس کے روز بروز طاقتور ہونے پر امیر قرطبہ کو اضطراب لاحق ہوا اور اس نے اپنے ولی عہد کو اس کی سرکوبی پر مقرر کیا' لیکن ولی عہد کی ابن حفصون کے خلاف مہم کے دوران ہی امیر قرطبہ نے وفات پائی اور ولی عہد کو حکومت سنبھالنے کے لئے واپس قرطبہ لوٹنا پڑا' ابن حفصون نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور جنوبی اندلس کے سارے پہاڑی علاقے میں حکومت کے خلاف تحریک مزاحمت شروع کر دی' چنانچہ وہاں کے باشندوں نے اسے بغاوت کا قائد تسلیم کرلیا' کہیں جا کر عبدالرحمٰن ثالث نے اس باغی کو 918ء میں شکست دی اور وہ مارا گیا۔

تاریخ ہسپانیہ ماخذ غیرت نامہ اندلس

908ء المقتدر کی مسند آرائی

اگست 908ء میں خلیفہ مکتفی باللہ کی وفات کے بعد المقتدر باللہ کی خلافت کا اعلان ہوا' وہ خلیفہ المعتضد اور ایک رومی کنیز شغب کا بیٹا تھا' اعلان خلافت کے وقت اس کی عمر صرف 13 برس تھی' شاید اسی وجہ سے بہت سے لوگ خلیفہ المعتز کے بیٹے عبداللہ کو ترجیحی بنیاد پر خلیفہ بنانا چاہتے

تھے' چنانچہ صرف چار ماہ بعد ایک وزیر العباس بن الحسن بن احمد کے قتل کے بعد المقتدر کو معزول کر دیا گیا اور عبداللہ بن المعتز کی بیعت لی گئی' خواجہ سرا مونس المقتدر کو بچانے کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس نے چند خاص شاہی غلاموں کے ساتھ ابن المعتز کی جماعت کا مقابلہ کیا جس میں ابن المعتز مارا گیا اور المقتدر کا اقتدار بحال ہو گیا' تاہم اس نے اپنی خود مختاری کا بہت کم ثبوت دیا' وہ کبھی تو اپنے حرم کے خواجہ سراؤں اور کبھی اپنے وزراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا' اس کے وزراء میں ابن الفرات جو ایک سازشی شخص تھا اور ابن الجراح قابل ذکر ہے' ان حالات میں المقتدر کی خلافت بتدریج زوال پذیر ہونے لگی' اس کے عہد میں فاطمی حمدانی خاندان خود مختار ہو گئے' قرامطہ نے بھی ایک بار پھر سرکشی دکھائی' 311ھ/923ء میں قرامطہ کے سردار ابو طاہر نے بصرے میں غارتگری کی اور اس سے اگلے سال 924ء کے اواخر میں حاجیوں کے ایک قافلے پر جو مکہ سے واپس آ رہا تھا' حملہ کر دیا' 925 میں اس نے بغداد سے مکہ جانے والے حاجیوں کو لوٹا اور الکوفہ پر حملہ آور ہوا' قرامطہ کے خلاف مونس کی قیادت میں ایک فوج بھیجی گئی مگر وہ اس وقت وہاں پہنچی جب قرامطی لوٹ مار کر کے واپس جا چکے تھے۔ 927ء میں یوسف بن ابی الساج کو آذربائیجان سے امداد کے لئے طلب کیا گیا مگر ابو طاہر نے اسے شکست دے کر قید کر لیا' بازنطینی سرحدوں پر جنگ جاری رہی کبھی وہ فاتح رہے اور کبھی مسلمان۔ 305ھ/917ء میں بازنطینیوں نے صلح کی پیش کش کی' دو سال کے لئے صلح بھی ہو گئی مگر اس کے بعد جلد ہی لڑائی دوبارہ شروع ہو گئی۔

317ھ/فروری 929ء میں المقتدر کے خلاف دارالخلافہ میں بغاوت رونما ہوئی' المقتدر کو مجبوراً تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا' لیکن اس کا وفادار خادم مونس اسے ایک محفوظ مقام پر لے جانے میں کامیاب ہو گیا' باغیوں نے شاہی محل کو لوٹ لیا' اس کی جگہ اس کے بھائی محمد کو القاہر کے لقب کے ساتھ مسند آراء خلافت کہا گیا' چونکہ باغیوں کا سردار صاحب الشرطہ نازوک سپاہیوں کی تنخواہ میں مطالبہ کے مطابق اضافہ کرنے میں ناکام رہا اس لئے ردانقلاب کے طور پر چند روز بعد القاہر کو بھی معزول کر دیا گیا اور المقتدر کو دوبارہ تخت نشین کر دیا گیا لیکن بغداد میں گڑبڑ زیادہ ہو گئی اور دشمنوں نے المقتدر کو پٹی پڑھائی کہ المونس اس کے خلاف کام کر رہا ہے' سازشیوں کے کہنے پر خلیفہ المونس سے لڑائی میں مارا گیا۔ (اکتوبر 932ء)

تاریخ ملت جلد دوم ماخذ دائرہ المعارف جلد 21

911ء افریقہ سے آخری اغلبی حکمران کا اخراج

افریقہ کے اغلبی حکمرانوں کو داخلی یورشوں کے علاوہ بعض موقعوں پر علماء اور صلحاء کی پیدا کردہ مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ علماء چونکہ عوام میں رہتے اور رائے عامہ کی رہنمائی کرتے انہیں اس سے باک نہیں تھا کہ وہ حکام وقت کے اخلاق پر نکتہ چینی کریں' ابراہیم ثانی کے عہد میں افریقہ میں شیعی داعی ابوعبداللہ کا ورود ہوا' جس کے ہاتھوں اغلبی خاندان کا سقوط اور فاطمی خلیفہ عبیداللہ المہدی کی کامیابی عمل میں آئی۔ کتامہ بربروں کی مدد سے' جنہیں اس نے شیعہ مذہب کا حلقہ بگوش بنایا تھا' اس نے اغلبی سلطنت کی دریخت کا کام شروع کر دیا۔ مغربی سرحد کی چوکیاں' جن میں سے بعض قلعہ نشین عرب فوجیوں پر ابراہیم ثانی کے تشدد کی وجہ سے خالی ہوگئی تھیں' حفاظتی طور پر اس قابل نہ تھیں کہ ابوعبداللہ کے حامی مذہبی دیوانوں کے حملے روک سکیں' آخری اغلبی امیر ابونصر زیادۃ اللہ کو خطرے کا احساس تھا لیکن اس کے حفاظتی اقدامات میں بھی معقول تدابیر کا فقدان تھا اور یہ اقدامات آخری تباہی کو روکنے میں ناکام رہے۔

زیادۃ اللہ نے القروان کی فصیلوں کی تجدید کی اور کتامہ کے مقابلے میں کئی فوجیں روانہ کیں جنہیں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ پھر ایک بڑی فتح کا اعلان کر کے اس نے قیروان سے فرار کی تیاریاں شروع کر دیں اس نے رفادۃ کے شاہی شہر کو جسے ابراہیم ثانی نے قیروان سے ساڑھے چار سو میل جنوب میں آباد کیا تھا' خیر آباد کہا اور جتنا روپیہ پیسہ اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا لے کر مصر کی طرف روانہ ہوگیا' وہاں سے وہ رقہ گیا لیکن دوبارہ مصر آ گیا اور راستے میں یروشلم میں فوت ہوگیا اس آخری اغلبی حکمران کی وفات اور فرار کے ساتھ ہی افریقہ سے سلطنت اغالبہ کا خاتمہ ہوگیا۔

اغالبہ کے دور سلطنت کا سب سے بڑا کارنامہ تاریخ دانوں نے صقلیہ کی تسخیر کو قرار دیا ہے' اگرچہ صقلیہ پر مسلم حملہ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں بھی ہو چکا تھا مگر یہ جزیرہ فتح اغلبہ کے ہاتھوں ہوا۔

اغالبہ تعمیر کے لئے بہت شائق تھے انہوں نے براعظم افریقہ کے سینے پر اپنی تعمیرات کے نشان چھوڑے ہیں' ابوالعباس محمد نے قیروان کی بڑی مسجد کے ساتھ اس کے لئے وقف قائم کیا جو اب تک محفوظ ہے۔ تونس کی جامع کبیر کی تعمیر بھی اغالبہ سے منسوب ہے جو القیر وان کی مسجد کی طرح افریقہ کی قدیم ترین مسجدوں میں سے ایک ہے' ابن خلدون کے مطابق ابوابراہیم احمد نے افریقہ میں تقریباً دس ہزار قلعے تعمیر کرائے تھے جو پتھر اور گچ سے بنائے گئے تھے۔

تاریخ ملت جلد دوم۔ ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2 صفحہ.....

913ء قرطبہ کے زریں عہد کا آغاز

مورخین کے مطابق مسلم ہسپانیہ کے امرائے بنوامیہ میں سب سے بڑا حکمران اور الاندلس کا خلیفہ (بنوامیہ) اول' عبدالرحمٰن الثالث بن محمد بن عبداللہ تھا۔

امیر عبداللہ کا یہ جانشین تخت نشینی کے وقت صرف تیئیس سال کا بعض مورخین کے مطابق صرف اکیس سال کا تھا' اس کے دادا نے اس کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے اسے جواں سال ہونے کے باوجود اپنا ولی عہد منتخب کرلیا تھا' اس کا یہ انتخاب فی الحقیقت بہت موزوں ثابت ہوا۔ مسلم ہسپانیہ کی تاریخ کا کوئی عہد اتنا درخشاں اور شاندار نہیں تھا جتنا کہ اس اموی خلیفہ کا عہد تھا' اس نے تقریباً نصف صدی یعنی 300ھ/913ء سے 350ھ/961ء تک حکومت کی۔ اپنے طویل عہد حکومت سے عبدالرحمٰن الثالث کو یہ فائدہ پہنچا کہ وہ اپنی حکمت عملی کو ایک تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے میں کامیاب ہوگیا' اس نے اندلس کے شورش پسند عناصر کو دبا دیا اور اپنا تابع فرمان بنالیا' عبدالرحمٰن الثالث کے عہد کو قرطبہ کا زریں عہد کہا جاتا ہے' اس کے عہد کو دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے' پہلا حصہ داخلی امن و امان کے استحکام کا تھا' یہی وہ زمانہ تھا جب سلطنت قرطبہ میں سیاسی وحدت دوبارہ پیدا ہوئی۔ امیر عبداللہ کے عہد میں یہ وحدت خطرے میں پڑ گئی تھی' دوسرا طویل حصہ زیادہ تر خارجہ حکمت عملی کی سرگرمیوں کا زمانہ تھا' جس میں مسیحی ہسپانیہ کے خلاف جارحانہ اقدامات اختیار کئے گئے دوسری طرف شمالی افریقہ میں اثر و رسوخ بڑھانے کی خاطر فاطمی خلافت کے ساتھ کشمکش جاری رہی۔

917ء تک اندلس کے باغیوں کو مطیع و فرمانبردار بنالیا گیا' ابن حفصون کی وفات کے بعد اس کے بیٹے نے مزاحمت ترک کردی' اس کے پانچ سال بعد مزاحمت کے آخری مرکز طلیطلہ نے بھی اطاعت قبول کرلی' امیر قرطبہ نے مسیحی ہمسایوں کو مسلم مملکت کے خلاف جارحانہ اقدام کرنے سے بھی روک دیا مسیحیوں میں اسے ایک بڑے دشمن رایرو Ramiro ثانی سے پالا پڑا جس نے امیر سے بہت سی شکستیں کھانے کے بعد آخر 939ء میں امیر کو شنت مانکش کی خندق پر شکست فاش دی۔

ہشتر کی فتح کے بعد عبدالرحمٰن الثالث نے اپنی مملکت میں فاطمیوں کے عزائم کو ناکارہ بنانے کے لئے امیر المومنین کا اعلیٰ لقب اور الناصر الدین اللہ کا اعزازی لقب اختیار کیا اور افریقہ میں

عسکری اقدام کرنے کے لئے سبتہ پر قبضہ کرلیا تھا' عبدالرحمٰن الثالث نے 22 رمضان 350ھ/ 15 اکتوبر 961ء کو جب اس کا ستارہ عروج نصف النہار پر تھا وفات پائی اپنے آخری ایام میں وہ ایک مطلق العنان حکمران بن چکا تھا اور اس نے قرطبہ کے دروازوں کے باہر مدینۃ الزہرا کے شاہی محلات میں سکونت اختیار کرلی تھی اس کے عہد میں قرطبہ دنیائے اسلام کا اولین شہر بن گیا تھا۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2 صفحہ 864 ماخذ۔ تاریخ ہسپانیہ نصیر احمد ناصر عبرت نامہ اندلس ڈوزی

916ء پہلے فاطمی خلیفہ نے مہدیہ کو دارالحکومت قرار دیا

بنو فاطمہ ایک مسلم حکمران خاندان تھا جس نے شمالی افریقہ اور بعدازاں مصر میں 297ھ/909ء سے 567ھ/1171ء تک حکومت کی' اس خاندان کا نام حضرت فاطمہؓ اسم گرامی سے منسوب ہے' کیونکہ خلفائے بنی فاطمہ اپنا شجرہ نسبت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ تک پہنچاتے ہیں۔

فاطمی تحریک' جس کی بدولت بنو فاطمہ شمالی افریقہ سے پہلے فاطمی خلیفہ' عبیداللہ المہدی کی صورت میں برسر اقتدار آئے' اس کی اصلیت اسمٰعلیت ہے' یہ ایک شیعی تحریک تھی جو بیک وقت سیاسی اور مذہبی تھی' اس کے معتقد آل رسول (ﷺ) میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی نسل سے اسمٰعیل بن جعفر صادقؒ کے اخلاف میں پیدا ہونے والے ایک مہدی کے منتظر تھے۔

فاطمیوں کے حریفوں نے ان کے علوی النسب ہونے سے انکار کیا اور اعلان کیا کہ وہ مدعیان کاذب ہیں' اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ غائب اماموں کے دوران' یعنی زمانہ ستر میں محمد بن اسمٰعیل اور عبیداللہ مہدی کے درمیان آنے والے تمام اماموں کے نام دانستہ طور پر اخفا میں رکھے گئے۔ جس کی وجہ سے بنو فاطمہ سلسلہ نسب پر آج بھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عبیداللہ مہدی ایران کے مشہور اسماعیلی مقتدر عبداللہ بن میمون کا پوتا تھا' شمالی افریقہ میں فاطمی بغاوت اپنے نازک مراحل میں داخل ہوئی تو اس کا محرک بظاہر ایک داعی ابوعبداللہ شیعی تھا جو خود کو نقیب مہدی کہا تھا' بہرکیف عبیداللہ مہدی کو تاج وتخت اسی کے ذریعے حاصل ہوا' ادھر تو وہ شمالی افریقہ کے بربروں میں بغاوت کے بیج بو رہا تھا اور ادھر عبیداللہ اپنے خاندان سمیت شمالی شام میں سلمیہ کے مقام سے قیروان (902ء) کی طرف ہجرت کر رہا تھا' مصر میں ایک سوداگر کا بھیس بدل کر گزرتے ہوئے

وہ وہاں کے شکی مزاج گورنر کے ہاتھوں قید ہونے سے بال بال بچا۔ غالباً اس سفر میں عبید اللہ کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' اسی سفر میں آخر عباسیوں کے حامیوں نے اسے اور اس کے بیٹے کو سجلماسہ میں ایک کال کوٹھڑی میں ڈال دیا' اسی اثناء میں اس کا دست راست ابوعبداللہ کہیں اور اس کے حق میں مصروف عمل تھا' اس کا سجلماسہ میں فاتحانہ داخلہ آخر عبید اللہ کی رہائی کا موجب بنا' آخری اغلبی بادشاہ کی شکست اور فرار کے بعد عبید اللہ مہدی 29 ربیع الثانی 297ھ / 15 جنوری 910ء کو اپنے بیٹے کے ساتھ فاتحانہ انداز میں رفادہ میں داخل ہوا۔

اقتدار اعلیٰ کے اوج پر پہنچنے کے کے بعد 916ء میں عبید اللہ نے تونس کے ساحل پر قیروان سے سولہ میل دور ایک نئے شہر ''المہدیہ'' کی بنیاد رکھی اور بعد ازاں اس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا یہ شہر ایک خاکنائے پر واقع تھا جسے جزیرہ الفار کہتے تھے' اس کے استحکام کے لئے اس کے گرد بڑی عریض اور بلند فصیل بھی تعمیر کی گئی' جس میں بہت سے بھاری دروازے تھے' شاہی محل اور عسکری بیرکیں اس فصیل کے اندر تھیں۔ یہاں کی بندرگاہ کو بھی وسعت دی گئی' عبید اللہ المہدی نے 322ھ / 4 مارچ 934ء کو وفات پائی۔

تاریخ ملت جلد دوم ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21

922ء منصور ابن حلاج کی سزائے تکفیر

بغداد کے ایک مشہور چوک میں 23 ذیقعدہ 320ھ / 922ء کو سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ الحلاج کو اس کی سزائے تکفیر کے طور پر عنقریب سولی دی جائے گی۔ اسی شام الحلاج کو پولیس کے افسر اعلیٰ کے حوالے کر دیا گیا۔ کال کوٹھری میں الحلاج نے اپنے آپ کو حوالہ بہ تقدیر کیا اور اپنے ''شاندار'' انجام کی پیش گوئی کی۔ 24 ذیقعدہ کو باب خراسان میں الحلاج جس کے سر پر ایک تاج رکھا ہوا تھا' پیٹ پیٹ کر ادھر موا کر دیا گیا پھر اسے سوئے دار لے جایا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا' ابھی اس میں زندگی باقی تھی اور ابھی روح نے قفس عنصری سے پرواز نہ کی تھی بغداد کے بازاروں میں بلوائیوں نے آگ لگا دی' جس وقت اسے دار پر لٹکایا جا رہا تھا دوستوں اور دشمنوں نے اس سے سوالات کئے جن کے کچھ جوابات اب تک کتابوں میں محفوظ چلے آ رہے ہیں' پھر خلیفہ کی طرف سے اس کے سر کو قلم کر دینے کا فرمان آ پہنچا' دراصل اس کی سولی کے آخری مرحلے کو اگلے دن پر

ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اس کی زندگی کی اس آخری رات کو مورخین نے لکھا ہے کہ الحلاج کے ہاتھ پر کرامات اور مافوق الفطرت واقعات کا ظہور ہوا' اگلی صبح الحلاج کا سر قلم کر دیا گیا پھر اس کی لاش پر تیل چھڑک کر اسے جلایا گیا اور ایک مینار کے اوپر سے اس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہادی گئی۔ (922/27/3ء)

چشم دید گواہوں کے مطابق الحلاج کے آخری الفاظ یہ تھے'' عارف کے لئے جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ یہی ہے کہ اللہ کی رضا سے اسے کامل اتحاد ہو جائے اور التجا کا اعادہ کرتے ہوئے جو اللہ اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتا ہے' پھر اس نے سورۃ ''الشوریٰ کی آیات (18:42) کی تلاوت کی۔

ابوالمغیث الحسین بن منصور بن محمی البیضاوی ایک معروف صوفی اور عالم تھے انہیں عرف عام میں الحلاج بھی کہا جاتا ہے' الحلاج ایک آتش پرست کا پوتا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ رسول کریم (ﷺ) کے مشہور صحابی حضرت ابوایوبؓ کی اولاد میں سے تھا' اس کا باپ روئی دھنتا تھا اسی وجہ سے حلاج کہلاتا تھا' اس کے باپ نے واسط میں رہائش اختیار کی تھی۔ وہیں قراء کے ایک مشہور مدرسے میں الحلاج نے بارہ برس کی عمر سے پہلے ہی قرآن مجید حفظ کیا' وہ کم سنی ہی سے قران کریم کی سورتوں کے باطنی معنی تلاش کرنے میں لگا رہتا تھا' پھر اس نے اپنے آپ کو سہل التستری کے مدرسہ تصوف سے وابستہ کر لیا' بیس سال کی عمر میں وہ بصرے چلا گیا' وہاں وہ عمرو بن عثمان المکی کے سلسلہ طریقت سے وابستہ ہو کر خرقہ سے مشرف ہوا' اس نے ابو یعقوب کی بیٹی ام الحسین سے شادی کی' اس شادی سے اس کے ہاں تین بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اگرچہ حلاج پر شیعہ ہونے کا الزام ہے مگر اکثر ماخذ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ساری عمر عقیدہ سنی ہی رہا۔

922ء تاریخ الرسل والملوک

مشہور عرب مورخ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کی ایک جلیل القدر تصنیف تاریخ عالم یعنی'' تاریخ الرسل والملوک'' ہے جس کی تلخیص بھی لائڈن سے ساڑھے بارہ جلدوں میں شائع کی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ پوری کتاب اس ایڈیشن سے کوئی دس گناہ زیادہ ضخیم تھی' یہ تلخیص بھی مکمل نہیں ہے کیونکہ جگہ جگہ ان عبارتوں کا اضافہ کرنا پڑا ہے جو الطبری کی تاریخ عالم سے استفادہ کرنے والے متاخر علماء کے ہاں پائی جاتی ہیں' تاریخ طبری کو اسلامی تاریخ کی امہات الکتب کا

درجہ حاصل ہے' تمہید کے بعد کتاب کا آغاز بطریقوں Patriarchs انبیاء کرام اور قدیم زمانے کے حکمرانوں کی تاریخ سے ہوتا ہے پھر سامانیوں کے عہد اور عہد نبوی (ﷺ) اور خلفائے راشد کی تاریخ آتی ہے پھر تاریخ بنوامیہ اور آخر میں تاریخ بنوعباس ہے۔

اسلامی زمانے کے شروع سے واقعات کی ترتیب ہجری سنہ کے مطابق قائم کی گئی ہے یہ کتاب جولائی 915ء تک کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے' اس کے بعد دوسرے مورخین نے اسے جاری رکھا' ان الحاقات میں طبری کے شاگرد الفرغانی کی کتاب صلۃ التاریخ بہت اہم ہے' ابن الاثیر جیسے مورخ نے علامہ طبری کی جمع کردہ تاریخی معلومات کو اپنی تاریخوں میں استعمال کیا اور اس سے بعد کے حالات خود لکھے۔

علامہ طبری نے اپنی تاریخ عالم کے لئے ضروری مواد زبانی روایات سے جمع کیا تھا جس کی فراہمی کے لئے انہیں اپنی طویل سیر و سیاحت میں خاصا موقع ملا' کیونکہ انہوں نے یہ سفر زیادہ تر طلب علم کے لئے ہی کئے تھے' انہی سفروں میں انہوں نے اس وقت کے مشہور و معروف علماء کرام سے استفادہ کیا' نصر بن مزاحم کی تاریخ اور ان کے علاوہ محمد بن اسحاق کی سیرۃ اور اسی موضوع پر علامہ واقدی' ابن سعد اور ہشام کلبی کی تصانیف المدائنی' سیف بن عمر' ابن طیغور کی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے سامانیوں کی تاریخ کے لئے انہوں نے فارسی کی کتاب ''تاریخ الملوک'' کا عربی ترجمہ استعمال کیا جس کے متعلق گمان ہے کہ وہ جزوی طور پر اس کتاب کے عربی ترجمے پر مبنی ہے جسے المقفع نے تیار کیا تھا۔

الطبری نے اپنی فراہم کردہ معلومات کو تاریخی واقعات کے مسلسل بیان کی شکل میں مرتب نہیں کیا بلکہ یہ دیکھا کہ جو مختلف بیانات بھی مل جائیں' خواہ وہ باہم اختلاف رکھتے ہوں' انہیں اسی شکل میں لکھ دیا گیا جس شکل میں وہ علامہ صاحب تک پہنچے تھے۔ اس طرح وہ ان روایات کی صحت کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتے مگر ان کی یہ تصنیف کتنی گراں مایہ ہے اس کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب موجود زمانے میں تاریخ تحقیق و جستجو بالخصوص اسلام کے ابتدائی زمانے کے واقعات کو از سر نو مرتب کرنے کا سوال درپیش ہو۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری 224ھ کے اواخر یا 225ھ/939ء میں صوبہ طبرستان کے پایہ تخت آمل میں پیدا ہوئے چھوٹی سی عمر میں انہیں پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا' چنانچہ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف سات برس کی عمر میں قرانپاک حفظ کر لیا تھا' انہوں نے

ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں پائی' ان کے والد ایک امیر آدمی تھی اسی خاندانی خوشحالی سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے اسلامی دنیا کے علمی مراکز کا دورہ کیا' علاقہ دے اور گردونواح کے سیر وسیاحت کے بعد وہ اسلامی دنیا کے دل بغداد پہنچے' جہاں ان کا خیال تھا کہ وہ امام احمد بن حنبلؒ سے کسب علم کریں گے لیکن انہیں بغداد پہنچے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ امام موصوف کا انتقال ہوگیا' بصرہ اور کوفہ کی سیاحت کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر بغداد آ گئے اور یہاں کچھ عرصہ قیام کیا پھر وہ مصر روانہ ہوگئے اور اثنائے راہ میں انہوں نے ملک شام کے شہروں میں علم حدیث کے اکتساب کے لئے کچھ دن قیام کیا۔ 872ء میں وہ بغداد میں تھے اور انہوں نے ایک متبحر عالم کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کرلی تھی' اپنی وفات 923ء تک وہ یہیں مقیم رہے' الطبری عالمانہ مزاج اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے انہوں نے اپنی عمر کے ابتدائی ایام میں عرب اور اسلام کے بارے میں اہم معلومات جمع کرنے کی انتہائی کوششیں کیں جو بعد میں ان کی اس بے بہا تصنیف کے ماخذ کے طور پر کام آئیں۔

922ء الفارابی شارح ارسطو اور عالم اسلام کا اہم ترین فلسفی

دنیائے فلسفہ میں ارسطو کے بعد جس کو دنیا کا بلند پایہ ترین فلسفی تصور کیا جاتا ہے وہ افارابی ہے لیکن اس کو اتنی شہرت نصیب نہ ہوئی جتنی اس کے معنوی شاگردوں کو' ابوالنصر محمد بن محمد بن ترخان بن اوزلغ (870-950ء) 870ء کے لگ بھگ ترکستان میں فاراب کے ایک گاؤں واج میں پیدا ہوا۔ مغرب میں فارابی الفارابیوس ALPHARABIUS کے نام سے مشہور ہے' افارابی ترکی النسل تھا مگر اس کا باپ عباسی فوج کا افسر ہونے کی وجہ سے ایرانی النسل امراء میں شمار کیا جاتا تھا' تعلیم میں سب سے پہلے اس نے شافعی فقہ میں دسترس حاصل کی پھر بخارا میں علم موسیقی کا مطالعہ کیا' اس کے بعد فارابی مرو آ گیا اور ایک عیسائی یوحنا بن حیلان سے علم المنطق کی تعلیم حاصل کرنے لگا وہ اپنے اس غیر مسلم استاد کا بڑا احترام کرتا تھا' اور اس نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر جا بجا کیا ہے۔

خلیفہ معتضد کے عہد میں الفارابی اور اس کا عیسائی استاد بغداد آ گئے' یوحنا کے شاگردوں میں الفارابی واحد مسلمان تھا جس نے اس سے فلسفہ منطق اور دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی' خیال ہے کہ اس نے سریانی، عبرانی اور یونانی زبانوں میں تعلیم حاصل کی' خلیفہ المکتفی یا خلیفہ المقتدر کے عہد میں فارابی مزید علم حاصل کرنے کے لئے قسطنطنیہ چلا گیا' پھر اس نے یونان کا رخ کیا جہاں وہ آٹھ

سال تک رہا اور اس نے فلسفہ کی تعلیم مکمل کی۔ 910ء اور 920 کے درمیان الفارابی قسطنطنیہ سے واپس آ گیا اور بیس برس سے زائد عرصہ تک تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مصروف رہا' وہ بحیثیت فلسفی اتنا مشہور ہوا کہ فیلسوف عرب کہلانے لگا اور یونانی فلاسفہ کے بعد اہم ترین فلاسفر بن گیا۔

ابن ابی صبیعہ کے مطابق فارابی اپنے وطن یا ایران میں تحصیل علم کے بعد قاضی کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا' بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے علم فلسفہ کا شوق ارسطو کی شرح کی ان کتابوں کے مطالعہ سے پیدا ہوا جو اس زمانے میں اس کے پاس کسی دوست نے بطور امانت رکھیں تھیں' اس طرح الفارابی ارسطو و افلاطون کا حقیقی وارث ثابت ہوا' بعد کے زمانے میں اس کے خصوصی شاگرد ابن سینا' ابن رشد اور ابن میمون اس کے فلسفیانہ افکار کے حقیقی وارث بنے۔ الفارابی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ستر برس کی عمر میں بغداد کو چھوڑا اور مصر و شام کا رخ کیا یہ شاید سیاسی حالات کی بناء پر ہوا جو بغداد میں انتہائی خراب ہو چکے تھے الفارابی نے دمشق میں وفات پائی الفارابی کو شہر کے جنوبی دروازے کے باہر دفن کیا گیا۔

الفارابی نے فلسفہ کے علاوہ نظریات موسیقی کے بارے میں بھی اپنے زمانے کی اعلیٰ ترین کتاب لکھی وہ اس فن کا بھی بہت بڑا عالم تھا تاہم یہ یقیناً غلط ہے کہ فارابی اپنے ایجاد کردہ آلات موسیقی کو ہر جگہ بجاتا پھرتا تھا۔ بغداد چھوڑنے کے بعد فارابی نے سیف الدولہ کے ہاں حلب میں بہت عزت پائی' اسی امیر کے ہمراہ وہ دمشق گیا جہاں اس نے وفات پائی' اس کی نماز جنازہ بھی امیر سیف الدولہ نے پڑھائی۔

دنیا کے عظیم سائنسدان' اردو سائنس بورڈ ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 5' معروف مسلم سائنسدان

929ء امیر عبدالرحمٰن سوم کا اعلان خلافت

فاطمی خلیفہ عبید اللہ مہدی کو ابن حفصون اندلس نے اپنا بادشاہ تسلیم کیا تھا اور امیر عبدالرحمٰن الثالث' امیر قرطبہ کے خلاف اس سے امداد طلب کی تھی' عبید اللہ مہدی نے اندلس کے حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے جاسوس تاجروں کے بھیس میں اندلس بھیجے ان میں ابن حوقل بھی شامل تھا جو اسمٰعیلی عقیدے کا تھا۔ وہ بھی تاجر کے بھیس میں اندلس پہنچا تھا' اس نے فاطمی خلیفہ کو تحریر کیا تھا کہ یہاں کے باشندے بادشاہ کے سامنے سر جھکا کر رہتے ہیں اور مردہ دل اور غلامانہ ذہنیت کے حامل ہیں۔ گھوڑے کی سواری سے ناآشنا ہیں اور ایک تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ نہیں

کر سکتے' اس کے علاوہ اس ملک میں دولت کے وسائل بہت زیادہ ہیں' اسی زمانے میں ایک پیش گوئی بھی چلی آئی تھی کہ ایک دن سپین پر فاطمیوں کی حکومت ہوگی۔

انہی دنوں اسپین میں ایک خبر یہ آئی کہ افریقہ کی ریاست موریطانیہ پر جو اسپین کے بہت نزدیک ہے' فاطمی قبضہ کرنا چاہتے ہیں خطرہ تھا کہ اگر فاطمی موریطانیہ پر قابض ہوگئے تو وہ اسپین پر بھی چڑھ آئیں گے' فاطمیوں نے پہلے ایک اور ریاست نکور پر حملہ کیا وہاں کا بادشاہ عربی نژاد تھا' وہ 305ھ/917ء میں فاطمیوں کے ہاتھوں مارا گیا' اس کے بعد صالح نامی ایک شخص حکمران بنا یوں فاطمیوں اور امویوں کے درمیان ایک بغیر اسٹیٹ قائم ہوگئی اور آپس میں جنگ کا خطرہ ٹل گیا' مگر اب تک چونکہ والیان اندلس امیر کا لقب یا ابن خلیفہ کا لقب استعمال کرنے چلے آرہے تھے جب فاطمیوں نے خلیفہ کا لقب یا امیر المومنین کا لقب اختیار کیا تو ابن حفصون جیسے لوگوں نے اندلس میں بھی اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا' ادھر عبدالرحمٰن الثالث کو بہت سی کامیابیاں نصیب ہوئیں جن کی بناء پر اور اندلس میں فاطمیوں کی مداخلت کے خطرے کی بناء پر اس نے 23 ذیقعدہ 316ھ/16 جنوری 929ء یوم جمعہ کو یہ حکم نافذ کیا کہ آئندہ تمام خطبوں اور سرکاری کاغذات میں اس کا نام ''امیر المومنین' حامی دین عبدالرحمٰن الناصر الدین اللہ'' پڑھا اور لکھا جائے اسی زمانے میں افریقہ کے ایک بربری سردار محمد بن خزر نے فاطمیوں کو شکست دے کر مغرب اوسط سے بے دخل کردیا' اس سردار نے اہل الجزائر کو مجبور کیا کہ وہ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں' قبیلہ مکناسہ کے سرداروں کو بھی عبدالرحمٰن نے فاطمیوں سے توڑ لیا' ان علاقوں کی امداد اور حفاظت کے لئے عبدالرحمٰن کے لئے ساحل افریقہ پر کسی قلعہ پر قبضہ کرنا ضروری تھا' اس کے لئے اس نے قلعہ سبتہ کو پسند کیا 931ء میں یہ قلعہ اس کو مل گیا' ادھر اسپین کے عیسائیوں نے الجزائر کے الحاق اندلس سے خائف ہوکر سرقسطہ کے حکمران محمد بن ہاشم کو امیر عبدالرحمٰن کے خلاف ابھارا مگر امیر نے اسے شکست دی محمد بن ہاشم نے عفو تقصیر چاہی امیر نے اسے معافی دے کر اس کے عہدے پر بحال رکھا۔

تاریخ ہسپانیہ از نصیر احمد ناصر صفحہ 263 ماخذ عبرت نامہ اندلس ڈوزی

930ء اور قرامطی حجر اسود لے اڑے.....

ابوسعید جنابی اپنے خادم کے ہاتھوں 301ھ/914ء میں مارا گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا ابوطاہر سلیمان قرامطی اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب و مقہور کر کے ہجر' الحسا' قطیب' طائف اور بحرین کی حکومت پر قابض ہوگیا یہ ابوطاہر خدا کے اوتار ہونے کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ رب العالمین'

عزاسمہ کی روح میرے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ ابو طاہر اسلام اور اہل اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا' عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے 10 سال بعد یہ 311ھ/924ء میں بصرہ پر حملہ آور ہوا اور سترہ دن تک قتل و غارتگری اور لوٹ مار کرتا رہا اور ہزاروں عورتیں اور بچے کنیزیں اور غلام بنا کر لے گیا' ابو طاہر اپنے قرامطی اور باطنی پیشروؤں سے کہیں بڑھ کر اسلام کے استحصال پر کمر بستہ تھا چونکہ اس زمانے میں خلافت بغداد ضعف و انحطاط میں مبتلا تھی اس لئے اس ظالم کو جسد اسلام پر چرکے لگانے کے مواقع ہاتھ آ گئے۔ بصرہ غارتگری کے بعد اس نے مسلمانوں کی مقدس ترین جماعت یعنی حجاج کرام کے قافلوں پر قتل و غارت گری کر کے جگر اسلام کو لہولہو کر ڈالا' 312ء میں وہ حاجیوں کو مکہ سے واپسی پر لوٹنے کے لئے نکلا اور دفعتاً ایک قافلے پر حملہ آور ہوا پچھلے قافلے کو جب اس غارت گری کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کوفہ کی راہ لی مگر ادھر بھی ابو طاہر نے انہیں نہ چھوڑا اور لوٹ مار کر کے اس عالم بے کسی میں چھوڑا کہ اکثر حجاج کرام نے شدت پیاس اور تمازت آفتاب کی تاب نہ لا کر زندگی موت کے سپرد کر دی' خلیفہ مقتدر نے اس کے مقابلے کے لئے یوسف بن ابی الساج کو بھیجا مگر اسے شکست ہوئی اور ابو طاہر کے حوصلے بڑھ گئے' ابو طاہر نے شہر ہجر کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور وہاں ایک عالیشان مسجد تعمیر کی۔ اب اس پر یہ خبط سوار ہوا کہ لوگ بیت اللہ کی بجائے اسکی مسجد کا طواف کریں' اس کام کے لئے اس نے بیت اللہ سے حجر اسود کو یہاں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ 317ھ/930ء میں وہ مکہ معظمہ آ پہنچا اور گھوڑے پر سوار بمعہ تیغ برہنہ مسجد حرام میں داخل ہو کر اس نے پہلے شراب پی اور اپنے گھوڑے کو پیشاب کرایا پھر صحن کعبہ کو حجاج کرام کی خون سے سرخ کرنے کے بعد اس نے کعبہ معلیٰ کے دروازہ کو اکھڑوا دیا اور نہایت متکبرانہ لہجے میں حجاج کو کہنے لگا کہ تم کہتے ہو جو کعبہ میں داخل ہو جائے وہ امن پا گیا اب وہ امن کیا ہوا؟ اب ابو طاہر نے مزاب رحمت اکھڑوانا چاہا مگر اس کے تین آدمی کعبہ کی چھت سے گر کر ہلاک ہو گئے' وہ حضرت ابراہیم کے نقش پا والے پتھر کو لے جانا چاہتا تھا مگر چونکہ وہ چھپا دیا گیا تھا اس لئے وہ حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال کر لے گیا' سات روز تک وہ صحن کعبہ میں قتل و غارت کے بعد بحرین لوٹ گیا' اگلے دو سال تک حج نہ ہو سکا' خلیفہ نے قرامطہ سے بات چیت کی تو انہوں نے ہر سال ایک لاکھ بیس ہزار دینار بطور خراج طلب کئے اور یہ محصول قرامطہ حجاج سے باقاعدہ وصول کرتے رہے کہتے ہیں کہ یہ تمام کارروائی ابو طاہر قرامطی نے عبید اللہ مہدی خلیفہ فاطمی کے ایما پر کی تھی۔ کہیں جا کر 339ھ/952ء میں حجر اسود واپس مکہ آیا اور بیت اللہ میں دوبارہ نصب کیا گیا۔

ابوالقاسم دلاوری صفحہ 241 ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 7 تاریخ ملت جلد دوم

932ء خلیفہ القاہر باللہ اور اس کا عہد خلافت

ابھی المقتدر حکومت کر رہا تھا کہ القاہر کے نام سے ابو منصور محمد بن المعتضد کی حکومت کا اعلان کر دیا گیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد اسے معزول کر دیا گیا اور المقتدر برسر اقتدار رہا المقتدر کی وفات کے بعد امیر الامراء المونس نے یہ تجویز پیش کی کہ المقتدر کے بیٹے احمد کو جو بعد میں الراضی باللہ کے نام سے خلیفہ بنا جانشین بنایا جائے' تاہم اس کی جگہ القاہر باللہ کو 35 برس کی عمر میں امیر المومنین کی مسند پر بٹھا دیا گیا۔ (آخر شوال 320ھ/932ء)

القاہر باللہ کی بڑی خواہش تھی کہ لوگ اسے منصف مزاج انسان سمجھیں' لیکن اس کی ناقابل اعتماد اور جابرانہ فطرت جلد ہی ظاہر ہوگئی' اس نے المقتدر کی ماں پر اتنا ظلم وستم کیا کہ وہ اپنی تمام دولت اس کے حوالے کرنے پر مجبور ہوگئی' اس کے علاوہ القاہر باللہ نے مرحوم خلیفہ کے بیٹوں اور عہدیداروں سے خطیر رقمیں زبردستی وصول کیں وزیر ابن مقلہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مونس نے خلیفہ کی حفاظت کا انتظام کڑی نگرانی میں کر دیا تھا۔ قدرتی طور پر خلیفہ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ خلیفہ نے ابن مقلہ کو برخاست کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کئی اور لوگوں سے ساز باز کر کے خلیفہ کا تختہ الٹنے کی کوشش کی اور المکتفی کے بیٹے ابو احمد کو تخت نشین کرنا چاہا۔ تاہم اس کی یہ سازش بے نقاب ہوگئی' ابن مقلہ نے بھاگ کر جان بچائی اور المونس کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا' جب مونس خلیفہ سے ملنے شاہی محل آیا تو اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا اور کچھ عرصہ بعد اس کو قید میں مروا دیا گیا' اسی طرح ابو احمد کو انتقاماً دیوار میں زندہ چنوا دیا گیا' اس کے باوجود ابن مقلہ نے اپنی کوششوں سے ہاتھ نہ اٹھایا اور لوگوں کو القاہر کے خلاف اکساتا رہا' اس نے فوج میں یہ افواہ پھیلائی کہ القاہر سب افسروں کو قید کر دے گا' دوسری طرف قاہر باللہ نے اپنی تخت نشینی کے سال ہی سے شراب پر بندش لگا دی' گانے والوں کو قید کر دیا اور لہو ولعب کے تمام آلات توڑ ڈالے' اپنے سکوں پر اس نے اپنا لقب المعتصم من اعداء الدین رقم کر لیا مگر منافقت یہ کی کہ خود شراب پیتا رہا اور اتنی شراب پیتا کہ اس کا نشہ نہ اترتا اور ہر وقت گانا سننے میں محو رہتا' جمادی الاول 322ھ/اپریل 934ء میں ایک مسلح ہجوم شاہی محل میں گھس آیا' نیم مدہوش خلیفہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے لیکن جب اس نے تخت سے دستبردار ہونے سے انکار کیا تو اس کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیر دی گئیں اور اسے زندان میں ڈال دیا گیا' گیارہ سال بعد اسے المکتفی نے رہا کر دیا اور وہ تادم مرگ محتاجی کی زندگی بسر کرتا ہوا 339ھ/950ء میں فوت ہوا۔

تاریخ الخلفاء السیوطی ماخذ دائرہ المعارف

933ء سلاطین بویہ برسر اقتدار آئے

ان تمام حکمران خاندانوں میں اہم ترین خاندان جنہوں نے پہلے ایران اور پھر عراق میں خراسان اور ماوراالنہر کے سامانیوں کے دوش بدوش حکومت کی اور جو ابتدائے اسلام کے بعد عرب اقتدار اور ترک اقتدار کے درمیان ایرانی غلبے کی نشاندہی کرتے ہیں اس خاندان کا نام بویہ ان تین بھائیوں کے والد کے نام سے ماخوذ جو اس خاندان کے بانی ہیں۔ ان تینوں بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ علی' الحسن اور سب سے چھوٹا احمد' یہ لوگ دیلمیوں میں شامل تھے جنہوں نے نیا نیا اسلام (شیعی) قبول کیا تھا' شروع شروع میں یہ اپنے ایک ہم وطن ماکان بن کاکی کے پیرو تھے جو سامانیوں کا ملازم ہو گیا تھا اور پھر یہ ان کے گیلانی حلیف مرداویج کے ساتھ مل گئے تاکہ مشترکہ دشمنوں یعنی طبرستان کے زیدیوں سے مقابلہ کریں پھر اسی گیلانی مرداویج نے وسط ایران میں اپنی ایک خودمختار ریاست قائم کی کچھ عرصے کے بعد بویہ برادران نے اس کے ساتھ سرکشانہ رویہ اختیار کر لیا' جب کچھ دن بعد علی کچھ عرصے کے لئے اصفہان کا مالک بن گیا تو اس نے مرداویج سے نجات حاصل کرنے کے لئے دربار خلافت سے منظوری حاصل کی کیونکہ عباسی لشکر میں یہ صوبہ واپس لینے کی طاقت نہیں تھی' علی اس وقت اس صوبے پر قابض ہو چکا تھا' جب 332ھ/943ء میں مداویج قتل ہوا۔ اس لئے دربار خلافت سے اسے اجازت مل گئی۔

بویہ خاندان 300ھ/913ء میں خلیفہ المقتدر کے زمانے میں برسر اقتدار آیا جب علی (عماد الدولہ) نے خلیفہ المقتدر کے گورنر یاقوت کو شکست دی۔ اس نے چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں فارس پر قبضہ کیا اس نے اپنے بھائی رکن الدولہ (الحسن) کو بھیج کر عراق فتح کیا' اور معزالدولہ کو کرمان بھیجا وہ کرمان فتح کر کے بغداد پر حملہ آور ہوا اور قابض ہو گیا' خلیفہ کا امیر الامراء تو زون جب تک زندہ رہا' معزالدولہ کو کامیابی نہ ہوئی جب وہ مر گیا تو معزالاولہ بغداد میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ المستکفی کی مجلس میں حاضر ہو کر اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خود اپنے لئے اور بھائیوں کے خطاب حاصل کئے۔ آئندہ تاریخ میں انہی خطابات سے یاد کئے جاتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد عمادالدولہ کی وفات ہو گئی چونکہ وہ لاولد فوت ہوا اس لئے اس کی جگہ فارس کا فرمانروا رکن الدولہ کا بیٹا عضدالدولہ ہوا' یہی عضدالدولہ بعد میں سارے خاندان بویہ کا سردار قرار پایا اور اس نے خاندان میں مکمل اتفاق اور اتحاد قائم کیا۔

تاریخ ملت جلد دوم' ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 5

934ء خلیفہ راضی باللہ' بیسواں عباسی خلیفہ

ابوالعباس احمد بن مقتدر' راضی باللہ' خاندان عباسیہ کا بیسواں خلیفہ تھا' الراضی باللہ بھی کنیز زادہ تھا اور اس کی ماں ظلوم نام کی ایک باندی تھی' جس دن خلیفہ المقتدر قتل ہوا تھا' راضی کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا گیا تھا مگر قرعہ فال القاہر کے نام نکلا' القاہر نے راضی کو قید خانے میں ڈال دیا لیکن اس کے زوال کے بعد الراضی باللہ کو رہا کر کے مسند خلافت پر بٹھا دیا گیا۔ (جمادی الاول 322ھ/934ء)

اس کٹھن زمانے میں وزارت کے لئے اس کی نظر اپنے باپ کے وزیر علی بن موسیٰ پر پڑی لیکن اس نے اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے معذرت کر لی' اس پر قلمدان وزارت ایک بار پھر ابن مقلہ کے سپرد کیا گیا۔ اعلیٰ عہدیداروں میں سب سے زیادہ بارسوخ اور بااختیار محمد بن یاقوت تھا اور وہی معاملات سلطنت پر حاوی رہا' اس کی معزولی (اپریل 935ء) کے بعد ہی ابن مقلہ اپنا اقتدار جما سکا اور خلیفہ گمنام ہو کر رہ گیا' مگر ابن مقلہ کی وزارت دیر تک نہ چل سکی' جمادی الاول 324ھ/ 936ء میں اسے محمد بن یاقوت کے بھائی المظفر بن یاقوت نے گرفتار کر لیا' خلیفہ کے پاس اختیارات نہ تھے لہٰذا اسے ابن مقلہ کو معزول کرنا پڑا۔ اسی سال اس نے واسط اور بصرہ کے والی محمد بن رائق کو بلا کر امیر الامراء کا منصب عطا کیا۔ یہ اقدام ماضی کی روایات سے انحراف تھا' اب ابن رائق کاروبار حکومت چلانے لگا اور خلیفہ پھر قعر گمنامی میں چلا گیا' ادھر سلطنت عباسیہ میں امور سلطنت بالکل درہم برہم ہو گئے اور مملکت میں ہر طرف طوائف الملکو کی کا دور دورہ ہو گیا' صرف بغداد اور اس کے مضافات خلیفہ کے قبضہ میں تھے' بلکہ یہاں کا نظم و نسق بھی ابن رائق کے ہاتھ میں تھا' 326ھ/938ء میں بجکم نے ابن رائق پر خروج کیا اور اقتدار اس کے ہاتھ سے جاتا رہا' دسمبر 938ء میں بجکم اس کی جگہ امیر الامراء مقرر ہوا' اندرونی دشواریوں کے ساتھ ساتھ اب بیرونی محاذ پر بھی دشمنوں سے جنگ چھڑ گئی' 323ھ/935ء میں الراضی نے موصل کے والی ناصر الدولہ کو برطرف کرنا چاہا لیکن ناکام رہا' چند سال بعد بجکم نے خلیفہ کو ساتھ ملا کر حمدانیوں پر حملہ کر دیا تاکہ ان سے خراج وصول کیا جا سکے' لیکن اسے جلد ہی ان سے صلح کرنا پڑی کیونکہ مفرور ابن رائق یکا یک بغداد میں منظر عام پر آ گیا' ادھر بازنطینیوں سے جنگ چھڑ گئی' اس جنگ میں بنو حمدان محافظ اسلام کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ مصر میں محمد بن طغج نے اخشیدی خاندان کی تاسیس کی' اسی زمانے میں بجکم کو بنو بویہ سے نبرد آزما ہونا پڑا جو کئی اطراف سے بغداد کی طرف بڑھتے چلے آ رہے

تھے' اور چند سال بعد بغداد میں فاتحانہ داخل ہوئے' خلیفہ راضی آخری خلیفہ تھا جو منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا کرتا تھا' اس کے بعد کسی خلیفہ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ نہیں دیا۔ الراضی نے 329ھ/ 940ء میں وفات پائی۔

تاریخ خلفاء ترجمہ شمس صدیقی ماخذ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 10 صفحہ 125

934ء مشہور مسلم جغرافیہ داں ابوزید البلخی کی وفات

اپنی جغرافیائی تصانیف کی وجہ سے مشہور عالم مسلم جغرافیہ دان ابوزید احمد بن سہل البلخی صوبہ خراسان میں بلخ کے قریب ایک گاؤں میں 236ھ/850ء میں پیدا ہوا اور اسی سال سے زائد عمر پا کر ذوالقعدہ 322ھ/934ء اکتوبر میں اس نے وفات پائی۔

اس کا باپ سجستان کا ایک مدرس تھا' البلخی فرقہ امامیہ سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا عالم جوانی میں اس نے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حاجیوں کے ایک قافلے کے ساتھ عراق کا پیدل سفر کیا اور 8 سال تک عراق میں مقیم رہا' شہرہ آفاق عرب فلسفی الکندی کی شاگردی کی اور آس پاس کے ملکوں کی سیاحت پر بھی نکلا' آخری عمر میں جب امیر بخارا نے اسے بلایا تو اس نے بلخ کو چھوڑ کر اور بخارا جانے کے لئے دریائے جیحوں کو عبور کرنے سے انکار کر دیا۔

عراق میں اپنے عرصہ قیام کے دوران میں البلخی نے فلسفہ' نجوم' ہیئت' طب اور علوم طبیعیات کا مطالعہ کیا' کچھ مدت تک وہ اپنے فرقے امامیہ کے مذہبی اعتقاد اور نجوم کے اصول وقواعد کے درمیان جن کا اس زمانے میں بہت رواج تھا۔ تذبذب میں مبتلا رہا' بعد میں وہ اپنے مذہبی عقائد کا حامی اور راسخ العقیدہ ہو گیا اور فلسفے کے ساتھ ساتھ اس نے علوم مذہبیہ کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔

دونوں علوم میں یکساں دسترس رکھنے میں اس کے بعد اسے بے مثال مقام حاصل رہا' الشہرستانی اسے حکمائے اسلام میں شمار کرتا ہے اس کا اپنا بیان ہے کہ اسے اپنی ایک کتاب شائع کرنے کی وجہ سے سالار حسین بن علی المرورودی کی سرپرستی اور حمایت سے محروم ہونا پڑا' اس طرح اسے نصر بن احمد سامانی کے ایک وزیر اور اپنے مربی ابوعلی الجیہانی کی سرپرستی سے ایک دوسری کتاب لکھ کر محروم ہونا پڑا۔ اگرچہ سپہ سالار مذکور قرامطی اور وزیر موصوف ثنوی عقائد رکھتا تھا' اس کے باوجود مستند ناقدوں نے مذہبی موضوعات پر بھی البلخی کی تصنیفات کی بڑی تعریف کی ہے' بالخصوص

اس کی نظم القرآن کی جو بظاہر علم التفسیر کے متعلق ہے۔ الفہرست میں اس کی 43 کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

جغرافیئے میں اس کی کتب الاصطخری اور ابن حوقل کی جغرافیئے کی تصانیف کی بنیاد تسلیم کی جاتی ہیں اور معیاری عرب جغرافیہ نویسی کی ابتدا مانی جاتی ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دنیا کا نقشہ بھی تیار کیا تھا جو بیس حصوں میں منقسم تھا اور ان حصوں کے ساتھ ساتھ مختصر شرح کے ستون بھی تھے۔ البلخی نے اپنی کتاب میں ابوجعفر الخازن کے دیئے ہوئے ایک نقشہ پر صرف تشریح کا اضافہ کیا ہے یہ بات بھی قرین قیاس ہے۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 4 صفحہ 770

936ء ابوالقاسم الزہراوی کی پیدائش

ابوالقاسم ابن عباس الزہراوی کو اس کے فکر و خیالات کی بناء پر مورخین نے بیسویں صدی کے باشندوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن اس کے زمانے میں ابھی دنیا نے آج کے گلوبل ولیج کی شکل اختیارات نہیں کی تھی اسی وجہ سے اس کی بہت سی دریافتیں منظر عام پر نہ آسکیں۔ نتیجے کے طور پر دنیائے مغرب نے بہت سی ایسی طبی دریافتوں کو بعد کے زمانے کے لوگوں سے منسوب کر دیا جنہیں الزہراوی پانچ سو سال پہلے دریافت کر چکا تھا۔

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں قرطبہ نے ہر اعتبار سے ترقی کی تھی اور وہ دنیا کا اولین شہر بن گیا تھا' اس کی شان و شوکت اگرچہ آج کے لندن و نیویارک کی طرح اس کی عظیم الشان عمارات پر جو ساٹھ ہزار کے لگ بھگ تھیں مگر سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس شہر میں صرف سرکاری اسپتالوں کی تعداد پچاس تھی جو اس زمانے کے کسی دوسرے شہر میں نہیں ملتی' خلیفہ الناصر کے جانشین خلیفہ الحکم ثانی کی لائبریری میں 4 لاکھ سے 6 لاکھ تک کتابیں تھیں۔ قرطبہ کی یونیورسٹی مغرب کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی جو آکسورڈ یونیورسٹی سے کئی سو سال پہلے قائم ہوئی تھی قرطبہ اور مدینۃ الزہراء کو ملا کر جو نیا اسلامی شہر معرض وجود میں آیا تھا اس کی علمی اور تدریسی فضا کی مثال اس وقت کے یورپ میں کہیں موجود نہ تھی اسی ماحول اور فضا میں ابوالقاسم ابن عباس نے پرورش پائی اور الزہراوی کہلایا' الزہراوی شروع ہی سے طب کی طرف مائل تھا' اس نے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل

کرنے کے بعد قرطبہ یونیورسٹی اعزازی سندیں حاصل کرلیں، علم کے قدردان خلیفہ نے اس کا تقرر قرطبہ کے شاہی اسپتال میں کردیا۔ الزہراوی نے اس اسپتال میں رہتے ہوئے فن طب کی جو خدمات انجام دیں انہی کی وجہ سے آج بھی اس کا نام دنیائے طب کے آسمان پر روشن ہے۔

جراحی یا آپریشن کا طریقہ علاج اس وقت نیا تھا لیکن الزہراوی اس طریقہ علاج سے بھی لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہتا تھا' وہ آج کی دنیا کی طرح موتیا بند' ٹونسلز اور کئی دوسری بیماریاں جن میں دوائیں موثر نہ رہتیں تو الزہراوی عمل جراہی سے ان کا علاج کردیتا۔ مگر آج ہی طریقہ آپریشن کی طرح وہ مریض کو بے ہوش کرنے پر زور دیتا تھا' الزہراوی نے تقریباً دوسو آلات جراحی کی تصاویر چھوڑی ہیں جن میں سے بیشتر کا موجد وہ خود تھا' طب سے غیر معمولی لگاؤ کے باوجود الزہراوی کو دوسرے علوم سے بھی شغف تھا' وہ ریاضیات' فلکیات' الکیمیا' طبیعیات' شاعری اور صرف ونحو میں بھی یدطولیٰ رکھتا تھا' اس کی واحد تصنیف ''التعریف لمن عجز عن التالیف'' کو طب کی تاریخ میں جو مقام حاصل ہے وہ بہت کم کتابوں کو حاصل ہوا ہے' یہ کتاب ایک طرح کا طبی انسائیڈکلوپیڈیا ہے جو پانچ صدیوں تک طب کی مستند ترین کتاب کے طور پر یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔

معروف مسلم سائنسدان' اردو سائنس بورڈ۔ ماخذ۔ دنیا کے عظیم سائنسدان' رقیہ جعفری

939ء مدینۃ الزاہرہ کی تعمیر

قرطبہ سے پانچ میل کے فاصلے پر (قرطبہ قدیم) CORDOBLAVIEJA کے مقام پر ایک قدیم شہر کے کھنڈرات جبل الشارات کی آخری چوٹی پر واقع ہیں۔ جہاں سے وادی الکبیر نظر آتی ہے' یہ شاہی شہر مدینۃ الزہرہ کے آثار ہیں۔

مدینۃ الزہراء کی تعمیر کا خیال عبدالرحمٰن الثالث الناصر' خلیفہ اعظم کو آیا اسی بادشاہ کے زمانے میں اس کی تعمیر کا کام 327ھ/939ء میں شروع ہوا' وقائع لویس لکھتے ہیں کہ اس کی ایک کنیز اس کے لئے ایک خطیر رقم چھوڑ کر مرگئی' النام کی یہ خواہش تھی کہ وہ یہ رقم ان ہسپانوی مسلمان جنگی قیدیوں کے فدیئے پر خرچ کرے جو لیون اور نبرہ کی عیسائی سلطنتوں میں قید تھے' لیکن وہ ایلچی جو اس کام کے لئے ان ریاستوں میں بھیجے گئے تھے کسی ایسے قیدی کی تلاش میں ناکام رہے جس کے

فدیئے کی ادائیگی میں یہ رقم خرچ ہو سکے اس پر بادشاہ کی چہیتی ملکہ الزہرہ نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ یہ رقم ایک ایسے شہر کی تعمیر پر خرچ کرے جو اس کے نام پر آباد ہو' اگرچہ تعمیر کی یہ کہانی افسانوی لگتی ہے بادشاہ نے سیرا مورنیا' جبال قرطبہ کی آخری چوٹی پر یہ شہر اپنے شاہی محل کے اردگرد تعمیر کرایا' اس کی تعمیر پر 13 سے 40 سال کا عرصہ لگا اور موریشین کے مطابق دوسرے عمارتی سامان کے علاوہ ہر روز چھے ہزار تراشیدہ پتھر اس کی تعمیر میں استعمال ہوتے تھے' مطلوبہ سنگ مرمر زیادہ تر افریقہ سے آتا تھا۔

مدینۃ الزہرہ تقریباً ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سرخ کی لاگت سے تیار ہوا' اس کی تکمیل کے بعد خلیفہ مع ملکہ الزہرہ کے اس میں روزنق افروز ہوا دونوں اس محل کے جھروکوں سے پہاڑی مرغزاروں کو دیکھتے تھے' قصر شاہی کی عمارت سنگ مرمر کے برجوں اور میناروں سے آراستہ مثل موتی دکھائی دیتی تھی' اس کی پشت پر ایک کوہ سیاہ سر بغلک کھڑا علیحدہ لطف دیتا تھا' ایک دن ملکہ نے اس بے نظیر نظارہ کو دیکھ کر کہا ''امیر المومنین یہ قصر مثل ایک نازنین کے ہیں جو بعد ناز و انداز سے اس حبشی کے پہلو میں متمکن ہے'' عبدالرحمٰن نے ملکہ کا یہ خیال سنا تو حکم صادر کر دیا کہ اس سیاہ پہاڑ اسی وقت بیخ و تن سے کھود ڈالا جائے' خلیفہ کا یہ حکم سن رک امراء نے خلیفہ کو کہا کہ انسان کی کیا مجال؟ بادشاہ نے یہ سن کر پہاڑ پر درختوں کا سرسبز قالین بچھانے کا حکم دے دیا اور اپنا پہلا حکم منسوخ کر دیا۔

مدینۃ الزہرہ کی خاص عمارتوں میں شاہی محل اور جامع مسجد قابل ذکر ہیں' وضع اور تناسب' نقش و نگار کی عمدگی اور صفائی میں یہ دونوں عمارتیں اندلس بھر میں ممتاز تھیں' معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر بہت جلد زوال پذیر ہو گیا بالخصوص اس وقت جب حاجب المنور نے مدینۃ الزہرہ تعمیر کرایا۔

تاریخ ملت جلد اول تاریخ ہسپانیہ ماخذ۔ اندلس کا تاریخی جغرافیہ' تسائرہ المعارف

939ء مصر میں دولت اخشدیہ کا آغاز

مصر کا ایک مسلم حکمران خاندان اخشیدیہ کہلاتا ہے اس خاندان کا یہ نام فارسی کے پرانے شاہی لقب سے لیا گیا تھا' جو خلیفہ الراضی باللہ نے لوگوں کی خواہش کے احترام میں 327ھ/939ء میں اس کے بانی محمد بن طغج کو عطا کیا تھا' اخشید کے معنی ''شاہ شاہان'' کے بیان کئے گئے ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے اس کے معنی ''عبد'' کے بھی بتائے ہیں۔

محمد بن طغج بغداد میں پیدا ہوا مگر اس کا بچپن دمشق میں گزرا جہاں اس کا باپ طولونی شاہان مصر کا نائب تھا' طولونی خاندان کے زوال اور خاتمے پر ابن طغج کو بغداد میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ 907ء میں وہ رہا ہوا اور وزیر العباس بن الحسن کے عملے میں منسلک ہو گیا' مگر وہ اس وزیر کے قتل میں ملوث ہو گیا اور اسے ایک بار پھر شام بھاگنا پڑا' اگلے سال مصر کے حاکم تکین نے اسے اپنے ہاں ملازمت دے دی جہاں وہ کئی اہم عہدوں پر فائز رہا' 306ء میں وہ دربار بغداد کی توجہ اپنے ایک کارنامے کی وجہ سے اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے اپنا تبادلہ دمشق میں کرانے میں کامیاب ہو گیا جہاں وہ بہت طاقتور ہو گیا اور حاکم شام بن گیا مارچ 933ء میں حاکم مصر تکین فوت ہو گیا اور محمد بن طغج اس کی جگہ حاکم مصر کا عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن یہ عارضی تقرر صرف ایک ماہ برقرار رہ سکا' دو سال بعد ابن طغج نے ایک بڑی فوج کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر فسطاط پر قبضہ کر لیا' محمد بن علی جو بغداد کے حکم نامے کے تحت مصر کا حاکم تھا بے دخل ہو گیا' 324ھ میں ابن طغج نے خلیفہ الراضی باللہ کو راضی کر کے مصر کو شام کے ساتھ ملا لیا' غالباً اسی زمانے میں اسے یمن و حجاز کی حکمرانی بھی مل گئی' 324ھ ہی میں ابن طغج نے سکندریہ کے قریب جنگ ابلوق میں فاطمیوں کے تیسرے حملہ مصر کو ناکام بنا دیا اور فاطمی خلیفہ صلح کی کوششوں میں مصروف ہو گیا' البتہ اگلے تین سال بعد جب وہ بغداد کی عباسی خلافت سے ناراض ہو گیا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خلفاء فاطمیہ کی سیادت قبول کرے اس نے اپنی مملکت میں یہ حکم نافذ کیا کہ فاطمی خلیفہ القائم کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے لیکن اسے اس کے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنا پڑی اور خلیفہ الراضی نے اسے اخشید کا لقب دے کر راضی کر لیا' لیکن یہ خطاب ملنے کے صرف ایک ماہ بعد جولائی 939ء میں اسے امیر الامراء بغداد ابن رائق کے حملے کا خطرہ محسوس ہوا' اس کے کئی صوبے اس کے مخالفوں کو دے دیئے گئے' اس کی درخواست پر نئے امیر الامراء بجکم نے جواب دیا کہ اب فیصلہ بزور شمشیر ہو گا اور خلیفہ اس معاملے میں کچھ نہ کہہ سکا' ابن رائق نے بڑی سرعت کے ساتھ حملہ کر کے شام پر قبضہ کر لیا اور اس کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ 941ء میں بجکم کی وفات پر ابن طغج کو ابن رائق سے نجات ملی اور وہ بغداد واپس لوٹ گیا۔ محمد بن طغج نے دوبارہ شام پر قبضہ کر لیا خلیفہ متقی کے عہد میں خلیفہ ابن طغج سے امداد کی اپیل کی تھی ابن طغج خلیفہ کو بغداد سے جانا چاہتا تھا مگر خلیفہ راضی نہ ہوا۔

دائرہ معارف اسلامیہ جلد 9 ماخذ۔ تاریخ ملت جلد دوم تاریخ خلف

940ء خلیفہ متقی باللہ کا عہد

المتقی للہ ابواسحٰق ابراہیم عباسی خلیفہ جو ایک خلوب نامی کنیز اور خلیفہ المقتدر باللہ کا بیٹا تھا وہ ربیع الاول 329ھ / دسمبر 940ء میں اپنے بھائی الراضی کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر 23 سال تھی کہا جاتا ہے کہ الراضی کے انتقال کو پانچ دن گزر گئے جب کہیں جا کر اس کا جانشین منتخب ہوا' تخت نشینی کے بعد پہلا کام اس نے یہ کیا کہ امیر الامراء کو اس کے عہدے پر مستقل کر دیا 'ابوعبداللہ البریدی نے پایہ تخت پر قبضہ کر لیا لیکن وہ صرف چند ماہ تک اس پر اپنا تصرف قائم رکھ سکا' کیونکہ اسے دلمی سردار کورتگین نے نکال باہر کیا' لیکن کورتگین کو جلد ہی ابن رائق نے مار بھگایا' جب ابوعبداللہ نے اپنے بھائی ابوالحسن کو ایک فوج دے کر بغداد پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا تو خلیفہ اور ابن رائق جو امیر الامراء کے عہدے پر فائز تھا بھاگ کر موصل میں حمدانیوں کے پاس پناہ گزین ہوئے' جمادی الآخر 330ھ / فروری 942ء) ابن رائق کے قتل کے بعد حمدانی ابومحمد الحسن کو امیر الامراء مقرر کیا گیا اور اسے اعزازی لقب ناصر الدولہ عطا ہوا۔ بغداد پر قبضہ کرنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئی مگر کچھ ہی دنوں بعد سپہ سالار توزون نے بغاوت بپا کر دی اور ناصر الدولہ کو دارالخلافہ خالی کرنا پڑا' توزون رمضان 331ھ / جون 943ء میں بغداد میں امیر الامراء کی حیثیت سے داخل ہوا' المتقی نے بہت جلد محسوس کیا کہ اس مرتبہ بھی حمدانیوں کی پناہ لئے بغیر چارہ نہیں' چنانچہ اگلے سال کے شروع میں ستمبر 943ء میں وہ بھاگ کر ایک بار پھر موصل پہنچ گیا اور وہاں الرقہ میں اقامت گزین ہوا' جب توزون نے ناصر الدولہ سے صلح کر لی تو المتقی نے مصر کے اخشیدی حکمران سے مدد کی اپیل کی' وہ رجب 332ھ / مارچ 944ء میں الرقہ آیا لیکن گفت و شنید ناکام رہی اور آخر کار خلیفہ توزوں پر پر اعتماد کر کے بغداد واپس آ گیا اس نے قسمیں کھا کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا مگر جب خلیفہ اس کے قابو آ گیا تو توزون نے اس کی آنکھیں نکلوا دیں صفر 333ھ / اکتوبر 944ء) اس کے بعد المتقی کی معزولی کا اعلان کر دیا۔

جب متقی کو اندھا کیا گیا تو اس کی خبر قاہر باللہ کو ہوئی جو پہلے اندھا کیا جا چکا تھا' اسے یہ خبر سن کر بڑی مسرت ہوئی اس نے کہا کہ ابھی تو صرف دو اندھے ہوئے ہیں تیسرے کی بھی ضرورت ہے' کچھ ہی دنوں متقی کے بعد تخت نشین ہونے والا المستکفی بھی اندھا کر دیا گیا۔

بدنصیب اندھے المتقی باللہ کو ایک جزیرے میں سندیہ کے قریب قید کر دیا گیا اور اس نے قید و

بند کی صعوبتوں میں زندگی کے پچیس سال بسر کئے' اس نے شعبان 357ھ/جولائی 968ء میں وفات پائی۔

المتقی کے عہد کا ایک عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ جب ابن شیرزاد نے بغداد پر قبضہ کیا تو ایک بدنام ڈاکو کو شہر میں ڈاکے ڈالنے کی کھلے عام اجازت دیدی وہ دن کی روشنی میں شہریوں کو لوٹنے لگا' یہ سیاسی بدامنی کی ایک مثال ہے' جو اس زمانے میں پھیلی ہوئی تھی۔

تاریخ الخلفاء' سیوطی ماخذ۔ دائرہ المعارف 18

940ء امام آخرالزماںؑ کی غیبت کبریٰ

اثناعشریہ کے آخری اور بارہویں امام' امام غائب مہدی آخرالزماں' محمد القائم بن حسن عسکری بن علی نقیؑ ہیں اہل تشیع کے نزدیک غیبت امام کا عقیدہ اس تاریخی حقیقت پر استوار ہے کہ امام حسن عسکری نے اپنے فرزند امام مہدی آخرالزماں کی ولادت کے بعد انہیں اپنا جانشین بنایا اور ان کی امامت پر نص کی' بارہویں امام ایک مدت تک لوگوں کے سامنے فرائض امامت بجالاتے رہے پھر کچھ عرصے بعد روپوش ہوگئے ان کی روپوشی کا زمانہ دو حصوں میں منقسم ہے۔

260ھ/873ء تا 329ھ/940ء تک ان کی غیبت صغریٰ کا زمانہ ہے' اس عرصہ میں انہوں نے حسب ذیل وکلاء اور نمائندگان کے ذریعے اپنے احکام وفرامین اپنے مقلدین کو پہنچائے 1- عثمان بن سعید عمرو الاسدی (م 300ھ/914ء) 2- ابوجعفر محمد عثمان (م 304ھ/916ء) 3- حسین بن روح (م 3261ھ/936ء اور آخر میں علی بن محمد سمری (م 329ھ/940ء) ان کے علاوہ اس زمانے میں ان کے نمائندے وکلاء یا سفراء' علماء مدینہ' کوفہ' اہواز' بغداد' ہمدان' رے' آذربائیجان' نیشاپور وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے' بغداد کے نوابین اربعہ کی وساطت سے دینی معاملات ومسائل لوگوں تک پہنچتے اور اثناعشری علماء انہیں چاروں کے ذریعے امامؑ سے رابطہ پیدا کرتے خط لکھتے' مسائل پوچھتے اور کبھی کبھی حاضر خدمت ہوکر زیارت بھی کرتے تھے۔

اس عہد کے توقیعات وخطوط کتب حدیث میں بروایت واسناد الکافی' کمال الدین' بحارالانوار' الشیعہ والرحمہ' منتہی الامال اور المہدی میں موجود ہیں۔

علی بن محمد سمری کی وفات سے چھ دن پہلے امام مہدی نے ان کو خط کے ذریعے ہدایت کی کہ وہ اپنے بعد کسی کو اپنا نائب مقرر نہ کریں کیونکہ اب غیبت کبریٰ کا دور شروع ہورہا ہے اور یہ حکم بھی دیا

کہ امت کے نظام فکر و عمل کے لئے" ہمارے محدثین سے رجوع کیا جائے کہ ہم ان پر حجت ہیں اور وہ تم پر حجت ہیں۔

اس کے بعد امام آخر الزماں عام نگاہوں سے اوجھل ہو گئے لیکن وہ اب تک حیات ہیں اور جب حکم خدا ہوگا اس وقت ظاہر ہوں گے امام مہدی آخر الزماں کی طویل زندگی پر وہ تمام دلیلیں دی جاتی ہیں جن سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگانی و بقاء کا اثبات ہوتا ہے۔

(مثلاً 3 (آل عمران): 75 القرآن) اسی طرح بعض قرآنی آیات میں اہل تشیع کے نزدیک ظہور مہدی کے بارے میں واضح اشارے ملتے ہیں' مثلاً سورۃ الانبیاء کی آیت 105 یعنی زبور میں الذکر کے بعد لکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔ خدا کا یہ وعدہ امام مہدی کے ظہور کے متعلق سمجھا جاتا ہے' وہ آئیں گے تو پوری زمین پر ان کی حکومت ہوگی' شیعہ مفسرین لکھتے ہیں کہ سورہ القصص کی پانچویں آیت میں آئمہ سے مراد بارہ امام ہیں جنہیں تمام دنیا پر حکومت ملنا خدا کا فیصلہ ہے' اور دنیا اس وقت تک فنا نہیں ہوگی جب تک امام مہدی ظاہر ہو کر حکومت نہ کریں اور زمین کو عدل و انصاف سے نہ بھر دیں۔ نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ کا اس آیت کے متعلق ایک تفسیری فقرہ ہے" جیسے کٹکھنی اونٹنی اپنے بچے سے پیار کرتی ہے' اسی طرح یہ برگشتہ دنیا ہماری طرف جھکے گی" جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں خدا کا وعدہ ہے"۔

اسی سلسلے میں دلیل کے طور پر بعض احادیث نبوی (ﷺ) پیش کی جاتی ہیں 1- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" میری اولاد میں بارہ نقیب نجیب و محدث و مفہم ہوں گے جن میں آخری شخص القائم بالحق ہوگا وہ زمین کو اس طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے ظلم سے یہ بھر چکی ہوگی"۔ ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سند سے آنحضرت ﷺ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں بارہ اماموں کے ناموں اور فضائل کا ذکر کرتے ہوئے آپ (ﷺ) نے فرمایا" ان کے بعد الزکی الحسن بن علی العسکری' پھر ان کا فرزند القائم بالحق میری امت کا مہدی و امام ہوگا' جو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جیسے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

مسلمانوں میں عقیدہ مہدی منتظر و ظہور مہدی کا انتظار اس قدر عام ہے کہ مصر و افریقہ میں خصوصاً اور دوسرے کئی بلاد اسلامی میں عموماً مدعیان مہدویت پیدا ہوتے رہے اور صفات و علامات احادیث کی عدم مطابقت کی بناء پر اہل علم ان کے دعوؤں کی تردید کرتے رہے ہیں۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21 صفحہ 871' امام منتظر' مطبوعہ لاہور

943ء ابن حوقل دنیائے اسلام کی سیاحت پر

ابن حوقل' ابوالقاسم محمد النصیبی البغدادی دسویں صدی عیسوی کا ایک اہم عرب سیاح اور جغرافیہ داں تھا۔

اس کے حالات زندگی پر اگرچہ تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے' وہ اپنی کتاب ''صورۃ الارض'' میں خود اپنے بارے میں رقم طراز ہے کہ رمضان المبارک 321ھ / مئی 943ء میں وہ بغداد سے اس مقصد کے لئے نکلا کہ دوسرے ممالک اور ان کے لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کرے اور تجارت کے ذریعے دولت کمائے۔ اس زمانے میں مشرق و مغرب تک تمام دنیائے اسلام کی سیاحت کی اور اپنے پیش رو سیاحوں، الجیھانی' ابن خرادبہ اور قدامۃ کی تصانیف کا خوب مطالعہ کیا' مشہور مستشرق ڈوزی کے خیال کے میں وہ فاطمی خلفاء کی ملازمت میں جاسوسی کا کام کرتا تھا' اپنے ان سفائر میں وہ غالباً 340ھ کے قریب مشہور جغرافیہ نگار اصطخری سے ملا۔ اس کی درخواست پر اس نے اس جغرافیہ داں کے نقشوں کی اصلاح اور اس کی کتاب میں ترمیم و تبدیلی کی۔ لیکن بعد ازاں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ یہ کتاب از سر نو خود لکھے' چنانچہ اس نے نسخے کی تکمیل کے بعد اسے بعنوان ''المسالک والممالک'' اپنے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب کی تکمیل 367ھ / 977ء سے پہلے نہ ہوسکی (صاحب کشف ظنون نے اس کا سال وفات 350ھ / 961ء) دیا ہے مشہور مستشرق ڈخویہ نے اس کتابہ کا متن BiBl Geogr-Arab کی دوسری جلد میں شائع کیا ہے اس سے پہلے کی الگ الگ اشاعتوں اور کچھ جزوی ترجموں کے لئے اس کتاب کا دیباچہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے' نیز سلسلہ مذکور کی جلد اول ایک دوسرے مستشرق کرامرز نے کتاب ''صورۃ الارض'' کے نام سے ابن حوقل کی کتاب کی طبع ثانی دو حصوں میں کی ہے۔

945ء خلیفہ المستکفی باللہ اور بغداد پر شیعہ افواج کا تسلط

خلیفہ المستکفی تخت حکومت پر رونق افروز تھا تمام امراء اور عمائدین دربار اپنے اپنے مقام پر کھڑے ہوئے تھے کہ اتنے میں دو دیلمی خلیفہ کی طرف بڑھے' خلیفہ نے خیال کیا کہ وہ اس کی

دست بوسی کرنا چاہتے ہیں' لہٰذا اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ان کی طرف بڑھا دیا' ان دونوں نے خلیفہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر اسے تخت سے کھینچ لیا اور گھسیٹ کر نیچے گرا دیا اور پھر اس کو اسی کے عمامے سے باندھ دیا۔ باقی دیلمی سپاہ دربار کے باہر موجود تھی' اس نے یکبار گی حملہ کر کے اہل دربار کو گرفتار کر لیا پھر پورے بغداد میں دیلمیوں نے لوٹ مار مچا دی' شاہی محل کو اس طرح لوٹا گیا کہ کوئی چیز اس میں باقی نہ بچی' معز الدولہ' احمد بن ابی شجاع' بویہی جو دربار میں موجود تھا (یہ ساری کارروائی اسی کے حکم پر ہوئی تھی) اٹھ کر گھر چلا گیا یہ لوگ مستکفی کو باندھ کر اس کے حرم سرا تک گھسیٹ کر لے گئے' اور اس کو تخت سے دستبرداری پر مجبور کر دیا پھر اس کی آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر دی گئیں اور اسے اندھا کر دیا گیا اس طرح چاروں ناچار خلیفہ المستکفی کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔

خلیفہ المستکفی باللہ ابوالقاسم عبداللہ صرف ایک سال چار ماہ پہلے امیر الامراء' توزون نے خلیفہ المتقی باللہ کو معزول اور اندھا کر کے تخت پر بٹھایا تھا (صفر 333ھ / ستمبر 944ء) وہ امیر الامراء کے ہاتھوں میں ایک ٹھ پتلی کا کام دیتا تھا' پھر توزون کی موت کے بعد اس کا بھتیجا ابوجعفر بن شیر زاد امیر الامراء بنا تو بھی خلیفہ کی یہی حالت رہی بغداد ان دنوں مستقل قحط کی زد میں تھا خزانہ عامرہ خالی تھا' اور یہاں تک کہ فوجیوں کو تنخواہ دینے کے لئے روپیہ نہ تھا۔ اور نہ خوراک خریدنے کے لئے۔ ایسے میں بغداد کے شہری مجبوری کی حالت میں مردار اور لید کھانے پر مجبور ہو گئے' بہت سے لوگ سڑکوں پر بھوکوں مر گئے اور بہت سے کتے ذبح کرنے لگے انہی دنوں شیعہ حکمران احمد بن بویہ نے بغداد پر چڑھائی کر دی' امیر الامراء شیر زاد اس کے خوف سے پوشیدہ ہو گیا' ابن بویہ جب خلیفہ کے پاس دربار میں پہنچا تو المستکفی نے اسے خلعت سے سرفراز کیا اور مجبوراً اس کے فتح کردہ ممالک کا اسے جائز حکمران تسلیم کر لیا (334ھ / 945ء) ساتھ ہی خلیفہ نے اسے معز الدولہ کا خطاب عطا کیا اور اسے سب غیر مذہبی امور میں مکمل اختیارات تفویض کر دیئے لیکن احمد بن بویہ کو یہ شبہ گزرا کہ خلیفہ اس کے دشمنوں سے خفیہ ساز باز رکھتا ہے اور اس سے امتیازی سلوک جھوٹا ہے' چنانچہ اس نے خلیفہ کو گرفتار کروا کے اس کی آنکھیں نکلوا دیں اور اس کی شیعہ افواج نے بغداد پر تسلط حاصل کر لیا۔ 29 جنوری 946ء کو اسے معزول کر دیا گیا' المستکفی نے اس واقعے کے چار سال بعد 338ھ / 950ء میں وفات پائی۔

تاریخ خلفاء' السیوطی صفحہ 735 ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 20 صفحہ 575

74-946ء خلیفہ المطیع اللہ اور اس کا عہد

المطیع اللہ' ابو قاسم الفاضل خلیفہ المعتز کا بیٹا تھا اور راضی اور المتقی کا بھائی۔ المطیع المستکفی کا جانی دشمن تھا جب وہ تخت نشین ہوا تو یہ روپوش ہو گیا اور جب احمد بن بویہ' معز الدولہ نے درحقیقت حکومت سنبھال لی تو کہتے ہیں کہ المطیع نے اس کے پاس جا کر پناہ لی اور اندرونی طور پر المستکفی کے خلاف بھڑکایا' المستکفی کی معزولی کے بعد شعبان 334ھ / جنوری 946ء میں المطیع کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا' اس کا عہد حکومت ہلاکو کے حملہ بغداد سے پہلے کا ایک بدترین زمانہ متصور ہوتا ہے۔ خلیفہ کے پاس اختیارات برائے نام بھی نہیں تھے۔ سارے کے سارے معز الدولہ کے ہاتھ میں تھے' اور جب اس کی وفات ہوئی (356ھ / 967ء) تو کلی اختیارات اس کے بیٹے بختیار کے ہاتھ میں چلے گئے' فاطمیوں کی طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی' سامانیوں نے بھی المطیع کو باضابطہ خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بغداد میں شیعہ سنی آپس میں لڑ لڑ کر مر رہے تھے۔ بویہوں نے جو علویوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے بغداد میں کئی شیعہ رسوم نافذ کر دیں تھیں۔ سب سے بڑھ کر قحط نے مزید شدت اختیار کر لی اور بغداد میں لوگ مردار کھاتے کھاتے آدم خوری تک پر اتر آئے' لوگوں نے باغات اور زمینوں کے عوض روٹیاں خریدیں' غریبوں اور ناداروں کے پاس بھٹکے ہوئے انسانی بچے پائے گئے (جن کو وہ کہیں سے پکڑ لاتے اور بھون کر کھا جاتے) خود معز الدولہ کے لئے ایک بوری آٹا بیس ہزار درہم میں خریدا گیا' راشن میں ایک بوری آٹے کا بھاؤ انیس قنطار (چار ہزار آٹھ سو درہم) تک پہنچ گیا۔

اسی دوران معز الدولہ اور ناصر الدولہ کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا' معز والدولہ ناصر الدولہ کے مقابلے کے لئے نکلا خلیفہ المطیع ایک قیدی اور یرغمالی کی طرح اس کے ساتھ تھا' جب وہ میدان سے پلٹا تو اس وقت بھی خلیفہ سابقہ حیثیتوں میں اس کے ساتھ تھا۔ 335ھ میں معز الدولہ نے المطیع سے از سر نو عہد و پیماں کئے اور تب کہیں اس کی نگرانی ختم کر کے اسے دار الخلافہ میں آنے جانے کی اجازت ملی۔

339ھ میں حجر الاسود کو واپس لا کر اس کی اصلی جگہ نصب کیا گیا' دوسری طرف المعز الدولہ کے اشارے پر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ حضرت علیؓ کی روح اس میں داخل ہو گئی ہے' اس پر بس نہیں بلکہ اس کی بیوی نے دعویٰ کیا کہ حضرت فاطمہؓ کی روح اس میں داخل ہو گئی ہے۔ اس کے ایک

ساتھی نے کہا کہ حضرت جبرائیلؑ کی روح اس میں داخل ہوگئی ہے مگر اس صریح کفر کے باوجود معزالدولہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

346ھ/958ء میں سمندر کا پانی اسی گز راتر گیا اور زیر سطح پہاڑ تک نظر آنے لگے' زلزلوں نے بھی کافی تباہی مچائی' ادھر کمزور خلیفہ کو ترکوں نے مجبور کر دیا کہ وہ اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہو جائے' 5 اگست 974ء کو المطیع نے وفات پائی'

947ء المسعودی کی "المروج الذہب ومعادن الجواہر"

المسعودی کا ایک مورخ کی حیثیت سے قرون وسطیٰ کی عرب تاریخ نگاری میں بڑا اہم حصہ ہے' اسے اسلامی عہد کا ہیروڈوٹس مانا جاتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ کسی قوم کی تاریخ کی حقیقی اور معروضی عکاسی کے لئے مورخ کو اس ملک میں دستیاب بنیادی ذرائع سے اکتساب کرنا چاہئے اور اسے ثانوی ذرائع پر انحصار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے حقائق مسخ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے' اس نے قدیم ایران کی تاریخ رقم کرتے وقت اس اصول کی پیروی کی' دنیا کی تاریخ رقم کرنے میں اس نے نہ صرف متعدد عربی تاریخ کی کتب سے استفادہ کیا بلکہ اس میں مختلف ممالک اور بادشاہتوں میں اپنے سفر کے ذریعے حاصل ہونے والا مواد بھی شامل کیا۔ طلوع اسلام سے لے کر اپنے دور تک کی اسلامی تاریخ پر روائتی انداز میں بحث کرنے کے ساتھ ساتھ المسعودی نے اسلام سے قبل کی اقوام عالم اور نسلوں کی تاریخ کا جائزہ بھی لیا اور اس نے بازنطینی سلطنت یورپی اقوام' ہندوستان اور چین کی معاصر تاریخ کا بھی حتیٰ الوسیع احاطہ کرنے کی کوشش کی۔ تاریخ کے ضمن میں اس کا زاویہ نگاہ سائنسی اور معروضی ہے۔

ابوالحسن علی ابن الحسین ابن علی المسعودی ایک مورخ کی حیثیت سے ایک جانا پہچانا نام ہے' لیکن اقوام عالم کی تاریخ لکھنے والے اس مورخ کے اپنے حالات زندگی پر تاریکی پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں' صرف اتنا پتا لگتا ہے کہ وہ بغداد میں پیدا ہوا اور مصر کے شہر فسطاط میں وفات پائی۔ المسعودی نے نوعمری میں سیر و سیاحت کا آغاز کیا۔ وہ تقریباً 915ء میں بغداد سے روانہ ہوا اور اس نے اپنی بقایا زندگی سیر و سیاحت میں گزار دی' 941ء میں وہ عراق اور وسطی ایشیا کے اسلامی صوبوں کی سیاحت کر چکا تھا' 941ء سے 956ء کے درمیانی

عرصہ میں اس نے شام، یمن، حضر موت، مصر کا سفر کیا، وہ سندھ، ہند، اور مشرقی افریقہ کی سیاحت پر بھی نکلا۔ المسعودی نے عمر کا آخری حصہ مصر میں بسر کیا، المسعودی برصغیر میں 918ء میں آیا تھا اور اس نے ملتان اور منصورہ کی سیاحت کی تھی۔ المسعودی کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ اس نے کم وبیش 37 کتب تصنیف کیں تھیں، اس نے تاریخ وجغرافیہ سے لے کر فقہ و مذہبیات النساب اور فن نظامت وحکمرانی تک کو اپنا موضوع بنایا۔ ان تمام تصانیف میں سے صرف دو کتب ہم تک پہنچی ہیں، المسعودی کی اہم ترین تصنیف ''المروج الذہب ومعاون الجواہر'' ہے جو جمادی الاول 336ھ/نومبر، دسمبر 947ء میں تکمیل کو پہنچی تھی، دوسری تصنیف ''التنبیہ والاشراف'' ہے جو المسعودی کی وفات سے صرف ایک برس قبل تکمیل کو پہنچی تھی، مروج الذہب دراصل مسعودی کے ایک بہت بڑے علمی کارنامے ''اخبار الزمان ومن آبادہ لحدثان'' کی تلخیص ہے جو 30 جلدوں میں تاریخ اور جغرافیہ عالم پر ایک بہت بڑی تصنیف ہے۔ اس کا نقل کرنا یا پڑھنا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں تھا، المسعودی نے اس امر کو محسوس کرتے ہوئے اس کی تلخیص مروج الذہب کی صورت میں کی یہ کتاب چار جلدوں میں تھی، مروج الذہب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کے بارے میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ بعد کے تمام مورخوں نے اسی سے خوشہ چینی کی ہے۔

950ء شطرنج کا پہلا تحریری سراغ

شطرنج دنیا کا مشہور عالم کھیل ہے، اس کے بارے میں سب سے پہلا تحریری سراغ مشہور مورخ اور جغرافیہ دان المسعودی کی تحریروں میں ملا ہے جو دسویں صدی عیسوی کا ایک متبحر عالم تھا۔

انگریزی زبان میں شطرنج کے لئے لفظ CHESS رائج ہے، اس لفظ کا فارسی مترادف ''شاہ'' ہے اور شطرنج کی اصطلاح Check Mat برابر ہے فارسی ''شاہ میت'' کے جس کا مطلب ''بادشاہ مر گیا'' ہے کہتے ہیں کہ یونان قدیم کے لوگ یہ کھیل جانتے تھے اور اسے Palamedos نے ایجاد کیا تھا، وہاں سے یہ مختلف ملکوں تک پھیلا، مسلم مورخین کہتے ہیں کہ شطرنج کا کھیل ہندوستان سے لیا گیا لیکن اس بارے میں جو روایات مشہور ہیں ان کی حیثیت افسانے سے زیادہ نہیں اور شطرنج کی فارسی اصطلاحات کو دیکھتے ہوئے محققین کا خیال ہے کہ یہ کھیل قدیم ایران سے ملا تھا۔

قرون وسطی کے مشرق اوسط میں بہت سے کھیل بساط پر کھیلے جاتے تھے جن میں نرد Tricktrack Back Gagammon اور شطرنج سب سے نمایاں ہیں۔ کھیل کے قواعد و ضوابط اور مہرے امتداد زمانہ کے ساتھ بدلتے رہے ہیں' شطرنج اور نرد کے لفظ ہندی (سنسکرت) الاصل لگتے ہیں۔

شطرنج کی ایجاد کے متعلق جو روایات ملتی ہیں وہ فیثا غورثی نوعیت کی معلوم ہوتی ہیں۔ المسعودی کے بیان کے مطابق ہندوستان کے جن فاضل بادشاہوں کے ہاں فنون ایجاد ہوئے اور جو علوم کے اصول دریافت ہوئے' ان میں سے پہلا برہمن تھا دوسرا بابہود جس کے زمانے میں نرد ایجاد ہوگئی' تیسرا دابشلم تھا جس کا تعلق کتاب ''کلیہ ودمنہ'' سے ہے چوتھا بلہیت تھا جس کے عہد حکومت میں شطرنج ایجاد ہوئی۔ اس بادشاہ نے اس کھیل پر ایک رسالہ ''طرق جنکا'' بھی مرتب کیا تھا۔ جو ہندوؤں میں مقبول رہا ہے۔ اس کے مہرے انسانوں اور حیوانوں کی شکل کے تھے اور برج ہائے آسمانی کی شبیہیں سمجھے جاتے تھے' المسعودی کے زمانے میں دسویں صدی عیسوی تک بھی اس کھیل کی شکل وصورت معین نہیں ہوئی تھی' اسے شطرنج کی چھ بڑی شکلوں کا علم تھا' دو چوکور جن میں 64 یا 100 مربع خانے تھے ایک مستطیل دو گول جن میں سے ایک بازنطینیوں سے منسوب تھا' دوسرا ''بروجی'' بلاتا تھا' موخر الذکر میں جو مسعودی ہی کے زمانے میں ایجاد ہوئی بارہ مہرے ہوتے تھے یعنی دونوں طرف چھ چھ اور وہ مختلف انسانی اعضاء کی شکل کے بنائے جاتے تھے' اس وقت شطرنج پر بعض رسالے بھی موجود تھے اور نامور شاطر۔ بھی شطرنج کے کھیل کا ایک خاص تعلق علم حساب سے بھی ہے' جس سے کسی قدر اہم مسئلہ پیدا ہوا ہے یعنی 2 کے لئے پہ در پہ اضعاف کا جمع کرنا' ایک موجد شطرنج کے بارے میں یہ کہانی مشہور ہے'' اس نے کسی بادشاہ سے بطور انعام گیہوں کے دانے طلب کئے تھے' اس طرح کہ ایک دانہ پہلے مربع میں رکھا جائے دو دانے دوسرے میں اور چار تیسرے میں اس طرح ہر اگلے خانے میں پچھلے خانے سے دگنے دانے اور ان کا مجموعہ اس کا انعام ہو لیکن اس کا مجموعہ 20 ہندسوں کا ایک عدد بنتا ہے۔ اس طلب کو پورا کرنا حد امکان سے باہر ہے' یہ کہانی الصدفی نے بیان کی ہے۔

البیرونی کے بعد کی صدیوں میں ہندوستان میں اس کھیل کی مختلف شکلوں سے روشناس ہوا۔ وہ شکل جسے وہ سب سے عام بتاتا ہے اور معروف ہونے کی وجہ سے تفصیل بیان کرتا ہے' باقاعدہ قمار بازی تھی اور پانسے کے ساتھ کھیلی جاتی تھی۔ اس طرح فردوسی نے بھی شاہنامے میں شطرنج کا ذکر

کئی صفحوں میں کیا ہے وہ اس کھیل کی شاعرانہ انداز میں کیفیت بیان کرتا ہے۔ ہارون الرشید نے شاہ جرمنی شاہ شلیمان کو ایک بساط شطرنج تحفے میں بھیجی تھی۔ شیخ الجبال وحسن بن صباح نے ایک خوبصورت بساط سینٹ لوئی کو ہدیہ دی تھی۔ اس طرح عمر خیام نے اس کھیل سے استعارہ جبریت کی ایک خوشنما تصویر کھینچی ہے۔

959ء چین میں جنرل کاؤ کانگ کی حکمت عملی

دسویں صدی عیسوی میں نہ صرف بغداد کی عباسی سلطنت سیاسی بدامنی اور انتشار کا شکار تھی بلکہ اس عہد میں چین میں بھی ہین خاندان کی مرکزی حکومت ختم ہو جانے کے بعد سے طوائف الملکو کی سیاسی بے چینی اور خانہ جنگیوں کا دور دورہ تھا' جو بادشاہ بھی تخت نشین ہوتا سپہ سالار افواج شاہی مملکت چین کے وسیع تر مفاد کے نام پر اسے بہت جلد تہہ و تیغ کر کے خود تاج و تخت کا وارث بن جاتا اور پریشان حال رعایا کا نجات دہندہ ہونے کا اعلان کر دیتا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد وہ خود بھی اسی منحوس انجام کا شکار ہو جاتا۔

یہ سلسلہ بڑے طویل عرصے سے یونہی چل رہا تھا کہ 959ء میں جنرل کاؤ کانگ سلطنت سنگ کے تخت پر جلوہ افروز ہوا' اس کے سامنے چین کی طویل تاریخ موجود تھی کہ خود بادشاہ کے دوست فوجی جرنیل اس کا تختہ الٹ کر خود حکمران بن بیٹھتے چلے آ رہے تھے۔ اس لحاظ سے خود اس کی بادشاہی بھی سال ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتی تھی' کاؤ کانگ ایک ذہین شخص تھا وہ اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا کہ اس کے ذہن رسا نے ایک نکتہ یہ پکڑا کہ وہ بجائے اپنے دوستوں پر اعتماد کرنے کہ کیوں نہ اپنے دشمنوں کو استعمال کرے؟ اس نے آخر کار اپنا یہ منتخب داؤ آزمانے کا فیصلہ کیا۔

ایک رات بادشاہ نے اپنی فوج کے تمام کمانڈروں کا اجلاس شاہی محل میں طلب کیا اور ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا جوں جوں ضیافت آگے بڑھتی گئی فوج کے یہ بہادر جرنیل شراب پی کر بدمست ہوتے چلے گئے' بادشاہ اگرچہ نیا تھا مگر بلا کا ذہین تھا اس نے سرمستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام جرنیلوں کو غیر مسلح کر دیا جرنیل جام پر جام لنڈھاتے چلے جا رہے تھے ان لمحوں کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بادشاہ نے تمام مسلح پہرہ داروں کو بھی فارغ کر دیا جرنیلوں کو سرمستی کے باوجود دھچکا سا لگا مگر وہ اتنے بے خود ہو چکے تھے کہ کچھ نہ کر سکتے تھے' لیکن انہیں اپنا انجام

سامنے نظر آنے لگا تھا اور اب وہ صرف بادشاہ کے لب ہلنے کے منتظر تھے' وہ لمحہ اب نزدیک تھا جب ان کے سرتن سے جدا ہونے تھے۔ جب بادشاہ کے لب ہلے تو ان کی چیخیں جو ابھی ان کے منہ سے نہ نکلیں تھیں مسرت میں بدل گئیں' بادشاہ نے انہیں پیش کش کی کہ اگر وہ حضرات بڑی بڑی جاگیریں اور خوشحال زندگی کو پسند کریں تو صرف اپنی موجودہ حیثیت سے مستعفی ہو جائیں۔ وہ سب فوراً اس پیش کش کو قبول کر لینے کے لئے تیار ہو گئے' یوں بادشاہ نے آئندہ کے فوجی انقلاب سے اور اپنے بھیڑیا نما دوستوں کے چہرہ سے دوستوں سے نجات حاصل کر لی۔ یہ طریقہ رد انقلاب آج بھی موثر ثابت ہو سکتا ہے۔

کاؤ کانگ نے اپنی ذہانت سے جلد ہی شہنشاہ چین کی حیثیت حاصل کر لی اور ملک سے خانہ جنگی ختم کر دی۔ 971ء میں جنوبی چین میں برسر اقتدار اس کے دشمن بین بادشاہ نے بھی اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے' کاؤ کانگ نے اسے اپنے دربار میں خصوصی نشست عطا کی اور بجائے اس کے قتل کا حکم صادر کرنے کہ اس کی بادشاہی اسے واپس کر دی اور ایک دستاویز اسے عطا کی جسے واپسی کا نصف راستہ طے کر کے اسے کھولنا تھا' جب اس نے یہ دستاویز کھولی تو وہ حیران رہ گیا کیونکہ وہ خود اس کی تیار کردہ تھی جس کے ذریعے اس نے سنگ بادشاہ کو قتل کروانا تھا مگر کاؤ کانگ نے اس کو قتل کرنے کا موقع پا کر بھی اسے معاف کر دیا اور اس کی ریاست بھی اسے واپس کر دی مگر ایک دشمن کو جانثار دوست بنا لیا۔

ماخذ۔ اقتدار کا کھیل' سیارہ ڈائجسٹ جولائی 2006ء انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم از ولیم ایل لینگر

961ء خلیفہ الحکم ثانی المستنصر باللہ کی تخت نشینی

بلاد مشرق کے گوشہ گوسہ میں گماشتے بھیجے گئے جنہیں حکم تھا کہ ہر شہر میں جس قدر کتابیں جس طرح اور جس قیمت پر مل سکیں خلیفہ کے نام پر خرید لیں۔ خود قصر خلافت میں بے شمار کاتب' خطاط اور جلد ساز بیٹھے ہوئے تھے کہ نئی کتابوں اور پرانی کتابوں کی نقول تیار کریں' خلیفہ کے شاہی کتب خانے کی فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی اور ہر جلد کے پچاس ورق تھے' یہ گویا کیٹلاگ تھا مورخین کے مطابق چھ لاکھ کتابیں شاہی لائبریری میں موجود تھیں۔

خلیفہ بڑا سخی اور فیاض تھا علماء اور فلسفیوں پر دولت نچھاور کرتا تھا۔ اس لئے اسکے عہد میں علوم و

فنون میں بہت ترقی ہوئی' اندلس کا ہر متنفس لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور خواندگی کی شرح اس زمانے میں سو فیصد تھی۔ لیکن اس زمانے میں مسیحی یورپ کی یہ حالت تھی کہ سوائے بڑے درجے کے لوگوں اور پادریوں کے سب لوگ ناخواندہ تھے۔

پورے یورپ میں صرف ایک قرطبہ تھا جو علوم کی روشنی میں جگمگا رہا تھا اور یورپ کے گوشے گوشے سے عیسائی بھی طب' فلسفہ' سائنس اور دیگر علوم وفنون کی تحصیل کے لئے یہاں آتے تھے' اس زمانے میں قرطبہ میں ستائیس ایسے مدرسے تھے' جہاں اعلیٰ تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ یہ زریں عہد خلیفہ الحکم ثانی المستنصر باللہ (961-976ء) کا تھا۔ ڈوزی لکھتا ہے اگرچہ خلیفہ الحکم کے بزرگ بھی علم دوست اور عالم تھے' لیکن الحکم کے برابر عالم و فاضل وعلم دوست کوئی اور بادشاہ اندلس میں نہیں گزرا۔ قرطبہ کے اموی حکمرانوں میں الحکم ثانی بن عبدالرحمٰن ثالث کا عہد حکومت سب سے زیادہ پرامن اور خوشحال تھا' اگرچہ وہ عنفوان شباب ہی میں ولی عہد نامزد ہو گیا تھا مگر اس نے چھیالیس سال کی عمر میں حکومت سنبھالی (3 رمضان المبارک 350ھ/5 اکتوبر 961ء) چونکہ اپنے والد کی زندگی میں اس نے کاروبار حکومت کا وسیع تجربہ براہ راست حاصل کیا تھا اس لئے اس نے اپنے آپ کو نامور باپ کا نااہل بیٹا نہ ثابت کیا۔ صرف ایک خطرے نے مملکت کے امن عامہ میں رخنہ ڈالا وہ ولندیزی مجوس کا حملہ تھا۔ جسے 971ء میں لزبن میں شکست دی گئی' آغاز میں اسپین کے عیسائیوں نے خلیفہ کو صرف میدان علم کا شہسوار سمجھتے ہوئے کچھ بدعہدیاں کیں مگر جلد ہی انہیں پتہ چل گیا کہ خلیفہ مرد میدان بھی ہے اس لئے سب اس سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔

خلیفہ قرطبہ کی جامع الکبیر کی توسیع اور تزئین میں بڑے انہماک اور خوش ذوقی کا ثبوت دیا جس نے مسجد کے حسن اور اس کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے' خلیفہ کے عہد حکومت نے بہت کم پائی۔ جب خلیفہ کے ادبی اور فنی رجحانات کو دیکھتے ہوئے یہ توقع تھی کہ اب ایک طویل اور پر منفعت عہد حکومت کا آغاز ہو گا عین اسی وقت خلیفہ کی صحت جو ہمیشہ سے کمزور چلی آئی تھی جواب دے گئی اور ریاست کے امور عملی طور پر حاجب ابوالحسن جعفر بن عثمان المصحفی کے ہاتھ میں چلے گئے۔ خلیفہ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا ہشام ثانی تخت نشین ہو' وہ قصر قرطبہ میں اپنے بیٹے کے لئے بیعت لینا چاہتا تھا کہ موت کا پیغام آ گیا اور بیعت اگلے دن ہوئی۔

تاریخ ہسپانیہ (ماخذ) دائرہ المعارف 8

966ء المقدسی البشاری مکہ میں

المقدسی بشاری دسویں صدی کا ایک مشہور مسلمان سیاح اور جغرافیہ دان تھا اس کا پورا نام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البیناء الشامی المقدسی المعروف بہ البشاری ہے' جیسا کہ مخطوطہ برلن کے پہلے صفحے پر بتایا گیا ہے۔ المقدسی کا خیال ہے کہ جغرافیہ ایک ایسا موضوع ہے جس میں اور بہت کچھ بھی شامل ہے' اس میں صرف اماکن کی تفصیل ہی نہیں ہوتی بلکہ مختلف گروہ اور فرقے' کاروبار اور تجارت اور ان پیمائش' رسم ورواج' سکے اور مالیاتی نظام اور زبانیں اور بولیاں بھی شامل ہیں۔

المقدسی نے اپنی جوانی کا زیادہ تر حصہ یروشلم میں گزرا اور اس کے بعد اندلس' سندھ اور بحستان کے علاوہ مملکت اسلامیہ کے تمام علاقوں کا سفر کیا۔ وہ سسلی بھی گیا' اپنے ان سیاحتی سفروں کو اس نے کتابی شکل میں قلمبند کیا' اس کی یہ معروف کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفت الاقلیم'' کے نام سے موسوم ہے۔

یہ کتاب 985ء میں شیراز کے مقام پر مکمل ہوئی۔ یہ کتاب بنیادی طور پر جغرافیائی معلومات پر مشتمل کتاب ہے' خود مصنف کی زندگی کے بارے میں صحیح معلومات اور صحیح تاریخیں صرف اسی کتاب کے متن میں ہی ملتی ہیں۔ 356ھ/966ء میں جب وہ مکہ مکرمہ میں تھا تو اس کی عمر کوئی بیس برس تھی۔ وہ غالباً کم از کم 391ھ/1000ء تک زندہ رہا' کیونکہ اس کے تصنیف میں آخری واقعات جن کی تاریخ معین ہوسکتی ہے چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی کے متعلق ہیں' اس کا دادا ابو بکر البیناء فلسطین میں میر عمارت تھا۔ اور اس نے ابن طولونی فرمائش پر شہر عکا کے دروازے تعمیر کئے تھے' المقدسی کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے خود بھی فن عمارت سازی میں اچھی خاصی مہارت حاصل تھی اس کے علاوہ اس کی ادبیات اور دیگر علوم میں بھی کافی رسائی تھی۔

المقدسی کی اس تصنیف کا مقصد یہ تھا کہ دنیائے اسلام کے جغرافیائی خدوخال کی وضاحت کی جائے' چنانچہ المقدسی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ دنیائے اسلام کے نقشے کی کوئی باقاعدہ شکل نہیں بلکہ یہ ایک بے قاعدہ ترتیب میں ہے' اس نے اسلامی دنیا کو چودہ خطوں (اقالیم) میں منقسم کیا' ان میں سے چھ کو اس نے ''عرب'' کے نام سے موسوم کیا ہے جن میں جزیرہ العرب' عراق' اقور' شام' مصر اور المغرب کے علاقے ہیں' باقی آٹھ خطے جن کو اس نے ''عجم'' کا نام دیا ہے ''المشرق'' (سامانیوں کی مملکت) الدیلم (گیلان اور بحر خزر کا علاقہ) الرحاب (آذربائیجان اور آرمینیا)'

الجبال (قدیم میڈیا) خوزستان (میڈیا کے جنوب میں بین النہرین کے مشرق کا علاقہ)، فارس (قدیم ایران) کرمان اور سندھ کے علاقوں پر مشتمل ہے۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 21 صفحہ 437۔

دنیا کے معروف اسلامی سائنسدان۔ دنیائے اسلام

966ء اوٹو اعظم کی مہمات

اوٹو اعظم کا شمار دنیا کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے وہ شارلمین کے ڈیڑھ سو برس بعد اقتدار میں آیا اس وقت شارلمین کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی یہ اوٹو اعظم ہی تھا جس نے اس سلطنت کو دوبارہ استحکام بخشا اور اس کی سرحدیں پہلے سے بھی وسیع کر دیں اسی وجہ سے اسے اسکی زندگی میں ہی عظیم کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اوٹو اعظم نے ہی اٹلی کو بھی ایک بار پھر سلطنت میں شامل کر کے مقدس رومی سلطنت کا احیاء کیا اور اس کا وقار بلند کر دیا۔

آٹو اعظم کی ماں اپنے دوسرے بیٹے کو تخت نشین کرانا چاہتی تھی جب کہ اسکا باپ ہنری آٹو کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا' 936ء میں ہنری کی وفات پر اوٹو نے ایکس لاشیپل میں آرچ بشپ آف مینس کے ہاتھوں تاج شاہی پہنچا' جب اس کی تاجپوشی کے اعزاز میں ضیافت ہوئی تو اس نے یہ بات واضح کر دی کہ وہ اپنی حکومت بلاشرکت غیرے کرے گا اس نے بواریا' ثوابیا' فرانکونیا اور لورین کے نوابوں کو حکم دیا کہ اس کے سامنے نوکروں کی بجائے وہ کھانا لگائیں۔

ان کو اس طرح کھانا لگانے کا حکم دینے سے اسکا مدعا یہ تھا کہ وہ انہیں اپنا ساتھی نہیں بلکہ اپنے ملازموں کی حیثیت دیتا ہے۔ یہ فطری بات تھی کہ یہ نواب اس سے ناراض ہو جاتے' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان سب نے اس کے سوتیلے بھائی تھینک مار کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے سیکسنی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا لیکن ڈیوک آف ثوابیا خوش قسمتی سے اوٹو کے ساتھ رہا۔ اسی کی مدد سے اوٹو اپنے خلاف ہونے والی اس پہلی بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جلد ہی ایک اور بغاوت نے سر اٹھایا' یہ بغاوت اوٹو کے سگے بھائی ہنری نے بپا کی تھی' اسی شہزادے کو اوٹو کی ماں تخت نشین کرانا چاہتی تھی۔ ہنری نے ڈیوک آف لورین اور ڈیوک آف فرانکونیا کو اپنے ساتھ ملا لیا اور یہ باغی دریائے رائن کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ اوٹو باغیوں کی سرکوبی کے لئے فوراً

باغیوں کے سر پر پہنچنا چاہتا تھا' اس کا راستہ دریائی تھا مگر اس کے پاس اتنی کشتیاں نہیں تھیں کہ وہ فوراً دریا عبور کرے' تاہم جب ہنری کا سامنا ہوا تو اوٹو کے پاس فوج بہت کم تھی مگر اپنی ذہانت اور عسکری چالوں سے وہ اسے شکست دینے میں کامیاب ہو گیا' لیکن اس کی یہ فتح لوگوں کے توہمات کی وجہ سے تھی جو سمجھتے تھے کہ اس کے پاس ایک مقدس نیزہ ہے جو فتح کی علامت ہے جب جرمنی میں بغاوتیں دب گئیں تو اوٹو نے مشرقی سرحدوں کو محفوظ بنانے کے لئے بہت سے مشرقی قبیلوں کے خلاف مہمات سر کیں اور انہیں اپنا مطیع کر لیا' اس سلسلے میں اس نے سب سے پہلے بوہیمیا کو فتح کیا پھر وہ سلاوونک قبائل کے خلاف نبرد آزما ہوا جو دریائے ایلبا اور دریائی اوڈز کے پار رہتے تھے' سلاوز کے خلاف جنگ بڑی خوفناک تھی' بہت سے افراد مارے گئے' اپنی فتح کے بعد اوٹو نے سلاوز میں تبلیغ کے لئے پادری مقرر کر دیئے اس کے بعد وہ فرانس پر حملہ آور ہوا اور لوئیس چہارم شاہ فرانس کو شکست دی اور اس کے بعد اٹلی کی طرف متوجہ ہوا یہاں بھی کامیابی نے اس کے قدم چومے۔

اٹلی میں 31 جنوری 962ء کو پوپ جان دوازدہم نے سینٹ پیٹر کے کلیسا میں تمام شان و شوکت کے ساتھ اسے مقدس رومی سلطنت کا تاج پہنایا اگرچہ اوٹو نے یورپ میں سب سے بڑی سیکولر حکومت قائم کی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کلیسا کا بھی سربراہ تھا۔ اس نے پاپائے روم یا اسقف اعظم روم کو مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ الحاق کی قسم کھائے' اس طرح پاپائے اعظم خود اس کے نائب کی حیثیت اختیار کر گیا۔ بعدازاں جب پوپ جان اپنے وعدوں سے اغماض برتنے لگا تو اوٹو اعظم نے اسے اس کے عہدے سے برطرف کر کے اس کی جگہ پوپ لیو ہفتم کو مقرر کر دیا' اور یہ بات بھی واضح کر دی کہ آئندہ کوئی پوپ اس کی اجازت کے بغیر مقرر نہیں کیا جائے گا۔ کلیسا روم کے بہت سے عہدیدار پوپ لیو ہفتم کی تقرری پر ناراض تھے' وہ چاہتے تھے کہ ایک اطالوی راہب بنی ڈکٹ کو اس عہدے پر فائز کیا جائے۔ 965ء میں پوپ لیو ہفتم نے اچانک وفات پائی تو کلیسا کے عہدیداروں نے کوشش کی کہ اوٹو اعظم کی اجازت کے بغیر کسی اور کو پوپ بنا لیں مگر اوٹو اعظم نہایت سرعت سے روم پہنچا اور اس نے رومیوں کی مرضی کے خلاف نارنی کے بشپ جان ہشتم کو پوپ مقرر کر دیا' رومی اس سے مطمئن نہیں تھے اس لئے انہوں نے اس پوپ کو نکال باہر کیا مگر اوٹو اعظم نے رومیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ پوپ جون ہشتم کو اس کے عہدے پر بحال کریں۔

اوٹو اعظم کی زندگی کے آخری چند سال بڑے پرامن تھے' اس نے 6 مئی 973ء کو وفات پائی' اسے میگڈ برگ کے کلیسا میں دفن کیا گیا۔

ماخذ۔ 100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا جان کیننگ۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ولیم ایل لینگر

969ء قاہرہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا

جب فاطمیوں نے قیروان میں دیکھا کہ اخشیدیوں کے تحت مصر روبہ زوال ہے تو انہوں نے مصر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ وادی نیل پر قبضہ کرنے کا ان کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے' 11 شعبان 358ھ / یکم جولائی 969ء کو ان کا سپہ سالار جوہر معمولی مزاحمت کے بعد الفسطاط (قاہرہ قدیم) میں داخل ہو گیا' 9 جولائی کو جب تمام افواج اس کے پاس اکٹھا ہو گئیں تو اس نے ایک نیا شہر کا خاکہ بنانے کا حکم صادر کیا۔ نجومیوں نے ساعت سعد کی نشان دہی کر دی ساتھ ہی نئے شہر کے لئے رقبہ بھی منتخب کر لیا گیا' اس کے بعد خلیفہ المعز بذات خود مصر آیا اور زائچے کی خود تعمیر کی اور مریخ کے طلوع میں ایک نیک شگون کا پہلو نکالا۔ اس طرح اس نئے شہر کی بنا کا نام ''القاہرہ المعزیہ'' ہو گیا شہر کی تاسیس کے فوراً بعد سب سے پہلے مشرقی محل تعمیر ہوا۔ جس میں خلیفہ المعز 23 رمضان 362ھ / 28 جون 973ء کو ایک شاہانہ جلوس کے ساتھ داخل ہوا' یہ ایک شاندار عمارت تھی' اس کے نو دروازے تھے' یہ محل موجودہ بازار سے 30 گز پیچھے واقع تھا' اس سڑک کی دوسری جانب باغ کافور واقع تھا جو خلیج تک پھیلا ہوا تھا اس کے اندر خلیفہ عزیز نے ایک چھوٹا محل تعمیر کروایا تھا جو ''العزیزی'' کہلاتا تھا۔

قاہرہ چونکہ ابتداء ہی سے الفسطاط کی طرح ایک عسکری شہر تھا اور شروع میں قطعاً تجارتی نہ تھا لہٰذا جوہر نے بھی اسے فصیلوں سے مستحکم کرایا۔ بعد میں ان فصیلوں کو خلیفہ المنتصر کے عہد میں امیر لشکر بدر الجمالی نے وسیع کیا اور اس کے امیر لشکر بدر الجمانی نے وسیع کیا اسی نے شہر کے ان صدر دروازوں کو اس شکل کا بنایا جس میں وہ آج تک سلامت ہیں۔

القاہرہ کا تاسیس کے سلسلے میں یہ واقعہ دیا جاتا ہے کہ سپہ سالار جوہر نے مصر کے ایک ماہر نجوم کو ایک بلند و بالا چبوترے پر کھڑا کر دیا تھا اور سنگ بنیاد پر رسیاں باندھ کر ان میں گھنٹیاں باندھ دیں تا کہ جب مجوزہ گھڑی آئے تو فوری طور پر رسی ہلا دی جائے اور گھنٹیاں بجنے لگیں اور سنگ بنیاد رکھا جائے مگر اتفاق سے ایک کوا ادھر آ نکلا اور اس رسی میں بری طرح الجھ گیا' کوے کے رسی میں الجھنے کی وجہ سے گھنٹیاں خود بخود بجنے لگیں' اس وقت سیارہ مریخ جسے القاہر' کہتے ہیں عین سامنے آ گیا، نجومی اُسے دیکھ کر چلایا ''القاہر القاہر'' یعنی مریخ سامنے آ گیا ہے، بنیادیں کیوں رکھ رہے ہو؟ یعنی مریخ سامنے ہے' بنیادیں کیوں رکھ رہے ہو؟ اب کیا ہو سکتا تھا چنانچہ القاہر ہی القاہرہ کی

وجہ تسمیہ بن گیا' اسی کے نزدیک قدیم رومی شہر بابلیون اور دریا کے پار مصر کا قدیم دارالحکومت محض واقع تھا' آج قاہرہ دنیائے عرب کا اہم ترین شہر ہے' یہاں قدیم مصر اور اسلامی آرٹ وفنون کے 22 عجائب گھر ہیں۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 1/16 ماخذ۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد دوم

974ء خلیفہ طائع للہ مسند خلاف پر

13 ذوالقعدہ 363ھ/5 اگست 974ء کو المطیع کی معزولی کے بعد طائع للہ' عبدالکریم بن فضل عباسی کی خلافت کا اعلان ہوا' وہ خلیفہ مطیع للہ کا بیٹا تھا' اس کی والدہ کا نام عتب تھا' ان دنوں اصلی حکمران اور مقتدر اعلیٰ تو آل بویہ تھے لیکن جب ان کا سب سے بڑا سردار عضدالدولہ جو خلیفہ کا خسر بھی تھا' مارچ 983ء میں فوت ہوا تو اس کے بیٹے اقتدار کے لئے آپس میں جھگڑنے لگے' اکتوبر' نومبر 991ء میں بہاءالدولہ کو جو مالی مشکلات کا شکار تھا اور اپنی فوج کی تنخواہ کی ادائیگی کے قابل بھی نہ تھا۔ اس کے ایک مشیر نے اسے مشورہ دیا کہ خلیفہ کو برطرف کر کے اس کے خزانے پر قبضہ کر لیا جائے' ایک دن ایک رسمی ملاقات میں بہاالدولہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خلیفہ کے سامنے حاضر تھا' اچانک اس کے حکم سے الطائع للہ کو بے خبری کے عالم میں گرفتار کر کے بہاالدولہ کے گھر بھیج دیا گیا جہاں اسے قید کر دیا گیا۔

الطائع کے عہد میں افغانستان میں غزنوی خاندان کی حکومت قائم ہوئی ال سامان کی طرف سے غزنی پر الحق بن الپتگین امیر تھا اور سبکتگین اس کا غلام تھا' الحق کے مرنے کے بعد سبکتگین کو امیر بنالیا گیا۔

خلیفہ طائع للہ نے امیر سبکتگین کو نیابت کا خلعت عطا فرمایا اور نصر الدولہ کا خطاب اور پرچم مرحمت کئے۔ سبکتگین کے اعزاز سے عزالدولہ جو بغداد پر قابض تھا بگڑ بیٹھا' سبکتگین کا عزالدولہ پر غلبہ تھا' وہ خود تو سبکتگین کے مقابل نہ آیا مگر اس نے اپنے چچازاد بھائی عضدالدولہ کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا' عضدالدولہ 367ھ/980ء میں بغداد پر حملہ آور ہوا۔ خلیفہ نے عضدالدولہ کو نائب السلطنت بنایا مگر اس نے الطائع للہ کا نام خطبے سے نکلوا دیا' اس زمانے میں ابن الاثیر کے مطابق خلیفہ کو اتنا بھی اختیار نہ رہا کہ اس کا نام کسی قابل ذکر کارنامے کے ساتھ مذکور ہوتا'

اس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا نام تاریخ میں عہدوں کی تقرری' تعزیت ناموں اور اسی قسم کی دوسری رسمی باتوں کے سلسلے میں آتا ہے۔ خلیفہ کی زبوں حالی کا یہ حال تھا کہ جب کبھی عضد الدولہ سفر سے آتا تو استقبال کے لئے خلیفہ کا باہر آنا ضروری قرار دیا گیا' خلیفہ نے اسے اپنا ولی عہد تک نامزد کر دیا' 372ھ میں جب عضد والدولہ کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے صمصام الدولہ کو شمس الملت کا خطاب عطا کیا گیا' تھوڑے عرصے بعد اس کے بھائی شرف الدولہ نے اس پر چڑھائی کر دی اور اس کو گرفتار کر کے اندھا کر دیا' خلیفہ نے شرف الدولہ کو نائب السلطنت قرار دیا۔

تاریخ ملت جلد دوم صفحہ 518 ماخذ۔ تاریخ خلفاء جلد اول صفحہ 716

972ء جامعہ الازہر کا سنگ بنیاد

''الازہر'' کے معنی ''نہایت روشن'' کے ہیں یہ زمانہ حاضرہ کے قاہرہ کی سب سے بڑی مسجد ہے' اسے دنیائے اسلام کی قدیم ترین درس گاہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ابتداء میں یہ اسماعیلی تعلیمات کا مرکز تھی، سلطان بیبرس کے عہد میں یہ سنیوں کا عملی مرکز بن گئی فاطمی سپہ سالار جوہر الکاتب الصقلی قاہرہ کو ایک ایسا مستقل شہر بنا دینا چاہتا تھا جس میں فاطمی خلیفہ اپنے خدم وحشم اور عساکر کے ساتھ سکونت اختیار کر سکے' اسی وجہ سے جامع الازہر کی تعمیر کی اصل غرض وغایت مملکت کے اس صدر مقام کو عبادت گاہ فراہم کرنا تھی۔ اس کی تعمیر کا کام 24 جمادی الاول 359ھ 4 اپریل 970ء کو شروع ہوا' دو سال تک تعمیر کا کام جاری رہا' تکمیل کے فوراً بعد 7 رمضان 361ھ / 22 جون 972ء کو اس مسجد کی افتتاحی تقریب ادا کی گئی' اس کتبے کا متن جو مسجد کے قبے پر کندہ تھا اور اب مٹ چکا ہے۔ اس میں تاریخ 360ھ درج تھی اس مسجد کو اکثر جامع القاہرہ بھی کہتے تھے' کئی فاطمی خلفاء الازہر کی ترقی کے لئے کوشاں رہے انہوں نے اسے تحائف واوقاف سے مالا مال کر دیا۔ اس کی چھت بہت نیچی تھی لیکن اس کی افتتاحی تقریب کے فوراً بعد ہی کسی نامعلوم وقت میں اسے اونچا کر دیا گیا۔ فاطمی عہد میں اسماعیلی دعوت کے سلسلے میں اپنی تعلیمات کے ذریعے جامعہ الازہر ایک اہم کردار ادا کرتی رہی' اسی لئے ایوبیوں کے عہد میں جب اہل سنت وجماعت برسر اقتدار آئے تو اس جامعہ کو نقصان پہنچا' لیکن زوال پذیر ہونے کے باوجود الازہر کا وجود قائم رہا' مملوک سلاطین کے مصر میں برسر اقتدار آتے ہی صورت حال تبدیل ہوگئی'

سلطان الظاہر بیبرس کے عہد میں اس کی تعمیر و مرمت بھی کی گئی' سلطان مذکور نے 665ھ/ 1266ء میں اس میں دوبارہ خطبہ پڑھنے کی اجازت دی۔ سنی معلم رکھنے کے لئے اسک ے لئے کچھ اوقاف مخصوص کر دیئے گئے اس طرح جامع الزہر میں دوبارہ جان پڑ گئی اور وہ توانائی فراہم ہوگئی جس میں آج تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

عثمانی ترکوں کے عہد میں جب قاہرہ کی اور درسگاہیں قریب قریب ختم ہوگئیں تو اس جامعہ کو ترقی کرنے کا موقع مل گیا' بیسویں صدی کے آغاز تک یہ جامعہ اتنی بڑھ گئی کہ اسے دنیائے اسلام کی سب سے بڑی درس گاہ کا مقام حاصل ہوگیا' اب یہ اپنی مسجد کی حدود میں نہ سما سکتی تھی' لہٰذا اس نے اسلامی تعلیم کی متعدد درس گاہوں کو اپنے سے ملحق کرلیا' جامعہ الاہر قاہرہ کے مغرب میں دریائے نیل کے کنارے واقع ہے' آج کل دنیا بھر سے مسلمان یہاں عربی اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے ہیں طلباء کی تعداد دور حاضر میں تقریباً چالیس ہزار ہے اور 1500 اساتذہ یہاں تعلیم دیتے ہیں جامعہ الازہر کی سالانہ آمدنی تقریباً ایک کروڑ مصری پاؤنڈ ہے' طلباء سے یونیورسٹی کوئی فیس وصول نہیں کرتی' بلکہ ان کو درسی کتب اور رہائش بھی مفت فراہم کرتی ہے۔

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد دوم

976ء دولت غزنویہ کا قیام

دولت غزنویہ ایک ترکی الاصل شاہی خانوادہ کا نام ہے جس کا موئس امیر سبکتگین تھا جو سامانیوں کا جرنیل اور صوبیدار تھا۔ دولت غزنویہ کا دارالحکومت غزنی تھا جہاں وہ دوسو سال تک برسر اقتدار رہے۔ امیر سبکتگین امیر الپتگین سامانی کے داماد تھے۔ امیر الپتگین جو خراسان میں دولت سامانیہ کا سپہ سالار تھا' امیر ابوالیث سامانی سے خفا ہو کر بخارا سے نکل کر غزنی چلا آیا اور یہاں اس نے اپنی حکومت قائم کرلی' غزنی کابل سے 75 میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ گل کوہ پر واقع ہے۔

سبکتگین 976ء میں امیر الپتگین کی وفات کے بعد نئی سلطنت کا امیر بنا وہ اپنی وفات 997ء تک حکومت کرتا رہا' اس کے عہد کے سکوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دم آخر تک سامانیوں کی بالادستی تسلیم کرتا تھا۔ اس نے 992ء اور 995ء میں سنجوریوں کے خلاف سامانیوں کی مدد بھی کی تھی اس کے بعد سبکتگین نے پنجاب کی ہندو ریاستوں کی طرف توجہ دی' ان میں شاہو کی ریاست خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ جو ملغان کہلاتا تھا۔ ان دونوں سلطنتوں میں

باعث تنازعہ تھا اور دونوں حکومتیں اس کی دعویدار تھیں' آخر شاہو کے حکمران راجہ جے پال نے اسنزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے سلطنت غزنی پر حملہ کر دیا۔ (979ء) سبکتگین اور اس کا جواں سال بیٹا محمود تازہ دم ترکوں کے اتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے' دونوں طرف سے داد شجاعت دی جارہی تھی کہ اچانک طوفان برق و باراں نے آلیا جس سے راجہ جے پال کے لشکر کو سخت نقصان پہنچا اور دونوں فریقین کیمابین صلح ہوگئی اور راجہ جے پال دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے پر آمادہ ہوگیا' مگر جب سبکتگین نے اپنے سطراس رقم کی وصولی کے لئے ہندوستان بھیجے تو اس نے انہیں گرفتار کر کے وعدہ خلافی کی اور خراج ادا نہ کیا۔

اس کے نتیجے میں سبکتگین بجلی کی سرعت سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا باوجود کہ جے پال نے دیگر ہندو راجاؤں کو بھی مقابلے کے لئے مدد کے لئے اکٹھا کیا مگر ہندی فوجوں کو شکست ہوئی اور پشاور سے اٹک تک کا علاقہ غزنی سلطنت کا حصہ بن گیا' اس کے ساتھ غزنی کے حکمرانوں کے لئے ہندوستان کا راستہ کھل گیا۔

امیر سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود کے مابین کچھ اختلافات تھے لیکن امیر سبکتگین کے آخری عہد میں دور ہو گئے' سبکتگین نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا مگر جلد ہی محمود نے اس کی جگہ لے لی' یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ محمود غزنوی خاندان غزنویہ کا گل سرسبد تھا' اسی نے اپنے باپ کی سلطنت کو بنیاد بنا کر پنجاب کی تسخیر پر کمر باندھی اور ایک ایسی وسیع اسلامی سلطنت کی آزاد بنیاد رکھ دی جس کا آخری نتیجہ پاکستان کی آزاد اور خودمختار سلطنت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تاریخ ملت جلد سوم صفحہ 411 ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2/14 صفحہ 521

976ء ابن ابی عامر المنصور کا بطور احاجب تقرر

دسویں صدی عیسوی کے اسلامی اندلس کا مشہور و معروف حاجب قرون وسطی کے مسیحی وقائع نگاروں نے اس کا نام Al-Manzor دیا ہے' نوجوانی میں محمد بن ابی عامر کے اندر سیاسی جاہ و جلال حاصل کرنے کی امنگیں پیدا ہوئیں جو ساری زندگی اس پر غالب رہیں' قرطبہ میں تحصیل علم کے بعد وہ قاضی قرطبہ کے ماتحت معمولی کے عہدے پر فائز تھا کہ اسے خلیفہ الحکم ثانی کی ایک بشلنی

تسل کی ملکہ صبح کے بیٹے عبدالرحمن کا مہتمم جاگیر مقرر کیا گیا۔ اپنی موقع شناسی اور لیاقت سے فائدہ اٹھا کر ابن ابی عامر ملکہ کا معتمد اور ٹیکسال کا مہتمم اور خزانچی مقرر ہو گیا' اس عہدہ پر فائز ہو کر اس نے قرطبہ کے محلہ رصافہ میں اپنے لئے ایک محل خریدا اور بنو امیہ کے عمائدین میں پیش پیش ہو گیا۔ مزید آگے بڑھنے کی خواہش نے اسے عسکری عہدیداروں میں تعلقات پیدا کرنے پر مجبور کیا۔ اس وقت حالات اسکے لئے سازگار ثابت ہوئے' خلیفہ کی افواج افریقہ میں مصروف جنگ تھیں وہاں خلیفہ نے ایک مہتمم مال بھیجنے کا فیصلہ کیا اس نے اس عہدے کے لئے ابن ابی عامر کا انتخاب کیا۔ وہ اپنے نئے فرائض بڑی قابلیت سے بجالایا' اس کی واپسی افریقہ سے اس وقت ہوئی جب 976ء میں خلیفہ بحکم ثانی کی وفات ہوگئی اور اس کا نوعمر فرزند ہیٹا تخت نشین ہوا۔ نئے خلیفہ نے مصحفی کو اپنا حاجب اور ابن ابی عامر کو وزیر مقرر کیا۔ یوں وہ ایک معمولی محرر سے وزیر تک کے عہدے پر جا پہنچا لیکن اس کی جاہ طلبی ابھی بھی ختم نہ ہوئی وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح مصحفی کی جگہ خود حاجب بن جائے۔ الحکم ثانی کی وفات کے بعد عیسائیوں نے اسلامی حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کر دی تھی۔ ابن ابی عامر نے ان کی سرکوبی اور ایک معمر سر لشکر غالب کے ساتھ مل کر المصحفی کو گرانے کی کوشش کی۔ المصحفی کو آخر موقوف کر دیا گیا اور ابن ابی عامر کو حاجب مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح وہ اپنے خسر غالب کے ساتھ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا۔ مورخین کا خیال ہے کہ ابن ابی عامر کی ان کامیابیوں کے پیچھے اس کی لیاقت اور کوششوں کا ہاتھ نہ تھا بلکہ ملکہ صبح یعنی الحکم ثانی کی بیوہ جس کے بیٹے کی جاگیر کا وہ مہتمم رہا تھا اس پر بہت مہربان تھی۔

خلیفہ ہشام ثانی جو پہلے کم سن تھا اب جوان ہوتا جا رہا تھا اس کو کاروبار حکومت سے الگ رکھنے کے لئے ابن ابی عامر نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ 978ء میں قرطبہ کے نزدیک ہی ایک نیا شہر مدینہ الزہرہ تھا اس شہر میں وہ ایک گوشہ نشین کی زندگی بسر کرنے لگا اگرچہ وہ کبھی قرطبہ بھی آ جاتا مگر سلطنت میں اس کی دخل اندازی مفقود ہوتی چلی گئی دوسری طرف المنصور نے فوج کے نظام میں تبدیلی کی اور عیسائیوں کے خلاف مہمات کو از سر نو شروع کر دیا' لیون کے خلاف فوج کشی کے بعد وہ قرطبہ میں باقاعدہ ایک جلوس کی صورت میں داخل ہوا' اس کامیابی کے بعد اس نے المنصور باللہ کا لقب اختیار کیا۔

26 سال کی خود مختاری کے دوران المنصور نے کم و بیش پچاس معرکے عیسائیوں کے خلاف لڑے' ان معرکوں کے دوران اس کے کپڑوں پر جتنی گرد پڑتی تھی وہ تمام وہ جمع کرتا رہا' اس کی

وصیت کے مطابق وہ گرد اس کی قبر میں بچھا دی گئی' بہر حال المنصور کے متعلق اظہار رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے' اس کے خلاف اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ اقتدار حاصل کرنے میں کسی اخلاقی اصول کا پابند نہ تھا' دوسری طرف اس نے اپنے عہد حکومت میں ایک عظیم قوم کی اس شان کو قائم رکھا جو عبدالرحمٰن کے عہد میں قائم ہوئی تھی۔

986ء سلطان سبکتگین کا ہندوستان پر حملہ

امیر ناصرالدین سبکتگین غزنی کے حکمران الپتگین کا ایک ترک نژاد غلام تھا جبکہ امیر الپتگین خود امیر منصور بن نوح سامانی کا غلام تھا۔ الپتگین امیر منصور کی تخت نشینی سے متفق نہیں تھا اس لئے وہ خراسان سے بھاگ کر غزنی آ گیا اور یہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور اس کا نظام امیر سبکتگین کے سپرد کر دیا' الپتگین کی وفات پر امیر سبکتگین اس کا جانشین قرار پایا' حکومت سنبھالنے کے بعد امیر ناصرالدین شاہانہ عزم کے ساتھ جہاد پر کمر بستہ ہو گیا' اور ہندوستان پر حملے کرنے لگا' اسی دوران ہندوستان کے راجا جے پال نے ایک بڑے لشکر اور ہاتھیوں کے ساتھ امیر ناصرالدین پر حملہ کر دیا۔ اس نے اپنے ملک کی سرحد پر جے پال کا مقابلہ کیا' امیر محمود بن سبکتگین نے بھی اپنے باپ کے شانہ بشانہ اس جنگ میں داد شجاعت و مردانگی دی۔ رہی سہی کسر طوفان برق و باراں نے پوری کر دی جس کی وجہ سے راجہ جے پال کا لشکر جو سردی کا عادی نہ تھا عاجز آ گیا' اس کے بہت سے گھوڑے اور جانور سردی کی شدت سے مارے گئے۔ جے پال نے صلح کا دروازہ کھٹکھٹایا اور پچاس ہاتھی اور ایک خطیر رقم کی ادائیگی پر صلح پائی۔ مگر راجہ نے وعدہ خلافی کی اور مقررہ خراج ادا نہ کیا بلکہ امیر کے سفارت کاروں کو طے شدہ خراج وصول کرنے کے لئے آنے پر گرفتار کر لیا۔ یہ خبر سنتے ہی امیر سبکتگین نے بدعہد راجہ سے انتقام لینے کے ارادے سے لشکر کشی کر دی اور ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ راجہ جے پال نے ہندوستان کے دیگر راجاؤں سے مدد مانگی اور تقریباً ایک لاکھ سوار اور بہت سے ہاتھی جمع کر کے مقابلے پر آیا' پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ ان دنوں لمغان کہلاتا تھا' اس کے نواح میں دونوں فریقوں میں سخت جنگ ہوئی' امیر سبکتگین کو اس جنگ میں کامیابی و نصرت حاصل ہوئی' اور بہت سا مال غنیمت اس کے ہاتھ آیا۔ جے پال بھاگ کر پنجاب چلا گیا اور لمغان کے علاقے پر سبکتگین کا قبضہ ہو گیا' لمغان کی اس جنگ کا تمام اثر ہندوستان پر پڑا' چونکہ اس لڑائی

میں ہندوستان کے تقریباً ہر حصے اور ہر ریاست کی فوج شامل تھی۔ اس شکست کو ہندوستان کے ہر راجہ نے اپنی شکست تصور کیا جب ہزیمت خود وہ ہندوستانیوں نے اپنے اپنے وطن پہنچ کر روئداد جنگ سنائی جس سے سبکتگین کی عسکری قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا' اب سبکتگین کا حق تھا کہ وہ ہندوستان پر ایک اور جوابی حملہ کرتا' مگر اسے اس زمانے میں سامانی سلطنت کے جھگڑے سلجھانے کے لئے جانا پڑا' ان معاملات سے نپٹ کر وہ واپس غزنی نہ لوٹ سکا اور بلخ کے قریب 387ھ/997ء میں فوت ہوگیا۔ اگلے چھ ماہ اس کے بڑے بیٹے محمود کو اپنے چھوٹے بھائی اسمٰعیل سے ولی عہدی کا جھگڑا نمٹانے میں لگے' ابھی سلطان محمود اپنے ملک کی حفاظتی تدابیر سے فارغ نہ ہوا تھا کہ 391ھ/1001ء میں راجہ جے پال نے سلطنت غزنی پر تیسرا حملہ کردیا۔

آئینہ حقیقت نما' مولانا اکبر شاہ خان' ماخذ۔ طبقات اکبری جلد اول' طبقات ناصری جلد اول

986ء اخوان الصفاء کا انسائیکلوپیڈیا

چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں بصرہ میں اہل علم کی ایک ایسی جماعت موجود تھی جس کے خیالات اور رجحانات پر اسماعیلی یا معتزلیت کا رنگ غالب تھا۔ اس جماعت نے رسائل کا ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا جس میں انہوں نے اپنی جماعت کے اغراض و مقاصد سے بحث کی' اس سے پتا چلتا ہے کہ روحانیات میں حصول افادہ اور ترفع کے متعلق ان کے نظریات کیا تھے' ان رسائل جن کی تعداد 52 ہے۔ نسخہ بمبئی میں پہلے رسالے کے آغاز میں دی ہوئی فہرست نیز اس کے اختتامی اشارات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کل 52 مقالات ہیں' ان 52 مقالات نے جن کا لب ولہجہ موعظانہ' غیر ضروری طوالت' اور تکرار مضامین کے باوجود سطحی طور پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ پہلا حصہ چودہ رسائل پر مشتمل ہے جن میں علوم ریاضیات منطق کا ذکر آیا ہے۔' دوسرا حصہ سترہ رسائل پر مبنی ہے جو علوم طبیعیہ اور علم النفس پر بحث کرتے ہیں۔ تیسرے حصے میں مالعہ طبیعیات سے بحث کی گئی ہے' آخری حصہ جو گیارہ رسائل پر مشتمل ہے' تصوف' نجوم اور سحر کے بیان پر مبنی ہے۔ چوتھے حصے کے ایک مضمون میں اس جماعت کی نوعیت اور تنظیم سے بحث کی گئی ہے۔ علوم کا انتخاب (ترتیب) اسی بناء پر قائم کی گئی ہے جو ارسطو نے اختیار کی تھی اور جو فلو یونوس اور الفارابی کے ذریعے ان تک پہنچی' یہ امر اس لئے اہم ہے کہ

آگے چل کر یہود نے علوم کو جو ترتیب دی اس میں ان رسائل کا تھوڑا بہت اثر موجود رہا۔

اعدادی تصوف' اعداد تامہ اور اعداد متحابہ کے علاوہ اس انسائیکلو پیڈیا میں عددی اصطفاف بھی اختیار کیا گیا ہے' یعنی اشیا کی صف بندی باعتبار ان کے ایک ایک دو دو یا تین تین بار وقوع کے' ایسے مسائل بھی زیر بحث آتے ہیں جن کا تعلق متساوی المحیط اشکال سے ہے۔ جیسے مد و جزر' کسوف وخسوف اور زلزلوں کی توجیہ' آواز نتیجہ ہے ہوا کے ارتعاشات کا' ان مقالات میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ وہ سب آوازیں جو بیک وقت سنی جاتی ہیں اور ایک ہی وقت میں پیدا ہوتی ہیں' باہم مدغم کیوں نہیں ہو جاتیں؟ بہر حال اخوان الصفا کے خیالات کا مقصد روح اور قلب کی صفائی کے لئے ذہبی احکام میں فلسفیانہ اور توجیہی انداز پیدا کرنا تھا' اخوان الصفا کی مجالس خفیہ طور پر منعقد ہوا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگ اس جماعت کا تعلق فرقہ باطنیہ سے بتاتے ہیں' ان لوگوں کے حالات پر اسرار کا پردہ پڑا رہا تھا کیونکہ یہ اپنی جماعت کے ارکان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو اپنا ہمراز نہیں بناتے تھے' ان کے رسائل کی زبان رمزی اسلوب کی وجہ سے آسان فہم نہیں ہے ان کی تحریروں میں جا بجا یونانی' ہندی اور ایرانی فلسفیوں کی تحریروں سے اقتباسات ملتے ہیں۔

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول' ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2 معروف مسلم سائنسدان

987ء فرانس میں ایک نیا حکمران خاندان برسر اقتدار آیا

فرانس میں 639ء سے کارولنجی خاندان برسر اقتدار تھا اس خاندان کا ایک بادشاہ پیپن دوم تھا' جس نے 687ء میں اقتدار قائم کیا تھا' اس کا بیٹا چارلس مارٹل تھا جس نے جنگ تورز میں مسلمانوں کو شکست دی تھی لیکن شارلمین کے بعد سے اس خاندان کے بادشاہ دن بدن کمزور پڑتے جا رہے تھے۔ 987ء میں ایک نیا حکمران ہیو کیپے Hugh Capea برسر اقتدار آیا جس نے ایک نئے حکمران خاندان کیپے کی بنیاد رکھی' یہ خاندان 1792ء تک فرانس کے تخت و تاج کا مالک رہا اور اس خاندان کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال تک رہی۔ ہیو کیپے 14 شاہان فرانس (کیپے خاندان) میں سب سے پہلا حکمران تھا' اس کے خاندان کی جاگیریں پیرس اور اورلینز کے مضافات میں واقع تھیں۔ انہیں جاگیروں کی وجہ سے 987ء میں فرانس کی اسمبلی میں امراء نے اسے بادشاہ چنا' اسے اپنے باپ ہیو دی گریٹ سے ایکویٹین کی امارت بھی ورثے میں ملی تھی' اسی

لئے اس نے 970ء میں ایکویٹین پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی' 978ء سے 987ء تک ہیو کیپے جرمن بادشاہوں اوٹو دوم اوٹو سوم اور پوپ ایڈلبر کے اشارے پر کارولنجی خاندان کے حکمران لوتھیئر کے خلاف سازشوں میں ملوث رہا۔ 985ء میں وہ اقتدار پر قابض ہو چکا تھا' مگر اس کا انتخاب لوتھیئر کے بیٹے لوئی پنجم (87-986ء) کے مختصر عہد حکومت کے بعد عمل میں آیا' مئی 987ء میں وہ منتخب ہوا اور 5 جولائی 987ء کو اس کی رسم تاجپوشی نویون میں ادا ہوئی' پوپ ایڈلبر و کا اس کے انتخاب میں براہ راست حصہ تھا اسی نے فرانسیسی امراء کو یہ کہہ کر قائل کیا تھا کہ تاج فرانس موروثی نہیں بلکہ انتخابی ہے' اس کے علاوہ پوپ نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ آخری کارولنجی وارث تاج وتخت حکمرانی کے لائق نہیں ہے۔ ہیو کیپے کا دادا چچی اور تایا بھی شاہان فرانس تھے اور ان کا کارولنجی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا' کارولنجی خاندان کا یہ وارث تخت چارلس آف یورین تھا' جو بعدازاں ہیو کیپے کے عہد میں بغاوتیں کر رہا تھا' 993ء میں ایک ناکام سازش کے تحت ہیو کیپے اور اس کے بیٹے رابرٹ کو جرمن بادشاہ اوٹو سوم کے حوالے کر دیا جاتا مگر عین وقت پر سازش بے نقاب ہوگئی' یہ واقعہ نئے نئے برسر اقتدار انے والے کیپے خاندان کی کمزوری ظاہر کرتا ہے کیونکہ اس سازش کے کسی مجرم کو سازش پکڑے جانے کے باوجود سزا نہ ہوئی دوسری ہیو کیپے کا تاج صرف اس کے دشمنوں کی غیر ہم آہنگی کی وجہ سے بچ گیا ورنہ آج فرانس کی تاریخ کچھ اور ہوتی' ہیو کیپے نے اپنے بیٹے کی تخت نشینی کو یقینی بنانے کے لئے 987ء ہی میں کرسمس کے موقع پر اس کی تاجپوشی کی۔

ہیو کیپے محققین کے مطابق فرانس میں پہنے جانے والے ایک مذہبی لبادے کا نام ہے جس کے ساتھ ٹوپی بھی شامل ہوتی ہے پہلے حکمران ہیو کو کلیسا میں ایک مذہبی عہدہ بھی حاصل تھا اور وہ یہ لبادہ بھی پہنتا تھا' اسی وجہ سے یہ اس کا خاندانی لقب بن گیا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد 6 ماخذ۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد دوم

991ء خلیفہ القادر باللہ

خلیفہ الطائع للہ کی معزولی کے بعد جس شخص کا نام خلافت کے لئے نکلا وہ الطائع کا ابن عم القادر باللہ ابو العباس احمد بن اسحٰق بن المقتدر تھا' اپنی نامزدگی کے وقت وہ بغداد میں موجود نہ تھا' اسے بلوایا گیا اور وہ دس رمضان المبارک 381ھ / نومبر 991ء میں مسند خلافت پر بیٹھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی ''تاریخ خلفاء میں خطیب بغدادی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ القادر باللہ نہایت دیانتدار اور ماہر سیاست حکمران تھا' اس کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ تہجد کبھی قضا نہ کرتا تھا۔ خلفا بنی عباس میں یہ پہلا حکمران تھا جس نے تصنیف و تالیف پر بھی توجہ کی اور ایک کتاب ''فضائل صحابہ'' تکفیر معتزلہ و قائلین خلق قرآن ''لکھی جو ہر جمعہ کو جامع مسجد بغداد میں لوگوں کو پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔

سنہ اجلوس کے ماہ شوال میں ایک عظیم الشان مجلس منعقد کی گئی جس میں قادر باللہ اور بہاؤ الدولہ نے ایک دوسرے کے ساتھ حلف وفاداری لیا جس کے بعد قادر باللہ نے سوائے اپنی حرم سراء کے تمام امور مملکت بہاالدولہ کے سپرد کر دیئے۔

اسی سال والی مکہ ابوالفتوح الحسن بن جعفر علوی نے لوگوں سے اپنی بیعت لی اور راشد باللہ کا لقب اختیار کیا' مکہ معظمہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی گئی اور یہاں سے مصر کے فاطمی خلفاء کا اقتدار رخصت ہوا مگر بہت جلد ابوالفتوح کے اقتدار میں اختلال اور ضعف رونما ہوا اور مصری اقتدار پھر سے بحال ہو گیا اور عزیز عبیدی والی مکہ بن گیا۔

القادر باللہ اپنے سارے عہد حکومت میں جو بہت طویل تھا بہاالدولہ اور دیگر امراء بغداد کے زیر اثر رہا' اس دوران صرف ایک مرتبہ اس نے اپنی خودارادیت کا ثبوت دیا اور وہ یوں کہ جب بہا الدولہ نے 394ھ میں ایک شیعہ عالم شریف ابواحمد و حسین بن موسیٰ موسوی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا اور سنی قاضی القضاۃ کو اس کے عہدے سے علیحدہ کرنا چاہا تو خلیفہ قادر باللہ نے اس تقرری کو منظور نہ کیا اور بہاالدولہ کی یہ تجویز ناکام ہو گئی' شیعوں کے لئے ان کا ایک علیحدہ قاضی ''نقیب'' کا خطاب دے کر مقرر کر دیا گیا۔

398ء میں بغداد میں شیعہ سنی فساد برپا ہوا' اس فساد نے اتنا طول کھینچا کہ شیخ الحامد الفرائنی کے قتل کا اندیشہ ہو گیا قادر باللہ نے بڑی کوشش سے اس فساد کو رفع کیا اور جو سپاہ خاص اس کی وفادار تھی اس کو بھیج کر شیعوں کی سرکوبی کی۔

القادر باللہ نے ذوالحجہ 422ھ/دسمبر 1031ء میں بعمر ستاسی سال وفات پائی' اس ذکر بحیثیت مصنف چند رسائل دینیات بھی کیا جاتا ہے۔ اس خلیفہ کے عہد میں تخت غزنی پر محمود غزنوی حکمران ہوا۔

ماخذ۔ تاریخ الخلفاء علامہ السیوطی۔ تاریخ ملت جلد دوم' دائرہ المعارف الاسلامیہ جلد 1/16

995ء شام پر باسل دوم کا حملہ

فاطمی خلیفہ العزیز باللہ دسمبر 975ء میں مسند خلافت پر بیٹھا' وہ بنو فاطمہ کا پہلا حکمران تھا جس کی حکومت مصر سے شروع ہوئی' العزیز کا دور حکومت دراصل تعیش و تنعم کا دور تھا۔ داخلی طور پر دولت کی فراوانی ہونے کی وجہ سے مصر کی اقتصادیات میں جان پڑ گئی تھی۔ العزیز کی خارجہ پالیسی درحقیقت صرف شام ہی پر مرکوز تھی' اس کی خارجہ حکمت عملی کا مقصد جنوبی اور مشرقی شام میں اپنے قبضے کو مضبوط کرنا اور بعد میں حلب کی امارت کو ہتھیانا تھا۔ اس طرح بازنطینی اور عباسی مفادات کو نقصان پہنچا کر اپنی مملکت توسیع کرنا تھا' دمشق میں ترک التگین نے بغداد سے آ کر 974ء میں حکومت سنبھال لی تھی' اور خلافت عباسیہ کا اعلان کر دیا تھا۔ العزیز باللہ نے دمشق کو اس عباسی ترک سے واپسی لینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا' 976ء میں اس نے اپنے مشہور سپہ سالار جوہر کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی' دو ماہ تک دمشق کے قریب لڑائی جاری رہی لیکن اس کے بعد التگین کے اتحادی قرامطہ اس کی مدد کو آ پہنچے تو جوہر کو پسپا ہونا پڑا اور مجبوراً اس نے صلح کی گفت و شنید کی اور دمشق سے عسقلان تک کا علاقہ التگین کو واپس کر دیا' اس کی پوزیشن اتنی کمزور تھی کہ 978ء میں صلح کے بعد اسے ایک تلوار اور ایک بھالے کے نیچے سے جو قلعے کے دروازے کے اوپر لٹکا دیئے گئے تھے گزرنے کی ذلت اٹھانا پڑی اس واقعے کا خلیفہ العزیز باللہ نے بڑا اثر لیا اور اس نے بذات خود التگین کے خلاف چڑھائی کر کے اگست 978 میں ہی اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا' مگر قرامطہ کو ہٹانے کے لئے اسے خراج دینا پڑا' ادھر خلاف توقع وہ التگین سے کمال رعایت کے ساتھ پیش آیا' اسے اس کے ترکوں سمیت دربار میں ملازمت دی گئی اور ہر قسم کے اعزاز سے نوازا گیا مگر وہ بہت جلد زہر خورانی سے ہلاک ہو گیا۔

اس کے باوجود دمشق خلیفہ کے قبضے سے نکل گیا' حلب کی امارت بازنطینی سلطنت کی باجگزار تھی جب 983ء میں فاطمی سپہ سالار بکجور حلب کی طرف بڑھا تو بطوز نطینی سپہ سالار برفو کاس فلپ کی مدد کے لئے آ پہنچا' العزیز اس کے بعد بھی حلب کی فتح کی باقاعدہ تدبیریں کرتا رہا لیکن چونکہ بونطینی اپنے باجگزار امیر حلب کو مدد دیتے رہے' اس لئے کبھی کامیابی نہ ہوئی۔ 994ء میں فاطمیوں نے حلب پر قبضہ کرنے کی دوبارہ کوشش کی' دو ماہ محاصرہ جاری رہا مگر بعد میں اٹھا لیا گیا'

ستمبر 994ء میں ایک بار پھر محاصرہ کیا گیا جو مئی 995ء تک جاری رہا' اس مرتبہ بازنطینی شہنشاہ باسل ثانی بذات خود بعجلت فوج لے کر حملہ آور ہوا اور اس نے فاطمیوں سے حلب کو بچالیا مگر وہ طرابلس پر قابض نہ ہوسکا' العزیز نے لڑائی کو تیز تر کردینے کا فیصلہ کیا' 996ء میں خلیفہ نے خود میدان میں قیصر کے خلاف اترنے کا فیصلہ کیا اور شام کی طرف روانہ ہوگیا مگر راستے میں بیمار ہوکر اکتوبر 996ء میں بلبیس کے مقام پر وفات پائی۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 13' برٹانیکا جلد اول

998ء محمود غزنوی' شاہ افغانستان کی ترک تازیاں

امیر نوح سامانی شاہ بخارا کے خلاف اس کے چند امراء نے بغاوت کردی اس نے امیر سبکتگین سے ان حالات میں مدد مانگی' امیر نے اپنے جواں سال فرزند محمود کو اس کی مدد کے لئے بھیجا' اس موقع پر محمود نے ایسی بہادری کا ثبوت دیا کہ امیر نوح نے اور عنایات کے علاوہ اسے ''سیف الدولہ'' کے خطاب سے نوازا اور صوبہ خراسان کی سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کردیا۔

شعبان 387ھ اگست 997ء میں امیر سبکتگین کی وفات ہوگئی' اس نے اپنے دوسرے بیٹے اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کیا' مگر محمود نے ربیع الاول 588ھ مارچ 998 میں اسماعیل کو شکست دے کر غزنی کے تاج وتخت پر قبضہ کرلیا' امیر نوح شاہ بخارا سامانی کو اطلاع ہوئی تو اس نے محمود غزنوی کو غزنی کا فرمانروا تو تسلیم کرلیا مگر صوبہ خراسان کی سپہ سالاری کا عہدہ کسی دوسرے کو دے دیا' جس کے نتیجے میں محمود غزنوی نے امیر بخارا کی فوج کو شکست دے کر خراسان پر قبضہ کرلیا اور اپنی کامیابی کی اطلاع خلیفہ بغداد القادر باللہ کو دی' خلیفہ بغداد جو اس عہد میں تمام مملکت اسلامیہ کا مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا جاتا تھا' اس نے ان تمام صوبوں کا جو محمود نے بزور شمشیر فتح کئے تھے' محمود کو فرمانروا تسلیم کرلیا اور ''یمین الدولہ اور امین الملۃ'' کے خطاب بھی عطا کئے' 999ء میں ایلک خان نے بخارا کو فتح کر کے سامانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ کردیا اب محمود غزنوی جو امیر سبکتگین کی طرح پہلے سامانی سلطنت کی بالادستی کو تسلیم کرتا تھا اب ایک آزاد مملکت کا فرمانبردار بن گیا' محمود غزنوی نے بخارا کے نئے حکمران ایلک خان کی مملکت کو تسلیم کر کے آئندہ کے جھگڑوں سے بچنے کے لئے دونوں نے دریائے صیحوں کو دونوں سلطنتوں کے مابین حد فاصل تسلیم کرلیا۔

سیستان کے امیر خلف بن احمد نے ایلک خان کو محمود کے خلاف اکسایا' محمود کو اس کی خبر ہوگئی اس نے پیش بندی کے طور پر سیستان پر حملہ کر دیا' خلف نے اب بڑی لجاجت سے صلح کی درخواست کی جو محمود نے قبول کر لی اور واپس غزنی لوٹ گیا' اس کے بعد خلف اور اس کے بیٹے طاہر میں خانہ جنگی شروع ہوگئی' جس میں بیٹا مارا گیا' اس پر سیستان کے امراء خلف کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے محمود کو بلا کر سیستان کا بادشاہ تسلیم کر لیا' اس طرح محمود کی مملکت میں ایک صوبہ کے اضافہ ہو گیا۔

986ء میں پنجاب کے حکمران راجہ جے پال نے غزنی پر حملہ کیا تھا' اب محمود کو راجہ کے خلاف اس لئے لڑنا پڑا کہ وہ سبکتگین کی وفات کے بعد سے پشاور جلال آباد تک کے علاقے کو واپس لینے کے لئے کوشاں تھا۔ محمود نے 391ھ/1000ء میں جلال آباد اور پشاور کے علاقے میں چند قلع فتح کر لئے اگلے سال 1001ء میں وہ جے پال سے لڑنے کے لئے غزنی سے فوج لے کر نکلا' جے پال کو جب اس فوج کشی کی اطلاع ہوئی تو وہ ویہند سے کوچ کر کے پشاور کے قریب آ گیا' 8 محرم 392ھ/27 نومبر 1001ء کو دونوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی اور وہ خود اپنے 15 بیٹوں اور پوتوں سمیت گرفتار کر لیا گیا' یہاں سے محمود نے راجہ کی راج دھانی ویہند (ھنڈ) کا رخ کیا اور اس کے گردونواح کا علاقہ فتح کر کے غزنی واپس ہو گیا' جے پال نے کثیر زر فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی مگر وہ گرفتار ہونے کی ذلت کو برداشت نہ کر سکا اور 1002ء میں حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کر کے خود آگ میں جل کر مر گیا۔

395ھ/اکتوبر 1004ء میں محمود نے بہاول پور کے نزدیک ''بھاطیہ'' نام کے مقام پر حملہ کیا' یہاں کا راجہ بچے رائے ملتان کے قرامطی حکمرانوں کی مدد کیا کرتا تھا' شکست کھا کر بھاگا مگر گھیر لیا گیا' اس راجہ نے بھی گرفتاری کی ذلت سے بچنے کے لئے خود کو کٹار مار کر ہلاک کر لیا' سلطان محمود بھاطیہ فتح کر کے واپس غزنی چلا گیا۔

ملتان کا قرامطی حکمران' ابوالفتح داود بن نصر تھا۔ اس زمانے میں قرامطی دنیائے اسلام کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے جنہیں ختم کرنا عین الجہاد تھا۔ محمود نے سندھ اور ملتان کے علاقے سے قرامطیوں کی بیخ کنی کرنے کے لئے 396ھ/1006ء میں ان کے خلاف لشکر لے کر نکلا۔ ملتان کے نزدیک دریائے سندھ کو عبور کرنا بہت مشکل تھا' محمود نے اپنی فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو پشاور کے قریب سے عبور کرنا چاہا تو اس علاقے کا راجہ آنند پال مزاحم ہوا۔ محمود نے اسے شکست دی' وہ بھاگ کر کشمیر میں پناہ گزین ہوا۔ اب سلطان نے ملتان کا رخ کیا' داود کو جب

سلطان کے حملے کی خبر ہوئی تو وہ بھاگ گیا۔ اس کی فوج نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی' سلطان نے ملتان کی حکومت قرامطیوں سے چھین کر سکھپال کے سپرد کر دی جو شاید راجہ جے پال کا نواسہ تھا۔ مگر دسمبر 1007ء میں جب محمود بخارا کے امیر ایلک خان سے نبرد آزما تھا سکھپال نے بغاوت کر دی۔ محمود نے انتہائی سرد موسم کے باوجود اس کے خلاف کارروائی کی۔ ادھر ایلک خان نے 1006ء میں خراسان پر قبضہ کر لیا' محمود نے ملتان سے واپس لوٹ کر خراسان پر دوبارہ قبضہ کر لیا ایلک خان خاموش بیٹھنے والا نہیں تھا جب تک زندہ رہا (1013ء) محمود کو اس کے خلاف بھی لڑنا پڑا۔

پنجاب اب آنند پال کے قبضے میں تھا' اس نے سلطان محمود کی روز افزوں طاقت کو روکنے کے لئے شمالی ہند کے راجاؤں کو دعوت دی' سلطان نے دسمبر 1008ء سے اکتوبر 1009ء تک اس کے خلاف کارروائیاں کیں' آخر راجہ نے سلطان سے صلح کر لی' اور خراج دینا قبول کیا' آنند پال نے 1011ء کے قریب وفات پائی اس کا بیٹا ترلوچن پال اور اس کی جگہ حکمران بنا' اگرچہ اس کی حکومت صرف کوہستان نمک تک محدود تھی مگر اس سے سازش کا خطرہ تھا' اس لئے محمود نے 1014ء میں اس کے دارالحکومت نندنہ پر حملہ کیا ترلوچن پال نے بھاگ کر کشمیر میں پناہ لی۔

افغانستان میں غور ایک ایسا علاقہ تھا جو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ تھا اس کے سرحدی علاقے مسلمان حکمرانوں کے قبضے میں تھے جبکہ اندرونی حصے ابھی تک بالکل آزاد تھے۔ مشرقی غور کا حکمران ابن سوری سبکتگین کی اطاعت قبول کر چکا تھا مگر اس کی وفات کے بعد اس نے خودسری اختیار کی اور رہزنی شروع کر دی۔ 401ھ 1011ء میں سلطان محمود نے مشرقی غور پر حملہ کیا اور سخت جنگ کے بعد وہاں کے دارالسلطنت آہنگراں پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد شمالی مغربی کو فتح کرنے کے لئے اپنے بیٹے مسعود کو بھیجا' اسی سال ایلک خان کی سازش سے والی قصدار (بلوچستان) نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی جسے دسمبر 1011ء میں فتح کر لیا گیا۔ 1014ء میں سلطان نے ترلوچن پال کو جو کشمیر کے راجہ کی فوج لے کر آ رہا تھا جہلم کے قریب شکست دے کر بھگا دیا۔

اب سلطان محمود دریائے جمنا کی طرف بڑھا اور تھانیسر پر حملہ آور ہوا' یہ شہر ہندوؤں کا متبرک مقام سمجھا جاتا تھا سلطان کے آنے کی خبر سن کر وہاں کا راجہ بھی بھاگ گیا اور یہ شہر بلا مقابلہ فتح ہو گیا' تھانیسر کی مشہور مورتی چکر سوامی کو سلطان اپنے ساتھ غزنین لے گیا۔ وسط ایشیا میں خوارزم پر بھی سلطان نے دو مرتبہ لشکر کشی کی اور وہاں آلتون طاش نامی امیر کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔

ہندوستان میں جمنا تک کا علاقہ اب سلطان کے قبضہ میں تھا' پچھلی جنگ میں قنوج کے راجہ نے آنند پال کی مدد کی تھی' اب سلطان نے قنوج کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کرلیا' اس مہم کے دوران دیگر بہت سے قلعوں کے علاوہ متھرا کا مضبوط قلعہ بھی بغیر جنگ کے فتح ہوگیا' 8 شعبان 409ھ 20 دسمبر 1018ء کو سلطان قنوج پہنچا تو وہاں کا راجہ جے پال بھاگ گیا۔ سلطان نے قنوج فتح کیا اور غزنی واپس چلا گیا۔ واپسی کے سفر میں دریائے سندھ اور غزنی کے درمیان علاقے میں افغانوں نے سلطان کے لشکر کو بہت نقصان پہنچایا' سلطان نے بھی غزنی پہنچ کر ان کے خلاف کارروائی کی' 410ھ 1019ء میں سلطان ایک بار پھر ہندوستان آیا' اس مرتبہ کالنجر کے راجہ گنڈا سنگھ کے خلاف کارروائی کرنا مقصود تھی' راجہ نے قنوج کے راجہ کو تخت سے اتار کر سلطان کے خوف سے بھاگ جانے کا الزام لگایا تھا' راجہ گنڈا ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ سلطان کے مقابلے پر آیا' اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر سلطان بارگاہ ایزدی سے طالب امداد ہوا' باوجود بہت بڑے لشکر کے راجہ گنڈا اسی رات سلطان کے خوف سے بھاگ اٹھا اور سلطان بے اندازہ مال غنیمت کے ساتھ واپس غزنی ہوا۔ 1022ء میں سلطان نے پاکستان کے شمال مغربی علاقے کافرستان پر لشکر کشی کی 1022ء میں سلطان نے گنڈا راجا کی سرتابیوں کے خلاف ایک بار پھر کارروائی کی' راجہ سلطان سے صلح کا طالب ہوا' متعدد وجوہات کی بناء پر سلطان کی ہندوستان میں آخری مہمات گجرات کاٹھیا واڑ کے خلاف تھیں' ان دنوں سومنات اور کچھ بحری قزاقی کے اڈے یہاں بنے ہوئے تھے۔ گجرات کا راجہ مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتا تھا' سلطان نے گجرات جانے کے لئے راجپوتانے اور سومنات کی راہ اختیار کی' سلطان سومنات کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرتا اگر سومنات سے اسے گزرنے دیتے۔ جنوری 1026ء میں سلطان سومنات پہنچا اور شدید جنگ کے بعد اسے فتح کرلیا۔ 1027ء میں سلطان نے ان جاٹوں کے خلاف کارروائی کی جنہوں نے سومنات سے واپسی پر سلطان کے لشکر کو نقصان پہنچایا تھا۔

1029ء میں سلطان اگرچہ موسمی بخار سے علیل تھا مگر رے کے حکمران مجد الدولہ کی اپیل پر اس کی مدد کو رے پہنچا۔ رے ان دنوں قرامطیوں اور باطنیوں کا مرکز بنا ہوا تھا' سلطان نے ان کا بھی قلع قمع کیا سلطان کی زندگی کا آخری کارنامہ یہ ہے سلطان جاٹوں کے خلاف مہم کے بعد سے بیمار تھا' اس حالت میں بھی سلطان خراساں سے سلجوقیوں کو نکالا جو وہاں نقص امن کا باعث تھے' اس آخری مہم سے واپسی پر اپریل 1030ء میں ایک ہفتے کی مزید علالت کے بعد 23 ربیع آخر

30 اپریل 1030ء کو سلطان نے 63 سال کی عمر میں انتقال کیا۔

سلطان محمود غزنوی کو دنیا کے مشہور فاتحوں میں شمار کیا جاتا ہے' اس کے عسکری کارنامے زمانہ حال کے فوجی مبصروں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ سلطان کی یہ خوبی تھی کہ جہاں اور جس مہم پر بھی گیا' فتح مند رہا۔ سومنات کی مہم اس کی زندگی کی کٹھن ترین مہم تھی' اس مہم کے دوران سلطان نے راجپوتانے کے لق ودق صحرا میں اتنے بڑے لشکر کے ساتھ سفر کیا صحرا میں اس زمانے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان سے آج کی جدید سہولتوں کے ساتھ نبرد آزما ہونا بھی مشکل ہے۔ بہر حال محمود غزنوی کے عسکری کارنامے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

1000ء لیف ایرکسن شمالی امریکا میں

دسویں صدی عیسوی میں آئس لینڈ پر وائکنگ بستیاں آباد ہو چکی تھیں' ناروے کے کسان اور ماہی گیران بستیوں میں آباد تھا۔ آئس لینڈ کے ان وائیکنگ آبادکاروں میں ایک کا نام ''ایرک دی ریڈ'' تھا' ایرک دی ایڈ سے ایک جھگڑے میں دو اشخاص قتل ہو گئے' جس کی وجہ سے اسے تین سال کے لئے اور جلاوطن اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا' مایوسی کے عالم میں ایرک دی ریڈ کو اس سرزمین کا خیال آیا جسے مغرب کی سمت میں تقریباً 300 کلومیٹر کے فاصلے پر وائیکنگ ملاحوں نے اپنی کشتیوں سے دیکھا تھا' ایرک دی ریڈ کے نزدیک یہ سرزمین اس ے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی جہاں وہ آئس لینڈ اور ناروے کے انصاف وقانون سے بچ سکتا تھا' اس نے اپنی کشتی پر سوار ہو کر بحر اوقیانوس میں اس سمت میں سفر شروع کر دیا جس طرف ملاحوں کو وہ اجنبی سرزمین دکھائی دی تھی کچھ ہی دنوں بعد ایک دن اسے صبح کے دھندلکوں میں ایک سرزمین کی سطح سمندر سے ابھرتی دکھائی دی وہ اس اجنبی سرزمین پر لنگر انداز ہو گیا اور اس نے اپنی جلاوطنی کے تین سال اس جزیرے کے مطالعہ میں صرف کر دیئے' پھر اس نے اس سرزمین کا نام گرین لینڈ رکھا جو جزیرے کے حالات کے برعکس تھا۔ کیونکہ جزیرے پر برف زیادہ دکھائی دیتی تھی۔

اسی ایرک دی ریڈ کا ایک بیٹا لیف ایرکس نامی تھا جو بعد ازاں گرین لینڈ میں آباد ہو گیا' ان دنوں وائیکنگ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے دور تک نکل جاتے تھے۔ لیف ایرکس نے اپنے باپ کی طرح کچھ ملاحوں سے ان کے سمندر میں بھٹکنے کی عجیب وغریب کہانی سنی

جس میں وہ ایک اور اجنبی سرزمین پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیف نے بھی اس سرزمین کو تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور وہ گرین لینڈ سے اپنی کشتی میں سوار ہو کر چلا۔ مغرب کی طرف سفر کرتے کرتے اسے کئی دنوں کے سفر کے بعد ایک دن اسے وہ عجیب و غریب سرزمین دکھائی دی لیکن وہ وہاں لنگر انداز نہ ہوا بلکہ واپس لوٹ آیا۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ ایک بڑی کشتی میں دوبارہ اس سرزمین پر اترا۔ یہ جگہ خلیج فار بشر کینیڈا میں واقع تھی جہاں اس نے نئی دنیا میں کولمبس سے صدیوں پہلے قیام کیا' بعد ازاں اس کے یہاں قیام کرنے کے نشانات بھی ملے۔

1010ء شاہنامہ فردوسی کی تکمیل

ایران کا عظیم ترین شاعر جس نے ''شاہنامہ'' میں ایران قدیم کی پاستانی تاریخ نظم کر کے اس کی ہزاروں سالہ تاریخی عظمت گذشتہ کو نمایاں کیا' فردوسی ہے' اس کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ شاہنامہ کے عربی ترجمے میں اس کا نام حسن بن منصور دیا گیا' فردوسی کا سن ولادت کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔ البتہ شاہنامہ کی تکمیل کا سال 1010ء حتمی طور پر طے ہے۔ محققین کے مطابق فردوسی پچیس سال تک شاہنامہ لکھنے میں مصروف رہا' بالآخر اسے مکمل کر دیا۔ شاہنامہ میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی' حقیقت یہ ہے کہ اس نے کلام کو آسمان علیین تک پہنچا دیا۔

شاہنامہ کے اشعار دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک رات فردوسی تنہا باغ میں بیٹھا ہوا تھا' نیند کے انتظار میں اس نے آنکھیں بند کر لیں' کچھ وحشت سی ہوئی تو بیدار ہو کر اس نے اپنی بیوی کو آواز دی اور چراغ لانے کا کہا وہ چراغ لے کر آئی تو فارسی نژاد ہونے کی وجہ سے اس نے فردوسی کو کہا کہ وہ اسے دفتر پاستان سے ایک کہانی سناتی ہے۔ جو رزم و بزم اور فریب و محبت سے لبریز ہے' اس کہانی کو سن کر تمہیں آسمان کی نیرنگ سازیوں پر تعجب ہوگا' فردوسی نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا کہ وہ اس داستان کو سن کر اسے نظم کا جامہ پہنچا دے گا۔ اس تمہید کے بعد اس نے جو داستان سنائی یہ ''یہ بیژن و منیژہ'' کی داستان تھی۔ فردوسی نے پھر امیر منصور بن نوح سامانی کے بیٹے نوح بن منصور کے کہنے پر شپ نامہ قرطاس پر مکمل کرنا شروع کیا لیکن اسے مکمل نہ کر سکا' مگر دقیقی کے گر شاشپ نامے سے فردوسی نے استفادہ کیا' شاہنامہ کے لکھنے کے دوران ہی سلطنت محمود غزنوی کی تخت نشینی بعد فردوسی نے غزنی کا رخ کیا تا کہ اسے سلطان کی صورت میں ایک اچھا سرپرست میسر

آ جائے۔ 65 سے 71 سال کی عمر تک وہ مستقل طور پر غزنی میں مقیم رہا' اس دوران وہ مختلف وقفوں میں شاہنامے سے اقتباسات سلطان کی نذر کرتا رہا۔ شاہنامہ کے اختتام پر بعض وجوہ کی بناء پر سلطان نے فردوسی سے ناروا سلوک کیا' شاید حاسدین کی بدخوئی کی وجہ سے سلطان نے وہ انعام واکرام اسے نہ دیا جس کا مستحق تھا یہ بات فردوسی کے غم واندوہ کا موجب بنی۔ نظامی عروضی کے مطابق سلطان نے صرف بیس ہزار درہم اسے دے کر ٹال دیا' فردوسی نے اس رقم سے ایک حمام میں غسل کیا اور سلطان کی انعام میں دی گئی رقم کو تقسیم کر دیا' تذکرہ نویسوں کے مطابق اس کے بعد فردوسی نے سلطان محمود کی ہجو لکھی اور غزنیں سے غائب ہو گیا اس سلسلے میں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ محمود کے جود سخا سے جہاں بہت سے اہل علم فیضیاب تھے وہاں سلطان کا ہاتھ فردوسی کے معاملے میں رکا تو اس کی کچھ وجوہات بھی ہوں گی' بہر حال فردوسی کا شاہنامہ فارسی زبان میں رزمیہ شاعری کا بہترین شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے' مولانا شبلی نے اسے انسائیکلو پیڈیا قدیم ایران قرار دیا ہے شاہنامہ درحقیقت پیش دادی' کیانی' اشکانی اور سامانی حکمران خاندانوں کی منظوم تاریخ ہے' اس میں قبل از اسلام کے ایران کے سیاسی عروج وزوال کی مکمل تصویر پیش کی ہے' شاہنامہ کا پہلا ایڈیشن برٹش میوزیم میں محفوظ ہے' شاہنامہ پچیس سال میں مکمل ہوا۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 15 ماخذ۔ اردو ادب نامہ ایران' مرزا مقبول بیگ بدشانی

1013ء خلیفہ ہشام کی گمشدگی اور سلیمان المستعین کی خلافت

آخری اموی خلیفہ ہشام المؤید قرطبہ میں ایک بربری بغاوت کے بعد روپوش ہو گیا' اس کے متعلق بعد ازاں پتہ نہ لگا کہ وہ کہاں گیا یہ بالکل ویسے ہی لاپتہ ہو گیا جیسے مسلمانوں کو فتح ہسپانیہ کے وقت وزگاتھ حکمران راڈرک کا پتہ نہ لگ سکا تھا۔ ہشام کے بعد سلیمان المستعین 402ھ / 1011ء میں خلیفہ بنا' اس وقت خلافت قرطبہ حدود سمٹ چکی تھیں اور صرف پانچ بڑے شہر اس خلافت میں شامل تھے۔ یعنی قرطبہ' اشبیلیہ' لبلہ' اکشنویہ اور باجہ' باقی تمام مملکت میں عرب اور بربر والیوں نے خودسری اور خودمختاری اختیار کر لیا اور ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا' سلیمان طبعی طور پر عادل' نرم مزاج اور علم کا قدردان تھا' جو اشعار اس سے منسوب کئے جاتے ہیں ان سے اس کی ذہانت اور عالی دماغی کا ثبوت ملتا ہے' باوجود اس کے کہ تخت پر سلیمان بیٹھ گیا مگر خطبے میں

ہشام ہی کا نام لیا جاتا۔ کیوں کہ اس کی لاش تو کسی نے دیکھی نہ تھی' اسی وجہ سے اسے زندہ سمجھا جاتا' قرطبہ کے لوگ سلیمان کی بر جبر تخت نشینی اور قتل و غارت کی وجہ سے اس سے دلی ناراضگی بھی رکھتے تھے اور کسی انتقام لینے والے کے منتظر رہتے تھے۔

علی بن حمود اور یسی جو سبتہ اور طنجہ کا حاکم تھا خیران حاکم المریہ اور زادی حاکم غرناطہ نے سلیمان پر چڑھائی کر دی' سلیمان نے جو فوج اس کے مقابلے پر بھیجی وہ لڑنے کی بجائے بھاگنے لگی' ان کے سپہ سالار نے المستعین کو لکھا کہ اگر آپ فتح چاہتے ہیں تو خود میدان میں سپہ سالار بن کر اتریں' سلیمان مستعد ہو گیا' لیکن جب وہ لڑائی کے میدان کے قریب پہنچا تو اسے ایک خچر پر سوار کر کے دشمن کے حوالے کر دیا گیا۔

22 محرم 407ھ یکم جولائی 1016ء کو اتوار کے دن علی بن حمود اور اس کے ساتھی قرطبہ میں داخل ہو گئے' خیران جو خلیفہ ہشام المعید کا خیر خواہ تھا اسے خلیفہ کی تلاش ہوئی مگر خلیفہ نہ ملا تو علی کو خوشی ہوئی' دوسری طرف جب سلیمان سے خلیفہ ہشام کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ انتقال کر گیا علی نے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے اس پر سلیمان نے قبر کی نشاندہی کی' قبر کھودی گئی تو لاش نکال کر خلیفہ کے ایک نوکر سے پوچھا گیا کہ کیا یہی تمہارے آقا تھے؟ اگرچہ یہ لاش کسی اور کی تھی مگر نوکر نے بھی مصلحتاً اقرار کر لیا' اس طرح خلیفہ کے خیر خواہ خیران صقلبی کی تسلی ہو گئی اور اب انہیں علی بن حمود اور یسی کے بادشاہ بننے پر کوئی عذر نہ رہا' علی بن حمود اور یسی 1016ء میں تخت قرطبہ پر بیٹھا' اس نے امویوں کی بہت سی رسوم کو ہٹا کر مشرقی طریقوں کو رائج کیا' ادھر مرکزی حکومت کے کمزور پڑنے کی وجہ سے بربروں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا ہوا تھا' اس لئے علی بن حمود نے ملک میں امن عامہ بحال کرنے کے لئے فوری انصاف مہیا کیا مگر اسے بھی صرف دو سال حکومت کرنا نصیب ہوئی۔

تاریخ ہسپانیہ' نصیر احمد ناصر۔ ماخذ۔ عبرت نامہ اندلس' ڈوزی۔ دائرہ المعارف اسلامیہ

1016ء انگلستان میں شاہ کینیوٹ کی تاجپوشی

انگلستان جزیروں کا مجموعہ ہے' اس لئے آج کے زمانے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ملک ہمیشہ بیرونی یلغاروں سے محفوظ و مامون رہا ہے مگر ایسا نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے یہ تحفظ نارمن فتح (1066ء) کے بعد نصیب ہوا۔ اس سے پہلے یہ جزائر صدیوں تک سمندر سے آنے والے حملہ

آوروں کی زد میں رہے' یہ حملہ آور زیادہ تر سیکنڈے نیویا Scandinavia سے آتے تھے اور وائی کنگز کہلاتے تھے یہ لوگ بہادر مگر بے رحم تھے اکثر یہاں لوٹ مار کرتے اور یہاں کے باشندوں کو قتل کر کے واپس لوٹ جاتے تھے۔ انہی لوگوں نے اس زمانے میں یونان سے برطانیہ تک تمام بندرگاہیں تباہ کر ڈالیں تھیں انگریزی لفظ وائی کے لفظی معنی جنگجو کے ہیں' ان جنگجو لوگوں میں ڈنمارک کے لوگ سب سے زیادہ کامیاب تھے' ڈنمارک کا گیارہویں صدی عیسوی کا بادشاہ سوین فورک بیرڈ اور اس کا بیٹا کینیوٹ CANUTE دو عظیم جنگجو تھے جنہوں نے انگلستان کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔

1013ء میں ایتھلریڈ دی ان ریڈی ETHELRED THE UNREADY ویسکس کا بادشاہ بنا وہ برطانیہ میں سیکسن حکومت کا آخری بادشاہ تھا' اب ڈینش اثر یہاں پھیل رہا تھا چونکہ ایتھلریڈ ایک کمزور اور بزدل بادشاہ ثابت ہوا اس لئے اس کے عہد میں ملک دوبارہ وائی کنگز کے حملوں کا شکار ہو گیا' شاہ ایتھلریڈ نے کوشش کی کہ ڈین گلڈ کے روایتی معاہدے کے تحت حملہ آوروں کو خراج کی رقم ادا کر کے ان سے جان چھڑا لے مگر بے سود' اس نے دوسری کوشش یہ کی کہ سفارتی طور پر اپنی طاقت بڑھانے کے لئے نارمنڈی کے ڈیوک رچرڈ کی بہن ایما سے شادی کر لی لیکن اس کی حیثیت تو مضبوط نہ ہو سکی مگر اسے ایک خوبصورت بیوی ضرور مل گئی۔ ایما کو اس کے حسن کی وجہ سے نارمنڈی کا سچا موتی کہا جاتا تھا۔

انہی دنوں ڈنمارک کا شاہ سوین انگلستان کی سرزمین پر لنگر انداز ہوا اور اس نے وہاں کے تاج و تخت کا دعویٰ کیا' ایتھلریڈ اپنی بیوی کے ساتھ نارمنڈی کی طرف بھاگ نکلا اور معمولی مزاحمت کے بعد سوین نے ملک فتح کر لیا۔

لیکن شاہ سوین کی عمر نے وفا نہ کی اور اپنی فتح کے چند ہفتوں بعد وہ مر گیا' اس کا بیٹا کینیوٹ جو اس کے ساتھ تھا انیس سال کی عمر میں انگلستان کا بادشاہ بن گیا' اس کا شمار انگلستان کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا ہے تاہم شاہ سوین کے اچانک مرنے کی وجہ سے انگلستان والوں کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے ایتھلریڈ کو دوبارہ واپس آ کر حکومت سنبھالنے کی دعوت دی مگر وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا اور اس کے بیٹے ایڈمنڈ آئرن سائڈ نے اس کی جانشینی سنبھال لی' لندن اور ملک کے کئی دوسرے حصوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا لیکن شمالی علاقوں میں زیادہ تر ڈینز آباد تھے' اس لئے وہ حصہ کینیوٹ کے ساتھ رہا۔ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اس لئے آخر 1016ء میں دونوں میں شدید جنگ جس کے بعد مملکت کی تقسیم پر معاہدہ طے پا گیا' ایڈمنڈ اس معاہدے کے فوراً بعد

چل بسا اور کینیوٹ کو تمام سلطنت کا بادشاہ منتخب کرلیا' اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی' انگریزی تاریخ میں کینیوٹ کا نام اس لئے بھی اہم ہے کہ اس نے ملک کو قوانین کا ایک مکمل نظام عطا کیا۔

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ماخذ۔ 100 عظیم بادشاہ اور جان کیننگ۔

1018ء ابن الہیثم کا نظریہ انعطاف نور

بطلیموس کے بعد دنیا کا پہلا ماہر بصریات جس نے انعطاف' انکاس' دوچشمی نظارے' عدسوں کی تمسیک یا فوکس کرنے کا عمل' قوس قزاح' شلجمی اور کروی ائینوں' ہوائی کروں کے انعطاف اور زمینی افق کے قریب سیاروں کے حجم بڑے نظر انے کے بارے میں نظریات پیش کئے' وہ دنیا کا پہلا شخص تھا جس نے بصارت یا دید کے عمل کی تفصیلی اور درست وضاحت کی اور بتایا کہ روشنی نظر آنے والے اجسام کی جانب سے دیکھنے والی آنکھ کی سمت میں سفر کرتی ہے' آنکھ سے اجسام کی جانب نہیں۔ یہ مسلمان ماہر بصریات ابن الہیثم تھا جس کا پورا نام ابوعلی' الحسن ابن الحسن البصری' المصری ہے' لاطینی میں اسے Alhazen کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' وہ بصرہ میں 965ء میں پیدا ہوا اور قاہرہ میں اس نے 1039ء میں وفات پائی۔

اس عہد میں مسلمان مختلف مذہبی فرقوں میں بٹ چکے تھے اور مکاتب فکر کی بھرمار تھی' ابن الہیثم کو ان باتوں سے بہت الجھن ہوتی تھی' وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ تمام مذہبی الجھاؤ وشکوک وشبہات کم علمی کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں' اسکا خیال تھا کہ سچائی میں انتشار ممکن نہیں' فرقوں سے بالاتر ہوکر اس نے اپنی زندگی کو حصول وترسیل علم کے لئے وقف کرلیا اور وہ عراق سے فاطمی مصر چلا گیا۔ کہتے ہیں فاطمی خلیفہ الحاکم امر اللہ نے اسے مصر آنے کی دعوت دی تھی' مصر آ کر اس نے خلیفہ کو اس امر کی پیش کش کی کہ وہ نیل کے بہاؤ پر قابو پا کر مصر کو سیلابوں کے نقصانات سے بچا سکتا ہے لیکن اسوان کے قریب دریائے نیل کا معائنہ کر کے کسی وجہ سے اسے یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا' اس پر اسے بے حد خجالت ہوئی۔ بایں ہمہ خلیفہ نے کئی محکمے اس کے سپرد کردیئے جہاں وہ اپنی مرضی کے بجائے خلیفہ کے ڈر سے مجبوراً کام کرتا رہا' اس نے خلیفہ کے ان کاموں سے بچنے کے لئے یہ بہانہ بھی کیا کہ اس کے دماغ میں فتور ہے تا آنکہ خلیفہ الحاکم امر اللہ کا انتقال ہوگیا۔ جس کے بعد وہ ریاضی اور بعض دوسرے علوم میں اپنی تصنیفات

کی بدولت گزر اوقات کرتا رہا۔ آخر اس نے 1039ء میں وفات پائی جیسا کہ اس کے تراجم میں مذکور ہے کہ علم ہیئت میں اپنی مہارت کے باعث وہ بطلیموس ثانی کہلایا' مورخین نے اس کی تقریباً دوسو تصنیفات کا ذکر کیا ہے جو اس نے ریاضیات' ہیئت' طبیعیات' فلسفہ اور طب میں تصنیف کیں مگر اس کی سب سے اہم تصنیف ''کتاب المناظری'' OPTICS مانی جاتی ہے اس کتاب کا لاطینی ترجمہ 1572ء میں باسل کے F.Risnes نے کیا تھا' اسی کتاب میں دوسرے بصری نظریات کے ساتھ ابن الہیثم نے اپنا نظریہ انعطاف نور پیش کیا ہے' یعنی جب روشنی کی شعاع کسی خاص کثافت کے واسطے سے کسی مختلف کثافت کے واسطے میں پہنچتی ہے تو وہ اپنی اصل سمت سے جھک جاتی ہے' اسی طرح اس نے انعکاس نور کی وضاحت یہ کی کہ جب کسی جسم پر روشنی پڑتی ہے تو وہ جسم اس روشنی کو متعین سمتوں میں واپس بھیج دیتا ہے' ابن الہیثم کے یہ نظریات زمانہ جدید کی کئی اہم بصری ایجادات اور دریافتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئے جیسے کیمرہ' دوربین وغیرہ۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد 1 ماخذ۔

دنیا کے عظیم سائنسدان' معروف مسلم سائنسدان، اردو سائنس بورڈ۔

1021ء فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کا غائب ہو جانا

27 شوال 411ھ 13 فروری 1021ء کو مقطم پہاڑی کی اس سطح مرتفع پر جو حلوان کو جاتی ہے' رات کے وقت سیر کرتے ہوئے خلیفہ حاکم بامر اللہ سیر کرتا ہوا اپنے دو درباریوں سے آگے نکل گیا جو اس کے ساتھ تھے انہیں خلیفہ نے اپنا انتظار کرنے کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے دوبارہ خلیفہ کو نہیں دیکھا اور وہ انتظار کر کے اگلی صبح محل واپس چلے گئے۔ خلیفہ کو تلاش کیا گیا پانچ دن بعد اس کے صرف کپڑے پائے گئے جو خنجر کی ضربوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے' اس فاطمی خلیفہ کی زندگی بھی بڑی پراسرار تھی اسی طرح اس کا انجام بھی غیر معمولی ہوا' اور شاید کوئی تاریخ دان بھی اس کے اس طرح غائب ہونے کی گتھی کو نہ سلجھا سکا' ایک ممکن روایت کے مطابق اسے شاید اس کی بہن ''ست ملک'' کی انگیخت پر قتل کر دیا گیا جس کے ساتھ اس کی چپقلش چلی آتی تھی۔ ست ملک نے اسے غائب ہونے سے کچھ دن پہلے اس کی فضول خرچی پر ملامت کی تھی خلیفہ نے اسے جواب میں کہا تھا کہ وہ اپنے خاندان کو خطرے میں ڈال رہی ہے اس خوف سے کہ کہیں وہ خود موت کے

گھاٹ نہ اتار دی جائے اس نے پہل کرتے ہوئے خلیفہ کا صفایا کروا دیا۔

بہر کیف مورخ الحاکم کی شخصیت کو ایک معما قرار دیتے ہیں یہ چھٹا فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ ابو علی منصور بن العزیز جو اپنی انتہا پسندیوں' اپنے ظلم و تشدد اپنی سزاؤں' اپنے دعویٰ الوصیت اور اپنے پراسرار خاتمے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کی شخصیت کا صحیح تصور کرنا مشکل ہے اس نے اپنے عہد میں کئی ایسے اقدام کئے جو بہت ہی عجیب بلکہ نا قابل توجیہہ ہیں' انہی اقدامات کی وجہ سے اس کا کردار تضادات سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔

الحاکم قاہرہ میں 23 ربیع الاول 375ھ 13 اگست 985ء کو پیدا ہوا' اپنے والد کی وفات پر صرف ساڑھے گیارہ برس کی عمر میں 996ء میں تخت خلافت پر متمکن ہوا' اس کے والد کی وصیت کے مطابق برجوان نامی ایک خواجہ سرا کمسن خلیفہ کا ولی مقرر ہوا' اپریل 1000ء تک برجوان اقتدار پر قابض رہا' الحاکم نے جس کی شخصیت اب ظاہر ہونے لگی تھی' برجوان کی اتالیقی کو تکلیف دہ محسوس کیا برجوان اسے محفل میں نظر بند رکھتا تھا اور توہین آمیز ناموں سے پکارنے لگا تھا' اس لئے اس نے ایک غلام ربدان کے ہاتھوں اسے قتل کروا دیا اور اقتدار پر خود قابض ہو گیا۔ اس پہلے قتل سے اس کے خون آشام میلانات کا پتہ چلتا ہے جن کا بعد میں اس کے بیشتر وزراء اور معززین کو شکار ہونا پڑا' اب الحاکم ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا وہ صرف اپنے نفس اور خواہشات کی اطاعت کرتا خواہ وہ اچھی ہوں یا بری۔ نہایت غیر معمولی اور غیر مقبول احکامات جاری کرتا پھر بعد میں ان میں تخفیف یا منسوخی بھی کر دی جاتی۔ اپنے عہد کے آخر میں اسے جنون ہو گیا تھا۔ اس کے ان غیر معمولی احکامات کی مختصر فہرست مندرجہ ذیل درج ہے۔ 1003ء میں شراب کی ممانعت کی گئی اور مٹکے توڑنے کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔ 1006ء میں شراب کی ایک نئی ممانعت کی گئی 1010ء میں عوام میں اس کے استعمال کی مکمل بندش لگا دی گئی۔

1003ء ہی میں 13 افراد گرفتار کئے گئے جن کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے الضحیٰ کی نماز ادا کی تھی جس کی 370ھ 970ء میں حکومت نے ممانعت کر دی تھی۔ 1009ء میں اس نماز کی ادائیگی کی اجازت دوبارہ دے دی گئی' فجر کی اذان میں ''حی علی خیر العمل کی بجائے سنی مسلک کے مطابق ''الصلوۃ خیر من النوم'' کہنے کی اجازت دی گئی اور رمضان شریف میں تراویح پڑھنے کی اجازت بھی دی گئی مگر 1012ء میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا اور صلوۃ الضحیٰ اور صلوۃ التراویح کی بھی ممانعت کر دی گئی' انہی حکمت عملیوں کی وجہ سے شیعہ سنی فسادات

شروع ہو گئے۔

مویشیوں کو عید الاضحیٰ کے دن کے سوا ذبح کرنے کی بھی ممانعت کی گئی یہ شاید زراعت کے لئے انہیں محفوظ کرنے کے لئے تھی۔ خلیفہ کے ایک اور حکم کے مطابق مملکت میں موجود تمام آوارہ کتوں کو ہلاک کرنے کے احکامات بھی جاری کئے گئے اور شطرنج جیسے کھیل کی بھی ممانعت کر دی گئی' 399ھ میں الحاکم نے اپنی ماں' اپنی بہن اور بیویوں کے مقبوضات بھی ضبط کر لیئے۔

ان احکامات کی خلاف ورزی پر بعض اوقات موت کی سزا بھی دی جاتی۔ الحاکم خوف و دہشت پیدا کرنے کی غرض سے پھانسی برسر اعام دینے کا دلدادہ تھا' ان وزراء اعلیٰ افسروں اور عام افراد کی خاص تعداد ہے جنہیں الحاکم نے موت کے گھاٹ اتروایا۔ وہ ان لوگوں کو انعامات سے لاد دیتا تھا جنہیں وہ جلد یا بدیر پھانسی دینے والا ہوتا' ان وجوہ کے پیش نظر مصر کی پوری آبادی الحاکم سے بہت خوفزدہ تھی' اس کے انتہائی ظالمانہ افعال میں سے ایک شہنشاہ نیرو کی طرح ایک پورے شہر کو نذر آتش کرنا بھی شامل ہے' اس نے مارچ 1020ء میں الفسطاط کو نذر آتش کرنے کا انتقامی فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ اس نے اس لئے کیا کہ وہاں کے چند موعظین نے اس کے خلاف توہین آمیز بیانات اور اسلام کو مکمل طور پر ترک کرنے کے الزامات لگائے تھے' اور وہ القطم کی پہاڑی سے الفسطاط کے جلنے کے مناظر دیکھ کر شہنشاہ نیرو ہی کی طرح محفوظ ہوتا رہا۔

1023ء ابن حزم وزیر منتخب ہوا

ابن حزم' ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم' گیارہویں صدی کا ایک اندلسی فاضل جسے کئی علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی' مشہور عالم دین' مورخ اور ایک ممتاز شاعر 30 رمضان 382ھ 7 نومبر 994ء کو قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ المنصور حاجب اور اس کے بیٹے المظفر کا وزیر تھا' اپنا سلسلہ یزید بن ابی سفیان کے ایک ایرانی مولیٰ سے ملاتا تھا۔ ایک اعلیٰ حکومتی عہدیدار کا بیٹا ہونے کی وجہ ابن حزم نے بڑی اعلیٰ تعلیم پائی' بنو عامر کا تختہ جس انقلاب نے الٹا اس نے ابن حزم اور اس کے باپ کی زندگی پر بھی نمایاں اثر ڈالا' چنانچہ جب ہشام ثانی کو دوبارہ تخت پر بٹھایا گیا۔ 400ھ 1010ء تو ان دونوں کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ابن حزم نے قرطبہ کی سکونت ترک کر دی (1014ء) کیونکہ خانہ جنگی کے دوران یہ شہر شدید

آفتوں کا شکار رہا۔ المریہ میں سکونت اختیار کی مگر ابن حمود نے اسے پہلے قید رکھا اور پھر جلاوطن کر دیا' اب اس نے حصن القصر کی راہ لی وہاں کا والی بڑے لطف و کرم سے پیش آیا لیکن چند ماہ بعد خبر آئی کہ عبدالرحمٰن البرابع کو بلنسیہ میں خلیفہ تسلیم کر لیا گیا ہے' ابن حزم سمندر کے راستے بلنسیہ روانہ ہو گیا۔ جہاں اس کی ملاقات اپنے کئی دوستوں سے ہوئی' اب وہ عبدالرحمٰن کی فوج میں شامل ہو کر غرناطہ کے محاذ پر لڑا' اور دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا مگر جلد ہی رہا کر دیا گیا۔ 6 سال کی غیر حاضری کے بعد اب وہ شوال 409ھ 1019ء میں قرطبہ واپس آیا' اس وقت وہاں قاسم بن حمود خلیفہ تھا' اس کی معزولی کے بعد عبدالرحمٰن الخامس جیسا عالم اور روشن ضمیر بادشاہ کا انتخاب ہوا اور رمضان 414ھ دسمبر 1023ء میں اس نے اپنے دوست ابن حزم کو وزیر منتخب کیا' لیکن یہ دونوں اس نئی صورتحال سے صرف چند روز لطف اندوز ہو سکے' اس لئے کہ عبدالرحمٰن کو صرف سات ہفتے بعد قتل کر دیا گیا' (جنوری 1024ء) اب ابن حزم کو وزارت سے ہاتھ دھونے کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر قید خانہ کا منہ دیکھنا پڑا' مورخین لکھتے ہیں کہ وہ کب تک قید رہا معلوم نہیں لیکن 1027ء میں شاطبہ میں مقیم تھا' ایک بار وہ پھر ہشام المعتد کے عہد میں منصب وزارت پر فائز ہوا' ابن حزم کی آخری عمر کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اب اس نے سیاست سے عملاً کنارہ کشی کر لی تھی اور اپنا سارا وقت تصنیف و تالیف نیز اپنے عقائد کی تبلیغ میں صرف کرتا تھا اب ابن حزم نے اپنے آپ کو ہمہ تن علمی زندگی کے لئے وقف کر دیا' اس کی تصانیف میں مندرجہ ذیل بہت اہم ہیں ''الفصل فی الملل والدہواء والنحل'' یہ اسلامی اور غیر اسلامی فرقوں پر عربی زبان میں قدیم ترین کتاب ہے۔ پروفیسر نے اس کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں کر دیا ہے ''کتاب المحلی'' فقہ پر ہے اور گیارہ جلدوں میں چھپ چکی ہے ''جمہرۃ الانساب العرب'' اور ''طوق الحمامہ بہت اچھی ہیں۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 1 ماخذ۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد 1

1025ء محمود غزنوی کا سومناتھ پر حملہ

سومناتھ بھارت کا ایک قدیم شہر جو کاٹھیا وارڈ کے جنوبی ساحل پر واقع ایک خلیج کے مشرقی سرے پر 20 درجہ 53 دقیقے طویل بلند شمالی پر واقع ہے' یہ قدیم زمانے سے برہمنوں کی عبادت گاہ چلا آتا تھا' اس شہر کے ایک بت خانے یا مندر میں سونے کے بت رکھے تھے۔ سب سے بڑے بت کو لنگم یا سومنات کہتے تھے' سلطان محمود غزنوی کے تھانیسر اور متھرا فتح کرنے کے بعد یہاں کے بہت سے برہمن سومنات میں پناہ گزین ہوئے اور گجرات کے راجہ کی سرپرستی میں مختلف قسم کی سازشی کارروائیوں میں ملوث تھے۔ دوسری طرف سندھ' فارس اور گجرات کے ملاحدین قرامطہ بھی وہیں اکٹھے ہو گئے' جیسے کہ مشہور ہے کہ سومنات میں ایک مشہور بت خانہ تھا مگر یہاں یہ امر حیران کن ہے کہ چینی سیاحوں سمیت کسی سیاح نے اس ذکر نہیں کیا تھا۔

ادھر برہمنوں نے پورے ہندوستان میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ سومنات کا بڑا بت تھا' تھانیسر اور متھرا کے بتوں سے ناراض تھا اس لئے اس نے محمود غزنوی کو ان بتوں کے توڑنے کی اجازت دی تھی اور محمود کو اس کے اس کارنامے پر کوئی گزند نہیں پہنچائی تھی' لیکن اب اگر محمود نے سومنات پر حملہ کیا تو لنگم چشم زدن میں محمود کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گا۔ کیونکہ وہ ہندوستان کے تمام بتوں کا بادشاہ ہے' اور سمندر بھی مقرر اوقات میں اس کے دربار میں حاضر ہو کر عبادت کرتا ہے' اصل سومناتھ کا مندر ساحل گجرات پر واقع تھا اور سمندر میں مدو جزر کے وقت پانی مندر کی دیواروں سے ٹکراتا تھا جسے ہندو پانی کی عبادت کا عمل قرار دیتے تھے۔ اس طرح سومنات میں ایک زبردست جنگی طاقت اکٹھی ہو گئی اور اس سازشی مرکز کے خلاف سلطان کے لئے عسکری کارروائی ناگزیر ہو گئی۔ سلطان محمود غزنوی شعبان 415ھ 1024ء میں لشکر کے ساتھ سومنات پر حملہ کے لئے نکلا' 15 رمضان کو ملتان پہنچا۔ ملتان سے سلطان نے گجرات کی راہ لی' راہ میں راجستھان کا صحرائی علاقہ تھا جسے عبور کرنے کے لئے سلطان نے ملتان سے بیس ہزار اونٹوں پر پانی لاد کر ساتھ لیا' سلطان کے تھلواڑہ' دارالسلطنت گجرات پہنچنے پر گجرات کا راجہ بے حد حیران ہوا اور سراسیمہ ہو کر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سلطان نے اس شہر سے کوئی تعرض نہ کیا اور یہاں سے سیدھا سومنات روانہ ہوا' جب سلطان سومنات کی فصیل کے نیچے پہنچا تو سومنات کے باسیوں نے سلطان کو فصیل پر سے کہا کہ تم کو تمہاری موت یہاں کھینچ کر لائی ہے جواب میں محمود نے اپنے تیر اندازوں کو تیر

اندازی کرنے کا حکم دیا۔ سومنات میں دس ہزار کے قریب مسلح فوج موجود تھی۔ گردونواح کے راجاؤں نے سومنات کو بچانے کے لئے 40 ہزار کے قریب اپنی افواج بھیجیں۔ سلطان سومنات والوں سے برسرپیکار تھا کہ عقب سے یہ فوج حملہ آور ہوئی' اور سلطان کا لشکر گھر گیا' سلطان نے خدا سے مدد طلب کی اور فوج کو دو حصوں میں منقسم کر کے ایک حصہ کو سومناتھ والوں کے ساتھ مصروف جنگ رکھا اور دوسرے کو متحدہ راجاؤں کی افواج سے مقابلے پر متعین کیا' سومناتھ والے بڑی بے جگری سے لڑے مگر امدادی لشکر تھوڑے دیر میں شکست کھا کر بھاگ اٹھا اس فتح کے ساتھ ہی اہالیان شہر بھی ہمت ہار گئے اور محمود غزنوی کی افواج شہر میں داخل ہو گئیں' پانچ ہزار راجپوت جنگجو اس جنگ میں کام آئے باقی سمندر کی راہ کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگ اٹھے' محمود غزنوی نے شہر میں داخل ہو کر بت کو توڑا' اس کے دو ٹکڑے غزنی اور وہاں سے ایک مکہ مکرمہ اور ایک مدینہ منورہ بھجوائے مگر شہر میں عام فاتحین کی طرف قتل و غارت اور لوٹ مار کا حکم نہ دیا بلکہ اہالیان شہر کے ساتھ نہایت محبت اور رعایت کا سلوک کیا' مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان گجرات میں مستقل سکونت کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور انہلو اڑا یا ہزوالا کو اپنا دارالحکومت بنانے پر آمادہ تھا۔

تاریخ فرشتہ' طبقات ناصری' ماخذ = طبقات اکبری' آئینہ حقیقت نما' دائرہ المعارف اسلامیہ جلد

1031ء خلیفہ القائم بامر اللہ کی مسند نشینی

ابو جعفر عبداللہ بن قادر باللہ بدر الدجیٰ نامی کنیز کے بطن سے تھا جو ارمنی النسل تھی' قادر باللہ کی وصیت کے مطابق ذی الحجہ 422ھ 1031ء میں اس کے ہاتھ پر اراکین سلطنت نے بیعت کی' تخت نشینی کے وقت خلیفہ کی عمر 31 سال تھی۔

اس کے عہد میں نظام حکومت آل یزید کے جلال الدولہ کے ہاتھ میں تھا' یہ ایک غیر منتظم حکمران تھا اور اس کی فوج تک کو باقاعدگی سے تنخواہ تک نہ ملتی تھی فوج اس سے باغی ہو گئی اور جلال الدولہ نے راہ فرار اختیار کی اور عکبرا میں مقیم ہوا' جب کوئی اور اس عہدے پر کام کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا تو ایک بار پھر جلال الدولہ کو واپس لایا گیا۔

خلیفہ القائم بامر اللہ کے عہد میں آخر آل بویہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور سلجوقیوں نے ان کی جگہ سنبھال لی۔ 22 رمضان 447ھ 15 دسمبر 1055ء کو سلجوقی سردار طغرل بیگ کا خطبہ سرکاری

طور پر پڑھا گیا اور 25 رمضان کو وہ شاہانہ انداز میں بغداد میں داخل ہوا بظاہر خلیفہ بغداد کے ایک مطیع و فرمانبردار کی حیثیت سے مگر اصلاً خلیفہ کے اوپر حاکم اور فرمانروا کی حیثیت سے' چنانچہ کچھ عرصہ بعد خلیفہ نے اسے 1058ء میں منصب سلطانی اور ''ملک المشرق والمغرب'' کا اعزازی خطاب عطا کیا اور اس کے سر پر تاج رکھا اور عمامہ باندھا۔

طغرل کی تاجپوشی کے دوسرے سال ماہ ذیقعد 450ھ دسمبر 1058ء میں ترک سپہ سالار بساسیری نے خلفا بنو فاطمہ کے نام پر بغداد پر قبضہ کرلیا اور بغداد کی تمام مساجد میں فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور اس کی خلافت کا اعلان کردیا بساسیری کی دعوت و تبلیغ بنو فاطمیہ سے اکثر لوگ متاثر ہوئے ان میں طغرل بیگ کا بھائی ابراہیم حاکم حمدان بھی شامل تھا۔ دوسری طرف خلیفہ عباسی نے بساسیری کی ناشائستہ حرکات سے بچنے کے لئے عقیلی حکمران قریش بن بدران کے ہاں پناہ لی' طغرل بیگ کو خبر لگی تو اس کی سرکوبی کے لئے نکلا بساسیری طغرل کی فوج کے حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے 451ھ 1059ء میں مارا گیا اور القائم بامر اللہ کے نام کا خطبہ دوبارہ جاری ہوگیا بغداد آتے ہوئے طغرل نے امام اہل سنت ابوبکر احمد بن محمد کو جو ابن فورک کے نام سے مشہور تھا' خلافت مآب کو قریش بن بدر کے ہاں سے واپس لینے بھیجا' چنانچہ 452ھ 1060ء میں خلیفہ اور طغرل بیگ دونوں بغداد میں دوبارہ داخل ہوئے' طغرل نے بصد عزت و احترام خلیفہ کو تخت خلافت پر متمکن کیا' اس واقعہ کے بعد خلیفہ مصلے پر ہی سونے لگا اور اس کی حیثیت سلجوقوں کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہ رہی۔ طغرل بیگ اور اس کے جانشین ہمیشہ اس سے احترام سے پیش آتے رہے' القائم بامر اللہ نے شعبان 467ھ اپریل 1075ء میں وفات پائی۔

تاریخ ملت جلد دوم' دائرہ المعارف جلد 1/16 ماخذ

1039ء سید علی ہجویری کی لاہور آمد

کہتے ہیں جس دن لاہور میں شیخ حسین زنجانی نے وفات پائی اسی دن ایک مرد کامل لاہور پہنچا اس کا نام شیخ علی ہجویریؒ کنیت ابوالحسن تھی وہ غزنی کے محلے جلاب شہر کا رہنے والا تھا جو ہجویر نامی مضافاتی بستی میں واقع تھا۔ آج یہ مرد کامل لاہور کی عظیم ترین روحانی شخصیت ہے اور داتا گنج بخش ہجویری کے نام سے جانے جاتے ہیں داتا صاحب کا خاندان علم و تقویٰ سے متصف تھا' آپ کے

ماموں کا لقب ''تاج الاولیا'' تھا آپ کے والد کا نام سید عثمان تھا۔

داتا صاحب قیام لاہور کے زمانے میں اپنے وسیع علم و فضل کے باوجود بچوں کو پڑھایا کرتے تھے' نیز آپ کی وفات کے متعلق دو افسانوی روایات ''ثمرات القدس'' میں مراد بن اکبر کے بخشی لال بیگ نے دی تھیں' اسی طرح دارالشکوہ اپنی تصنیف ''سفینۃ الاولیا'' میں لکھتا ہے کہ داتا صاحب نے غزنی میں ایک مسجد بنوائی اور اس کی سمت قبلہ پر اعتراض سن کر لوگوں کو از راہ کرامت کعبۃ اللہ کا مشاہدہ کرا دیا۔ کچھ ایسا ہی واقعہ ان سے لاہور میں بھی منسوب ہے۔

علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد داتا صاحب علوم باطنی کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے اور شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی کے ہاتھ پر بیعت کی' جو حضرت خضری کے مرید تھے' اور وہ حضرت شیخ شبلی کے مرید تھے اور وہ حضرت جنید بغداد کے۔

قدیم زمانے میں صوفیاء کرام کا دستور تھا کہ تزکیہ نفس اور روحانی ترقیوں کے لئے سیر و سیاحت کرتے تھے' حضرت داتا گنج بخش بھی مختلف مسلم ممالک مثلاً خراسان' ماوراء النہر' شام' بغداد' طبرستان اور ترکستان وغیرہ کی سیاحت کی بہت سے درویشوں سے ملے اور بہت سی برگزیدہ ہستیوں سے استفادہ کیا' سیاحت کرتے ہوئے ہی آپؒ اپنے پیر و مرشد کے حکم پر لاہور تشریف لائے' شیخ حسین زنجانی آپ کے پیر بھائی تھے صبح کو ان کا جنازہ نکلا اسی شب آپ لاہور تشریف لائے۔

آپ کی مشہور تصنیف کشف المحجوب کے علاوہ لاہور کی زندگی کے متعلق حضرت داتا صاحبؒ کی دوسری کتاب ''کشف الاسرار'' ہے' کشف الاسرار میں آپ نے لاہور کے کریم اللہ نامی شخص کا ذکر بھی کیا ہے جو دنیا کی ناپائیداری کے ضمن میں آتا ہے۔

اکثر تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ نے 465ھ 1072ء میں لاہور میں اس جہان فانی سے سفر آخرت فرمایا۔ یہی تاریخ وصال آپ کے مقبرہ پر بھی رقم ہے' آپ بہت بڑے روحانی بزرگ تھے' ہمیشہ ذکر و فکر' مراقبہ و محاسبہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے' آپ کے روحانی مرتبہ و مدارج کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شہنشاہ ہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی نے آپ کے مزار اقدس پر چلہ کھینچا تھا' جب حضرت خواجہ معین الدینؒ یہاں سے رخصت ہونے لگے تو مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔ جو آج بھی زبان خلق پر عام ہے۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل' کاملاں را رہنما

بعد کے زمانے میں سلطان ابراہیم غزنوی اور سلطان التمش نے اپنے ہاتھ سے قران لکھ کر آپؒ کے مزار پر رکھوائے۔ آپ کی روحانی تصرفات کا یہ ایک عجیب کرشمہ تھا کہ سکھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بھی جب کوئی اچھا نسخہ قران ہاتھ آتا تو وہ اسے آپ کے مزار کی نذر کر دیتا۔

1040ء میکبتھ اور ڈنکن کا قتل

شیکسپیئر کے ڈرامے میکبتھ میں میکبتھ اپنے خون آلود ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہتا ہے ''اف کیسا گھناؤنا منظر ہے؟'' لیڈی میکتھ اسے کہتی ہے کہ تمہارا یہ خیال احمقانہ ہے کے اسے گھناؤنا کہہ رہے ہو' میکبتھ جواب دیتا ہے کہ ''مجھے یوں سنائی دیا جیسے کوئی سوتے سوتے ہنس پڑا تھا اور اس کے ساتھی نے چیخ ماری تھی ''خون ہو گیا خون!'' یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو جگا رہے ہوں' میں چپ چاپ کھڑا ان کی باتیں سنتا رہا لیکن جلد ہی مجھے معلوم ہوا کہ وہ محض سوتے وقت کی دعا مانگ رہے تھے اور دعا مانگ کر دوبارہ سو گئے۔

لیڈی میکتھ کہتی ہے کہ ڈنگن کے ساتھ والے کمرے میں دو آدمی سوئے ہوئے ہیں' یہ منظر شیکسپیئر کے مشہور زمانہ ڈرامے ''میکتھ'' میں ہے' اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ ڈنکن اپنے ایک قریبی عزیز امیر میکتھ کے ہاں ایک رات قیام کرتا ہے میکتھ اسکاٹ لینڈ کا ایک سردار ہے جو غلط حوصلے کا شکار ہو کر اپنی بہادر بیوی لیڈی میکتھ کی مدد سے اپنے ہی گھر میں ڈنکن کو قتل کر دیتا ہے' بادشاہ کے بیٹے میلکم اور ڈونلبین Malcolm,Donalbain فرار ہو جاتے ہیں' اور وہ خود بادشاہ بن جاتا ہے' اپنے دشمنوں کو ختم کرنے کے لئے اب اسے مظالم پر مظالم ڈھانے پڑتے ہیں۔ اس سے ملک میں بدامنی پھیل جاتی ہے اور کئی جاگیردار فرار ہو کر انگلینڈ پہنچ جاتے ہیں' وہاں سے بادشاہ کے بڑے بیٹے میلکم کی قیادت میں فوج لاتے ہیں اور میکبتھ ان سے لڑتا ہوا مارا جاتا ہے گیارہویں صدی کا اسکاٹ لینڈ شیکسپیئر کے اسی ڈرامے کا منظر پیش کرتا ہے' اس زمانے میں اسکاٹ لینڈ میں سیاسی بدعنوانیاں عام نظر آتی ہیں' شیکسپیئر نے اپنے اس کھیل میں اسی صورتحال کو پیش کیا ہے' لیکن ذرا مختلف انداز میں۔ ڈنکن جب اسکاٹ لینڈ کے تخت پر بیٹھا تو اسے ناروے مین اور نارتھمبر کے لوگوں سے پے در پے شکستیں اٹھانا پڑی تھیں' 1040ء میں انگلینڈ پر ایک ناکام حملے کے بعد خود اسکاٹ لینڈ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی' اسکاٹوں کے ایک امیر میکتھ کا بھی اسکاٹ لینڈ کے تخت پر دعویٰ

تھا وہ بادشاہ ڈنکن کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا ہے' لیکن میکتھ کو شیکسپیئر نے جہاں قتل کے جرم کا شکار ایک نفسیاتی مریض دکھایا ہے جو خود سے جنگ میں مصروف نظر آتا ہے وہیں تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اسکاٹ لینڈ میں میکتھ کا دور استحکام کا دور تھا' امن و استحکام کے قیام کے سلسلے میں خود ڈنکن کے چچازاد ارل آف کیتھ نیس نے اس کی مدد کی' اس زمانے میں اسکاٹ لینڈ میں تمام کلٹی النسل Celts لوگ آباد تھے' میکتھ کی تخت نشینی بھی انگلستانی مآثرات کے خلاف ایک عمل کے طور پر وجود میں آئی تھی' انجام کار میکتھ کو ڈنکن کے بیٹے مالکم نے 1057ء میں قتل کر کے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لیا اور تاج و تخت کو اس غاصب کے قبضے سے آزاد کرایا'' وہ خود مالکم دوم کے نام سے اسکاٹ لینڈ پر حکومت کرنے لگا۔

ماخذ۔ میکتھ' شیکسپیئر' تاریخ ادب انگریزی صفحہ نمبر 186 ڈاکٹر محمد احسن فاروقی۔ 1000 Great Events.

1040ء مسعود غزنوی کی شکست اور قتل

ابوسعید' مسعود بن محمود' سلطان محمود غزنوی کا سب سے بڑا بیٹا تھا' سلطان محمود نے اسے اپنا ولی عہد اور جانشین قرار دیا' 411ھ 1020ء میں اس نے اپنے باپ کے حکم پر غور کے خلاف ایک جنگی مہم کی قیادت کی اور اس کے شمال مغربی حصے کو زیر کر لیا' اس کے کچھ عرصے بعد سلطان محمود اس سے ناراض ہو گیا اور وہ معتوب ٹھہرا' اسے قید کر کے ملتان بھیج دیا گیا' لیکن جلد ہی اس کا باپ اس سے راضی ہو گیا اور اسے دوبارہ غزنی بلوا کر ہرات کا صوبیدار بنا دیا گیا' جب 1029ء میں رے کا صوبہ فتح ہوا تو سلطان محمود نے اس صوبہ کو بھی مسعود کے زیر فرمان کر دیا' مسعود نے اصفہان اور ہمدان کو بویہی خاندان کے حکمران علاء الدولہ بن کاکویہ سے 421ھ 1030ء کے آغاز میں فتح کر کے اپنے صوبے میں شامل کر لئے۔ اپنے باپ کی وفات پر جب مسعود کو اطلاع ملی کہ اس کا چھوٹا بھائی ابواحمد محمد تخت نشین ہو گیا' مسعود تخت کے دعویدار کے حیثیت سے بعجلت غزنی پہنچا' اسی اثناء میں فوج محمد کی حکومت سے بیزار ہو چکی تھی اور اسے معزول کر کے مسعود کے نام کا خطبہ پڑھوا دیا گیا' محمد کی آنکھیں نکلوا کر اسے مندیش کے قلعے میں قید کر دیا گیا' اور مسعود اکتوبر 1030ء میں تخت نشین ہوا' 1031ء میں اپنے عہد حکومت کے آغاز ہی میں مسعود کو سلجوقوں سے سابقہ پڑ گیا' سلجوقوں کی طاقت سلطان محمود کی موت کے بعد پھیلنے والی بدنظمی سے بہت بڑھ گئی تھی' انہوں

نے 1031ء میں ہرات پر حملہ کیا مگر فراوہ کے میدان میں انہیں نقصان عظیم برداشت کر کے پسپاہ ہونا پڑا' تاہم اس شکست سے ان کی کارروائیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ 1033ء، 1034ء میں انہوں نے باقاعدہ غزنوی سلطنت پر یلغاریں شروع کر دیں' ان کے خلاف جون 1035ء میں مسعود نے اپنے دو سپہ سالاروں کی قیادت میں ایک مہم روانہ کی انہوں نے سلجوقوں کو شکست فاش دی مگر جب غزنوی افواج دشمن کا پڑاؤ لوٹنے میں مصروف تھیں عین اسی وقت ان کے عقب سے سلجوقوں کے ایک گروہ نے حملہ کر کے غزنوی سپاہیوں کو بہت بری طرح قتل کیا اور اس طرح غزنوی فتح انتہائی جانی نقصان میں بدل گئی' اس کے جواب میں مسعود غزنوی نے سلجوقوں کے خلاف کارروائی کرنے کی بجائے ہندوستان کے خلاف ایک بے فائدہ مہم بھیج کر عسکری غلطی کی جس سے سلجوق زیادہ دیدہ دلیر اور طاقتور ہو گئے' 1037ء میں انہوں نے بلخ پر قبضہ کر لیا لیکن مسعود کے وہاں پہنچ جانے کی وجہ وہ مرو کی جانب ہٹ گئے اور انہوں نے صلح کی درخواست کی مگر جب سلطان کا لشکر غزنی روانہ ہوا تو انہوں نے عقب سے حملہ کر دیا' سلجوقوں اور مسعود غزنوی میں آخری مقابلہ 23 مئی 1040ء کو ہوا' جس میں مسعود کو شکست فاش ہوئی اور بڑی مشکل سے غزنی پہنچا' سلجوقی اب اس کے قابو سے باہر ہو گئے سلطان عازم ہندوستان ہوا مگر راہ میں اس کے خلاف بغاوت ہو گئی اور باغیوں نے پہلے مسعود کو قید کر دیا اور پھر 17 جنوری 1040ء کو قتل کر دیا۔

1045ء ابوریحان البیرونی نے ''کتاب الہند'' لکھی

البیرونی مسلم امہ کی ایک مشہور شخصیت ہے اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں' البیرونی نے اپنی زندگی کے پہلے پچیس سال خوارزم شاہی خاندان کی خدمت میں گزارے۔ جب 995ء میں وہ 23 سال کا تھا تو ابوعبداللہ محمد خوارزم اور محمد بن مامون کے مابین جس کا پایہ تخت گرگنج تھا' لڑائی چھڑ گئی' اس میں محمد بن مامون کامیاب ہوا' اس کے بعد البیرونی کو گرگنج یا جرجانیہ آنا پڑا لیکن وہاں بھی وہ ٹھہر نہ سکا اور طبرستان میں مرزبان بن رستم کے دربار میں پہنچا' پھر وہاں سے واپس اپنے آبائی وطن پہنچا اور ایک بار پھر مامون خاندان کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ جب مامون خاندان کا یہ امیر اپنی ہی فوج کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کا ملک محمود غزنوی کے قبضہ میں آ گیا کیونکہ اس کی بہن مقتول امیر کے عقد میں تھی یوں البیرونی غزنی کے اس خانوادے سے وابستہ ہو گیا۔

غزنی پہنچنے کے بعد البیرونی کی علمی زندگی کا زریں دور شروع ہوتا ہے' غزنوی دربار سے وابستگی کے بعد البیرونی نے اپنی زندگی کے غالباً 13-12 سال شاہی نگرانی میں ہندوستان میں گزارے' اسی اثناء میں اس نے ملتان میں رہ کر سنسکرت سیکھی اور ہندو مذہب' تہذیب وتمدن رسم و رواج اور عادات وتوہمات کا مطالعہ کیا' یہ معلومات اس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تحقیق ماللہند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل اومزولۃ'' میں درج کیں ہیں جو 1045ء میں مکمل ہوئی' سلطان محمود کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا مسعود تخت نشین ہوا تھا تو البیرونی نے اپنی ایک اور مشہور تصنیف ''القانون مسعودی'' جو علم ہیئت اور جغرافیہ پر ہے سلطان مسعود کے نام پر معنون کی تھی۔

البیرونی ہندوؤں کے علوم سے اتنا متاثر تھا کہ اس نے اپنی بیشتر تصانیف میں ان علوم کا مفصل ذکر کیا ہے' البیرونی بیک وقت سیاح' ریاضی دان' ماہر فلکیات' جغرافیہ دان' مورخ اور معدنیات' طبقات الارض اور خواص الادویہ کا ماہر اور آثار قدیمہ کا عالم تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے ہم عصروں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ مشہور طبیب وفلسفی ابوعلی ابن سینا سے کئی بار مختلف اوقات پر اس کے مناظرے ہوئے' ان سے متعلق متعدد رسائل ہم تک پہنچے ہیں' ہندوستان کے سفر و قیام سے البیرونی کو بہت سے علمی فائدے پہنچے' اس نے ہندوستان کے بہت سے مقامات کی سیاحت کی' زخاؤ نے ''کتاب اللہند'' کے تعارف میں گیارہ ایسے ہندوستانی شہروں کے نام لکھے ہیں جن کی سیاحت کے بعد البیرونی ان کے عرض بلد دریافت کئے تھے' اس کی کتاب ''اللہند'' اس کی ضخیم کتابوں میں سے ایک ہے' اپنی کتاب کے آغاز ہی میں البیرونی لکھتا ہے کہ اہل ہند کی زبان سنسکرت ایک مشکل زبان ہے اہل ہند اور غیر اہل ہند میں شدید اختلافات ہیں' مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے اہل ہند ان سے ڈرتے ہیں اور انہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

دنیا کے عظیم سائنسدان' اردو سائنس بورڈ۔ ماخذ = دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 5

1037ء ابن سینا کی وفات

وہ طبیب جو ''القانون فی طب'' جیسی عظیم کتاب کا مصنف تھا جو دنیائے طب میں ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور مغرب میں صدیوں تک طب کی درسی کتب میں اول الفہرست رہی' وہ خود عارضہ قولنج کا شکار تھا' اس مرض کی اسے ایک عرصے سے شکایت تھی' آخری بار اس مرض کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ یہ عظیم مسلمان حکیم اس سے جانبر نہ ہو سکا اور اس نے ہمدان

میں 4 رمضان 428ھ 21 جون 1037ء کو وفات پائی' ہمدان میں اس کا مدفن آج بھی موجود ہے۔ یہ عظیم طبیب جامع العلوم فلسفی الریاضی دان دنیائے اسلام کا شہرہ آفاق سائنسدان جس کو مشرق میں بجا طور پر ''شیخ الرئیس'' (یعنی تاجدار علم وحکمت) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے' ابو علی الحسین ابن عبداللہ' ابن سینا تھا کہتے ہیں کہ علم طب جب معدوم تھا تو اسے بقراط نے وجود بخشا' جب وہ مر چکا تھا تو جالینوس نے اسے زندگی بخشی' جب وہ متفرق اور پاگندہ تھا تو الرازی نے اسے سمیٹا اور وہ ناقص تھا تو ابن سینا نے اسے مکمل کیا۔ ابن سینا کو مغرب میں Avicenaa کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' 980ء میں ابن سینا کی ولادت ہوئی چھ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ بخارا پہنچا جہاں اس کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا' منطق' فلسفہ' علم ہندسہ اور علم ہیئت کی تعلیم اس نے ابوعبداللہ النافلی سے حاصل کی جو اتفاق سے بخارا آیا اور اس کے باپ کے ہاں ٹھہرا تھا۔ مگر جلد ہی شاگرد اپنی ذہنی نشوونما کی وجہ سے استاد پر سبقت لے گیا' 18 سال کی عمر تک وہ دن رات پڑھنے لکھنے میں مصروف رہا' ان سالوں میں وہ نیند بھی کرتا تو اس کا ذہن مسائل کے حل میں الجھا رہتا بلکہ بعض مسئلے تو نیند کی حالت میں حل ہوتے' مابعد الطبیعیات کو وہ ان سالوں میں البتہ باوجود کوشش کے سمجھ نہ سکا۔ چنانچہ یہ موضوع ارسطو کے بار بار مطالعے کے باوجود اس کی سمجھ نہ آیا تا آنکہ ایک روز کسی دوست کے مشورہ سے اس نے الفارابی کی ایک کتاب نیلام میں خریدی جس سے یہ موضوع تمام وکمال اس کی سمجھ میں آ گیا' ابن سینا کو اس پر اتنی مسرت ہوئی وہ اللہ کے حضور میں سربسجود ہو گیا اور سجدہ شکر بجالیا' الفارابی کی یہ کتاب ''الاہانہ'' تھی۔

اسی اثناء میں اس کی زندگی کا ایک اہم واقعہ پیش آیا جب اس نے سامانی تاجدار نوح بن منصور کا علاج اپنی کم عمر کے باوجود کامیابی سے کیا۔ اس کے صلے میں اسے کتب خانہ شاہی کا مہتمم مقرر کر دیا گیا۔ یہاں وہ اپنی غل النظیر قوت حافظہ' ذہانت اور فطانت کی بدولت مشاغل علم میں تیزی سے آگے بڑھا' انہی دنوں اس کے والد کا انتقال ہو گیا' اور سامانی سلطنت بھی ختم ہو گئی وہ بخارا چھوڑ کر خوارزم چلا گیا' اسے سلطان محمود نے غزنی بلا بھیجا مگر شاید وہ باطنی عقائد رکھتا تھا اور سلطان ان سے متنفر تھا اس لئے وہ غزنی نہ گیا' خوارزم سے نکل کر وہ پہلے جرجان اور پھر اصفہان میں رہا' اس کی زندگی کا آخری دور ہمدان میں گذرا' ابن سینا نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے ''القانون'' اور ''الشفا'' کو بہت شہرت حاصل ہوئی' القانون طب پر اور الشفا فلسفہ پر ہے۔

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول غلام علی ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد اول پنجاب

1050ء عمر خیام اور اس کی ''رباعیات''

سلجوقی عہد کا مشہور ایرانی شاعر اور سائنسدان عمر خیام جس کا مکمل نام غیاث الدین ابوالفتح بن ابراہیم الخیامی تھا' 15 مئی 1048 یا 1050ء کو نیشاپور میں پیدا ہوا' مشہور روایت ہے کہ نظام الملک' خیام اور حسن بن صباح تینوں ہم مکتب تھے اور امام موفق کے شاگرد تینوں نے باہم عہد کیا تھا کہ ان میں سے جو کوئی بلند منصب پر پہنچے گا وہ دوسرے دو کی مدد کرے گا' نظام الملک ترقی کر کے ملک شاہ سلجوقی کا وزیر بنا' اس نے خیام کو اس کی خواہش کے مطابق نیشاپور میں ایک ہزار دینار سالانہ آمدنی جاگیر عطا کی' لیکن حسن بن صباح خود بھی وزارت عظمیٰ کا طالب تھا اس لئے اسے وہاں سے نکلنا پڑا' بہر حال ان تینوں کے ہم سبق ہونے پر بہت سے مستشرقین کو اعتراض ہے' اور خود علامہ محمد اقبال نے اپنے ایک عالمانہ مضمون میں اس خیال کی تائید کی تھی۔

خیام کی تاریخ پیدائش غیر یقینی ہونے اور ہم سبق ہونے کی روایت سے ہٹ کر محققین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ 467ھ/1074ء میں علم و فضل کی بلندیوں تک پہنچ چکا تھا اور ایک ریاضی دان کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا' مورخین نے لکھا ہے کہ خیام کے علمی کارناموں کی شہرت ایک مدت تک اس کی شاعرانہ شہرت پر غالب رہی مگر خیام کو آج کل شاعر کی حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل ہو گئی ہے' لیکن وہ فلسفہ میں ابن سینا کا ہم سر اور مذہبی علوم میں امام فن تھا' علم نجوم کا تو وہ ماہر تسلیم کیا ہی گیا ہے' کہتے ہیں کہ ملک شاہ سلجوقی خاص خاص تقریبات کی تاریخ مقرر کرنے کے لئے خیام ہی کی طرف رجوع کرتا تھا' ایک مرتبہ ملک شاہ نے شکار کا پروگرام بنایا تو خیام کو کہا کہ کوئی ایسا دن مقرر کرے کہ دو تین دن تک برف و باراں نہ ہو' خیام نے علم نجوم کے حساب سے ایک دن مقرر کیا اور اس دن بادشاہ کو سوار کرایا اور خود ہمرکاب ہوا' مگر جیسے ہی شکار پر نکلے مطلع ابر آلود ہو گیا اور بارش کے آثار نمودار ہو گئے' لوگ خیام پر ہنسنے لگے' خیام نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ابھی بادل چھٹ جائیں گے اور مطلع صاف ہو جائے گا' چنانچہ ایسا ہی ہوا' بیہقی جو خیام کا ہم عصر تھا لکھتا ہے کہ خیام کو علم طب میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی ایک بار جب شہزادہ سنجر چیچک میں مبتلا ہوا تو اس کا علاج خیام نے ہی کیا تھا' 1070ء کے لگ بھگ خیام نے سمرقند میں قاضی ابو طاہر کی مصاحبت میں مکعب مساواتوں کے بارے میں الجبرا کی ایک شاہکار کتاب تصنیف کی تھی مختلف علوم میں ماہر ہونے کے باوجود خیام کی شہرت کا سرمایہ اس کی فارسی رباعیات ہیں اس بلند پایہ شاعر کا علمی دنیا

سے تعارف کرانے میں اہل یورپ نے بھرپور حصہ کیا ہے' سب سے پہلے ایک روسی پروفیسر نے رباعیات کا ترجمہ کیا تھا' پھر فٹز جیرالڈ نے 1859ء میں رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا۔ اور بعض اہم مضمون رباعیوں کا مفہوم اہل مغرب پر واضح کر کے کچھ ایسے انداز میں اہل یورپ کو خیام سے روشناس کرایا کہ اسے زندہ جاوید بنا دیا۔ خیام کی رباعیوں کی زبان بڑی سادہ اور عام فہم ہے لیکن اس میں فلسفیانہ رموز پنہاں ہیں جو اس کے ذاتی تاثرات کے آئینہ دار ہیں۔ سب سے پہلی چیز جو ان رباعیوں میں نمایاں ہے وہ انسانی زندگی کے آغاز و انجام پر غور و غوض ہے۔

ادب نامہ ایران' مرزا مقبول بیگ بدخشانی' ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2/14

1055ء طغرل بیگ کی قیادت میں ترک بغداد میں

تاریخ میں طغرل بیگ کا نام اس وقت بام پر آتا ہے جب وہ 1038ء میں نیشا پور میں فاتحانہ داخل ہوا' اور اس کا نام خطبے میں پڑھوایا گیا' مورخین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے خلیفہ بغداد نے اس کے پاس ایلچی بھیج کر اسے یہ شکایت کی تھی کہ تند خو غزوں نے قتل و رہزنی کا بازار گرم کر رکھا ہے' اس بات کی تصدیق سلاجقہ کی ایک قدیم دستاویز سے ہوتی ہے' جس میں وہ اپنے آپ کو امیر المومنین کا موالی کہا کرتا تھا۔ اور ابتداء ہی سے اس کے اور خلیفہ کے درمیان اچھے مراسم قائم تھے۔

1048ء میں بغداد کے فوجی سپہ سالار البساسیری کے توسط سے ملک الرحیم بویہی کی حکومت قائم تھی۔ البساسیری اندرونی طور پر مصر کے فاطمیوں سے خفیہ ساز باز رکھتا تھا' یہ بات خلیفہ اور اس کے وزیر المسلمہ کے لئے ناقابل برداشت تھی' خلیفہ نے طغرل بیگ کو اس کی شکایت کی اور بغداد آنے کی دعوت دی' طغرل نے یہ درخواست قبول کرنے میں تامل نہ کیا اور رمضان 447ھ دسمبر 1055ء میں بغداد آ پہنچا' البساسیری نے مصلحت اسی میں جانی کے بغداد چھوڑ کر الحلہ کے امیر کے پاس پناہ لی۔ خلیفہ نے 22 رمضان کو خطبے میں طغرل کا نام پڑھوایا' اجڈ غزوں نے شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا' طغرل بیگ نے اس صورت حال کا خاتمہ کرنے کے لئے فوری مداخلت کی اور ملک الرحیم بویہی کو گرفتار کر لیا اور اس طرح آل بویہ کی حکومت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی' خلیفہ نے طغرل بیگ کو ''سلطان المشرق والمغرب'' کا لقب عطا کیا' تاہم اس کے کچھ

عرصے بعد ایک انقلاب رونما ہوا' طغرل بیگ ایک باغی ابراہیم اینال سے لڑنے کے لئے بغداد سے نکلا' البساسیری نے جب بغداد کو فوج سے خالی پایا تو بغداد میں داخل ہو گیا اور فاطمی خلیفہ المستنصر کا نام خطبے میں شامل کروا دیا (27 دسمبر 1058ء) خلیفہ بغداد اور اس کا وزیر المسلمہ قریش بن بدران کے ہاں پناہ گزین ہوئے' اس کے ٹھیک ایک سال بعد طغرل بیگ واپس بغداد آ پہنچا' وہ خلیفہ کو بھی واپس بغداد لے آیا اور البساسیری کی افواج کو شکست فاش دی اس لڑائی میں البساسیری مارا گیا۔ اب طغرل بیگ واسط چلا گیا' 1060ء میں وہ ایک بار پھر بغداد آیا' اس کا ایک ہی مقصد تھا جسے وہ عرصہ دراز سے دل ہی دل میں چھپائے ہوئے تھا' یعنی خلیفہ کی بیٹی سے شادی' اس کے اس ارادے کے خلاف بنو عباس کی غیرت بھڑک اٹھی' آخر طغرل بیگ کے وزیر الکندری نے یہ دھمکی دی کہ خلیفہ کے ذرائع امدنی ضبط کر لئے جائیں گے' تب کہیں جا کر خلیفہ نے یہ تجویز منظور کی اور سلطان کی عدم موجودگی میں نکاح ہوا' کیونکہ وہ اس وقت آرمینیا میں تھا' اگلے سال جب وہ بغداد آیا تو اسے صرف اتنی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی بیوی کو نقاب پوشی میں دیکھ سکے لیکن زن شوئی کی تکمیل کا کوئی ذکر کئے بغیر وہ واپس چلا گیا' اس کی عمر اب ستر سال سے زائد تھی' اس کے بعد وہ شب زفاف کی حسرت دل میں لئے 8 رمضان 455ھ 4 ستمبر 1064ء کو رے میں انتقال کر گیا' اس کے بعد اس کے بھائی چغری بیگ کا ایک بیٹا الپ ارسلان اس کا جانشین بنا۔

سلجوق نامہ' ابن بی بی' ماخذ۔ تاریخ ملت جلد دوم' دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12

1056ء نابینا شاعر ابوالعلاء ابوالمعری کی وفات

پورا نام احمد بن عبداللہ بن سلیمان تنوخی' کنیت ابوالعلا اور معرہ میں رہنے کی وجہ سے معری کہلایا' اس کا دادا معرہ کا قاضی تھا' یہ ابھی چار برس کا تھا کہ چیچک کا حملہ ہوا جس سے اس کی بائیں آنکھ جاتی رہی اور داہنی آنکھ میں بھی جالا پڑ گیا' اسی اندھے پن میں اس کی پرورش ہوئی' رنگوں میں سے وہ صرف سرخ رنگ کو پہنچانتا تھا۔ جب پڑھنے کے قابل ہوا تو اس کے باپ نے اسے عربی زبان سکھائی' بعد ازاں اپنے علاقے کے متعدد علماء کی شاگردی کی اور علوم پر حاوی ہو گیا' یہاں تک کہ اس علاقے میں اس کے پائے کا کوئی عالم نہ رہا' بیس سال کی عمر میں گھر واپس آ گیا اور عربی زبان و ادب کی تعلیم دینے لگا' 592ھ میں اس نے معرہ سے شام کا سفر کیا اور طرابلس کا کتب خانہ دیکھا' پھر اللاذقیہ کا قصد کیا اور وہاں عیسائی راہبوں میں رہ کر عہد نامہ قدیم و جدید پڑھا' پھر ملک

شام سے قصد بغداد کیا جو اس زمانے میں مرکز علوم تھا' وہاں وہ فلسفہ وحکمت یونانی سیکھنا چاہتا تھا' جیسے ہی بغداد کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی وہ اس سے علمی وادبی استفادہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے چنانچہ قیام بغداد کے دوران وہ ان تشنگان علم کی پیاس بجھاتا رہا اور خود تحصیل علم فلسفہ میں کوشاں رہا' تا آنکہ اس نے اس علم میں بھی کمال حاصل کرلیا' پھر اس نے اپنی فکری کاوشوں کی ترویج شروع کردی' اس کے افکار وآراء لوگوں میں پھیلنے لگے اور اس کی شہرت ہونے لگی' اس کا تعلق آزاد فلسفیوں کی جماعت سے ہوگیا' جو ہر جمعہ کو اپنے ایک رفیق ابو احمد عبدالسلام نامی بغدادی کے گھر پر اجتماع منعقد کرتے تھے' اس جماعت کی صحبت نے اس کی عقلی وادبی صلاحیتوں پر بڑا اثر ڈالا' بغداد میں اس کا قیام صرف ایک سال اور سات مہینے رہا' یہاں بھی وہ ہمیشہ کتب خانوں میں اپنا وقت گزارتا' ابو العلاء کے اپنے بیان کے مطابق وہ ماہ رمضان 400ھ 1010ء میں اپنے آبائی شہر معرۃ النعمان واپس آ گیا۔ بغداد سے واپسی کی وجہ اس کی ناداری وافلاس اور اس کی والدہ کی علالت تھی مگر بغداد کی یاد اس کو آخری سانس تک نہ بھولی' باقی زندگی اس نے گوشہ نشینی میں بسر کی اور طلبہ کے علاوہ تمام لوگوں سے قطع تعلق کرلیا' یہاں تک کہ کھانے میں صرف جو اور ترکاری میں صرف مسور کی دال منتخب کرلی۔ تمام عمر محض اس وجہ سے شادی نہ کی کہ اپنی آئندہ نسلوں کو انسانوں کی بے وفائی اور کمینگی سے محفوظ رکھے۔ 449ھ 1056ء میں اس نے وفات پائی۔

ابو العلاء کی تصنیفات بے شمار ہیں جو اس نے املا کرائیں' ابو العلاء کی شاعری کو دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے' عہد شباب کی شاعری جو اس کی تصنیف ''سقط الزند'' میں ہے' اور دور کہولت کی شاعری جو اس کی تصنیف ''لزومیات'' میں یکجا ہے' جوانی کی شاعری میں مبالغہ کی کثرت ہے اور طرز بیان تقلیدی ہے دور کہولت کی شاعری میں مبالغہ اور تکلف بہت کم ملتا ہے۔

تاریخ ادب عربی' استاد احمد حسن ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 1

1063ء وینس میں کینساء سینٹ مارک کی تعمیر

دنیا کی خوبصورت آبی شاہراہ جو وینس میں واقع یورپ کے نفیس ترین ڈرائنگ روم تک جاتی ہے گرینڈ کینال Grand Cinal کہلاتی ہے۔ کینساء سینٹ مارک Cathedral of ST.Mark جو وینس کے سب سے بڑے چوک پیازا دی سان مارکو Piazza San Marks میں واقع ہے' اسے نپولین بوناپارٹ نے یورپ کا ڈرائنگ روم قرار دیا تھا۔

وینس بحیرہ ایڈیا اٹک کی سمندری کھاڑیوں میں پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں اطالیہ سے بربر قبائل کے حملوں سے بھاگنے والے افراد نے تعمیر کیا تھا' پانسو سال تک یہ بازنطینی سلطنت کا حصہ رہا' پھر وینس کے لوگوں نے بحری تجارت میں مقام پیدا کیا تو شہر میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا' نویں صدی میں اہالیان وینس نے مشرقی یونانی کلیساء سے بھی نجات حاصل کر لی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ مصر کے شہر اسکندریہ سے سینٹ مارک کی باقیات درآمد کر لائے اور انہیں یہاں دفن کر کے انہوں نے سینٹ مارک کی یاد میں یہاں ایک کینسہ تعمیر کیا۔ یہ آج کے کینسہ کی یہ پہلی تعمیر تھی' 1063ء وہ سال ہے جب یہ کینسہ آتشزدگی سے تباہ ہو گیا' وینس کے حکمران ڈوج کنٹرینی Doge Conterini نے اسی سال اس کی تعمیر نو کا آغاز کیا' اس تعمیر پر تقریباً 30 سال لگے' آغاز میں یہ ڈوج حکمرانوں کا نجی چرچ تھا بعدازاں اسے وقف کر دیا گیا۔

اس کینسہ کی تعمیر میں مشرق کی دولت استعمال ہوئی جو اہالیان وینس نے اپنی بحری تجارت بلکہ عسکری قوت سے حاصل کی تھی ان کی اس لوٹ میں 1204ء میں قسطنطنیہ سے چوتھی صلیبی جنگ نے دوران لوٹے گئے وہ چار نایاب کانسی کے گھوڑے شامل ہیں جو قسطنطنیہ کے ہپوڈرم سے یہاں لائے گئے۔ اگلے پانسو سال تک اس عمارت کی اندرونی اور بیرونی تزئین کا کام جاری رہا۔

مشہور انگریز مفکر جان رسکن John Ruskin نے کینسہ سینٹ مارک کی اس خوبصورت عمارت کو میناروں اور سفید گنبدوں کا حسن امتزاج قرار دیا ہے اس عمارت کی سامنے کی پانچ بڑی محرابیں بھی اور اس کے موزائیک فرش اس کی خصوصیت ہیں۔

اہل وینس نے اپنی عروج کی صدیوں میں پوری دنیا سے اکٹھے کر کے نوادرات کے اتنے ڈھیر یہاں لگائے کہ یہ عمارت اللہ دین کا غار بن گئی۔

کینسہ سینٹ مارک سے الگ ایک طرف سینٹ مارک کا مینار ST.Marks Companile ایستادہ ہے' یہی وہ مینار ہے جہاں کھڑے ہو کر مشہور اطالوی سائنسدان گلیلیو نے اپنی مشہور ایجاد دوربین کی کارکردگی کا مظاہرہ اہالیان وینس کے سامنے کیا تھا' جس سے مستفید ہو کر وہ اپنے بحری تجارتی جہازوں کی واپسی سے قبل از وقت آگاہ ہو جانے لگے تھے۔

Story of Architecture=ماخذ Wonders of the World Lione Grison

1066ء جنگ ہیسٹنگز

دنیا میں بعض جنگیں لڑائی کے اعتبار سے زیادہ بڑی یا طویل عرصہ تک نہیں لڑی گئیں لیکن نتائج کے اعتبار سے بڑی اہم اور ہلاکت خیز ثابت ہوئیں ہیں' ایسی ہی جنگوں میں سرزمین برطانیہ پر لڑی جانے والی ایک جنگ' جنگ ہسٹینگز BATLE of Hastings ہے جسے کوئی انگریز یا ایسا طالب علم تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتا جو ''تاریخ برطانیہ'' میں دلچسپی رکھتا ہو۔

میدان جنگ کا عجیب عالم تھا حملہ آور ولیم آف نارمنڈی کی افواج اپنی کثرت اور سامان حرب کے باوجود سیکسنوں سے جن میں ناتربیت یافتہ دہقان بھی شامل تھے مات کھارہی تھیں' ایسے میں ولیم نے ایک عجیب جنگی چال چلی' اس نے اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا' سیکسین دشمن کو پیچھے ہٹتے دیکھ کر جذبات میں آگئے اور پیچھے ہٹتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں آگے بڑھے' اس طرح ولیم ان کا وہ حصار توڑنے میں کامیاب ہوگیا جسے اس کے سپاہی اپنے زور بازو سے نہ توڑ سکے تھے۔ آگے بڑھتے ہوئے سیکسنوں کو ولیم کی افواج نے گھیرے میں لے لیا اور پلٹ کر ایک شدید حملہ کیا جس سے سیکسنوں کو شدید نقصان پہنچا' سیکسنوں کا زور توڑنے کے لئے ولیم نے کئی مرتبہ یہی جنگی چال چلی جس سے اس کے مدمقابل ہیرلڈ کا زور ٹوٹ گیا' رہتی سہتی کسر ولیم کے تیر اندازوں نے پوری کردی کہ خود ہیرالڈ کے محافظ دستے تک کے پرخچے اڑادیئے' ایک تیر ہیرالڈ کی آنکھ میں لگا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ اب میدان جنگ ولیم آف نارمنڈی کے ہاتھ میں تھا جو اس فتح کے بعد ''ولیم فاتح'' کہلایا' رومنوں اور ڈینوں کی جزائر برطانیہ میں فتوحات سے کہیں زیادہ اثر نارمنوں کی اس فتح کا برطانیہ پر پڑا' مورخین لکھتے ہیں کہ دراصل نارمنوں کی اس فتح کے بعد ہی برطانیہ میں تہذیب وتمدن کا آغاز ہوا۔

جنگ ہسٹینگز کا پس منظر یہ ہے کہ انگلستان کا بادشاہ ایڈورڈ دی کنفیسر Edward the Confessor 1051ء میں فرانس گیا تو اس نے ولیم آف نارمن ڈی سے وعدہ کیا کہ وہ تاج برطانیہ اپنے بعد اسے دے جائے گا۔ اسی طرح 1064ء میں ویسکس کے امیر ہیرالڈ Harald کا جہاز ساحل فرانس کے قریب ڈوب گیا' مجبوراً اسے نارمنڈی میں پناہ لینی پڑی' ولیم نے اسے قید کرلیا اور اسے اس وقت تک رہا نہ کیا جب تک اس نے اپنا تاج وتخت ولیم کے حوالے کرنے کا وعدہ نہ کیا۔

1066ء میں جب شاہ انگلستان ایڈورڈ نے وفات پائی تو ہیرالڈ نے اپنے وعدے کے خلاف انگلستان کے تاج وتخت پر خود قبضہ کرلیا لیکن انگلستان کے تاج وتخت کے دو دعویدار ولیم آف نارمنڈی اور گاڈونس جو ارل آف ویکس Earl of Wessex بھی تا میدان میں کود پڑے، پہلی جنگ ہیرالڈ اور گاڈنسن کے درمیان سٹیم فورڈ برج Satamford.B کے مقام پر لڑی گئی جس میں گاڈنسن مارا گیا مگر فاتح ہیرالڈ اپنی تھکی ماندہ افواج کے ساتھ ابھی سنبھل نہ پایا تھا کہ ولیم آف نارمنڈی 28 ستمبر 1066ء کو ساحل انگلستان پر لنگر انداز ہوگیا' اس کا اس حملہ سے مقصد اپنے لئے گئے وعدوں کو اب بزور شمشیر پورا کرنا تھا بالآخر قصبہ ہیسٹنگز سے تقریباً چھ میل پرے دونوں کی افواج میں مقابلہ ہوا۔

ماخذ = انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل مادہ۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم' ولیم ایل لینگر۔ تاریخ انگلستان

1071ء جنگ ملازگرد

سلجوقی خاندان کے بانی طغرل بیگ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس نے اپنے بھتیجے الپ ارسلان کو اپنا جانشین نامزد کیا یہ اپنی یگانہ خصوصیات کی بناء پر سلطانوں اور شہنشاہوں کی صف میں نہایت ممتاز حیثیت کا مالک ہے' شجاعت میں بے مثل' اعتقاد وعمل سے اسلام کا پیکر اور رعایا کا انتہائی ہمدرد یہ خاندان سلاجقہ کے دور بڑے حکمرانوں میں سے ایک تھا' اگرچہ اس کی زندگی کا بڑا حصہ رزم و پیکار میں گزرا مگر یہ علم وفضل کا بڑا قدردان تھا' اس کے عہد میں علوم وفنون کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

بازنطینیوں سے اس کے عہد میں آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے سلسلے میں کشمکش شروع ہوئی' رومانوس رابع Romanus iv ملقب پر دیوجانس Diogenes (1068-1071ء) نے خود پیش دستی کی اور بے شمار افواج لے کر سلجوقی سلطنت پر حملہ آور ہوا' مشہور مورخ گبن نے اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے جن میں مغربی یورپ کے فرینک اور نارمن بھی شامل تھے' فوج کا افسر وہ شخص تھا جس سے اسکاٹ لینڈ کے بادشاہوں کی نسل چلی بعض روایتوں میں رومانوس کے لشکر کی تعداد دو لاکھ مذکور ہے۔

رومانس نے یہ حملہ الپ ارسلان کے اس حملے کے جواب میں کیا تھا جس میں سلطان الپ ارسلان نے عیسائی ممالک پر چڑھائی کر کے آذربائیجان اور دیگر ممالک کو فتح کرلیا تھا۔

الپ ارسلان نے رومانوس کے حملے کی اطلاع پاتے ہی اس طرف کا رخ کیا' جہاں رومی لشکر پیش قدمی کر رہا تھا' ملازگرد Manzikert کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا' گبن ہی کے مطابق الپ ارسلان کی فوج صرف چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی' اسلامی روایات کے مطابق اسلامی لشکر کی تعداد صرف پندرہ ہزار تھی۔

الپ ارسلان ایک بے حد رحمدل شخص تھا کبھی جنگ میں پہل نہ کرتا تھا' اور حتی الوسیع خونریزی سے بچنے کی کوشش کرتا تھا' اس نے میدان جنگ میں پہنچنے کے بعد جو پہلی کوشش کی وہ مصالحت کی پیش کش تھی اس نے رومانوس کو پیغام بھیجا کہ خونریزی کی کیا ضرورت ہے آؤ ملکر معاملات طے کرلیں تاکہ بندگان خدا کی جانیں تلف نہ ہوں اور رومانوس نے نیک نیتی پر مبنی اس پیغام صلح کو الپ ارسلان کی کمزوری یا بزدلی پر محمول کیا اور جواب بھیجا کہ اگر بربری صلح کا خواہاں ہے تو اسے چاہئے کہ سب سے پہلے وہ جگہ چھوڑ دے جہاں وہ اپنا لشکر لئے کھڑا ہے' نیز شہر رے اپنے دعویٰ صلح کی صداقت کے طور پر بطور ضمانت ہمارے حوالے کردے' ورنہ صلح اس کے دارالحکومت میں پہنچ کر ہوگی۔

الپ ارسلان یہ مطالبہ سن کر مسکرایا۔ لیکن چونکہ یہ بات یقینی تھی کہ جنگ کے بغیر چارہ نہیں' اس لئے یہ سوچ کر کہ آئندہ جنگ میں کتنے مسلمانوں کا بھی خون بہے گا وہ اپنی نرم دلی کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اس نے نہایت خشوع اور خضوع سے نماز پڑھی اور دعا مانگی پھر جنگ کی تیاری کے طور پر وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو اسی جگہ دفن کردیا جائے جہاں میرا لاشہ گرے پھر اپنے سپاہیوں کو اعلان کیا کہ جو جان کو عزیز سمجھتا ہو وہ ابھی الگ ہوجائے مگر کوئی جانباز اپنی جگہ سے ہلا نہیں اس کے بعد الپ ارسلان خود میدان جنگ میں اترا اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ ٹڈی دل رومیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

لڑائی شروع ہوئی تو الپ ارسلان کے شیرانہ حملوں سے بہت جلد رومیوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ سلجوقیوں نے تیروں کا مینہ برسایا تو عیسائی بہادروں کے منہ پھر گئے' جس رومی دستے کو جس سمت میں عافیت نظر آئی وہ ادھر بھاگنے نکلا' خود رومانوس اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار ہوگیا۔ اور رومانوس کا زعم اور غرور ٹوٹ گیا۔

الپ ارسلان نے قیصر سے گرفتاری کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا' اپنے برابر خیمے میں ٹھہرایا اور آٹھ روز مہمان رکھا' اس دوران ایک لفظ بھی ایسا نہ نکالا جس سے رومانوس کی توہین ہوتی۔ الپ ارسلان نے اپنی شان عفو سے کام لیتے ہوئے رومانوس کو خلعت سے سرفراز کرکے آزاد کردیا۔

مگر بعض متعصب یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ سلطان نے رومانوس کی آنکھیں نکلوا دیں اور وہ اسی غم میں ہلاک ہو گیا مگر سچ یہ ہے کہ سلطان نے اسے نہایت عزت سے رہا کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بلغاریوں اور سلجوقیوں کے مقابلے میں شکست کے باعث اس کی شہنشاہی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ جن تاج وتخت کے وارثوں کو ان کے حق سے محروم کر کے وہ شہنشاہ بنا تھا وہ اپنے حقوق کی بازیافت کے لئے تیار ہو گئے ادھر رعایا کا فیصلہ تھا کہ جو حکمران دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے وہ حکومت کرنے کے حق سے محروم ہو جاتا ہے' چنانچہ چند روز کی بے کسی کے بعد اس نے وفات پائی جسے یورپی مورخین نے سلجوقیوں کے ذمہ لگا دیا۔

1071ء الخطیب البغدادی کی وفات

ابو بکر احمد بن علی بن ثابت المعروف بہ الخطیب بغداد 24 جمادی الآخر 392ھ 10 مئی 1002ء کو بمقام درز جان پیدا ہوئے جو بغداد کے جنوب میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک گاؤں ہے۔ وہ ایک خطیب وواعظ کے بیٹے تھے' ان کی تعلیم بہت چھوٹی عمر میں شروع ہوئی' انہوں نے لڑکپن کا زمانہ جستجو علم حدیث میں ادھر ادھر سفر کرتے ہوئے گزارا۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں نیشاپور' اصفہان' ہمدان اور دمشق گئے' بالآخر انہوں نے عروس البلاد بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہاں خطیب کے عہدے پر فائز ہوئے' اسی بناء پر آپ بعد کے زمانوں میں الخطیب البغدادی کے نام سے مشہور ہوئے۔

علم حدیث میں متبحرانہ دسترس رکھنے کی وجہ سے انہیں بغداد میں بہت شہرت واقتدار حاصل ہوا' ان کا ایک تذکرہ نگار لکھتا ہے کہ واعظین اور معلمین حدیث یہ ضروری سمجھتے تھے کہ اپنی جمع کردہ احادیث کو کہیں روایت کرنے سے پہلے ان کی صحت الخطیب البغدادی کو سنا کر معلوم کر لیں اس کے برعکس یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حنابلہ بغداد کی مخالفانہ روش کا سامنا کرنا پڑا' اس کی وجہ یہ تھی کہ الخطیب شروع میں حنبلی تھے بعد ازاں انہوں نے شافعی مسلک کو ترجیح دی جس کی وجہ حضرات حنابلہ اس کے مخالف ہو گئے' حنبلیوں کی مخالفت کے باوجود وہ خلیفہ القائم باللہ اور وزیر ابن المسلمہ کی تائید اور حمایت وہ المنصور کی جامع بغداد میں درس حدیث جاری کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان سے حنبلیوں نے جس عداوت کا اظہار رکھا' اس سے خود ان کے دل میں بھی تلخی پیدا ہو گئی وہ اپنی

تحریر اور تقریر میں امام احمد بن حنبل اور ان کے معتقدین پر اشارۃ ''تنقید کرنے لگے بلکہ ان پر اعلانیہ حملوں کا کوئی موقع نہ جانے دیتے تھے اور بعد کی نسلوں نے ان کے اس رویئے کی وجہ سے ان پر تعصب کا الزام عائد کیا۔ جب البساسیری نے کامیاب بغاوت کر کے وزیر ابن المسلمہ کو برطرف کر دیا تو الخطیب بغدادی نے بھی راہ فرار اختیار کی اور دمشق میں پناہ گزین ہوئے' لیکن وہاں کے فاطمی حاکم کے حکم پر گرفتار کئے گئے اور قتل کئے جانے سے صرف اس طرح بال بال بچے کہ انہوں نے دوبارہ بسرعت تمام فرار ہو کر صور اور حلب کی راہ لی' اس کے بعد جب سلجوقیوں نے بغداد میں خلیفہ کو بحال کر کے امن وامان قائم کر دیا تو البغدادی واپس بغداد آ گئے' لیکن واپسی کے صرف ایک سال بعد ذوالحجہ 463ھ ستمبر 1071ء میں اس ''حافظ مشرق'' نے وفات پائی' اتفاقاً یہی سال ''حافظ المغرب'' یعنی علامہ عبدالبر کی وفات کا ہے الخطیب مشہور صوفی البشر الحافی کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

الخطیب کی بہت سی تصانیف ہیں سوانح نگاروں نے تصانیف کی تعداد ایک سو سے زائد بیان کی ہے' سب سے زیادہ مشہور ان کی ''تاریخ بغداد'' ہے جو ان کی وجہ شہرت اور محدثین بغداد کے متعلق معلومات کا بیش بہا خزینہ ہے۔

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8 ماخذ۔ تذکرہ المحدثین' نیشنل بک فاؤنڈیشن

1072ء سلطان ملک شاہ سلجوقی کی تخت نشینی

1072ء میں سلطان الپ ارسلان کی وفات پر اس کے وزیر نظام الملک اور دوسرے ترک امراء نے اس کے بیٹے ملک شاہ کو تخت نشین کیا۔ اس کا چچا قاروت بل اس کی تخت نشینی سے خوش نہ ہوا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ تخت کا سب سے زیادہ حق دار وہ خود ہے۔ چنانچہ وہ ملک شاہ کے خلاف فوج لے کر ہمدان کی جانب روانہ ہوا۔ جب وہ ملک شاہ کے مدمقابل آیا تو معمولی مقابلے کے بعد گرفتار ہو گیا اور بعد ازاں اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا (اپریل 1978ء) اس معمولی سی جنگ کے بعد سلطان ملک شاہ واپس ماوراالنہر لوٹ گیا جہاں الپ ارسلان کی موت کے بعد خاقان سمرقند نے ترمذ پر قبضہ کر لیا تھا' ملک شاہ نے ترمذ کو واپس لیا اور سمرقند کی جانب بڑھا' خاقان سمرقند نے اطاعت اختیار کی اور بلخ وطخارستان ملک شاہ کے بھائی تکش کو عطا ہوئے۔ ان معرکہ آرائیوں کی وجہ سے ملک شاہ اپنی تخت نشینی کے بعد سے بغداد نہ جا سکا کہ بذات خود خلیفہ سے اظہار

اطاعت کرے' لہٰذا ایک سفیر بغداد بھیجا گیا کہ دربار خلافت میں رسم اطاعت کی تکمیل کر آئے' خلیفہ بلا تامل رضا مند ہو گیا اور اس نے ملک شاہ کو جلال الدولہ معز الدین قاسم امیر المومنین کا اعزازی خطاب عطا کیا۔ 476ھ میں قاورد کے بیٹے سلطان شاہ نے ملک شاہ کی اطاعت قبول کی' اسے صوبہ کرمان کی موروثی حکومت عطا کی گئی۔ ملک شاہ کے بھائی تکش نے بھی علم بغاوت بلند کیا' مگر پھر اطاعت قبول کر لی' اس موقع پر اسے معاف کر دیا گیا مگر 1084ء میں اس نے پھر بغاوت کی تو اسے بصارت سے محروم کر کے تکریت کے قید خانے میں قید کر دیا گیا۔ ایشیائے کوچک میں بازنطینیوں کے خلاف ایک مہم کے دوران سلطان نے قسطنطنیہ کے محاصرے میں بنفس نفیس شرکت کی۔ اسی مہم کے دوران مورخین کے مطابق ملک شاہ کو بازنطینیوں نے بغیر پہچانے گرفتار کر لیا بعد ازاں وہ نظام الملک کے تدبر سے رہا ہوا۔ اس مہم سے واپس پر ملک شاہ پہلی مرتبہ بغداد آیا جہاں خلیفہ مقتدیٰ بامر اللہ (1075-1094ء) نے رسمی تکریم و تعظیم کے ساتھ اسے بازیاب کیا۔ 1083ء میں خلیفہ نے ملک شاہ کی بیٹی سے شادی کی لیکن یہ شادی آئندہ کے لئے خلیفہ اور سلطان کے درمیان مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ملک شاہ کے عہد میں سلجوقی سلطنت اپنے انتہائی عروج کو پہنچی اور یمن تک سلطان کے زیر نگین آ گیا۔ ملک شاہ کو اپنی بیٹی جس کی شادی خلیفہ سے ہوئی تھی بڑی فکر تھی کیونکہ وہ اکثر اپنے خاوند کی بے اعتنائی کی شکایت کرتی تھی' آخر ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو نواسے کے ہمراہ بغداد سے واپس بلوا لیا' تھوڑی ہی مدت بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ نواسہ جعفر ملک شاہ کی آنکھوں کا تارا بن گیا' اسے خلیفہ بنانے کے لئے ملک شاہ نے خلیفہ مقتدیٰ کو دست بردار ہونے کا حکم دیا قریب تھا کہ خلیفہ دست بردار ہو کر بغداد چھوڑ دیتا کہ ملک شاہ اچانک وفات پا گیا' اس کی اچانک وفات سے کچھ پہلے اس کے وزیر با تدبیر نظام الملک کو ایک فدائی نے خنجر گھونپ کر مار ڈالا تھا' مورخین لکھتے ہیں سلجوقی سلطنت کا عروج اسی شخص کا مرہون منت تھا۔

تاریخ ملت جلد دوم ماخذ = دائرہ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ ''ملک شاہ''

1072ء صقلیہ پر نارمنوں کا قبضہ

نویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی فتح صقلیہ مشرق و مغرب میں اسلام کی توسیع کا نتیجہ تھا یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب کے عیسائیوں مین انتشار پھیلا ہوا تھا مگر گیارہویں صدی کے وسط میں عمل معکوس رونما ہوا اور مسلمان صقلیہ خانہ جنگی اور داخلی انتشار کا شکار ہو گئے' آخری منظر میں ابن الثمنہ

(محمد بن ابراہیم) ایک خصوصی اداکار کے طور پر نظر آتا ہے آخری کلبی صمصام الدولہ کے بلزم Palermo سے چلے جانے کے بعد ابن ثمنہ یہاں کا سب سے بڑا حاکم بن گیا' اس نے سرقوصہ Siracusa پر قبضہ کر کے ابن المکلاتی' رئیس قطانیہ کو شکست دی اور اسے قتل کر کے اس کی بیوہ میمونہ سے شادی کر لی اس طرح وہ ایک اور صوبہ کے حاکم ابن الحواص کا برادر نسبتی بن گیا مگر جلد ہی اس کی اپنی اس بیوی سے ناچاقی ہوگئی جس کے نتیجے میں ابن الثمنہ اور ابن الحواص میں جنگ ہوئی جس میں ابن الثمنہ کو شکست ہوئی مگر وہ مغلوب نہ ہوا' بھاگ کر عیسائی حکمران کاؤنٹ روجر Count Roger کے پاس پناہ گزین ہوا اور اسے صقلیہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی' کاؤنٹ روجر پہلے ہی اپنے بھائی سمیت صقلیہ پر حملہ کی تیاری میں مصروف تھا۔

فروری 1072ء کے آخر میں نارمن افواج دشمن ملک وملت ابن ثمنہ کی رہبری میں صقلیہ میں اترنا شروع ہوئیں' جزیرے پر مسنیا کے عیسائیوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور بلرم پر قبضہ کے ساتھ عیسائی بازیافت کا سلسلہ شروع ہوگیا' دیگر مرکزی مقامات مثلاً سرقومہ Siracusa' آغر جنت Agri Gento' این Enna اور بیترہ Batera اور دیگر قلعوں پر قبضہ ہوتا چلا گیا' افریقہ سے صنہاجہ کے حکمران نے صقلیہ کے مسلمانوں کی مدد کے لئے اپنے بیٹوں ایوب بن تمیم بن المعز اور علی بن تمیم بن المعز کو مع اسلامی فوج کے بھیجا' یہ لوگ نارمنوں کا راستہ روکنے کے لئے جرجنت پہنچے' ابن الحواص نے اپنے محل میں ٹھہرایا' دونوں بھائی اہل صقلیہ سے مل کر نارمنوں سے مقابلے کی تیاری کرنے لگے مگر ابن الحواص نے بھی غداری کی اور مہمانوں سے مڈبھیڑ کر بیٹھا اور آپس میں ہی جنگ ہوگئی صقلیہ کی فوجیں نارمنوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے ابن الحواص کے حکم پر افریقی مہمانوں سے لڑ بیٹھیں جس کے نتیجے میں ابن الحواص کام آیا مگر ناعاقبت اندیشی کی انتہا یہ ہوئی کہ افریقی اور صقلوی مسلمانوں میں چل گئی' دونوں افریقی شہزادے بددل ہو کر صقلیہ کے مسلمانوں کے رویئے کی وجہ سے انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔ اعیان وامراء وقت نے جب یہ حال دیکھا تو بڑی تعداد میں صقلیہ سے ہجرت پر کمر باندھی اور انبوہ کثیر صقلیہ چھوڑ کر افریقہ آ گیا تاہم نارمنوں کی فتح کے بعد جزیرے میں بغاوت کے اکا دکا واقعات رونما ہوتے رہے' جن سے نارمنوں کو مشکلات کا سامنا رہا' سب سے آخر میں محمد بن عباس نے 640ھ 1242ء میں شجاعانہ مزاحمت کی اور انٹیلا Antella کے قلعے سے نارمن حکمران فریڈرک دوم کے خلاف بغاوت کر کے نکلا مگر انجام کار اسے بھی شکست ہوئی' اور اس کے ساتھیوں

نے ہتھیار ڈال دیئے' بچے کھچے مسلمانوں کو لومیرا کے علاقے پگلیا میں منتقل کر دیا گیا' جہاں وہ محنت مزدوری کی زندگی بسر کرتے رہے۔

1075 خلیفہ مقتدی بامر اللہ کی تخت نشینی

ابوالقاسم عبداللہ بن محمد عباسی' یہ خلیفہ القائم کا پوتا تھا' اپنے دادا کی وفات پر شعبان 467ھ اپریل 1075ء میں اس کی جگہ خلیفہ بنا حقیقی حکمران سلجوق سلطان ملک شاہ تھا جس کی بیٹی سے 480ھ 1087ء میں اس کی شادی ہوئی۔ مگر ناچاقی کی وجہ سے 482ھ 1089ء تک وہ اپنے باپ کے پاس واپس چلی گئی' اس رنجش کی وجہ سے سلطان نے خلیفہ کو بغداد چھوڑ کر کہیں اور چلا جانے کا کہا مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا کیونکہ 485ء 1092ء میں سلطان کا انتقال ہو گیا اور المقتدیٰ بغداد میں امن اور چین سے رہنے لگا۔ اس زمانے میں سلجوقیوں کی طاقت اوج کمال کو چھو رہی تھی۔ اسی وجہ سے ان تمام ممالک میں جن کو انہوں نے بزور شمشیر فتح کیا تھا خلیفہ کی روحانی سیادت کو بھی تسلیم کر لیا گیا تھا۔

مقتدی بامر اللہ کے عہدے کے قابل قدر کارناموں میں بغداد میں سرود غنا کی محفلوں پر پابندی' بغداد کے حماموں میں بغیر ازار باندھے کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ حماموں میں برہنہ نہانے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ حماموں کے برج اور بالا نشین گرا دیئے گئے' تاکہ پڑوس کے مکانوں کی بے پردگی نہ ہو' شرفاء و نجابی عباس میں مقتدی نہایت دیندار' مخیر' بلند حوصلہ اور عالی ہمت انسان تھا' اس کی حکومت کے پہلے سال میں مکہ معظمہ میں عبیدیوں کا نام پھر شامل خطبہ کر دیا گیا تھا۔

467ھ 1072ء ہی میں نظام الملک سلجوقی وزیر مملکت نے تقویم نظامی کا آغاز کیا' اس نے تمام منجموں کو جمع کر کے اول نقطہ برج حمل میں تحویل آفتاب سے جشن نوروز کا آغاز کرایا ورنہ اس سے قبل ایرانی نوروز کا آغاز اس وقت کرتے تھے جب آفتاب نصف برج حوت میں پہنچ جاتا تھا' اس طرح تقویم نظامی کا آغاز ہوا جو آج تک اہل نجوم میں معتبر سمجھی جاتی ہے۔

468ھ 1073ء میں دمشق میں مقتدیٰ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور اذان سے حی علی خیر العمل نکال دیا گیا۔ اسی سال بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں ابونصر استاذ قشیری (صاحب رسالہ

قشریہ) تشریف لائے اور وعظ فرمایا اپنے وعظ میں انہوں نے تمام دلائل اشعریہ عقاید کے ساتھ بیان کئے' بغداد کے حنبلیوں سے برداشت نہ ہوسکا اس لئے دوران تقریر ہی فتنہ عظیم برپا ہوگیا اور دونوں طرف کے بہت سے لوگ مارے گئے۔

478ھ 1083ء میں بغداد میں اس شدت کی کالی آندھی جو سخت گرج چمک کے ساتھ آئی۔ کئی مقامات پر بجلی گری لوگوں کو خیال گزرا کہ قیامت آ گئی۔ 485ھ 1092ء میں ملک شاہ نے سختی سے حکم دیا کہ خلیفہ بغداد چھوڑ دے۔ خلیفہ نے مہلت مانگی تو صرف دس روز کی مہلت دی گئی مگر انہی ایام عین ملک شاہ نے یکا یک وفات پائی لوگوں نے اس اتفاق کو مقتدی کی کرامت سمجھا۔ کہتے ہیں مقتدی ان ایام میں روزے رکھ کر افطار کے وقت خاک پر بیٹھ کر ملک شاہ کے حق میں بدعا کرتا تھا' مگر 487ھ 1094ء میں خود مقتدی نے اچانک وفات پائی کہتے ہیں ملک شاہ کے جانشین برکیارق نے اسے زہر دلوادیا تھا۔

1070ء ونڈسر پیلس کی تعمیر

ونڈسر کیسل یا پیلس Wind sor Castle انگلستانی بادشاہوں کی شاہی رہائش گاہ ہے جو لندن کے 21 میل مغرب میں برک شائر Berkshie کاؤنٹی میں واقع ہے' یہ مقام ونڈسر ڈسٹرکٹ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ٹیمز کے مغربی کنارے پر تقریباً 13 ایکڑ پر محیط ہے۔ محل یا قلعہ کی عمارت دو چہار گوشہ شکل Quadrilateral کی عمارات یا صحنوں Caurts پر مشتمل ہے' ان دونوں چہار گوشہ عمارتوں کو ایک مرکزی گول مینار کی شکل کی ایک بلند و بالا عمارت الگ کرتی ہے جو میلوں دور سے نظر آتی ہے اور تقریباً 80 فٹ بلند ہے۔

کہتے ہیں اس مقام پر سیکسن عہد (10 ویں عیسوی) میں بھی سرکاری رہائش گاہ موجود تھی ولیم فاتح نے جنگ ہسٹینگز میں کامیابی کے فوراً بعد تقریباً 1070ء میں اس مقام کو ایک قلعہ کی تعمیر کے لئے چنا اور یہاں ابتدائی عمارات تعمیر کروائیں۔ شاہ ہنری اول وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے 1110ء میں یہاں باقاعدہ طور پر دربار لگایا' اس کے بعد شاہ ہنری دوم نے اس قلعے کی شمال مشرقی دیواریں تعمیر کروائیں۔ شاہ ایڈورڈ سوم نے 1348ء میں اس محل یا قلعے کی تمام سابقہ عمارات گرا کر آج کی موجود عمارات تعمیر کروائیں اور اس محل کو شاہی رہائش گاہ قرار دیا شاہ ایڈورڈ

سوم کے بعد شاہ چارلس اول اور شاہ جارج چہارم نے قابل قدر اضافے کئے اور عمارات کی تزئین وآرائش کرائی۔

آج کل یہ شاہی رہائش گاہ لٹل پارک Litle Park میں واقع ہے جو Great Windsor Park کا حصہ ہے' اس لٹل پارک میں ملکہ اکٹوریہ اور اس کے شوہر پرنس ابرٹ کی قبور واقع ہیں۔

مرکزی گول مینار کے مغرب میں عمارت کا جو حصہ یا ونگ واقع ہے وہ لووڑ وارڈ Lower Ward کہلاتا ہے' اس ونگ میں سینٹ جارج کا کینسہ St.Georges,Church واقع ہے جس کی تعمیر شاہ ایڈورڈ چہارم نے شروع کی تھی اور اسے شاہ ہنری ہشتم نے مکمل کیا۔ اسی چرچ میں شاہ ہنری ہشتم شاہ' شاہ چارلس اول' شاہ ولیم چہارم' جارج پنجم' جارج ششم اور دیگر برطانوی شاہان مدفون ہیں۔

شاہ ایڈورڈ سوم کے عہد تک محل کی اندرونی تزئین وآرائش کا خیال نہ رکھا جاتا تھا۔ شاہ ایڈورڈ سوم نے اس سرکاری رہائش کو شاہی محل میں تبدیل کر کے اسے اندرونی طور پر بھی آراستہ وپیراستہ کر دیا' بعد کے آنے والوں نے اس محل میں اپنے مزاج اور فیشن کے مطابق تبدیلیاں کیں اور اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیئے' ان بعد میں آنے والے بادشاہوں میں شاہ جارج چہارم نے اپنی شاہ خرچی سے اس محل میں بہت سی تبدیلیاں کیں اور صحیح معنوں میں اسے ازمنہ وسطی کے ایک قلعہ سے محل میں تبدیل کر دیا۔

ماخذ۔Encyclopedia Britannica vo-12The World Book Encyclopedia

1076ء حسن بن صباح اور اس کی جنت

حسن بن صباح الحمیری خود پر وحی کے نزول اور خدائے برتر سے احکام پانے کا مدعی تھا اور ایک ایسے فرقے کا بانی کہ جس کی خفیہ سازشوں اور جان ستانیوں کی کہانیاں سن کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ شخص خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوا' اس کا باپ علی اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا' جس کا مورث اعلیٰ صباح ایک مشہور آدمی ہو گزرا تھا' اس لئے اس نے حسن بن علی کہلانے کی بجائے حسن بن صباح کہلانا پسند کیا۔ حسن کا باپ ایک شریر اور عیار شخص تھا' چونکہ

طوس پر اس وقت اہل سنت والجماعت کی حکومت تھی' اور وہاں کا حاکم ابو مسلم رازی نامی ایک شخص تھا جس سے علی اپنے عقاید پوشیدہ رکھے ہوئے تھا' اپنے الحاد کو مزید چھپانے کے لئے علی نے اپنے بیٹے حسن کو امام موفق کے پاس نیشاپور بھیج دیا جبکہ اس سے پیشتر وہ ایک اسماعیلی عبدالملک بن عطاش سے بھی تحصیل علم کرتا رہا تھا۔ امام موفق کی تربیت میں خدا نے یہ خوبی رکھی تھی کہ ان کے شاگرد ہمیشہ اعلیٰ درجات پاتے تھے۔ کئی مورخین کہتے ہیں کہ سلجوقی وزیر نظام الملک اور عمر خیام انہیں کے مکتب میں حسن بن صباح کے ہم مکتب تھے۔ کہتے ہیں کہ تینوں میں باہم بڑی الفت تھی ایک دن حسن بن صباح ان دوستوں کو کہنے لگا کہ اگر خدا تعالیٰ ہم تینوں میں سے کسی کو جاہ وثروت عطا کرے تو یہ اس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دو دوستوں کو بھی شریک کرے گا تاریخ شاہد ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ مراتب کو پہنچے۔ جن دنوں نظام الملک سلجوقیوں کے سیاہ وسپید کا مالک بنا حسن بن صباح اس کے پاس پہنچا اور اسے وعدہ یاد دلایا' نظام نے اس کی ملاقات بادشاہ سے کرائی اور اسے سلطان ملک شاہ کا مقرب خاص مقرر کرایا مگر وہ اپنی سرشت کے مطابق محسن کشی پر اتر آیا اور خود وزیر اعظم بننے کے لئے نظام الملک کو بادشاہ کی نظروں میں گرانے کی کوششیں کرنے لگا۔ انہی سازشوں کے نتیجے میں اسے دربار شاہی سے نکلوا دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ یہاں سے مصر چلا آیا مگر وہاں سے بھی اسے افریقہ خارج کر دیا گیا۔ جس جہاز پر ابن صباح سوار ہوا وہ سمندر میں طوفان میں گھر گیا تمام مسافر ڈرے کہ اب موت سر پر ہے مگر حسن نے انہیں یقین دلایا کہ جہاز کو کوئی گزند نہ پہنچے گی واقعی ایسا ہی ہوا اور طوفان ٹل جانے کی وجہ سے جہاز بچ گیا۔ اگرچہ یہ محض اتفاق تھا مگر ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اس حسن بن صباح کے باطنی تصرف پر محمول کیا۔ خود جہاز کا کپتان اس کا گرویدہ ہو گیا اور اس نے اس کی خواہش پر اسے افریقہ لے جانے کی بجائے شام کے ساحل پر اتار دیا اور وہ حلب۔ بغداد اور خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا ان تمام شہروں میں اسماعیلی تعلیمات کی تبلیغ کرتا رہا۔

اسی اثناء میں اس کے ایک استاد زادے اور چند اور باطنیوں نے ایران کے اس حصے میں مضبوط قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ لوگ جس سب سے پہلے قلعہ پر متصرف ہوئے وہ فارس کے قریب تھا۔ جب ان کی تعداد بڑھی تو انہوں نے قزاقی شروع کر دی اور قافلوں کو لوٹنے لگے۔ ان باطنیوں کا سردار احمد بن عبدالملک بن عطاش تھا جس کا باپ باطنیہ کا روحانی پیشوا تھا۔ ادھر حسن بن صباح نے قیام اصفہان کے دوران اپنے کچھ آدمی قلعہ الموت کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کریں۔ قلعہ الموت کے حاکم سے ابن صباح نے اپنی عبادات کے لئے ایک

بیل کے چرسہ پر محیط زمین خریدی اور دام زیادہ ادا کئے۔ جب بیع نامہ کی تکمیل ہوگئی تو حسن نے بیل کی کھال کی باریک دھجیاں کٹوا کر سارے قلعے کو اس کے احاطے میں لے لیا اور پورے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر قلعہ الموت اور اس کے گردونواح میں قوت واستقلال حاصل کر لینے کے بعد اس نے یہاں عالیشان محلات اور باغات تعمیر کرائے۔ ان کامیابیوں کے بعد حسن کے دماغ میں صرف ایک دھن تھی کہ کسی طرح اپنے دشمنوں یعنی نظام الملک اور سلطان ملک شاہ کو ٹھکانے لگائے۔ لیکن اس قدر عالی مقام دشمنوں کو آسانی سے ٹھکانے لگانا بھی مشکل تھا۔ اس کے لئے اس نے اپنا دماغ استعمال کر کے جانبازوں کی ایک جماعت تیار کی اور ان کے دل میں یہ بات مرتسم کردی کہ شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح ہی تمام دنیا کا مالک ہے پھر اس نے ایک ایسی تدبیر کی کہ جس کی وجہ سے ان جانبازوں کو جان سپاری پر آمادہ کرنا چٹکی بجانے کا کام بن گیا۔ اس نے قلعہ الموت کے اردگرد نظر فریب مرغزاروں اور جاں بخش نزہت گاہوں میں شاندار محلات تعمیر کرائے ان کی تزئین وآرائش کی۔ ان محلات کی خوشنمائی اور پاکیزگی دیکھنے والے کے دل پر جادو کا کام کرتی تھی۔ ان محلات کے بیچوں بیچ اس نے ''جنت'' کے نام سے ایک پرفضا باغ لگوایا جس میں عیش ونشاط کے تمام سامان بھی مہیا کئے گئے۔ ان باغات میں اس نے پانی' دودھ اور شراب کی نہریں تک بنوائیں' اور پھر ان سب لزائم لعائم کے علاوہ دل بہلانے کے لئے پری وش کم سن نازنین موجود کردیں ان مہ وشوں کا حسن وجمال اور دلربائی دیکھنے والے کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی تھی کہ یہ پیکر نور وحسن اس زمین کے علاوہ کسی اور عالم سے تعلق رکھتے ہیں ان تمام سامان نشاط سے کوشش یہ کی گئی کہ یہاں داخلے کے بعد زائر کے دل میں فرحت وانبساط کا ایسا شیریں اثر پیدا کیا جاسکے کہ یہاں کے حور ومسرت کو دنیاوی نہ سمجھے بلکہ آخروی یقین کرے۔ یہاں کے حور وغلمان کا کاروبار بالکل انتہائی رازداری سے انجام پاتا تھا۔ اس تمام ہتھکنڈوں سے بہرحال ابن صباح کے مکار دماغ نے فدائین کی ایک ایسی جماعت تیار کرلی جو اس جنت ارضی کو سماوی سمجھتے (چونکہ وہ بھنگ کے زیر اثر اس جنت میں بھیجے اور یہاں سے واپس لے جاتے تھے) اس لئے جلد ہی اس جنت کی دوبارہ جھلک پانے کے لئے وہ اپنی جان دینے اور دوسروں کی جان لینے کے لئے ابن صباح کے اشارے کے منتظر رہنے لگے۔ ابن صباح انہیں حکم دیتا کہ جاؤ اور فلاں شخص کو قتل کر کے خود بھی قتل ہوجاؤ تاکہ تجھے جنت میں مسرتوں سے ہم کنار کیا جائے۔ یہ فدائین ایک مرتبہ شیخ الجبل کا حکم ملنے کے بعد کسی صورت اس شخص کو زندہ نہ چھوڑتے تھے۔ 485ھ میں

نظام الملک ملک شاہ کے ساتھ بغداد جا رہا تھا کہ ہاوند کے مقام پر اسے ابن صباح کے ایک فدائی نے چھری مار کر شہید کر دیا۔ اگر چہ ملک شاہ اور دیگر مسلمان سلاطین نے قلعہ الموت پر فوج کشی کی مگر ناکام رہے اور کہیں ہلاکو خان نے اسے 1256ء میں تباہ کیا۔

1078ء لندن ٹاور (حصار لندن) کی تعمیر

1066ء میں ولیم فاتح نے جنگ ہسٹینگز میں کامیابی حاصل کرنے کے چند ماہ بعد لندن شہر حکومت کرنے کے لئے ایک سادہ سا قلعہ تعمیر کرایا تھا جو بعد ازاں لندن ٹاور London Tower کہلایا۔ اسی حصار یا قلعے میں بشپ گنڈلف آف روچسٹر Bishop Gundulf نے سفید مینار والا حصہ 1078ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی تعمیر میں تقریباً بیس سال کا عرصہ لگا۔ اس کی دیواریں تقریباً 11 سے 15 فٹ چوڑی ہیں۔ اس عمارت کے بالائی حصے میں شاہی خاندان کی رہائش کے لئے تعمیرات کی گئیں' اس کے علاوہ بالائی منزل میں سینٹ جارج کا گرجا اور کھانے کا ایک عظیم الشان ہال واقع ہیں یہ رہائشی عمارت شاہ ولیم دوم سے شاہ ہنری ہفتم تک شاہی رہائش گاہ کے طور پر مستعمل رہی۔

تقریباً 13 ایکڑ پر محیط عمارتوں کا یہ مجموعہ دریائے ٹیمز کے شمالی کنارے پر واقع ہے' اس کے گرد ایک کم گہری خشک خندق اور اونچی سنگی دیوار' اس کی تاریخی عمارات کے گرد گھومتی ہے' ان عمارات میں ایک قدیم قلعہ ایک قدیم شاہی رہائش گاہ اور تاریک قید خانہ مشہور ہے' اب اس کی حیثیت ایک اسلحہ خانے کی ہے' ماضی میں یہاں شاہی تکسال بھی قائم رہی ہے۔

لندن ٹاور کی یہ تاریخی عمارت تاریخ انگلستان میں ایک تنگ و تاریک قید خانے کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے۔ 1275ء میں ایڈورڈ اول نے اس قلعے میں دریائے ٹیمز کے رخ پر ایک آبی گیٹ تعمیر کروایا تھا' جو بعد ازاں ''غداروں کا دروازہ Traitors Gate کہلایا اسی دروازے سے غداری کے مرتکب اکثر مجرموں کو قید خانے لایا جاتا اور اسی دروازے سے غداری کے مجرموں کو باہر لے جا کر ایک قریبی پہاڑی پر سزائے موت دی جاتی تھی' اس قید خانے اور خونی مینار سے بہت سے تاریخی واقعات وابستہ ہیں' یہاں بہت سے لوگوں کے سر قلم کئے گئے' جو قیدی اس قید خانے میں سزائے قید کے لئے لائے گئے ان میں ملکہ ایلزبتھ اول نمایاں ترین ہے' وہ اپنے ایام

شہزادگی میں یہاں اسیر کی گئی تھیں۔ یہاں کے اسیران میں دیگر مشہور شخصیات بھی شامل ہیں جن میں لیڈی جین گرے جو غداروں کے دروازے ہی سے سر قلم کرنے کے لئے یہاں لائی گئی' دو نوجوان شہزادے ایڈورڈ پنجم اور اس کا بھائی ڈیوک آف یارک 1483ء میں ان کے چچا رچرڈ سوم کی تخت نشینی کے وقت قید کئے گئے ان دونوں نوجوانوں کو چشم فلک نے پھر دوبارہ نہیں دیکھا اور وہ دونوں اسی قید خانے کی پنہائیوں میں گم ہو گئے' بیسویں صدی کے شروع میں 1916ء میں یہاں آئر لینڈ کی آزادی کا رہنما یا مجرم سر راجر کیسمنٹ اس کی سزائے موت کی حکم تک یہاں رکھا گیا۔

یہاں کی دوسری عمارات میں ویکفیلڈ ٹاور بھی شامل ہے جہاں برطانیہ عظمیٰ کے شاہی تاج میں ٹکے ہوئے جواہرات کو محفوظ کئے گئے ہیں' اس کے محافظ ''یومین وارڈر'' YEOMEN Warders کہلاتے ہیں۔

شمالی برج کی عمارت دوسری عالمی جنگ کے دوران نازیوں کی بھاری بمباری سے تباہ ہو گئی۔

1077ء شہنشائیت اور پاپائیت میں جھگڑا

ازمنہ وسطیٰ کے یورپ میں حکمرانوں کی مطلق العنانی کو کم کرنے کا ایک بڑا سبب شہنشائیت اور پاپائیت میں جھگڑا تھا۔ ازمنہ وسطیٰ میں پاپائے روم نہ صرف مسیحی دنیا کے کلیسائی نظام بلکہ شہنشاہوں' امیروں اور عوام پر بھی اقتدار کا دعویدار تھا' 1073ء میں گریگوری ہفتم پوپ منتخب ہوا اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ کلیسائے روم خدا کا قائم کردہ ادارہ ہے۔ پوپ کا اقتدار عالمگیر ہے۔ وہ شہنشاہ کو بھی معزول کرنے کے اختیارات رکھتا ہے اور رعایا کو شہنشاہی احکامات کی پابندی سے آزاد کر سکتا ہے۔ اس زمانے میں شہنشائیت کو روئے زمین پر خدا کی سلطنت اور شہنشاہ کو اس سلطنت کا سرکردہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پوپ گریگوری نے اس خیال کو باطل قرار دیا اس کا استدلال یہ تھا کہ شہنشاہی کی بنیاد قہر و غضب پر رکھی گئی ہے۔ اس لئے وہ خدا کی سلطنت نہیں ہو سکتی۔ خدا کی سلطنت تو کلیساء ہے' جس کی بنیاد حق پر ہے اور چونکہ پوپ کلیسائی نظام کا سربراہ ہے اس لئے اس کو تمام دنیا اور تمام حکمرانوں پر اختیار کامل حاصل ہے' پوپ کے اس اعلان کے بعد نتیجتاً پوپ اور شہنشاہ کے حامیوں میں جنگ اور چشمک کا آغاز ہو گیا' جس کا سلسلہ اگلی صدی کے ربع اول تک جاری رہا۔ اس کے اثرات یورپ کے تمام ممالک پر گہرے مرتب ہوئے۔

پاپائیت اور شہنشائیت کے درمیان اس کشمکش کے دوران کلیساء نے اس خیال کی اشاعت کی کہ جو حکمران اپنا فرض بخوبی انجام نہ دے سکے اس کو معزول کیا جاسکتا ہے کیونکہ اگر حکمران تاجپوشی کے ذریعے اختیارات منتقل کرسکتا ہے تو نااہلی کی بنیاد پر اس کے اختیارات معزول کر کے سلب بھی کئے جاسکتے ہیں۔ حکمرانی اور اس کے اختیارات قانون کے تابع ہیں۔ حکمران انصاف کرنے اور اپنے فرائض حکمرانی بخوبی انجام دینے کا عہد ملک وقوم سے کرتا ہے۔ اگر وہ اس عہد کو پورا نہ کرے تو یہ اس کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی ہے جس کی پاداش میں اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ حکمرانوں کے متعلق ایسے سیاسی نظریات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ پوپ نے اپنے مخالف حکمرانوں کو غاصب قرار دے کر نااہل بلکہ دین مسیحی سے خارج تک قرار دے دیا اور ان کی رعایا کو اطاعت کی پابندی سے آزاد قرار دے دیا۔ چنانچہ 1077ء میں ایک پاپائی حکم کے تحت جرمنی کے امراء نے شہنشاہ ہنری چہارم کی اطاعت سے انکار کردیا' ان کے انکار سے یورپ میں یہ جمہوری روایت قائم ہوئی کہ رعایا حکمران کا محاسبہ اور اس کی اطاعت سے انکار کرنے کی مجاز ہے۔ پوپ کے ایک حامی اور سیاسی نظریات ساز مانے گولڈ نے اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ جائز حکمران وہی ہے جو کلیساء کے اقتدار کا تابع ہے' شہنشائیت اور پاپائیت کی اس کشمکش میں بھی پوپ غالب آیا اور کبھی شہنشاہ مگر اس جھگڑے نے شہنشاہ کے اقتدار کو شدید نقصان پہنچایا' یورپ کے بعض ملکوں میں تو ملکی اتحاد واستحکام کی خاطر بادشاہوں کی حمایت کی گئی مگر دوسرے ممالک میں حکمرانوں کے اقتدار کو دھچکا پہنچا اور جمہوری اداروں کو فروغ حاصل ہوتا گیا۔ اصل معاملہ کچھ یوں پیش آیا کہ جرمنی کے شہنشاہ ہنری چہارم نے جرمنی میں کچھ اصلاحات کا اعلان کیا تھا لیکن اس وعدے کو ایفا نہ کیا اس پر پوپ گریگوری ہفتم نے اسے سخت تنبیہ کی کہ وہ عوام سے کئے اپنے وعدے پورے کرے مگر ہنری نے اسے پوپ کی مخالفت سمجھتے ہوئے جرمنی کے اسقفوں Bishops کی ایک مجلس 1076ء میں بلائی اور پوپ گریگوری کی معزولی کا اعلان کردیا جس پر پوپ نے ہنری کو دائرہ مسیحیت سے خارج کردیا اس پر ہنری نے پوپ سے اپنا بدلہ چکانے کے لئے اٹلی پر حملے کرنے شروع کردیئے یہاں تک کہ وہ روم تک پہنچ گیا اور پوپ کو شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا' گریگوری اعظم نے جلاوطنی کی حالت ہی میں وفات پائی۔

ماخذ۔ تاریخ جمہوریت' از شاہد حسین رزاقی' تاریخ انقلابات عالم

1080ء دہلی میں قلعہ لال کوٹ کی تعمیر

دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر 28 درجے 30 ثانیئے اور 28 درجے اور 94 ثانیئے پر واقع ہندوستان راجدھانی دہلی کا شمار دنیا کے قدیم وجدید شہروں میں ہوتا ہے' سچ یہ ہے کہ یہ سہ دو شہروں پر مبنی ہے' جن میں سے ایک قدیم ترین دہلی اور دوسرا جدید تر دہلی ہے' دونوں کے ادغام سے آج کے دہلی نے جنم لیا ہے۔ ہندو مورخین کے مطابق دہلی کے مقام پر سب سے پہلا شہر ''اندر پت'' ہندوستان کے جنگی ہیروز پانڈوؤں نے تعمیر کیا تھا جو اپنے عزیز کوروؤں سے فرمانروائی کے معاملے میں اختلاف کے بعد مشترکہ دارالحکومت ہستناپور (دریائے گنگا کے کنارے آباد ایک قدیم شہر) سے نقل مکانی کر کے دریائے جمنا کے کنارے اپنے نوآباد کردہ شہر ''اندر پت'' میں آباد ہو گئے چونکہ ہندو دنیا کی واحد قوم ہیں جنہوں نے قدیم دور میں اپنی کوئی تاریخ رقم نہیں کی اس لئے اس نقل مکانی کے سن وسال مورخین کو معلوم نہیں ہو سکے۔ عام طور پر آج کے ہندو مورخین اندر پت کی اس آبادکاری کو 5611 ق م کے سال میں رونما ہونا بتاتے ہیں جو دیگر مورخین کے نزدیک خود کوروؤں اور پانڈوؤں کی زرمیہ داستان کی طرح دیومالائی ہے لیکن یہاں سے پانچویں صدی قبل مسیح کی ساخت کے ظروف کے ٹکڑے ملے ہیں بہر طور مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دہلی کو تاریخی حیثیت واہمیت گیارہویں صدی کے اواخر میں حاصل ہوئی جب راجہ انگ پال نے 1080ء میں یہاں سنگ سرخ سے ایک قلعہ تعمیر کروایا جو لال کوٹ کے نام سے مشہور ہوا اس قلعہ کے آثار اب تک موجود ہیں' اسی راجہ نے 1052ء میں متھرا سے ایک لوہے کی لاٹھ لا کر یہاں نصب کی' اگرچہ لیبارٹری میں تجزیئے سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لاٹھ لوہے کی بنی ہوئی ہے مگر حیرت انگیز طور پر اتنے طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ زنگ الود نہیں ہوئی۔

1180ء کے لگ بھگ مہاراج پرتھوی راج نے مسلمان حملہ آوروں کے خلاف مدافعت کے لئے اس کے گرد ایک اور فصیل تیار کروائی مگر پھر بھی مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا' فتح کے بعد قطب الدین ایبک نے 1192ء میں مسجد ''قوت الاسلام'' تعمیر کروائی اور بعد ازاں اس سے متصل ایک مینار کی تعمیر شروع کی جو قطب مینار کہلایا' یہ مینار نہ صرف اس مسجد کے ''مؤذنہ'' کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ شمالی ہند میں مسلمانوں کی فتح کی یادگار بھی ہے' ہندوؤں کی تعمیر کردہ قدیم فصیل کی توسیع اور اسے باقاعدہ طور پر از سر نو مستحکم کرنے کا کام بھی یہاں ابتدائی مسلمان صوبیداروں اور بادشاہوں

کے ہاتھوں انجام پایا اور یوں ہندو دہلی سے مسلم دہلی وجود میں آیا جو اپنے سابقہ حکمرانوں کی نسبت سے قلعہ رائے پتھورا کے نام سے موسوم ہوا۔

قلعہ رائے پتھورا ہی سلاطین دہلی کی مستقل اقامت گاہ رہا' یہاں تک کہ 1289ء کے قریب معزالدین کیقباد نے کیلوکھڑی کے مقام پر جو اس وقت جمنا کے کنارے تھا اپنا محل بنوایا' 1290ء میں جلال الدین خلجی نے اس پر قابض ہو کر اس کی تکمیل کی اور اسے وسعت دی' سلطان علاؤالدین خلجی نے بھی اسی میں ترمیم واضافہ کیا' لال کوٹ کے مغربی دروازے (رنجیت دروازہ) کی تعمیر بھی اسی میں شامل ہے' سلطان نے قلعہ لال کوٹ کی توسیع کا بھی آغاز کیا حملہ آور منگولوں سے بچاؤ کے لئے اس نے پہلے شمال میں سری کے میدان میں ایک فوجی مستقر قائم کیا بعدازاں خندقوں سے اس کا احاطہ کرلیا۔

1085ء طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ

جزیرہ نما آئبریا Iberia (اسپین) کے وسط میں دارالحکومت میڈرڈ سے ساٹھ میل جنوب مشرق میں ہسپانیہ کا ایک مشہور شہر واقع ہے جسے عرب طلیطلہ Toledo کہتے تھے' اسے تین اطراف سے دریائے ٹیگس Tagas نے گھیرا ہوا ہے اور یہ سنگ خارا کی ایک پہاڑی پر سطح سمندر سے کوئی دو ہزار فٹ بلندی پر تعمیر ہوا ہے۔ عرب عہد میں یہ شہر آلات حرب کی صنعت کے لئے مشہور تھا' خصوصاً تلوار سازی کے لئے مسلمان اس شہر پر صرف پونے چار سو سال حکمران رہے۔

خلافت بنوامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد طلیطلہ نے ہسپانیہ کی سیاست میں نہایت معمولی حصہ لیا اگرچہ اس سے قبل یہ شہر اپنے باغیوں کی وجہ سے بھی مشہور تھا' بنوامیہ کے پہلے امیر الاخل سے لے کر عبدالرحمٰن الثالث الناصر کے عہد تک ایک امیر بھی ایسا نہیں گزرا جس کے لئے طلیطلہ فکر وتشویش کا باعث نہ رہا ہو' بلکہ بعض اوقات یہ خطرے کا باعث بھی رہا' عبدالرحمٰن اول ہی کے وقت سے اکثر اوقات یہاں باغی اپنی خودمختاری کا اعلان کرتے رہے' خلیفہ الحکم نے یہاں کے باغیوں پر قابو پا کر ایک نومسلم ''عروس'' نامی شخص کو یہاں کا حکمران مقرر کیا اس نے امیر قرطبہ کی رضامندی سے شہر کے تمام عمائدین کو ایک دعوت پر بلا کر اپنے دام تزویر سے قتل کروادیا' تاریخ ہسپانیہ میں یہ واقعہ ''یوم الخندق'' کے نام سے مشہور ہے' لیکن اس تاریخی ظلم کی قساوت کے باوجود اہل طلیطلہ صرف دس سال تک اطاعت گزار رہے' اس کے بعد انہوں نے ایک بار پھر علم بغاوت

بلند کر دیا اور امیر الحکم کو (814ء) کو خود جنگ کے لئے طلیطلہ جانا پڑا' ایک جنگی چال کے ذریعے باغیوں سے شہر واپس لینے کے بعد امیر نے روز روز کی بغاوتوں سے تنگ آ کر شہر کے بالائی حصے کو آگ لگا دی۔ آگ کا غسل پانے کے باوجود 829ء میں طلیطلہ میں ایک بار پھر بغاوت ہو گئی' جو آخری عظیم تاجدار بنو امیہ امیر عبدالرحمٰن الثالث الناصر کے عہد تک وقفوں میں جاری رہی اہل طلیطلہ کو قطعی طور پر اطاعت قبول کرنے پر مجبور کرنے کا کام بنو امیہ کے اسی امیر نے سرانجام دیا' امیر نے 930ء میں ایک وفد کے ذریعے اہل طلیطلہ کو اطاعت اختیار کرنے کا پیغام دیا جب وہ نہ مانے تو ایک طویل محاصرے کے بعد امیر نے آخر اہل طلیطلہ کو اطاعت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا' خلافت بنو امیہ کے بعد یہاں المامون نامی ایک شخص 1075ء تک کامیاب حکومت کی اس کے بعد یہ شہر عیسائیوں کا باج گزار ہو گیا اور یہاں کے امیر القادر کی حکومت کو بحال کرنے کے سلسلہ ہی میں قشتالیہ کے الفانسو ششم نے 5 مئی 1085ء کو یہاں قبضہ کر لیا' اگرچہ اس قبضہ کے صرف ایک سال بعد المرابطون نے ہسپانیہ پر حملہ کیا اور اس کے بعد الموحدون بھی آئے اور انہیں بہت سی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں مگر طلیطلہ پھر کبھی مسلمانوں کے قبضے میں نہ آ سکا۔

تاریخ ہسپانیا از نصیر احمد ناصر۔ ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12

1086ء جنگ زلاقہ

12 رجب 479ھ 23 اکتوبر 1086ء کو ہسپانیہ میں بطلیوس کے قریب زلاقہ کے مقام پر جمعہ کے دن سلطان یوسف بن تاشفین المرابطی اور شاہ قشتالیہ Castile الفانسو ششم کے درمیان ایک یادگار معرکہ لڑا گیا جو تاریخ میں جنگ زلاقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' اس معرکہ میں یوسف بن تاشفین نے عیسائیوں کو اندلسی مسلمانوں کی مدد سے عبرتناک شکست دی' آج کل اس مشہور میدان جنگ کو سگراجاس Sagrajas کہتے ہیں' اسلامی اندلس میں اموی خلافت کے خاتمے کے بعد سے طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ کوئی مرکزی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت بکھر چکی تھی' دوسری طرف عیسائی ریاستیں بڑھتے بڑھتے مسلمانوں کی ہر ریاست سے بڑی ہو چکی تھیں' عیسائی حکمران الفانسو ششم جو ایک ملک گیر اور عبث باطن کا شکار حکمران تھا' اندلس کا کوئی مسلمان بادشاہ اب اکیلا اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا' اس کی سرکردگی میں عیسائی بازیافت اسپین کی مہم تیز تر کئے ہوئے تھے' خود الفانسو نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی

کہ وہ اندلس سے مسلمانوں کو نکال کر دم لے گا' آخر اس کے ریاست پر ریاست فتح کرنے کی وجہ سے والیان اندلس' معتمد صاحب اشبیلیہ اور متوکل بادشاہ بطلیوس نے افریقہ کے المرابطین سے الفسانسو کے خلاف امداد حاصل کرنے کے لئے المرابطین حکمران یوسف بن تاشفین سے مراسلت کی۔ اسی دوران معتمد کے بیٹے الرشید نے جب افریقیوں کے درشت مزاج کی شکایت کی تو معتمد نے اس کے جواب وہ تاریخی فقرہ کہا جواب تک تاریخ کی کتابوں میں محفوظ چلا آتا ہے یعنی ''میں عیسائیوں کا شکار ہو کر یہ نہیں چاہتا کہ مسجدوں میں مجھ پر لعنت کی جائے' میں افریقہ میں اونٹ چرانے کی خدمت کو اس سے بہتر سمجھوں گا کہ قشتالیہ میں سور چراؤں''

الفانسو طلیطہ پر قبضہ کرنے کے بعد سرقسطہ کا محاصرہ کئے بیٹھا تھا۔ انہیں دنوں معتمد اور دوسرے لوگوں کی دعوت پر یوسف بن تاشفین ایک بڑا لشکر لے کر اندلس پہنچا اور جزیرہ الخضرا سے اشبیلیہ کے لئے روانہ ہوا' معتمد اور اس کے ارکان دولت نے یوسف کا شہر کے باہر بڑا شاندار استقبال کیا' یوسف نے الفانسو کو خط لکھا کہ وہ اسلام قبول کرے یا جزیہ دے یا جنگ کے لئے تیار ہو جائے' الفانسو نے مغرورانہ جواب دیا کہ عرب سردار میرے مطیع ہو چکے ہیں اور میرے پاس فرانس تک کے بہادر جنگجو موجود ہیں میں تمہاری قلیل فوج کو ٹھکانے لگا دوں گا' یوسف بن تاشفین اسی کے خط پر اپنے ہاتھ سے جواب میں لکھا ''جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ تم خود ہی دیکھ لو گے'' لڑائی کے دن طے کرتے ہوئے الفانسو نے لکھ بھیجا کہ جمعہ تمہارا مبارک دن ہے اور اتوار ہمارا لہٰذا لڑائی پیر کے دن ہو گی مگر عہد شکنی کرتے ہوئے جمعہ ہی کے دن حملہ آور ہوا' مسلمانوں کی فوج میں سب سے آگے اندلس کی افواج تھیں اور پہاڑیوں پر المرابطین کی۔ آغاز ہی میں اندلس سپاہی میدان چھوڑ گئے' مگر معتمد اور اس کی سپاہ میدان میں ڈٹی رہی' آخر عیسائی بھاگ کھڑے ہوئے ادھر یوسف میدان جنگ پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا' اس نے العتمد کو تھوڑی سی کمک بھیجی تا کہ عیسائیوں کو ادھر مصروف رکھا جا سکے مگر خود اپنی فوج کے ساتھ چکر کاٹ کر عقب میں الفانسو کی فوج پر جا پڑا' اب عیسائی گھر گئے وہ اندلسی جو میدان چھوڑ گئے تھے میدان کی حالت دیکھ کر لوٹ آئے الفانسو کو شکست ہوئی مگر الفانسو جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا' زلاقہ کی جنگ میں فتح نے اندلس میں مسلمانوں کو مزید 400 سال قیام کا عرصہ دے دیا۔

ماخذ۔ تاریخ ہسپانیہ از نصیر احمد ناصر' عبرت نامہ اندلس

1090ء امام غزالی کی ''احیائے العلوم''

ایک روایت کے مطابق معراج شریف کی شب آنحضرت (ﷺ) کی امت مسلمہ کے جس عالم بے بدل سے آسمان پر ملاقات ہوئی وہ ابوحامد محمد بن محمد الطوسی الشافعی' الغزالی دنیائے اسلام کے سب سے زیادہ بدیع الخیال مفکر اور سب سے بڑے عالم دینیات ہیں' فلاسفر مغرب بھی ان کی بالغ نظری اور علم و وجدان کے قائل ہیں۔

آپ طوس میں 450ھ 1058ء میں پیدا ہوئے' انہوں نے طوس اور نیشاپور میں تعلیم پائی بالخصوص امام الحرمین سے اور پھر 478ھ تک (ان کے انتقال تک) امام موصوف کے ساتھ مقیم رہے' صوفیانہ ماحول میں رہنے اور صوفیانہ ریاضتوں میں حصہ لینے کے باوجود ان پر تصوف کا کوئی اثر نہ ہوا' ان کا رجحان آغاز ہی سے نسبتاً دینی اور فقہی باریکیوں کی طرف تھا' عنفوان شباب ہی میں انہوں نے تقلید (یعنی سند کی بنا پر کسی عقیدے کو قبول کر لینا) سے رشتہ توڑ لیا۔ نیشاپور سے وہ سلجوقی وزیر نظام الملک کے پاس پہنچے اور 484ھ تک علماء اور فقہا کی اس جماعت میں رہے جو وزیر موصوف کی خدمت میں حاضر رہتے تھے' پھر ان کا تقرر مدرسہ نظامیہ بغداد میں بحیثیت معلم ہو گیا' قیام بغداد کے دوران میں وہ پورے متشکک اور مرتاب بن چکے تھے۔ اس تشکک کا تعلق صرف مذہب ہی سے نہ تھا بلکہ کسی قطعی علم کے امکان سے بھی۔ جہاں تک فلسفے کا تعلق ہے الغزالی کبھی اس تشکک پر غالب نہ آ سکے۔ بغداد میں انہوں نے فقہ پر درس دیا اور اس علم پر کتابیں بھی تصنیف کیں' وہ باطنیہ' اسماعیلیہ اور امامیہ فرقوں کے خلاف چند ایک کتاب مناظرہ کے بھی مصنف ہیں جنہوں نے 485ھ میں نظام الملک اور سلجوقی سلطان ملک شاہ کو قتل کر ڈالا۔ 483ھ سے 487ھ تک وہ اپنے زمانے کے مختلف مذاہب فکر خصوصاً فلسفے کا بڑی محنت سے مطالعہ کرتے رہے اور انجام کار پورے انہماک سے تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر 488ھ میں اپنے اندرونی انقلاب کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک جہاں گشت درویش کی حیثیت سے بغداد سے چل کھڑے ہوئے' اب ان کی زندگی زہد و غور و فکر کے لئے وقف ہو گئی' 499ھ میں انہوں نے ایک بار پھر عملی زندگی اختیار کی۔

ذوالعقدہ 499ھ میں انہوں نے سلطان کے حکم پر نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں استاد کا عہدہ قبول کیا لیکن اپنی داخلی کشمکش کی وجہ سے وہ واپس طوس چلے آئے اور اپنے چند مریدوں کے ساتھ گوشہ نشین ہو گئے' یہیں ان کا انتقال 14 جمادی الآخر 505ھ 19 دسمبر 1111ء کو ہوا۔

ان کی تصنیف ''احیاالعلوم الدین'' ان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور ہے یہ کتاب ان کے تمام نظام فلسفہ کے خلاصے کی حیثیت سے منفرد ہے' اس کا زمانہ تصنیف 1090ء بتایا گیا ہے' احیاء دو حصوں پر مشتمل ہے جو آگے چل کر دو دو اربعوں میں منقسم ہیں' پہلا حصہ عبادات کے ظواہر اور مذہبی رسوم سے متعلق ہے' دوسرے میں زندگی کے باطنی پہلو' قلب اور اس کے اعمال خیر و شر سے بحث کی گئی ہے' چاروں ربع کے عنوانات یہ ہیں۔ ربع العبادات' ربع العادات' ربع المہلکات اور ربع المنجیات' الغزالی' علامہ شبلی۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 2/14۔ الغزالی، مولانا شبلی نعمانی

1094ء خلیفہ المستظہر باللہ تخت خلافت پر

ابوالعباس احمد بن المقتدیٰ' المستظہر باللہ محرم 487ھ فروری 1094ء میں اپنے باپ کی وفات پر اس کا جانشین ہوا' اس زمانے میں سلجوقیوں کی طاقت اندرونی نزاع کی وجہ سے کمزور پڑ چکی تھی حسن بن صباح اور دیگر باطنی زور پکڑ رہے تھے' مسلم سلاطین اور خلیفہ کے لئے ان سے جنگ لڑنا لازم ہوگیا' اسی زمانے میں صلیبی محاربات کا آغاز ہوگیا' شعبان 492ھ جولائی 1099ء میں بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا جہاں سے آئندہ سالوں میں بغداد میں بہت سے مسلم و یہودی پناہ گزین آ پہنچے اور انہوں نے سلجوقی سلطان محمد کو اکسایا کہ وہ صلیبیوں سے جنگ کرے' اس نے ایک لشکر امیر مودود کے زیر قیادت 505ھ 1111ء میں صلیبیوں کے خلاف بھیجا خود خلیفہ المستظہر باللہ کا ذکر اس زمانے کی سیاسی تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے کیونکہ وہ سلجوقیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا' سلطان محمد سلجوقی اور برکیاروق کی باہمی عداوت اور جنگ کے بعد جب دونوں صلح ہوئی تو خلیفہ نے سلطان برکیاروق کو خلعت سے سرفراز کیا اور اس کا نام خطبوں میں شامل کرلیا گیا۔

498ھ 1104ء میں سلطان برکیاروق کی وفات کے بعد اس کے امراء نے اس کے کم سن بیٹے جلال الدولہ ملک شاہ کو اس کا قائم مقام مقرر کیا لیکن اس کے چچا سلطان محمد نے اس کے خلاف بغاوت کردی' اس پر سلطان برکیاروق کے بعض امراء نے بھی اس کا ساتھ دیا' خلیفہ المستظہر باللہ نے بھی اس کی بادشاہت کو تسلیم کرلیا اور سلطان محمد کو خلعت سے نوازا۔

500ھ میں سلطان محمد نے قلعہ اصفہان جو باطنیوں قبضے میں تھا ان سے واپس لے لیا باطنیوں کے سردار کو گرفتار کر کے اس کی کھال میں بھس بھر دیا' 501ھ میں سلطان نے اپنی رعایا کے بہت سے ٹیکس معاف کر دیئے' 502ھ میں باطنیوں نے ایک مرتبہ پھر زور پکڑا اور شیراز والوں کو غافل پا کر شیراز میں گھس گئے اور قلعے پر قبضہ کر لیا۔

512ھ 1118ء میں خلیفہ المستظہر باللہ نے 3 ربیع الاول کو وفات پائی' اس نے کل 25 سال خلافت کی' اس کے بعد اس کا بیٹا المسترشد باللہ مسند خلافت پر متمکن ہوا' وہ پہلا خلیفہ تھا جس نے بغداد پر آل بویہ کے قبضے کے بعد اس پر قناعت نہ کی کہ خلیفہ کو فقط روحانی پیشوا سمجھا جائے اور اس کا کوئی سیاسی اثر ورسوخ نہ ہو سلطان محمد سلجوقی کے بیٹے سلطان محمود بن محمد سے خلیفہ کا اختلاف تھا' ادھر ایک فتنہ پرداز دبیس بن صدقہ عراق میں فساد برپا کئے ہوئے تھا' خلیفہ نے 517ھ 1123ء میں اسے شکست دی' دارالخلافے پر یورش کو بہادری سے پسپا کرنے کے بعد اب خلیفہ سلجوقیوں کے خلاف بھی خودمختارانہ رویہ اختیار کرنے کے قابل ہو گیا' اس پر سلجوقی والی بغداد نے سلطان کو خلیفہ کے اختیارات محدود کرنے کا کہا' خلیفہ سلطان کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا اور اسے مجبوراً صلح کرنا پڑی۔ خلیفہ نے سلطان محمود کی وفات کے بعد سیاسی اختیارات حاصل کرنے کی ایک اور کوشش کی اور جون 1132ء میں دبیس اور عمادالدین زنگی کو شکست دی۔

ماخذ۔ تاریخ الخلفاء، دائرہ المعارف اسلامیہ

1092ء نظام الملک طوسی کا فدائن کے ہاتھوں قتل

پنجشنبہ 10 رمضان المبارک 485ھ 14 اکتوبر 1092ء کو صحنہ کے قریب جو سرزمین ایران میں کنگا اور بے ستون کے درمیان واقع ہے' حسن بن صباح کے ایک فدائی نے عالم اسلام کی ایک مشہور شخصیت نظام الملک طوسی کو جو سلطان الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا' خنجر مار کر ہلاک کر دیا' اس وقت نظام الملک طوسی سلطان ملک شاہ سلجوقی اور اس کے لاؤ لشکر کے ساتھ اصفہان سے بغداد جا رہا تھا' قاتل فدائی (جو ایک دیلمی تھا) ایک مسلمان صوفی کے بھیس میں تھا' اسے فوراً گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا' اگرچہ عام خیال یہ ہے کہ قاتل حسن بن صباح کا فرستادہ تھا مگر بعض مورخین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ نظام الملک کے قتل کے ذمہ دار خود

ملک شاہ اور تاج الملک تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ تاج الملک' ابوالغنائم پارسی سلطان کا منظور نظر بن گیا تھا۔ اسی تاج الملک نے سلطان کے سامنے نظام الملک پر اقرباء پروری کا الزام لگایا تھا ملک شاہ پہلے ہی ایک عرصے سے نظام الملک سے ناراض تھا کہ وہ خلیفہ المقتدیٰ کا حامی بن گیا ہے جب نظام الملک سے اس کے اسراف اور اقرباء پروری کا باقاعدہ حساب مانگا گیا تو اس نے بے حد سخت جواب دیا جس سے ملک شاہ کا غیظ وغضب انتہا کو پہنچ گیا تھا مگر اس نے اسے معزول نہیں کیا تھا اسی غصہ کی وجہ سے مورخین نظام الملک کے قتل کا الزام سلطان پر لگاتے ہیں۔

ابوعلی الحسن بن علی بن اسحاق طوسی' سلجوقی سلاطین کا مشہور ومعروف وزیر تھا' وہ 10 اپریل 1018ء 21 ذیعقد 408ھ کو بروز جمعہ طوس کے قریب پیدا ہوا' سلجوقیوں کی حکومت میں وہ چغری بیگ کا وزیر مقرر ہوا تھا۔ پر اسے سلطان الپ ارسلان نے اپنے وزیر الکندری کو معزول کر کے نظام الملک کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ الپ ارسلان کے عہد حکومت میں وہ اس کی مہمات اور سفروں میں اس کے ساتھ رہا جو تقریباً مسلسل جاری رہے' البتہ وہ ملاگرد کی مشہور جنگ میں اس کے ساتھ نہ تھا کیونکہ اسے بھاری سامان کے ساتھ آگے ایران بھیج دیا گیا تھا' دوسری طرف نظام الملک نے خود بھی معرکہ آرائیاں کی اور اصطخر کے قلعہ کی فتح کا سہرا اسی کے سر ہے' بہر حال الپ ارسلان کے قتل (1027ء) سے پہلے وہ اوج کمال کو نہ پہنچا تھا۔

اس وقت سے اگلے بیس سال تک سلجوقی سلطنت کا اصل فرمانروا وہی رہا' آغاز ہی سے وہ اٹھارہ سال کے نوجوان بادشاہ ملک شاہ پر حاوی ہو گیا تھا اور اسی سلسلے میں قاورد بیگ کی شکست بڑی ممد ومعاون ثابت ہوئی جس نے تخت شاہی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی' اس خدمت کے عوض نظام الملک کو اتابک کا خطاب عطا ہوا' عباسی خلیفہ المقتدی سے نظام الملک کو امید تھی کہ وہ اس کے بیٹے موید الملک کو اپنا وزیر مقرر کرے گا مگر المقتدی اس بات پر رضامند نہ ہوا' اب نظام الملک نے خلیفہ سے انتقام لینے کی قسم اٹھائی' کہتے ہیں کہ وہ یہاں تک سوچنے لگا کہ سرے سے خلافت ہی کا خاتمہ کر دیا جائے مگر خلیفہ المقتدیٰ سے ملک شاہ کی بیٹی کی شادی کے بعد وہ خلافت کا حامی بن گیا۔

نظام الملک کو زیادہ شہرت دراصل اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہ کہنے کو تو وزیر تھا مگر باقی ہر اعتبار سے خود بادشاہ تھا' اس نے سلجوقی سلطنت پر حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ حکمرانی کی نئی نئی اصلاحات واختراعات کو اپنا مقصود بنانے کے برعکس اس کی کوشش دراصل یہ رہی کہ جہاں تک ممکن

ہو وہ اس سلطنت کو غزنوی حکومت کے نمونے پر ڈھالے' کیونکہ اس کی ولادت اور نشو ونما اسی ماحول میں ہوئی تھی' تدبیر وانتظام ملک داری میں اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جو اس کے پیشروؤں یعنی برامکہ کو حاصل رہی تھی۔

1091ء میں نظام الملک نے ''سیاست نامہ'' لکھا اور اگلے سال اس میں مزید گیارہ ابواب کا اضافہ کیا' یہ کتاب ایک طرح ان امور کا نقشہ دکھاتی ہے جن کی تکمیل میں اسے کامیابی نہ حاصل ہوسکی مثلاً وہ ''دیوان'' کی ترتیب کے سوال پر شاذ ونادر ہی بحث کرتا ہے اس کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ اس نے یہ کتاب بادشاہوں کے لئے مبادی سیاسیات پر لکھی تھی' اس کتاب کے آخری گیارہ ابواب نظام الملک کے قتل ہونے سے کچھ پہلے بڑھائے گئے تھے۔

ماخذ۔اردو دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 22 صفحہ 364

1094ء ''ال سڈ'' کا ویلنسیہ پر قبضہ

آج کے اسپین میں بازیافت اسپین کا ہیرو جس شخص کو ٹھہرایا جاتا وہ ال سیڈ Il-Cid نامی ایک عیسائی جانباز تھا' یہ افسانوی شخصیت مسٹر سکاٹ کی تحقیق کے مطابق تواضع' تہذیب' اولوالعزمی مظلوموں کا منتقم اور تمام عیسائی خوبیوں کا مجسمہ تھا مگر مورخین نے تاریخ کے سڈ کو افسانوی سڈ سے بالکل مختلف شخص قرار دیا ہے یہ شخص حقیقت میں اتنا بڑا مکار' عیار اور بدعہد تھا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی' عیسائیوں کا اسے ہیرو بنا کر پیش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کا ازلی دشمن تھا مگر اس کی خون آشامی سے خود عیسائی بھی محفوظ نہ رہے' مسٹر ڈوزی نے عبرت نامہ اندلس میں اس کی بڑائی کی کوئی صفت قبول نہیں کی اور اسکا ذکر اپنی کتاب میں مختصراً کیا ہے۔

وہ قشتالیہ کے ایک امیر خاندان کا فرد تھا جب سینکو قتل ہوا تو یہ سرقطہ میں ملازم تھا' فوراً لیون پہنچا اور اس نے سینکو کے دشمنوں کا ساتھ دیا یہ عیسائی بادشاہ اس کی غدارانہ خو سے ڈرتا تھا' اس نے اپنی چچیری بہن اس سے بیاہ دی' لیکن جب وہ اپنے دشمنوں پر قابو پا کر نظام سلطنت کو مضبوط کر چکا تو اس نے 1081ء میں ال سڈ کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا' چونکہ ان دنوں عربی اندلس کی زبان تھی اس لئے یہ سڈ عربی کا سید یا سیدی ہے جو شاید اسے اس کے مسلمان ماتحتوں کا دیا ہوا خطاب ہے۔

قشتالیہ سے نکلنے کے بعد اس نے رہزنی شروع کر دی آہستہ آہستہ اس کا گروہ بڑھتے بڑھتے

اتنا ہو گیا کہ وہ بڑے بڑے لوگوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا' جب وہ الفانسو کے دربار سے منسلک تھا تو معتمد کی دی ہوئی خراج کی رقم یہی سڈ خرد برد کر گیا تھا اسی بناء پر اسے ملک بدر کیا گیا تھا۔

ملک بدری کے بعد اس نے کاؤنٹ آف برشلونہ کے ہاں ملازمت کرنا چاہی مگر وہ اس کے اطوار سے واقف تھا' اس نے اسے اپنے ہاں ملازمت دینے سے انکار کر دیا' البتہ اسے سرقسطہ میں بنو ہود کے ہاں ملازمت مل گئی مقتدر جیسا روشن دماغ اور علم پرور مسلمان یہاں حکمران تھا' اس نے سڈ کو جس مہم پر بھی بھیجا اس نے انتہائی سفائی سے کام لیا' یہاں تک کہ عیسائی سونے کے باوجود کلیسا بھی لوٹ لئے۔

انہی دنوں ویلنسیہ پر قادر نامی ایک مسلمان حکمران کی برائے نام حکومت تھی عیسائی اس کے محافظ اور مدار المہام تھے' دانیہ کے والی منذر نے اہل کٹالونیہ کو لے کر ویلنسیہ کا محاصرہ کر لیا' قادر نے والئی سرقسطہ سے مدد کی درخواست کی' اس وقت مستعین سرقسطہ کا بادشاہ تھا' اس نے دورخی چال چلتے ہوئے ایک طرف قادر کو مدد کا یقین دلایا' دوسری طرف سڈ کو شہ دی کہ تم ویلنسیہ پر قبضہ کر لو' اس کے ساتھ یہ طے کیا کہ ویلنسیہ سے ملنے والے مال میں وہ برابر کا شریک ہوگا اور ساتھ ہی اس ریاست کا الحاق وہ سرقسطہ سے کرے گا' مگر سڈ جو پہلے ہی اپنی بدعہدی کی وجہ سے مشہور تھا' اس نے الفانسو سے بھی ویلنسیہ کے معاملے پر صلح کر لی۔ ال سڈ نے ویلنسیہ کا سخت محاصرہ کر لیا جس کے بعد 15 جون 1094ء کو اہل شہر نے اس سے ایک معاہدہ کر کے شہر اس کے حوالے کر دیا مگر اہل شہر سے انتہائی ظلم و جبر روا رکھا یہاں تک کہ بہت سے مسلمانوں کو زندہ جلا کر ان کے کباب بنا دیئے۔

1095ء پہلی صلیبی جنگ

ساتویں صدی میں ارض فلسطین میں اسلامی سلطنت کے قیام ہی سے عیسائی باشندوں کو تمام مراعات حاصل تھیں' انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی' اور ان کے دیوانی حقوق کی بھی پوری حفاظت کی جاتی تھی' وہ اسلامی مملکت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بغیر کسی روک ٹوک کے سفر کر سکتے تھے' دوسرے ممالک میں اپنے ہم مذہبوں سے رابطہ رکھ سکتے تھے' رواداری کا یہ عالم تھا کہ زمین اور جائیداد کے سلسلے میں ان پر وہی قانون عائد کئے جاتے تھے جو مسلمانوں پر عائد ہوتے تھے' عیسائی زائرین کو بلا روک ٹوک بیت المقدس میں آنے کی اجازت تھی بلکہ اس مقدس

عبادت گاہ کا ایک حصہ پادریوں اور اسقفوں کے لئے وقف تھا۔ 969ء میں جب سے فلسطین اور شام فاطمی خلفاء کے زیر اثر آئے تھے' عیسائیوں کو مزید حقوق حاصل ہو گئے تھے' مگر ان تمام مراعات کے حاصل ہونے کے باوجود متعصب عیسائی مطمئن نہیں تھے' اور بیت المقدس میں مسلمانوں کی موجودگی کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے' اگرچہ عیسائی زائرین یہاں مسلمانوں کی حفاظت اور مہمان نوازی کا لطف اٹھاتے تھے مگر نفرت اور تلخی لے کر جاتے تھے۔

دسویں صدی کے آخر میں یہ خیال عام ہو گیا کہ اس صدی کے خاتمہ پر قیامت آ جائے گی' اس خیال کے پیش نظر مسیحی دنیا سے لاکھوں اور ہزاروں زائرین ارض القدس میں آنا شروع ہو گئے اور گیارہویں صدی میں ان کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہوا اسی زمانے میں فلسطین پر ترکمانوں کے ایک قبیلے کا قبضہ ہو گیا' اجنبی عیسائی زائرین کی روز افزوں تعداد اور انکا جوش و خروش ان کٹر ترکمانوں کی سمجھ میں نہ آ سکا اور کبھی کبھی ایسا ہوا کہ زائرین میں سے بعض لوٹے اور مارے گئے لوٹ مار کے ان چند واقعات کو مسیحی یورپ میں بڑی مبالغہ آرائی سے پیش کیا گیا' جس سے آئندہ معرکہ ہائے صلیب و ہلال پیش آئے مگر ان صلیبی معرکوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نہ صرف شام و فلسطین بلکہ مشرقی یورپ اور اسپین میں بھی عیسائیوں کو مسلمانوں نے زبردست شکست دی تھی اسی وجہ سے عیسائی مسلمانوں سے انتقام لینے کے خواہاں تھے۔ مگر صلیبی جنگوں کے آغاز کی فوری وجہ وہ اپیل تھی جو بازنطینی شہنشاہ الیکٹریس نے 1094ء میں پوپ اربن ثانی سے کی تھی' اس شہنشاہ کے کچھ مقبوضات ایشیائی کوچک میں واقع تھے جنہیں مسلمان سلجوقوں نے پامال کر دیا تھا اور اب وہ قسطنطنیہ کے لئے خطرہ بن رہے تھے۔ 26 نومبر 1095ء کو پوپ نے جنوبی مشرقی فرانس کے ایک مقام کلیمر مانٹ پر ایک خطبہ دیا جس میں اس نے مسیحی دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''اے یسوع مسیح کے فرزندوں بیت المقدس کا رخ کرو اور اسے شیطانی نسل سے چھین کر اس پر قبضہ کر لو'' اس خطبہ کا پوری مسیحی دنیا پر بے حد اثر ہوا اور مجنونانہ مذہبی جوش پیدا ہو گیا' بیشتر یورپی مسیحی سرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر آویزاں کر کے مسلمانوں کے خلاف اس مہم میں شریک ہو گئے' اولین صلیبی پہلے قسطنطنیہ میں جمع ہوئے پھر وہاں سے شام پہنچے جہاں مسلمانوں کی کوئی متحدہ قوت موجود نہ تھی اسی وجہ سے یہ مسیحی جنگجو کئی شہر فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے' ان شہروں کو فتح کرنے میں ان صلیبی جنگجوؤں نے تمام انسانی قدروں کو پامال کر دیا' اور قتل و غارت گری' بے حرمتی اور سفاکی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ایک بار گیارہ ہزار ترک مسلمانوں کے سر جو

ایک جنگ میں ہلاک ہوئے تھے کاٹ لئے گئے' ایک اور موقع پر صلیبیوں نے مسلمانوں کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر پھینکا، بوڑھے' عورتیں اور بچے بھی ان کی بربریت سے نہ بچ سکے۔
صلیبی جنگیں۔ ماخذ۔ مشہور تاریخی واقعات از نصیر احمد جامعی

1099ء القدس کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلنا

جولائی 1099ء میں مسیحی دنیا کا صلیبی فتح القدس کا صدیوں پرانا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کو تھا' 40 ہزار صلیبیوں نے القدس کا محاصرہ کرلیا تھا' فرانس' برطانیہ' اٹلی' جرمنی اور پورے یورپ کے چپے چپے سے مسیحی جنگجوؤں کا ایک سیلاب اس مقدس شہر کو فتح کرنے کے لئے ارض مقدس میں امڈ آیا تھا' اس سیلاب کو روکنا مسلمانوں کے بس میں نہ تھا۔ بیالیس روز کے محاصرے کے بعد بیت القدس پر عیسائی قبضہ ہوگیا۔ مسیحی جنگجو کئی ہفتے تک اس شہر کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے بلا امتیاز خواتین' مرد' بچے اور بوڑھے قتل عام کرتے رہے۔ صرف مسجد اقصیٰ کی محراب داؤد میں 70000 سے زائد مسلمان قتل ہوئے' مسجد کے بام و در میں مقتولین کا خون گھوڑوں کے گھٹنوں تک پہنچ گیا' لیکن اس انسانیت سوز قتل عام کو صلیبیوں نے ناکافی سمجھا اور ایک مجلس منعقد کی جس میں یہ امر قرار پایا کہ کل باشندگان القدس بشمول مسلمان یہودی اور غیر مقلد عیسائی سب تہہ تیغ کردیئے جائیں' یہ قتل عام حامیان دین عیسوی کی مستعدی سے آٹھ روز جاری رہا' اس قتل عام کا اعتراف پوپ اربن ثانی نے صلیبی جنگجوؤں کے نام مبارک باد کے پیغام میں کچھ یوں کیا ''اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جو شخص وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی ہیکل سلیمانی کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا''۔ پوپ اربن ثانی۔

جب اس قتل عام کی اطلاع بغداد پہنچی تو اہل بغداد نے سیاہ ماتمی لباس پہن لیا اور گلیوں میں نکل آئے اور آہ و فغاں بلند کرنے لگے' خلیفہ بغداد المستظہر باللہ جو پہلے بیت القدس کی مدد کے لئے کوئی فوج نہ بھیج سکا تھا اب ایک فوج بھیجنے پر تیار ہوا مگر یہ فوج بغیر لڑے حلوان سے پلٹ آئی' اس المناک واقعہ کے بعد مسیحیوں نے انطاکیہ' الرہا' طرابلس اور یروشلم میں چار مسیحی حکومتیں قائم کرلیں ان کا سردار اعلیٰ گاڈفرے والئی بیت القدس ہوا' اس نے اپنے لئے ''محافظ قبر مسیح'' کا خطاب پسند کیا' عالم اسلام چونکہ اب بھی متحد نہ ہوسکا تھا عیسائیوں کو یہ مضبوط حکومتیں قائم کرنے کا موقع مل گیا

مسلمانوں کے ساتھ فاتحین کا سلوک اس ضبط وتحمل کے بالکل برعکس تھا جسے حضرت عمرؓ نے اس شہر پر قابض ہوتے وقت دکھایا تھا۔ صلیبی جنگجوؤں نے نہ صرف انسانی خون بہایا بلکہ مذہبی تقدس کو پامال کرتے ہوئے قبۃ الصخرہ کے قیمتی خزائن بھی اٹھا کر لے گئے' صلیبیوں نے اس شہر میں واقع عالم نصرانیت کے مقدس مقامات حاصل کر لینے پر قناعت نہ کی جبکہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کے گرجاؤں کو تصرف میں نہ لایا تھا بلکہ مسلمانوں کے لئے صرف معبد کا رقبہ مخصوص کیا تھا' اس کے برعکس صلیبیوں نے مساجد پر قبضہ کر کے انہیں گرجاؤں میں تبدیل کر دیا' قبۃ الصخرہ جس کی تاریخ سے عدم واقفیت کی بنیاد پر وہ Templum Domini کہتے تھے' اگرچہ ویسا کا ویسا ہی رہا مگر اس کے گنبد پر ایک سنہری صلیب نصب کر دی گئی' صخرہ جو گنبد کے نیچے کھلی حالت میں موجود تھا' اس پر سنگ مرمر کی سلیں رکھ کر ایک قربان گاہ تعمیر کی گئی' مسجد اقصیٰ میں بہت کچھ ردوبدل کے بعد اس کا نام ''معبد سلیمان'' رکھ دیا گیا۔

ماخذ۔ القدس' اسلامی انسائیکلوپیڈیا' دانش گاہ پنجاب۔ یروشلم کیرن آرمسٹرانگ' مشہور تاریخی واقعات

1100ء شاہ ولیم دوم کی وفات

2 اگست 1100ء کو شاہ انگلستان ولیم روفوس William Rufus نیو فارسٹ ہمپشائر میں شکار کھیل رہا تھا' درختوں کے ایک جھنڈ سے اچانک ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور بادشاہ کی پشت میں پیوست ہو گیا یہ تیر شاید زہر میں بجھا ہوا تھا جس کی وجہ سے بادشاہ کی موت واقع ہو گئی یہ تیر کسی اور نے نہیں بلکہ بادشاہ کے ایک قریبی دوست والٹر ٹائرل Walter Tyrel نے چلایا تھا جو حادثاتی طور پر بادشاہ کو لگ گیا تھا' مگر مورخین لکھتے ہیں کہ والٹر ٹائرل نے جان بوجھ کر بادشاہ پر تیر چلایا تھا کیونکہ اندرونی طور پر وہ بادشاہ کے چھوٹے بھائی ہنری اول کا کارندہ تھا اور شاید اسی کی ہدایات پر اس نے ایسا کیا تھا کیونکہ اگلے ہی دن ہنری تخت نشین ہو گیا اور اسی دن اس نے ونچسٹر سے شاہی خزانہ منگوا لیا اور جو روفوس کے قتل میں اس کے ملوث ہونے کا شک پیدا کرتا ہے۔

ولیم دوم جو شاہ روفوس کے نام سے بھی مشہور ہے' ولیم فاتح کا تیسرا بیٹا تھا' اسے تخت انگلستان 1087ء میں ورثے میں ملا جبکہ اس کے دوسرے بھائی رابرٹ کے حصہ میں نارمنڈی (فرانس) کی نوابی (Duchy) آئی' نارمنوں کی فتح 1066ء سے اب تک سرزمین انگلستان ابھی شورشوں کی سرزمین تھی اور اسے ولیم فاتح کے بعد کسی آہنی عزم والے حکمران کی ضرورت تھی جو کہ ولیم دوم

ثابت ہوا جبکہ رابرٹ ایک نرم دل اور کمزور انسان تھا جو انگلستان کے لئے ایک اچھا بادشاہ ثابت نہ ہوتا۔ مگر نارمن امراء چاہتے تھے کہ نارمنڈی اور انگلستان ایک ہی حکمران کے زیر اثر رہیں اسی لئے انہوں نے رابرٹ کو تخت انگلستان پر بٹھانے کے لئے سازش کی اور مشرقی انگلستان میں بغاوتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جسے ولیم دوم نے کچل ڈالا' مگر عوام سے کئے وعدے پورے نہ کرنے کی وجہ سے اس کے خلاف ایک بار پھر بغاوت ہو گئی' اس بغاوت کی قیادت نارتھمبریا کا رابرٹ ڈی موبرے Robertde Mowberi کر رہا تھا' اس مرتبہ شاہ روفوس نے باغیوں کو سختی سے کچلا کہ پھر اس کے خلاف کبھی بغاوت نہ ہوئی۔ 1091ء میں اسکاٹ بادشاہ مالکم سوم نے انگلستان پر حملہ کیا جسے ولیم دوم نے کامیابی سے ناکام بنا دیا' بادشاہ کا دوسرا ٹکراؤ چرچ انگلستان کے آرچ بشپ اینلسم Anselm ہوا جو 1093ء میں کنٹربری کا آرچ بشپ مقرر ہوا تھا' 1093ء ہی میں اسکاٹ بادشاہ مالکم سوم نے انگلستان پر ایک اور حملہ کیا جسے جنگ آلنوک Alnwick میں نہ صرف شکست دی بلکہ وہ خود بھی میدان جنگ میں کام آ گیا۔ اس کے بعد اسکاٹ لینڈ انگلستان کا باج گزار بن گیا' ساتھ ہی ویلز Wales کو بھی باج گزار بنا لیا گیا' ان کامیابیوں کے باوجود ولیم روفوس کی سب سے بڑی خواہش نارمنڈی کا حصول تھا ادھر آرچ بشپ انیسلم کو مات ہوئی اور اسے روم جلاوطن کر دیا گیا' اور اس کی جائیداد پر بادشاہ نے قبضہ کر لیا۔ 1089ء سے 1096ء تک سات سال بادشاہ نارمنڈی کے خلاف عسکری کارروائیوں میں صرف کئے اور آخر رابرٹ کو اپنا ماتحت بنا لیا' 1096ء ہی میں رابرٹ صلیبی جنگ کے فلسطین روانہ اور اپنی سلطنت کو روفوس کے پاس رہن رکھ گیا' لیکن ان کامیابیوں کے ساتھ ساتھ ہر طرف روفوس کے دشمن ہی دشمن ہو گئے جنہوں نے سازش کر کے بالآخر بادشاہ کو قتل کروا دیا۔

The Kings and Queens Of England & Scotland Encyclopidia Britannica Vo: 12

1100ء جاپان مین سیمورائی بہادروں کا ظہور

جاپان میں ہیئن سلطنت Heian Dynastv چار سو سال تک قائم رہی' اس کے عہد کا پہلا حصہ نرم اطوار کی وجہ سے مشہور ہے' اس حصے میں اچھے اطوار' شاعری اور آرٹ پر خصوصی توجہ دی گئی ملک کا نیا دارالحکومت آج کے کیوٹو کی جگہ پر ہین کیو Hein-Kyo کے نام سے بنایا گیا' لیکن مرکزی حکومت کی نرمی اختیار کرنے کے جہاں فائدے پہنچے وہیں' صوبائی امراء طاقتور ہوتے

چلے گئے اور شرفاء بھی اپنی ذاتی افواج بھرتی کرنے لگے یوں مارشل آرٹس پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ اور لوگ لڑائی کے ماہر افراد کے گروہ بنانے لگے جن کی خدمات امراء اور نواب حاصل کرنے لگے' لڑائی کے یہ ماہرین سیمورائی Samurai کہلاتے تھے۔ شروع میں یہ اصطلاح جاپان کے شاہی خاندان کے حفاظتی دستے کے لئے مخصوص تھی' مگر مرکزی حکومت کے کمزور پڑ جانے کے بعد جب ملک میں جاگیردارانہ نظام چھا گیا اور ہر جاگیردار اپنی ذاتی فوج رکھنے لگا تو ہر عسکری تنظیم اپنے بہادر سپاہیوں کے لئے یہ اصطلاح استعمال کرنے لگی۔

سیمورائی بہت سے پہلوؤں میں یورپی نائٹ Knight کے مشابہ تھے جو ازمنہ وسطیٰ کے یورپ میں اپنی بہادری کی وجہ سے مشہور تھے' سیمورائی کے خطاب کی مقبولیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جاپان کی آبادی کے ہر سو اشخاص میں سے 5 افراد سیمورائی کہلاتے تھے۔ سیمورائی بہادروں کا ایک آئین یا ضابطہ وفاداری ہوتا تھا جس کی رو سے وہ اپنے آقا کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے پابند تھے یہ ضابطہ بوشیڈو Bushido کہلاتا تھا۔ سیمورائی بہادر مال اور دولت اور یہاں تک کہ اپنی زندگی پر بھی ایمانداری اور عزت کو ترجیح دیتے تھے' اپنی شکست یا بے عزتی پر یہ لوگ خود کو ختم کرنے کے لئے جاپانی رسم ہارا کاری Hara Kari کر لیتے جیسے کہ دوسری جنگ عظیم میں شکست کھانے کے بعد بہت سے جاپانی فوجی افسروں نے ہارا کاری کر کے موت کو گلے لگا لیا تھا۔

ہر سیمورائی بہادر دو تلواریں اور سر کا ایک خصوصی لباس رکھتا تھا' سیمورائی بہادروں کے فوج کے رینکوں کی طرح ترقی کا مدارج تھے جن کے تحت ان کو ترقی دی جاتی تھی' سیمورائی نظام جاپان میں تقریباً سات سو سال تک رائج رہا۔ 1868ء میں جب جاپان میں میجی شاہی خاندان کی حکومت بحال ہوئی اور جاگیردارانہ نظام منسوخ کیا گیا تو ساتھ ہی سیمورائی بہادروں کو صدیوں سے ملنے والی مراعات سے بھی ختم کر دی گئی اور یوں سیمورائی بہادروں کا نظام بھی ختم ہو گیا۔

1100ء انکا سلطنت کا آغاز

انکا براعظم جنوبی امریکا میں یورپی اقوام کی آمد سے پہلے جنوبی امریکا کے سرخ ہندی قبائل کی ایک سلطنت جس کا رقبہ 650000 مربع میل میں پھیلا ہوا تھا' اور آبادی تقریباً 1000000 نفوس پر مشتمل تھی' یہ سلطنت بحرالکاہل کے ساحلوں سے وسطی چلی تک پھیلی

ہوئی تھی اس کے مرکز کو "کوسکو Cuzzco کہتے تھے۔ ان کا Jnca دراصل شاہی لقب تھا جسے اس قوم کے بادشاہ لاحقہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہ سلطنت بارہویں صدی کے آغاز میں قائم ہوئی۔ روایات کے مطابق اسی زمانے میں ہجرت کرنے والے ان کا قبائل کا ایک گروہ اپنے مستقل قیام کے لئے کوئی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا جہاں وہ آباد ہو سکے' ان لوگوں نے آخر کار کوسکو کی زرخیز وادی کو منتخب کیا اس گروہ کا رہنما سنچی راکا Sinchi Roca نامی ایک شخص تھا جو مینکو کوپک Manco Capac نسل سے تعلق رکھتا تھا' وہ اپنے آپ کو "سیپا انکا" Sepa Inca کہتا تھا جس کا مطلب صرف ان کا بنتا تھا' اسی شخص نے انکا بادشاہوں کے اس لمبے سلسلے کی بنیاد رکھی جنہوں نے اس سنہری سرزمین پر اس وقت تک حکومت کی جب تک سولہویں صدی کے آغاز میں ہسپانیوں نے آ کر دنیا کی اس قدیم تہذیب کو مٹا نہ دیا' اس سلطنت کا پہلا بادشاہ "مے ٹا کاپک May Ta Capa کہلاتا ہے۔ اسی نے جنگ وجدل کے ذریعے ہمسایہ آبادیوں کو اپنا باج گزار بنایا اور اس شہنشاہی کی بنیاد رکھی۔ دوسرے شہنشاہ "کاپک یوپنکی Capacupanqui کی زیر قیادت انکا لوگ وادی کوسکو سے باہر نکلے' آٹھویں شہنشاہ ویرا کوچا Vara cocha کی زیر کمان ان لوگوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں باقاعدہ طور پر عسکری چھاؤنیاں قائم کیں اور یہ لوگ مزید نئے علاقے فتح کرنے نکل کھڑے ہوئے۔

بارہویں صدی میں قائم ہو جانے کے باوجود انکا سلطنت کی تاریخ میں پہلا یقینی سن 1438ء ہے جب "پے کا کیوٹی انکا" Pachacuti نامی ایک شخص نے اپنے بھائی سے جبراً تاج وتخت چھینا اور وہ خود شہنشاہ بن بیٹھا اس سلطنت کی انتہائی وسعت کا زمانہ شہنشاہ وائنا کاپک Huayacarac کا عہد 1493-1525ء تصور کیا جاتا ہے اس شہنشاہ کے بعد اس کے دو بیٹوں میں جانشینی کی جنگ لڑی گئی جس میں ایک کو کامیابی حاصل ہوئی مگر 1533ء میں ہسپانیوں نے پزارو Pizarro کی قیادت میں انکا لوگوں کو شکست دے کر ان کی سلطنت کو مسخر کر لیا۔

انکا سلطنت ایک فلاحی سلطنت تھی جس میں رعایا کی بہبود کی ذمہ داری سلطنت نے اٹھائی ہوئی تھی' لوگوں کے ذاتی مکانات اور گھریلو سامان کے سوا ہر چیز سلطنت کی ملکیت تھی ٹیکس' محنت و مشقت کی شکل میں وصول کئے جاتے حکومت آبادیوں کو اقتصادی اور انتظامی مقاصد کے لئے کہیں بھی منتقل کر سکتی تھی ان لوگوں کو انجینئرنگ اور زراعت میں بڑی مہارت حاصل تھی انہوں نے اہرام' پل اور پانی کے نکاس کے لئے نالیاں اور آبیاری کے مرکز تعمیر کر رکھے تھے۔ یہ لوگ زمینوں کی زرخیزی کے لئے کھاد کا استعمال بھی جانتے تھے۔ فنون اور دستکاریوں میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔

1130ء سسلی میں راجر دوم بادشاہ بنا

راجر دوم کا تعلق نارمنوں (جنوبی فرانس کے باشندوں) سے تھا' وہ کاونٹ راجر اول آف سسلی کا بیٹا تھا۔ ابھی پانچ سال کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا' صرف 9 سال کی عمر میں وہ اپنے بڑے بھائی کاونٹ سائمن کے بعد تخت نشین ہوا اور اس کی ماں اس کی متولی مقرر ہوئی' پھر 1112ء میں اس نے پلرمو Palermo میں حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی۔

راجر اول مکمل طور پر جنوبی فرانس سے تعلق رکھتا تھا جبکہ راجر دوم سسلی میں پیدائش کی وجہ سے بحیرہ روم کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا' اس نے سسلی کے مسلم وعیسائی مخلوط معاشرے میں پرورش پائی۔ عرب مسلمان اور یونانی اساتذہ نے اس کی تربیت کی جس کی وجہ سے اس کی شخصیت میں مذہبی رواداری پیدا ہوگئی' تبھی اس کے دربار سے الادریسی جیسے مسلمان جغرافیہ دان وابستہ رہا' الادریسی نے راجر کی فرمائش پر چاندی کے ایک بڑے قرص پر دنیا کا نقشہ بنایا تھا اور اس نقشے کے متعلق معلومات ''روجر کی کتاب'' نامی اپنی ایک تصنیف میں بیان کی تھیں' راجر دوم کے جانشین ولیم اول کے لئے الادریسی نے جغرافیئے کی سب سے بڑی کتاب نزہۃ النفس یا کتاب ''الممالک والمسالک'' لکھی تھی جو آج موجود نہیں رہی' اس کتاب سے صرف ایک اقتباس کتب خانہ حکیم اور اوغلو علی پاشا استنبول میں محفوظ ہے۔

راجر اول کی طرح راجر دوم بھی اپنی حکومت کی توسیع کے لئے سرگرم رہا مگر اس کی پالیسی ہمیشہ خون بہانے کی بجائے سونے کی چمک سے خیرہ کر کے کام لینے کی رہی تاہم اسے جاہ پسندی اور کشور کشائی اپنے نارمن آباء سے ورثے میں ملی تھی 1122ء میں اس نے کیلبر یا Calabria پر قبضہ کرلیا اور 1127ء میں ولیم ڈیوک آف ابوالیہ William Duke of Apulia کے لاولد فوت ہونے پر اس کی ریاست پر بھی دعویٰ وراثت کردیا' اطالیہ کے کچھ نوابوں Barons نے اس کے اس دعویٰ کی مخالفت کی مگر پوپ انوسینٹ نے سسلی' کیلبر یا اور ایولیا پر اس کی حکمرانی تسلیم کرلی پھر پوپ اینا کلیٹس Anacletus نے نیپلز اور کیپوا پر اس کی حکومت کی توثیق کردی 1130ء میں راجر دوم نے شاہ سسلی کا لقب اختیار کیا تو نیپلز' کیپوا کے اور کئی دیگر لاطینی نوابوں نے جرمنی کے شہنشاہ لوتھیر Lothar اور یونانی شہنشاہ عمانویل اور پوپ انوسینٹ innocent کے اشارے پر بغاوت کردی۔ راجر دوم نے یہ بغاوت فرد کردی بلکہ جزیرہ مالٹا اور اس کے قریبی

دیگر جزائر پر بھی قبضہ کرلیا' دوسری طرف اسی نے سلطنت یونان کے خلاف کارروائی کر کے کارفو Corfu اور تھیبز پر قبضہ کرلیا اور ایتھنز' کارنتھ اور نیگرو پونٹ کے یونانی شہروں کو تاراج کیا' 1152ء میں اپنی طاقتور بحریہ کے بل بوتے پر اس نے براعظم افریقہ میں طرابلس سے تونس تک کا علاقہ فتح کرلیا اور موہراب Mohrab اور قیروان تک کے علاقے اس کے زیر انتداب آ گئے' اپنی طاقتور بحریہ کے باوجود اس نے 1147ء میں ہونے والی دوسری صلیبی جنگ میں شرکت نہیں کی' اس کی ایک وجہ تو یروشلم کے فرانک بادشاہوں سے اس کی ذاتی نفرت تھی جو اس کی ماں کی یروشلم کے بادشاہ بالدوئن اول سے شادی سے پیدا ہوئی تھی' دوسرے سسلی میں اب تک مسلمان بڑی تعداد میں آباد تھے' اپنی مذہبی رواداری کی وجہ سے وہ صلیبی محاربات سے دور رہا۔

عربوں سے اس کی رواداری اس کی تعمیر کردہ عمارتوں میں بھی جھلکتی ہے جن میں لاطینی اور یونانی طرز تعمیر کے ساتھ ساتھ عرب فن تعمیر کی جھلک بھی موجود ہے' اس کے عہد میں سسلی کی سرکاری دستاویزات بھی لاطینی' یونانی اور عربی تینوں زبانوں میں شائع ہوتی تھیں' اس کے عہد کی دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سسلی میں مغرب اور مشرق دونوں کے عالموں نے ایک دوسرے کی صحبت میں علوم کی ترویج واشاعت میں حصہ لیا' راجر دوم نے تین شادیاں کی تھیں' پہلی شادی قشتالیہ کے الفانسو ششم کی بیٹی الویرا Elvirai سے' دوسری برگنڈی (فرانس) کی سیبل Sibyl سے اور تیسری اور آخری شادی ایتھل کی بیٹریس Beatrice of Ethal سے' راجر دوم نے 58 سال کی عمر میں وفات پائی اور اس کے بعد اس کا بیٹا ولیم اول کے نام سے تخت نشین ہوا۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ ''الادریسی''۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بذیل مادہ راجر دوم۔ انسائیکلو پیڈیا امریکانا بذیل مادہ راجر دوم

1132ء عبدالمومن کی بطور خلیفہ تقرری

علی بن تاشفین المرابطی کے عہد حکومت میں ایک شخص ابوعبداللہ ابن تومرت صاحب علم ہوا' 501ھ 1107ء میں وہ بغرض حصول تعلیم اندلس آیا پھر مشرق میں اس نے مشہور مصلح الدین' امام غزالی کی شاگردی کی اور ان سے کامل استفادہ کیا' تعلیم مکمل کر کے وہ مراکش واپس آ گیا اور اس نے امر بالمعروف اور نہی المنکر کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ اپنی تبلیغ میں وہ توحید کے عقیدے پر خصوصی زور دیتا تھا۔ جلد ہی بہت سے بربروں نے اس کی بیعت کی اور اس کے متبعین ''موحدین''

کہلانے لگے' ابن تومرت کا سب سے پہلا مرید عبدالمومن نامی ایک نوجوان تھا' یہ شخص جنگی اور انتظامی امور میں خصوصی قابلیت رکھتا تھا' 515ھ 1122ء میں ابن تومرت نے مہدیت کا دعویٰ کیا اور اس کے سیاسی عزائم بے نقاب ہو گئے اس کے اسی دعویٰ سے الموحدون سلطنت کی تاسیس ہوئی ہے' 517ھ 1123ء میں جب مہدی کی جماعت نے اتنی طاقت پکڑی کہ انہیں اپنے لئے دفاعی اقدامات کرنے کی ضرورت نہ رہی' اب اس نے بڑھ کر مراکش المرابطین کے خلاف اپنے لشکر کے ساتھ خروج کا فیصلہ کیا' اس کا لشکر عبدالمومن کے زیر کمان تھا جو اب امیر المومنین کہلانے لگا تھا۔ الموحدین اور مرابطون میں یہ معرکہ آرائیاں 1130ء میں ابن تومرت کی وفات کے بعد برپا رہیں۔ ابن تومرت کی وفات کے بعد عبدالمومن کو اس کا خلیفہ تسلیم کر لیا گیا اور وہ اب حقیقی معنوں میں امیر المومنین بن گیا' اسی عبدالمومن کے عہد میں موحدین کو بڑی شان وشوکت حاصل ہوئی لیکن ان کے نظریات کے مطابق صرف الموحدین ہی سچے مسلمان تھے جبکہ باقی سب مسلمان کافر تھے جن کے بے رحمانہ قتل کو جائز قرار دے دیا گیا' اس قوم کا پہلا سربراہ امام معصوم تھا اس کے بعد خلفاء اور جانشینوں کا درجہ تھا۔

حکمران کی حیثیت سے عبدالمومن کی زندگی کا آغاز اس دن سے ہوا جب 527ھ 1132 کو اس کی خلافت کا اعلان کیا گیا' اس کا پہلا عزم یہ تھا کہ پورے مراکش کو الموحدین کے نام پر فتح کیا جائے' فتوحات کا یہ سلسلہ طویل اور دشوار کن ثابت ہوا' 1147ء میں کہیں جا کر المرابطون کا صدر بمقام فتح ہوا۔ عبدالمومن نے فتح کے بعد المرابطون کا شاہی محل اپنی ذاتی سکونت گاہ کے لئے چنا اور اس کے قریب ایک عظیم الشان مسجد ''جامع الکتبین'' تعمیر کرنے کے احکام صادر فرمائے' اس مسجد کا فلک بوس مینار آج بھی مراکش میں الموحدین کی یاد تازہ کرتا ہے۔' المغرب اور افریقیہ میں کامیابی کے بعد الموحدون نے اندلس میں قدم جمائے اور باجہ' بطلیوس' غرناطہ اور اشبیلیہ کے شہر فتح کر لئے' عبدالمومن نے 1162ء میں مراکش میں اپنی فوجوں کا ایک اجتماع رباط کے مقام پر کیا' اس کا مقصد جزیرہ نما اندلس پر حملہ کرنا تھا مگر زندگی نے اسے مہلکت نہ دی اور وہ 1163ء میں ایک طویل علالت کے بعد فوت ہو گیا' اس کی میت کو ابن تومرت کے مقبرے کے نزدیک دفن کیا گیا۔

عبدالمومن نے افریقہ کے بعد اندلس کی فتح کی طرف خصوصی توجہ دی تھی 529ھ میں اپنے ایک جرنیل ابوعمر بن موسیٰ کو تیس ہزار فوج کے ساتھ اندلس روانہ کیا اس نے پہلے طریف پر قبضہ کیا'

مسلمانان اندلس نے عیسائیوں کے بازیافت اسپین کی مہم سے بچنے کے لئے الموحدین کا خیر مقدم کیا۔ حاکم سریش نے ان کے لئے اپنے باغات اور دولت کے دروازے کھول دیئے' ابوعمر نے اشبیلیہ کی طرف کوچ کیا راستے میں دہقانی لوگ اور دیگر شجاعت منداس کے ساتھ ملتے چلے گئے حاکم بطلیوس اپنی فوج اور سامان جنگ سمیت ان کے لشکر میں شامل ہوگیا' اشبیلیہ اور مالقہ نے بغیر خون ریزی ابوعمر کی اطاعت اختیار کرلی۔

اسی دوران پوپ یوجینس UGenious نے قشتالیہ کے الفانسو کو بازیافت اسپین مہم تیز تر کردینے کا حکم دیا جس پر اس نے ہسپانیہ کے سب سے خوشحال شہر المیریہ پر اپنے یورپی اتحادیوں کے ساتھ مل کر قبضہ کرلیا۔ اس سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ادھر الموحدین کی افواج نے بھی اپنا کام جاری رکھا وہ قرمونہ پہنچے اور اسے فتح کرلیا' اگلے منزل المیریہ تھی' جس پر پوپ کے حکم سے پانچ مسیحی ممالک قابض تھے' انہیں شکست دینا آسان نہیں تھا مگر الموحدون دس برس کے طویل محاصرے کے بعد اسے فتح کرلیا اور اس طرح المیریہ ایک بار پھر مسلمانوں کے پاس واپس آ گیا۔

ماخذ۔ تاریخ ہسپانیہ از نصیر احمد ناصر' اردو دائرالمعارف اسلامیہ جلد 21,12

1138ء انگلستان میں خانہ جنگی

انگلستان کے بادشاہ ہنری اول کا ولی عہد ولیم 1120ء میں نارمنڈی سے انگلستان آتا ہوا بحری جہاز کے چٹان سے ٹکرانے کی وجہ سے ڈوب کر ہلاک ہوگیا' مجبوراً بادشاہ کو اپنی بیٹی میٹلڈا Matilda کو اپنی وفات 1135ء کے وقت اپنا جانشین مقرر کرنا پڑا۔ امراء کی کونسل نے جس میں اسٹیفن بھی شامل تھا جو ولیم فاتح کا پوتا تھا' شہزادی کو بادشاہ کا جانشین تسلیم کرلیا مگر بادشاہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی امراء نے شہزادی سے آنکھیں پھیر لیں اور ہنری اول کی وصیت کو پس پشت ڈال کر اسٹیفن کو تخت نشین کردیا۔

میٹلڈا امراء کی کونسل کے اس فیصلے سے دلبرداشتہ نہ ہوئی بلکہ اس نے چند امراء کو اپنے ساتھ ملالیا' 1136ء میں ارل آف نارفوک نے میٹلڈا کے حق میں سب سے پہلا علم بغاوت بلند کیا اس کے بعد دیگر امراء نے بھی بغاوت کردی اور یوں پورا ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا' اگرچہ یہ بغاوتیں فرد کردیں گئیں مگر اسٹیفن کے باغیوں سے نرم سلوک کرنے کی وجہ سے اسٹیفن کی

شخصیت کی کمزوری ظاہر ہوگئی اور 1138ء میں بیشتر امراء اس کا ساتھ چھوڑ کر میٹلڈا سے جا ملے' اگلے کئی سال تک دونوں متحارب گروہوں میں جنگیں لڑی جاتی رہیں' دونوں گروہ ایک دوسرے کو مکمل شکست دینے میں ناکام رہے نتیجتاً ملک میں بددلی پھیل گئی۔

1141ء میٹلڈا اور اس کے ساتھی ایک جنگ میں لنکن کے مقام پر فتح مند رہے اور شاہ اسٹیفن گرفتار کرلیا گیا' گرفتاری کے بعد بادشاہ کو بطور قیدی برسٹل Bristol کے قلعے میں رکھا گیا۔ یہ سب کچھ اسٹیفن کے بھائی ہنری بشپ Henry Bishop کی اس سے بدظنی کی وجہ سے ہوا۔ مگر جلد ہی دونوں بھائیوں میں صلح ہوگئی اور ہنری بشپ اپنے بھائی سے مل گیا' بادشاہ کے حامیوں نے ارل رابرٹ کو گرفتار کر کے اس کے بدلے میں بادشاہ رہا کرالیا اور میٹلڈا کو آکسفورڈ کے محاصرے سے 1142ء میں جمے ہوئے دریائے ٹیمز پر سے صرف ایک نائٹ گاؤن میں بھاگنا پڑا۔ 1145ء میں شاہ اسٹیفن نے جنگ فارنگڈن Batle of Faringdon میں میٹلڈا کو سکست سے دوچار کیا' 1147ء میں میٹلڈا کے ساتھیوں میں ارل رابرٹ نے وفات پائی اور 1148ء میں آخر کار میٹلڈا لڑائی کو ترک کر کے واپس فرانس چلی گئی' 1151ء میں میٹلڈا کا بیٹا ہنری دوم پلانٹاجینٹ اپنے باپ جیوفری پلانٹاجینٹ Geoffrey.P کی جگہ پر انجو Anjou میں اس کا جانشین ہوا' 1152ء میں ہنری نے ایکویٹین کی شہزادی ایلینور سے شادی کی جس کے 1153ء میں وہ اپنی والدہ کی جگہ انگلستان کا تاج وتخت حاصل کرنے انگلستان آ گیا' خانہ جنگی سے انگلستان کی عوام تنگ آ چکی تھی لہٰذا اسٹیفن اور ہنری میں بات چیت کے ذریعہ معاہدہ طے پایا کہ اسٹیفن جب تک زندہ ہے بادشاہ رہے گا اسکے بعد تخت انگلستان پر ہنری کا حق ہوگا یہ بات اور کہ یہ معاہدہ طے کر کے اسٹیفن ایک سال بھی زندہ نہ رہا۔

1139ء ابن باجہ کی وفات

ابوبکر محمد بن یحییٰ المعروف ابن باجہ کو الصائغ بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی زرگر کے ہیں' ابن باجہ کے نام کی لاطینی شکل Avenpace ہے' ابن باجہ پانچویں صدی ہجری' گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں سرقسطہ' اندلس میں پیدا ہوا۔

ابن باجہ کی ابتدائی زندگی اور زمانہ طالب علمی کے حالات معلوم نہیں حصول علم کے بعد وہ کئی

سال سرقسطہ کے مرابطین حاکم ابو بکر بن ابراہیم کا وزیر رہا' کئی مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اس منصب پر بیس برس تک مامور رہا لیکن بعض تاریخی حقائق کی بنا پر اتنے لمبے عرصے تک وزارت کے عہدے پر فائز رہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مراکش میں وہ ابو بکر یحییٰ بن یوسف تاشفین کے دربار میں بھی کچھ عرصہ عہدہ وزارت پر فائز رہا۔

ابن باجہ بہت بڑا فلسفی' قابل سائنسدان' عالم ادب نحو، حاذق طبیب اور آتش نفس نے نوازتھا' موسیقی میں اسے مغرب میں وہی مقام حاصل تھا جو مشرق میں فارابی کو حاصل ہے۔ علامہ سیوطی نے اسے مغرب کا ابن سینا بھی کہا ہے۔ اس کے علم وفضل کا تمام مورخین کو اعتراف ہے اگر چہ بعض تذکرہ نگاروں جن میں ابن خاقان شامل ہے اس کے طرف کفر وزندقہ نسبت کی ہے اور اخلاقی لحاظ سے بھی اسے مورد طعن ٹھہرایا ہے مگر اس کے علم وفضل کی تعریف بھی کی ہے۔

ابن باجہ نے طب۔ ہندسہ' ہیئت۔ طبیعیات' الکیمیا اور فلسفے پر متعدد رسائل لکھے ہیں' اس کی تصانیف کا مکمل ترین اور سب سے قدیم مجموعہ اوکسفورڈ میں ایک مخلوطے کی شکل میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطہ کے درمیانی کچھ اوراق غائب ہیں۔ یہ مخطوط 222 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے کاتب کا نام قاضی حسن بن محمد ہے جس نے اسے ربیع الثانی 547ھ میں لکھا تھا۔ اس مخطوطہ کو انگریز پروفیسر ایڈورڈ پوکک Edward.P نے شام وموصل کے علاقے سے سترہویں صدی عیسوی میں حاصل کیا تھا ابن باجہ کا ایک مجموعہ اسپین میں بھی محفوظ ہے یہ سکوریال لائبریری میں ہے اور 667ھ سے تعلق رکھتا ہے۔

ابن باجہ کا انتقال عالم جوانی ہی میں ہوگیا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے ابن زہر نامی طبیب کے ایما پر کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔

ابن باجہ نے اپنی تصنیفات میں قران مجید اور احادیث نبویہ کی طرف برابر رجوع کیا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق مشاہدات پر توجہ دی ہے اور اس طرح یونانی طرز فکر کی بنیادوں پر اسلامی طرز فکر کی عمارت کھڑی کی ہے۔ اس کے نظریات نے ابن طفیل (م 1185ء) اور ابن بطروح کے آگے بڑھنے کے لئے راستے کو اور زیادہ صاف کردیا اس کے تعلیقات نے ابن رشد کے لئے ارسطو کی کتابوں کی تشریح وتلخیص کا دروازہ کھول دیا۔ اس طرح اس کے رسالہ علم ادویہ سے تیرہویں صدی کے مسلمان طبیب ابن بیطار نے رہنمائی حاصل کی۔

1144ء عمادالدین زنگی کا اوڈیسہ پر قبضہ

عمادالدین بن قاسم الدولہ آق سنقر بن عبداللہ موصل کا اتابک اور سلجوقی دور کے ممتاز ترین امراء میں سے تھا۔ اس کا باپ آق سنقر سلطان ملک شاہ کا ایک ترکی غلام تھا جسے ملک شاہ نے حلب کا شہر بطور جاگیر عطا کیا تھا۔ ملک شاہ کی وفات کے بعد جب آق سنقر نے اس کے بھائی ستیش کے خلاف بغاوت کی تو اسے قید کر دیا گیا بعدازاں اسے قتل کرا دیا گیا۔ زنگی کی عمر اس وقت صرف 10 سال تھی۔ اس کے والد کی جاگیریں بھی چھن گئیں اور دیگر امراء میں تقسیم کر دی گئیں۔ موصل کے بعد کے حاکموں کے تحت زنگی نے کئی بار امتیاز حاصل کیا۔ اس کے صلے میں اسے حاکم بغداد نے اسے 1123ء میں واسط کا حاکم مقرر کر دیا۔ 1127ء میں زنگی موصل کا والی مقرر ہوا اور باضابطہ طور پر شہر میں داخل ہوا۔ سلطان نے اپنے دونوں بیٹوں الپ ارسلان اور فرخ شاہ کی تعلیم اس کے سپرد کر دی اور اسی بنا پر اسے اتابک کا لقب عطا کیا گیا۔ اسی سال اس نے جزیرہ ابن عمر، نعیبین، سنجار اور حران پر قبضہ کر لیا۔ جنوری 1128ء میں وہ شہر حلب کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں زنگی کے پہنچنے سے پہلے بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ اگلے سال اس نے حماۃ پر قبضہ کر لیا لیکن حمص اور دمشق کے خلاف اسے کامیابی نہ ہوئی۔ زنگی کی اس زمانے کی دوسری مہمات میں قلعہ اثارب کی تسخیر اور تباہی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ قلعہ حلب اور الطاکیہ کے درمیان واقع تھا اور اس پر صلیبی سپاہیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ 1137ء میں حمص کا کئی ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد زنگی نے قلعہ بعرین Monsferr Radus پر حملہ کر دیا۔ مسیحی سپہ سالار نے یروشلم کے شاہ فلک Fulk سے مدد کی التجا کی مگر فلک کو ہزیمت ہوئی اور اہل شہر کو اطاعت قبول کرنا پڑی پھر اچانک ایک نیا دشمن یعنی یوحنا ثانی، شاہ قسطنطنیہ میدان میں آ کودا۔ پہلے اس کا ارادہ یہ تھا کہ ارمینیا کو چک کے باغی حاکم لیو Leo اور اس کے حلیف ریمنڈ حاکم الطاکیہ کو اپنے حلقہ اطاعت میں لائے لیکن پھر اس نے صلح کر کے صلیبی سپاہیوں کے سالاروں سے اتحاد کر لیا۔ قلعہ بزاعد پر قبضہ کرنے کے بعد شہنشاہ نے حلب کی طرف پیش قدمی کی لیکن طویل محاصرے کے بعد اس کی تسخیر کا منصوبہ ترک کر کے وہ شیراز پر حملہ آور ہوا۔ جب شہر والوں نے مدافعت کی تو شہنشاہ انطاکیہ لوٹ گیا۔ (1138ء) زنگی نے اس کا تعاقب کیا اور بہت سے سپاہی قید کر لئے اور بہت سا مال غنیمت جمع کر لیا۔ اسی سال طویل نامہ و پیام کے بعد حمص کا شہر حاکم دمشق نے اس کے حوالے

کر دیا۔ 1139ء میں زنگی نے بعلبک پر فوج کشی کی اور پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ زنگی کی ایک اور اہم فتح الرہا یا اوڈیسہ کی صلیبی سپاہیوں سے واپسی تھی۔ زنگی کی زندگی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ اوڈیسہ پر قبضے کے بعد مسلمانوں کے لئے عیسائیوں کے ظلم کا بدلہ چکانے کا سنہرا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ مگر عماد الدین زنگی مسلم رواداری سے کام لیتے ہوئے نہ صرف عیسائیوں کو معاف کر دیا بلکہ مال غنیمت کی ایک ایک چیز انہیں واپس کر دی گئی۔

1145ء دوسری صلیبی جنگ

دوسری صلیبی جنگ کا آغاز 1145ء میں جرمنی کے بادشاہ کونراڈ ثالث اور فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم کی قیادت میں ہوا' اس صلیبی جنگ کا مقصد مشرق میں عیسائی اقتدار کی گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کرانا تھا' ساتھ ہی الرہا (ایڈیسہ) کی ریاست کو ندر عماالدین زنگی سے آزاد کرانا تھا' جسے عماد الدین زنگی نے فتح کر لیا تھا' لیکن باوجود اس کے کہ سینٹ برنارڈ نے آگ بڑھکائی دوسری صلیبی جنگ کے لئے بڑی محنت کی تھی یہ کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوئی جرمن افواج ہنگری سے گزر کر بازنطینی سلطنت کی حدود میں داخل ہوئیں مگر آہستہ آہستہ کونراڈ کی فوج کا نظم وضبط ڈھیلا پڑنے لگا' فلی پولس Phili Polis کے مقام پر ایک مداری نے کرتب دکھا کر فوج کا دل بہلانا چاہا' وہ اپنے کام میں اتنا طاق تھا کہ جرمن صلیبیوں نے اس پر جادوگر ہونے کا الزام دھر دیا' اس پر بلوہ ہو گیا اور اس بلا مقصد لڑائی میں اس قصبہ کے گردونواح کا علاقہ جل کر بھسم ہو گیا' شاہ قسطنطنیہ نے اپنے دادا شاہ الیکسیئس Alexius کی طرح یہی مناسب سمجھا کہ ایک صلیبی فوج کی میزبانی کے فرائض ادا کرے لہٰذا اس سے پہلے کہ دوسری صلیبی فوج فرانس کے لوئی کی قیادت میں بازنطیم پہنچے اس نے کونراڈ کی فوجوں کو آگے روانہ کر دیا۔ نیقیائے Niceae جاتے ہوئے کونراڈ کی مدبھیڑ ترک فوجوں سے ہوئی' ایک مختصر سی جنگ کے بعد عظیم صلیبی سورما جن کے زور بازو اور جرأت کے افسانے مشہور تھے' مٹی کی دیواروں کی طرح ڈھیر ہو گئے' اس جھڑپ کے بعد فوج کا صرف دسواں حصہ سلامت بچا کونراد خود بڑی مشکل سے جان بچا کر نیقیا پہنچا۔

دوسری صلیبی جنگ کی اہم ترین بات یہ ہے کہ صلیبی جنگجوؤں نے 25 مئی 1148ء کو دمشق پر حملہ کر دیا حاکم دمشق انور کو اس کی پہلے ہی امید تھی' اس نے کنوؤں میں پہلے ہی مٹی ڈلوا دی تھی اور فصیل کو مضبوط کر لیا تھا ساتھ ہی نورالدین زنگی کو چھوڑ کر باقی مسلمان حکمرانوں سے مدد کی اپیل کی

تھی' عیسائیوں نے شہر کا محاصرہ کیا مگر اپنے قیام کے لئے ایک ایسے مقام کا چناؤ کیا جہاں پانی کی کمی تھی' جولائی کا مہینہ تھا اور ایشیائی گرمی اپنے عروج پر جلد ہی صلیبی جنگجو اس شدید موسم کا شکار ہو گئے اور رخت سفر باندھنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ رہا' اس پر اہل دمشق کو کمک بھی پہنچنے لگی تھی اس طرح سینٹ برنارڈ کے شعلہ بیان خطبوں سے شروع ہونے والی یہ مہم ناکام ہوگئی' بے شمار بچے یتیم اور بے شمار عورتیں بیوہ ہونے کے باوجود عیسائیوں کا ایشیا میں ایک اور مسیحی ریاست قائم کرنے کا خواب چکنا چور ہوگیا' مگر عالم اسلام کو اس سے یہ فائدہ پہنچا کہ نورالدین زنگی نے دمشق اور حلب متحد کر لئے۔

ماخذ۔ صلیبی جنگیں صفحہ 88' ڈاکٹر امان اللہ قریشی' دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12

1164ء الادریسی کی وفات

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ادریس' جسے الادریسی کے مختصر نام سے جانا جاتا ہے' بارہویں صدی عیسوی کا عظیم مسلم جغرافیہ دان اور ماہر نقشہ نگار تھا' الادریسی 1099ء میں اسپین کے ساحلی شہر سیوتہ Ceuta میں پیدا ہوا' اس کا تعلق علویوں کے مشہور حکمران خاندان الادریسی سے تھا' یہ خاندان عباسی خلافت کو جائز تسلیم نہیں کرتا تھا اور خود مدعی خلافت تھا۔ اس خاندان کے بانی ادریس بن عبداللہ نے عباسی خلیفہ موسیٰ الہادی کے خلاف ایک خروج میں حصہ لیا تھا اور پھر اس 790ء میں افریقہ کے بربر قبائل پر اپنی حکومت قائم کی تھی یہ خاندان زیادہ دیر تک اپنی سلطنت کی وسعت قائم نہ رکھ سکا تھا۔

الادریسی نے اسپین کے مشہور اسلامی شہر قرطبہ میں ابتدائی تعلیم پائی' نسلاً سادات علوی ہونے کی وجہ سے الحسنی کا لقب اختیار کیا' یوں وہ قرطبہ میں رہنے کی وجہ سے القرطبی بھی کہلایا' تعلیم سے فراغت کے بعد اس نے جغرافیہ سے خصوصاً دلچسپی کی بنیا پر اپنی سیاحت کا اغاز ایشیا کوچک کے سفر سے کیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف سولہ سال تھی' پھر اس نے فرانس کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے جزائر برطانیہ کی سیاحت کی اور پھر واپس اسپین سے ہوتا ہوا شمالی افریقہ میں مراکش پہنچا' اسلامی ممالک ہونے کے ناطے اس نے اسپین اور مراکش کی خوب سیاحت کی اور کونا کونا گھوما۔

تقریباً 1138ء میں اسے سسلی کے عیسائی حکمران روجر ثانی Roger II نے صقلیہ کی سیاحت کی دعوت دی' جب وہ سسلی کے دارالحکومت بلرام Palermo پہنچا تو بادشاہ نے جغرافیہ اور دیگر علوم میں اس کی قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے صقلیہ ہی میں آباد ہونے کی پیش کش کی چونکہ بادشاہ اس کے خاندانی پس منظر سے آگاہ تھا اس لئے اس نے الادریسی کو خبردار کیا کہ چونکہ اس کا تعلق علوی سادات سے ہے اس لئے عباسی اسے قتل کروانے کی کوشش کریں گے اس لئے اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ صقلیہ میں بود و باش اختیار کرے جو عباسیوں دائرہ کار سے باہر ہے' بادشاہ کی درخواست قبول کرتے ہوئے الادریسی نے طویل عرصہ تک پلرموں میں قیام کیا اور شاہی دربار سے متعلق رہا' اسی وجہ سے مورخین نے اسے صقلی بھی کہا ہے۔

اس زمانے میں صقلیہ یا سسلی عرب اور یورپی تہذیبوں کا سنگم تھا' ایک طویل عرصے تک یہ جزیرہ عربوں کے زیر انتداب رہا تھا' اس وقت وہاں جنوبی فرانس کے نارمن حکمران تھے جو علوم و فنون کے سرپرست تھے' الادریسی نے روجر دوم کے زیر سرپرستی مغربی علما کے ساتھ ملکر کام کیا' راجر دوم کو عالمی جغرافیئے سے خصوصاً دلچسپی تھی اسی وجہ سے اس کے حکم الادریسی نے چاندی کے قرص پر نقشہ عالم تیار کیا جس پر ساتوں اقالیم اور دنیا کے تمام مشہور پہاڑ' سمندر' دریا' بندرگاہیں' جزائر اور معلوم شہر نمایاں کئے گئے تھے اور بہت سی طبعی کیفیات کی تصویر کشی کی گئی تھی اس کام میں الادریسی نے قدیم یونانی ماخذوں کے علاوہ ہم عصر جغرافیائی' معلومات پر انحصار کیا تھا' الادریسی نے جغرافیہ پر دو کتابیں تصنیف کیں تھیں' ایک ''نزہت المشتاق فی اختراق الافاق'' اور دوسری راجر دوم کے جانشین ولیم اول کے لئے ''نزہت النفس'' جو آج موجود نہیں ہے۔ راجر دوم کی وفات کے کچھ عرصے بعد الادریسی اپنے وطن سیوتہ واپس لوٹ گیا اور وہیں اس نے 1164ء میں وفات پائی۔

1152ء علاؤالدین جہاں سوز اور غزنی

غزنی جو محمود غزنوی کے عہد سے پہلے تاریخ کے دھندلکوں میں ایک چھپا ہوا شہر تھا' اس عہد میں اس کی دو صد سالہ شان و شوکت کا آغاز ہوا اور اس کی یہ شان و شوکت غزنوی خاندان کی حکمرانی تک قائم رہی آخر میں یہ شہر غوریوں اور غزنوی کے درمیان عداوت کا شکار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے بہرام نے علاؤالدین غوری کے دو بھائیوں کو قتل کیا تھا' قطب الدین محمود وہ علاؤالدین کے بڑے بھائی نے غزنہ کے چند باشندوں سے مل کر ایک سازش کے ذریعے غزنہ پر قبضے کی کوشش کی تو

بہرام شاہ نے اسے زہر دلوا کر ختم کر دیا' علاؤ الدین کے ایک اور بھائی سیف الدین سوری نے اپنے اس بھائی کی موت کا انتقام لینے کی کوشش کی جس کا انجام یہ ہوا کہ غزنی پر غوری فوج کا عارضی طور پر قبضہ ہو جانے کے بعد سیف الدین کو بہرام شاہ کے ہاتھوں بڑے شرمناک طریق سے موت کا شکار ہونا پڑا' ان کے ایک اور بھائی بہاالدین سام کو طبعی موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ کوئی اقدام کرے' اب چوتھے بھائی علاء الدین حسن نے بہرام شاہ پر چڑھائی کر دی اور تین لڑائیوں میں اسے پے در پے شکست دے کر غزنہ پر قابض ہو گیا' اب علاؤ الدین حسین نے اپنے بھائیوں کے قتل کا اہالیان غزنی سے خوفناک انتقام لیا اور اس شہر کو تاخت و تاراج کر کے جلا کر تباہ و برباد کر ڈالا' اس تباہی پر علاؤ الدین حسین کا لقب جہاں سوز پڑ گیا' کچھ عرصہ بعد شہر نے کسی حد تک اپنی سابقہ عظمت حاصل کر لی' مگر اس ہادثہ کے کچھ عرصے بعد 1163ء میں غزنہ ہمیشہ کے لئے غزنویوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور خراسان کے غزوں کے ایک گروہ کے قبضے کے بعد غوریوں کے زیر انتداب آ گیا' اب یہ سلطان معز الدین محمد کا دار السلطنت قرار پایا۔

بہرام شاہ کی شکست کے بعد غزنہ کی بربادی کے بارے میں مشہور مورخ منہاج سراج اپنی کتاب ''طبقات ناصری'' میں رقمطراز ہے کہ سات دن اور سات راتیں شہر غزنہ آگ کے شعلوں کی جولاں گاہ بنا رہا اور علاؤ الدین اس سلسلے میں انتہائی ضد اور رعونت سے کام لیتا رہا' سات دن اور سات رات کی مسلسل آتشزدگی اور دھویں کی کثرت سے فضاء اس قدر تیرہ و تار ہو گئی تھی کہ دن تاریکی میں ڈوب کر رات معلوم ہوتا اور رات کو آگ کے شعلے اس شدت سے بلند ہوتے تھے کہ خیال ہوتا کہ دن نکل آیا ہے' اسی دوران جبر غارت گری اور کشت و خون کا سلسلہ بھی بڑی بے دردی سے جاری رہا۔ مردوں میں سے جتنے ملے تہہ و تیغ کر دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا' پھر علاؤ الدین جہاں سوز نے حکم دیا کہ غزنوی خاندان کے تمام بادشاہوں کی قبریں اکھاڑ کر مردے باہر پھینک دیئے جائیں اور انہیں بھی جلا دیا جائے' صرف سلطان محمود' سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی قبریں اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیں گئیں' غزنوی بادشاہوں کے محلات میں علاؤ الدین نے ایک ہفتہ مے نوشی کی جب آٹھویں شب آئی تو تمام شہر جل کر راکھ ہو چکا تھا' اس وقت علاؤ الدین نے اپنی مدح میں چند شعر کہے اور پھر گویوں کو حکم دیا کہ ان شعروں کو چنگ و رباب کے ساتھ گائیں۔

ماخذ۔ طبقات ناصری صفحہ 614۔

1152ء فریڈرک باربروسہ کی غرقابی

مقدس رومن شہنشاہ فریڈرک باربروسہ (سرخ ریش) نے 1152ء میں اپنے چچا کونراڈ سوم کے بعد تاج وتخت سنبھالا اگرچہ اس کے شانوں پر ہالی رومن ایمپائر کو متحد رکھنے کی ذمہ داری تھی مگر اس زمانیمیں جرمنی میں اگر کوئی شخص سینے پر صلیب آویزاں کئے بغیر نظر آتا تو گویا یہ مردانگی سے گری ہوئی بات تھی اسی معیار پر پورا اترنے کے لئے مقدس رومن سلطنت کا سربراہ 11 مئی 1189ء کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف تیسری صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لئے ارض مقدس کی طرف چل پڑا' فریڈرک کی فوج اس زمانے کی ایک بڑی فوج تھی اور بہترین ہتھیاروں سے لیس تھی' ارض مقدس کے سفر میں فوج کی ترسیل کے لئے جہاز کم پڑ گئے اس لئے باقی ماندہ فوج کو خشکی راہ سے سفر کرنا پڑا' یہ راستہ پرازمشکلات ہونے کی وجہ سے پہلی صلیبی جنگ کے بعد سے متروک تھا۔

بازنطینی سلطنت سے گزرتے ہوئے انہیں قسطنطنیہ سے بچتے ہوئے درہ دانیال سے گزر کر ایشیا میں داخل ہونا پڑا' یہاں آرمینیا کے ترک حکمرانوں کے ساتھ جنگیں لڑنا پڑیں' انہیں باربروسہ نے یکے بعد دیگرے کئی شکستوں سے دوچار کیا' مگر راستے کی دشواریوں کی وجہ سے خود اس کی فوج کی حالت بھی خراب ہو چکی تھی' انہیں سفری تھکن بھوک' پیاز' گرمی اور دشمن کے مسلسل اور جان لیوا حملوں کا سامنا تھا' پیاس اور گرمی سے سپاہیوں کی یہ حالت تھی کہ ذرا سی نمی حاصل کرنے کے لئے وہ گھوڑوں کے چارے کو منہ میں ڈال کر مویشیوں کی طرح چباتے تھے تاکہ حلق تر ہو سکے۔ سپاہی اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ چلتے چلتے زمین پر بیٹھتے اور دم توڑ دیتے' بہت سے ان حالات میں بھگوڑے ہو گئے' بچے کھچے سپاہیوں کے ساتھ جب باربروسہ کوہ تارس TARUS پہنچا تو ایک پہاڑی درہ عبور کر کے ایک ایسی وادیمیں جا اترا جہاں ایک تیز رفتار دریا بہہ رہا تھا' جولائی کی سخت اور ناقابل برداشت ایشیائی گرمی میں پانی دیکھ کر فریڈرک نہ رہ سکا اور دریا میں کود پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کی نظروں کے سامنے دریا برد ہو گیا اور 10 جون 1190ء کو باقاعدہ طور پر فریڈاک کی صلیبی جنگ اختتام کو پہنچی آدھی سے زیادہ فوج پہلے ہی راستے کی سختیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو گئی' باقی سپاہ بددل ہو کر عازم یورپ ہوئی' فریڈرک کے بیٹے نے باقی ماندہ فوج کو اکٹھا کرنا چاہا مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا' بہت مشکل سے اس نے اپنے باپ کی لاش دریا

سے نکلوائی اور اسے سرکے کے ڈرم میں رکھا تا کہ لاش خراب نہ ہو اور وہ زندہ نہ سہی مرکر ہی یروشلم کے درشن کر لے مگر لاش گل سڑ چکی تھی اس لئے جلد ہی دفنا دی گئی' فوج میں وبا پھوٹ پڑی جس سے بہت سے سپاہی ہلاک ہو گئے' بچے کھچے اکتوبر میں رملہ پہنچے اور وہاں کے محاصرین میں شامل ہو گئے۔

ماخذ۔Crusades

1155ء پیرس یونیورسٹی کا قیام

پیرس دنیا کا خوبصورت ترین شہر اور فرانس کا دارالحکومت ہے یہ شہر دریائے سین Seine کے کنارے واقع ہے' براعظم یورپ کی سب سے قدیم یونیورسٹی اسی شہر میں قائم ہے یہ ازمنۂ وسطیٰ کے یورپ کی مشہور علمی درسگاہ ہے' اسے سوربون یونیورسٹی یا سوربون کا کالج بھی کہا جاتا ہے جسے رابرٹ سوربون نے تقریباً 1257ء میں کھولا تھا۔ یورپ میں بعد کے دور میں کھولے جانے والی تمام یونیورسٹیاں اسی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ لاطینی زبان کا جو لفظ پہلے یونیورسٹی کے لئے مستعمل تھا وہ تھا ''اسٹڈیم جرنال'' Studium-G ''یعنی عام مطالعے کی جگہ'' بعد ازاں یہ لفظ ''یونیورسٹی'' میں بدل گیا' اس کی وجہ بھی پیرس یونیورسٹی میں پیش آئی' پیرس یونیورسٹی میں اساتذہ کی جو گلڈ Guild یونیورسٹی کا انتظام و انصرام چلاتی تھی وہ ''یونیورسٹاس'' Universitas کہلاتی تھی' لفظ یونیورسٹی اسی لفظ یونیورسٹاس سے مشتق ہے' اساتذہ کی یہ گلڈ کلیسا کے زیر اثر تھی اور نوٹرے ڈیم کے استعف اعظم سے یہاں اساتذہ کو پڑھانے کے لئے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری تھا' اس یونیورسٹی کی بنیاد 1155ء میں رکھی گئی اگرچہ اس کی تاسیس کا صحیح دن اور تاریخ کسی کو معلوم نہیں۔

شاہ فرانس فلپ ثانی نے 1200ء میں سب سے پہلے اس یونیورسٹی کو مراعات خصوصی عطا کیں' پوپ انوسینٹ سوم نے بھی 1215ء میں اس کو خصوصی مراعات عطا کیں۔ اس یونیورسٹی میں سب سے پہلا کالج 1257ء میں کھولا گیا' جس کا نام سوربون Sorbonn کالج ہے' اپنی علمی اور مذہبی شہرت کی بنا پر اس کالج کو پیرس میں قائم ہونے والے بعد کے تمام کالجوں پر فوقیت حاصل ہے' اس کے علماء سے اکثر اہم مذہبی اور کلیسائی مسائل پر فتویٰ لئے جاتے تھے' اسی وجہ سے بڑے عرصہ تک یہ یونیورسٹی رومن کیتھولک چرچ اور اس کے تعلیمی پروگرام کی ترجمان سمجھی جاتی تھی' اسی وجہ سے یونیورسٹی میں انقلاب فرانس سے پہلے دیگر انسانی علوم پر توجہ نہ دی جا سکی' انقلاب

فرانس کے دوران اور عہد نپولین اول میں یونیورسٹی کی اصلاح کی گئی اور کو سیکولر بنا دیا گیا اور یہ سیاسی اور مذہبی رسوخ سے آزاد ہو گئی۔

1163ء آکسفورڈ یونیورسٹی کا قیام

کہتے ہیں کہ انگلستان بلکہ پورے یورپ میں علم کے دو گھر ہیں ایک کیمبرج اور دوسرا آکسفورڈ ان دونوں جامعات کے فارغ التحصیل طلباء پوری دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں' آکسفورڈ میں جامع کی بنیاد اسی وقت رکھی گئی تھی جب تھیو بالڈ آف اٹمپس Theobalb of Etamps نے شاہ ہنری اول کے عہد میں تقریباً 1120ء میں ساٹھ یا سو کلرکوں کی ایک جماعت کو یہاں پہلا لیکچر دیا تھا۔ 1163ء میں انگلستان کے اس تاریخی قصبے میں ''اسٹیڈیم جنرل'' نامی ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا گیا جو یونیورسٹی کے مترادف تھا اساتذہ کی محنت سے جلد ہی یہ ادارہ پیرس یونیورسٹی کا ہم پلہ قرار پایا' اس کے تقریباً ایک صدی بعد یہاں کے ڈپٹی بادشاہ کے پاس لندن گئے اور اس ادارے کو پیرس کے بعد دوسرے نمبر کی یونیورسٹی قرار دلوایا ابتداء میں یہاں قائم ہونے والا ہر کالج یونیورسٹی کالج کہلاتا تھا۔ ان ابتدائی کالجوں میں بیلیل کالج 1264ء' مرٹن کالج 1264ء سینٹ ایڈمنڈ ہال 1269ء قائم ہوئے (اسی صدی میں یہاں راجر بیکن نے بھی لیکچر دیئے)۔

1249ء میں ولیم آف وزڈریام نے ایک معقول رقم اپنے وصیت نامہ میں چھوڑی جس سے کالج کا نظام اور پروفیسر حضرات کو تنخواہیں مہیا کی گئیں اور باقاعدہ یونیورسٹی کالج کے اساتذہ کی پہلی تقرریاں ہوئیں۔

چودھویں صدی میں یہاں مزید کالج قائم ہوئے 1314ء میں یہاں ایکسٹیئر کالج 1326ء میں ایک کلرک آدم ردم نے شاہ ایڈورڈ دوم کو اورئنٹل کالج کی ترغیب دی' اس کے صرف 14 سال بعد ایڈورڈ دوم کی ملکہ فلپا نے اینگلر فیلڈ کے رابرٹ کے اصرار پر یہاں کوئنز کالج کھولا 1379ء میں نیو کالج قائم ہوا۔

پندرہویں صدی میں قائم ہوئے کالجز میں کالج لنکن کالج بشپ لنکن نے 1427ء میں قائم کیا' 1438ء میں ایک اور آرچ بشپ کی کوششوں سے یہاں آل سولز کالج کھولا گیا' 1458ء

میں میگڈیلین کالج کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ 1509ء میں بریزنوز کالج Brasenose' کارپس کرسٹی کالج Corpus Chi Risti 1517ء کرائسٹ چرچ کالج 1546ء ٹرینٹی کالج 1554ء 1571ء میں ملکہ ایلزبتھ اول نے یہاں جیسوس (یسوع) کالج کی منظوری دی' سترہویں صدی میں ہونے والی خانہ جنگی میں آکسفورڈ کا قصبہ چارلس اول کی پناہ گاہ بنا رہا چارلس اول نے اس دوران کرائسٹ چرچ کالج میں قیام کیا تھا جبکہ اس کی ملکہ مرٹن کالج میں ٹھہری تھیں' خانہ جنگی کے دوران یونیورسٹی کی علمی فضا درہم برہم ہوگئی۔ 1660ء میں کہیں جا کر حالات سازگار ہوئے مگر اس صدی میں کوئی نیا کالج پھر قائم نہ ہوسکا اگرچہ یونیورسٹی کی باقاعدہ حیثیت کا اجراء بھی 1636ء میں آرچ بشپ ولیم لائڈ کے ہاتھوں ہوا تھا' سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں اوکسفورڈ یونیورسٹی نے بہت شہرت حاصل کی' انیسویں صدی میں اصلاحات سے اس جامع کی کارکردگی بہت بہتر ہوئی۔ 1817ء میں یہاں ایم اے کی کلاسز کا اجراء ہوا۔

1166ء شیخ عبدالقادر جیلانی کی رحلت

تاریخ اسلام کے معروف ترین روحانی پیشوا' حنبلی عالم' واعظ اور سلسلہ قادریہ کے بانی جن کا شمار اولیائے کبار اور صوفیائے عظام میں ہوتا ہے' ''فتوح الغیب'' میں آپ کا اسم گرامی محی الدین ابومحمد بن ابی صالح موسیٰ جنگی دوست درج ہے جبکہ الذہبی نے ان کا نام عبدالقادر بن ابی صالح جنگی دوست لکھا ہے' عرف عام میں آپ غوث الاعظم اور پیران پیر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کو ''شیخ الاسلام'' تاج العارفین' محی الدین کے القاب سے یاد کیا ہے' تذکرہ نگار آپ کا پدری سلسلہ نسب امام سید حسینؓ بن علی سے مادری سلسلہ نسب امام عالی مقام' سیدنا حسین بن علیؓ سے ملاتے ہیں۔ آپ کی پیدائش 1077ء کو جیلان (بحیرہ خزر (شمالی ایران) کے جنوبی ساحل) میں پیدا ہوئے آپ کی وفات 10 ربیع الآخر 561ھ 11 اپریل 1166ء کو ہوئی۔

آپ جب اٹھارہ سال کے ہوئے تو تحصیل علم کی غرض سے بغداد آئے' آپ کی زندگی کا یہ سفر بغداد ایک یادگار واقعہ لئے ہوئے ہے جو آپ کی سچائی اور راستی کا آئینہ دار ہے۔ شیخ کے والد کے انتقال (آپ کیؒ) کم سنی میں ہوگیا تھا اور آپ کی والدہ ہی آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھیں آپ کے والد کے ترکہ میں چالیس دینار شیخ کو والدہ نے اس وقت دیئے جب

وہ طلب علم کے لئے بغداد روانہ ہو رہے تھے۔ مولانا جامی نے لکھا ہے کہ شیخ نے اپنی والدہ سے خود کہا تھا کہ مجھے خدا کے کام میں لگا دیجئے اور اجازت مرحمت کیجئے' والدہ نے روتے ہوئے اجازت مرحمت کی ساتھ ہی صدق پر قائم رہنے کی تلقین کی اور فرمایا'' تمہاری جدائی خدا کے راستے میں قبول کرتی ہوں' اب قیامت تک تمہیں نہ دیکھ سکوں گی۔'' اثناء راہ میں جب شیخ کے قافلے کو رہزنوں کی ایک جماعت نے گھیرا تو شیخ نے ان کے سردار کے پوچھنے پر نہایت سادگی مگر سچائی سے اسے اپنے چالیس دینار کا پتہ بتا دیا' آپ کی یہ سادگی کام کر گئی اور رہزنوں کا یہ سردار آپ کے ہاتھ پر تائب ہو گیا۔ یہ راہ حق میں آپ کی پہلی کامیابی تھی۔

بغداد میں جن شیوخ اور اساتذہ سے شیخ عبدالقادر جیلانی مستفید ہوئے ان میں سے چند ممتاز شخصیتوں کے نام یہ ہیں 1-ابوذکریا یحییٰ بن علی بن الخطیب تبریزی جو نحو لغتہ اور ادب کے امام تھے' مدرسہ نظامیہ میں ادب کی تدریس سنبھالے ہوئے تھے 2-ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی المظفری' معروف حنبلی فقیہ' ان سے شیخ نے علم فقہ کا درس لیا 3-ابوبکر احمد بن المظفر 4-ابوغالب محمد بن الحسن الباقلانی اور دیگر محدثین کرام سے آپ نے علم الحدیث پڑھا' شیخ حماد الدباس (م525ھ) شیخ کے مشائخ صحبت میں سے تھے' شیخ حماد عارف زاہد مرتاض بزرگ اور علوم درسیہ کے اعتبار سے امی تھے' جامی نے انہیں ''قدوۃ مشائخ کبار'' لکھا ہے اور بتایا ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ان کی صحبت میں غایت ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ القاضی ابوسعید المخرمی الحنبلی فقیہ اور معروف صوفی تھے۔ جہاں شیخ حماد نے شیخ عبدالقادر کے مقتدائے اولیا ہونے کی پیش گوئی کی تھی وہیں قاضی ابوسعید اپ کے شیخ طریقت تھے اور آپ کے ہاتھ سے ہی شیخ نے خرقہ پہنا تھا۔

528ھ میں شیخ کے معلم اور مرشد قاضی ابوسعید مخرمی کا قائم کردہ مدرسہ شیخ کے سپرد کیا گیا جس میں انہوں نے تیرہ مختلف علوم وفنون کی تدریس کا کام سنبھالا' اس سلسلے میں تفسیر' حدیث' فقہ حنبلی سر فہرست تھے' آپ کے اولین تلامذہ میں ابوسعید السمعانی' عمر بن علی قرشی الحافظ عبدالغنی اور یحییٰ بن سعد اللہ تکریتی شامل ہیں' اس طرح آپ کی تدریس کی شہرت دنیائے اسلام کے کونے کونے سے طلب علم رکھنے والوں کو آپ کی طرف کھینچ لائی' اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اثر آفریں اور دلنشین واعظوں کا سلسلہ شروع کیا جس سے بہت سے غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے' آپ دینوی ضرورتوں سے بے نیاز تھے' اس لئے بے خوفی سے اعلانیہ کلمہ حق بیان کرتے اس سے دربار خلافت عباسیہ تک متاثر ہوا۔

شیخ نے ایک ایسے دور میں بغداد میں زندگی بسر کی جب کہ تصوف کا عروج تھا اور صوفیہ کے مسلک میں وسعت پیدا ہو رہی تھی' ان سے پہلے کی صدی میں ایک نزاع شدید صورت اختیار کر گیا تھا یہ نزاع یہ تھا کہ آیا انسان کو ایسا مسلک لادینی اختیار کر لینا چاہئے کہ وہ دین سے لاپرواہ ہو جائے یا اسے دین عقل پرستی اختیار کرنا چاہئے؟ ان حالات میں شیخ عبدالقادر جیلانی سے پہلی پشت کے لوگوں میں تصوف نے اپنے روحانی اور جذباتی اثر کی وجہ سے ایک ہمہ گیر تحریک کی حیثیت اختیار کر لی تھی لیکن تصوف کے خلاف بھی نظریات کارفرما تھے خود شیخ کے استاد ابن عقیل نے جو ایک کٹر حنبلی تھے تصوف کی ضرورت و افادیت سے انکار کر دیا تھا' ایسے میں جناب شیخ نے عملی سرگرمیاں شروع کر دیں جو رنگ لائیں یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالقادر کی ذات میں بہ حیثیت صوفی اور بہ حیثیت حنبلی کوئی تصادم نہیں ہے۔ اور آپ کے تصوف کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ حنبلی کے استاد بھی تھے۔

1165ء ابن عربی کی پیدائش

شیخ ابو بکر محی الدین محمد ابن علی بالعموم ''ابن عربی'' اور ''الشیخ الاکبر'' کے نام سے مشہور ہیں۔ 17 رمضان 560ھ 28 جولائی 1165ء کو مرسیہ' اندلس میں پیدا ہوئے اور دمشق میں 638ھ 240ء میں فوت ہوئے ان کا تعلق عرب کے قدیم قبیلے طے سے تھا جس میں حاتم جیسا سخی اور مخیر شخص ہو گزرا ہے' 568ھ میں ابن عربی اشبیلیہ میں چلے آئے' یہاں وہ تیس سال تک اپنے زمانے کے مشہور علماء سے تحصیل علم کرتے رہے۔

طریق تصوف میں وہ جن شیوخ کے زیر تربیت وہ ابتداء میں رہے ان میں اکثر سے ان کی ملاقات بھی یہیں ہوئی' 38 برس کی عمر (598ھ) 01-1202 میں وہ بلاد مشرق کی طرف روانہ ہو گئے' جہاں سے وہ مغرب کی طرف اپنے وطن کو پھر کبھی نہ لوٹے' پہلے آپ مصر پہنچے اور کچھ عرصے تک وہاں قیام کیا' پھر مشرق قریب اور ایشیائے کوچک کی طویل سیر و سیاحت میں مصروف ہو گئے اور اس سلسلے میں بیت المقدس' مکہ معظمہ' بغداد اور حلب گئے' بالآخر دنیائے اسلام کے مشرق میں انہوں نے دمشق میں مستقل قیام کیا۔

یہ بات بھی عجیب ہے کہ دنیائے اسلام کی اس عظیم روحانی شخصیت کے سوا محققین کو کسی اور

شخص کا علم نہیں جس کی وجہ سے پوری ملت اسلامیہ میں اتنا اختلاف و افتراق پیدا ہوا ہو' بعض لوگوں کی رائے میں وہ ولی کامل تھے' قطب زماں تھے اور علم باطنی میں ایسی سند کی حیثیت رکھتے تھے جس میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا' دوسری طرف ایک ایسا بھی گروہ تھا جس کے نزدیک وہ بدترین قسم کے ملحد تھے' آپ کے بہت سے مداح جلیل القدر علماء کرام بھی تھے جنہوں نے آپ کے عقاید کی حمایت میں کتابیں لکھیں' مثال کے طور پر مجدد الدین الفیروز آبادی' سراج الدین الخزرجی' الفخر الرازی' الجلال السیوطی اور عبدالرزاق الکاشانی جیسے جید علماء کرام کا ذکر کیا جاسکتا ہے' آپ کے بعض مشہور و ممتاز مخالفین میں رضی الدین ابن الخیاط الذہبی' ابن تیمیہ' ابن ایاس' علی القاری' اور جمال الدین محمد بن نورالدین صاحب کشف الغمۃ عن ھذہ الامۃ شامل تھے' آج بھی ابن عربی کی تصنیفات کے بارے میں اسی قسم کا متضاد رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی بعض لوگ انہیں بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے ہیں لیکن بعض ان کی مذمت کرنے میں چوکتے نہیں۔

ابن عربی نے اپنی تصنیفات کا جو عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے وہ ان کے زمانے کے تمام علوم اسلامی کا احاطہ کئے ہوئے ہے' لیکن ان کی بیشتر تصانیف کا موضوع تصوف ہے' اس وسیع و بسیط موضوع کے علاوہ ابن عربی نے حدیث' تفسیر' سیرۃ النبی (ﷺ) ادب' جس میں متصوفیانہ شاعری بھی شامل ہے' ہیئت اور علوم مخفیہ پر بھی قلم اٹھایا' عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں ایک بغدادی بزرگ کے حوالے سے ابن عربی کی تصانیف کی تعداد 500 سے زیادہ بتائی ہے' وہ بنیادی اصول جس پر ابن عربی کے سارے متصوفانہ فلسفے کا دارومدار ہے' عقیدہ ''وحدت الوجود'' کہلاتا ہے' یعنی بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے سب اشیاء پیدا کیں اور جو خود ان کا جوہر اصلی ہے''۔

1169ء انگلینڈ میں ہنری دوم کی حکومت

تاریخ دان جی ایم فریویلین G.M.Frevelyan نے لکھا ہے کہ انگلستان کے بادشاہوں میں کسی نے بھی اتنا عظیم اور لافانی کام سرانجام نہیں دیا جتنا ہنری پلانٹاجینٹ نے دیا' اسے جو انگلستان ملا تھا وہ تیس سال کی خانہ جنگی سے بے حال تھا' نارمن سیاسی و انتظامی مشینری زنگ آلود ہوچکی تھی' اس نے عدلیہ اور انتظامیہ کو ان حالات میں بحال کیا اور عوام کو حکومت کی اطاعت کرنے کی عادت ڈالی۔

ہنری دوم جس نے انگلینڈ کے لئے ایک عظیم اور غیر معمولی بادشاہ ہونا تھا ایک مکمل اور غیر ملکی

انسان تھا وہ سرزمین فرانس میں اینجو کے علاقے میں پیدا ہوا تھا' انگلستان کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے اس نے ایلینور آف ایکویٹائن Eleanor of Aquitauine سے شادی کی جس کے پاس مغربی فرانس کا ایک بڑا حصہ تھا وہ پہلے فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم کی بیوی تھی اس سے طلاق لینے کے عد اس نے ہنری پلانٹاجینٹ کو شادی کی پیش کش کی' اس شادی کے بعد ہنری ایک ایسی مملکت کا بادشاہ بھی بن گیا جو شیو یاٹس Cheviates سے کوہ پائرنیز Pyrenees تک پھیلی ہوئی تھی اسی وجہ سے انگلستان کی حکومت مل جانے کے بعد بھی ہنری نے زیادہ وقت انگلستان سے باہر گزارا۔

ہنری کے رتھامس بیکٹ سے تعلقات اور جھگڑے کی وجوہات جاننے سے ہنری کے کردار اور کام پر روشنی پڑتی ہے' ہنری ہی نے اسے آرچ بشپ تھیو بالڈ سے متعارف کرلیا اور وہ ہنری کے بادشاہ بننے کے صرف دو ماہ کے اندر اندر انگلستان کا چانسلر بن گیا' ایک غریب نوجوان کی اتنی سرعت سے ترقی حیرت انگیز بات تھی' ہنری مملکت کی بھلائی کے لئے آئندہ چرچ آف انگلستان پر اپنا اثر رکھنا چاہتا تھا اور بیکٹ ہنری کے منصوبوں سے واقف تھا ہنری کے عہد میں چرچ کی اپنی عدالتیں تھیں جن سے متعلقہ ایک کلرک نے سو سے زائد افراد کو مار ڈالا مگر وہ صرف معمولی سزا پا کر بری ہو گیا بادشاہ یہ اختیارات چرچ سے لے لینا چاہتا تھا اور بیکٹ چرچ کا وفادار ہونے کی وجہ سے اس کی راہ میں مزاحم تھا' نتیجتاً بادشاہ اس سے تنگ آ گیا اور آخر بات اس کے قتل تک پہنچی۔

ہنری کا عظیم ترین کارنامہ قانون میں نئی اصلاحات نافذ کرنا تھا اس نے جزائر برطانیہ میں پہلی مرتبہ جیوری کے ذریعے مقدموں کی سماعت کا نظام متعارف کروایا' عوام کو انصاف شاہی عدلیہ کے ذریعے ملنے لگا' امراء اور لوگوں کی ذاتی عدالتیں ختم کر دی گئیں' تمام انگلستان کا نظم و نسق اب بادشاہ کے تنخواہ دار لوگ سنبھالنے لگے' ہنری نے ملک کے لئے ایک دستور بھی پیش کیا جس میں قدیم قوانین بھی شامل تھے اور نارمن اور فرنچ نظریات بھی شامل تھے۔

1170ء تھامس بیکٹ کا قتل

آرچ بشپ آف کنٹربری قربان گاہ کے آگے جھکا ہوا تھا' اچانک اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی' وہ ابھی سنبھل نہیں پایا تھا کہ چار مسلح نائٹ Knight جو کینسیا میں داخل ہو چکے تھے وہاں خود اس کی طرف بڑھ رہے تھے' چاروں نائٹوں نے آتے ہی آرچ بشپ کو اس کے خون سے غسل دے دیا' اب اس کی لاش فرش پر پڑی تڑپ رہی تھی' یہ آرچ بشپ تھامس بیکٹ تھا جسے شاہ انگلستان ہنری دوم

کے حکم پر قتل کر دیا گیا تھا مگر قتل ہو جانے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ کلیساء کی عظمت کے نام پر قربان ہوا تھا اور جلد ہی اس کی یہ قربانی رنگ لائی نہ صرف یہ کہ پوپ نے اسے ولی کا درجہ عطا کر دیا بلکہ شاہ انگلستان کو بھی کلیسائے روم کی برتری کو تسلیم کرنا پڑا' ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کے بادشاہوں کے علاوہ کلیسائی نظام کا سربراہ پوپ بھی ایک مطلق العنان طاقت کا مالک بن گیا تھا' پوپ کے نزدیک خدا کی بادشاہی' شہنشاہیت نہیں تھی بلکہ نظام کلیساء تھا' اسی وجہ سے وہ شاہان یورپ سے برتر اور اعلیٰ تھا وہ ان دنیاوی حکمرانوں کا اقتدار کم کر کے ان کو کلیسا کے تابعدار امراء کی حیثیت دینا چاہتا تھا' یہی بات بادشاہوں کو ناپسند تھی مگر وہ مذہب کے ہاتھوں مجبور تھے اور پوپ کے خلاف کوئی کھلم کھلا کارروائی نہیں کر سکتے تھے مگر ہر حال میں پوپ کے اقتدار کا جواء اپنے کندھوں سے اتارنا چاہتے تھے۔

شاہ انگلستان ہنری اول کے بعد اس کا نواسہ ہنری دوم کے نام سے تخت انگلستان پر بیٹھا' ہنری دوم اپنے ملک میں پاپائے روم کا اقتدار کم سے کم کرنے کا خواہاں تھا' پوپ کا اقتدار اتنا وسیع تھا کہ کلیسائے انگلستان کا سربراہ وہ خود نامزد کرتا تھا' اس غیر ملکی نامزدگی کو ہنری دوم نے ختم کر کے پوپ کی دراندازی کم کرنے کے لئے اپنے خاص دوست اور دست راست تھامس بیکٹ کو آرچ بشپ آف کنٹربری مقرر کر دیا یہ عہدہ انگلستان کا سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا ہنری دوم اس نامزدگی سے چاہتا تھا کہ کم از کم کلیسائے انگلستان تو اس کے زیر اثر رہے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اس کا خاص دوست کلیسائے روم کا خادم خاص بن گیا اور اس نے پاپائے روم کے موقف کو اپنا لیا اور اپنی وفاداری پوپ سے منسوب کر دی ساتھ ہی اپنے محسن و مربی ہنری دوم کی حمایت سے دستکش ہو گیا' اس کے ساتھ ہنری دوم اور تھامس بیکٹ میں تنازعے بلکہ جھگڑے کا آغاز ہو گیا' اس کشمکش سے بچنے کے لئے ہنری دوم نے اسے فرانس جلاوطن کر دیا مگر جیسے ہی تھامس بیکٹ وطن واپس آیا بادشاہ کے ساتھ اس کا تصادم ایک بار پھر شروع ہو گیا' بادشاہ اس جھگڑے سے تنگ آ گیا' ایک روز بھرے دربار میں اس نے اپنی سپاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''کون ہے جو مجھے اس جھگڑالو راہب سے بے نیاز کرے؟'' دربار میں موجود چار بہادروں نے بادشاہ کو اس جھگڑالو راہب سے بے نیاز کرنے کے لئے تھامس بیکٹ کو قتل کر دیا۔

لیکن یہ قتل ہنری دوم کو مہنگا پڑا' آرچ بشپ کے عہدے پر فائز کسی شخص کو قتل کرانا اس عہد میں بہت بڑا گناہ تھا اگرچہ ہنری دوم نے پوپ سے معافی مانگ کر صلح کر لی اور پوپ نے بھی بعض شرائط منوا کر اسے معاف کر دیا مگر آئندہ کئی صدیوں تک بادشاہ انگلستان کو کلیسائے روم کے زیر انتداب رہنا پڑا۔ جو بیکٹ کے قتل کا خمیازہ تھا۔

1174ء پیسا ٹاور کا معمار بھاگ گیا

پیسا اٹلی کا مشہور ایک شہر ہے' اس شہر کے جھکے ہوئے Leaning Tower مینار کا شمار دنیائے جدید کے ہفت عجائبات عالم میں ہوتا ہے کہتے ہیں کہ سولہویں صدی کے مشہور اطالوی سائنسدان گلیلیو گلیلی نے اس مینار سے پتھر گرا کر اپنے سائنسی تجربات مکمل کئے تھے' یہ مینار تقریباً 177 فٹ یا 54 میٹر بلند ہے اور اس کی آٹھ منزلیں ہیں' اس کی دیواریں بنیاد سے تقریباً 13 فٹ چوڑی ہیں جبکہ اوپری منزلوں میں یہ دیواریں 6 سے 7 فٹ چوڑی رکھی گئی ہیں' پہلی منزل میں یہ مینار 15 کالمی رومی محرابوں پر مشتمل ہے جبکہ اس کی اگلی چھ منزلیں 30 کالمی محرابوں پر مشتمل ہیں' آخری منزل صرف 12 کالمی ہے' اسی منزل میں چرچ کی گھنٹیاں نصب ہین یہ مینار مکمل طور پر سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔

اس مینار کے سنگ بنیاد کے مطابق اس کی تعمیر کا آغاز 1174ء میں کلیسا کے مینار کے طور پر ہوا تھا جس پر کلیسا کی گھنٹیاں آویزاں کی جانی تھیں' اس کی تعمیر انتہائی سست روئی سے انجام پائی جس کی وجہ اس کی تعمیری رکاوٹیں تھیں' جس جگہ یہ تعمیر کیا گیا اس جگہ پہلے ایک ریتلی جھیل تھی جو خشک ہوگئی' بغیر دیکھے بھالے جب اس مقام پر تعمیر شروع کی گئی تو ابھی صرف تین منزلیں تعمیر ہونے پائیں تھیں کہ مینار جھکنا شروع ہوگیا اس کے معمار بونانوڈی پیسا Bonannodapisa کو جب اس تعمیری کجی کا پتا چلا تو وہ اپنی تعمیراتی ساکھ کے گر جانے اور کلیسا کی عدالت احتساب کے خوف سے تیسری منزل کی تعمیر کے دوران ہی روپوش ہوگیا' مگر شاید اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ انجانے میں پیدا ہو جانے والی یہ تعمیراتی کجی اس مینار کی لازوال شہرت کا باعث بن جائے گی۔

پچھلی آٹھ صدیوں سے انسانی تعمیر کے اس عجوبہ کا جھکاؤ مستقل طور پر جاری تھا یہ مینار اپنے نقطہ عمود سے تقریباً 15 فٹ جنوب کی طرف جھکا ہوا ہے' کلیسا کی ایک رپورٹ کے مطابق اس مینار کی شمالی سمت تقریباً 184 فٹ فٹ 4/3 7 انچ بلند ہے جبکہ جنوبی سمت 181 فٹ 4/3 7 انچ بلند بتائی گئی ہے' اس مینار کا گھیراؤ تقریباً 52 فٹ یا 17 میٹر اس کے جھکاؤ کو روکنے کے لئے 1911ء سے کوششیں جاری تھیں مگر 1970ء کی دہائی کے وسط تک یہ مینار تقریباً ایک ملی میٹر سالانہ کے حساب سے مسلسل جھکا جا رہا تھا جو بالآخر اس کی تباہی پر منتج ہونا تھا۔ 1970ء کی دہائی میں جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے بالآخر اس کے مسلسل جھکاؤ پر قابو پالیا گیا اور اس کا یہ جھکاؤ ختم کر دیا گیا ہے' اس مینار کی تعمیر کہیں 1350ء میں مکمل ہوئی تھی۔

1183ء صلاح الدین ایوبی کی فتح شام

مسلمان مجاہد اعظم' یورپ کے صلیبیوں کا شہرہ آفاق حریف سلطان صلاح الدین ایوبی 1138ء میں نجم الدین ایوب کے ہاں تکریت میں پیدا ہوا' نسلاً کرد تھا' دس سال سلطان نور الدین زنگی کے دربار بمقام دمشق میں گزارے علوم دین کی تحصیل کی' اسی دوران اپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ مصر کے فاطمیوں کے وزیر شاور کے خلاف مصر بھیجا' سلطان زنگی چونکہ صلیبیوں سے نبرد آزما تھا وہ چاہتا تھا کہ فاطمیوں اور صلیبیوں میں ساز باز کا کوئی امکان نہ رہے' ادھر مصری وزیر شاور سے بہت تنگ تھے انہوں نے شیر کوہ اور صلاح الدین کا استقبال اس ظالم سے نجات دلانے والے کے طور پر کیا' خود شاور نے شیر کوہ اور صلاح الدین کو گرفتار کرنے کی سازش کی' اب صلاح الدین نے اسے گرفتار کر کے اس کے خاتمہ کر دیا' فاطمی خلیفہ خود اپنے اس ظالم وزیر کے ہاتھوں تنگ تھا' اس وزیر کے خاتمہ سے وہ بھی خوش ہوا اور اس نے جنوری 1169ء بمطابق 17 ربیع الثانی 564ھ کو شیر کوہ کو اس کی جگہ وزیر مقرر کر دیا' اس کے صرف دو ماہ بعد ہی شیر کوہ نے وفات پائی اور اس کی جگہ صلاح الدین کو وزیر بنا دیا اور ساتھ ہی ''الملک الناصر'' کا خطاب عطا کیا (مارچ 1169ء) ادھر سلطان نور الدین زنگی نے اسے شامی فوجوں کا سالار بنا دیا' اس وقت سے صلاح الدین کی عظمت کے جوہر کھلنے شروع ہو گئے اس کی زندگی کا نصب العین خلافت فاطمیہ کا خاتمہ اور صلیبی جنگجوؤں سے فیصلہ کن جنگ لڑنا تھا' جلد ہی قسمت نے اسے مصر میں خلفاء عباسہ کے نام کا خطبہ پڑھوانے کا موقع دیا یہ سلطان نور الدین کی بھی دیرینہ خواہش تھی نور الدین زنگی کی وفات 1174ء کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کا مستقل سلطان بن گیا اور اس نے ایوبی خاندان کی داغ بیل ڈالی' ادھر سلطان نور الدین زنگی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا الملک الصالح اسماعیل بادشاہ بن گیا' اب ضروری تھا کہ اگر صلیبی جنگجوؤں سے فیصلہ کن جنگ لڑنی ہے تو شام و فلسطین کو بھی اپنے اقتدار میں لایا جائے' مجبوراً اسے قرون الحماۃ کے مقام پر صالح اسماعیل سے لڑنا پڑا' فتح کے بعد بھی صلاح الدین نے نہایت نرمی سے کام لیا اور حلب پر صالح اسماعیل کا قبضہ بحال رہنے دیا لیکن حماۃ' حمص اور بعلبک جو لڑائی کے بغیر ہی فتح ہو گئے تھے اپنے عزیزوں کو بطور جاگیر عطا کر دیئے پھر ذوالعقدہ 510ھ مئی 1175ء میں خلیفہ بغداد نے اسے مصر' یمن' المغرب'

طرابلس اور فلسطین کی حکومت عطا کر دی' اب صلاح الدین سلطان الاسلام والمسلمین کہلانے لگا اب وقت آ چکا تھا جب صلاح الدین کھل کھلا کر صلیبیوں کا مقابلہ کرے' فلسطین میں اس کا مقابلہ بالڈون چہارم سے ہوا لیکن صلاح الدین کی نمایاں برتری کی وجہ سے اسے پیچھے ہٹنا پڑا' صلیبیوں اور صلاح الدین میں جنگ چھڑ جانے کے باوجود زنگی حکمران اسماعیل نے فرنگیوں سے صلح کر لی' اب صلاح الدین نے ان مسلم علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جو زنگیوں کے قبضے میں تھے' جون 1183ء کو حلب کی فتح کے ساتھ ہی شام کی فتح مکمل ہو گئی۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12 صلاح الدین ایوبی از خورشید انور

1185ء ابن طفیل کی وفات

ابو بکر محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی اسلامی اندلس کا نامور فلسفی جو ابو جعفر الاندلسی کے نام سے بھی مشہور ہے' مسیحی متکلمین نے اسے Ababacer لکھا ہے جو ابو بکر کی بگڑی ہوئی شکل ہے وہ 1100ء کے لگ بھگ وادی آش میں پیدا ہوا' جو غرناطہ سے چالیس میل شمال مشرق میں واقع تھا' وہ غرناطہ میں طبابت کرتا رہا' پھر وہ والئی غرناطہ کا کاتب بنا' 1154ء میں اس نے یہی خدمات طنجہ اور سبتہ کے یہاں سرانجام دی' آخر الامر الموحد تاجدار ابو یعقوب یوسف اول (558-580ھ 1163-1184ء) کا درباری طبیب مقرر ہوا' یہی منصب ہے جو بعد ازاں اس کے دوست ابن رشد کو ملا ابن طفیل شاید ابو یعقوب کا وزیر تو نہیں رہا مگر اس کا وہاں اثر و رسوخ بے حد تھا اس نے متعدد علماء کو اس کے دربار سے منسلک کیا انہیں میں خود ابن رشد بھی شامل ہے' ابن طفیل ہی نے ابو یعقوب کی تحریک پر ابن رشد کو مشورہ دیا کہ ارسطو کی تصنیفات پر حواشی لکھے' ابو یعقوب کو ابن طفیل سے بے حد لگاؤ تھا' ابن طفیل کا ایک شاگرد لکھتا ہے کہ ابن طفیل کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں امیر المومنین کے حضور میں شاہی محل میں بسر کرتا تھا۔

1182ء میں جب ابن طفیل پیرانہ سالی میں قدم رکھ چکا تھا تو اس کی جگہ ابن رشد کو طبیب شاہی مقرر کیا گیا لیکن ابن طفیل کو ابو یعقوب کی سرپرستی حاصل رہی بلکہ ابو یعقوب کی وفات کے بعد بھی اس کے بیٹے اور جانشین نے ابن طفیل دوستانہ مراسم قائم رکھے ابن طفیل نے مراکش ہی میں وفات پائی اور تاجدار مذکور اس کے جنازے میں بھی شریک ہوا۔

ابن طفیل کی ایک داستان یا تصنیف دستیاب ہوئی ہے اور اس کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر اسی پر ہے' یہ اس کا مشہور و معروف رسالہ ''حی بن یقظان'' ہے جس میں گویا اس نے اپنے فلسفہ کو داستان کی شکل میں پیش کیا ہے علاوہ ازیں دو رسالے طب پر بھی اس کی تصنیف بتائے جاتے ہیں اور ابن رشد نے ارسطو کی شروح اور ''الکلیات'' کی تصنیف میں اس سے مشورہ لیا کہا جاتا ہے کہ خود اس نے ارسطو کی جویات Meteorlogy کا ترجمہ بھی کیا' بہر حال یہ ابن طفیل ہی تھا جس کے اشارے پر ابن رشد کے علاوہ اس کے شاگرد البطر وجی نے ہم مرکز دائروں کے بطلیموسی نظریئے میں ترمیم کی۔ ابن طفیل پہلا فلسفی ہے جس نے افسانے سے فائدہ اٹھایا اور اپنے فلسفیانہ خیالات کو درجہ کمال تک پہنچا دیا' ابن طفیل کے حی بن یقظان سے متاثر ہو کر انگریز ادیب ڈینیل ڈیفو نے انگریزی افسانہ ''رابن سن کروسو'' تصنیف کیا' حی بن یقظان ایک ایسے بچے کی داستان ہے جو کسی سنسان جزیرے پر پیدا ہوتا ہے یا پانی کی لہریں اسے اس جزیرے پر پہنچا دیتی ہیں ایک ہرنی اس بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی پہلی معلمہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے پھر وہ رموز زندگی پاتا چلا جاتا ہے اور خود اپنی ذات کا مطالعہ شروع کر دیتا ہے' آخر وہ یہ راز خداوندی تک پا جاتا ہے کہ خالق کل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی جسم نہ ہو کیونکہ اگر وہ ابدی ہے تو عالم کی قوت محرکہ اس کے اندر نہیں آ سکتی' حی بن یقظان کی زبان سراسر رمزی ہے اور مصنف اس کے ذریعے اس امر کی تشریح کرتا ہے کہ فلسفے کی غرض و غایت ہے ذات الٰہی سے اتحاد و اتصال۔

1187ء صلاح الدین ایوبی یروشلم فتح کرتا ہے

1099ء کی مسیحی فتح کے بعد ہونے والے قتل عام کا تقاضا تھا کہ ہر مسیحی کو تہہ و تیغ کر دیا جاتا مگر 12 اکتوبر 1187ء کو جب سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے سپاہی القدس میں فاتحانہ داخل ہوئے تو کسی ایک مسیحی کو بھی قتل نہ کیا گیا' لین پول جیسا یورپی مورخ سلطان کی عالی حوصلگی اور عظمت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہ آیا جس میں کسی عیسائی کے ساتھ کوئی زیادتی کی گئی ہو' سلطان نے عام اعلان کیا کہ چالیس دن کے اندر عیسائی شہر سے سلامتی سے نکل جائیں اور صرف فی مرد دس دینار' فی عورت پانچ دینار اور فی بچہ ایک دینار تاوان جنگ ادا کریں یروشلم کا اسقف اعظم' ہرقل اتنے خزانے اپنے ساتھ لے کر شہر سے نکلا کہ مورخ عماد الدین

نے سلطان کو مشورہ دیا کہ اگر صرف اس شخص کا مال ضبط کرلیا جائے تو یروشلم کے تمام شہریوں زرفدیہ ادا ہو جائے گا مگر سلطان نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔

جس دن سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر میں عنان حکومت سنبھالی تھی فلسطین کے فرنگی حکمرانوں کو اپنے خواب بکھرتے نظر آنے لگے تھے وہ اسے یروشلم کے لئے خطرہ سمجھتے تھے' اسی لئے انہوں نے فرانس' جرمنی' انگلستان اور یونانی شہنشاہ اور پاپائے روم کو مدد کی درخواست بھیجی تھی وہ قسطنطنیہ کی طرف سے ایک فوجی بیڑا اور جنوبی اطالیا (صقلیہ) کی طرف سے ایک امدادی فوج حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے' اسی وجہ سے عیسائیوں نے پہلے دمیاط اور بعدازاں قاہرہ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا' صلاح الدین بھی نورالدین سے مدد کا خواہاں ہوا تھا' یوں اسی دن سے صلاح الدین اور مسیحی دنیا میں کشمکش کا آغاز ہوگیا تھا۔ 90 سال تک کوئی مسلمان حکمران یروشلم کو عیسائی دنیا سے واپس نہ لے سکا تھا' آخر ستمبر 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوجیں القدس کی فصیلوں کے سائے میں پہنچ چکی تھیں' ادھر عیسائی بھی مختلف مقامات پر شکستیں اٹھانے کے بعد یروشلم کا دفاع کرنے کے لئے شہر میں جمع ہو چکے تھے' مسلمان سپاہی شہر کی فصیل میں ایک وسیع شگاف لگانے میں کامیاب ہوگئے جب اس شگاف سے مسلمان سپاہی شہر میں داخل ہو رہے تھے تو اسقف اعظم ہرقل نے صلح کی درخواست کی' سلطان نے اسقف اعظم کے سفیروں سے پوچھا کیا مفتوحہ شہر سے صلح کی شرائط طے کی جاتیں ہیں؟ اس پر عیسائیوں نے اہل شہر کی حالت زار بیان کی اور کہا کہ اگر صلح کی یہ درخواست منظور نہ کی گئی تو سب لوگ عورتوں اور بچوں کو قتل کردیں گے اور اپنی املاک کو جلادیں گے پھر لڑتے لڑتے سب موت کے گھاٹ اتر جائیں گے' سلطان پر جذبہ رحم غالب آ گیا اور اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کرکے مندرجہ بالا شرائط صلح مقرر کیں جب ان شرائط کے تحت لاکھوں افراد فدیہ ادا کرکے جا چکے تو سلطان نے اعلان کیا کہ نادار شہریوں کو زرفدیہ ادا کئے بغیر بھی شہر چھوڑنے کی اجازت ہے' مگر جب یروشلم سے یہ عیسائی مہاجرین طرابلس پہنچے تو عیسائی حکمران نے ان پر شہر کے دروازے بند کردیئے۔

1192ء رچرڈ شیر دل کی گرفتاری

دسمبر 1192ء کی ایک شام آسٹریا کے ایک قصبے کی ایک سرائے میں ایک سپاہی بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اسے ڈیوک آف آسٹریا کے سپاہیوں نے آ گھیرا اور گرفتار کر لیا' دراصل یہ سپاہی شاہ انگلستان رچرڈ شیر دل تھا جس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی ہیرے کی انگوٹھی کی وجہ سے اسے پہچان لیا گیا تھا ڈیوک آسٹریا شاہ انگلستان کو گرفتار کر کے اپنی اس ہتک کا بدلہ لینا چاہتا تھا جو شیر دل نے عکہ کی فتح کے موقع پر شہر کی فصیل سے اس کا جھنڈا نیچے گرا کر کی تھی' رچرڈ نے اس کا جھنڈا محض اس لئے گرایا تھا کہ لیوپولڈ محض ایک ڈیوک تھا اور اس کا جھنڈا شاہ فرانس اور شاہ انگلستان کے جھنڈوں کے برابر نہیں لگ سکتا تھا' اسی متوقع دشمن کے حملے کی وجہ سے رچرڈ ڈیوک کے علاقے سے بھیس بدل کر گزر رہا تھا رچرڈ شیر دل انگلستان کے مشہور بادشاہوں میں سے ایک تھا' اسے آج بھی اہل انگلستان اپنے ایک افسانوی ہیرو اور جنگجو بادشاہ کے طور پر جانتے ہیں' اگرچہ صدیوں سے اس کا نام تاریخ انگلستان کا ایک جز ہے مگر یہ اتفاق ہے کہ رچرڈ شیر دل انگریزی زبان سے نابلند تھا' اور وہ اپنے دس سالہ عہد میں انگلستان میں صرف چھ ماہ گزار سکا تھا' اس کا باپ شاہ ہنری دوم تھا جس نے انگلستان کے آرچ بشپ تھامس اے بیکٹ کو قتل کروایا تھا' اس کی ماں ملکہ ایلینور Aleanor of Aquitaine تھی۔ شام ہنری دوم کی وفات کے بعد رچرڈ کو انگلستان کا تاج و تخت ورثے میں ملا مگر ایکوٹین (فرانس) میں پرورش پانے کی وجہ سے وہ انگریزی زبان سے ناآشنا تھا' ایک مذہبی انسان ہونے کے ناطے رچرڈ نے عین اپنی تاجپوشی کے موقع پر محاربات صلیبی کے لئے چندے کی اپیل کی اور کہا کہ اگر اسے یروشلم آزاد کرانے کے لئے لندن بیچنا بھی پڑے تو وہ تیار ہے' پھر اپنے مذہبی جذبات سے مغلوب ہو کر وہ جلد ہی شاہ فرانس فلپ کے ساتھ پوپ کی اپیل پر تیسری صلیبی جنگ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

یہ صلیبی مہم بڑی کٹھن تھی' اس کے دوران اکثر فاقہ زدگی سے تنگ آ کر صلیبی جنگجوؤں کو گھاس تک کھانا پڑی' رچرڈ شیر دل اگرچہ کبھی بھی یروشلم میں قدم نہ رکھ سکا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے عظیم مجاہد کے مقابلے میں اسے ارسوف کے مقام پر کامیابی حاصل ہوئی۔ 1194ء میں صلح نامہ رملہ طے پایا جس کی رو سے عکا سے یافہ تک کے علاقے پر ہنری کی حکومت ہوگی جو رچرڈ کا بھانجا تھا' عسقلان سے جنوبی ساحلی علاقے تک پر صلاح الدین کی حکومت ہوگی' اس کے بعد

رچرڈ نے اپنی علالت کی وجہ سے انگلستان کی طرف مراجعت کی' واپسی کا یہ سفر مشکلات کا سفر تھا گرفتار کرنے کے بعد لیوپولڈ نے رچرڈ کو کئی قلعوں میں قید رکھا اور اس کی رہائی کے لئے تاوان کے طور پر ایک خطیر رقم کا مطالبہ کیا' یہ رقم تقریباً ایک لاکھ مارکس پر مبنی تھی جو آج کے چالیس لاکھ پونڈ بنتے ہیں' رچرڈ کی والدہ اور اس کی وفادار عوام نے یہ رقم اکٹھی کر کے ادا کی مگر اس کے بھائی جان نے اپنی بادشاہت قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن رکاوٹ کھڑی کی' آخر رچرڈ رہا ہو کر لندن پہنچا جہاں اس کا عوام نے بے مثال استقبال کیا' بادشاہ نے انگلستان کی بجائے فرانس میں اپنے آبائی علاقوں کو ترجیح دی' مگر اس کے صلیبی محاربات کے ساتھی فلپ کو یہ ناپسند تھا' نتیجتاً دونوں میں نوبت جنگ تک پہنچی' ایک جھڑپ کے دوران شیر دل کو تیر لگا جو اس کی موت کا باعث بن گیا۔

1192ء سلطان شہاب الدین غوری کی پرتھوی راج پر فتح اور دیگر مہمات

غوری سلطنت کی بنیاد عزالدین حسین نے 1099ء میں رکھی تھی' اسی سلطان کا پوتا سلطان معز الدین الدین بن محمد سام المشہور شہاب الدین غوری تھا جو اپنے بھائی غیاث الدین کی وفات کے بعد اس سلطنت کا تاجدار بنا' سلطان نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد اپنی پیشرو غزنوی سلطنت کا دائرہ جہاں تک تھا وہاں تک اپنی فتوحات کو وسیع کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے پہلے ہندوستان میں صوبہ پنجاب پر توجہ دی پھر ملتان کے قرامطیوں کی سرکوبی کی۔ 1179ء میں غوری نے پشاور فتح کیا' پھر اس کے دو سال بعد لاہور پر چڑھائی کر دی۔ 1182ء میں اس نے لاہور کو فتح کر کے غزنوی شہزادے خسرو ملک کو گرفتار کر لیا اس کے ساتھ ہی ہندوستان سے غزنوی سلطنت ختم ہو گئی۔

ہندوستان میں ایک مستحکم سلطنت قائم کرنے کا مقصد سامنے رکھتے ہوئے سلطان شہاب الدین نے 1191ء میں (بٹھنڈہ) پر چڑھائی اور فتح کر لیا یہ مقام دہلی و اجمیر کے چوہان راجہ پرتھوی راج کی سلطنت کا حصہ تھا راجہ نے جوابی کارروائی کے طور پر واپسی پر سلطان کے لشکر کا تعاقب کیا' تراوڑی کے مقام پر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا' راجہ پرتھوی راج جسے عام طور پر رائے پتھورا کہا جاتا ہے ایک بہادر اور کامیاب سپاہی تھا آج بھی ہندوستان کے لوگ گیتوں اس کا نام زندہ ہے' سلطان اور راجہ کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جس میں سلطان رائے پتھورا کے

بھائی گوبند رائے کے ہاتھوں زخمی ہو گیا' میدان جنگ میں سلطان کے ایک خلجی سپاہی نے بڑی مشکل سے اس کی جان بچائی' سلطان کو ان حالات میں عارضی شکست کا سامنا ہوا اور وہ لاہور کی جانب پسپاہ ہونے پر مجبور ہو گیا' دوسری طرف پرتھوی راج بٹھنڈہ کی طرف بڑھا اور اس نے اس کا محاصرہ کر لیا' 1192ء میں سلطان ایک بار پھر نئے عزم کے ساتھ واپس آ گیا' پرتھوی راج جس نے ابھی ابھی بٹھنڈہ فتح کیا تھا یہ خبر سنتے ہی ایک بار پھر تراوڑی کا رخ کیا' یہ مقام کرنال اور تھانیسر کے درمیان آج کے صوبہ ہریانہ میں واقع ہے' دونوں لشکروں میں ایک بار پھر مقابلہ ہوا ایک جنگ عظیم برپا ہوئی' سلطان نے عسکری حکمت عملی کے طور پر اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور راجہ کے لشکر پر فتح پائی' راجہ ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا اور میدان سے بھاگ نکلا مگر دریائے سرسوتی کے کنارے مارا گیا' اس کا بھائی کھانڈا رائے یا گوبند رائے بھی مارا گیا' دارالحکومت اجمیر کے علاوہ ہانسی اور سرسہ کو فتح کر لیا گیا' سلطان ان فتوحات کی تکمیل کے بعد واپس غزنہ چلا گیا اور اپنے سپہ سالار قطب الدین ایبک کو پیچھے چھوڑ گیا' قطب الدین ایبک نے بہت جلد میرٹھ اور پھر اگلے سال دہلی کو فتح کر لیا' ایبک نے دہلی کو مفتوحہ علاقے کا دارالحکومت قرار دیا' اور علی گڑھ تک بڑھتا چلا گیا' 1193ء میں سلطان نے ایک بار پھر ہندوستان کا عزم کیا اور قنوج کی طرف بڑھا' اس کا مقابلہ اس مرتبہ راجہ جے چند سے اوٹاوہ کے نزدیک چندوار کے مقام پر یہ مقام قنوج کے نزدیک واقع ہے' جے چند مارا گیا اور 300 ہاتھی فاتح کے ہاتھ لگے' اگلے سال سلطان نے تھنکیر فتح کیا اور اس کے بعد وسطی ہند میں گوالیار کی باری آئی۔ قطب الدین ایبک نے اجمیر کے جنوب میں اجین اور انہلواڑہ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا' یہاں ایک ہندو بہادر بھیم دیو کو جس نے ایک بار سلطان کو پسپاہ کر دیا تھا شکست دے دی گئی ایک اور سپہ سالار اختیار الدین خلجی نے صوبہ بہار کا رخ کیا اور وہاں کے راجہ کو بھاگنے پر مجبور کر دیا' راجہ رائے لکھنیا نے بنگال میں پناہ لی' اب لکھنوتی اسلامی حکومت کا صدر مقام قرار پایا 1202ء میں قطب الدین نے کالنجر فتح کر لیا' ان مہمات میں سلطان نے بذات خود حصہ نہ لیا کیونکہ وہ خراسان کے معاملات میں الجھا ہوا تھا اور خوارزم شاہیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے میں مصروف تھا' 1202ء میں اس کے بھائی غیاث الدین کے انتقال پر وہ فرمانروائے اعلیٰ کی حیثیت سے اس کا جانشین ہوا' 1204ء میں اس نے ایک زبردست لشکر منظم کر کے خوارزم شاہ کی غارت گریوں کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا اسے پیچھے ہٹنا پڑا' اسی اثناء میں ہندوستان میں پنجاب کے

کھوکھروں نے شورش برپا کردی' یہ عجیب اتفاق تھا کہ یہ وہی قوم تھی جس نے آخری غزنوی حکمران خسرو ملک کی مخالفت میں پہلے سلطان کا ساتھ دیا تھا' سلطان نے پنجاب پہنچ کر اس قوم کی سرکوبی کی' سلطان 25 فروری 1206ء کو لاہور میں فاتحانہ داخل ہوا' یہاں سے واپسی پر سلطان دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن تھا تو ایک جنونی شخص نے جو ملاحدہ سے تعلق رکھتا تھا بعض مورخین نے اسے کھوکھر قوم کا فرد بتایا ہے' سلطان کی خواب گاہ میں داخل ہو کر خوابیدہ سلطان کو اپنے خنجر سے شہید کردیا' مورخین لکھتے ہیں کہ یہ شخص قرامطی تھا جن پر سلطان نے اپنے عہد کے آغاز میں بہت سختی کی تھی' اس بات کا ثبوت ہمیں ''طبقات ناصری'' سے ملتا ہے' سلطان کی اچانک وفات کی وجہ سے جلد ہی غوری سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے' ہندوستان پر سلطان کے ترک غلاموں نے اپنا اقتدار بحال رکھا' غزنہ پر سلطان کے بھتیجے غیاث الدین محمود سے اپنی حکومت قائم کی مگر غوری سلطنت کا اتحاد پھر کبھی نہ ہوسکا۔

ماخذ۔ معارف اسلامیہ صفحہ 604 جلد 2/14 طبقات اکبری جلد اول صفحہ 99 طبقات ناصری جلد اول صفحہ نمبر 710 تا 715' انسانی تاریخ کے بڑے قتل' خالد ارمان۔ تاریخ ملت جلد سوم' تاریخ ہند

1193ء سلطان الہند' خواجہ معین الدین چشتی کی ہندوستان آمد

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اسلامی تصوف کی تاریخ میں برگزیدہ ترین بزرگوں میں سے ایک اہم شخصیت ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی 536ھ 1141ء میں یا اس کے قریب سجستان میں پیدا ہوئے' والد کا نام خواجہ غیاث الدین حسین تھا' 551ھ میں والد کا انتقال ہوا تو ورثہ میں ایک باغ اور ایک پن چکی ملی پوری توجہ سے باغ کی نگہداشت میں مصروف ہوگئے' ایک روز ان کے باغ میں ایک مجذوب حضرت ابراہیم قندوری کا گذر ہوا' حضرت خواجہ صاحب نے ازراہ مہمان نوازی انہیں انگور پیش کئے' جوابی طور پر حضرت ابراہیم قندوزی نے انہیں کھل کر ایک ٹکڑا کچل کر دیا جس سے وہ احوال باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں مسلک صوفیہ کی جانب بہت قوی رجحان پیدا ہوگیا' حضرت نے سارا مال و متاع بانٹ دیا اور منافرت اختیار کی' سمرقند و بخارا کا رخ کیا اور وہاں کی درس گاہوں میں ممتاز علماء سے مذہبی علوم کی تحصیل کی۔

عراق جاتے ہوئے آپ کا گزر قصبہ ہرون سے ہوا جو ضلع نیشاپور میں واقع تھا یہاں خواجہ عثمان ہارونیؒ سے ملاقات ہوئی آپ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے' بیس سال تک سفر و حضر میں مرشد کی خدمت میں رہے' اس کے بعد پھر از خود سیاحت پر کمر باندھی' اس اثناء میں شاہیر مشائخ و علماء سے ملاقات کی جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسی عظیم شخصیات شامل تھیں' اس عہد کے تمام بڑے اسلامی مراکز کی سیاحت کے بعد ہندوستان کا رخ کیا۔ سب سے پہلے ملتان میں قیام کیا اور برصغیر کی زبان سیکھی' ہندوؤں کے رسم و رواج سے آگاہی حاصل کی پھر لاہور آ کر حضرت سید علی ہجویریؒ کے مزار پر چالیس روز تک معتکف رہے' قیام لاہور کے بعد پہلے دہلی اور پھر اجمیر پہنچے' ان دنوں وہاں ہندو راجہ پرتھوی راج کی حکومت تھی' پنجاب اور راجپوتانہ کا علاقہ سلطان شہاب الدین غوری کے حملوں کی زد میں تھا' ایسے میں خواجہ صاحب نے اپنے تبلیغی مشن کا آغاز کیا اور اپنے علمی اور روحانی پروگرام کی ترویج و اشاعت کی' مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے 99 ہزار سے زائد ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا' ہندوستان میں خواجہ صاحب نے سلسلہ چشتیہ کی بنیاد رکھی' اجمیر میں جو ان دنوں چوہان حکومت کا مرکز تھا ہر اجنبی کو ترچھی نظروں سے دیکھا جاتا تھا' یہ خواجہ صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے جو انہوں نے ایسے سخت لوگوں میں اسلام کے شجر کی آبیاری کی' التمش کے عہد میں خواجہ صاحب دو مرتبہ دہلی آئے مگر سیاسی قوت کے اس مرکز سے آپ اپنے کو دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے' حضرت خواجہ صاحب کی ازدواجی زندگی کے متعلق عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ نے دو شادیاں کیں جن سے تین صاحبزادے ہوئے' آپ کے صاحبزادوں کا میلان تصوف کی طرف نہیں تھا ایک صاحبزادی بی بی جمال تھیں جن کا تصوف کی طرف زبردست رجحان تھا' خواجہ صاحب نے 632ھ 1236ء میں وفات پائی' آپ کے مزار پر قبہ مالوے کے خلجی حکمرانوں نے تعمیر کرایا آپ کے مزار کے احترام کا یہ حال ہے کہ شاہجہان کی دختر جہاں آراء نے پلکوں سے آپ کے مقبرے میں جھاڑو دی تھی۔

دہلی کا پہلا سلطان جو خواجہ صاحب کے مزار پر حاضر ہوا' سلطان محمد بن تغلق تھا آپ کے احترام میں مغل شہنشاہ اکبر آگرہ سے اجمیر تک پیادہ پا چل کر گیا۔

خواجہ صاحبؒ نے ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی بنیاد رکھی اور اجمیر میں جو اس وقت چوہان راجاؤں کا مرکز تھا' اس کے اصول مرتب کئے' اس امر کی مستند تفصیلات نہیں ملتیں کہ انہوں نے ایسے لوگوں کے درمیان کس طریق سے کام کیا جو ہر اجنبی کو ترچھی نظر سے دیکھتے تھے' معلوم ہوتا ہے

کہ ان کا وہاں قیام پرتھوی راج اور اونچی جاتی کے ہندوؤں کو پسند نہ آیا تھا' مگر عوام الناس جوق در جوق ان کے گرد جمع ہوتے گئے' لیکن خواجہ صاحب اپنے گرد اتنے عوام کو جمع کرنے کے باوجود سیاست سے الگ رہنا ہی پسند کرتے تھے اسی وجہ سے سلاطین دہلی سے بھی وہ ہمیشہ دور ہی رہے' انہوں نے خاموشی کے ساتھ اس نئے ملک میں ایک فکری انقلاب کی بنیاد رکھی وحدت الوجود میں ان کے راسخ عقیدے کی وجہ سے انہیں اپنے صوفیانہ تبلیغ کے نصب العین میں ایسی نظریاتی مدد ملی جو ان لوگوں میں جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ضروری تھی جن میں وہ رہتے تھے۔ ان کے بعض ملفوظات سے جس طرح وہ ''میر الاولیا'' محفوظ ہیں' پتہ چلتا ہے کہ وہ صاحب دل' وسیع المشرب اور نہایت دردمند انسان تھے' وہ عمیق جذبہ انسانیت کے علمبردار تھے' ان کے نزدیک مذہب کے معنی خدمت خلق کے تھے وہ اپنے مریدوں کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ ''وہ اپنے اندر دریا کی سی فیاضی'' سوج جیسی گرمجوشی اور زمین جیسی مہمان نوازی پیدا کریں'' سب سے اعلیٰ عبادت (طاعت) کی شکل ان کے نزدیک یہ تھی کہ مصیبت زدہ لوگوں کے دکھوں کو دور کیا جائے' بے یارو مددگار لوگوں کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے' سلسلہ چشتیہ کے بلند نظریات انہیں کے قائم کردہ ہیں' جن کی شیخ نظام الدین کے ارشادات (فوائد الفواد) اور ساتویں آٹھویں صدی ہجری کو ان تصانیف میں شرح کی گئی ہے جن کا تعلق سلسلہ چشتیہ کے مسلک سے ہے (یہی فوائد الفواد' برصغیر کی ابتدائی روحانی اور ادبی تاریخ کا اولین سرچشمہ ہے) ایک مرتبہ جب خواجہ معین الدین اجمیر سے دہلی آئے تو انہیں اپنے مرید باصفا حضرت خواجہ بختیار کاکی اور اس وقت شیخ الاسلام' شیخ نجم الدین صغرا کے درمیان اختلافات کی خبر ہوئی' آپ میں اور شیخ الاسلام میں پرانی دوستی تھی' آپ ان سے ملنے کے لئے ان کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے جب وہ تپاک سے آگے نہ بڑھے تو آپؒ نے ان کے اس رویئے کی شکایت کی جس پر شیخ الاسلام نے بھی انہیں کہا کہ آپ نے اس شہر میں اپنا ایک ایسا مرید چھوڑ رکھا ہے جو میری شیخ الاسلامی کو خاطر میں نہیں لاتا' اس پر آپ نے خواجہ بختیار کاکی کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانے کا فیصلہ کیا' مگر جب یہ دونوں بزرگ دہلی سے اجمیر کی طرف جانے کے لئے تیار ہوئے تو تمام دہلی میں شور مچ گیا اور اہل شہر مع سلطان المتش کے آپ کے پیچھے روانہ ہوئے جب خواجہ صاحب نے یہ حال دیکھا تو حضرت بختیار صاحب کو بھی رہنے کی اجازت دی۔

1198ء ابن رشد کی وفات اور اس کا فلسفہ

قرطبہ کے ایک قاضی کی عدالت میں ایک عجیب نابغہ روزگار شخصیت ملحدانہ عقائد رکھنے کے الزام میں پیش تھی۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ ملزم خود بھی کچھ دن پہلے تک قرطبہ کے عہدہ قضاۃ پر فائز تھا مگر آج خود مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا قاضی صاحب نے الحاد کے الزام میں اسے جلاوطنی کی سزا سنائی پھر اسے قرطبہ کے قریب لوسینیا Lucena میں جلاوطن کر دیا گیا۔ یہ کوئی عام ملزم نہیں تھا بلکہ مغرب کا عظیم ترین مسلم فلسفی ابن رشد تھا جو موحد خلیفہ اندلس یعقوب المنصور کے عتاب کا شکار ہو گیا تھا' اگرچہ یہ موحد خلیفہ خود بھی فلسفہ کا دلدادہ تھا مگر اندلس کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے اس نے نہ صرف ابن رشد کو ملحد قرار دے دیا بلکہ اسی خلیفہ نے (1195ء) اسی زمانے میں حکم دیا تھا کہ فلسفہ کی سب کتابیں جلا دی جائیں' ماسوا ان کے جو طب' حساب اور ابتدائی علم ہیئت پر ہوں' کچھ عرصے بعد جب خلیفہ مراکش لوٹا تو اس نے فلسفہ کی تعلیم پر عائد پابندیاں ہٹا دی اور ابن رشد کو اپنے دربار میں واپس بلا کر جگہ دی' لیکن یہ عظیم مسلم فلسفی اپنے جاہ و ثروت کی بحالی سے زیادہ دیر تک لطف اندوز نہ ہو سکا' مراکش واپس آ کر تھوڑی ہی مدت بعد 9 صفر 595ھ 10 دسمبر 1198ء کو اس کا انتقال ہو گیا اور شہر کے قریب ہی باب تغزوت کے باہر اسے دفن کیا گیا یوں فلسفہ کا ہمیشہ روشن رہنے والا چراغ بجھ گیا۔

ابو ولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد جو یورپ میں Averroes کے نام سے مشہور ہے' اسلامی اندلس کا سب سے بڑا عرب فلسفی تسلیم کیا جاتا ہے' وہ 520ھ 1126ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا' اس کا دادا قرطبہ کا قاضی رہا تھا اور اس نے بھی بعض تصانیف چھوڑیں تھیں' ابن رشد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کا باپ بھی قرطبہ کے قاضی کے عہدے پر فائز رہا اور وہ خود بھی' قانون اور طب کی تعلیم ابن رشد نے قرطبہ ہی میں حاصل کی' 1153ء میں وہ مراکش میں مقیم تھا جہاں وہ مشہور فلسفی ابن طفیل کی ترغیب پر گیا تھا ابن طفیل ہی نے اسے ابو یعقوب یوسف الموحد جیسے حکمران سے متعارف کرایا جس نے اسے اپنے سرپرستی میں لے لیا' مورخین نے اس موحد خلیفہ سے ابن رشد کی ملاقات کا جو حال لکھا ہے اس کے مطابق خلیفہ نے اس سے عالم کے بارے میں فلسفہ کا نظریہ دریافت کیا یعنی یہ کہ آیا وہ ایک جوہر ازلی ہے یا اس کی کوئی ابتداء تھی؟ ابن رشد کہتا ہے کہ ''مجھ پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ میں اس سوال کا جوئی جواب نہ دے سکا' لیکن خود خلیفہ نے حجاب اور تکلف کو

دور کرتے ہوئے خود کئی فلسفیوں کے اس بارے میں نظریئے بیان کر کے میرا حوصلہ بڑھایا۔

یہ ابن طفیل ہی تھا جس نے ابن رشد کو ارسطو کی شرح لکھنے کا مشورہ دیا اور بتایا کہ امیر المومنین کئی بار اس امر پر اظہار افسوس کر چکے ہیں کہ یونانی فلاسفہ کی زبان بلکہ ان کے دستیاب ترجمے بھی نہایت مغلق زبان میں ہیں لہٰذا اگر ابن رشد ان کی توضیح اور تشریح کا کام اپنے ذمہ لے لے تو بہتر ہے۔

565ھ 1169ء میں ابن رشد کو اشبیلیہ کا قاضی مقرر کیا گیا اور اس کے دو سال بعد قرطبہ کا۔ اس عہدے کی گرانبار مصروفیات کے باوجود یہی زمانہ ہے جب ابن رشد نے اپنی اہم ترین تصانیف مرتب کیں۔ 1182ء میں ابن یوسف نے اسے اپنے طبیب کی حیثیت سے مراکش بلالیا تاکہ وہ سن رسیدہ ابن طفیل کی جگہ لے سکے' لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اسے قرطبہ کا عہدہ قاضی القضاۃ دے کر واپس اندلس بھیج دیا۔ (1192ء)

یوسف کے جانشین یعقوب المنصور کے آغاز حکومت میں بھی ابن رشد کو بدستور خلیفہ کا قرب والتفات حاصل رہا' لیکن بالآخر علماء دین کی مسلسل مخالفت کی بناء پر وہ معتوب ہو گیا۔

ابن رشد کے فلسفہ کو ناقدین کوئی نیا فلسفہ نہیں مانتے بلکہ یہ مسلمان فلسفہ کے یونان پرست دلبستان کا وہی فلسفہ ہے جس کی تعلیم مشرق میں الکندی' فارابی اور ابن سینا اور مغرب میں ابن باجہ پہلے سے دے چکے تھے تاہم بعض مسائل میں وہ اپنے ان جلیل القدر پیشروؤں کے نظریات سے اختلاف کرتا ہے لیکن یہ مسائل محض ثانوی حیثیت کے ہیں اور مجموعی طور پر اس کا فلسفہ اسی قدیم روش کا پابند ہے۔

ابن رشد کی شہرت کا انحصار زیادہ تر اس کے ناقدانہ تجزیئے اور شرح نویسی کے فطری ملکے پر ہے' یہ ایسی صنعتیں ہیں جن کی صحیح قدر و منزلت کا اندازہ ہم آج کل نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے اور اس زمانے کے آہنگ فکر' طریق کار اور وسائل علمی میں بہت فرق ہے' لیکن اسی لئے قرون وسطیٰ کے علماء کے نزدیک بالخصوص یہودی اور عیسائی حلقوں میں انہیں بہت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے' یہاں تک کہ اس کی شرحوں سے علمائے دین میں تحسین و آفرین کی لہر دوڑ گئی' اس کے باوجود کہ وہ اس کے نظام فلسفہ کو مذہب کے لئے از حد خطرناک سمجھتے تھے۔

مشرق میں امام غزالی کی تہافت جو زیادہ تر فارابی اور ابن سینا کے خلاف لکھی گئی تھی' مشرق میں ابن رشد کے ساتھ ان کی باہمی کشمکش کا شاہکار ہے مغرب میں ابن رشد کے دلبستان فلسفہ پر پہلے اندلس کے مسلمان علمائے دین نے حملہ کیا پھر جب اس کی شہرت دنیائے مسیحیت میں پھیل گئی

تو تیرہویں صدی میں پیرس' اوکسفورڈ اور کنٹربری کے لاٹ پادریوں نے انہیں وجوہات کی بناء پر اس کی مخالفت کی جن کے باعث وہ اندلس کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہدف ملامت بن چکا تھا' فلسفہ ابن رشد کے وہ خاص معتقدات جن کی بنا پر اسے ملحد قرار دیا گیا۔ ابدیت عالم' اللہ کے علم کی ماہیئت علم غیب' نفس اور عقل کی کلیت اور معاد سے متعلق ہیں' ان معتقدات میں ابن رشد کو آسانی سے ملحد قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اگرچہ وہ مسلمہ عقائد کا منکر تو نہیں تھا لیکن انہیں اس طرح پیش کرتا تھا کہ فلسفے سے ان کی تطبیق ہو جائے۔ چونکہ اس فلسفی کو اپنے پیشروؤں کی بہ نسبت اپنے زمانے کے راسخ العقیدہ مذہبی لوگوں کا کہیں زیادہ ہدف ملامت بننا پڑا اور اپنی عمر کے آخری حصے میں وہ معتوب بھی ٹھہرا۔

1204ء چوتھی صلیبی جنگ

پوپ انوسینٹ سوم Innocent جب 1198ء میں پاپائے روم کے عہدے پر فائز ہوا تو اس نے اپنے واعظوں سے ایک بار پھر مذہبی جنون کو یورپ میں زندہ کر دیا' اس نئی صلیبی مہم کی قیادت وہ خود کرنا چاہتا تھا مگر اس مہم کی قیادت مارکوئیس آف ماؤنٹ فرے Marque of Montferrat کے حصے میں آئی' اگرچہ وہ مذہب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں رکھتا تھا مگر مال غنیمت سے اس کی دلچسپی تھی فوجوں کی بحری جہازوں سے ترسیل اہل وینس کی ذمہ داری تھی جو انہوں نے ایک خطیر رقم کے عوض قبول کی تھی۔ صلیبی جب وہ رقم اہل وینس کو ادا کرنے میں ناکام رہے تو اہل وینس نے صلیبیوں کو کہا کہ اگر وہ ہنگری سے ان کا شہر Zara واپس لے دیں تو یہ ادائیگی موخر کی جا سکتی ہے مگر مجبوراً انہیں یہ جنگ لڑنا پڑی' یہی نہیں بلکہ اس مہم میں دنیائے عیسائیت کے ایک بڑے اور قدیم مرکز قسطنطنیہ پر بھی حملہ کرنا پڑا' بازنطینی سلطنت کے شہنشاہ Angelus کے بھائی کو مسلمان ترکوں نے گرفتار کر لیا تھا' بھاری تاوان ادا کر کے اس نے بھائی کو چھڑوایا مگر اسی بھائی نے اپنے اس محسن بھائی کی آنکھیں نکلوا کر اسے جیل میں ڈال دیا اور خود تخت پر رونق افروز ہو گیا' شہنشاہ قسطنطنیہ کسی طرح جیل سے نکل بھاگا اور اس نے صلیبیوں کے سردار مارکوئیس کو مدد کے لئے پکارا' اس نے صلیبیوں کو 200000 مارک ادا کرنے کی پیشکش کی بشرطیکہ وہ اس کا تاج و تخت غاصب بھائی سے واپس دلا دیں' یہی نہیں بلکہ اس نے صلیبیوں کی ضرورتیں بہم پہنچانے اور دس ہزار کی ایک فوج ساتھ بھیجنے کا بھی یقین دلایا' ادھر اہل وینس جو اس مہم میں شامل تھے خود قسطنطنیہ پر

حملہ کرنے کے خواہاں تھے۔

پوپ اگرچہ ان سے نالاں تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کی بجائے ایک مسیحی ملک پر حملہ کیوں کیا۔ مگر آخر زارا کے بعد صلیبی قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے موجودہ شہنشاہ کو ہٹا کر بالآخر وہ اس کے اندھے بھائی کو تخت پر بٹھانے میں کامیاب ہو گئے مگر اس مہم کے دوران قسطنطنیہ کو دشمنوں سے زیادہ نقصان ان صلیبیوں نے پہنچایا' ہر طرح کی لوٹ مار روا رکھی گئی آج بھی اہل وینس کی اُس لوٹ مار کے نشانات دیکھتے جا سکتے ہیں' مثلاً چھٹی صدی عیسوی سے چار گھوڑوں کا مجسمہ آج تک قسطنطنیہ کے چوک Hippodrome کی بجائے وینس کے چرچ سان مارکو کی سجاوٹ میں اضافہ کر رہا ہے' لیکن جب شہنشاہ نے خزانہ خالی ہونے کی بناء پر صلیبیوں کو مرعودہ رقم ادا نہیں کی تو سلطنت قسطنطنیہ وینس کے حکمران' مارکوئیس آف مائنٹ فرے اور کاؤنٹ بالڈون میں مشترکہ طور پر تقسیم ہو گئی' یوں مسلمانوں کے خلاف شروع ہونے والی مہم خود مسیحیوں کے خلاف لڑی گئی' چونکہ قسطنطنیہ کی لوٹ مار سے پوپ کو کچھ نہ مل سکا اس لئے اس نے اس مہم میں شریک صلیبی سرداروں کو سخت تنبیہی خطوط لکھے۔

1204ء ابن میمون کا انتقال

ابوعمران موسیٰ بن میمون بن عبداللہ قرطبی الاندلسی الاسرائیلی Maimonides ایک قرطبی یہودی عالم' جس نے یہودی الٰہیات' طب اور فلسفے میں یکساں شہرت پائی' عبرانی نام ''ربی موشہ بن میمون'' ہے عربی میں الرئیس الامۃ یا الملۃ کا اعزازی لقب پایا' ابن میمون 30 مارچ 1135ء کو قرطبہ میں پیدا ہوا' جہاں اس کے باپ کو دیان' یعنی مذہبی عدالت کا منصف بنایا گیا تھا۔ ابتدائی تعلیم اس نے اپنے باپ سے حاصل کی اور قرطبہ کے علمائے اسلام سے اسلامی علوم کی تعلیم بھی پائی' اس کی عمر ابھی تیرہ برس کی تھی کہ قرطبہ پر موحدین کا قبضہ ہو گیا' چنانچہ اسے اپنے باپ کے ساتھ قرطبہ چھوڑنا پڑا عرصے تک یہ لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے رہے حتیٰ کہ فاس میں بھی جہاں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی ان کا قیام مستقل نہیں تھا' 1165ء میں وہ بحری راستے سے فلسطین روانہ ہوئے' عکہ پہنچے' پھر بیت المقدس کا رخ کیا اور بالآخر فسطاط میں مقیم ہوئے' تھوڑے ہی دنوں بعد ابن میمون کے باپ کا انتقال ہو گیا اور ابن میمون کو اور بھی کئی مصائب کا سامنا کرنا

پڑا۔ اس نے کسب معاش کے لئے طبابت کا پیشہ اختیار کیا' جس میں دیکھتے ہی دیکھتے اس نے نام پیدا کیا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے وزیر القاضی الفاضل الیسانی کا معتمد بن گیا اور عمر بھر اس کی پناہ میں رہا' خود سلطان صلاح الدین اور آگے چل کر اس کے بیٹے نے اسے درباری طبیب مقرر کیا' طبیب کی حیثیت سے اسکی ہر کہیں اتنی مانگ تھی کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ابن میمون کو اپنی گوناگوں ادبی سرگرمیوں کے لئے کہاں سے وقت مل جاتا تھا۔

ابن میمون کا انتقال 19 ربیع الثانی 601ھ 12 دسمبر 1204ء کو ہوا' اس کی خواہش تھی کہ اس کی میت فلسطین میں طبریہ میں دفن کی جائے جہاں اب تک اس کا مقبرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ ابن میمون کی ایک کے سوا تمام تصنیفات عربی میں ہیں جہاں تک فلسفے اور طب کا تعلق ہے اس کی تصنیفات کا مطالعہ صرف اس کے ہم مذہبوں تک محدود نہیں تھا' بلکہ علمائے اسلام بھی ان سے استفادہ کرتے تھے' لاطینی تراجم کے ذریعے اسکی تصانیف کا اثر مسیحی متکلمین پر پڑا' فلسفے پر اس کی سب سے بڑی تصنیف ''دلالۃ الحائرین'' ہے جس کے تحریر کرنے کا یہ مقصد تھا کہ وہ لوگ جو فیصلہ نہیں کر سکتے کہ عقل کا ساتھ دیں یا وحی کا انہیں پھر ایسا سکون قلب اور اطمینان حاصل ہو جائے جس سے وہ ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی محسوس کر سکیں الہامی صحف اور ان مابعد الطبیعیاتی اصولوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں' اور نہ ہو سکتا ہے جنہیں ارسطو اور بعد ازاں فارابی اور ابن سینا نے پیش کیا' یہی نظریہ ہے جس کی روشنی میں انجیل کی تمام تجسیمیت کی تشریح کی جا سکتی ہے' یہاں ہم اس کی طرف بھی اشارہ کر دیں کہ کتاب مذکور میں اسلامی الٰہیات اور فلسفے کی تعلیمات کا نچوڑ موجود ہے۔

ابن القفطی اور ابن ابی اصیبعہ کہتے ہیں کہ ابن میمون نے جبر و تشدد سے بچنے کے لئے اندلس ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ عوام کے سامنے تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا تھا لیکن در پردہ یہودی ہی رہا' مصر میں اس پر الزام بھی لگا کہ وہ مسلمان سے مرتد ہو کر یہودی بن گیا ہے مگر قاضی نے جبراً مسلمان کئے جانے کو تسلیم نہ کیا اور اس کی جان بچ گئی۔

1206ء چنگیز خان ماسکو کے دروازوں تک

منگول سلطنت کا بانی چنگیز خاں 1167ء میں مشرقی سائبریا میں دریائے اورنون R-Onon کے کنارے دیلون بولداق Deli unboldoc کے مقام پر پیدا ہوا' اس کا اصل

نام ''تموجین'' تھا' جس کے معنی ''لوہار'' کے بنتے ہیں اسی سے روایت ہے کہ اس فاتح عالم نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ''لوہار'' کے کام سے کیا تھا' تیموجین کا باپ لیسوکائی ایک بہادر حکمران تھا' جب وہ فوت ہوا تو تیموجن صرف بارہ سال کا تھا' اپنے باپ کی وفات کے بعد تیموجن مشکل حالات سے گزرا اور ایک قسمت آزما شخص کے طور پر ابھرا یہ دور تقریباً 27 سال پر مبنی ہے' اسی دور میں تیموجن کو ایک حکمران بننے کی تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔

1206ء میں چنگیز خان نے 206ء تیانوں کو مغولستان سے نکال کر ایک مجلس (قورولتائی) منعقد کی جس میں اس نے چینی قاعدے کے مطابق شہنشائیت کے لقب کے طور پر چنگیز خان کا لقب اختیار کیا' اب چنگیز خان نے وحشی تاتاری قبائل کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا اور مغولستان کے باہر اپنی فاتحانہ مہمات کا آغاز کیا سب سے پہلے اس نے ''تنکوت کی مملکت پر چڑھائی کی۔ اس مہم میں چنگیز خان نے محض مال غنیمت پر اکتفا کیا مگر 1210 تک وہ یہ ملکت فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا' 1211ء میں چنگیز خان شمالی چین میں داخل ہوا اور 1215ء میں اس نے پیکنگ پر قبضہ کرلیا اس طرح وہ شمالی چین کے بڑے حصے پر تصرف حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا' چین کے حکمران خاندان کین King کا خاتمہ کے بعد ازاں اس کے بیٹوں کی مہمات کے زمانے میں ہوا۔ 1216ء میں چنگیز خان اپنے صدر مقام منگولیا واپس چلا گیا۔ اب چنگیز خان کی توجہ مغرب کی طرف مبذول ہوئی' چنگیز خان کے دشمنوں میں سے نایمان کوچلوگ نے قراختائی کے ہاں پناہ لی تھی بلکہ وہاں کا حکمران بن گیا' 1218ء میں منگول فوج نے سمرچائی اور سنکیانگ پر حملہ کیا اور وہ کوچلوک کے تعاقب میں کاشغر سے کوہ پامیر عبور کر کے بدخشاں تک جا پہنچی' سمرچائی اور سنکیانگ کے منگول سلطنت میں شامل ہوجانے سے چنگیز خان کی سلطنت کی سرحدیں سلطان محمد خوارزم شاہ کی مملکت سے جاملیں' خوارزم شاہ سے چنگیز خان کے سفارتی تعلقات پہلے سے قائم تھے مگر 1216ء میں سلطان محمد اور چنگیز خان کے بیٹے جوچی کے زیر کمان مغول فوجوں میں جنگ ہوچکی تھی جو دونوں حکمرانوں میں آئندہ کی آویزشوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی' دونوں میں جنگ اس وقت ناگزیر ہوگئی جب سلطان کے ایک صوبہ دار نے چنگیز خان کے سفیر اور تاجروں کے ایک کارواں کو قتل کرنے کا حکم دیا' فروری 1220ء میں بخارا فتح ہوا اور پھر سمرقند بھی زیادہ دیر تک مزاحمت نہ کرسکا' اس کے بعد چنگیز خان نے اپنے بیٹے تولی خان کو خراسان کا صوبہ فتح کرنے کے لئے بھیجا جس نے یہ کام اس خوبی سے انجام دیا کہ پھر یہ صوبہ اپنی سابقہ حالت پر واپس نہ آسکا' ابن الاثیر

کے مطابق صرف مرو کے مقام پر سات لاکھ مرد عورتیں اور بچے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جبکہ الجوینی مقتولوں کی تعداد تیرہ لاکھ بتاتا ہے۔ نیشاپور کے متعلق جوینی لکھتا ہے کہ یہ حکم دیا گیا کہ شہر کو اس طرح برباد کیا جائے کہ اس کی زمین پر ہل چلایا جا سکے' ایک مغول حکمران کی موت کا انتقام اس طرح لیا گیا کہ بلی اور کتے تک شہر کی گلیوں میں زندہ نہ بچے۔ خوارزم شاہ اور چنگیز خان کے درمیان آویزش دراصل اس وقت شروع ہوئی تھی جب اس کے ایک صوبیدار (حاکم اترار) نے چنگیز خان کے ایک سفیر اور اس کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے کو قتل کرنے کا حکم دیا چنگیز خان نے خون بہا کی خاطر دوسرا سفیر بھیجا مگر اسے بھی قتل کر دیا گیا اب دونوں مملکتوں میں جنگ کے سوا چارہ نہ رہا تھا' تاہم چنگیز خان کو خوارزم شاہ کو ہزیمت دینے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی' خوارزم شاہ کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین نے تاتاریوں کے خلاف مزاحمت جاری رکھی اس سلسلے میں چنگیز خان کے ساتھ اس کا آخری بڑا مقابلہ دریائے سندھ کے کنارے پیش آیا جس میں جان بچانے کے لئے جلال الدین نے دریا سندھ میں چھلانگ لگا دی' وہ چنگیز خان کی وفات کے بعد تک مغلوں سے چھوٹی موٹی لڑائیاں لڑتا رہا' سندھ کی جنگ مورخین کے مطابق شوال 618ھ 24 نومبر 1221ء کو لڑی گئی تھی یہ چنگیز خان کی مغرب کی مہمات کی آخری جنگ تھی' اس کے بعد اس نے واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں وہ آسام اور تبت سے ہوتا ہوا ہندوستان کے راستے واپسی کے امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے جس راستے سے آیا تھا بالآخر اسی راستے سے واپس ہو گیا' 1222ء کی گرمیاں اس نے کوہ ہندوکش کی پہاڑی چراگاہوں میں اور اس کے بعد کی سردیاں سمرقند کے قرب و جوار میں بسر کیں۔ 1223ء کا موسم بہار اور موسم گرما اس نے موجودہ تاشقند میں بسر کیا' اسی دوران اس کے بیٹے ماسکو کے دروازوں تک پہنچ چکے تھے' 1225ء میں چنگیز خان واپس منگولیا میں اپنے صدر مقام پہنچا۔

1226ء کے موسم خزاں میں اس نے ایک بار پھر تنگوت کے خلاف جنگ کا آغاز کیا' یہ اس کی زندگی کی آخری مہم تھی' اس مہم کی کامیابی دیکھنا اس کی قسمت میں نہ تھا کیونکہ 25 اگست 1227ء کو جب وہ کانسو Kansu میں دریائے ہسی Hsi پر واقع اپنے ایک گرمائی مقام میں آرام کر رہا تھا تو اس کا انتقال ہو گیا' ماخذ اس عظیم شہسوار کی اس طرح موت واقع ہو جانے پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے' لیکن اس سے پہلے کی سردیوں میں وہ شکار کھیلتے وقت وہ گھوڑے سے گر پڑا تھا' ہو سکتا ہے یہ حادثہ اسکی موت کا سبب بن گیا ہو۔

ماخذ۔ تاریخ ملت' دائرہ المعارف اسلام جلد 7 بذیل مادہ ''چنگیز خان تاتاریوں کی یلغار' ہیرالڈیم مترجم عزیز احمد

1206ء قطب الدین ایبک نے خاندان غلاماں کی بنیاد رکھی

سلطان قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا مسلمان فرمانروا ہے جس نے 1206ء میں دہلی کو پایہ تخت بنایا اور خاندان غلاماں کی بنیاد رکھی۔

ایبک ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی امیر اور سردار سے مرکب ہیں۔ ایبک بچپن میں ترکستان سے نیشاپور لایا گیا جہاں حاکم نیشاپور قاضی فخر الدین عبدالعزیز کوفی نے اس کی تعلیم و تربیت کی۔ بارہویں صدی کے ربع آخر میں وہ سلطان افغانستان معزالدین غوری کے پاس غزنی آیا تو اس کی جوانی کا زمانہ تھا' اس کی لیاقت اور قابلیت سے سلطان خوش ہوا' اور اسے چھوٹے چھوٹے عہدے تفویض کئے' غوریوں اور سلطان شاہ والی خراسان کے درمیان معرکہ آرائی میں ایبک قید کرلیا گیا لیکن غوریوں کی فتح کے بعد جب اسے واپس غزنی لایا گیا تو سلطان غوری نے اسے طوق آہن کی بجائے موتیوں کا ہار پہنایا گیا۔

راجگان ہند کے خلاف مہمات میں ترائن کی دوسری جنگ میں فتح کے بعد ایبک کو ستلج پار کے علاقوں کی حکومت تفویض ہوئی' اس کا پہلا صدر مقام کہرام (پٹیالہ کی ریاست) میں تھا لیکن اسی سال دہلی پر قبضہ ہوا تو ایبک نے اپنے صوبے کا صدر مقام دہلی میں رائے پتھورا کے قلعے میں منتقل کردیا۔ غوری سلطان جب قنوج کے راجہ سے لڑنے چلا تو ایبک دہلی سے پچاس ہزار کے لشکر کے ساتھ اس کا ہر اول ہوا' اجمیر اور تھنکر کے خلاف کارروائی کے علاوہ ایبک نے وسطی ہند میں گولیار' کالنجر اور رتھمبور کے مشہور قلعے فتح کئے' کھوکھروں کے خلاف کارروائی میں کامیابی کے بعد سلطان نے ایبک کو ملک کا خطاب دیا اور ہندوستان میں اپنا ولی عہد نامزد کیا' اسی اعلان کے نتیجے میں اسی سال جب شعبان 602ھ مارچ 1206ء میں جب سلطان معزالدین باطنیہ کے ہاتھوں شہید ہوا تو ہندوستان کے غوری صوبہ دار نے ایبک کی سیادت کو تسلیم کرلیا اور خود سلطان معزالدین کے وارث اور بھائی کے بیٹے محمود نے اسے باضابطہ طور پر ہندوستان کا بادشاہ تسلیم کرلیا' اس کی مخالفت صرف تاج الدین یلدز نے کی جو ایبک کا خسر تھا اور غزنہ میں معزالدین کا وارث بنایا گیا تھا' یا ناصرالدین قباچہ نے اس کی مخالفت کی جو سندھ اور ملتان کا والی اور قطب الدین ایبک کا داماد تھا۔ 27 جون 1206ء کو ہندوستان کے سب سے پہلے مسلم بادشاہ کی تخت نشینی کی رسم لاہور میں ادا کی گئی' لاہور میں تاجپوشی کے بعد جب ایبک دہلی واپس آیا تو اسے یلدز کی طرف سے پنجاب پر حملہ کی خبر ملی اور اسے فوراً ہی شمالی صوبے کی حفاظت کے لئے واپس آنا پڑا' مقابلہ دریائے سندھ کے اس طرف ہوا' ایبک نے اپنے خسر کو شکست دی اور تعاقب کرتا ہوا

غزنہ تک جا پہنچا اگرچہ اسے غزنہ چھوڑنا پڑا مگر اس نے اپنے عہد میں کسی حریف کو پنجاب میں قدم نہ رکھنے دیا سلطان قطب الدین ایبک کا یادگار تہذیبی کارنامہ وہ عظیم عمارتیں ہیں جو آٹھ سو برس سے زائد مدت سے جزوی یا کلی طور پر آج تک باقی ہیں' ان میں مسجد قوۃ الاسلام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے شرقی دروازے پر آج بھی سال بنا' فتح کی تاریخ 1191ء اور سلطان ایبک کے نام کا کتبہ کندہ ہے' اسی مسجد کے ماذنہ کے طور پر رفیع الشان قطب مینار تعمیر کیا گیا جس کا شمار عجائبات عالم میں ہوتا ہے۔

1210ء سلطان شمس الدین التمش تخت دہلی پر

طبقات ناصری میں ہے کہ اوائل طفلی میں ایک بچہ کچھ دام لے کر بازار سے انگور خریدنے نکلا۔ سوء اتفاق سے دام گر گئے اور وہ ڈر کے مارے رونے لگا' بازار میں کھڑے ایک درویش کی نظر جب اس روتے ہوئے بچے پر پڑی اس نے کیفیت سنی تو انگور خرید کر دیئے اور بچے سے عہد لیا کہ جب ''وہ کبھی دولت و سلطنت کی مسند پر پہنچے تو درویشوں اور عالموں کے حقوق کا خیال رکھے'' بچے نے درویش سے وعدہ کیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا' یہ بچہ سلطان شمس الدین التمش تھا جو نہ صرف سلاطین میں عزت و احترام کے مقام پر فائز تھا بلکہ وہ درویشوں کا منظور نظر تھا' قدرت کی تدبیریں بھی عجیب ہیں یہی التمش اگر اپنے وطن میں رہتا تو صرف اپنے والد کی جگہ البری قبیلے کا سردار بن جاتا اور اس سے تاریخ کے صفحات بھی آشنا نہ ہوتے' غلام بن کر بکا تو ہندوستان میں عظیم الشان اسلامی سلطنت کے استحکام و استواری کا اس کے سر سہرا بندھ گیا اور وہ دنیا کے نامور ترین حکمرانوں میں شمار ہونے لگا۔

سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد امرائے دربار کی نظریں التمش کی طرف اٹھیں' بدایوں سے دہلی بلایا گیا اور تخت پر بٹھا دیا گیا' آرام شاہ اس وقت لاہور میں تھا وہ اپنی فوج کے ساتھ دہلی کی جانب بڑھا مگر شکست کھائی' التمش نے جلد ہی ایبک کی وفات کے بعد اٹھنے والے تمام فتنے نمٹا دیئے اور خود مقبوضات کے مختلف ٹکڑے باہم جوڑ جوڑ کر سلطنت کے استحکام و سالمیت کے دشوار ترین کام میں لگ گیا۔

سلطان التمش کے عہد کے آغاز میں تاتاریوں کے ہندوستان پر حملہ کا بہت خطرہ تھا' اگر تاتاری بڑی تعداد میں خوارزم شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہو جاتے تو پھر ہندوستان کا حشر بھی ترکستان اور ایران جیسا ہوتا۔ التمش اس فتنے کے سدباب کے لئے خود لاہور پہنچا' اس اثناء میں خوارزم شاہ ہندوستان سے نکل گیا اور تاتاری یورش کا خطرہ وقتی طور پر کم ہو گیا' 1216ء میں ترائن کے مقام پر تاج الدین یلدوز کو شکست دی۔ 1226ء میں ریاست رنتھمبور

فتح کی بعد ازاں اچ' گوالیار اور بنوں پر حملے کئے' ان مہمات سے فارغ ہو کر دہلی پہنچا تو وقت قضا آ گیا اور حالت بیماری 1236ء میں وفات پائی۔

ذاتی محاسن کے اعتبار سے التمش کا پایہ بہت بلند ہے' وہ عادل خدا ترس حق شناس اور فیاض فرمانروا تھا علم وفن کا مربی اور عالموں اور فن کاروں کا قدر دان تھا' اس عہد میں جب وسط ایشیا کے اسلامی ممالک پر تاتاریوں نے یلغار کی تو بے شمار اصحاب علم وفضل' اہل صنعت وحرفت وغیرہ نے التمش کی سلطنت میں پناہ لی' التمش نے ان سب کے لئے عزت واحترام کے ساتھ زندگیاں گزارنے کا بندوبست کر دیا اس طرح اس کے عہد کے ہندوستان میں اسلامی دنیا کے اعلیٰ فنون' علوم رواج پذیر ہوئے' خلافت عباسیہ بغداد نے باقاعدہ طور پر اسے سلطان الہند تسلیم کرتے ہوئے فروری 1229ء خلعت عطا کی' شمس الدین التمش نے اپنے عہد میں دہلی واجمیر میں عالی شان عمارتیں بھی بنوائیں جس میں قطب مینار اور مسجد قوت الاسلام شامل ہیں۔

1215 میگنا کارٹا وجود میں آیا

بادشاہ کی زبان ہر زمانے میں قانون رہی ہے مگر ایتھنز سے جزائر برطانیہ تک میں جب عوام میں شعور واحساس پیدا ہونے لگا ہے تو وہ بادشاہ کو شتر بے مہار بننے سے روکنے کی سعی کرتے چلے آئے ہیں۔ یورپ میں ازمنہ وسطیٰ تک پاپائے روم ہی بادشاہ گر کے فرائض انجام دیتا تھا' جس کی وجہ سے بادشاہ پوپ کے حلقہ اقتدار میں تھا۔ انگلستان کے بادشاہوں میں جان نے جو 1199ء میں تخت شاہی پر بیٹھا تھا پوپ کے حلقہ اقتدار کو کم کرنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ برطانیہ کا لاٹ پادری خود مقرر کر دیا جبکہ اب تک یہ عہدہ پوپ خود تفویض کرتا تھا۔ پاپائے روم نے بادشاہ کے اس طرز عمل پر جان کے خلاف جنگ مقدس لڑنے کا اعلان کیا اور جان کے اس فعل کو مذہب کی خلاف ورزی قرار دے کر اسے ارتداد کا مجرم بھی بنا دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ ایسا شخص انگلستان کے تخت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ جان کا اپنا کردار بھی کچھ اچھا نہیں تھا اسی وجہ سے اسے آج کے شاہی خاندان جیسی عوامی مقبولیت بھی حاصل نہیں تھی' دوسری طرف پاپائے روم کا روحانی تقدس بھی برطانیہ کے عوام کے دلوں پر چھایا ہوا تھا جب دونوں میں جنگ چھڑی تو عوام نے پوپ کا ساتھ دیا' اب تک تو عوام بے بس مجبور پوپ اور بادشاہ کے سامنے خاموش چلے آئے تھے مگر اب عوام کے دبے جذبات سطح پر ابھرے اور انہوں نے میگنا کارٹا کی شکل اختیار کر لی' جان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس منشور پر اپنے دستخط ثبت کرے' اس منشور کا وجود میں آنا انگلستان کی انقلابی تاریخ کا ایک اہم

واقعہ ہے' اس منشور کی خاص اور اہم دفعات کا منشا یہ تھا کہ "کسی آزاد شخص کو نہ تو قید کیا جائے گا اور نہ اس پر بغیر وجوہات کہ کوئی مقدمہ چلایا جائے گا' صرف اس صورت میں کہ جب ملک میں رائج الوقت قوانین اس کی اجازت دیں اور اسے باقاعدہ ججوں کے سامنے پیش کر کے اس پر جرم ثابت کیا جائے ملک کے تمام طول وعرض میں ناپنے اور تولنے کے پیمانے ایک ہوں گے کسی جگہ کم یا زیادہ نہیں ہوں گے۔ پردیسی تاجروں کو آزادی کے ساتھ تجارتی کاروبار کرنے کی اجازت ہوگی' زمانہ قدیم سے عوام کو جو آزادیاں حاصل ہیں ان سب کو باقی رکھا جائے گا اور کسی قسم کا کوئی محصول اس وقت تک نافذ نہیں کیا جائے گا جب تک کونسل سے اس کی منظوری حاصل نہ کر لی جائے اگرچہ کونسل کے ممبر اس وقت صرف بڑے بڑے امراء اور رؤسا ہی ہوتے تھے مگر پھر بھی اس منشور سے بادشاہ کی مطلق العنانی پر ایک زبردست قدغن لگ گئی جب اس منشور پر بادشاہ کے دستخط ثبت ہو گئے تو اس کی بہت سی نقلیں تیار کی گئیں تاکہ یہ تلف ہو جانے سے محفوظ ہو جائے' ان نقول میں سے دو نقلیں آج بھی برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہیں۔

ماخذ۔ تاریخ انقلابات عالم' سید ابوسعید بزمی' تاریخ جمہوریت' شاہد حسین رزاقی' جدید ریاستیں

1219ء قطب مینار کی تعمیر

نئی دہلی سے تقریباً گیارہ میل کے فاصلے پر عجائبات عالم میں سے ایک خوبصورت عمارت' ایک مینار ایستادہ ہے' جو سنگ سرخ سے تعمیر کیا گیا ہے' اسے قطب الدین ایبک نے 1193ء میں شہر دہلی کو ہندو راجہ پرتھوی راج سے چھین لینے کے یادگار کے موقع کی یاد میں تعمیر کرایا تھا' غزنہ کے مینار اور کوئل Koel کے مینار کی طرح یہ مینار بھی ایک الگ تھلگ عمارت ہے جہاں سے مؤذن اذان دیتا تھا' یہ 238 فٹ بلند ہے' اس کا الحاق مسجد سے نہیں بلکہ بیرونی جنوبی صحن کے جنوب مشرقی گوشے میں واقع ہے جس کا اضافہ 1225ء میں سلطان التمش نے ایبک کی مسجد میں کیا تھا' یہ مینار مخروطی ہے اور بنیاد سے اوپر تک اس کی چوڑائی متوازی نہیں' اس کی پانچ منزلیں ہیں' ہر منزل کے آگے خاصے نکلے ہوئے جھروکے ہیں جن کے نیچے خوبصورتی سے کندہ کئے ہوئے کتبوں کی پٹیاں ہیں' ان جھروکوں سے صرف بالائی منزل مستثنیٰ ہے' محققین کے مطابق بنیادی منزل اس زمانے میں تعمیر ہوئی تھی جب ایبک نے ابھی خاندان غلاماں کی بنیاد نہیں رکھی تھی بلکہ وہ سلطان معزالدین کی سیادت میں تھا' دوسری تیسری اور چوتھی منزل سلطان التمش نے تعمیر کرائیں تھیں' ان کے ساتھ ہی اس کی تعمیر مکمل ہوئی' سلطان فیروز شاہ کے عہد حکومت میں مینار پر آسمانی بجلی گرنے

سے اسے شدید نقصان پہنچا' اس بادشاہ نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی اس یادگار کی مرمت کرائی اور پانچویں منزل کا اضافہ کر دیا' سب سے اوپر کی دو منزلوں کی' جو اپنی موجودہ شکل میں غالباً اسی سلطان کی تعمیر کردہ ہیں سطح صاف ہے اوپر کی ان منزلوں میں مینار کی زیادہ تر تعمیر میں سنگ مرمر استعمال ہوا ہے اس کے درمیان سنگ سرخ کی پٹیاں ہیں لیکن باقی ماندہ عمارت کلیۃً سنگ سرخ کی اور گول نہیں بلکہ پنالی دار ہے یہ پنالیاں نیچے کی منزل میں یکے بعد دیگرے گول اور زاویہ نما ہوتی چلی گئی ہیں' دوسری منزل میں محض گول اور تیسری منزل میں صرف زاویہ نما ہیں' ہر پنالی کا خط ہر منزل میں اوپر تک غیر منقطع طور پر چلا گیا ہے قطب مینار پر مندرج کتبے کچھ تو تاریخی نوعیت کے ہیں اور کچھ آیات قرآنی پر مشتمل ہیں۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری ہے اس مینار کا نام قطب مینار اسکے بانی قطب الدین ایبک کے نام پر نہیں ہے بلکہ اس کا نام دہلی کے مشہور ولی اللہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام پر ہے جن کا سلطان التمش بہت احترام کرتا تھا ان کا مزار بھی اس مینار سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔

1226ء لوئی نہم کی تخت نشینی اور اس کی صلیبی مہمات

مشہور مصنف جان کیننگ اپنی کتاب ''100 عظیم بادشاہ اور حکمران'' میں لکھتا ہے کہ جو لوگ تاریخ کبھی کبھار پڑھتے ہیں ان کے لئے فرانس کے بادشاہ لوئی نہم کی شخصیت کچھ زیادہ پرکشش نہیں' اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ تیرہویں صدی میں شاید ہمیں صلیبی جنگیں' جنگ کریسی اور جنگ ایجن کورٹ کے قصے زیادہ دلچسپ لگتے ہیں' فرانس کے بادشاہ لوئی ہشتم نے فلپ آرگسٹس کے بعد چند ہی ال بادشاہت اور اس کا انتقال ہو گیا' اس وقت اس کے ولی عہد یعنی لوئی نہم کی عمر صرف بارہ سال تھی اس کی تخت نشینی متنازعہ مسئلہ تھی' امراء فرانس نے کئی بار اس مسئلہ پر آپس میں تلواریں نکالیں۔ لوئی کی ماں بلانشی آف قشتالیہ' کیتھرین ڈی میڈیچی کی طرح ایک مضبوط اعصاب کی مالک عورت تھی اس نے اپنے بیٹے کے حق کے لئے بڑی بہادری اور ذہانت سے جنگ لڑی' قرون وسطیٰ کے یورپی بادشاہوں میں لوئی نہم ایک مثالی بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے' لوئی ایک راسخ العقیدہ عیسائی تھا' وہ اپنی مذہبی ذمہ داری بڑی تندہی سے نبھاتا تھا' ایک راہب اس کے قریبی ساتھی کے طور پر ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا' فلسطین میں ایک صلیبی جنگ کے دوران ایک بار اس نے مسیحی لاشوں کو گلنے سڑنے سے بچانے کے لئے ان کے دفن کا انتظام کرایا تھا' وہ لوگوں کی ہتک کرنے سے ہمیشہ احتراز کرتا تھا۔

1248ء میں وہ ایک صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لئے مصر گیا جو عربوں کی طاقت کا مرکز تھا' 1249ء میں وہ ڈیلٹا نیل تک پہنچ گیا اسے فوراً قاہرہ پر حملہ کرنا چاہیئے تھا مگر 18 بحری جہازوں کا

بیڑا ساتھ ہونے کے باوجود اس نے فوراً حملہ نہ کیا اور اسے سستی نے آ گھیرا۔ اسی اثناء میں سلطان مصر کو کمک پہنچ گئی' اس نے اپنے ان پچاس افسروں کو سزائے موت دی جنہوں نے فرانسیسی جہازوں کو دیکھ کر ڈیلٹا چھوڑ دیا تھا جب لوئی کی فوج نے قاہر کی طرف پیش قدمی شروع کی تو اسے منصورہ کے قریب دریا کے کنارے رکنا پڑا' مگر دریا عبور کرنے کے لئے وہ پل تعمیر نہ کر سکے' چودہ سو سوار ایک پایاب مقام سے دریا عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر پیادہ فوج دریا عبور نہ کر سکی اکیلے گھڑ سوار دشمن کی فوج پر قابو نہیں پا سکتے تھے' آخر لوئی نہم سمیت بہت سے امراء دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے' آخر تاوان ادا کر کے اسے ملکہ کے حوالے کیا گیا اسی شکست کے بعد بھی لوئی نے دو سال فلسطین میں گزارے مگر وہ ناکام رہا' اگرچہ اس صلیبی مہم کو اس کی حماقت قرار دیا جانا چاہئے تھا مگر اس کے نتیجے میں یورپی ممالک میں اس کے وقار میں اضافہ ہوا' واپسی میں اسے انگریزوں پر شاندار فتوحات نصیب ہوئیں اور اس نے انگریزوں کو تین صوبوں کے لئے خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔

1270ء میں لوئی اپنی دوسری صلیبی مہم پر روانہ ہوا جو تیونس کے خلاف تھی اسے غلط فہمی تھی کہ تیونس کے علاقے کے لوگ مسیحیت قبول کرنا چاہتے ہیں کہا جاتا ہے اسے اس سفر کی ترغیب اس کے بھائی چارلس آف اینجو نے دی تھی مگر یہ سفر بھی اسکی تاریخی غلطی ثابت ہوا' موسم گرما میں وہ قرطاجنہ میں اترا مگر ایک عظیم تباہی اس کی منتظر تھی۔ اس کی فوج کو طاعون نے آ گھیرا اور وہ خود بھی اسی مہلک بیماری کا شکار ہو گیا۔

ماخذ۔ صلیبی جنگیں از 100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا از جان کیننگ

1229ء یاقوت الحمودی الرومی کی "معجم البلدان"

شہاب الدین' ابوعبداللہ یاقوت ابن عبداللہ ایشیائے کوچک کے ایک یونانی نژاد گھرانے میں پیدا ہوا' لیکن بچپن ہی میں قیدی بنا کر بحیثیت ایک غلام بیچ دیا گیا' بغداد کے جس سوداگر نے اسے خریدا اس کا نام عسکر بن ابراہیم الحمدی تھا جس کی وجہ سے یاقوت کو بھی حموی کہا جانے لگا' جب یاقوت کچھ بڑا ہوا تو ابراہیم نے اس کی تعلیم کا بندوبست کیا' چونکہ عسکر خود ان پڑھ تھا اس لئے اسے اپنے کاروباری معاملات کے لئے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو پڑھا لکھا ہو اور اس کے مددگار کی حیثیت سے کام کر سکے' اس کام کے لئے اس نے یاقوت کو منتخب کیا اور اپنے معتمد کی حیثیت سے اسے شام اور خلیج فارس کے علاقوں کے کاروباری سفر پر روانہ کر دیا جس سے یاقوت کو اس وقت کی معلوم دنیا کے کچھ حصوں کی سیاحت کا موقع ملا' کہتے ہیں 1199ء کے اواخر میں ایک کاروباری

تنازعہ کے باعث عسکر بن ابراہیم نے اسے آزاد کر دیا' اب اس نے کتابوں کے قلمی نسخے تیار کر کے فروخت کرنے کا کاروبار شروع کیا' اس کے ساتھ اس نے الاکبری (متوفی 1219ء) اور کئی دوسرے عرب اساتذہ سے عربی گرامر اور زبان وادب پڑھنا شروع کر دیا پھر ایک وقت آیا جب اس کی اپنے سابقہ آقا سے صلح ہوگئی' اب اس نے پھر اس کی کاروباری سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا' عسکر کی وفات تک وہ اس کے کاروبار میں شریک رہا' اس کی وفات کے بعد اس نے ایک بار پھر کتب فروشی کا کاروبار شروع کیا اور بغداد میں مستقل رہائش اختیار کی۔

یاقوت الحموی فکری طور پر خارجیوں کا ہم خیال تھا' 1213ء میں ایک مرتبہ دمشق میں ایک عام مناظرے میں اس نے حضرت علیؓ کے ایک حامی کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا' وہ مجمع اس کے خیالات سن کر ناراض ہوگیا اور لوگ اس پر پل پڑے' اسی طرح ایک اور موقع پر اسے حلب سے فرار ہو کر موصل جانا پڑا تھا وہاں سے وہ اربیل کے راستے خراسان آ گیا' یہاں وہ دو سال مقیم رہا اور اس نے کتابیں تیار کرنے کے لئے یہاں کے بڑے بڑے کتب خانوں سے رجوع کیا۔ 1218ء میں یاقوت کو خوارزم جانے کا بھی موقع ملا' یہاں اس کی مدبھیڑ منگول حملہ آوروں سے ہوگئی۔ یہ 1219ء کا واقعہ ہے' منگولوں کے حملے سے وہ جان بچا کر موصل آ گیا' اس فرار کے دوران اسے اپنا مال واسباب تک چھوڑنا پڑا۔

آخر کار وہ 1222ء میں حلب آ گیا اور اس نے ابوالحسن علی بن یوسف القفطی کی سرپرستی میں رہنا شروع کر دیا' یاقوت نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس وقت کی اسلامی دنیا، شام' فلسطین' مصر' ایران' عراق' خراسان اور خوارزم کی سیاحت میں بسر کیا' اس کی وفات حلب میں 20 اگست 1229ء کو ہوئی۔

یاقوت الحمودی نے کتب فروشی کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی بہت وقت صرف کیا' اس کی تصنیفات میں چار کتب بہت مشہور ہیں۔

1- کتاب الارشاد الاریب الیٰ معرفۃ الادیب۔ اس کتاب کے ذیلی عنوانات معجم الادباء اور طبقات الادباء ہیں۔

2- کتاب المشترک وضعاً مختلف صقعاً۔ اس کتاب میں کتاب الہلال ان سے صرف وہ مقامات کو یکجا کر دیا گیا جن کے نام ایک جیسے ہیں لیکن حقیقت میں وہ دو الگ الگ جگہوں پر واقع ہیں۔

3- معجم البلدان

المقتضب من کتاب جمہرۃ النسب۔ یاقوت کی دیگر تصانیف میں تاریخ پر ''کتاب

المبدا والمال'' اور کتاب الاول ہیں۔

یاقوت کا جغرافیہ سے بڑا گہرا تعلق تھا اور اس کے خیال میں جغرافیہ اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے' اس نے جگہوں کے ناموں کو صحیح تلفظ سے ادا کرنے کی اہمیت پر براز ور دیا ہے' اس نے اپنی مشہور کتاب ''معجم البلدان'' میں مقامات اور جگہوں کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے درج کئے ہیں' اس طرح یہ کتاب مقامات اور جگہوں کا ایک محققانہ دائرہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہے' جس میں جگہوں کے محل وقوع ان کی حدود اور خطوط مرتبہ Coordinates بھی بتلائی ہیں' یہ کتاب شہروں' قصبوں' دریاؤں' وادیوں' پہاڑیوں' صحراؤں' سمندروں اور جزیروں کے متعلق معلومات بہم پہنچاتی ہے' یاقوت اس کتاب میں ہر جگہ کے ممتاز اور بااثر افراد کے متعلق بھی معلومات مہیا کرتا ہے اس کتاب میں دلچسپ حقائق کے ساتھ علاقائی داستانیں اور قصے بھی بیان کئے گئے ہیں۔

ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ' بذیل مادہ الحموی 'معروف مسلم سائنسدان' اردو سائنس بورڈ

1220 چنگیز خان کا سمرقند و بخارا پر قبضہ

ابن الاثیر کے مطابق 4 ذوالحجہ 616ھ 10 فروری 1220ء کو تاتاری چنگیز خان کی قیادت میں بخارا میں داخل ہو گئے' اگر چہ اہل شہر نے بڑی ہمت اور دلیری سے منگولوں کا مقابلہ کیا مگر قہر خداوندی کا مقابلہ نہ کر سکے اور انہوں نے اطاعت اختیار کی۔ فاتحین کے شہر میں داخلے پر قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا' لوگوں نے جامع مسجد میں پناہ لی' خود چنگیز خان گھوڑے پر سوار جامع مسجد میں چلا آیا اور منبر پر چڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے لگا' اچانک مسلمانوں میں سے ایک مرد خدا چنگیز خان کے سامنے آ گیا اور بارعب انداز میں بولا'' اپنے آپ کو آسمان کا قہر سمجھنے والے اے سفاک قاتل! اپنی فرعونیت کا جواب مجھ سے سن' تو مجسم شر و فساد ہے' ہم سے خدا ناراض ہے اسی وجہ سے تجھ جیسا درندہ ہم پر مسلط کیا گیا ہے' سن! جس اسلام کا تو تمسخر اڑا رہا ہے اس کی عظمت تجھ جیسے ایک ہزار وحشی بھی اپنی طاقت کے بل بوتے پر کم نہیں کر سکتے' یہ ایک آفاقی مذہب ہے ہمیشہ زندہ رہے گا اور تیرا نام انسانیت کے لئے گالی بنجائیگا۔

چنگیز خانمفتوح مسلمانوں کو بزدل تصور کرنے لگا تھا اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کوئی مسلمان ایسا بے باک ونڈر بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے سامنے باآواز بلند بولنے کی جرأت کرے' اس بے باکی وحق گوئی نے اس فاتح عالم کی تلوار نیام سے نہ نکلنے دی اور وہ مرد خدا اسلام کی حقانیت بیان کر کے چلا گیا' یہ مرد خدا حضرت سید شمس الدین قادری تھے جو رسم حریت ادا کر گئے تھے چنگیز خان کی افواج نے

شہر کو تاراج کیا اور جامع اور چند محلات کو چھوڑ کر پورے شہر کو نذر آتش کر دیا۔
بخارا ان دنوں اسلامی علوم کا مرکز تھا جو جل کر راکھ ضرور ہو گیا مگر جلد ہی اپنی راکھ سے پھر ابھر آیا اور جلد ہی اپنی اصلی حالت پر آ گیا' چنگیز خان کے جانشین کے عہد میں یہ ایک گنجان آباد شہر بن گیا اور اس کی گہنائی عظمت سامنے آ گئی۔

1235 شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا نے ملتان میں درس کا آغاز کیا

قوموں کی زندگی ہمیشہ علم وفضل کی اشاعت سے قابل فخر بنتی ہے جو قومیں علم وفضل سے عاری ہوتی ہیں' تاریخ میں ان کا ذکر ایک مردہ قوم کے مترادف ہوتا ہے' برصغیر پاک و ہند میں سرزمین ملتان کو شرف حاصل ہے کہ ہر دور میں یہاں سے بسنے والی اقوام علم وفضل کے لحاظ سے نمایاں کردار کی حامل رہی ہیں' رگ وید کی تکمیل کے زمانے سے مسلمانوں کی آمد تک مورخین کے مطابق یہ سرزمین علوم وفنون کا گہوارہ رہی ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں یہاں تیک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس کی علمی قابلیت وخدمات کے اعتراف میں آج بھی ملتان یونیورسٹی ''بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی'' کہلاتی ہے۔

حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتان کے نواح میں کوٹ کروڑ کے مقام پر پیدا ہوئے اس وقت کے عالم اسلام کی سیاحت اور علماء کرام سے استفادہ کرنے علوم اسلام کے بعد تحصیل آپ واپس ملتان پہنچے اور آپ نے ملتان میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی یہ محض ایک مدرسہ ہی نہ تھا بلکہ ایک بہت بڑی اخلاقی اور روحانی جامعہ تھی مدرسے میں علوم کے ساتھ ساتھ مختلف فنون بھی سکھائے جاتے' ان میں خاص طور پر خطاطی اور اعلیٰ قسم کی جلد سازی شامل تھی' اس عہد کا مشہور خطاط محمد بلخی ملتان میں اس زمانے میں موجود تھا جس سے بالضرور استفادہ کیا گیا ہوگا' شاید اسی وجہ سے حضرت بہاؤالدین ذکریا کے زمانے میں خط نستعلیق کو بڑا عروج حاصل ہوا۔

اس مدرسے سے فارغ تحصیل ہو کر ہزاروں طالبعلم پورے برصغیر میں حضرت کے حکم پر تبلیغ اسلام کے فریضے کی تکمیل کے لئے نکلے اور بہار' گجرات' کاٹھیاواڑ' بنگال' ملایا اور انڈونیشیا تک جا پہنچے' ادھر خراسان میں بھی آپ کے نمائندوں کی ایک جماعت دینی فروغ کی خدمات سرانجام دیتی رہیں۔

غرض شیخ کے قائم کردہ اس مدرسے میں طالب علموں کا ایک جم غفیر ہر وقت حصول علم کے لئے موجود رہتا تھا' طعام و قیام کے علاوہ یہاں طالب علموں کو ملنے والی مراعات میں کاغذ بھی بہم

پہنچایا جاتا تھا' حصول تعلیم کے لئے آنے والے طالب علموں کے قیام کے لئے ملتان کے ایک علاقے پیراں غائب تک جھونپڑیاں تعمیر کی گئیں تھیں جو شہر سے میلوں دور تھا' یہ درسگاہ یا جامع آپ کے نام کی نسبت سے درس گاہ بہائیہ کہلاتی تھی' آپ کی زندگی میں تقریباً ساٹھ برس اور آپ کے بعد حضرت شاہ رکن الدین قطب عالم کے زمانے میں یہ سلسلہ جاری رہا' علامہ عتیق فکری مرحوم کے مطابق ملتان کا یہ ادارہ بغداد کی یونیورسٹی یا دارالعلوم نظامیہ کے نہج پر کام کر رہا تھا' فرق صرف اتنا تھا کہ مدرسہ بہائیہ میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اسلام کی اخلاقی اقدار کی تعلیم دی جاتی اور جو صاحب دل و ذوق ہوتے ان کی تربیت بھی کی جاتی تھی' مدرسہ بہائیہ اور سلسلہ سہروردیہ کے تربیت یافتہ افراد کہاں کہاں پہنچے اور کہاں کہاں انہوں نے اسلامی تعلیمات کی شمعیں روشن کیں یہ ہمیں عراقی' ہمدانی' اور سید حسینی ہراتی کی علم و روحانی خدمات بتاتی ہیں کہ علامہ اقبال جیسے دانک راز بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

1235ء کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

نومبر 1235ء میں دہلی کی ایک عظیم شخصیت کا انتقال ہو گیا جب نماز جنازہ ادا کی جانے لگی تو مولانا ابوسعید نے متوفی کی وصیت پڑھ کر سنائی جس کی رو سے ان کی نماز جنازہ صرف وہ شخص پڑھا سکتا تھا جس نے کبھی حرام نہ کیا ہو اور جس نے کبھی نماز عصر کی رکعات سنت کبھی قضا نہ ہوئی ہوں اور نہ ہی کبھی منہ سے تکبیر اولیٰ کبھی چھوٹی ہو۔

اس اعلان کے ساتھ ہی تمام حضرات سہم کر پیچھے ہٹ گئے بھرے مجمع میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان اوصاف کا مالک ہو' سکوت طاری ہو گیا اور خاموشی چھا گئی' آخر ایک شخص مجمع میں سے آگے بڑھا یہ شخص شاہانہ لباس میں ملبوس تھا یہ کوئی اور نہ تھا بلکہ خود شہنشاہ ہند شمس الدین التمش تھا سلطان نے فرمایا ''ہمیں ہرگز پسند نہ تھا کہ کسی کو ہمارے حال سے آگاہی ہو'' مگر حضرت قطب الاقطاب کی رضا کے آگے سر تسلیم خم ہے۔

انتقال کرنے والی عظیم تر شخصیت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تھی' وصال کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت صاحب کو سماع کا بہت شوق تھا' سماع سے اپ کی طبیعت کبھی سیر نہ ہوتی تھی' دوران سماع آپ پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی کہ آپ کئی کئی روز بے ہوش رہتے یا بعض اوقات استغراق کی اسی کیفیت میں محو رقص ہو جاتے تھے ایک شب شیخ علی سنجری کی خانقاہ پر محفل سماع ہو رہی تھی اس محفل اہل کمال میں حضرت قطب صاحب بھی تشریف فرما تھے' جب قوال نے

شیخ احمد جام کا یہ شعر پڑھا ''کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست'' حضرت قطب صاحب پر اس شعر سے وجد کی کیفیت طاری ہوگئی' قوال اس شعر کی تکرار کرنے لگے یہاں تک کہ حضرت حالت وجد میں بے ہوش ہوگئے' دہلی کی اور شخصیات جن میں قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی شامل تھے اسی حالت میں آپ کو آپ کے مکان پر لے گئے مگر قوال بھی ساتھ تھے جب آپ کو ہوش آیا تو آپ پھر اسی شعر کی فرمائش کرتے' چاروں روز تک یہی کیفیت طاری رہی' آپ ہوش میں آجاتے تو نماز بھی ادا فرماتے اور پھر شعر سن کر بے ہوش ہو جاتے' اس کیفیت کے بعد تیسرے روز آپ کے جسم کے ہر مسام سے تسبیح اسم ذات کی آواز آنے لگی اور ساتھ ہی ہر بن منہ سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ پھر آپ کے منہ سے سبحان اللہ کے کلمات جاری ہوگئے' ادھر قوالی کا سلسلہ بھی جاری تھا جیسے ہی قوال شعر کا پہلا مصرعہ پڑھتے تو حضرت قطب صاحب کے جسد مبارک سے روح غائب ہو جاتی اور آپ مردہ محسوس ہوتے مگر جیسے ہی قوال دوسرا مصرعہ پڑھتے تو آپؒ کی روح مبارک واپس آجاتی جب آپ شعر کی داد میں آہ یا نعرہ لگانے کی کوشش کرتے تو قاضی حمید الدین آپ کا دہن مبارک بند کر دیتے اور کہتے آپ اپنے سوز عشق میں کیا ساری دنیا کو جلا دیں گے؟ آہ تو نہ نکلی مگر آپ کا تمام جسم سوختہ عشق ہوگیا' جب حکیم شمس الدین نے آپ کی نبض دیکھی تو کہا کہ یہ مرض عشق ہے اور تمام دل وجگر بالکل جل کر راکھ ہو چکے ہیں' اب علاج کی کوئی گنجائش نہیں۔ 633ھ 10 ربیع الاول کو آپ پر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی' 14 ربیع الاول 27 نومبر 1235ء کو آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی' انا للہ انا علیہ راجعون۔

جب آپ کا جلوس جنازہ روانہ ہوا تو اس شان کے ساتھ کے پورا دہلی امڈ آیا تھا' ایک طرف سے سلطان التمش نماز جنازہ پڑھانے کے بعد کاندھا دے رہے تھے باقی تین اطراف سے باقی تمام اہل دہلی' آپ کو اس جگہ دفن کیا گیا جس جگہ کو آپ نے اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر منتخب کیا تھا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں' آپ سلسلہ چشتیہ ہندوستان کی دوسری بڑی شخصیت ہیں' آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ اکبر تھے' اور حضرت فرید الدین گنج جیسی شخصیات آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہیں' حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اپ کا لقب کاکی اس لئے پڑا کہ آپ کے مصلے کے نیچے سے ''کاک'' روغنی روٹی برآمد ہوئی تھی۔

حضرت خواجہ صاحب اس غرض سے برصغیر آئے تھے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کی زیارت کریں مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دہلی چلے جائیں جہاں اسلام کی ترویج واشاعت کی ضرورت تھی'

آپ برصغیر میں تشریف لائے تو پہلے ملتان آئے جہاں آپ حضرت بہاؤالدین ذکریا کے مہمان رہے پھر دہلی آپ کا مسکن بن گیا۔

ماخذ۔ دلی کے بائیس خواجہ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب' انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

1236ء قرطبہ پر فرڈیننڈ کا قبضہ

دنیائے مغرب میں اسلام کا آبدار موتی' قرطبہ جو مسلمانوں کی آن بان اور شان تھا جہاں سے بے شمار عرب علماء اٹھے اور انہوں نے مختلف علوم کی روشنی سے مغرب کو جگمگا دیا تھا' تیرہویں صدی کے اولین عشروں میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا جنوری 1236ء کی ایک رات جب آسمان پر ایک سیاہ آندھی چھائی ہوئی تھی' شاہ قشتالیہ' کاؤنٹ آف قلعہ رباح اور کاؤنٹ آف القنطرہ بہت سی عیسائی فوج لے کر قرطبہ میں داخل ہو گئے' جس شہر کی دیواروں سے عبدالرحمٰن الداخل اور المنصور جیسے مجاہد اٹھ کر عیسائی دنیا کو روندتے چلے گئے تھے آج اسی شہر کا کوئی دفاع کرنے والا نہیں تھا۔ جب قرطبہ میں دیگر عیسائی ریاستوں کی افواج کے داخلے کی خبر فرڈی نینڈ سوم والئی لیون کو پہنچی تو وہ بھی اپنے تین سو صلیبی مجاہد لے کر آ گیا' اہل قرطبہ نے ابن ہود سے فریاد کی مگر یہ فریاد صدا بصحرا ثابت ہوئی اور ابن ہود نے لیت ولعل سے کام لیا۔

ادھر شاہ ارغون نے جب دیکھا کہ قرطبہ پر بہت سے عیسائی قابض ہو گئے تو اس نے بلنسیہ کو گھیر لیا' اہل بلنسیہ نے بھی ابن ہود سے فریاد کی' اہل بلنسیہ کی فریاد پر ابن ہود انہیں عیسائیوں سے بچانے چل پڑا' اس کے راستے میں المیر یہ پڑتا تھا' وہاں محمد الاحمر کا خفیہ مددگار حاکم تھا اس حاکم نے ان کی ضیافت کی اور دھوکے سے انہیں قتل کر دیا' یہی ایک شخص تھا جو اسلامیان اندلس کا سہارا تھا لیکن مارا گیا' اس کے بھائی علی ابن یوسف امیر مریہ مقرر ہوئے مگر ان کو بھی محمد الاحمر نے قتل کروا دیا۔

اسلامی اندلس کے لئے لڑنے والے اس آخری شخص کے قتل پر عیسائیوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی' ہر طرف سے اڈا اڈ کر قرطبہ پہنچنے لگے' قرطبہ کے مسلمانوں کو موت سامنے نظر آ رہی تھی انہوں نے شاہ قشتالیہ سے امان طلب کی' اس نے جان بخشی تو کر دی مگر اس شرط پر کہ سب لوگ خالی ہاتھ شہر سے نکل جائیں اور صوبہ ہی چھوڑ دیں۔

چنانچہ ایک دروازے سے مسلمان نکلنا شروع ہو گئے اور دوسرے دروازے سے اچھلتی ہوئی صلیبیں اندر آنے لگیں سب سے آگے پادری صاحبان ہی تھے' قشتالیہ اور لیون کے جھنڈے بالآخر قرطبہ کے بلند برجوں پر نصب کر دیئے گئے جس جامع قرطبہ میں خدائے واحد کے حضور

کروڑوں سجدے ادا ہو چکے تھے وہاں آج تثلیث کا راج تھا اور مسجد میں بھی صلیب نصب کی جا چکی تھی اسے گرجا بنا لیا گیا تھا' قرطبہ میں علم کی قندیلیں بجھ جانے کے بعد علم و فضل کا یہ گہوارہ وحشیوں کا مسکن بن گیا' جہاں باغات تھے وہاں صرف جھاڑیاں رہ گئیں' ذہین اور محنتی مسلمانوں کی جگہ سست نکمے اور جاہل راہبوں نے لے لی' جہاں دارالعلوم اور یونیورسٹیاں قائم تھیں وہاں اسقفوں کے ناپاک جرائم کے عشرت کدے بن گئے اور دنیائے مغرب کا یہ آبدار موتی اپنی چمک کھو بیٹھا اور ایک معمولی شہر بن گیا۔

تاریخ ہسپانیہ صفحہ 434۔ ماخذ۔ عبرت نامہ اندلس' ڈوزی از نصیر احمد ناصر صاحب

1236ء پہلی مسلمان خاتون تخت دہلی پر

سلطان شمس الدین التمش اپنے بڑے بیٹے کی وفات پر اس کے غم میں سوگوار تھا' ولی عہد کی موت کے غم نے بادشاہ کی دنیا تاریک کر دی تھی' اسے اپنی نرینہ اولاد میں کوئی دوسرا اس قابل محسوس نہ ہوا کہ جو اس کے بعد تاج و تخت کو سنبھال سکتا' اس نے اپنی بیٹی رضیہ کو اپنے درباریوں اور مشیروں کے احتجاج کے باوجود اپنا جانشین نامزد کر دیا' وہ عورت ہونے کے باوجود حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی' لیکن درباریوں نے التمش کی وفات پر اس کی خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر اس کے ایک بیٹے رکن الدین فیروز کو تخت پر بٹھایا مگر بادشاہ کا اندازہ صحیح ثابت ہوا اور یہ نیا بادشاہ عیش و بدمستی میں کھو گیا اور حقیقی اقتدار اس کی ماں ترکان خاتون کے ہاتھ میں چلا گیا جس کی بے رحمی سے بہت جلد لوگ برہم ہو گئے اور برملا بغاوت پر مجبور ہو گئے ایسے میں فوج کے ایک حصے اور دہلی کی عوام نے رضیہ کے ملکہ ہونے کا اعلان کر دیا (634ھ 1236ء)

ہر چند کہ وزیر سلطنت نظام الملک محمد جنیدی نے رضیہ کو ملکہ تسلیم نہ کیا اور وہ دوسرے کئی ترک امراء کے ساتھ مل کر اس کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف رہا تاہم ہندوستان کی اس پہلی خاتون حکمران نے جو بہت زیرک اور تیز فہم تھی تمام مخالفوں کو کچل کر رکھ دیا اور انتظام و انصرام سلطنت میں لگ گئی' نظم و نسق کی اصلاح کی گئی قوانین سلطنت کو دوبارہ مرتب کیا گیا اور متعدد مقدمات کے فیصلے نہایت عدل گستری سے کئے گئے' اس نے خواجہ مہذب الدین کو اپنا وزیر مقرر کیا اور ملک سیف الدین کوتغ خان کا خطاب دے کر فوج کا حاکم اعلیٰ بنا دیا اور اختیار الدین اینگین کو امیر حاجب مقرر کیا' مگر جب اس نے ایک حبشی غلام کو اپنی جان بچانے کے صلے میں امیر الامراء کا منصب عطا کیا تو ترک امراء بگڑ گئے' اور انہوں نے حاکم بھٹنڈا ملک التونیہ کی قیادت میں علم بغاوت بلند کر دیا' سلطانہ اس بغاوت کی تاب نہ لا سکی اور باغی امراء نے حبشی امیر یاقوت کو قتل

کر کے ملکہ کو قید کر لیا اور اس کے بھائی بہرام شاہ کو تخت نشین کر دیا (رمضان 636ھ 1239ء) سازشیوں نے ملکہ کو ملک التونیہ کی حراست میں دے دیا' اب حالات بدلے اور ملک التونیہ نے ملکہ کی مہم کو اپنی سرپرستی میں چلانے کا فیصلہ کیا اور مقصد کو پیش نظر رکھ کر ملکہ سے شادی کے بعد اس نے دہلی پر چڑھائی کر دی مگر کیتھل کے قریب اسے شکست ہوئی اور اس ہزیمت کے دوسرے روز ملک التونیہ اور ملکہ رضیہ سلطانہ دونوں کو قتل کر دیا گیا۔

بعد کے مورخین نے لکہ کے دامن کو داغدار بنانے کی ناکام کوششیں کیں جبکہ طبقات ناصری جو ابتدائی ماخذ ہے اس کے موقف منہاج سراج نے لکھا ہے کہ ملکہ کی مہربانیاں یاقوت کے ساتھ صرف بادشاہانہ تھیں ان مہربانیوں کو بعد کے مورخین نے غلط رنگ دے کر معاشقہ میں بدل دیا جو کہ ایسی قابل ملکہ کہ جو چالیس مردوں کے اوصاف کی حامل تھی' ایک بدنما الزام کے سوا کچھ بھی نہیں' ملکہ کے زوال کا حقیقی سبب ترک امراء کی مخالفت اور ان کا تخت حکومت پر ایک خاتون کو برداشت نہ کرنا ہے۔ رضیہ سلطانہ ایک مدبر' نڈر' شجاع بے حد خلیق و متواضع اور عدل گستر خاتون تھیں۔

1237ء حضرت نظام الدین اولیا کی پیدائش

سلطان المشائخ' محبوب الٰہی' خواجہ نظام الدین دہلوی ساتویں صدی ہجری تیرہویں عیسوی میں سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگ ہو گزرے ہیں' 27 صفر 636ھ 19 اکتوبر 1237ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے' نام سید محمد رکھا گیا۔ ابھی صرف پانچ برس کے تھے کہ ان کے والد خواجہ احمد علی الحسینی وفات پا گئے' ان کی والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت مکمل کرائی سولہ برس کے ہوئے تو اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ساتھ دہلی آ گئے۔ علمائے دہلی سے آپ نے تمام علوم میں استفادہ کیا' علم ہیئت و ہندسہ میں دستگاہ حاصل کرنے کے ساتھ فقہ و حدیث میں بھی مہارت حاصل کی' علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی تکمیل کے لئے اس وقت ایک بزرگ عظیم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوئے' 15 رجب 655ھ 1257ء کو ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بابا صاحب سے بہت سی کتب تصوف کا سبق بھی لیا' بابا صاحب کی زندگی میں خواجہ صاحب تین مرتبہ اجودھن حاضر ہوئے تیسرے سفر میں بابا صاحب نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا' اسی موقع پر بابا صاحب نے آپ کو ''نظام الدین اولیا'' کا لقب بھی دیا جو دراصل ''نظام الملۃ والدین'' تھا مگر بعد میں نظام الدین ہو گیا' بابا صاحب نے آپ کو دہلی جانے کا حکم دیا' بابا صاحب کی وفات کے وقت آپ موجود نہ تھے اس لئے بابا صاحب نے ''اپنا جامہ' مصلیٰ اور تسبیح اور عصا خواجہ صاحب

کو دینے کی وصیت فرمائی اپنے مرشد کامل کے حسب فرمان آپ نے دہلی میں قیام کیا اور بلبن سے غیاث الدین تغلق تک کا زمانہ دیکھا۔ شروع میں آپ کا قیام امیر خسرو کے نانا کے ہاں رہا' امیر خسرو اس وقت آٹھ سال کے تھے' پھر آپ نے غیاث پور میں اقامت اختیار کی' خواجہ صاحب ہمیشہ بادشاہوں سے دور رہے' بعض سلاطین نے انہیں اپنے دربار سے وابستہ کرنا چاہا مگر ناکام رہے' بعض سلاطین آپ کے مخالف بھی رہے' سلطان قطب الدین خلجی نے آپ کی مخالفت میں شیخ رکن الدین سہروردی کو ملتان سے دہلی بلایا مگر دونوں بزرگوں میں بڑے مخلصانہ تعلقات قائم ہوگئے' اسی طرح سلطان غیاث الدین تغلق بھی آپ سے عداوت رکھتا تھا' اس نے ایک مرتبہ بنگال سے واپس آتے ہوئے آپ کو حکم بھیجا کہ اس کے دہلی پہنچنے سے پہلے دہلی چھوڑ جائیں مگر ہوا یہ کہ بادشاہ خود کبھی دہلی نہ پہنچ سکا اور تغلق آباد کا محل گرنے سے ہلاک ہوگیا۔

خواجہ صاحب کا وصال بروز جمعہ 18 ربیع الثانی 725ھ 2 اپریل 1335ء کی صبح کو ہوا' آپ کی نماز جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق شیخ رکن الدین ملتانی نے پڑھائی' سلطان محمد تغلق نے آپ کی قبر مبارک پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کروایا ہندوستان میں اگرچہ سلسلہ چشتیہ کی بنیاد خواجہ معین الدین چشتی نے رکھی مگر اس کی مقبولیت اور شہرت کا دارومدار خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے سر ہے۔

سیر الاولیا' تاریخ فرشتہ ماخذ۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 22

1238ء قصر الحمراء کی تعمیر

دنیا کی خوبصورت ترین عمارات میں سے ایک جو عجائبات عالم میں شمار کی جاتی ہیں' قصر الحمراء ہے' یہ اسپین کے شہر غرناطہ میں ایک پہاڑی سطح مرتفع پر واقع ہے' عربی میں الحمراء ''سرخ شے'' کو کہتے ہیں' قصر مذکور کا نام غرناطہ کے ایک مسلم حکمران خاندان ''بنی الاحمر'' سے ماخوذ قرار دیا جاتا ہے' محمد اول بن الاحمر نے بنی نصر کی ایک خود مختار امارت قائم کر کے غرناطہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا' اسی حکمران نے یہ شہرہ آفاق قصر تعمیر کروایا تھا' مورخین نے امکان ظاہر کیا ہے کہ اس قصر کی بیرونی دیوار اور قلعہ پہلے سے موجود تھے۔ محمد اول اور اس کے جانشین اسی قصر میں سکونت پذیر رہے۔ قصر کی عمارات کی توسیع اور تزئین انہیں احمری حکمرانوں میں سے ابو عبداللہ محمد الثالث (1302-1309ء) ابوالحجاج یوسف الاول (1333-1354ء) اور محمد الخامس الغنی باللہ نے کی' مورخین کے نزدیک خاندان بنی نصر کے عروج انحطاط اور زوال کا سارا کھیل الحمراء ہی میں کھیلا گیا۔ 1492ء میں 2 جنوری کی صبح کو ڈون پیڈرو ڈی مینڈوزا Don Pedro De Mi

نامی لاٹ پادری نے الحمراء کے سب سے بلند برج القصبہ Alcazaba پر نقرئی صلیب نصب کر کے ہسپانیہ میں مسلم اقتدار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا' معزول سلطان ابوعبداللہ محمد الحادی یا زدہم نے الحمراء سے جلاوطنی اختیار کی اور رخصت ہوتے وقت پادول Padul نامی پہاری پر کھڑے ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے اس قصر کو دیکھتے ہوئے ایک حسرت ناک نظر ڈالی یہ مقام آج تک ''مور کی آخری آہ'' کے نام سے مشہور ہے' الحمراء کی بعد کی تاریخ کے بارے میں اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ چارلس پنجم نے مہندی کے صحن سے ملحقہ چھوٹی مسجد کو گرجا میں تبدیل کر دیا اور قصر کے جنوبی بازو کو منہدم کر کے اس کی قدیم شکل مسخ کر دی اور اس سے بھی بڑا ستم یہ کیا کہ اس کی جگہ ''دور احیا'' کی طرز پر ایک نئی عمارت تعمیر کر دی جو قدیم قصر کے مقابلے میں بالکل بے محل نظر آتی ہے' مذہب کے نام پر ایک اور نقصان اس عمارت کو یہ پہنچا کہ 1581ء میں جوان دی ویجا Juan De Vega نے محمد الثالثی تعمیر کردہ بڑی مسجد کو زمین بوس کر کے اس کی جگہ سانتے ماریا کا کلیسہ تعمیر کر دیا۔

الحمراء کی عمارتوں میں جو کتبات ملتے ہیں ان میں جو اسماء اور تاریخیں درج ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق محققین کے نزدیک عمارت کی تزئین سے معلوم ہوتا ہے نہ کہ ان کی تعمیر سے 1347-1348ء میں یوسف الاول نے بیرونی دیوار میں جس کا محیط دو میل اور اس میں متعدد برج نکلے ہوئے تھے' توڑ کر ایک دروازہ ''باب العدل'' تعمیر کروایا' اس سے آگے حوضوں کا مقام ''مکان الصہارج'' ہے' اس کے کتبے پر محمد الخامس کا نام کندہ ہے' الحمراء کی عمارت میں قدیم ترین القصبہ یا قلعہ کی عمارت ہے جو انتہائی مغربی کونے میں واقع ہے' خود قصر متعدد عمارات پر مشتمل ہے جو چارلس پنجم کی عمارت کے سوا حسب ذیل دو صحنوں کے گرد جمع ہو گئی ہیں' قاعۃ البرکہ Patiola Alberca جو قاعۃ الریحان یا صحن مہندی کے نام سے بھی مشہور ہے' اس کے قریب صحن کے شمالی اور چھوٹے ضلع پر برج القمارش واقع ہے' اس کے مغرب کی طرف چھوٹی مسجد ہے اور مشرق میں حمام ہیں' قاعۃ السباع (شیروں کا صحن) کے قریب ہی دو بہنوں کا ایوان ''ساختہ الاختین'' اور ساختہ بنی سراج یعنی شاہان غرناطہ کے مقبرے (جو آج کل بالکل تباہ و برباد ہو چکے ہیں) ساتھ ہی ایوان عدالت' ساحۃ القضا'' واقع ہے' کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمارتوں کے اس اول الذکر مجموعے کی تزئین یوسف الاول نے کی تھی اور آگے کی مشرقی عمارتوں کی جو قاعۃ السباع کے گرد واقع ہیں' ان کی تزئین محمد الخامس نے کی تھی' قصر کے جنوب میں آج کل کنسیہ سانتے ماریا واقع ہے کبھی مہمان قصر کی جامع المسجد واقع تھی' اسے محمد الثالث نے اپنے عہد کے آخری ایام میں تعمیر کرایا تھا' علاوہ ازیں حمام جو مسجد کے لئے وقف تھے وہ بھی اسی بادشاہ کی تعمیر تھے۔

الحمراء تیرہویں اور چودہویں صدی میں تعمیر ہوا' اسلامی فن تعمیر میں یہ اس عہد کا نمونہ ہے جس کے باعث سلجوقی فن تعمیر ایشیائے کوچک میں عروج کو پہنچنے کے بعد اس طرز کو پہنچا جو بعد میں ایران میں منظر عام پر آیا' الحمراء فرسودگی پذیر مسالے سے بنی ہوئی ایک عمارت ہے' تعجب ہوتا ہے کہ یہ آج تک کیسے سلامت رہی' دیگر اس طرز کی عمارات کی نظیر مل سکتی ہے مگر یہ بے مثال ہے' آج کوئی دوسرا اسلامی قصر اتنی اچھی حالت میں موجود نہیں یہ بات بھی اس کے حق میں جاتی ہے۔

جیسے کہ پہلے ذکر آیا کہ اس بے مثال قصر کی عمارات دو صحنوں کے گرد واقع ہیں یعنی قاعۃ الریحان کے گرد جو جنوبی داخلے سے شمالی سرے تک جہاں بھاری بھرکم برج قمارش Comares واقع ہے' طولاً چلی گئیں ہیں اور ساحۃ السفراء بھی اسی کے احاطے میں آ گیا ہے' قاعۃ السباع کی عمارات ایک چوک کے گرد ہیں جو قاعۃ الریحان کے ساتھ زاویہ قائمہ بناتا ہے اس مجموعے میں جنوب مشرقی کونے سے آگے نکلی ہوئی عمارتیں بھی شامل ہیں یہ چوک ساحۃ القضاء نام کی عمارت پر ختم ہوتا ہے۔ یہ تین قبوں پر مشتمل ہے جنہیں چھوٹے چھوٹے حجروں کے ذریعے ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا گیا ہے' مجموعے کے عرض محور پر چلتے ہوئے سیاح دو دالانوں تک پہنچتے ہیں یعنی شمال میں ساحۃ الاختین (25 مربع فٹ) جنوب میں ساحۃ بنی سراج (20 مربع فٹ) یہ دونوں دالان عمارت کے داخلی حصے اور بیرونی میدان میں جہاں قاعۃ الریحان ہے' عبوری راستے کا کام دیتے ہیں۔

1248ء سقوط اشبلیہ

اشبلیہ Sevile دریائے وادی الکبیر کے بائیں کنارے آباد ایک بڑا شہر ہے یہ اسی نام کے صوبے کا صدر مقام اور زمانہ سابقہ میں سلطنت اشبلیہ کا پایہ تخت رہا ہے۔ 712ء میں یہاں مسلمانوں کا قبضہ ہوا تھا یہ شہر تیرہویں صدی کے نصف اول تک مسلمانوں کے پاس رہا' اس علاقے کی شادابی اور مرفہ الحالی مثالی تھی لیکن اس کے مضافات میں کئی بار عیسائی فوجیں یلغار کر چکی تھیں اس کے نزدیکی شہر قرمونہ' الوشہ وغیرہ اب عیسائیوں کے قبضہ میں جا چکے تھے اور وہاں کے مسلمان باشندے تقریباً قتل ہو گئے تھے' اسی بناء پر عہد آخر کے اشبلیہ میں خوراک گراں ہو گئی تھی یہاں موحدین کا آخری بادشاہ حکمران تھا۔ 1247ء میں جب اس شہر پر فرڈیننڈ کے حملے کی خبر سنی گئی تو موحدین نے افریقہ سے مدد مانگی' صرف بیس کشتیاں مدد کے لئے پہنچ سکیں' مگر بحری لڑائی میں عیسائی غالب رہے ادھر خشکی پر شہر کے باہر اہل قشتالیہ نے چھاؤنی ڈال لی اور نو آبادی کی

شکل میں بازار کھول لئے اور مستقل محاصرے کی صورت اختیار کر لی گئی۔

اشبیلیہ میں اسی ہزار عرب خاندان آباد تھے' جو بیس قبائل سے تعلق رکھتے تھے' شہر کی کل آبادی پانچ لاکھ تھی' اس محاصرے کے بعد بھی جب اشبیلیہ فتح ہوتا ہوا دکھائی نہ دیا تو پوپ سے درخواست کی گئی جس نے بازیافت اشبیلیہ کی مہم کو ابھارا' ارغون پرتگال اور دیگر عیسائی ہمسایہ ممالک سے ہزاروں راہب قبائیں اتار کر چار آئینہ پہن لینے کے بعد میدان میں اتر آئے۔ اشبیلیہ کا محاصرہ تقریباً سترہ ماہ جاری رہا' ایک پل کے ذریعے شہر کے لوگ باہر کی دنیا سے آمد و رفت کا سلسلہ قائم رکھے ہوئے تھے' محاصرین نے وہ پل توڑ دیا جس سے محصورین شہر میں بند ہو کر رہ گئے' مسلمان ماہرین سائنس نے بہت سی کوششیں شہر بچانے کے لئے کیں اور جاہل عیسائیوں پر طرح طرح کی بارشیں برسائیں اور عیسائیوں کو شہر کے باہر روکے رکھا' جب کسی طرح عیسائیوں کے جم غفیر کی پیش نہ گئی تو ماہرین سائنس کے آگے عاجز آنے کے بعد آخر کار انہوں نے چاروں طرف سے شہر کی رسد کاٹ دی' فرڈی نینڈ شاید مان جاتا مگر مہم جو پادریوں نے انکار کر دیا۔ پھر مسلمانوں نے یہ درخواست پیش کی کہ ہم شہر سے نکل جاتے ہیں جان بخشی کر دی جائے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم جامع مسجد اور اس کے مینار تک خود منہدم کر دیں گے مگر یہ شرائط بھی قبول نہ کی گئیں آخر کار یہ شہر اور اس کے مضافات و مقبوضات' تاج و تخت سب کچھ قشتالیہ کی ملکیت قرار دے دیئے گئے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ جو شہر چھوڑ کر جانا چاہیں وہ شہر چھوڑ دیں اور جو رہنا چاہیں انہیں مذہبی آزادی ہوگی' الموحدین سب کے سب افریقہ چلے گئے کچھ نے غرناطہ کی راہ لی' اشبیلیہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا (19 نومبر 1248ء) تمام مساجد کو گرجاؤں میں تبدیل کر دیا گیا اور اہم مقامات پر صلیب نصب کر دی گئیں مسلمانوں نے بھی بازیافت اشبیلیہ کی کوششیں کی مگر ناکام رہے۔

ماخذ = تاریخ ہسپانیہ از نصیر احمد ناصر' عبرتنامہ اندلس' ڈوزی' دائرہ المعارف اسلامیہ جلد دوم

1249ء راجر بیکن کی سائنس کے لئے خدمات

1250ء میں راجر بیکن پورے سولہ سال تک پیرس میں حصول تعلیم کے بعد آکسفورڈ واپس آ گیا جہاں اس نے تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا جس کا موضوع الٰہیات مسیحیت نہیں تھی جس میں اس نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی بلکہ علوم سائنس تھے' سائنس کے بارے میں اس کے خیالات بڑے ترقی پسندانہ تھے' وہ قدماء کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھتا تھا۔ جنکے خلاف اس زمانے کے قدامت پسند پادری کوئی لفظ سننا گوارہ نہیں کرتے تھے' چونکہ اس زمانے میں سائنس ایک شجر ممنوعہ

کی حیثیت رکھتی تھی اسی وجہ سے سائنسی موضوعات پر تقاریر کرنے سے اسے روک دیا گیا' ساتھ ہی اسے پادریوں کی تنظیم ''فرانسسکن'' نے پیرس حاضر ہونے کا حکم دیا' دوستوں نے مشورہ دیا کہ وہ پیرس نہ جائے ورنہ اسے گرفتار کرلیا جائے گا دور اول کے مغربی سائنسدانوں میں راجر بیکن کسی تعارف کا محتاج نہیں' وہ سائنس کو مذہب کا مہتمم سمجھتا تھا' متقابل نہیں' انہیں نظریات کی پاداش میں اسے زندگی میں کئی بار زندان کی ہوا کھانی پڑی پہلی بار وہ دس سال تک پیرس کے قید خانے میں مقید رہا اور یہ مدت اس نے بڑی مصیبتوں میں گزاری' بظاہر پیرس کے قید خانے سے چھوٹ جانے کا ہی امکان نہیں تھا مگر اس کے ایک مداح اور معترف گی ڈی فونکس Guy De Foulqes کو جب کلیمنٹ چہارم کے نام سے پوپ بن جانے کا موقع ملا تو اس نے اسے پیرس کے قید خانے سے رہائی دلوائی اور ساتھ ہی اسے سائنس کے موضوع پر ایک جامع کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ جس پر بیکن نے اپنی عظیم ترین کتاب ''قاموس سائنس'' Qpusmajus تصنیف کی' یہ کتاب مغربی دور اول کی اہم تصنیفات میں سے ایک ہے' یہ کتاب 1268ء میں مکمل ہوئی اور اس نے اسے پوپؒ کی خدمت میں روانہ کردیا مگر یہ کتاب ایک ایسے وقت میں روم پہنچی جب اس کا مربی اور محسن پوپ مرض الموت میں مبتلا ہو چکا تھا ادھر پیرس سے ایک بار پھر انگلستان واپس آ کر بیکن نے سائنسی خدمات کے طور پر تجرباتی سائنس پر کام شروع کردیا اور ساتھ ہی سائنسی موضوعات پر متعدد رسالے اور کتابیں تصنیف کیں شومئی قسمت سے کلیمنٹ چہارم کے بعد ''نکولس سوم'' پوپ کے عہدے پر فائز ہوا جو اپنے پیشروؤں کے برعکس سائنس کی تعلیمات کا مخالف تھا اس نے پوپ کے کتب خانے میں جب بیکن کی ''قاموس سائنس'' دیکھی تو انگلستان میں کلیسائے کے عہدہ داروں کو بیکن کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا' کلیسا نے بیکن پر جادو' شعبدہ بازی اور شیطانی عمل کا الزام عائد کر کے 1278ء میں ایک بار پھر گرفتار کرلیا' اس بار قید خانے میں اس کی زندگی کے ایام بڑے تلخ گزرے' بڑھاپا اس پر مسلط ہو چکا تھا' 14 سال کی قید بھگتنے کے بعد اب اس میں چلنے پھرنے کی بھی سکت نہ رہی' آخر رحم کی درخواست پر اسے 1292ء میں رہا کردیا گیا مگر جلد ہی وہ 1294ء میں زندگی کی قید سے بھی آزاد ہو گیا بیکن نے صدیوں پہلے دخانی جہازوں' ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں تک کے ایجاد ہونے کی پیش گوئیاں کردی تھیں۔

1252ء مسیحی عدالت احتساب اور انسانیت سوز مظالم

مذہبی راہنما کی حیثیت سے پاپائے روم مغربی دنیا پر ابتداء ہی سے چھا گئے تھے مگر ان کے عروج اور طاقت کے زمانے کی ابتداء 800ء سے شروع ہوتی ہے جب رومۃ الکبری میں شارلمین

کی تاجپوشی کی رسم خود پوپ نے ادا کی' اس کے بعد سے سلطنت روما کا نام "مقدس سلطنت روما" ہو گیا اور خود پوپ دراصل یورپ کا معنوی فرمانروا بن گیا' اس کا کردار اب تاریخ یورپ میں بادشاہ گر کا تھا جس کو چاہتا تخت پر بٹھا دیتا اور جسے چاہتا تخت سے اتار دیتا' پوپ اب نہ صرف اپنے اثر و اقتدار کے اعتبار سے شہنشاہ بن گیا تھا بلکہ ظاہری شان وشوکت اور دبدبے کے لحاظ سے بھی اس کا دربار بڑے بڑے شہنشاہوں کے درباروں کو شرماتا تھا' پوپ کا بھی باقاعدہ ایک تاج ہوتا جس پر لاکھوں کے جواہرات جگمگا رہے ہوتے تھے' اس طرح پوپ کے ہاتھ میں ایک طرف تو شاہان یورپ کے تاج تھے اور دوسری طرف وہ عوام کے دل ودماغ کی باگ دوڑ بھی تھامے ہوئے تھا اگر بادشاہ اس کے حکم کی سرتابی کی جرأت کرتے تو ان کا تاج وتخت چھین لیا جاتا تھا اور اگر عوام میں سے کسی کے سر میں سرکشی کا سودا سماتا تو اسے الحاد اور بے دینی کا فتویٰ لگا کر سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی' لیکن جب اس قسم کے باغی اور سرکش افراد کی تعداد کچھ بڑھنے لگی تو 1248ء میں پوپ انوسینٹ چہارم Innocent IV نے عدالت تفتیش Inquisition کے نام سے استیصال الحاد و بے دینی کے لئے ایک خصوصی عدالت قائم کی' جس کی شاخیں پورے یورپ میں قائم کر دی گئیں پندرہویں صدی عیسوی میں یہ عدالت اپنے شباب کو پہنچی اگرچہ آغاز ہی سے اس عدالت کا فرض خاص یہ تھا کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف پوپ کی بے چون وچرا اطاعت سے سرتابی کرنے کا شبہ بھی ہوتا اسے گرفتار کر کے اس خصوصی عدالت کے ججوں کے سامنے پیش کیا جاتا' مگر نہ تو ملزم کو الزام لگانے والے کا نام بتایا جاتا اور نہ اسے صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جاتا تھا اور نہ ہی اس کے مقدمے کی کارروائی اعلانیہ ہوتی تھی ایک بند کمرے میں عدالت کا اجلاس ہوتا جہاں ملزم کو لایا جاتا' دوٹوک فیصلہ تھا اقرار یا انکار' اگر اقرار کر لیا جاتا تو جرم کی کم از کم سزا موت تھی مگر کیسی موت؟ آگ کے شعلوں یا کھولتے تیل میں ڈالے جانے کی' لیکن اگر ملزم جرم کا اقرار نہ کرتا تو سمجھا جاتا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے' پھر آہستہ آہستہ ایسے ملزموں سے سچ اگلوانے کے لئے ایسی ایسی تعذیبی کارروائیاں کی جانے لگیں کہ جنہیں سن کر انسان کے ہوش اڑ جائیں' ان تعذیبی کارروائیوں میں 1252ء کے بعد باقاعدہ تعذیبی آلات اور شکنجے استعمال کئے جانے لگے جس کے نتیجے میں ملزم بالآخر اقبال جرم کر لیتا' اس اقبال کے بعد بھی خوفناک موت اس کا مقدر ہوتی یعنی اقرار اور انکار دونوں صورتوں میں شدید عذاب موت تیار کی تھی صرف مفر کی ایک صورت تھی کہ پادری ججوں کو کسی پر رحم آ جائے اور وہ اسے معاف کر دیں' موت کی سزا عموماً آگ میں جلا کر انتہائی سفاکی سے دی جاتی اس عدالت نے جتنے افراد زندہ جلائے ان کی تعداد مورخ لاکھوں میں بتاتے ہیں فرانس

کا مشہور مورخ لارینٹ Llorent لکھتا ہے کہ صرف سولہ سال کے عرصہ میں 9 ہزار افراد آگ کے شعلوں کی نذر کر دیئے گئے۔ مسلم اسپین میں یہ تعداد سب سے زیادہ رہی۔

1250ء ملکہ شجرۃ الدر کی 80 روزہ حکومت

شجرۃ الدر کے لئے مشہور ہے کہ وہ عہد اسلام کی پہلی خاتون تھی جو مصر کے تخت پر بیٹھی (لیکن اس سے تقریباً دس سال پہلے رضیہ سلطانہ ہندوستان میں تخت نشین ہو چکی تھی) وہ ایوبی سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کی منظور نظر کنیز تھی جب اس کے بطن سے سلطان کا ایک فرزند خلیل پیدا ہوا تو اسے سلطانہ کا درجہ مل گیا جب ملک الصالح 1249ء میں شاہ فرانس لوئی نہم سے لڑائی کے دوران منصورہ میں فوت ہو گیا تو شجرۃ الدر نے اسکی موت کی خبر کو مخفی رکھا اور اس کے بیٹے ملک المعظم توران شاہ کو حصن کیفا سے بلوا کر سلطان ایوب کی موت کا اعلان کیا اور توران شاہ کو تخت نشین کرایا مگر توران شاہ نے اس سے نہایت نازیبا سلوک کیا توران شاہ خود بھی اس پر آشوب زمانے میں حکومت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا اس لئے 1250ء کے آغاز ہی میں مملوکوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا' شجرۃ الدر کے حامیوں نے اسکی دانشمندی اور قابلیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے تخت نشین کر دیا' شجرۃ نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے سکوں اور فرامین پر اپنے آپ کو المعتصمیہ' الصالحیہ' ام خلیل' عصمۃ الدنیا و دین اور ملکۃ المسلم کے لقب سے یاد کیا' اس نے ایک مملوک امیر عز الدین ایبک کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ مصر میں تو اسے ملکہ تسلیم کر لیا گیا مگر امراء شام نے اسے حکمران تسلیم نہ کیا اور دمشق کو ملک الناصر یوسف ثانی کے حوالے کر دیا ادھر عباسی خلیفہ نے بھی اہل شام کی طرفداری کرتے ہوئے اہل مصر کو حکم دیا کہ وہ اپنا ایک سلطان منتخب کریں' مصری امراء خلیفہ عباسی کا حکم ٹال نہیں سکتے تھے انہوں نے اتابک عز الدین ایبک کو اپنا سلطان منتخب کر لیا اور اس نے ملکہ شجرۃ الدر سے شادی کر لی' ملکہ شجرۃ الدر کی فرمانروائی تقریباً 80 دن قائم رہی مگر شام کے ایوبی امیر اس پر بھی رضامند نہ ہوئے اور انہوں نے ایک کم سن ایوبی شہزادے موسیٰ کو جو سلطان کا پوتا تھا ایبک کے ساتھ تخت نشین کر دیا' موسیٰ کی عمر صرف 6 سال تھی اس لئے وہ کوئی اثر و رسوخ پیدا نہیں کر سکا لیکن سکوں پر اور فرامین پر اس کا نام لکھا جاتا رہا۔

سلطان عز الدین ایبک سلطان حلب اور باغی مملوکوں کی سرکوبی میں مصروف رہا اور اس نے شام کی سرحد کے قریب الصالحیہ نامی ایک شہر میں رہائش اختیار کر لی دوسری طرف ملکہ شجرۃ الدر قاہرہ میں بلا روک ٹوک حکومت کرتی رہی' اسے اپنے سابقہ شوہر کے حریص مملوکوں سے نپٹنا پڑا' ایسا کرتے ہوئے وہ اپنے

موجودہ شوہر کے مفاد کا خیال نہ رکھ سکی' اور اسی کشمکش اقتدار میں 1257ء میں بالآخر ایبک قتل ہو گیا ایبک کے قتل پر برافروختہ ہو کر شاہی محل میں ایبک کی پہلی بیوی کی باندیوں نے شجرۃ الدر کو کھڑاؤں مار مار کر ہلاک کر دیا' اس کی لاش قلعہ کی خندق میں پھینک دی گئی اور کئی دن تک وہیں بے گور و کفن پڑی رہی' بعد میں اسے ایک چھوٹے سے مقبرے میں دفن کر دیا گیا جو آج تک قاہرہ میں موجود ہے' بہر حال مورخین کے مطابق ایک زبردست عورت مصر کے اسلامی عہد میں دیکھنے میں نہیں آئی' وہ نہایت مدبر اور منتظم تھی' اگر توران شاہ اس کے ساتھ زیادتی نہ کرتا اور اسے اقتدار میں شامل کر لیتا تو اس کا عہد مصر کے لئے خیر و برکت کا زمانہ ہوتا۔

1250ء مصر کے غلام بادشاہ.....مملوک

اسلامی تاریخ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دیگر اقوام عالم کی طرح مسلمانوں نے کبھی غلاموں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا نہ ہی ان کے ساتھ وہ انسانیت سلوک روا رکھا جیسے قدیم رومی سلطنت کے زمانے اور بعد ازاں دیگر یورپی اقوام نے ان سے کیا' اسلامی معاشرے میں غلاموں کو آقاؤں کے برابر کا درجہ دیا جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی دنیا میں سب سے نچلے درجے سے نکل کر تخت و تاج تک پہنچنے میں انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی' ہندوستان کے خاندان غلاماں کی طرح مصر و شام پر بھی غلاموں نے تقریباً ڈھائی سو سال تک بڑی شان و شوکت سے (1250ء سے 1517ء) کی حکومت کی' تاریخ عالم کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہندوستان اور مصر میں تقریباً ایک ساتھ غلاموں کی حکومت شروع ہوئی بلکہ دونوں ممالک میں غلاموں کی حکومت کے بانیوں کا نام بھی ایبک تھا یعنی ہندوستان میں قطب الدین ایبک نے اور مصر میں ایک ترک غلام عزالدین ایبک نے غلاموں کی حکومت کی بنیاد رکھی' خاندان غلاماں ہی کی طرح مصر کے غلام بادشاہوں جو مملوک (غلام) کہلاتے تھے باپ کے بعد بیٹا جانشین نہیں ہوتا تھا بلکہ جو غلام سردار طاقتور ہوتا وہی حکومت پر قبضہ کر لیتا تھا' جانشینی کا کوئی مربوط نظام نہ ہونے کی وجہ سے ہر بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت جنگ ضرور ہوتی اور کبھی کبھی تو ہر سال ایک نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا' چنانچہ بحری مملوکوں کے ایک سو بتیس 132 سالہ عہد حکومت میں تقریباً 24 بادشاہ تخت نشین ہوئے' ان میں چار بادشاہ ایسے تھے جنہوں نے مجموعی طور پر 84 سال حکومت کی اور مصر کی حکومت کو استحکام بخشا۔

مملوک مصر دو خاندانوں میں منقسم تھے' ایک خاندان بحری مملوک کہلاتا تھا' جنہوں نے 1250ء سے 1393 تک حکومت کی دوسرا خاندان برجی مملوک کہلاتا تھا اور اس نے 1382ء سے 1517ء تک حکومت کی' بحری مملوک سلطان نجم الدین ایوب کی فوج خاص کا نام تھا جن کے

محلات اور مکانات دریائے نیل میں اس جزیرے روضہ کے قریب تھے جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں آپس میں ملتی تھیں' پہلے تین کے سوا بحری مملوک سلطانوں کا ہمیشہ انتخاب سلطان کی اولاد میں سے کرتے تھے جیسے سلطان بیبرس کے بعد اس کے دو بیٹوں نے حکومت کی' سلطان قلاؤں کے دو بیٹے بلکہ پوتے بھی تخت نشین ہوئے' برجی مملوکوں کا حال اس سے مختلف تھا' برجی مملوک سلطان قلاؤں کی فوج خاصہ تھی وہ قاہرہ کے قلعہ کے برجوں میں رہا کرتے تھے' پہلے برجی مملوک بادشاہ برقوق نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین منتخب کرالیا تھا مگر بعد ازاں مملوک فوج نے موروثی بادشاہ بنانا گوارہ نہ کیا اور کسی سلطان کا بیٹا تخت پر قائم نہ رہ سکا' بحری مملوک بادشاہت آغاز اس طرح ہوا کہ سلطان ملک صالح کے انتقال کے بعد ایک ترک غلام عزالدین ایبک نے سلطان کے جانشین تو رون شاہ کو قتل کر دیا لیکن ملک صالح کی بیوی ملکہ شجرۃ الدر 80 دن تک حکومت کرتی رہی اور اس نے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور جب تعزالدین ایبک کو امراء سلطنت نے بادشاہ منتخب کیا تو اس نے ملکہ شجرۃ الدر سے شادی کر لی' یہی ایبک مصر میں غلام خاندان کی حکومت کا بانی ہے۔

مملوکوں کے زمانے میں مصر کی حکومت کو جو وسعت حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ مغرب میں اس کی سرحد صحرائے لیبیا میں برقہ تک جنوب میں نوبیا تک اور شمال میں بحیرہ روم اس کی سرحد تھا' شام کی سرحدات مشرق میں دریائے فرات اور رقہ سے گزرتے ہوئے دیرالزور تک جنوب میں صحرائے عرب تک اور شمال میں کوہ طوروس تک وسیع تھیں یہ دونوں ملک یعنی مصر و شام جزیرہ نما سینیا میں آ کر ملتے تھے' اور بحیرہ قلزم انہیں ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا' مملوک سلاطین کی قیادت عموماً مقامات مقدسہ یعنی مکہ و مدینہ پر بھی قائم رہی' مملوک سلاطین کے عہد میں جو بڑا کام ہوا وہ یہ تھا کہ تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو عین الجالوت 1260ء میں روک دیا گیا اور دوسری طرف یورپی صلیبی جنگجوؤں کا زور بھی انہی حکمرانوں نے توڑا۔

ماخذ۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ جلد دوم

1245ء فریڈرک دوم اور پوپ گریگوری نہم کا مناقشہ

پوپ کی تاریخ میں ایک اہم باب شہنشاہیت اور پاپائیت میں ٹکراؤں سے رقم ہے گیارہویں صدی عیسوی میں پوپ گریگوری ہفتم نے دعویٰ کیا تھا کہ رومن کلیسا خدا کا قائم کردہ ہے اور پوپ کا اقتدار بھی عالمگیر ہے وہ شہنشاہ بنا بھی سکتا ہے اور معزول کر دینے کا حق بھی رکھتا ہے۔ 1077ء میں اسی پوپ کے حکم پر جرمنی کے شہنشاہ ہنری چہارم کی اطاعت سے اس کے امراء نے انکار کر دیا

تھا اس کے ساتھ ہی پوپ اور شہنشاہ کے درمیان ایک طویل کشمکش کا آغاز ہوا تھا جس کی انتہا مقدس رومی شہنشاہ فریڈرک دوم اور پوپ گریگوری نہم کے جھگڑے پر ہوتی ہے۔

1227ء میں پوپ ہونوریس Honorius کی وفات پر پوپ گریگوری نہم پوپ بنا' اسی سال مقدس رومی سلطنت کا شہنشاہ فریڈرک دوم جو فریڈرک اول کا پوتا تھا صلیبی جنگ کے لئے چلا' شہنشاہ نے سات سال اس جنگ کی تیاری پر صرف کئے تھے مگر جیسے ہی اس کا جہاز کھلے سمندر میں پہنچا شہنشاہ ایک بحری موذی مرض کا شکار ہو گیا' یہ ایک ایسا مرض تھا جس سے پہلے ہی سینکڑوں صلیبی جنگجو ہلاک ہو چکے تھے' بادشاہ نے اپنی بیماری کی وجہ سے سوچا کہ سمندر کے سینے پر بیماری سے ہلاک ہونے کی بجائے سسلی میں رہ کر صحت یاب ہونا کہیں بہتر ہے لہٰذا وہ واپس آ گیا جبکہ اس کے لشکر آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا' پوپ گریگوری جو پہلے ہی سے فریڈرک دوم کا دشمن تھا' فریڈرک کے اس اقدام سے زچ ہوا اور اس نے اس طرح واپس آنے کو شہنشاہ کی بزدلی پر محمول کیا اور صلیبی جنگ پر نہ جانے کا ایک بہانہ سمجھا' اس نے فوراً ایک حکم کے ذریعے فریڈرک دوم کو مرتد قرار دے کر چرچ سے خارج کر دیا جس سے بہت سے صلیبی جنگجو واپس آ گئے اور صلیبی محاربہ آرائی خطرے میں پڑ گئی' فریڈرک دوم نے اپنی صفائی میں یورپ کے بادشاہوں کے نام ایک خط لکھا جس میں کہا کہ ''مقدس رومی سلطنت جو ایمان کے لئے ایک فصیل کا کام دیتی ہے اسے خود پاپائے روم توڑ رہے ہیں'' جب وہ مکمل صحت یاب ہو گیا تو پوپ کو ناراض چھوڑ کر بیت المقدس چلا گیا' یہ اتفاقیہ امر ہے کہ اب تک عیسائی جنگوں کے باوجود یروشلم کو واپس لینے میں ناکام رہے تھے' مصلحت اندیشی سے فریڈرک دوم نے مصر کے سلطان الکامل سے مذاکرات کے ذریعے وہ معاہدہ کیا جس کی رو سے عیسائی متبرک مقامات عیسائیوں کی تحویل میں دے دیئے گئے اور وہ کامیاب لوٹا بلکہ وہ شاہ یروشلم بھی تسلیم کر لیا گیا' پوپ نے اس کی اس شاندار کامیابی پر 1230ء میں اس کے چرچ سے خارج ہونے کی سزا ختم کر دی مگر جلد ہی ایک معاملہ دونوں میں ٹھن گیا پوپ لومبارڈ لیگ کی حمایت کر کے دراصل فریڈرک سے دشمنی نبھانا چاہتا تھا مگر فریڈرک نے انتہا کر دی اور پوپ کو محصور کرنے کے لئے روم پر حملہ آور ہوا' ادھر پوپ نے رومی عوام کو ابھارا' اسی حملے کے دوران شہنشاہ روم نہ پہنچا تھا کہ پوپ گریگوری کا انتقال ہو گیا اور شہنشاہ مزید پانچ سال زندہ رہا۔

1256ء قلعہ الموت حسن بن صباح کی جنت کی تباہی

اپنی فتح ایران کے دوران جب ہلاکو نے بغداد کی خلافت کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کیا تو ساتھ ہی الموت کی اسماعیلی ریاست کو بھی ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا' اگرچہ منگو خان نے خلیفہ بغداد

کے ہلاکو خان کے زیر اثر آنے کے بعد اس کی جان بخشی کا وعدہ کیا تھا مگر خلیفہ کی طاقت کے دوبارہ احیا کے اندیشے کی وجہ سے ہلاکو نے ان دونوں ریاستوں کے صفایا کا مصمم ارادہ کر لیا تھا لیکن خارجہ حکمت عملی اس بات کی متقاضی تھی کہ وہ سب سے پہلے بدعتی ریاست (الموت) پر حملہ کر کے راسخ العقیدہ مسلم رائے کو اپنے حق میں کرے پھر راسخ العقیدہ مسلمانوں کو خوفزدہ کر کے بغداد پر حملہ کر دے۔

اس مہم کا فیصلہ 1251ء کی فرولتائی میں کیا گیا تھا مگر اس پر عملدرآمد 1255ء کے موسم سرما میں شروع کیا گیا' سب سے پہلے تمام مسلم سلاطین اور بادشاہوں اور ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے سرداروں کے پاس یہ مطالبہ کرتے ہوئے اطلاع نامے بھیجے گئے کہ وہ التموت کی فتح کے لئے اپنے دستخط بھیجیں' اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو التموت کا انجام ہی ان کا بھی انجام ہوگا' یہ اطلاع نامے موصول کرنے کے بعد کئی اہم مسلم سردار بذات خود شریک ہوئے' انمیں ہرات کا شمس الدین کرت' ارض روم سے عزز الدین اور رکن الدین اور فارس سے اتابک سعد شامل تھے' خلیفہ نے اطاعت کا خط تو بھیجا لیکن وہ کوئی فوج نہ بھیج سکا۔

قلعہ الموت کا آخری حکمران رکن الدین خورشاہ تھا' جب 654ھ 1255ء میں تاتاری لشکر نے قلعہ الموت کا محاصرہ کیا تو ہلاکو نے سفیروں کے ذریعے خورشاہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے باپ کے گناہوں کا ذمہ دار نہیں اور یہ کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچائی جائے گی اگر وہ اپنے تمام قلعوں کو تباہ کر کے اپنی اطاعت پیش کر دے' خورشاہ کے باپ علاؤ الدین کے ظلم و استبداد کے باوجود اسماعیلیوں میں ابھی حسن بن صباح کی روح ابھی تک باقی تھی اور وہ قلعہ الموت کے 105 مزید زیر قیادت قلعوں پر حکومت کر رہے تھے' نومبر 1255ء میں تاتاریوں نے محاصرہ شروع کیا تھا' دسمبر 1255ء میں خورشاہ ہلاکو کے پاس آیا اور اپنے تمام خزانوں کی پیش کش کر دی' عارضی طور پر خورشاہ کی ہر طرح سے عزت کی گئی' ہلاکو نے اس وعدہ پر کے پہاڑی قلعوں کی فوجیں نیچے آ کر ہتھیار ڈال دیں خورشاہ سے جان بخشی کا وعدہ کیا مگر جب وہ منگو خاں سے ملنے جا رہا تھا تو راستے میں اسے قتل کر دیا گیا' تاتاریوں نے قلعہ الموت کے تمام خزائن جو ابن صباح کے زمانے سے اب تک جمع کئے گئے تھے اپنے قبضہ میں کر لئے الغرض تاتاریوں نے الموت کی باطنی سلطنت کا خاتمہ اس کی تاسیس کے ایک سو اکہتر سال بعد کر دیا' اس موقع پر بارہ ہزار باطنی قتل ہوئے یوں خدا کا ملک ایک کافر کے ہاتھوں فدائیوں کی شر انگیزیوں سے مامون ہوا۔

ماخذ۔ چھوٹے نبی' ابوالقاسم رفیق دلاوری' جامع تاریخ ہند صفحہ نمبر 112

1258ء سقوط بغداد

4 صفر 656ھ بمطابق 10 فروری 1258ء کو خلیفہ المستعصم نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے بغداد کا محاصرہ پچاس دن جاری رہا تھا اور دسمبر 1257ء میں شروع کیا گیا تھا' خلیفہ بمعہ متعلقین گرفتار ہوا اور اسیر کر کے تاتاریوں کے خیموں میں لایا گیا' ہلاکو فاتحانہ بغداد میں داخل ہوا اور مشرقی بغداد کے قصر عامونیہ میں اترا۔

تاتاریوں نے فاتح کی حیثیت سے چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رکھا' انسانی خون سے بغداد کے گلے کوچوں میں انسانی خون بہنے لگا' جاہل تاتاریوں نے بغداد کے تمام تر دفتر جلا دیئے تمام کتب خانے جلا کر دریا برد کر دیئے گئے یہاں تک کہ دریائے دجلہ کا پانی سیاہ ہو گیا' وہ نادر روزگار علمی خزانہ جلا کر راکھ کر دیا گیا جو خلیفہ مامون الرشید کے زمانے سے اب تک اکٹھا کیا گیا تھا۔

چالیس دن تک بغداد میں ایک طرف آگ اور دوسری طرف تلواریں بغداد کو خاک و خون میں نہلاتی رہیں' جامع مسجد سلطانی' مقبرہ امام موسیٰ الکاظم' خلفاء عباسیہ کے مقابر واقع رصافہ اور دیگر بازاروں اور محلات و مکانات سے آگ کے شعلے بلند ہوتے رہے' آسمان دھواں دھواں تھا' بازاروں اور گھروں میں بے گناہ انسانوں کے لاشے خون آلود اور بے گور و کفن پڑے تھے کوئی انہیں دفن کرنے والا نہیں تھا مقتولین کی تعداد مورخین نے 8 لاکھ سے بیس لاکھ تک بتائی ہے' ہلاکو خان نے شیعہ سنی میں کوئی امتیاز نہیں کیا بلکہ علقمی کی حمایت کے باوجود شیعہ حضرات کے ساتھ بھی وہی کچھ پیش آیا جو سنیوں کے ساتھ ہوا تاتار کی فتح کے بعد کے حالات قراصد الاطلاع نامی کتاب میں ایک شخص نے کچھ اس طرح پیش کئے ہیں۔

''اب مغربی بغداد میں سوائے چند محلوں کے ویران پڑے تھے کچھ باقی نہ رہا ان میں سے کرخ کچھ آباد ہے' مشرقی بغداد بھی عرصہ تک ویران رہا لیکن شماسیہ اور فخرم کے گرد ایک دیوار کھینچ دی گئی تھی جو تاتاریوں کے حملے تک موجود تھی محاصرے کے دوران اس کا بڑا حصہ منہدم ہو گیا' بغداد کی آبادی تقریباً تمام تر تہہ و تیغ کر دی گئی کوئی شخص نہ بچا جو اس شہر بے مثال کی خوبیوں کا تذکرہ کرتا یا اس کی تباہی کا رونا روتا'' محاصرہ بغداد کے دوران جب تاتاریوں نے اینٹوں کا پشتہ بنا کر منجنیق کے ذریعے شہر کی فصیلوں کے اندر سنگ باری کی جس سے شہر کی حالت بگڑنے لگی بہت سے لوگ خلیفہ مستعصم باللہ کو چھوڑ کر ہلاکو خان سے ساز باز کرنے لگے اور اس کو اطاعت کا پیغام بھجوانے لگے'

خلیفہ ان حالات میں بے بس ہوگیا اس کے وزیر علقمی نے اسے مشورہ دیا کہ تاتاریوں سے مقابلہ کرنا بے کار ہے آپ خود میرے ساتھ ہلاکو کے پاس چلیئے اور مال و جواہر اس کی نذر کیجئے اور اس کی بیٹی سے اپنے شہزادے ابوبکر کی شادی کر کے دوستی کا ہاتھ بڑھایئے' خلیفہ ابن علقمی کے ہاتھوں میں کھلونا تھا وہ اس کا یہ مشورہ بھی مان کر اس کے جھانسے میں آ گیا' ادھر ابن علقمی دولت عباسیہ کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا خواہاں تھا' جب 11 فروری خلیفہ اپنے دونوں بیٹیوں ابوبکر اور عبدالرحمٰن اور اراکین سلطنت کے ہمراہ ہلاکو کے پاس پہنچا تو ہلاکو نے تمام مال و جواہر لے کر اپنی فوج میں تقسیم کر دیئے اور خلیفہ کے کئی ساتھیوں کو قتل کروا دیا' اور خلیفہ کو گرفتار کر لیا' لوگوں نے ہلاکو کو رائے دی کہ خلیفہ کے خون سے ہاتھوں کو نہ رنگا جائے تلوار و خنجر سے خلیفہ کی جان لینے کی بجائے اسے نمدے میں لپیٹ کر مارا جائے تا کہ اس کا خون نہ بہے' چنانچہ خلیفہ کو نمدے میں لپیٹ کر ڈنڈوں سے کچلا گیا یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا' پھر نمدے میں لپیٹے ہوئے خلیفہ کی لاش کو ہاتھی کے پیروں سے ٹھوکریں لگائیں گئیں' اس کے بعد بھی جب طبیعت سیر نہ ہوئی تو علقمی نے خلیفہ کی لاش کو اپنے پیروں سے کچل کر کہا ''میں اہل بیعت رسالت (ﷺ) کا بدلہ لے رہا ہوں'' غرضیکہ خلیفہ اور اس کے ساتھیوں کو گور و کفن تک میسر نہ آ سکا' لیکن خود علقمی کا حشر اس سے بھی برا ہوا کہ اس کے اصرار پر ہلاکو نے علوی خلافت بھی قائم نہ کی اور ابن عمران نامی شخص کو حاکم بغداد مقرر کر کے علقمی کو اس کا چپراسی مقرر کر دیا اور اس طرح وہ بے ثمر رہا' سقوط بغداد کے ساتھ جہاں خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا وہیں بغداد بھی پھر کبھی دارالخلافہ نہ بن سکا' ایک عرصے تک سردار شیخ حسن بزرگ بغداد پر قابض رہا اس کے پچاس برس 1393ء میں یہاں تیمور کا تسلط ہوا جب وہ جانے لگا اپنی طرف سے مرزا ابوبکر کو گورنر مقرر کر گیا۔

خلافت عباسیہ کا خاتمہ بعد کے مورخین کے نزدیک ایک بڑا تاریخی واقعہ ہی نہیں تھا بلکہ زبردست حادثہ تھا' لیکن معاصرین میں جو تاثر تھا وہ محض تاسف تھا اس اہم تاریخی حادثے کے بعد سیاسی ردعمل رونما نہ ہوا' تاتاریوں کی اس یلغار کے خلاف کوئی انقلاب نہ آ سکا' بغداد کے بعد واسط کے شہر نے مزاحمت کی نتیجتاً اس کے چالیس ہزار باشندے قتل کر دیئے گئے اور اس کے ساتھ ہی ایران اور عراق پر منگول فتح مکمل ہوگئی۔

ماخذ = تاریخ خلفاء' جلال الدین سیوطی' تاریخ ابن خلدون جامع تاریخ ہند از محمد حبیب' خلیق احمد نظامی

فرمانروا عالم

قیصران روم آئینہ تقویم میں

Agustus(Ovtavianus)	شہنشاہ آگسٹس سیزر	14ء۔27ق م
Tiberius Claudius	شہنشاہ ٹائبریس	37ء۔14ء
Claudius Germanicns	شہنشاہ کالیگولا	37-41ء
Tiberius Cladiusdrusus	شہنشاہ کلاڈیس	41-54ء
Lacius Domitius Nero	شہنشاہ نیرو	54-68ء
Galba (Servius Sulpicks)	شہنشاہ گیلبا	68-69ء
Marcus Salvius Otho	شہنشاہ اوتھو	69ء
Aulusvitellius Germanicus	شہنشاہ ویٹلیئس	69ء
Vepasian(Titus Flavias)	شہنشاہ ویسپاسین	69-79ء
Titus(Titus Favias)	شہنشاہ ٹائٹس	79-81ء
Titus Flavias Domition	شہنشاہ ڈومیشن	81-96ء
Marcus Cocceius Nerva	شہنشاہ نیروا	96-98ء
Trajan (Marcus Ulpius)	شہنشاہ ٹراجن	98-117ء
Hadrian(Publius Alelius)	شہنشاہ ہیڈرین	117-138ء
Antoninus pius	شہنشاہ انٹونیئس پیئس	138-161ء
Marcus Aurelius	شہنشاہ مارکس اوریلیئس	161-189ء
Lucius Aurelius	شہنشاہ لوسیئس اوریئس	161-169ء

Commodus(Lucius Aurellus)	سہنشاہ کموڈس	180-192ء
Pertinax(publius Helvis	شہنشاہ پروٹینکیس	193ء
Didius Julian	شہنشاہ ڈیڈیوس جولین	193ء
Septimius Severus	شہنشاہ سیپٹیمس سیروئیس	193-211ء
Caracalla	شہناہ کیراکلا	211-217ء
Geta(publius Septimius	شہنشاہ گیٹا	209-211ء
Macrinus(Marcusopelius)	شہنشاہ میکروئیس	217-218ء
Aelagabalus	شہنشاہ الیجبالس	218-222ء
Alexander Severus	شہنشاہ الیگزینڈر سیوریس	222-235ء
Maximin	شہنشاہ میکسمین	235-238ء
Gordian I	شہنشاہ گورڈین اول	238ء
Gordian II 238 Balainus	شہنشاہ گورڈین دوم	238ء
Gordian III 238 Pupienus	شہنشاہ گورڈین سوم	238-244ء
Philipp Arabs	شہنشاہ فلپ عربیس	244-249ء
Decius	شہنشاہ دقیانوس	249-251ء
Hostilian	شہنشاہ ہوسٹیلین	251ء
Gallus	شہنشاہ گیلس	251-253ء
Memilian	شہنشاہ ایمیلین	253ء
Valerian	شہنشاہ ویلیرین	253-259ء
Gailinus	شہنشاہ گیللنئیس	259-268ء
Claddius	شہنشاہ کلاڈیس دوم	268-270

Quintilus	شہنشاہ کوئنٹیلیئس	270ء
Aurelian	شہنشاہ اورئیلین	270-275ء
Tacitus	ٹیسی ٹیس	275-276ء
Florian	فلورین	276ء
Probus	پروبس	276-282ء
Carus	کیریئس	282-283ء
Numerian	نومیرین	283-284ء
Carinus	کاری نیس	284-285ء
Diocletion	ڈائیوکلیشن	284-305ء
Maximian	میکسمیان	305-306ء
Galerius	شہنشاہ گیلریئس	305-311ء
Severus	سیورس	306-307ء
Maximian	دوبارہ میکسمیان	306-308ء
Maxentias	میکسین ٹیئس	306-312ء
Maximlnus	میکسمینس ڈایا	308-313ء
Licinius	لیسینئس	311-324ء
Constantine	قسطنطین اول	311-337ء
Constantine II	قسطنطین دوم	337-340ء
Constantius	قسطانطیئس	337-361ء
Constans	قسطین	337-350ء
Julian The Apostate	جولین مرتد	361-363ء
Jovian	جوئین	363-364ء
Valentinna	ویلنس	364-378ء
Gration	گریشن	375-383ء
Valentinian II	ویلنٹائن	375-392ء

Theodosius	تھیوڈوسیس اعظم	379-395ء
Maximus	میکسمس	383-388ء
Eugenius	یوجینیس	392-394ء
Arcadius	آرکیڈیس (مشرق)	395-408ء
Honorius	ہونوریس (مغرب)	395-423ء
Constantius III	قسطانطیس سوم	421ء
Johannes	جوہانیس	423-425ء
Theodosius	تھیوڈوسیس دوم	408-450ء
Valentnan	ویلنٹائن سوم	425-455ء
Avitus	ایوٹیس	455-456ء
Majorian	میجورین	457-461ء
Leo I	شہنشاہ لیو اول (مشرق)	457-474ء
Severus	سیورس (مغرب)	461-465ء
Anthemius	انتھیمیس (مغرب)	467-472ء
Olbrius	شہنشاہ اولبریس (مغرب)	472ء
Glycerius	گلسریس (مغرب)	473ء
Juliusnepos	جولیس نیپوس (مغرب)	473-475ء
Leo II	شہنشاہ لیو دوم	473-474ء
Zeno	شہنشاہ زینو (مشرق)	474-491ء
Romulus Augustus	رومولس آگسٹس (مغرب)	475-476ء

بازنطینی شہنشاہ آئینہ تقویم میں

شہنشاہ زینو	Zeno	474-491ء
شہنشاہ باسلیکس	Bassiliscus	475-476ء
شہنشاہ اناسٹیس	Anastasuis	+491-518
شہنشاہ جسٹینین اول	Justin I	518-527ء
شہنشاہ جسٹینین اعظم	Justinnan	527-565ء
شہنشاہ جسٹینین دوم	Justin II	565-578
شہنشاہ ٹائبریئس دوم	Tiberius	578-582ء
شہنشاہ موریس	Maurice	582-602ء
شہنشاہ فوکاس اول	Phocas I	602-610ء
شہنشاہ ہرقل (ہیراکولیس اول)	Heracliuse	610-641ء
شہنشاہ قسطنطین سوم	Constantine III	641ء
شہنشاہ ہیراکولین	Heracoleon	641ء
شہنشاہ کونٹینس دوم	Constans II	641-668ء
شہنشاہ قسطنطین چہارم	Constantine IV	668-685ء
شہنشاہ جسٹین دوم	Justinian II	685-695ء
شہنشاہ لیونٹیئس	Leontius	695-698ء
شہنشاہ ٹائریئس	Tiberius	698-705ء
شہنشاہ جسٹین دوم (دوبارہ)	Justinian	705-711ء
شہنشاہ اناقلیی کس	Philippicus	711-713ء
شہنشاہ اناسٹیس دوم	Anastasius II	713-715ء
شہنشاہ تھیوڈوسیس دوم	Theodosius II	715-717ء
شہنشاہ لیوسوم	Leo III	717-741ء
شہنشاہ قسطنطین پنجم	Constantin V	741-775ء
شہنشاہ لیو چہارم	Leo IV	775-780ء

شہنشاہ (ملکہ) آئرین	Irene	797-802ء
شہنشاہ قسطنطین ششم	Nicephorus	780-797ء
شہنشاہ نغفور اول	Stauracius	802-811ء
شہنشاہ شاریکس	Stauracius	811ء
شہنشاہ مائیکل اول	Michael I	811-813ء
شہنشاہ لیو پنجم	Leo V	813-820ء
شہنشاہ مائیکل دوم	Michael II	820-829ء
شہنشاہ تھیوفلس	Theophilus I	829-842ء
شہنشاہ مائیکل سوم	Michal III	842-867ء
شہنشاہ بازل اول	Basil I	867-886ء
شہنشاہ لیو ششم	Leo VI	886-912ء
شہنشاہ الیکزینڈر دوم	Alexander	912-913ء
شہنشاہ قسطنطین ہفتم	Constantine	912-959ء
شہنشاہ رومانوس	Romanus	929-949ء
شہنشاہ رومانس دوم	Romanus II	959-963ء
شہنشاہ بازل دوم	Basil II	963-1025ء
نغفور دوم	Nicephorus II	965-969ء
جان اول	John I	969-976ء
قسطنطین ہشتم	Cos VIII	1025-1028ء
ملکہ زوئی		1028-1050ء
شہنشاہ رومانوس سوم		1028-1034ء
شہنشاہ مائیکل چہارم	M. IV	1034-1041ء
شہنشاہ مائیکل پنجم		1041-1042ء
شہنشاہ قسطنطین نہم		1042-1055ء
ملکہ تھیوڈورا		1055-1056ء
شہنشاہ مائیکل ششم		1056-1067ء

شہنشاہ آئزک اول		1057-1059ء
شہنشاہ قسطنطین دہم		1059-1067
شہنشاہ رومانوس چہارم		1068-1071ء
شہنشاہ مائیکل ہفتم		1071-1083ء
نغفور سوم		1078-1083ء
شہنشاہ الیکس	Alexus	1081-1118ء
شہنشاہ جان دوم		1118-1143ء
شہنشاہ مینوئیل	Manuel	1147-1180ء
شہنشاہ الیکسئس دوم	Alexus	1180-1183ء
شہنشاہ ایندرومنیکس	Andronicus	1183-1185ء
شہنشاہ آئزک دوم	Issac II	1185-1195ء
شہنشاہ الیکسئس سوم	Alexus III	1195-1204ء
شہنشاہ ائزک دوم (بحالی عہد)		1203-1204ء
شہنشاہ الیکسئس چہارم		1203-1204ء
شہنشاہ الیکسئس پنجم		1204ء

لاطینی شاہان کا زمانہ

شہنشاہ بالڈون	Baldwin	1204-05ء
شہنشاہ ہنری	Henry	1205-1216ء
شہنشاہ پیٹر آف کورٹ نے	Peter of Courtenay	1216-1217ء
شہنشاہ یولینڈے	Yolande	1217-19ء
رابرٹ آف کورٹ نے	Robert Of Court	1219ء
شہنشاہ بالڈون دوم		1228-1261ء
شہنشاہ جان آف برینی	John O. Brienne	1231-1237
شہنشاہ ہان نیقیا		1204-1222ء
شہنشاہ تھیوڈور اول		1204-1222ء
شہنشاہ جان سوم		1222-1254ء

شہنشاہ تھیوڈر دوم	1254-1258ء
شہنشاہ جان چہارم	1258-1261ء
شہنشاہ مائیکل ہشتم	1259-1282ء
شہنشاہ اینڈرونیکس دوم	1282-1328ء
شہنشاہ مائیکل نہم	1295-1320ء
شہنشاہ اینڈرونیکس سوم	1328-1341ء
شہنشاہ جان پنجم	1341-1347ء
شہنشاہ جان ششم	1347-1354ء
شہنشاہ جان پنجم (دوبارہ برسر اقتدار)	1355-1376ء
شہنشاہ اینڈرونیکس چہارم	1376-1379ء
شہنشاہ جان پنجم (سہ بارہ عہد)	1379-1391ء
شہنشاہ جان ہفتم	1390ء
شہنشاہ مانوئیل دوم	1391-1425ء
شہنشاہ جان ہشتم	1425-1448ء
شہنشاہ قسطنطین یازدہم	1448-1453ء
سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا	1453ء

خلفائے اسلام آئینہ تقویم میں

پیغمبرِ اعظم و آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم 632(570)622ء

خلفائے راشدہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	632-634ء
حضرت عمر رضی اللہ عنہ	634ء-644ء
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	644ء-656ء
حضرت علی رضی اللہ عنہ	656ء-661ء

خلفا بنوامیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	661-680ء
یزید اول	684-685ء
عبدالملک بن مروان	685-705ء
ولید بن عبدالملک	705-715ء
سلیمان بن عبدالملک	715-717ء
عمر بن عبدالعزیز	717-720ء
یزید دوم	720-724ء
ہشام بن عبدالملک	724-743ء
ولید دوم	743-744ء
یزید سوم	744ء
ابراہیم	744ء
مروان ثانی	744-750ء

خلفائے بنوعباسیہ

ابوالعباس السفاح	750-754ء
المنصور ابوجعفر عبداللہ	754-775ء
المہدی، ابوعبداللہ محمد بن منصور	775-785ء
الہادی ابومحمد موسیٰ	785-786ء
ہارون الرشید	786-809
الامین محمد ابوعبداللہ	809-813
المامون، عبداللہ	813-833
المعتصم باللہ	833-842
الواثق باللہ	842-847
المتوکل باللہ	847-861
المنتصر باللہ	861-862

المستعین باللہ	862-866
المعتز باللہ	866-869
المقتدی باللہ	869-870
المعتمد باللہ	870-892
المعتضد باللہ	892-902
المکتفی باللہ	902-908
المقتدر باللہ	908-932
القاہر باللہ	932-934
الراضی باللہ	934-940
المتقی باللہ	940-944
المستکفی باللہ	944-946
المطیع باللہ	946-974
الطائع للہ	974-991
القادر باللہ	991-1031
القائم باللہ	1031-1075
المقتدی باللہ	1075-1094
المستظہر باللہ	1094-1118
الراشد باللہ	1118-1135
المقتفی لامر للہ	1135-1136
المستجد باللہ	1136-1160
المستعدی بامر اللہ	1160-1170
الناصر الدین اللہ	1170-1180
الظاہر باامر اللہ	1180-1225
المستنصر باللہ ابوجعفر	1225-1226
المستعصم باللہ	1242-1256

فاطمی خلفائے مصر

المہدی	
القائم باللہ	909-934
المنصور	934-945
المعیز باللہ	945-952
العزیز	952-975
الحاکم باامراللہ	975-996
الظاہر	996-1021
المستنصر	1021-1036
المستعفی	1036-1094
الآمر	1094-1101
الحافظ	1101-1130
اظفر	1130-1149
الفیض	1149-1154
العدید	1154-1160
	1160-1171

شاہان فارس آئینہ تقویم میں

ہخامنشی عہد

کوروش اعظم	550ق م تا529ق م
کمبوجیہ	529ق م۔485ق م
داریوش اول (پارس)	521ق م۔485ق م
خشیارشا	485ق م۔466ق م
اردشیر دراز دست	465ق م۔425ق م
داریوش دوم	424ق م۔404ق م
اردشیر دوم	404ق م۔358ق م
اردشیر سوم	358ق م۔338ق م

داریوش سوم	336ق م۔330ق م

عہد اشکانیاں

اشک اول	249ق م۔247ق م
اشک دوم	247ق م۔214ق م
اشک سوم	214ق م۔196ق م
اشک چہارم	196ق م۔181ق م
اشک پنجم (فرہاد اول)	181ق م۔174ق م
اشک ششم، مہرداد ا	174ق م۔136ق م
اشک ہفتم، فرہاد دوم	136ق م۔127ق م
اشک ہشتم اردوان دوم	127ق م۔124ق م
اشک نہم	124ق م۔88ق م
اشک دہم، سنترک	86ق م۔67ق م
اشک یازدہم، فرہاد سوم	67ق م۔60ق م
اشک دوازدہم، مہرداد سوم	60ق م۔55ق م
اشک سیزدہم، آرداول	55ق م۔37ق م
اشک چہارم دہم، فرہاد چہارم	37ق م۔2ق م
اشک پانزدہم، فرہادک (فرہاد پنجم)	2ق م۔4عیسوی
اشک شانزدہم آرد دوم	4عیسوی۔8عیسوی
اشک ہفدہم، وونن اول	8عیسوی۔16عیسوی
اشک ہیجدہم	16عیسوی۔40عیسوی
اشک نوردہم، وردان	40عیسوی۔46عیسوی
اشک بیستم، گودرز	46عیسوی۔51عیسوی
اشک بیست ویکم، وونن دوم	--51عیسوی
اشک بیست ودوم	51عیسوی۔77عیسوی
اشک بیست وسوم	77عیسوی۔105عیسوی

اشک بیست و چہارم، خسرو	105 عیسوی۔130 عیسوی
اشک بیست و پنجم، بلاش دوم	130 عیسوی۔149 عیسوی
اشک بیست و ششم، بلاش سوم	148 عیسوی۔191 عیسوی
اشک بیست و ہفتم، بلاش چہارم	191 عیسوی۔209 عیسوی
اشک بیست و ہفتم، بلاش پنجم	209 عیسوی۔226 عیسوی

عہد ساسانیاں

اردشیر	226 عیسوی۔240 عیسوی
شاپور اول	240 عیسوی۔272 عیسوی
ہرمز اول	271 عیسوی۔272 عیسوی
بہرام اول	272 عیسوی۔275 عیسوی
بہرام دوم	275 عیسوی۔282 عیسوی
نرسی	293 عیسوی۔301 عیسوی
ہرفز دوم	301 عیسوی۔309 عیسوی
آذر نرسی	309 عیسوی۔
شاپور اعظم	309 عیسوی۔379 عیسوی
اردشیر دوم	379 عیسوی۔383 عیسوی
شاپور سوم	383 عیسوی۔388 عیسوی
بہرام چہارم	388 عیسوی۔399 عیسوی
یزدگرد گہنگار	399 عیسوی۔420 عیسوی
بہرام گور	420 عیسوی۔440 عیسوی
یزدگرد دوم	440 عیسوی۔457 عیسوی
ہرمز سوم	457 عیسوی۔459 عیسوی
فیروز اول	459 عیسوی۔483 عیسوی
بلاش	483 عیسوی۔487 عیسوی
قباد شہریار	487 عیسوی۔531 عیسوی

خسرو اول، (نوشیرواں عادل)	531 عیسوی۔579 عیسوی
ہرمز چہارم	579 عیسوی۔590 عیسوی
خسرو پرویز	590 عیسوی۔628 عیسوی
قباد دوم	628 عیسوی۔629 عیسوی
اردشیر سوم+شہر براز	629 عیسوی۔
خسرو سوم	(اس عہد
بوران دخت	میں بہت
گشتاسپ	سے چند
آزرمی دخت (فیروز دوم)	روزہ تاجدار
ہرمز پنجم	تخت نشین
خسرو چہارم (خرداد خسرو)	ہوئے)
فرخ زاد (خسرو پنجم)	632 عیسوی۔634 عیسوی
یزدگرد سوم، آخری ساسانی تاجدار	634 عیسوی۔652 عیسوی

مشہور سلاسل مسلم سلاطین
آل بویہ (فارس اور عراق)

عماد الدولہ علی	929 عیسوی۔949 عیسوی
عدو الدولہ فنا خسرو	949 عیسوی۔983 عیسوی
شرف الدولہ شیرزیل	983 عیسوی۔990 عیسوی
شمس الدولہ مرزبان	990 عیسوی۔998 عیسوی
بہاء الدولہ فیروز	998 عیسوی۔1012 عیسوی
سلطان الدولہ	1012 عیسوی۔1021 عیسوی
شرف الدولہ حسن	1021 عیسوی۔1024 عیسوی
عماد الدین مرزبان	1024 عیسوی۔1048 عیسوی
الملک الرحیم خسرو فیروز	1048 عیسوی۔1055 عیسوی
فولاد ستون	1055 عیسوی۔1062 عیسوی

(صرف فارس) کرمان میں

معزالدولہ احمد	
عدوالدولہ فناخسرو	936عیسوی۔946عیسوی
صمصام الدولہ مرزبان	949عیسوی۔983عیسوی
بہاؤالدولہ فیروز	983عیسوی۔998عیسوی
قوام الدولہ	998عیسوی۔1012عیسوی
عمادالدولہ	1012عیسوی۔1028عیسوی
	1028عیسوی۔1048عیسوی

آل سامان

احمداول بن اسد بن سامان	گورنرفرغانہ	819ء۔۔۔۔۔۔
نصراول	گورنرسمرقند	864ء۔۔۔۔۔۔
اسماعیل بن احمد		892عیسوی۔907عیسوی۔
احمددوم بن اسماعیل		907عیسوی۔913عیسوی۔
الامیرالسعید نصردوم		914عیسوی۔943عیسوی۔
الامیرالحمید نوح اول		943عیسوی۔954عیسوی۔
الامیرالمعید عبدالملک اول		954عیسوی۔961عیسوی۔
الامیرالسدید منصور		961عیسوی۔976عیسوی۔
الامیرنوح دوم		976عیسوی۔997عیسوی۔
منصوردوم		997عیسوی۔999عیسوی۔
عبدالملک دوم		999عیسوی۔1005عیسوی۔
اسماعیل دوم		1005عیسوی۔۔۔۔۔

طاہریہ خراسان

طاہراول بن حسین	821عیسوی۔822عیسوی۔
طلحہ	822عیسوی۔828عیسوی۔
عبداللہ	828عیسوی۔845عیسوی۔

طاہر دوم		845 عیسوی۔ 862 عیسوی۔
محمد		862 عیسوی۔ 873 عیسوی۔

مسلم اسپین کے حکمران

ہسپانوی خلافت بنوامیہ		
عبدالرحمٰن الداخل		756 عیسوی۔ 788 عیسوی۔
ہشام اول		788 عیسوی۔ 796 عیسوی۔
الحکم اول		796 عیسوی۔ 822 عیسوی۔
عبدالرحمٰن المتوسط دوم		822 عیسوی۔ 852 عیسوی۔
محمد اول		852 عیسوی۔ 886 عیسوی۔
المنذر		886 عیسوی۔ 888 عیسوی۔
عبداللہ		888 عیسوی۔ 912 عیسوی۔
عبدالرحمٰن النامہ سوم		912 عیسوی۔ 961 عیسوی۔
الحکم دوم المستنصر		961 عیسوی۔ 976 عیسوی۔
ہشام دوم		976 عیسوی۔ 1009 عیسوی
محمد دوم المہدی		1009 عیسوی 1010 عیسوی۔
سلیمان المستعین		1009 عیسوی 1010 عیسوی۔
ہشام دوم	دوسرا دور حکومت	1010 عیسوی۔
سلیمان المستعین	دوسرا دور حکومت	1013 عیسوی۔
حمود العلی النام		1016 عیسوی۔
عبدالرحمٰن چہارم المرتضیٰ		1018 عیسوی۔
حمود القاسم المامون		1018 عیسوی۔
حمود یحییٰ		1021 عیسوی۔
حمود القاسم	دوسرا دور	1022 عیسوی۔
عبدالرحمٰن پنجم المستفیر		1023 عیسوی۔
حمود یحییٰ	دوسرا دور	1025 عیسوی۔

ہشام سوم المعید 1027 عیسوی۔1031 عیسوی۔

مشہور سلاسل مسلم سلاطین

عباسیوں کے زیر نگیں طولونی سلاطین (مصر و شام)

احمد بن طولون	868 عیسوی۔884 عیسوی۔
خمارویہ	884 عیسوی۔896 عیسوی۔
جیش	896 عیسوی۔۔۔۔
ہارون	896 عیسوی۔905 عیسوی۔
شیبان	905 عیسوی۔۔۔۔۔

عباسی جرنیل محمد بن سلیمان کے ہاتھوں طولونی سلطنت کا خاتمہ

دولت زیدیہ (طبرستان)

الحسن بن زید بن الحسن	884 عیسوی۔864 عیسوی

دولت اغلبیہ (افریقہ/صقلیہ)

ابراہیم بن الاغلب (اول)	800 عیسوی۔812 عیسوی۔
عبداللہ (اول)	812 عیسوی۔817 عیسوی۔
زیادۃ اللہ اول	817 عیسوی۔838 عیسوی۔
ابواقبال الاغلب	838 عیسوی۔841 عیسوی۔
محمد اول	841 عیسوی۔856 عیسوی۔
احمد	856 عیسوی۔863 عیسوی۔
زیادۃ اللہ دوم	863 عیسوی۔۔۔۔
ابوالغرانیق محمد دوم	863 عیسوی۔875 عیسوی۔
ابراہیم دوم	875 عیسوی۔902 عیسوی۔
عبداللہ دوم	902 عیسوی۔۔۔۔۔
زیادۃ اللہ سوم	903 عیسوی۔909

الادریسی (مراکش)

ادریس اول	789 عیسوی۔793 عیسوی۔
ادریس دوم	793 عیسوی۔828 عیسوی۔
محمد المستنصر	828 عیسوی۔836 عیسوی۔
علی الاول	836 عیسوی۔849 عیسوی۔
یحییٰ اول	849 عیسوی؟
یحییٰ دوم	------
علی دوم	------
یحییٰ سوم المقدام	905 عیسوی۔922
یحییٰ چہارم الحسن الحجام	922 عیسوی۔926 عیسوی۔

الاخشیدی (مصروشام)

محمد بن طغج الاخشی	935 عیسوی۔946 عیسوی۔
اوجود (اوئی غور)	946 عیسوی۔961 عیسوی۔
علی	961 عیسوی۔968 عیسوی۔
کافور	966 عیسوی۔
احمد	968 عیسوی۔969 عیسوی۔

فاطمی سپہ سالار جوہر کی فتح (فاطمی خلفاء)

عبیداللہ المہدی	907 عیسوی۔934 عیسوی۔
القائم	934 عیسوی۔946 عیسوی۔
المنصور	946 عیسوی۔953 عیسوی۔
المعز	953 عیسوی۔975 عیسوی۔
العزیز	975 عیسوی۔996 عیسوی۔
الحاکم	996 عیسوی۔1021 عیسوی۔

الظاہر	1021 عیسوی۔1036 عیسوی۔
المستنصر	1036 عیسوی۔1094 عیسوی۔
المستعلی	1094 عیسوی۔1101 عیسوی۔
العامر	1101 عیسوی۔1130 عیسوی۔
وقفہ	(بغیر خلیفہ صرف گورنر کی حکومت) 1130 عیسوی۔
الحافظ	1131 عیسوی۔1149 عیسوی۔
الظاہر	1149 عیسوی۔1154 عیسوی۔
الفائز	1154 عیسوی۔1160 عیسوی۔
الحاضید	1160 عیسوی۔1171 عیسوی۔

ایوبی سلاطین

الملک الناصر صلاح الدین ایوبی	1169 عیسوی۔1193 عیسوی۔
الملک العزیز عماد الدین	1193 عیسوی۔1198 عیسوی۔
الملک المنصور ناصر الدین	1198 عیسوی۔1200 عیسوی۔
الملک العادل اول سیف الدین	1200 عیسوی۔1218 عیسوی۔
الملک الکامل اول ناصر الدین	1218 عیسوی۔1238 عیسوی۔
الملک العادل دوم سیف الدین	1238 عیسوی۔1240 عیسوی۔
الملک الصالح نجم الدین ایوب	1240 عیسوی۔1249 عیسوی۔
الملک المعظم توران شاہ	1249 عیسوی۔1250 عیسوی۔
الملک الاشرف دوم مظفر الدین	1250 عیسوی۔1252 عیسوی۔

خوارزم شاہان

انوشتگین گھرچائی اول	1077 عیسوی۔1097 عیسوی۔
ایلنچی بن قوچار	1097 عیسوی۔
قطب الدین محمد	1097 عیسوی۔1127 عیسوی۔
علاء الدین اتسیر	1127 عیسوی۔1156 عیسوی۔
ال ارسلان	1156 عیسوی۔1172 عیسوی۔

علاء الدین تیکش		1172 عیسوی 1192 عیسوی۔
علاء الدین محمد		12 عیسوی۔1220 عیسوی۔
جلال الدین منگیرنو		1220 عیسوی 1231 عیسوی۔

غزنوی سلاطین

ناصر الدولہ سبکتگین		977 عیسوی۔997 عیسوی۔
اسماعیل		997 عیسوی۔998 عیسوی۔
یمین الدولہ محمود		998 عیسوی 1030 عیسوی۔
جلال الدولہ محمد	(پہلا دور حکومت)	1030 عیسوی 1031 عیسوی۔
شہاب الدولہ مسعود اول		1031 عیسوی 1041 عیسوی۔
جلال الدولہ محمد	(دوسرا دور حکومت)	1041 عیسوی۔
شہاب الدولہ مودود		1041 عیسوی 1050 عیسوی۔
مسعود دوم		1050 عیسوی 1050 عیسوی۔
بہاء الدولہ علی		1050 عیسوی 1050 عیسوی۔
عز الدولہ عبدالرشید		1050 عیسوی 1053 عیسوی۔
قوام الدولہ طغرل		1053 عیسوی۔
جمال الدولہ فرخ زاد		1053 عیسوی 1059 عیسوی۔
ظاہر الدولہ فرخ زاد		1059 عیسوی 1099 عیسوی۔
علاء الدولہ مسعود سوم		1099 عیسوی 1115 عیسوی۔
کمال الدولہ شیرزاد		1115 عیسوی۔
سلطان الدولہ ارسلان شاہ		1115 عیسوی 1118 عیسوی۔
یمین الدولہ بہرام شاہ		1118 عیسوی 1152 عیسوی۔
معز الدولہ خسرو شاہ		1152 عیسوی 1160 عیسوی۔
تاج الدولہ خسرو ملک		1160 عیسوی 1186 عیسوی۔

سلجوق (عظیم سلجوق) (عراق وفارس)

رکن الدنیاوالدین طغرل	1028 عیسوی 1063 عیسوی۔
عدودالدولہ	1063 عیسوی 1072 عیسوی۔
جلال الدولہ، ملک شاہ اول	1072 عیسوی 1094 عیسوی۔
رکن الدین مبرکیاروق	1094 عیسوی 1105 عیسوی۔
معزالدین ملک شاہ دوم	1105 عیسوی۔
غیاث الدین محمد اول	1105 عیسوی 1118 عیسوی۔
معزالدین سنجر (مشرقی فارس)	1118 عیسوی 1157 عیسوی۔

صرف عراق اور مغربی فارس

مغیث الدین محمود دوم	1118 عیسوی 1131 عیسوی۔
غیاث الدین داؤد	1131 عیسوی 1132 عیسوی۔
رکن الدین طغرل دوم	1132 عیسوی 1134 عیسوی۔
غیاث الدین مسعود	1134 عیسوی 1152 عیسوی۔
معین الدین ملک شاہ	1152 عیسوی 1153 عیسوی۔
رکن الدین محمود	1153 عیسوی 1160 عیسوی۔
غیاث الدین ریحان شاہ	1160 عیسوی 1161 عیسوی۔
معزالدین ارسلان	1161 عیسوی 1176 عیسوی۔
رکن الدین طغرل سوم	1176 عیسوی 1194 عیسوی۔

سلجوقِ شام

عمادالدین قادود	1041 عیسوی 1073 عیسوی۔
کرمان شاہ	1073 عیسوی 1073 عیسوی۔
حسین	1074 عیسوی 1074 عیسوی۔
دکن الدولہ سلطان شاہ	1074 عیسوی 1085 عیسوی۔
محی الدین توران شاہ	1085 عیسوی 1097 عیسوی۔

بہاء الدین ایران شاہ	1097 عیسوی۔1101 عیسوی۔
مغیث الدین محمد اول	1142 عیسوی۔1156 عیسوی۔
محی الدین طغرل شاہ	1156 عیسوی۔1170 عیسوی۔
محی الدین ارسلان شاہ اول	1101 عیسوی۔1142 عیسوی۔
دوم بہرام شاہ	1170 عیسوی۔1175 عیسوی۔
ارسلان شاہ دوم	1175 عیسوی۔1176 عیسوی۔
توران شاہ دوم	1176 عیسوی۔1183 عیسوی۔
محمد دوم	1183 عیسوی۔1186 عیسوی۔

مقدس رومی سلطنت کے حکمران آئینہ تقدیم میں

شارلیمان	800 عیسوی۔814 عیسوی۔
لوئی پاکباد	814 عیسوی۔840 عیسوی۔
لوتھیئر اول	840 عیسوی۔855 عیسوی۔
لوئی دوم	855 عیسوی۔875 عیسوی۔
چارلس دوم (گنجا)	875 عیسوی۔877 عیسوی۔
VACANCY	877 عیسوی۔881 عیسوی۔
چارلس موٹا (سوم)	881 عیسوی۔887 عیسوی۔
VACANCY	887 عیسوی۔891 عیسوی۔
گائیڈو	891 عیسوی۔984 عیسوی۔
لیمبرٹ	892 عیسوی۔898 عیسوی۔
آرنلف	8996 عیسوی۔899 عیسوی۔
لوئی سوم	901 عیسوی۔905 عیسوی۔
کونارڈ اول	914 عیسوی۔918 عیسوی۔
برینجر	915 عیسوی۔924 عیسوی۔
ہنری اول	919 عیسوی۔936 عیسوی۔
اوٹو اعظم	936 عیسوی۔973 عیسوی۔

اوٹو دوم	973 عیسوی۔ 983 عیسوی۔
اوٹو سوم	983 عیسوی۔ 1002 عیسوی۔
ہنری دوم (ولی)	1002 عیسوی۔ 1024 عیسوی۔
کونارڈ (مقتول)	1024 عیسوی۔ 1039 عیسوی۔
ہنری سوم (کالا)	1039 عیسوی۔ 1056 عیسوی۔
ہنری چہارم	1056 عیسوی۔ 1106 عیسوی۔
رڈولف	1077 عیسوی۔ 1080 عیسوی۔
ہرمان	1081 عیسوی۔ 1093 عیسوی۔
کونارڈ	1093 عیسوی۔ 1101 عیسوی۔
ہنری پنجم	1106 عیسوی۔ 1125 عیسوی۔
لوتھیئر دوم	1125 عیسوی۔ 1137 عیسوی۔
کومارڈ سوم	1138 عیسوی۔ 1152 عیسوی۔
فریڈرک باربروسہ	1152 عیسوی۔ 1190 عیسوی
ہنری ششم	1190 عیسوی۔ 1197 عیسوی۔
آٹو چہارم	1198 عیسوی۔ 1215 عیسوی۔
فلپ آف سوابیا	1198 عیسوی۔ 1208 عیسوی۔
فریڈرک دوم	1215 عیسوی۔ 1250 عیسوی۔
ہنری راسپ	1246 عیسوی۔ 1247 عیسوی۔
ولیم آف ہالینڈ	1247 عیسوی۔ 1256 عیسوی۔
کونارڈ چہارم	1250 عیسوی۔ 1254 عیسوی۔

مقدس رومی شہنشاہ

رچرڈ آف کارنوال	1254 عیسوی۔ 1273 عیسوی۔
الفانسو دہم آف قشالیہ	1257 عیسوی۔ 1272 عیسوی۔
رڈولف آف ہیپرگ	1257 عیسوی۔ 1273 عیسوی۔
ایڈولف اول آف ناسو	1273 عیسوی۔ 1291 عیسوی۔
البرٹ اول ہیپرگ	1292 عیسوی۔ 1298 عیسوی۔

ہنری ہفتم آف لکسمبرگ	1288 سے 1308 سے 1313 عیسوی۔
لوئی چہارم آف بویریا	1314 عیسوی 1347 عیسوی۔
فریڈرک آف ہیپسرگ	1314 عیسوی 1325 عیسوی۔
چارلس آف لکسمبرگ	1347 عیسوی 1378 عیسوی۔
گنتھر آف شوارزبرگ	1379 عیسوی۔
وینسیلاس آف بوہیمیا	1378 عیسوی 1400 عیسوی۔
فریڈرل سوم	1400 عیسوی۔
روپرٹ آف پلاٹینیٹ	1400 عیسوی 1410 عیسوی۔
سجسمنڈ آف لکسمبرگ	1410 عیسوی 1437 عیسوی۔
جابسٹ آف موراویا	1410 عیسوی 1411 عیسوی۔
رابرٹ دوم آف ہیسپرگ	1438 عیسوی 1439 عیسوی۔
فریڈرک سوم (آخری تاجدار جس کو روم میں تاج پہنایا گیا)	1440 عیسوی 1493 عیسوی۔
میکسمیلین اول	1493 عیسوی 1519 عیسوی۔
چارلس پنجم	1519 عیسوی 1558 عیسوی۔
فرڈینڈ اول	1558 عیسوی 1564 عیسوی۔
میکسمیلین دوم	1564 عیسوی 1576 عیسوی۔
روڈولف دوم	1576 عیسوی 1612 عیسوی۔
میتھیاس	1612 عیسوی 1619 عیسوی۔
فرڈینڈ دوم	1619 عیسوی 1637 عیسوی۔
فرڈینڈ سوم	1637 عیسوی۔ 1657
لیوپولڈ اول	1658 عیسوی 1705 عیسوی۔
جوزف	1705 عیسوی 1711 عیسوی۔
چارلس ششم	1711 عیسوی 1740 عیسوی۔
چارلس ہفتم	1742 عیسوی 1745 عیسوی۔
فرانسس اول	1745 عیسوی 1765 عیسوی۔

جوزف دوم	1765 عیسوی۔1790 عیسوی۔
لیوپولڈ دوم	1790 عیسوی۔1792 عیسوی۔
فرانسس دوم	1792 عیسوی۔1806 عیسوی۔

شاہان فرانس 987ء کے بعد

ہیوکیپے	987 عیسوی۔996 عیسوی۔
رابرٹ دوم (نیکوکار)	996 عیسوی۔1031 عیسوی۔
ہنری اول	1031 عیسوی۔1060 عیسوی۔
فلپ اول	1060 عیسوی۔1108 عیسوی۔
لوئی ششم (موٹا)	1108 عیسوی۔1137 عیسوی۔
لوئی ہفتم (نوجوان)	1137 عیسوی۔1180 عیسوی۔
فلپ دوم (آگسٹس)	1180 عیسوی۔1223 عیسوی۔
لوئی ہشتم	1223 عیسوی۔1226 عیسوی۔
لوئی نہم (اولیاء)	1226 عیسوی۔1270 عیسوی۔
فلپ سوم (بہادر)	1270 عیسوی۔1285 عیسوی۔
فلپ چہارم (خوبصورت)	1285 عیسوی۔1314 عیسوی۔
لوئی دہم	1314 عیسوی۔1316 عیسوی۔
جان اول	1316 عیسوی۔
فلپ پنجم	1316 عیسوی۔1322 عیسوی۔
چارلس چہارم	1322 عیسوی۔1328 عیسوی۔
فلپ ششم	1328 عیسوی۔1350 عیسوی۔
جان دوم	1350 عیسوی۔1364 عیسوی۔
چارلس پنجم	1364 عیسوی۔1380 عیسوی۔
چارلس ششم	1380 عیسوی۔1422 عیسوی۔
چارلس ہفتم	1422 عیسوی۔1461 عیسوی۔
لوئی یازدہم	1461 عیسوی۔1483 عیسوی۔

چارلس ہشتم	1483 عیسوی 1498 عیسوی۔
لوئی دوازدہم	1498 عیسوی 1515 عیسوی۔
فرانسیس اول	1515 عیسوی 1547 عیسوی۔
ہنری دوم	1547 عیسوی 1559 عیسوی۔
فرانسس دوم	1559 عیسوی 1560 عیسوی۔
چارلس نہم	1560 عیسوی 1574 عیسوی۔
ہنری سوم	1574 عیسوی 1589 عیسوی۔
ہنری چہارم	1589 عیسوی 1610 عیسوی۔
لوئی سہ ازدہم	1610 عیسوی 1643 عیسوی۔
لوی چہاراز دہم	1643 عیسوی 1715 عیسوی۔
لوئی پانزدہم	1715 عیسوی 1774 عیسوی۔
لوئی شش دہم	1774 عیسوی 1792 عیسوی۔
پہلی جمہوریہ	1792 عیسوی 1804 عیسوی۔
نپولین اول	1804 عیسوی 1814 عیسوی۔
لوئی ہشتادوہم	1814 عیسوی 1824 عیسوی۔
چارلس دہم	1824 عیسوی 1830 عیسوی۔
لوئی فلپس	1830 عیسوی 1848 عیسوی۔
دوسری جمہوریہ	1848 عیسوی 1852 عیسوی۔
نپولین سوم	1852 عیسوی 1870 عیسوی۔
تیسری جمہوریہ	1870 عیسوی۔

شاہان برطانیہ 1066ء سے اب تک

ولیم فاتح	1066 عیسوی 1087 عیسوی۔
ولیم دوم	1087 عیسوی 1100 عیسوی۔
ہنری اول	1100 عیسوی 1135 عیسوی۔
اسٹیفن	1135 عیسوی 1154 عیسوی۔

ہیری دوم	1154 عیسوی تا 1189 عیسوی۔
رچرڈ شہر دل	1189 عیسوی تا 1199 عیسوی۔
جان	1199 عیسوی تا 1216 عیسوی۔
ہنری سوم	1216 عیسوی تا 1272 عیسوی۔
ایڈورڈ اول	1272 عیسوی تا 1307 عیسوی۔
ایڈورڈ دوم	1307 عیسوی تا 1327 عیسوی۔
ایڈورڈ سوم	1327 عیسوی تا 1377 عیسوی۔
رچرڈ دوم	1377 عیسوی تا 1399 عیسوی۔
ہنری چہارم	1399 عیسوی تا 1413 عیسوی۔
ہنری پنجم	1413 عیسوی تا 1422 عیسوی۔
ہنری ششم	1422 عیسوی تا 1461 عیسوی۔
ایڈورڈ چہارم	1461 عیسوی تا 1483 عیسوی۔
ایڈورڈ پنجم	1483 عیسوی۔
رچرڈ سوم	1483 عیسوی تا 1485 عیسوی۔
ہنری ششم	1485 عیسوی تا 1509 عیسوی۔
ہنری ہشتم	1509 عیسوی تا 1547 عیسوی۔
ایڈورڈ ششم	1547 عیسوی تا 1553 عیسوی۔
میری	1553 عیسوی تا 1558 عیسوی۔
ایلزبتھ اول	1558 عیسوی تا 1603 عیسوی۔
جیمز اول	1603 عیسوی تا 1625 عیسوی۔
چارلس اول	1625 عیسوی تا 1649 عیسوی۔
دولت مشترکہ	1649 عیسوی تا 1660 عیسوی۔
چارلس دوم	1660 عیسوی تا 1685 عیسوی۔
جیمز دوم	1685 عیسوی تا 1688 عیسوی۔
ولیم سوم اور میری	1689 عیسوی تا 1702 عیسوی۔
ملکہ این	1702 عیسوی تا 1714 عیسوی۔

	1714 عیسوی 1727 عیسوی۔
جارج اول	1727 عیسوی 1760 عیسوی۔
جارج دوم	1760 عیسوی 1820 عیسوی۔
جارج سوم	1820 عیسوی 1830 عیسوی۔
جارج چہارم	1830 عیسوی 1837 عیسوی۔
ولیم چہارم	1837 عیسوی 1901 عیسوی۔
ملکہ وکٹوریہ	1901 عیسوی 1910 عیسوی۔
ایڈورڈ ہفتم	1910 عیسوی 1936 عیسوی۔
جارج پنجم	1936 عیسوی۔
ایڈورڈ ہشتم	1936 عیسوی 1952 عیسوی۔
جارج ششم	1952 تاوقت
ایلزبتھ دوم	

مسلم سلاطین ایل خانی حکمران

ہلاکو خان	1256 عیسوی 1265 عیسوی۔
رباقا خان	1265 عیسوی 1282 عیسوی۔
تکودار اغلن	1282 عیسوی 1284 عیسوی۔
ارغون	1284 عیسوی 1291 عیسوی۔
گنجائتو	1291 عیسوی 1295 عیسوی۔
غازان خان	1295 عیسوی 1304 عیسوی۔
الجائیتو خدابندن	1304 عیسوی 1316 عیسوی۔
ابوسعید	1316 عیسوی 1325 عیسوی۔

اس کے بعد ایل خانیوں کا زوال شروع ہوگیا اور 1349ء میں ان کی حکومت ختم ہوگئی

اتابکان فارس (سلغریہ)

مستقرمن مودود	1148 عیسوی 1175 عیسوی۔
زنگی بن مودود	1175 عیسوی 1194 عیسوی۔
طغرل بن سنقر	1194 عیسوی 1203 عیسوی۔

سعد بن زنگی	1203 عیسوی۔1231 عیسوی۔
ابوبکر بن سعد	1231 عیسوی۔1260 عیسوی۔
محمد بن سعد	1260 عیسوی۔1262 عیسوی۔
محمد شاہ	1262 عیسوی۔12645 عیسوی۔
سلجوق شاہ بن سنقر	1264 عیسوی۔1284

سلاطین جلائر

حسن بزرگ	1339 عیسوی۔1356 عیسوی۔
ادریس	1356 عیسوی۔1374 عیسوی۔
حسین	1374 عیسوی۔1382 عیسوی۔
احمد	1382 عیسوی۔1410 عیسوی۔

آل مظفر

مبارزالدین محمد	1315 عیسوی۔1357 عیسوی۔
شاہ شجاع	1357 عیسوی۔1384 عیسوی۔
زین العابدین	1384 عیسوی۔1387 عیسوی۔
شاہ یحییٰ	1387 عیسوی۔
سلطان احمد	1387 عیسوی۔
شاہ منصور	1387 عیسوی۔1392 عیسوی۔

قرہ قویونلو

بیرم خواجہ	1375 عیسوی۔1380 عیسوی۔
قرہ محمد	1380 عیسوی۔1390 عیسوی۔
قرہ یوسف	1390 عیسوی۔1419 عیسوی۔
امیر اسکندر	1419 عیسوی۔1434 عیسوی۔
جہاں شاہ	1435 عیسوی۔1466

آق قویونلو

فخر الدین قرہ یولوق عثمان	1402 عیسوی 1435 عیسوی۔
علی جلال الدین	1435 عیسوی 1438 عیسوی۔
ذرالدین حمزہ	1438 عیسوی 1444 عیسوی۔
جہانگیر	1444 عیسوی 1453 عیسوی۔
اوزون حسن (نصرت الدین ابونصر	1453 عیسوی 1478 عیسوی۔
یعقوب	1478 عیسوی 1490 عیسوی۔
بائسنقر	1490 عیسوی 1492 عیسوی۔
رستم	1492 عیسوی 1497 عیسوی۔
احمد	1497 عیسوی 1498 عیسوی۔
محمد مرزا	1498 عیسوی 1500 عیسوی۔
سلطان الوند	1498 عیسوی 1504 عیسوی۔
سلطان مراد	1498 عیسوی 1508 عیسوی۔

سلطان الوند اور سلطان مراد میں خانہ جنگی ہو رہی تھی کہ اسماعیل صفوی نے اس خاندان کا خاتمہ کر کے صفوی خاندان کی بنیاد رکھی۔

بحری مملوک سلاطین مصر

عزالدین ایبک	1250 عیسوی 1257 عیسوی۔
نورالدین علی	1255 عیسوی 1257 عیسوی۔
سیف الدین قطز	1255 عیسوی 1260 عیسوی۔
ملک الظاہر بیبرس	1260 عیسوی 1277 عیسوی۔
محمد سعید برکہ خاں	1277 عیسوی 1279 عیسوی۔
سلامش بن بیبرس	1279 عیسوی۔
سیف الدین قلادون	1279 عیسوی 1290 عیسوی۔
ملک اشرف خلیل	1290 عیسوی 1293 عیسوی۔
ملک الظاہر بیدار	1293 عیسوی۔

ملک الناصر محمد بن قلاوون	1293 عیسوی 1294 عیسوی۔
ملک العادل کتبوغا	1294 عیسوی۔1296
منصور لاچین	1296 عیسوی 1298 عیسوی۔
ملک الناصر محمد (دوسری بار)	1298 عیسوی 1308 عیسوی۔
بیبرس جاشنگیر	1308 عیسوی 1309 عیسوی۔
ملک الناصر محمد (تیسری بار)	1309 عیسوی 1341 عیسوی۔
منصور ابوبکر	1340 عیسوی 1341 عیسوی۔
علاء الدین کوچک	1341 عیسوی 1342 عیسوی۔
ناصر شہاب الدین احمد	1342 عیسوی 1342 عیسوی۔
ملک الصالح اسماعیل	1342 عیسوی 1345 عیسوی۔
زین الدین شعبان	1345 عیسوی 1346 عیسوی۔
مظفر الدین	1346 عیسوی 1347 عیسوی۔
ناصر صلاح الدین بن محمد	1347 عیسوی 1351 عیسوی۔
صالح صلاح الدین بن محمد	1351 عیسوی۔1354
ناصر حسن بن محمد (دوبارہ)	1354 عیسوی 1361 عیسوی۔
منصور محمد	1361 عیسوی 1363 عیسوی۔
اشرف شعبان	1363 عیسوی 1376 عیسوی۔
منصور علی بن شعبان	1376 عیسوی 1381 عیسوی۔
صالح حاجی بن شعبان	1381 عیسوی۔1382

برجی مملوک سلاطین مصر

ملک الظاہر برقوق	1382 عیسوی 1398 عیسوی۔
ملک الناصر فرج بن برقوق	1398 عیسوی 1405 عیسوی۔
منصور عز الدین بن عبدالعزیز	1405 عیسوی۔
ملک الناصر صرفہ (دوبارہ)	1406 عیسوی 1412 عیسوی۔
شیخ محمودی	1412 عیسوی 1421 عیسوی۔

ملک الظاہر ططر	1421 عیسوی۔
صالح محمد بن ططر	1421 عیسوی 1422 عیسوی۔
ملک الاشرف برس بلرئی	1422 عیسوی 1438 عیسوی۔
عزیز یوسف بن برسبائی	1438 عیسوی۔
ملک الظاہر بن چقمق	1438 عیسوی 1453 عیسوی۔
منصور بن عثمان بن چقمق	1453 عیسوی۔
ملک الاشرف اینال	1453 عیسوی 1460 عیسوی۔
احمد بن اینال	1460 عیسوی 1461 عیسوی۔
ملک الظاہر خوشقدم	1461 عیسوی 1467 عیسوی۔
ملک الظاہر بلبائی	1467 عیسوی۔
ملک الظاہر تمریغا	1467 عیسوی 1468 عیسوی۔
ملک الاشرف قائتبائی	1468 عیسوی 1495 عیسوی۔
ناصر محمد بن قائتبائی	1495 عیسوی 1495 عیسوی۔
قانصدہ	1498 عیسوی 1499 عیسوی۔
جان بلاط	1499 عیسوی 1500 عیسوی۔
ملک قانصوہ غوری	1500 عیسوی 1516 عیسوی۔
طومان بے	1516 عیسوی 1517 عیسوی۔

اگست 1998ء سے نوائے وقت ملتان سے بیسویں صدی کے اہم واقعات کا سلسلہ شروع کیا پھر اخلاق احمد قادری کا قلم کبھی تھکن کا شکار نہیں ہوا۔ 1996ء سے تاریخ عالم پر کام کر رہے ہیں۔ جس سلسلے کی پہلی کتاب تاریخ عالم 2005 شائع ہوئی تھی۔ مارچ 2009ء تاریخ عالم نئے ترمیم واضافہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اور اب آپکے ہاتھ میں اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے جو پہلی صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی کے نصف اول تک کے اہم واقعات کو احاطہ کئے ہوئے ہے جس میں اہم جنگیں، انقلابات، ایجادات، قدرتی آفات سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اخلاق احمد قادری نے اب تک تاریخ عالم کا سب سے زریں عہد (سیرت) تاریخ وتمدن ملتان تاریخ انقلابات عالم جیسے اہم موضوعات پر لکھا ہے جبکہ آئندہ آپ تاریخ عالم کے اہم موڑ اور تاریخ کے بدلتے لمحات میں انکی اپنے شعبے میں مہارت مزید ملاحظہ کریں گے۔ تاریخ عالم میں اُنکا سکوپ عام قاری کے لیے عام فہم اردو زبان میں زمانہ قبل از مسیح سے 21 ویں صدی تک کے اہم واقعات کو اس انداز میں پیش کرنا ہے کہ قاری پوری تاریخ عالم سے بخوبی آشنا ہو جائے۔ دنیا کی اہم ترین شخصیات کو انکے اہم کارہائے نمایاں پر خراج تحسین پیش کرنا بھی انکا مطمع نظر ہے اس سلسلے میں انہوں نے بانی اسلام کو تاریخ عالم کے سب سے زریں عہد میں بھرپور خراج تحسین پیش کیا ہے موجودہ کتاب میں بھی آپ اہم سائنسدانوں، اولیا کرام، صالحین امت اور صحابہ کرام اور دیگر بڑی شخصیات عالم کے بارے میں جان سکیں گے۔

سلیم ناز میگزین ایڈیٹر نوائے وقت ملتان